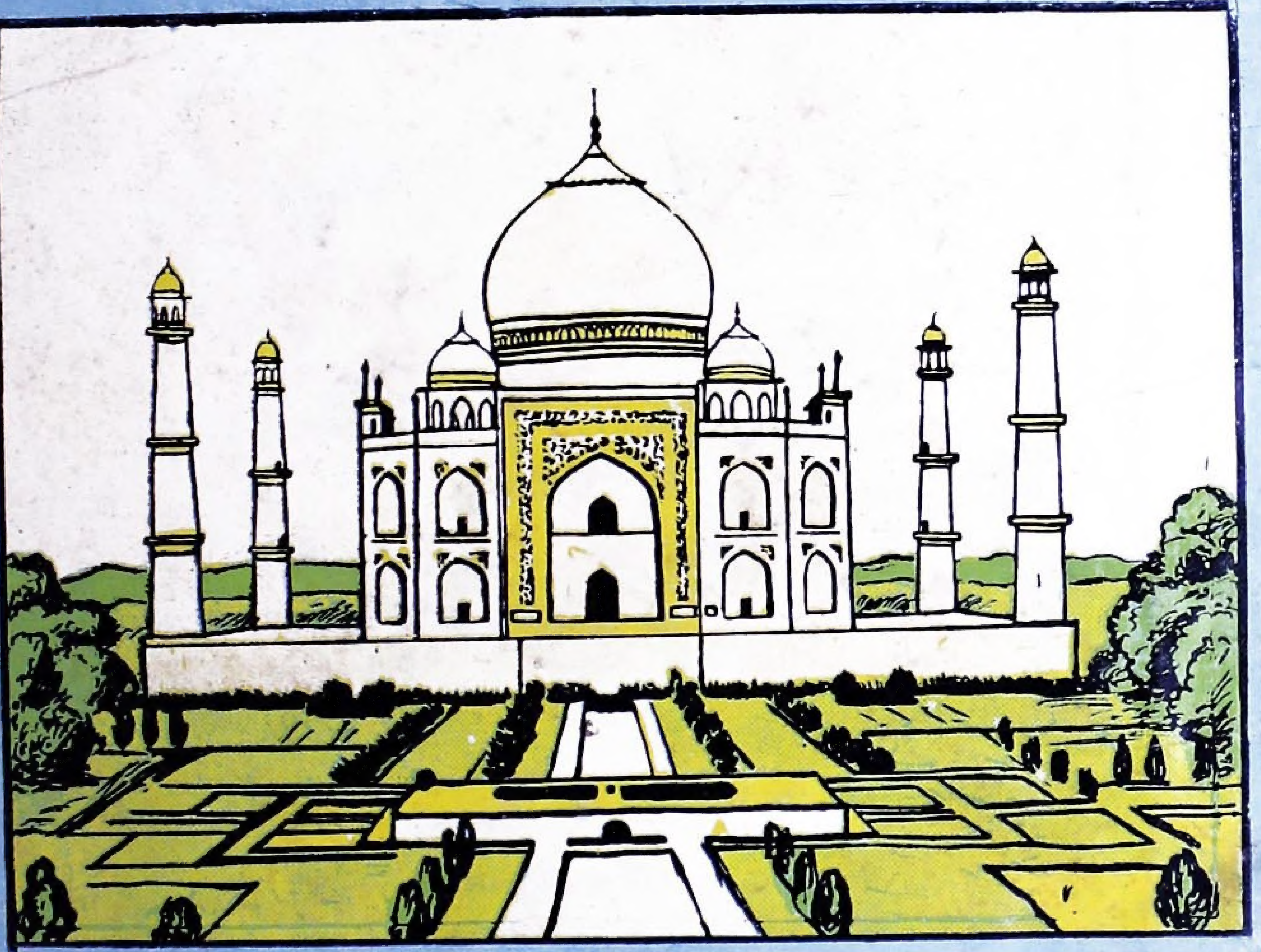
CHRISTIANITY IN THE MOGHUL EMPIRE

BY

THE REVD. BARAKAT ULLAH M.A.



مُغلیہ سلطنت اور مسیحیّت

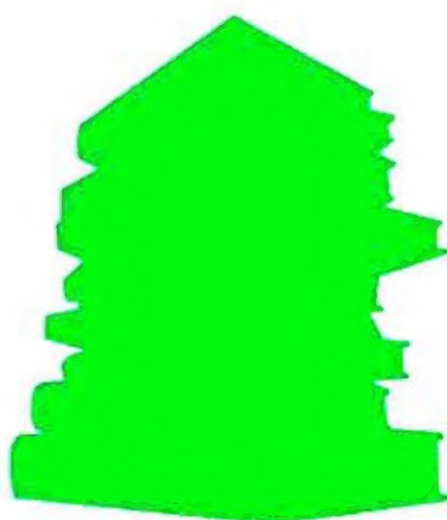
پادری برکت اللہ ایم۔ اے

پنجاب ریلجس بُک سوسائٹی انارکلی لاہور

Marfat.com

Collection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi
Preserved in Punjab University Library.

پروفیسر محمد اقبال مجددی کا مجموعہ
پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ شدہ



Marfat.com



Marfat.com

تاریخِ کلیسیائے ہندوستان

جلد چہارم

مُغلیہ سلطنت اور مسیحیّت



مُصنّفہ

پادری برکت اللہ صاحب ایم۔ اے

سابق لیکچرار مشن کالج پشاور و لاہور۔ کینن لاہور کیتھیڈرل۔ آرچڈیکن امرتسر ڈایوسیس۔

مُصنّف

مُقدّس تُوما رسولِ ہند۔ صلیب کے ہراول، قرونِ وسطیٰ کی ایشیائی اور شمالی ہند کی کلیسیائیں۔ صلیب کے علمبردار۔ پنجاب کا دانا معمار آرچڈیکن احسان اللہ۔ محمد عربی۔ نور الہدیٰ وغیرہ۔

پنجاب رِلیجس بُک سوسائٹی

انار کلی لاہور

بار اوّل | ۱۹۷۰ء | تعداد ۱۰۰۰

(مطبوعہ: پنجاب آرٹ پریس لاہور)

Marfat.com

رُوئے زمین کے اُن عاشقانِ مسیح

137228

کی یادگار میں

جو سر بکف ہو کر گذشتہ چودہ صدیوں کے دَوران میں مشرق و مغرب کے ممالک میں اہلِ اسلام کو انجیلِ جلیل کی بشارت کا پیغام پہنچاتے رہے۔

وُہ ہر قسم کے مصائب و آلام اَور لامتناہی رکاوٹوں پر اپنے عزم بالجزم سے غالب آئے اَور زندہ ہو کر جفاکشی، وفاداری اَور فرض شناسی سے انجیل کی تبلیغ و اشاعت میں سرگرم رہے۔

اُن کی مساعی جمیلہ بارور ہو کر ہزاروں رُوحوں کو مُنجّی کے قدموں میں لانے کا وسیلہ ہوئیں۔

اُنہوں نے پروانہ وار اپنی جانوں کو عزیز نہ جانا

یہاں تک کہ مَوت بھی گوارا کی

اَور انعام میں خُدا سے زِندگی کا تاج حاصل کیا۔

وُہ ہر مُلک کی کلیسیا کے لئے نمونہ چھوڑ گئے تاکہ وُہ اُن کے نقشِ قدم پر چل کر اہلِ اسلام میں مُنجّی کے پیغام کی تبلیغ و اشاعت کرے۔

"جن نبیوں نے خُداوند کے نام سے کلام کیا، اُن کو دُکھ اُٹھانے اَور صبر کرنے کا نمونہ سمجھو۔"
(نوشتہِ مُقدّس یعقوب ۵ : ۱۰)

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خُدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

برکت اللہ

ع :- تازہ کُن فسانۂ دار و رسن ہُوں مَیں!

Marfat.com



قسیس معظم آرچڈیکن برکت اللہ صاحب

Marfat.com

Marfat.com

فہرستِ مضامین

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

مُقدّمۃُ الکتاب

"اَے خُدا۔ ہم نے اپنے کانوں سے سُنا اَور ہمارے باپ دادوں نے ہم سے بیان کیا کہ تُو نے قدیم زمانہ میں کیا کیا کام کئے تھے۔ ہم بھی آیندہ پُشت کو اُن عجائب کاموں کو جو خُدا نے کئے بتائیں گے تاکہ وُہ اپنی اَولاد کو تعلیم دیں جو بڑے ہوکر اپنی اَولاد کو سکھائیں کہ وُہ اُس کے کاموں کو نہ بھُولیں، بلکہ اُس کے حکموں پر عمل کریں اَور اپنے باپ دادا کی طرح سرکش اَور باغی نسل نہ بنیں، جنہوں نے خُدا کے عہد کو قائم نہ رکھا اَور وفادار نہ نکلے۔ بلکہ اس کے خلاف بکنے لگے کہ کیا وُہ یہ کرسکتا ہے۔ اُنہوں نے اُس کی قُدرت اَور نجات پر بھروسا نہ کیا۔ کاش کہ وُہ خُدا کی محبت اَور شفقت کو یاد کرکے اُس کی ستائش کرتے"۔

(زبُور ۴۴، ۷۸، ۱۰۶)

ہمارے غیر مسیحی ہموطن اپنی ملّی، قومی اَور مذہبی زندگی میں انجیل جلیل کی تعلیم اَور مُنجیٔ عالمین ربنا المسیح کی شخصیت کو خواہ کتنا ہی نظر انداز کرنے کی کوشش کریں، وُہ اِس تواریخی حقیقت کو نہیں بدل سکتے کہ ابتدا ہی سے مسیحیت کے روشن کارناموں نے ہمارے مُلک کو ہر زمانہ میں متاثر کیا ہے۔ یہ تاثرات ہمارے ملک کی زندگی کے ہر شعبہ کی رگ اَور خُون میں سرایت کرچکے ہیں۔ ہم نے اس سلسلہ کی گذشتہ تین جلدوں میں یہ حقیقت روشن کردی ہے کہ مسیحیت ہمارے مُلک میں ایک زبردست رُوحانی اَور اخلاقی قوّت ہوکر کارفرما رہی ہے جس نے گذشتہ دو ہزار سالوں میں نہ صرف دُنیا کے کروڑوں افراد کی زندگیوں کی کایا پلٹ دی ہے، بلکہ ہر زمانہ میں اُس نے ہمارے مُلک کے مذاہب پر ایسا اثر کیا ہے کہ اُن کے پیروؤں نے اُس کی روشنی میں اپنے مذاہب کی اصلاح کرکے اُن میں ازسرِ نو زندگی کا دم پھُونک دیا ہے۔ یہ ایک واضح تواریخی حقیقت ہے جو ثبُوت کی محتاج نہیں کہ جس طرح خُداوند

Marfat.com

مسیح کی جاذبِ شخصیت نے رُوئے زمین کے دیگر ممالک و اقوام کے لوگوں کو متاثر کیا ہے۔ اور اُن ممالک کی تاریخ کے رُخ کو بدل دیا ہے، اُسی طرح مُنجّیِ عالمین کی تعلیم اور زندگی تاریخِ ہندوستان کے مختلف زمانوں میں مختلف طبائع اور طبقوں کے لوگوں پر اِس قدر اثرانداز ثابت ہُوئی ہے کہ ہر زمانہ میں ہمارے مُلک کی مذہبی اور سماجی زندگی میں ایک نیا باب کُھل گیا ہے۔

(۲)

موجودہ زمانہ میں تاریخ کے مفہوم میں اور تاریخ لکھنے کے طریقہ میں انقلابی تبدیلیاں پیدا ہوگئی ہیں۔ اب تاریخ کا علم پُرانے واقعات کی قبروں کو کھودنے اور سُوکھی ہڈیوں کے ڈھانچوں کے نام رٹنے پر مشتمل نہیں رہا۔ اب مؤرخ ان ہڈیوں کو باہم ملاتا ہے۔ اُن پر نسیں پھیلاتا ہے۔ اُن پر گوشت چڑھاتا ہے اور اُن کو پوست اور چمڑا پہنا کر اُس کے اندر دم پھُونک کر زندہ کر دیتا ہے۔ پُرانے واقعات فرسُودہ اور بوسیدہ نہیں رہتے کیونکہ تاریخ دَورِ حاضرہ کو ماضی اور مستقبل کے ساتھ پیوستہ کر کے اُن کو از سرِ نو ترتیب دیتی ہے۔ ایسا کہ فلسفۂ تاریخ کی روشنی میں زمانۂ ماضی کے اوقات دَورِ حاضرہ کے ساتھ باہم منسلک ہو کر ایسے معنی خیز ہو جاتے ہیں کہ ان واقعات کی صحیح تاویل و تعبیر دَورِ حاضرہ میں ہمارے راہ کی روشنی ہو جاتی ہے اور ہم زمانۂ مستقبل کے لئے پروگرام وضع کر سکتے ہیں اور ماضی کی لغزشوں سے بچکر اور اُن سے سبق حاصل کر کے اپنے مستقبل کو روشن اور بہتر بنا کر ترقی کر سکتے ہیں۔

ہم اِس نُکتہ کو کتابِ مُقدّس کی کُتب کی مثال سے واضح کر دیتے ہیں۔ عہدِ عتیق کی تواریخی کتابوں میں سلاطین اور تواریخ کی کُتب شامل ہیں جن میں شاہانِ یہُوداہ اور اسرائیل کے عہد کے واقعات کا ذکر ہے۔ یہ واقعات اہلِ یہُود کی قدیم کُتب سے اخذ کئے گئے ہیں، جن میں سے چند ایک کے نام بھی بتلائے گئے ہیں۔ مثلاً "یہُوداہ اور اسرائیل کے بادشاہوں کی کتاب" (۲۔ تواریخ ۲۸: ۲۶، ۳۲: ۳۲، ۳۵: ۲۷) "سلیمان کے احوال کی کتاب" (۱۔ سلاطین ۱۱: ۴۱)، "شاہانِ یہُوداہ کی تاریخ کی کتاب" (۲۔ سلاطین ۲۰: ۲۰) "یاشر کی کتاب"، "ناتن نبی کی کتاب"۔ عیدو غیب بین کی رویتوں کی کتاب" (۲۔ تواریخ ۹: ۲۹)، عیدو غیب بین کی تواریخ (۲۔ تواریخ ۱۲: ۱۵) "سمعیاہ نبی کی کتاب" (۲۔ تواریخ ۱۲: ۱۵) "عیدو نبی کی تفسیر" (۲۔ تواریخ ۱۳: ۲۲) "حوزی کی کتاب" (۳۳: ۱۹) "بادشاہوں کی کتاب کی تفسیر" (۲۔ تواریخ ۲۴: ۲۷) وغیرہ۔ ان ماخذوں میں صرف واقعات ہی لکھے

Marfat.com

تھے جو مختلف بادشاہوں کے عہدِ حکومت سے متعلق تھے۔ لیکن عہدِ عتیق کی تواریخی کُتب (کُتبِ سلاطین و تواریخ) کے مصنفوں نے اُن واقعات کو ایک نئے زاویۂ نگاہ، (۱۔سلاطین ۱۱: ۴۱، ۱۵: ۳۱، ۱۵: ۲۳، ۲۲: ۵۲-۵۳ وغیرہ) سے دیکھ کر اُن کو از سرِ نو ترتیب دی اور بنی اسرائیل کی تاریخ کی تاویل کر کے اُس کو ہر زمانہ کے لئے معنی خیز بنا دیا۔

پس اب وقت آگیا ہے کہ کلیسیا اس حقیقت کو سمجھ لے کہ اُس کے مستقبل کی جڑیں اُس کے ماضی میں گڑی ہیں اور اُس کے مورخ اُس کے زمانۂ ماضی کے واقعات و حالات کو فلسفۂ تاریخ کی روشنی میں از سرِ نو تشکیل دے کر اُن کی تاویل و تعبیر کریں تاکہ جو اچھا بُرا ورثہ کلیسیا کے لوگ چھوڑ گئے ہیں، اُس سے ہم موجودہ زمانہ کے لئے سبق حاصل کر کے اپنی روِشوں پر نگاہ کریں اور اپنے مستقبل کو روشن کرنے کا مصمم ارادہ ٹھان لیں۔ جو قوم اپنے ماضی پر نظر کر کے سبق حاصل نہیں کرتی اُس کا مستقبل تاریک ہو جاتا ہے۔ زمانۂ ماضی کے حالات کی روشنی میں ہم دَورِ حاضرہ کے کلیسیائی مسائل کو (جو ہمیں چاروں طرف گھیرے ہوئے ہیں) حل کر سکتے ہیں اور گذشتہ خامیوں، لغزشوں اور فاش غلطیوں سے بچ سکتے ہیں۔

اِس قسم کا مطالعہ ہم کو دماغی توازن اور دلی تسکین اور حوصلہ دیتا ہے اور ہماری ہمت کو بڑھاتا ہے۔ ہم ٹھنڈے دِل سے دَورِ حاضرہ کے مسائل پر غور کر کے آئندہ کے لئے صحیح قدم اُٹھا سکتے ہیں۔ اس لحاظ سے کلیسیائے ہند کے مورّخ اُس کے بے لوث رہنما ہیں جو تاریخی واقعات پر سوچ بچار کر کے اور اُن کے اسباب و علل قائم کر کے اُس کو صحیح راستہ دکھلا سکتے ہیں۔ یہ مطالعہ بعینہٖ اسی قسم کا ہے جو سائنس دان اختیار کرتے ہیں۔ وہ اشیائے فطرت کے عمل کا مشاہدہ کر کے اُن کے اسباب کا علم حاصل کرتے ہیں اور قوم اُن کے نتائج سے فائدہ اُٹھا کر ترقی کی راہ پر گامزن ہو جاتی ہے۔ مذکورہ بالا اہم مقصد کو حاصل کرنے کے لئے یہ لازم ہے کہ مورخِ کلیسیا گذشتہ واقعات کو گنوانے پر ہی قناعت نہ کرے بلکہ اس پر یہ بھی واجب ہے کہ وہ ایک ایسا مطمحِ نظر نگاہ میں رکھے جو تاویلی تعبیری، تعمیری اور اصلاحی ہو۔ وہ انبیاء اللہ کی سی عالی ہمتی، بلند نظری اور پروازیِ خیال سے کام لے کر اور خدا سے توفیق پا کر موجودہ پُشت کے سامنے واقعات کے اسباب و علل پیش کر کے کلیسیا کو راہِ مستقیم، نظم و نسق و تنظیم اور دیگر سماجی اور

Marfat.com

رُوحانی قوتوں سے مطلع کرے جو اُس کی مستقبل ترقی کا باعث ہوسکتی ہیں اور اُن تخریبی قوتوں اور طاقتوں سے آگاہ کرے جو اُس کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ کا باعث ہوسکتی ہیں۔ موجودہ پُشت کو اِس حقیقت کا اچھی طرح احساس ہو جانا چاہیئے کہ وہ نہ صرف کلیسیا کی تاریخ سیکھتی ہے بلکہ اِس کو بناتی بھی ہے اور کہ جس راہ و روش پر موجودہ پُشت اب اُس کو چلائے گی اُس کا رُخ اُسی طرف ہو جائے گا۔ یہ موجودہ پُشت کے ہاتھ میں ہے کہ کلیسیائے ہند کی مستقبل تاریخ میں ایک نئے اور مستقل باب کا اضافہ کرے گی یا نہیں پس وہ خُدا کے حضور اِس کے مستقبل کی تاریخ کی ذمہ دار اور جوابدہ ہے۔

اِس تحقیق و تفتیش کو مدِنظر رکھ کر مَیں نے تاریخِ کلیسیا کی اِن جلدوں کو لکھنے کی کوشش کی ہے۔ اگر کلیسیا زمانۂ گذشتہ کی خامیوں پر (جن کا مَیں نے ہر جلد میں ذکر کیا ہے) نظر کرکے اپنی راہ و روش کو انجیل کی تعلیم کے مُطابق دُرست کرنے کا تہیہ کرلے تو مَیں سمجھوں گا کہ میری گذشتہ پچاس سالوں کی محنتِ شاقہ اکارت نہیں گئی۔ ؏

صد شُکر کہ تقدیر چنیں راند قلم را

ایک مثال میرے مقصد کو واضح کر سکتی ہے۔ اِن جلدوں کے مُطالعہ سے ناظرین پر ظاہر ہو گیا ہوگا کہ گذشتہ زمانہ میں پردیسیوں کے زر اور دولت سے اور اُن کے غلبہ اور اقتدار کی وجہ سے کلیسیا نے ترقی نہیں کی اور نہ کرتی ہے اور نہ کر سکتی ہے۔ اس کے برعکس یہ سب کچھ اُس کے اصلی زوال کا باعث ہی رہی ہیں۔ یہ کوئی نیا انکشاف نہیں ہے بلکہ وہی ہزاروں سالوں کا پُرانا پیغام ہے جو خُدا نے زکریاہ نبی کی معرفت دیا تھا: "یہ زربابل کے لئے خُدا کا کلام ہے کہ نہ تو زور سے اور نہ توانائی سے بلکہ میری رُوح سے ربّ الافواج فرماتا ہے" (۴: ۶)۔ گذشتہ دو ہزار سال کی تاریخ گواہ ہے کہ ہندوستان کی کلیسیا نے ابتدا ہی سے اس اہم پیغام کی طرف توجہ نہیں کی۔ وہ ہمیشہ پردیسی مُبلغین اور پردیسیوں کی قوّتِ زر، رسُوخ، اقتدار اور بل بوتے پر ہی بھروسہ کرتی رہی اور تباہ حال ہوتی چلی گئی۔ دورِ حاضرہ میں بھی خُدا نے ۱۹۴۷ء میں اُس کو ایک دفعہ پھر موقعہ بخشا کہ وہ خُود اعتمادی کرکے خُودداری سے اپنے پاؤں پر کھڑی ہو جائے اور غیر مسیحیوں کو مسیحی نجات کا پیغام دے کر مُلک کو مُنجّی کے قدموں میں لائے اور یُوں اپنے آپ کو مستحکم و مضبُوط کرلے لیکن کلیسیا اب بھی اِس مغربی زرّیں طوق کو اپنی گردن سے اُتار پھینکنے سے گریز کرتی ہے۔

Marfat.com

اور وقت کو غنیمت جان کر اپنے ماضی سے سبق حاصل کرنا نہیں چاہتی بلکہ اُلٹا مغرب کی کلیساؤں کا دستِ نگر ہونے پر ہی قناعت کرنا چاہتی ہے۔ کلیسیا کے بڑے چھوٹے قائد اَب تک یہی سمجھے بیٹھے ہیں کہ مغرب دُنیا کا مرکز ہے اَور ایسا محور ہے جس کا ایک سِرا قُطبِ شمالی اَور دُوسرا قُطبِ جنُوبی سے مِلا ہُوا ہے۔ کلیسیا یہ نہیں سمجھتی کہ یہ محور ایک موہُوم لکیر ہی ہے اَور وُہ اِس موہُوم لکیر کی فقیر ہے جس کو گذشتہ دوہزار سال میں نہ کبھی قیام نصیب ہُوا ہے نہ ہو سکتا ہے اور نہ آئندہ زمانوں میں کبھی قیام نصیب ہو گا۔ ہندوستان کی تمام کلیساؤں کا نظام۔ اُن کی عبادتیں۔ اُن کے مذہبی اَور سماجی دستُورات اَور رسُوم وغیرہ، غرضیکہ اُن کی زندگی کا ہر پہلو کسی نہ کسی پردیسی کلیسیا کی ہُو بہُو نقل ہے۔ ہر کلیسیا یُورپ اَور امریکہ کی کلیسیاؤں کی نقشِ ثانی بن گئی ہُوئی ہے اَور اقتصادی غلامی کے ساتھ ساتھ ذہنی اَور رُوحانی غلامی کی زنجیروں میں جکڑی پڑی ہے۔ اس پر ستم یہ ہے کہ وُہ آزاد ہونا ہی نہیں چاہتی۔ وُہ خُود اپنے ہاتھوں اپنی خُدا داد جدّتِ طبع اَور دیانتوں اَور صلاحیتوں کو زائل کر رہی ہے۔ مغرب کی تبلیغی انجمنوں کے زر و دولت اَور سہے سہے اقتدار نے (جس سے صرف مُٹھی بھر اَفراد ہی ذاتی فائدے حاصل کر رہے ہیں) ہندوستان کی کلیسیا میں اِس قدر تفرقے ڈال رکھے ہیں کہ خُدا کی پناہ۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ دَورِ حاضرہ میں تعداد کے لحاظ سے رُوئے زمین کے تمام مُلکوں سے زیادہ ہمارے مُلک میں مسیحی فرقے موجُود ہیں جنھوں نے ہندوستان کی کلیسیا میں مستقل انتشار قائم کر رکھا ہے اَور مُلکی کلیسیا کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے ہیں۔ لیکن پھر بھی کلیسیا کے قائد اپنی کھال میں مست ہیں اَور ٹس سے مس نہیں ہوتے۔

ہم علم نباتات اَور حیوانات کی ایک مثال سے ہندوستان کی کلیسیا کی موجُودہ حالت بیان کئے دیتے ہیں۔ اس کا موجُودہ حال طفیلی جانداروں (PARASITES) کا سا ہے۔ اِن جانداروں کی ریڑھ کی ہڈی نہیں ہوتی اَور وُہ دُوسرے جانداروں سے ہی اپنی غذا حاصل کر لیتے ہیں۔ وُہ زندگی کی کشمکش اَور گتھم گتھا میں اپنی ہستی اَور بقا کی خاطر ہاتھ پاؤں نہیں مارتے اَور جہاں تک ہو سکے وُہ مخالف حالات کا خُود مقابلہ نہیں کرتے اَور نہ ہی اپنی مدافعت کے لئے کوئی قدم اُٹھاتے ہیں۔ بعینہٖ یہی حال ہندوستان کی کلیسیا کا ہے۔ اُس کی ریڑھ کی ہڈی ہے ہی نہیں۔ وُہ دُوسروں پر پل رہی ہے۔ اُس

Marfat.com

میں ایسی بلا کی قناعت اور استغنا ہے کہ وہ اپنی ہستی اور بقا کی خاطر نہ کوئی قدم اُٹھاتی ہے اور نہ اپنی مدافعت کا خیال اپنے نزدیک پھٹکنے دیتی ہے۔ وہ اپنے دفاع کے لئے غیر ول کی طرف تکتی رہتی ہے، اور مخالف حالات کا دلیرانہ مقابلہ کرنے کی بجائے اپنی قسمت پر ہی قانع رہتی ہے اور نہیں جانتی کہ اپنے بے مصرف وجود سے کیا کرے بعض طفیلی جاندار جونک کی طرح ہوتے ہیں جو اپنی زندگی کی ابتدائی منزل میں ایک جانور کا خون چوسنے کے بعد کسی دوسرے جاندار سے چمٹ جاتے ہیں اور جب اُس کا بھی خون چوس لیتے ہیں تو اس کو چھوڑ کر کسی تیسرے جاندار سے چمٹ جاتے ہیں، لیکن بعض طفیلی جاندار ایک ہی جانور کے جسم میں مستقل طور پر اپنے مُنہ اور دیگر اعضا سے ایسی مضبوطی کے ساتھ چمٹ جاتے ہیں کہ زندگی بھر اُس جانور کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ تمام طفیلی جنس میں یہ جنس سب سے زیادہ بگڑ جاتی ہے۔ وہ اپنی نسل کی خوبیاں بھی ہمیشہ کے لئے کھو بیٹھتی ہے جس جانور کے ساتھ یہ قسم چمٹ جاتی ہے وہ اُس کے اعصاب اور جلد پر پلتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُس جانور کی پہلے تباہی اور پھر موت واقع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ہندوستان کی کلیسیا کے بہت افراد جونک کی طرح کسی ایک مغربی کلیسیا کے ساتھ چمٹ جاتے ہیں اور جب اُس کا خون چوس لیتے ہیں تو کسی دوسری کلیسیا میں جا داخل ہوتے ہیں، اور وہاں اپنی مقصد برآری کر کے تیسری کلیسیا کے ممبر ہو جاتے ہیں۔ اُن کی زندگی کا نصب العین ہی خون چوسنا اور اپنا اُلو سیدھا کرنا ہوتا ہے۔ لیکن کلیسیا کے اکثر مُنشر کار، زندگی بھر صرف ایک ہی مغربی کلیسیا کے ممبر بنے رہتے ہیں اور اس کے اصولوں پر نازاں ہوتے ہیں۔ وہ اس کے جسم میں مستقل طور پر ایسی مضبوطی سے گڑے رہتے ہیں کہ زندگی بھر اُس کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ وہ اُس کے اعصاب پر پلتے رہتے ہیں اور اس حالت کو وہ "وفاداری" اور "کلیسیائی اصول و روایات پر استقلال سے قائم رہنا" کہتے ہیں! وہ یہ نہیں سمجھتے کہ اِس طریقہ کار سے وہ اپنی خداداد قابلیت، جدتِ طبع اور تمام مُلکی اور قومی خوبیاں کھو بیٹھتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُن میں ترقی کرنے کا مادہ سرے سے زائل ہو جاتا ہے اور زندگی کی دوڑ میں وہ اپنے ہم عصروں سے پیچھے رہ کر ہمیشہ کے لئے پس ماندہ اقلیت اور بے دست و پا اور بیکس ولاچار جماعت بن جاتے ہیں جن کو کوئی پُوچھتا تک نہیں۔ اس قسم کے انسان اپنے ماضی کے تجربوں سے فائدہ نہیں اُٹھاتے

Marfat.com

اور اُن کی ماضی ایک مُردہ لاش بن کر اُن کے گلے میں لٹکتی رہتی ہے جس کی بدبُو اور تعفّن سے اُن کے دل و دماغ کے ذہنی اور رُوحانی قوا شل ہو کر سلب ہو جاتے ہیں اور وُہ اُس کرّہ ارض کی مانند ہو جاتے ہیں جو اپنے ہی محور پر گھُوم کر پھر اُسی جگہ آ جاتا ہے جہاں سے اُس نے گردش شرُوع کی تھی ؎

بیدار ہوں دِل جس کی فغانِ سحری سے
اِس قوم میں مُدّت سے وُہ درویش ہے نایاب (اقبال)

خُدا کے فضل و کرم سے اَب ہندوستان کی کلیسیا کوئی بچہ نہیں ہے۔ بچے بھی ہمیشہ شیر خوار نہیں رہتے اور نہ رینگ کر چلا کرتے ہیں۔ وُہ اُٹھنے کی کوشش کرتے ہیں اور گرتے ہیں لیکن گر کر اپنے پاؤں پر اُٹھ کھڑا ہونا سیکھ لیتے ہیں۔ پھر وُہ چلنے کی کوشش کرتے ہیں گر گر پڑتے ہیں لیکن سنبھل کر چلنا سیکھ لیتے ہیں۔ پھر وُہ دوڑتے کُودتے ہیں۔ اُن میں دم خم آ جاتا ہے اور جوان ہو کر اپنی زندگی کی جدوجہد اور کشمکش کے دَور میں سے گذرتے ہیں لیکن گو ہندوستان میں کلیسیا کی جڑ دو ہزار سالوں سے لگی ہُوئی ہے مگر وُہ تاحال یہی سمجھے بیٹھی ہے کہ یہ اُس کی شیر خوارگی کا زمانہ ہے اور وُہ پردیسیوں کے دُودھ کی بوتل کو چوستی رہتی ہے۔ اُس کو گرنے اور ٹھوکریں کھانے کا خوف ہر دم دامن گیر رہتا ہے۔ بے کسی کے عالم میں وُہ سنبھل کر اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا نہیں چاہتی بلکہ دُوسروں کے پاؤں پر کھڑے ہو کر چلنا چاہتی ہے جو خلافِ فطرت ہے۔ وُہ خُود بڑھ کر جوان ہونے اور اپنی ذمّہ داریوں کا بوجھ اُٹھانے کے خیال سے ہی تھرا اُٹھتی ہے اور کانپ کر غیروں کے ہاتھ پکڑ لیتی ہے لیکن زندگی بڑھنے کا نام ہے۔ جو اقوام و ملل بڑھنے سے کتراتی ہیں اور ترقی نہیں کرتیں وُہ پیچھے رہ جاتی ہیں اور زندگی کی کشمکش میں ختم ہو کر مر جاتی ہیں۔ اَب جو خُدا نے کلیسیا کو ایک اَور نیا موقعہ عطا فرمایا ہے اُس کو اپنا وطیرہ کلیتہً بدل دینا چاہیئے، ورنہ اُس کا نام بھی صفحہ ہستی سے مٹ جائے گا اور وُہ مسیح کی عدالت کے سامنے لاجواب ہو جائے گی۔

سلطنت برطانیہ کے حالات (جن کا ہم انشا اللہ کسی اگلی جلد میں ذکر کریں گے) اَور مغربی مشنری سوسائٹیوں کے ارباب بست و کشاد کی ہند دشمن پالیسی کی بدولت آج کے روز کلیسیا ناسازگار حالات سے دوچار ہو گئی ہے۔ پس اُس کو ضرورت اس بات کی ہے کہ اُس کے پاسبان، پیشوا اور رہنما کلیسیا کے قیام و بقا کی خاطر میدانِ عمل میں کُود پڑیں۔

Marfat.com

یہ کسی ایک کے بس کا روگ نہیں ہے۔ اب اجتماعی کوشش کی ضرورت ہے۔ لازم ہے کہ ہمارے قائد کھلے بندوں کام کریں، اور دن رات محنت کریں۔ آرام طلبی اور عیش پسندی کے نزدیک نہ پھٹکیں۔ وہ رائے کی صلابت رکھنے والے اور صبر آزما حالات میں مضبوطی سے اپنے موقف پر قائم رہنے والے انسان ہوں تاکہ ملک اور کلیسیا کی دل وجان سے وامے درمے خدمت کر کے بلند ترین مراتب پر فائز ہو کر صفِ اوّل کی شخصیتوں میں ہوں۔ نیچے سے نیچے کی سطح کے مسیحیوں سے تعلق اور برتاؤ رکھیں اور مذہب اور ملک کی خاطر اپنی جانیں بھی قربان کر دیں۔ اس کے برعکس یہی دیکھنے میں آتا ہے کہ کلیسیا کے قائد بیچارے بیکس ولاچار بیدست وپا، مسکین، عاجز، بے ضرر قسم کے انسان ہیں جو نیم جاہل اور ضعیف العقل ہونے کے علاوہ دھڑے بازی کی شطرنجی چالیں چل کر کلیسیا کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اپنا اُلّو سیدھا کرتے ہیں اور کلیسیا کے قیام وبقا اور دفاع سے مطلقاً غافل اور بے نیاز ہیں۔ بالفاظِ مُقدس پولوس "اُن کا پیٹ اُن کا خدا ہے"۔ کلیسیا کے شُرکا کی ایک بڑی اکثریت مفلس اَن پڑھ، لا پرواہ، فرومایہ، پست ہمت، نا قابل ونالائق افراد پر مشتمل ہے جن کو اپنے مُنجی مسیح کے نام کے ساتھ کوئی گہرا قلبی تعلق نہیں۔ بقول کسے ؎

محبت کی حرارت ہو اگر کم چراغِ زیست پڑ جاتا ہے مدہم

کلیسیا کے مغربی اُستاد مشرقی کلیسیاؤں کی تاریخ اور ہندوستانی فلسفہ اور علوم بلکہ رسوم ورواج کے علم تک سے کورے ہوتے ہیں۔ بیرونی ممالک کے مشنریوں پر واجب ولازم تھا کہ وہ سرزمین ہند میں وارد ہونے سے پیشتر مشرقی علوم وفنون بالخصوص سنسکرت، عربی، فارسی، اُردو، ہندومت اور اسلامیات میں کامل دستگاہ حاصل کرتے اور مسیحی تعلیمات کو مشرقی اندازِ فکر اور مشرقی معاشرے کی روشنی میں پیش کرنے کی کوشش کرتے۔ وہ اسلامی صوفیائے کرام کی طرح ہندوستانی لباس، ہندوستانی زبان اور ہندوستانی بود وباش کو اختیار کرتے تاکہ ہندوستانیوں اور مبلّغین میں دُوری وبُعد کی دیوار حائل نہ ہوتی۔ یوں اُن کا یہ طریقہ کار موثّر اور اشاعت کے سلسلے میں اُن کی مساعی جمیلہ زیادہ کارگر اور بار آور ثابت ہوتیں۔ ستم ظریفی تو یہ ہے کہ ہم کو ہمارے اپنے ہی ملک میں پردیسی سمجھا جا رہا ہے۔ بقول شخصے ؎

اس طرح دیکھتے ہیں کچھ اہلِ وطن مجھے
جیسے وطن میں کوئی غریب الوطن ہوں میں

Marfat.com

سیاسی شعور کی بیداری اَب ہماری ہستی کی اوّلین شرط ہے کیونکہ ہم کو شہری حقوق سے بھی محروم کر دیا جاتا ہے اَور ملک کے مستقبل پروگرام میں ہماری ہستی کو بالکل نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔ میری دلی دُعا ہے کہ خُداوند مسیح ہندوستانی کلیسیا کی سوکھی ہڈیوں کی وادی پہ رحم کی نظر کرے اَور اِن ہڈیوں کو باہم ملا دے۔ اُن پر نسیں پھیلائے، اُن پر گوشت چڑھائے، اُن کو چمڑا پہنائے اَور اُن میں اپنا مسیحائی دم پھونکے تاکہ کلیسیا میں از سرِ نو زندگی عَود کرے۔ خُدا کرے کہ زلزلہ آئے، غوغا اُٹھے اَور یہ ہڈیاں ایک بڑا لشکر ہو جائیں جو "فتح کرتا ہُوا نکلے اَور فتح کرتا چلا جائے" (مکاشفہ ۶: ۲) اَور "تمام دُنیا خُدا اَور اُس کے مسیح کی ہو جائے"۔

اپنے ماضی کو نہ رو، اَے دِل کہ حُسنِ زندگی
تیرے ماضی میں نہیں ہے تیرے مستقبل میں ہے

(۳)

عام طور پر ممالک و مذاہب کی تاریخ فقط کسی خاص نُقطۂ نگاہ سے لکھی جاتی ہے۔ بالخصُوص کسی مذہب کی تاریخ میں جو اچھی باتیں ہوتی ہیں اُن پر زور دیا جاتا ہے اَور جو بدنما داغ ہوتے ہیں اُن پر پردہ ڈال دیا جاتا ہے یا اُن کی اہمیت کو کم اَور بُرے نتائج کا معمُولی طور پر ذکر کیا جاتا ہے۔ بالعمُوم ایسا مورّخ اپنے مذہبی تعصّبات کو بالائے طاق رکھ کر کھرے کو کھرا اَور کھوٹے کو کھوٹا قرار نہیں دیتا اَور یہی کوشش کرتا ہے کہ پڑھنے والے کھرے کھوٹے میں تمیز نہ کر سکیں۔ لیکن صحیح تاریخ لکھنے والا اپنے مذہب کی تاریخ کی نیکی بدی کو بے رُو رعایت طشت از بام کر دیتا ہے۔ مسیحی مورّخ کے لئے لازم ہے کہ وُہ دیگر مذاہب کے تلخ حقائق کو ایسے الفاظ میں بیان کرے جن سے محبت ٹپکتی ہو اَور مُقدّس پولُوس کے فرمُودہ کو ہمیشہ نگاہ میں رکھے کہ "محبت کے ساتھ سچائی کا کلام پیش کرو" (افسیوں ۴: ۱۵)۔ اِس طریقۂ کار سے ہمارے وطن کے مختلف مذاہب کے پَیرو باہم برادرانہ محبت اَور دوستانہ تعلقات کے رشتوں میں بندھ کر اتفاق اَور صُلح کے ساتھ وطن کی اَور اپنی ملت و جماعت کی خدمت کر سکتے ہیں۔ مسیحی کلیسیا کے لئے یہ ازحد ضروری ہے کہ مُلک کے موجُودہ فرقہ وارانہ نقطۂ نظر سے بلند و بالا رہ کر اپنے طرزِ عمل اَور نمونہ سے دیگر مذاہب والوں پر یہ حقیقت آشکارا کر دے کہ وُہ شخصی اَور ملی تعصّبات سے آزاد ہو کر اس خلیج کو جو اُن میں حائل ہے، دُور کر کے ایک ہی قوم کے افراد اَور اعضا بن سکتے ہیں۔ ہم نے اِس سلسلہ کی گذشتہ جلدوں میں مختلف

Marfat.com

مذاہب کے باہمی تصادم کو اور اس کے اسباب کو نہ صرف کھول کر بتلا دیا ہے بلکہ مختلف کلیسیاؤں کی خامیوں کو بھی طشت از بام کر دیا ہے جو اُن کے زوال کا سبب ہوئی ہیں تاکہ کلیسیا اپنی ماضی سے آگاہ ہو کر سبق حاصل کرے اور ان امور پر نادم ہو کر جو اس کے زوال کا سبب ہوئی ہیں خدا سے توفیق حاصل کر کے اپنے ہموطنوں کے ساتھ دوش بدوش ترقی کرے اور اُن کو خداوند مسیح کی نجات کا پیغام دیتی رہے جس پر عمل کر کے سب سعادتِ دارین حاصل کر سکتے ہیں۔

ہم سطورِ بالا میں عرض کر چکے ہیں کہ ہر مؤرخ کے لئے لازم ہے کہ وہ نہ صرف واقعہ نگار ہو بلکہ وہ واقعات کی صحیح تاویل و تعبیر بھی کرے جو معروضی ہو اور تمام حالات کا بے رُو رعایت جائزہ لے کر درست نقطۂ نظر سے اُن کو ترتیب دے کر اُن کو تاویل کی لڑی میں منسلک کر دے۔ تب اس کے نتائج حق پر ہوں گے اور واقعہ نگاری میں اور تعبیری واقعہ نویسی میں کوئی تخالف و تضاد نہیں ہوگا[1]۔ سچ تو یہ ہے کہ اس طریقہ کو اختیار کر لے ہی سے مؤرخ نہ صرف واقعہ نگار بلکہ واقعیت نگار بھی ہو سکتا ہے۔

ہم نے اُوپر لکھا ہے کہ ہم نے یہ کوشش کی ہے کہ اس جلد میں واقعات کو فقط معروضی نقطۂ نگاہ سے لکھا جائے۔ لیکن ہم نے یہ حقیقت بھی فراموش نہیں کی ہے، کہ کوئی حقیقت نگار مؤرخ گذشتہ واقعات کو کلیتہً اور مطلقاً معروضی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتا بالخصوص جب وہ کسی ایسی مذہبی جماعت کی تاریخ لکھ رہا ہو جس کے ساتھ اُس کا تمام عمر تعلق رہا ہو۔ چند سال کا عرصہ ہوا ہندوستان کے وزیرِ اعظم جواہر لال نہرو مرحوم نے انڈین ہسٹوریکل ریکارڈ کمیشن کے ۳۵ ویں اجلاس کا افتتاح کرتے وقت تقریر کے دوران میں اس نکتہ کو واضح کیا کہ مطلق معروضی نقطۂ نگاہ ایک ناممکن الوقوع مفروضہ ہے[2]۔ مؤرخ کے لئے صرف یہ لازم ہے کہ وہ بے رُو رعایت بے لاگ حق گوئی سے کام لے کر تاویل کرتے وقت کسی مخصوص نظریہ کی پاسداری کر کے واقعات کو بگاڑ کر کسی مسخ شدہ

1. See Marc Bloch, The Historians Conft. Also see Dr. T. A. Robert, History and Christian Apologetics.

2. "There is no such thing as a wholly objective view, except for the objective fool." (The times of India, Delhi, January 5th, 1960).

Marfat.com

صُورت میں پیش نہ کرے اَور غلط بیانی سے قطعی پرہیز کرکے واقعات کی صحیح تاویل و تعبیر کرے۔ کسی مورّخ کے لئے یہ ممکن نہیں ہو سکتا کہ وُہ اپنی انانیت کو مٹا ڈالے اَور کسی قسم کی دلسوزی سے کام نہ لے۔ صحیح تاریخ سرد مہری اَور سرد دِلی سے نہیں لکھی جا سکتی۔ سرد مہری اَور لاتعلّقی فہم و فراست کی بجائے کوڑ مغزی کا نشان ہیں۔ واقعات کی صحیح تاویل کی روشنی صرف دِل کی تپش ہی سے چمک اُٹھتی ہے اَور ملّی اَور قومی زندگی کے مفہوم کو ہر خاص و عام پر روشن کر سکتی ہے۔ علامہ اقبال مرحُوم نے کیا خُوب فرمایا ہے:؎

شنیدم شبے در کُتب خانۂ من | بہ پروانہ میگفت کرمِ کتابی
"بأوراقِ سینا نشیمن گرفتم | بسے دیدم از نُسخۂ فاریابی
نفہمیدہ ام حکمتِ زندگی را | ہماں تیرہ روزم زبے آفتابی"
نکوگفت پروانۂ نیم سوزے | کہ "ایں نکتہ را در کتابے نیابی
تپش می کند زندہ تر زندگی را | تپش می دہد بال و پر زندگی را"

لاتعلّقی اَور سرد مہری ایک غیر فطرتی اندازِ فکر ہے اَور جو شخص اِس سے کام لے کر لکھتا ہے وُہ واقعات کی صحیح تاویل نہیں کر سکتا اَور صحیح تاریخ لکھنے کا اہل نہیں ہوتا کیونکہ وُہ خُشک واقعات کو معنی خیز بنانے سے قاصر رہتا ہے اَور نہ اُن میں زندگی کا دم پھُونک سکتا ہے۔ اُس کی تصنیف صحیح معنوں میں تاریخ نہیں ہوگی بلکہ خُشک واقعات کا مجمُوعہ اَور محض قبروں کو سُوکھی مُردہ اَور بوسیدہ ہڈیوں پر مشتمل ہوگی۔ پس ہم نے کوشش کی ہے، کہ سلطنتِ مغلیہ کے واقعات کو صحیح اَور وسیع نقطۂ نظر سے دیکھ کر متناسب انداز سے صحیح تاویل پیش کریں تاکہ دَورِ مغلیہ کے واقعات کلیسیا اَور قوم دونوں کے لئے معنی خیز ہو جائیں جو موجُودہ پُشت کے لئے سبق آموز ہوں اَور وُہ نہ صرف تاریخِ کلیسیا کو سیکھے بلکہ اُس کی مستقبل تاریخ کو بھی بنائے۔

(۴)

ہم نے کتاب کے متن میں اُردو اَور فارسی کُتب کا بجا حوالہ دیا ہے جن کو ہم نے بطور ماخذ استعمال کیا ہے۔ جلد کے آخر میں ہم نے اُن انگریزی کتابوں کی فہرست شامل کر دی ہے جن سے استفادہ حاصل کیا گیا ہے۔ ہندوستان کی مسیحی کلیسیا نے یوسی بیس جیسا کوئی مؤرخ پیدا نہیں کیا جس کی تصنیفات سے فائدہ اُٹھا کر ہم ایک مسلسل تاریخ قلمبند کر سکتے۔

Marfat.com

جیسا ہم جلدِ اوّل و دوم کے دیباچوں میں بیان کر چکے ہیں قدیم زمانہ کے پردیسی مسیحی سیاحوں اور مؤرخوں نے اپنی تصنیفات میں کہیں کہیں ہندوستان کی کلیسیاؤں کا ذکر کیا ہے جو محض ضمنی قسم کا ہے لیکن کلیسیا کے جس دَور کا اِس جلد میں ذکر کیا گیا ہے اُس میں پہلی دفعہ ممالکِ مغرب کے سیاحوں اور مبلغوں وغیرہ نے ہمارے مُلک کے تاریخی واقعات اور کلیسیاؤں کا کسی قدر تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ لیکن کلیسیا کے مؤرخ کے لئے لازم ہے کہ وُہ نہایت محتاط ہو کر اِن پردیسی ماخذوں کو استعمال کرے کیونکہ آخر وُہ لوگ پردیسی تھے اور مُلک کے رواجوں اور دستوروں سے نابلد اور مذہبی عقیدوں اور سماجی اور سیاسی حالات سے ناواقف تھے۔ جو کسی نے اُن سے کہہ دیا وُہ اُنہوں نے سچ سمجھ کر لکھ دیا۔ اِس وجہ سے اُن کی تصنیفات میں صحیح واقعات کے ساتھ ساتھ بازاری گپ اور افواہیں بھی پائی جاتی ہیں پس اگرچہ یہ لوگ واقعات کے چشم دید گواہ تھے تاہم وُہ اِن واقعات کی صحیح تاویل نہیں کر سکتے تھے اور یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے بیانات بھی صحیح ہوں۔ ہم نے اِس جلد میں اُن کے بیانات کا اُن کے ہم عصر ہندو اور مسلمان مورخوں کی تصنیفات سے مقابلہ کر کے صحیح تصویر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ گذشتہ صدی کے دَوران میں چند ایک انگریزی مؤرخوں نے ان مغربی ممالک کی تصنیفات سے استفادہ حاصل کر کے سلطنتِ مُغلیہ کے زمانہ کی کلیسیاؤں کا حال لکھا ہے۔ لیکن بعض اوقات یہ انگریز مُصنّف اپنے قومی افتخار اور حکُومت کے نشہ میں واقعات کو صحیح طور پر بیان کرنے سے چُوک گئے ہیں۔ اُنہوں نے بعض واقعات کو بے جا بدظنی اور تعصب کی نظروں سے لکھا ہے۔ بعض انگریز مسیحی مُصنّفوں نے مغلیہ دَور کے واقعات کو اِس طور پر پیش کیا ہے کہ گویا یہ دَور ایک ابتدائی مرحلہ تھا جو الٰہی انتظام کے مُطابق سلطنتِ برطانیہ کے قیام و استحکام کا پیش خیمہ تھا! اِن اصحاب کے خیال میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے لٹیرے اور تاجر اور برطانوی عہد کے گورنر جنرل اور کمانڈر مسیح کے عَلم بردار ہو کر ہندوستان آئے تھے!! اور ہمارے مُلک و قوم کے مفاد کی خاطر بے غرضانہ حکُومت کرتے رہے!!! انشاء اللہ ہم اِس جلد میں اور آئندہ جلدوں میں اِس قسم کے خام نظریوں کی قلعی کھول دیں گے۔

ہمارے لئے یہ امر بڑی حیرت کا مُوجب ہے کہ اگرچہ اَرمنی کلیسیا کے پڑھے لکھے عُلمائے دین اور تاجر طبقہ کے لوگ کم از کم سولھویں صدی سے ہمارے مُلک میں بود و باش

137228

Marfat.com

کرتے چلے آئے ہیں لیکن کسی ارمنی مسیحی کے دل میں خیال نہ آیا کہ کم ازکم وہ اپنی قوم کی آمد اور تاریخی حالات کو ہی قلمبند کرتا یا اپنی کلیسیا کی گذشتہ پانچ صدیوں کی تاریخ لکھتا۔ انہوں نے تبلیغ و اشاعت انجیل سے کبھی کوئی سروکار نہ رکھا۔ اگر یہ ارمنی مسیحی اپنی کلیسیا کے اور ہندوستان کی کلیسیا کے اور سلطنت مغلیہ کے حالات قلمبند کرتے تو اُن کی تصنیفات اسلامی مؤرخوں اور مغربی سیاحوں اور مبلغوں کی تصنیفات کی طرح کارآمد ہو سکتیں جن کے ذریعہ ہم دیگر کتب کی صحت کی جانچ پڑتال بھی کر سکتے۔ یہ شکر کا مقام ہے کہ اب ارمنی مسیحی اس کمی کو محسوس کرنے لگ گئے ہیں۔ چنانچہ ارمنی کلیسیا کے ایک فاضل مسٹر سیٹھ[1] نے ایک ضخیم کتاب لکھ کر اس کمی کو کسی قدر پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہم نے اس مرحوم مصنف کی کتاب سے بھی استفادہ حاصل کیا ہے، اور اس کتاب کا مغربی مسیحیوں کی کتب سے مقابلہ کر کے اُن کے لکھنے والوں کے قومی اور مذہبی تعصبات کے بل پیچوں کو سیدھا کرنے کی کوشش کی ہے۔

(۵)

میں ایک بار پھر اپنی نااہلیت کا اعتراف کر کے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ کلیسیائے ہند کی تاریخ جیسے اہم موضوع پر میری جلدیں صرف تعارف کا ہی کام دے سکتی ہیں۔ میری دلی تمنا اور دعا ہے کہ یہ جلدیں بہتر کتابوں کی پیش خیمہ ثابت ہوں۔ میں نے صرف ایک خاکہ پیش کیا ہے اور وہ بھی میری کم لیاقتی کے سبب ادھورا رہ گیا ہے۔

کلیسیائے ہندوستان کی مکمل اور جامع تاریخ کا لکھنا کسی ایک واحد شخص کے بس کا نہیں اور اس مقصد کے لئے بیسیوں جلدیں درکار ہیں۔ اس کے ایک ایک دور کو لکھنے کے

---

[1] لفظ "سیٹھ" گجراتی زبان میں بنگالی لفظ "بابو" یا انگریزی لفظ "مسٹر" کے مترادف ہے! الفاظ "سیٹھ" اور "خواجہ" ارمنی مسیحی تاجروں کے لئے استعمال ہوتے تھے بعض اوقات اُن کو "خان" اور "آغا" کے القاب سے مخاطب کیا جاتا تھا جس طرح مصر اور ترکی میں گذشتہ صدی میں الفاظ "آفندی"، "بے"، اور "پاشا" وغیرہ مستعمل تھے۔ مغلیہ سلطنت کے زمانہ میں لفظ "خواجہ" موجودہ زمانہ کے القاب عالی جناب وغیرہ کا مترادف تھا۔

مسٹر سیٹھ کی قابلِ قدر کتاب گو ضخیم ہے لیکن ادھوری ہے جس میں بعض واقعات بار بار دہرائے گئے ہیں اس کے بعض مقامات میں فاش غلطیاں بھی موجود ہیں۔ ہمیں اُمید کرنی چاہیئے کہ کوئی غیور ارمنی مسیحی فاضل اس کتاب کی نظر ثانی کر کے اُس کی خامیوں کو رفع کرے گا۔ (برکت اللہ)

Marfat.com

لئے ایسے اشخاص کی ضرورت ہے جو اپنی تمام زندگی فی سبیل اللہ اِس کارِ خیر کے لئے وقف کردیں۔ کلیسیائے ہند کی تاریخ تب ہی منوّر ہو سکتی ہے جب مختلف فاضل اشخاص اُس کے مختلف اَدوار کو مُختلف زاویوں سے دیکھ کر اپنے نتائج کو منظرِ عام پر لائیں کیسی قسم کی یک رُخی اس کے مختلف پہلوؤں کو روشن کرنے کی بجائے تاریک کر سکتی ہے۔ مَیں اُمید کرتا ہُوں کہ مُلک اَور کلیسیا کے فاضل مؤرخ اپنی عنانِ توجہ اِس اہم موضُوع کی جانب منعطف کریں گے۔

مَیں خُدا کا شُکر کرتا ہُوں کہ اُس نے اِس کام کو سرانجام دینے کے لئے مُجھ ہیچمدان کے لئے اپنی پروردگاری سے یہ انتظام فرمایا کہ مَیں قریباً تین سال علی گڑھ میں مقیم رہا جہاں کی مُسلم یُونیورسٹی کے اساتذہ کے ساتھ تبادلۂ خیالات کرنے کے مُجھے موقعے ملتے رہے۔ یُونیورسٹی کے لائبریرین صاحب نے بڑی فراخدلی سے اجازت دی کہ مَیں یُونیورسٹی لائبریری کی کتابوں اَور رسالوں کا مطالعہ کروں۔ اُن ایّام میں ہنری مارٹن سکُول آف اسلامک سٹڈیز کا اِدارہ بھی علیگڑھ میں تھا۔ مَیں اِس ادارہ کے آغاز ہی سے اُس کی مجلسِ منتظمین کا قریباً تیس سال تک ممبر رہا اَور امرتسر ڈایوسیس کے آرچڈیکن ہونے کے زمانہ میں مُجھے اُس کا صدر ہونے کا شرف بھی حاصل ہُوا۔ مَیں نے اس ادارہ کی اُردو، فارسی اَور انگریزی کُتب کو چھان مارا اَور اُن سے کام لیا ہے۔ ان کے علاوہ انڈین نیشنل آرکائیوز آف انڈیا[1] کی مس ڈیوڈ صاحبہ کے مفید مشوروں سے بھی فیضیاب ہُوا۔ خُدا نے مُجھے یہ موقعہ بھی عطا کیا کہ مَیں چند سال کوہِ منصوری اَور نینی تال کی خوشگوار فضا میں موسمِ گرما کاٹوں۔ اِن ہر دو مقامات کی لائبریریوں کی متعدد کتابوں سے مَیں نے فائدہ اُٹھایا ہے۔ اِس کے علاوہ مختلف مسیحی اَور غیر مسیحی احباب نے نہایت فراخدلی اَور وسیع النظری سے اپنی ذاتی لائبریریوں سے مُجھے مطالعہ کے لئے کتابیں عاریتاً عنایت کیں۔ خُدا ان سب کو جزائے خیر دے۔

آخر میں میری عرض ہے کہ گو اس کتاب کا ایک ایک واقعہ کسی نہ کسی معتبر اَور مستند کتاب سے اخذ کیا گیا ہے، تاہم اِس جلد کی تحریر و تدوین کا صرف مَیں ہی اکیلا ذمّہ وار ہُوں۔ جلد کے آخر کی مشمولہ انگریزی کُتب کی فہرست ظاہر کر دے گی کہ مَیں نے از حد کوشش کی ہے کہ صرف مُستند مُصنّفوں اَور معتبر مؤرخوں کی کتابوں سے مدد لے کر

1. National Archives of India, New Delhi.

Marfat.com

کلیسیائے ہندوستان کی تاریخ کا صحیح نقشہ پیش کروں۔ پھر بھی خامیوں کا ہونا ایک لابدی امر ہے۔ پس اگر کسی صاحب کو کسی جگہ کوئی ایسی بات نظر آئے جو قابلِ اصلاح ہو تو وہ زحمت گوارا کر کے مجھے اُس سے ضرور آگاہ کرے تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی تصحیح ہو سکے۔

دیگر جلدوں کی طرح اِس جلد میں بھی الفاظ "ہند" اور "ہندوستان" سے وہ برِصغیر مراد ہے جو ۱۹۴۷ء کی تقسیم سے پہلے اِس نام سے کہلاتا تھا اور جس میں اَب ہندوستان اور پاکستان دونوں شامل ہیں۔

اس جلد کے متعدد مقامات میں صرف سنِ ہجری کے سال لکھے گئے ہیں۔ ہم نے جلد سوم کے دیباچہ میں ہجری سنوں کو عیسوی سن میں تبدیل کرنے کا قاعدہ بتا دیا ہے۔ ناظرین سے درخواست ہے کہ اگر وہ کسی ایک سن کو دُوسرے میں تبدیل کرنا چاہتے ہیں تو اُس قاعدہ کو استعمال کر لیں۔

ناظرین کی سہولت کی خاطر اِس جلد کے شروع میں ایک نقشہ بھی درج کر دیا گیا ہے۔ اِس نقشہ سے شاہانِ سلطنتِ مغلیہ کے (اور بالخصوص شاہجہان اور اورنگزیب کے عہدِ حکومت کے) صُوبوں کی حدود کا پتہ لگ سکتا ہے۔

خُدا سے میری دُعا ہے کہ وہ اِس جلد کو اپنی کلیسیا کے قیام اور استحکام کی خاطر استعمال فرمائے۔ آمین

کوہِ منصوری
۱۶۔ اگست ۱۹۶۵ء

احقر العباد
برکت اللہ

Marfat.com

Marfat.com

اِفتتاحیہ مقالہ

کلیسیائے جامع کی مُختلف شاخیں اَور فرقے

چُونکہ اِس جلد میں اَور آئندہ جلدوں میں جا بجا قدیم کلیسیاؤں اَور اُن کے فرقوں کا ذکر کیا جائے گا جن میں سے بعض کے نام سے بھی ہمارے مُلک کے مسیحی ناآشنا ہیں پس مناسب معلُوم ہوتا ہے کہ ہم اِس جلد کے آغاز میں کلیسیائے جامع کی مختلف شاخوں کا اَور اُن کے عقائد وغیرہ کا ذکر کر دیں تاکہ ناظرین اُن سے رُوشناس ہو جائیں۔

یُونانی اَور شامی کلیسیائیں ہم جلد سوم کے باب اوّل میں ممالکِ اقوامِ مشرق و مغرب میں انجیل جلیل کی اشاعت کا اَور کلیسیاؤں کے پھیلنے پھُولنے کا ذکر مختصر طور پر کر آئے ہیں۔ جُوں جُوں کلیسیائیں بڑھتی گئیں اُن میں زبان کے لحاظ سے دو قسم کی کلیسیائیں نمودار ہوتی گئیں۔ اوّل وُہ کلیسیائیں جو "یُونانی" (Hellenistic) تھیں۔ وُہ اپنی عبادتوں کو یُونانی زبان میں ادا کرتی تھیں۔ دوم وُہ کلیسیائیں جو شامی تھیں اَور سُریانی یا ارامی زبانوں میں عبادت کرتی تھیں۔ انطاکیہ قسمِ اوّل کی زبانوں کا مرکز ہو گیا اَور ایڈیسہ قسمِ دوم کی کلیسیاؤں کا مرکز بن گیا۔ لیکن دونوں قسم کی کلیسیاؤں میں کوئی خاص حدِّ فاصل نہ تھی چنانچہ ارضِ مُقدّس کنعان کی قریباً سب کلیسیائیں "یُونانی" تھیں اَور بعض عبادت گاہوں میں دونوں زبانیں استعمال کی جاتی تھیں۔ کنعان کے گاؤں کی مسیحی جماعتیں جو شہروں سے دُور تھیں، مُدّت تک اپنی عبادتیں شامی طریق پر سُریانی زبان میں ادا کرتی رہیں بلکہ یہ تمیز آج کے دن تک بھی موجُود ہے۔

مبدا اَور مخرج کے لحاظ سے مشرقی کلیسیائیں چار انواع کی ہیں :-

۱۔ اوّل ہولی آرتھوڈکس (پاک راسخ العقیدہ) کلیسیا جس کو گریک (یُونانی) کلیسیا بھی کہتے ہیں۔ یہ کلیسیا قدیم ترین ہے۔

Marfat.com

۲ - دوم مُلکی یا قومی کلیسائیں جو پانچویں اور چھٹی صدیوں میں اِفسس اور خلقدونیہ (کیلیڈون) کی کونسلوں کے خلاف وجود میں آگئیں - یہ کلیسائیں حسبِ ذیل ہیں :-

(۱) نسطوری کلیسیا (۲) ارمنی یا گریگوری کلیسیا (۳) قبطی یا مصری کلیسیا - (۴) حبش یا ابی سینیا کی کلیسیا (۵) قدیم شامی یا جیکوابائٹ (یعقوبی) کلیسیا -

۳ - تیسرے گروہ میں وہ تمام کلیسائیں شامل ہیں جو دوسرے گروہ کی مذکورہ بالا کلیساؤں کو چھوڑ کر مغرب کی رومی کلیسیا کے ماتحت ہوگئی ہیں - اِس تیسرے گروہ کی کلیساؤں کو " یونی ایٹ " یا " یونائیٹڈ باڈیز (Uniate, Uniat or United Bodies) کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے - یہ کلیسائیں یونانی اور دیگر مشرقی کلیساؤں سے نکلی ہیں اور گو وہ رومی کلیسیا کے پوپ کی متابعت کرتی ہیں تاہم وہ اپنی قدیم خصوصی طرزِ عبادت کو قائم رکھتی ہیں اور ان کا نظامِ مراتب اور سلسلۂ مدارج (Hierarchy) وہی قدیم نظام ہے جو اُن کی پہلی کلیساؤں میں مروّج تھا - یہ کلیسائیں حسبِ ذیل ہیں :-

(۱) گریک کیتھولک مُلکی کلیسیا (۲) کلدی یا یونائیٹڈ نسطوری کلیسیا (۳) ارمنی کیتھولک کلیسیا (۴) قبطی کیتھولک کلیسیا - (۵) ابی سینیا کی کیتھولک کلیسیا (۶) شامی کیتھولک کلیسیا -

۴ - چوتھا گروہ صرف لبنان کی قدیم مُلکی یا قومی کلیسیا پر مشتمل ہے جس کو مارونائٹ کلیسیا (Maronite) کہتے ہیں - یہ کلیسیا تیسرے گروہ کی یونی ایٹ کلیساؤں کی طرح رومی کلیسیا کے پوپ کے ماتحت ہے لیکن اس میں اور دیگر یونی ایٹ کلیساؤں میں یہ فرق ہے کہ جہاں دیگر کلیساؤں کے معدودے چند خاندان رومی کلیسیا کے تابع ہو گئے ہیں اِس کلیسیا کے تمام کے تمام شُرکا نے رُوم کی متابعت اختیار کرلی ہے -

اَب ناظرین پر ظاہر ہوگیا ہوگا کہ مشرقی کلیسیا مذکورہ بالا تیرہ شاخوں پر مشتمل ہے جن کی اکثریت موجودہ زمانہ میں ترکی - مصر - ابی سینیا اور دیگر عرب ممالک میں بستی ہے - اِن کلیساؤں میں سب سے بڑی تعداد مارونائٹ کلیسیا کی ہے جو ۳۶ فیصدی ہے - اعداد و شمار کے لحاظ سے گریک آرتھوڈوکس کلیسیا دوسرے درجہ پر ہے اور ۲۴ فیصدی کے قریب ہے - باقی ماندہ کلیساؤں کے شُرکا پانچ فیصدی ہیں جن میں قدیم شامی یا جیکوبائٹ کلیسیا کے شُرکا پچیس ہزار کے قریب ہیں اور شامی کیتھولک کلیسیا کے

Marfat.com

شرکا تیس لاکھ کے قریب ہیں۔

گریک آرتھوڈوکس کلیسیا

اس قدیم کلیسیا کا پُورا نام "سات کونسلوں کی عالمگیر پاک جامع رسُولی کلیسیا"[1] ہے۔ لیکن عام طور پر اس کو "پاک راسخ العقیدہ کلیسیا" اور "مشرقی کلیسیا" اور "گریک (یُونانی) کلیسیا"[2] کہا جاتا ہے۔ اِس کلیسیا کی متعدد شاخیں ہیں جو اگرچہ ایک دُوسرے کے ماتحت نہیں ہیں تاہم اِن سب کا بُنیادی عقیدہ ایک ہی ہے کہ خُداوند مسیح دُنیا کا واحد مُنجّی ہے جس کا اِس عالم میں کوئی خلیفہ اَور نائب نہیں۔ اِس کلیسیا کی مختلف شاخوں کے دستُورات و عقائد یکساں ہیں جو اُن کو باہم مُتحد رکھتے ہیں۔

اِس کلیسیا کے پُورے نام سے ناظرین پر ظاہر ہو گیا ہو گا کہ یہ قدیم کلیسیا "جامع" (کیتھولک) ہونے کی دعویدار ہے۔ جب گیارہویں صدی میں واحد عالمگیر مسیحی کلیسیا میں پھوٹ پڑ گئی اَور اُس کے مشرقی اَور مغربی دو ٹکڑے ہو گئے تو رُومی یا لاطینی یا مغربی کلیسیا[3] اپنے آپ کو "کیتھولک" (جامع اَور عالمگیر) کلیسیا کہنے لگ گئی اَور یُونانی یا مشرقی کلیسیا کا نام "آرتھوڈوکس" (راسخ العقیدہ) کلیسیا پڑھ گیا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ مشرقی کلیسیا راسخ العقیدہ تھی لیکن جامع کلیسیا نہ تھی یا مغربی کلیسیا جامع کلیسیا تھی لیکن راسخ العقیدہ نہ تھی۔ حق تو یہ ہے کہ دونوں کلیسیائیں جامع اَور راسخ العقیدہ کلیسیائیں تھیں اَور پھُوٹ کے وقت عقائد کے لحاظ سے اِن کے عقائد میں کوئی بُنیادی فرق نہ تھا۔ پھُوٹ اَور تفرقہ کی حقیقی وجہ یہ تھی کہ دونوں کلیسیاؤں کے پیٹریارکوں کے سروں میں غرور اَور تکبّر سما گیا ہُوا تھا اَور دونوں اپنے آپ کو ایک دُوسرے سے اعلیٰ، افضل اَور برتر سمجھتے تھے۔ اِس خبط کی وجہ سے دونوں کلیسیاؤں کے نظام میں فرق نمودار ہو گیا۔ مغربی (یا رُومی یا لاطینی) کلیسیا کے تمام حِصّے رُوم کے بشپ یا پیٹریارک (پوپ) کی ذات کے تابع ہو گئے لیکن مشرقی (یا یُونانی آرتھوڈوکس) کلیسیا کی یگانگت کسی پیٹریارک کی ذات سے وابستہ نہ تھی اَور نہ ہے، بلکہ کلیسیا ئے جامع کی سات عالمگیر کونسلوں (Seven Ecumenical Councils.) کے

1. The Church of the Seven Councils, Ecumenical, Holy, Catholic and Apostolic. 2. The Holy Orthodox Church, or Greek Church or The Eastern Church. 3. The Latin Church, or the Western Church or the Catholic Church.

Marfat.com

فیصلہ جات اَور عقائد سے وابستہ ہے۔ یُونانی کلیسیا کہتی ہے کہ پہلی سات عالمگیر مسیحی کونسلوں کے بعد کسی ایک خطّہ کی کلیسیا کی کونسل پر لفظ "عالمگیر" کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ وُہ اِس قسم کی کونسل کو فقط مقامی کونسل کا ہی درجہ دیتی ہے خواہ وُہ کسی کلیسیا کی کونسل ہو۔

آرتھوڈوکس یُونانی کلیسیا کی پندرہ خُود مختار شاخیں ہیں جن میں سے ہر ایک کلیسیا کا نظامِ حکُومت خُود اختیاری ہے۔ وُہ اپنے اندرونی اَور مقامی مُعاملات میں کامل طَور پر آزاد ہیں۔ ہم یہاں ان پندرہ کلیسیاؤں میں سے صرف چند ایک سربرآوردہ کلیسیاؤں کے ذکر پر اکتفا کریں گے۔ یہ چیدہ کلیسیائیں حسب ذیل ہیں :-

(۱) "عالمگیر کلیسیا[۱]" جس کا سر قسطنطنیہ کا پیٹریارک ہے۔ یہ پیٹریارکیٹ ۳۸۱ء میں قائم ہُوئی (۲) سکندریہ کی پیٹریارکیٹ جو ۶۷ء کے قریب قائم ہُوئی۔ (۳) انطاکیہ کی پیٹریارکیٹ جو ۵۳ء کے قریب قائم ہُوئی (۴) یروشلیم کی پیٹریارکیٹ جو ۴۵۱ء میں قائم ہُوئی۔(۵) کُپرس کی میٹروپالٹن کلیسیا جو اِفسس کی کونسل کے انعقاد کے وقت ۴۳۱ء میں قائم ہُوئی۔ (۶) مُلکِ رُوس کی کلیسیا۔ اِن بڑی کلیسیاؤں کے علاوہ یُونانی کلیسیا کی نو شاخیں اَور ہیں جو براعظم ایشیا کے مغربی ممالک اَور براعظم یورپ کے مشرقی ممالک میں پائی جاتی ہیں۔

اِن کلیسیاؤں میں "عالمگیر کلیسیا" (The Ecumenical Church) خاص طَور پر قابلِ ذکر ہے کیونکہ جب تُرکوں نے قسطنطنیہ کو فتح کر لیا اَور یہ شہر تُرکی سُلطان کا دارالخلافہ بن گیا تو سُلطان نے ایک تو اِس کے نام کی وجہ سے اَور دُوسرے اس کی عظمت و شُہرت کی وجہ سے قسطنطنیہ کے پیٹریارک کو تمام تُرکی سلطنت کی آرتھوڈوکس کلیسیاؤں کا سر تسلیم کر لیا جن میں انطاکیہ، یروشلیم اَور اسکندریہ کے پیٹریارک بھی شامل تھے[۲]۔ پس جس طرح قسطنطنیہ خود اِسلامی ممالک کا خلیفۃ المسلمین تھا اُسی طرح قسطنطنیہ کی "عالمگیر کلیسیا" کا پیٹریارک آرتھوڈوکس کلیسیاؤں کا سر سمجھا جانے لگا۔ اِس کلیسیا کا نام "عالمگیر کلیسیا" ۵۸۸ء سے چلا آتا تھا۔ گو یروشلیم کی کونسل نے اِس نُکتہ کو واضح کر دیا تھا کہ یہ نام محض ایک امتیازی حیثیت ہی رکھتا ہے جس کا کوئی حقیقی مطلب نہیں۔ لیکن سُلطانِ تُرکی نے

1. The Ecumenical Church.
2. W. F. Adeney, The Greek and Eastern Churches, (1908)

اِس کو محض نام ہی تصور نہ کیا - علاوہ ازیں اِس کلیسیا کی تاریخ میں اس کے پیٹریارک ایسے عظیم الشان عالم، فاضل اَور خطیب و مقرر ہو چکے تھے کہ اُن کے سامنے کنعان و شام و مصر کے پیٹریارک دہقان نظر آتے تھے اَور اُن کی پیٹریارکیٹ قسطنطنیہ کے مقابل گاؤں کی کلیسیا دکھائی دیتی تھیں - اسلامی فتوحات کے بعد بھی قسطنطنیہ کا پیٹریارک ایک عظیم ہستی شمار کیا جاتا تھا کیونکہ سُلطان کا دارالخلافہ اُس کا صدر مقام تھا اَور سُلطان صرف اُسی کی معرفت اپنی مسیحی رعایا سے تعلّق رکھتا تھا جس کی وجہ سے اُس کا اقتدار بڑھ گیا -

ایک اَور واقعہ نے قسطنطنیہ کے پیٹریارک کی عظمت کو دوبالا کر دیا - صلیبی جنگوں کے ایّام میں جب مغربی مسیحی ممالک کی افواج نے اسلامی افواج پر فتح حاصل کر لی تو رُومی کلیسیا نے اُن تمام کلیسیائی عُہدوں پر غاصبانہ قبضہ کر لیا جو یُونانی کلیسیاؤں کے عُہدہ داروں کو مسلمان آقاؤں کے زمانہ میں حاصل تھے - رُوم کے پوپ نے جبر سے کام لے کر کلیسیائی قانُون کو پامال کر کے زبردستی انطاکیہ اَور یروشلیم کے پیٹریارکوں کو معزول کر دیا اَور اُن مقامات میں رُومی کلیسیا کے بشپ مقرر کر دیئے - وہاں کے غریب پیٹریارکوں نے بھاگ کر قسطنطنیہ میں جا پناہ لی اَور اِس عارضی صدر مقام سے اپنی کلیسیاؤں کی نگرانی کرنے لگے - اُن کی کلیسیائیں بھی درپردہ اُنہی کے احکام کی بجا آوری کرتی تھیں اگرچہ ظاہر طور پر اُنہوں نے رُومی کلیسیا کی اطاعت قبُول کر لی تھی کیونکہ وُہ کہتی تھیں کہ یُونانی کلیسیا نے رُوم کے پوپ کو کلیسیا سے خارج کر دیا ہُوا ہے - پس درآنحالیکہ وُہ خُود خارج ہے اَور وُہ دُوسروں کو کلیسیا سے خارج کرنے کے حق سے محرُوم کر دیا گیا ہُوا ہے پس وُہ ہمارے بشپوں کو خارج نہیں کر سکتا اَور یُونانی کلیسیا کے پیٹریارک ہی ہمارے حقیقی اَور اصلی پیٹریارک ہیں - جب ۱۲۹۲ء میں مغربی افواج کو مُسلمانوں نے شکست فاش دیدی تو انطاکیہ اَور یروشلیم کے پیٹریارک واپس اپنے صدر مقاموں کو لَوٹ گئے - اس واقعہ نے قسطنطنیہ کے پیٹریارک کی عظمت میں اضافہ کر دیا ایسا کہ موجُودہ زمانہ میں بھی قسطنطنیہ کا پیٹریارک انطاکیہ اَور یروشلیم کے پیٹریارکوں کی تقدیس کے موقعہ پر اُن کو مَسح کرنے کے لئے تیل بھیجتا ہے اَور وُہ اُسی کے ارسال کردہ تیل سے ممسُوح کئے جاتے ہیں اگرچہ وُہ قسطنطنیہ کے پیٹریارک کے ماتحت نہیں بلکہ اپنے اپنے علاقوں کے خُود مختار فرمانروا ہیں -

رُومی اَور یُونانی ایسٹ کلیسیائیں تاریخ کلیسیا میں پانچویں، گیارہویں اَور

Marfat.com

سولہویں صدیاں نہایت اہم صدیاں ہیں۔ کیونکہ ان صدیوں میں کلیسیائے جامع میں بدعت اور پھوٹ پیدا ہوگئی جو تفریق کا باعث بنی۔ اگرچہ پانچویں صدی سے پہلے بھی مختلف بدعتوں نے کلیسیائے جامع میں سر نکالا تھا لیکن یہ بدعتیں صرف مقامی اور عارضی حیثیت ہی رکھتی تھیں اور کلیسیا کی ہستی کے لئے خطرہ کا باعث ثابت نہ ہوئیں۔ لیکن پانچویں صدی میں مختلف اقسام کی بدعتیں اور تفرقے نمودار ہوگئے اور کلیسیائے جامع میں عقائد کی بنا پر تنازعے پڑگئے۔ اگرچہ ان عقائد کا اثر دُور افتادہ کلیسیاؤں تک ہی محدود تھا، تاہم ان بدعتی خیالات نے اُن مقامات کو مستقل طور پر متاثر کر دیا جو پیٹریارکوں کے مرکزوں سے دُور تھے۔ پھر بھی گیارہویں صدی تک مسیحی کلیسیا واحد اور جامع عالمگیر کلیسیا رہی۔ اس صدی تک کلیسیا کی صرف دو بڑی شاخیں تھیں۔ ممالکِ مغرب میں کلیسیائے رُوم کی ایک شاخ تھی جو رُوم کے پیٹریارک کے ماتحت تھی۔ اور دُوسری شاخ مغربی ممالک میں قسطنطنیہ، انطاکیہ، یروشلیم اور اسکندریہ کے پیٹریارکوں کے ماتحت تھی اور ہر دو شاخوں کے پیٹریارک ایک دُوسرے کے اقتدار و اختیار کو تسلیم کرتے تھے۔ کوئی ایک پیٹریارک کسی دُوسرے پیٹریارک سے برتر یا افضل شمار نہیں کیا جاتا تھا۔ یہ حقیقت قابلِ ذکر ہے کہ رُوم کے "پوپ" کا خطاب اب بھی "مغرب کا پیٹریارک" ہے۔ جب قیصر کانسٹن ٹائن مسیحی ہوگیا اور مسیحیت سلطنتِ رُوم کا شاہی مذہب بن گئی تو چونکہ رُوم کا پیٹریارک دارالسلطنت میں رہتا تھا اور قیصرِ رُوم اُس کی سنتا تھا پس اس کا اقتدار بڑھتا گیا اور رفتہ رفتہ وہ دیگر پیٹریارکوں سے افضل و اعلیٰ ہونے کا اقتدارِ کُل رکھنے کا دعویٰ کرنے لگا۔ اُس کے برتری اور اقتدار کے دعوے بڑھتے چلے گئے اگرچہ وہ پہلے پہل مُبہم قسم کے ہوتے تھے۔ اِدھر قسطنطنیہ کا پیٹریارک مشرق کے ممالک کے قیصر کے دارالسلطنت میں رہتا تھا اور قیصرِ قسطنطنیہ اُس کی بات مانتا تھا۔ پس اس کا اقتدار بھی بڑھتا گیا جس طرح سلطنتِ رُوم اور سلطنتِ قسطنطنیہ کے دونوں قیصر ایک دُوسرے کے حریف تھے اُسی طرح اِن جگہوں کے پیٹریارک بھی ایک دُوسرے کے مدِمقابل حریف ہوگئے۔ مغربی کلیسیا کا نام "واحد پاک کیتھولک رجامع، رسُولی کلیسیائے رُوم"[1] پڑگیا اور اُس کا پیٹریارک "رُوم کا بشپ" "یسُوع مسیح کا نائب، جانشینِ رئیسِ رسُولاں، بالادست سردارِ عالمگیر کلیسیا۔" "مغرب کا پیٹریارک، اطالیہ کا اسقفِ اعظم،

1. The One, Holy, Catholic and Apostolic Roman Church.

Marfat.com

صوبۂ رُوم کا صدر اُسقف اور میٹروپالیٹن" ہوگیا۔ دونوں پیٹریارکوں میں جُدائی کی خلیج بڑھتی چلی گئی۔ رُوم کے پوپ نکولس اوّل (از ۸۵۸ء تا ۸۶۷ء) نے مشہور جعلی فرامین[2] اور فتاویٰ کے مجمُوعہ کو نقلی قرار دینے کی بجائے اصلی قرار دیدیا اور کہا یہ اصلی دستاویزیں ہیں جو رُوم کے قدیم بشپوں کے خطوں اور فیصلوں پر مشتمل ہیں، اور اُس نے اُن کو قانونِ کلیسیا کا جُزوِ لاینفک قرار دیدیا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ ۱۰۵۴ء میں پیٹریارکوں کی باہمی پھُوٹ نے کلیسیائے جامع کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ اُن ایام میں لیو دہم رُوم کا پوپ تھا اور مائکل سیرُولیریَس (Cerularius) قسطنطنیہ کا پیٹریارک تھا۔ اس کے بعد چند نیک نہاد دُور اندیش مسیحیوں نے وقتاً فوقتاً کوشش کی کہ دونوں پیٹریارکوں میں صفائی ہوجائے اور جُدائی کی دیوار گر جائے تاکہ کلیسیائے جامع دوبارہ واحد عالمگیر کلیسیا ہو جائے لیکن یہ مساعیٔ جمیلہ بارور ثابت نہ ہُوئیں۔ رُوم کا پوپ اپنی برتری اور اختیارِ کُل کو منوانے پر اَڑا رہا اور رُومی کلیسیا کی تعلیم کے ایجاب وقبول پر اصرار کرتا رہا۔ اُس کے دعاوی کلیسیائے رُوم کی تعلیم کا جُزوِ لاینفک ہوگئے۔ بشپوں کے اختیارات جو پہلے سیدھے بلاواسطہ خُداوند مسیح سے متعلق تھے اب بالواسطہ پوپ ہوگئے۔ رُومی کلیسیا کی خصُوصی تعلیم ہر مسیحی کی نجات کے لئے لازمی قرار دے دی گئی۔ اِن باتوں کا لازمی نتیجہ یہ ہُوا کہ گیارھویں صدی میں کلیسیائے جامع دو حصّوں میں بٹ گئی۔ مشرقی اور مغربی کلیسیائیں ایک دُوسرے سے الگ اور علیحدہ ہوگئیں اور اُنھوں نے ایک دُوسرے کو کلیسیائے جامع سے خارج کر دیا۔

چودھویں صدی کے اواخر اور پندرھویں صدی کے اوائل میں مغربی کلیسیا میں بھی تفرقے نمودار ہوگئے۔ اِس کلیسیا کا ایک پوپ رُوم میں تھا۔ ایک اور پوپ فرانس میں تھا۔ تیسرا پوپ ریوینا (Ravenna) میں تھا، اور تینوں پوپ ایک دُوسرے کے خُون کے پیاسے تھے۔ ہر پوپ دُوسرے کو "مخالفِ مسیح" کہہ کر کلیسیائے جامع سے خارج کرتا اور اپنے آپ کو اصلی "جانشینِ رئیسِ رسُولاں" اور

1. Bishop of Rome, Vicar of Jesus Christ, Successor of the Prince of the Apostles, Supreme Pontiff of the Universal Church, Patriarch of the West, Primate of Italy, Archbishop and Metropolitan of the Roman Province.
2. Decretals.

Marfat.com

"یسوع مسیح کا نائب" قرار دیتا تھا۔ اور "بالا دست سردارِ عالمگیر کلیسیا" ہونے کا دعوے دار تھا۔

اِبتدا سے لے کر اب تک رُومی کلیسیا کے ۲۶۱ (دو سو اکسٹھ) بشپ ہو گذرے ہیں اور موجودہ پوپ پال ششم ۲۶۲ واں پوپ ہے۔ یُونانی کلیسیا کا موجودہ پیٹریارک (اتھاناگورس) سلسلہ میں ۲۶۱ واں پیٹریارک ہے۔

جب ممالکِ یورپ میں سولھویں صدی میں نشاۃ ثانیہ کا زمانہ آیا اور نئی روشنی اور نئے علوم نے غلبہ حاصل کر لیا تو عُقلا پر ظاہر ہو گیا کہ رُومی کلیسیا کے بعض دستورات و رسُوم اور عقائد کتابِ مُقدّس کے خلاف ہیں۔ اس بناء پر مغربی کلیسیا کے بھی متعدد حِصّے ہو گئے اور ممالکِ مغرب میں احتجاج کنندہ (پروٹسٹینٹ) کلیسیائیں وجُود میں آگئیں جنہوں نے رُومی کلیسیا اور پوپ کے خلاف صدائے احتجاج بُلند کی اور رُوم کے پوپ کی متابعت سے صاف انکار کر دیا۔ لیکن رُومی کلیسیا اِس تحریکِ اصلاح کی طرف سے بے نیاز ہو کر نہ صرف ایسے عقائد کی تعلیم دیتی چلی گئی جو انجیل جلیل کے منافی تھے بلکہ ان میں اضافہ بھی کرتی چلی گئی۔ وُہ ان کے ایجاب و قبُول پر ضد کرتی رہی اور ان کو منوانے کے لئے محکمۂ احتساب اور جبر کے دیگر ذرائع استعمال کرتی گئی۔ مثلاً وُہ حضرۃ مریم کی عظمت و تعظیم کو بڑھاتی چلی گئی۔ بتول کے بُت کے سامنے سجدہ کیا جانے لگا، اور اس کو نجات دہندہ المسیح کے اور گُنہگار انسان کے بیچ درمیانی کا درجہ دیا گیا۔ ۱۸۵۴ء میں بی بی مریم اور اُن کی فطرت کو گُناہ سے پاک قرار دے دیا گیا۔ ۱۸۷۰ء میں پوپ پائیس نہم Pius IX نے "ویٹی کن کونسل" کو فراہم کیا تاکہ پوپ کے خطا سے بَری ہونے کے مسئلہ پر غور کرے۔ رُومی کلیسیا کے سات سو بشپ جمع ہُوئے جن میں سے تقریباً دو صد نے صاف انکار کر کے بر ملا کہہ دیا کہ یہ بات حقیقت اور تاریخ دونوں کے خلاف ہے لیکن پوپ نے مختلف طریقوں کو کام میں لاکر مخالفوں کی بہت بڑی اکثریت کا مُنہ بند کر دیا۔ صرف بیس بشپ اپنی بات پر اَڑے رہے لیکن پوپ کی پاسِ خاطر وُہ مجمع سے غیر حاضر ہو گئے۔ اِس اجلاس میں پوپ نے اپنے آپ کو خطا سے بَری ہونے کا آپ ہی اعلان کر دیا اور کوئی ووٹ بھی نہ لئے گئے۔ کلیسیائے رُوم موجُودہ زمانہ میں بھی ایسی تعلیم انسان کی نجات کے لئے لازمی قرار دے رہی ہے جو انجیل جلیل سے

Marfat.com

ثابت نہیں ہوسکتی مثلاً سنہ ۱۹۵۰ء میں حضرت بی بی مریم کے رفعِ جسمانی کا عقیدہ وضع کیا گیا اور اس کو بھی مثل دیگر عقائد نجات کے لئے لازمی قرار دے دیا گیا۔

خیر، یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ سولھویں صدی میں رُومی کلیسیا میں انجمنِ عیسوی (Society of Jesus) قائم ہوگئی جس کے سپرد یہ کام کیا گیا کہ "تفرقہ انداز" گریک کلیسیا کو اور "بدعتی" قومی کلیسیاؤں کو رُوم کے پوپ کے ماتحت لایا جائے۔ اگرچہ یہ مختلف قومی کلیسیائیں بدعتی تھیں تاہم یُونانی کلیسیا اُن کو قبول کرتی تھی۔ انجمنِ عیسوی نے اپنے فرائض کو اس قدر سرگرمی سے ادا کیا کہ رفتہ رفتہ مختلف وسائل و ذرائع سے ان بدعتی قومی کلیسیاؤں کے افراد کلیسیائے رُوم میں پہلے شامل ہوگئے اور پھر اُن کی جماعتوں کی جماعتیں شامل ہوگئیں۔ ان جماعتوں کو "یُونی ایٹ" (Uniat or Uniate) کلیسیا کا نام دیا گیا۔ کلیسیائے رُوم نے اُن کو چند رعائتیں دے دیں مثلاً یہ کہ اُن کے اپنے مقامی بشپ ہی اُن پر حکومت کریں گے، لیکن وُہ پوپ کے ماتحت ہوں گے۔ (۲) اُن کی عبادتوں میں اور عبادتوں کی زبان میں اور اُن کے قدیم رسُوم و روایات اور دستُورات وغیرہ میں مداخلت نہ کی جائے گی۔ (۳) اُن کے قسیسوں کو اجازت ہوگی کہ وُہ شادیاں کریں۔ یہاں یہ بتلا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ اجازت کسی عقیدہ کا حصّہ نہ تھی بلکہ محض نظامِ عمل کی بات تھی۔ رُومی کلیسیا کہتی تھی کہ قسیس کے لئے نکاح کی حالت سے کنوارپن کی حالت بہتر ہے کیونکہ یہ حالت زیادہ پاک ہے۔ لیکن اِس کلیسیا نے اپنے قسیسوں کے لئے کنوارپن کی حالت کو ہر مُلک و قوم کے لئے لازم قرار نہیں دیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ چوتھی صدی میں مغربی کلیسیا نے یہ کوشش کی تھی کہ اُس کے قسیس کنوارے رہیں، لیکن کہیں گیارھویں صدی میں جاکر اِس کلیسیا کی مجلسوں نے قسیسوں کے نکاحوں کو ناجائز اور بے ضابطہ قرار دیا گیا تھا۔ پس یُونی ایٹ کلیسیاؤں کے قسیسوں کو نکاح کرنے کی اجازت درحقیقت کوئی رعایت نہ تھی کیونکہ اُن ایام میں رُوم کے اپنے قسیس بھی نکاح کر لیا کرتے تھے۔ بہرحال یہ یُونی ایٹ کلیسیائیں ان شرائط کی رُو سے اپنے مقامی قومی بشپوں کے ماتحت ہی رہیں۔ یہ بشپ پوپ کے وِکر اپوس ٹولک (Vicar Apostolic) یا پوپ کے نائب (Delegate) کے زیرِ نگرانی کام کرتے ہیں۔ یہ نگران صیغۂ تبلیغ[1] و

1. Congregation of the Propaganda.

Marfat.com

اشاعت کے نمایندے ہوتے ہیں۔ دَورِ حاضرہ میں رُومی کلیسیا کے چار" صدر مبلغ اُسقف"
جنوبی ہند میں مقیم ہیں جو مارونائٹ۔ آرمنی۔ شامی اَور زنگی کلیسیاؤں کے نگران ہیں جن
کا ذکر انشاء اللہ کسی آئندہ جلد میں کیا جائے گا۔

یُونی ایٹ کلیسیاؤں کی رسُوم اَور عبادتیں قریباً وُہی ہیں جو اُن میں رُومی کلیسیا
میں شامل ہونے سے پہلے رائج تھیں۔ یہ رسُوم اَور عبادتیں دراصل دو قسم کی ہی ہیں یعنی
بازنطینی اَور شامی عبادت و رسُوم۔ ان عبادتوں کی زبان بھی ایک ہی ہے جو قدیم یُونانی زبان
ہے۔ لیکن جو عبادتیں اکثر ادا کی جاتی ہیں، اُن کے ترجمے اَب مختلف مُلکوں کی زبانوں میں ہو
گئے ہیں۔ مثلاً مُلکِ شام اَور کنعان کی یُونی ایٹ کلیسیاؤں کی عبادت کا ترجمہ عربی زبان
میں کر دیا گیا ہے اَور اَب عوام النّاس اپنی مادری زبان میں عبادت کرتے ہیں۔ بلکہ اب تو
یہ حالت ہو گئی ہے کہ آرتھوڈوکس کلیسیا کے قسیس بھی اِن ممالک میں عبادت کی کتابوں
کا عربی ترجمہ استعمال کرتے ہیں۔ اُن کو چند ایک یُونانی فقروں کے سوائے یُونانی زبان کو
عبادت کے دَوران میں استعمال کرنے کی ضرُورت ہی نہیں رہی۔ وُہ کتابِ مُقدّس کا بھی
وُہی ترجمہ استعمال کرتے ہیں جو مغرب کی پروٹسٹینٹ کلیسیاؤں نے کیا ہے۔

رُومی کلیسیا مختلف وجُوہ کے باعث اَور اپنی لگاتار کوششوں کی وجہ سے
مشرقی کلیسیاؤں کے مسیحیوں کو اپنے اندر شامل کرنے میں کامیاب ہوتی چلی گئی۔ جیساکہ ہم
سطُورِ بالا میں بتلا چکے ہیں اَب رُومی کلیسیا میں گریک کیتھولک، زنگی کلیسیا، کلدی یا یُونائیٹڈ
نسطوری کلیسیا، اَرمنی کیتھولک کلیسیا، قبطی کیتھولک کلیسیا، ابی سینیا کی کیتھولک کلیسیا،
شامی کیتھولک کلیسیا اَور جنوبی ہند کی کیتھولک کلیسیا اَور مارونائٹ کلیسیا میں شامل ہیں۔

مارونائٹ کلیسیا

تمام یُونی ایٹ کلیسیاؤں میں سب سے زبردست کلیسیا
مارونائٹ کلیسیا ہے جو ۱۱۸۲ء میں اپنی "بدعت" کو ترک
کر کے تمام کی تمام رُومی کلیسیا میں شامل ہو گئی تھی۔ یہ کلیسیا مُلکِ لبنان کی اِقلیمی یا قومی
کلیسیا ہے اَور مُلکِ شام میں تعداد میں سب سے زیادہ اَور منظم کلیسیا ہے۔ اِس بدعتی
کلیسیا کے عقائد کو Monothelitism کا نام دیا گیا تھا جس کے مُطابق خُداوند مسیح
میں ایک واحد ذات تھی جو الٰہی اَور انسانی دونوں تھی اَور جو آپ کی قوّتِ ارادی میں کام
کرتی تھی[1]۔ قسطنطنیہ کی تیسری کونسل نے ۶۸۰ء میں اِس تعلیم کو بدعت قرار دے کر

1. "One divinely human mode of working and willing in Christ"

Marfat.com

رد کر دیا تھا۔ چونکہ اِس کلیسیا کے عقائد قیصر کے عقیدہ کے خلاف تھے، اس کلیسیا کو "باغی کلیسیا" کا نام دے دیا گیا، لیکن یہ کلیسیا اپنی بغاوت پر ناز کرتی تھی۔ اُس نے اپنے مخالفوں کو چڑانے کی خاطر ان کو "ملکی (شاہی)" کا نام دے کر ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ جب اس کلیسیا کو بدعتی قرار دے دیا گیا تو اس نے اپنے آپ کو منتظم کر کے اپنا الگ پیٹریارک مقرر کر لیا جس کا نام جان مارو تھا۔ لیکن اِس پیٹریارک کی وجہ سے اس کا نام "مارونائٹ" نہیں پڑا تھا بلکہ اِس کلیسیا کے ایک مُقدس کا نام مارَون (Maron) تھا جس کے نام پر اُس کو "مارونائٹ" کلیسیا کہتے ہیں۔ یہ کلیسیا شامی کلیسیا کا ایک حصہ تھی اور اس کی عبادت و رسوم سُریانی زبان میں اَدا ہوتی تھیں۔ کلیسیا نے رُوم کی اطاعت کے بعد بھی اس کی عبادتیں اُسی زبان میں اَدا ہوتی ہیں۔

گریک کیتھولک ملکی کلیسیا ۱۷۲۴ء میں آرتھوڈکس کلیسیا سے الگ ہو گئی اَور کلیسیا نے رُوم کے تابع ہو گئی۔ وُہ مارونائٹ کلیسیا کی طرح مشرقی رُسوم و دستورات کو عمل میں لاتی ہے۔ وُہ مدتوں سے بازنطینی عبادت کی کتابیں استعمال کرتی ہے۔ فی زمانہ درحاضرہ میں تمام مشرقی ممالک کی آرتھوڈکس کلیسیائیں مُقدس خرسستم اَور مُقدس بیزِل کی بازنطینی عبادت کی کتابیں استعمال کرتی ہیں۔ اُن میں یہ دستور آٹھویں صدی سے چلا آیا ہے۔

نسطوری یا کُلدی کلیسیا

ہم جلدِ دوم کے حِصّہ اوّل کے باب سوم میں اِس کلیسیا کے آغاز کا مفصل حال بتلا چکے ہیں اَور باب سوم چہارم و ششم میں اِس کلیسیا کے مبلغین کے ہندوستان میں آنے کا، اُن کی تبلیغی مساعی کا اَور اِس کلیسیا کے زوال کے اسباب کا ذکر کر چکے ہیں۔ ہم جلد سوم کے حِصّہ اوّل کے باب سوم تا ہفتم میں اِس کلیسیا کے زبردست فلاسفر، اطبا اَور عُلما و فُضلا کے طبقہ کے حالات لکھ آئے ہیں۔ اِن فُضلا نے ہی عہدِ خلفا کو اسلامی تاریخ کا "سنہری زمانہ" بنا دیا تھا اَور مسیحی کلیسیاؤں کو اسلام کی زد سے بچانے کی کوششیں کی تھیں۔

اِس کلیسیا کے مبلغین نے براعظم ایشیا کے ہر حِصّہ، مُلک اَور قوم میں انجیل جلیل کی اشاعت کر کے ہر جگہ زبردست کلیسیائیں قائم کر دی تھیں۔ لیکن اسلام کی آمد اَور فتوحات کے بعد مختلف وجُوہ کے باعث (جن کا مفصل ذکر ہم نے جلدِ سوم کے حِصّہ اوّل کے باب ششم میں کیا ہے) یہ کلیسیا زوال پذیر ہوتی گئی۔ گذشتہ صدی کے آخر میں ۱۸۹۸ء میں اس

Marfat.com

کلیسیا کی ایرانی شاخ کے قریباً تیس ہزار نفوس رُوس کی آرتھوڈوکس کلیسیا میں شامل ہو گئے اور اب اِس کلیسیا میں صرف چند ہزار نفوس ہی رہ گئے ہیں۔

اِس کلیسیا کے زوال کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ ۱۴۵۰ء سے اِس کلیسیا کے پیٹریارک نسل درنسل گدی پر بیٹھتے چلے آئے ہیں۔ یعنی چچا کے بعد اُس کا ایک بھتیجا پیٹریارک ہوتا چلا آیا ہے اور پیٹریارک کا خاندان اِس بھتیجے کو نامزد کرتا آیا ہے۔ پیٹریارک کے عُہدہ کے لئے یہ شرط ہے کہ اُمیدوار کنوارہ ہو اور گوشت خور نہ ہو، بلکہ اُس کی ماں نے بھی حمل اور رضاعت کے ایّام میں گوشت سے پرہیز کیا ہو۔ پس پیٹریارک کا عُہدہ ایک آبائی پیشہ ہو گیا ہے۔ اِس کلیسیا کے بشپ بھی نیم موروثی منصب رکھتے ہیں خواہ وُہ کم عُمر اور نابالغ ہی ہوں۔ بعض اوقات یہاں تک دیکھنے میں آیا ہے کہ یہ بشپ دوازدہ سالہ بلکہ اِس سے بھی کم عُمر کے ہوتے ہیں۔

مونوفی زائٹ کلیسیا

ہم جلدِ سوم کے حصّہ اوّل کے باب اوّل کی فصلِ سوم میں اِس کلیسیا کی مختصر تاریخ اور عقائد بتلا چکے ہیں اور اِس کے اطباء، فلاسفہ، عُلماء اور فضلاء کا حصّہ اوّل کے مختلف ابواب میں ذکر کر آئے ہیں۔

مونوفی زائٹ کلیسیا کو جیکوبائٹ (یعقوبی) کلیسیا اور قدیم شامی کلیسیا بھی کہتے ہیں۔ یہ دونوں نام اِس کلیسیا اور کیتھلک شامی کلیسیا میں امتیاز کرنے کا کام دیتے ہیں۔

اِس کلیسیا کا صدر مقام مردِن کے قریب دیر الزعفران (Deir-ez-Zaferan) کی خانقاہ ہے جو گیارھویں صدی میں انطاکیہ کے پیٹریارک کی رہائش گاہ تھی۔ اِس کلیسیا کے شُرکا کی تعداد بیسویں صدی کے آغاز میں دو لاکھ کے قریب تھی جن کی زیادہ تعداد مسوپوتامیہ میں رہتی تھی اور قریباً دس فیصدی شام میں بستی تھی۔ دمشق کے شامی مسیحی زیادہ تر کیتھولک ہیں۔ بیت اللحم میں یعقوبی کلیسیا کے قریباً دو صد خاندان ہیں اور یروشلیم میں قریباً ایک درجن خاندان بستے ہیں۔ اِن ہر دو مقامات میں یہ مسیحی زیادہ تر معماری کا کام کرتے ہیں۔ یروشلیم میں ایک بشپ رہتا ہے جس کی خانقاہ میں نصف درجن سے کم راہب رہتے ہیں۔

جیکوبائٹ (یعقوبی) یا مونوفی زائٹ ، کلیسیا کے پیٹریارک کا منصبی خطاب[1]

1. Exalted Patriarch of the Apostolic See of Antioch and of all the Jacobite Churches in Syria and the East.

Marfat.com

" انطاکیہ کے رسولی منصب کا اور شام و مشرق کی یعقوبی کلیسیاؤں کا پیٹریارک اعظم" ہے۔ صرف اسی کلیسیا میں ایک عہدہ دار ہوتا ہے جس کو " میفریَن " (Mafrian) کہتے ہیں جو مشرقِ بعید میں اور ایران و عرب ممالک میں پیٹریارک کا نمائندہ ہوتا ہے۔ اس کلیسیا میں بشپ بھی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ اوّل " میٹران " یعنی میٹروپولی ٹن جو راہبوں میں سے منتخب کئے جاتے ہیں۔ دوم " اسقف " جو ایسے قسیسوں میں سے چُنے جاتے ہیں جو رنڈوے ہوں۔ یہ " اسقف " پہلی قسم کے بشپوں سے نچلے درجے کے شمار ہوتے ہیں اور پیٹریارک کے عہدہ پر سرفراز نہیں ہو سکتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جیکوبائٹ کلیسیا کے قسیس عموماً بیاہ نہیں کرتے۔ یہ تمیز آرتھوڈوکس کلیسیا میں نہیں پائی جاتی جس میں رنڈوے بھی پیٹریارک ہو سکتے ہیں۔

لفظ " شماشس " کا اطلاق نہ صرف آرچڈیکن اور زیرین ڈیکن (Sub-deacon) پر کیا جاتا ہے بلکہ یہ نام اُن کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جو گاتے ہیں اور جو " قاری " (Reader) ہوتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسم کلیسیا کے اُس قدیم ترین زمانہ کی یادگار ہے جب تقرر یابیوں میں بڑے اور چھوٹے درجوں (Ordines Minores "Ordines Majores") میں امتیاز نہیں کی جاتی تھی۔

ہندوستان کے مغربی ساحل مالابار اور لنکا میں قریباً ۲½ لاکھ جیکوبائٹ مسیحی رہتے ہیں جو برائے نام پیٹریارک کے ماتحت ہیں اور پہلے نسطوری کلیسیا کے ممبر تھے کیونکہ وہ نسطوری مبلغین کی تبلیغی مساعی کی طفیل نجات دہندہ کے قدموں میں آئے تھے۔ اس تعداد کی قریباً ایک چوتھائی اب رومی کلیسیا کے ماتحت ہو گئی ہے۔ باقیماندہ جیکوبائٹ کلیسیا کے بشپوں کی تقدیس پیٹریارک خود یا اس کا کوئی نمائندہ کرتا ہے۔ انشاء اللہ ہم جنوبی ہند کی اس شاخ کا مفصل ذکر کسی آئندہ جلد میں کریں گے۔

ملکِ شام کی جیکوبائٹ کلیسیا، شامی کیتھولک کلیسیا اور مارونائٹ کلیسیا سُریانی زبان میں عبادت کرتی ہیں۔ ہم جلد دوم میں بتلا چکے ہیں کہ اِفسس کی کونسل (۴۳۱ء) اور کیلسیڈون (خلقدونیہ) کی کونسل (۴۵۱ء) اور قسطنطنیہ کی تیسری کونسل (۶۸۰ء) نے شام کی کلیسیاؤں کو بدعتی قرار دے دیا تھا لیکن ان کونسلوں کے فیصلوں کے باوجود یہ کلیسیائیں اپنے اپنے عقائد پر قائم رہیں۔ مونوفزائٹ عقائد نے (جیسا ہم جلد سوم

Marfat.com

میں بتلا چکے ہیں، مُلکِ شام میں جڑ پکڑ لی، بالخصوص ان لوگوں میں جو شامی طریق پر عبادت کرتے تھے، لیکن یہ عقائد کنعان میں اشاعت نہ پا سکے۔ ایک زمانہ وُہ بھی تھا جب یعقوبی کلیسیا اور نسطوری کلیسیا دونوں کے شرکا کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ وُہ کلیسیائے جامع کے شرکا کی تعداد سے زائد نظر آتی تھی اور ان بدعتوں کا وجود کلیسیائے جامع کے لئے خطرہ کا باعث بن گیا تھا کیونکہ تعداد کے علاوہ اِن کلیسیاؤں میں بے شمار علما اور فضلا تھے نسطوری کلیسیا کے زوال کے بعد کلیسیائے جامع نے اطمینان کا سانس لیا۔ اگرچہ اُس کے زوال سے کلیسیائے جامع کی مختلف شاخوں پر زبردست اثر پڑا۔ دورِ حاضرہ میں جیکوبائٹ کلیسیا کو مُلکِ شام میں بھی اہمیت حاصل نہیں رہی۔ اس صدی کے شروع میں اِس کلیسیا کا زور مسوپوتامیہ میں تھا لیکن وہاں بھی اس کے بہت سے شرکا رُومی کلیسیا میں شامل ہو گئے ہیں اور شامی کیتھولک کہلاتے ہیں۔

جیکوبائٹ کلیسیا یُونانی آرتھوڈوکس کلیسیا کی طرح دورِ حاضرہ میں بھی "جُولین" کیلنڈر استعمال کرتی ہے جو "گریگوری" کیلنڈر سے تیرہ دن پیچھے ہے لیکن جن یُونی ایٹ کلیسیاؤں نے رُوم کے پوپ کی متابعت کر لی ہے (مثلاً کیتھولک ملکی کلیسیا، شامی کیتھولک کلیسیا، مارونائٹ کلیسیا وغیرہ) وُہ گریگوری کا کیلنڈر ہی استعمال کرتی ہیں۔

ارمنی کلیسیا

آرمینیا کا مُلک مغربی ایشیا کے ممالک میں شمال کی جانب واقع ہے۔ ایک روایت کے مُطابق باغِ عدن اسی مُلک میں واقع تھا اور دو دریاؤں (دجلہ اور فرات) کا منبع بھی آرمینیا کے مُلک میں ہے۔ (پیدائش ۲: ۱۴)

کلیسیائی روایات کے مُطابق خُداوند مسیح کے دو رسُولوں مُقدس تدی اور مُقدس برتلمائی نے پہلی صدی کے نصف حصّہ میں ارمنی کلیسیا کی بنیاد ڈالی تھی۔ دونوں مُقدس رسُول اپنی تبلیغی مساعی کی وجہ سے شہید کر دیئے گئے۔ ان مُقدس رسولوں کا خُون کلیسیا کا بیج ثابت ہُوا اور مُلک آرمینیا کے مختلف گوشوں میں کلیسیا پھیلتی چلی گئی۔ آرمینیا کے تین بادشاہوں نے ۱۱۰ء میں اور ۲۳۰ء میں اور ۲۷۰ء میں صدہا مسیحیوں کو ایذائیں دے کر شہید کر دیا۔ اس پر کلیسیا نے اپنے تحفظ و بقا کی خاطر اپنے آپ کو منظم کر لیا تاکہ آئے دن کی ایذا رسانیوں کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکے۔ جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ کلیسیا ایمان میں مستحکم اور مضبوط ہوتی گئی اور چاروں طرف ترقی کرتی چلی گئی۔ چنانچہ قدیم کلیسیا کا مشہور مورخ قیصریہ کا یوسیبیس

Marfat.com

لکھتا ہے کہ ۲۵۴ء میں سکندریہ کے پیٹریارک نے آرمینیا کے بشپ ماہروجان (Mehroujan) کو ایک خط لکھا تھا جس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ مُلکِ آرمینیا میں جا بجا مسیحی کلیسیا ئیں منظم شکل میں موجود تھیں۔

آرمنی کلیسیا کا درخشندہ ستارہ مُقدّس گریگوری تھا جو اُمرائے مُلک میں سے تھا اور مسیحی ہوگیا تھا۔ وُہ بڑا زبردست مبلغ اور منتظم شخص تھا جس کی مساعیٔ جمیلہ نے کلیسیا کو ایسا مستحکم اور اُستوار کر دیا کہ اُس کو "آرمینیا کا منور کرنے والا گریگوری"[1] کہتے ہیں۔ اُسی کے نام پر آرمنی کلیسیا کو "گریگورین کلیسیا" بھی کہا جاتا ہے۔ مُقدّس گریگوری نے کپدوکیہ کے قیصریہ میں تعلیم پائی تھی۔ وُہ اس قدر جوشیلا مبلغ تھا کہ بادشاہ ٹری ڈیٹیز (Tiridates) نے اُس کو زندان میں سخت عقوبتیں دیں لیکن وُہ سخت سے سخت ایذائیں خُوشی سے سہتا گیا اور عقوبت دینے والوں کو دُعائے خیر دیتا رہا۔ اس کا اثر بادشاہ پر اس قدر ہوا کہ وُہ نہ صرف خُود مُنجیٔ جہان پر ایمان لے آیا بلکہ اُس نے یہ حکم بھی جاری کر دیا کہ تمام رعایا مسیحی ہو جائے۔ پس ایک شاہی فرمان ۳۱۲ء میں صادر کیا گیا جس کی رُو سے مسیحی مذہب سلطنتِ آرمینیا کا شاہی مذہب ہوگیا۔ مغرب و مشرق کے براعظموں میں آرمینیا کا مُلک پہلا مُلک تھا جس میں مسیحیت کو شاہی مذہب کا درجہ دیا گیا۔ اِس آرمنی بادشاہ کے فرمان کے بارہ برس بعد قیصرِ رُوم قسطنطین اعظم نے مسیحیت کو رُومی سلطنت کا شاہی مذہب قرار دیا تھا۔ دونوں بادشاہوں کے فرمانوں میں یہ بھی فرق تھا کہ قسطنطین کے حکم سے رُومی سلطنت کا ہر فرد مسیحی نہ ہُوا تھا۔ لیکن آرمینیا کے بادشاہ کے حُکم سے اُس کی بادشاہت کا بچہ بچہ مسیحی ہوگیا تھا۔ ایسا کہ لفظ "آرمنی" اور لفظ "مسیحی" مترادف لفظ ہوگئے کیونکہ آرمنی مُلک و قوم کا ہر فرد مسیحی تھا۔

مُقدّس گریگوری آرمنی کلیسیا کا پہلا پیٹریارک اور کیتھولی کوس (Patriarch-Catholicos) تھا۔ اُس نے دارالسلطنت میں پہلا گرجا کوہِ ارارات کے قریب تعمیر کیا۔ وُہ قریباً پچیس سال پیٹریارک رہا۔ اُس کی تبلیغی مساعی کے طفیل کوہِ قاف کے ممالک جارجیا اور کیسپین البینیا (موجودہ آذربائیجان کا صُوبہ) مُنجیٔ عالمین کے قدموں میں آگئے۔ وُہ بالآخر ۳۲۵ء میں فوت ہوگیا۔ اس کے جانشین دورِ حاضرہ تک شمار میں ایک سو تیس (۱۳۰) ہُوئے ہیں۔ موجودہ کیتھولی کوس تقدس مآب وازگن اوّل (Vazgen I) ہے۔

1. Gregory, the Illuminator of Armenia.

Marfat.com

آرمینیا کے مسیحی ہونے کے زمانہ میں آرمنی زبان کے حروفِ تہجی تک نہ تھے۔ پس مسیحی عبادتیں یونانی اور سُریانی زبانوں میں ادا کی جاتی تھیں۔ لیکن کلیسیا کے ایک مُقدس مصروب Mesrobe نے ۴۰۴ء میں اِس کمی کو پُورا کر دیا اور بیس سالوں کے اندر مسیحی کُتبِ مُقدسہ کا اور کُتبِ عبادت کا ترجمہ آرمنی زبان میں ہوگیا۔ اس وقت سے آرمنی علمِ ادب کا سنہری زمانہ شروع ہوتا ہے۔

اِس کلیسیا کے مشہور مصنفوں میں ایک اور مُقدس گریگوری گذرا ہے جو نارگ کا رہنے والا تھا اور سن ۹۵۱ء سے ۱۰۱۰ء تک زندہ تھا۔ یہ مُقدس ایک بڑا عالم اور زبردست صُوفی تھا جس کی کتاب "بُک آف ٹریجڈی" (Book of Tragedies) المیہ رنگ میں لکھی ہے جو مغربی کلیسیا کے مسیحی مصنف ٹامس کیمپس کی کتاب "تقلید المسیح" (Imitation of Christ) کی طرح شہرت رکھتی ہے اور اسی پایہ کی ہے۔

جب شاہانِ ایران نے دیکھا کہ آرمینیا کی تمام قوم اور مُلک مسیحی ہوگیا ہے تو اُن کو سخت طیش آیا، کیونکہ اب آرمنی بادشاہ ایران کے رقیب اور قیصرِ رُوم اور شاہانِ یونان کے ہم مذہب ہو گئے تھے۔ ہم جلدِ دوم میں بتلا چکے ہیں کہ شاہانِ ایران نے کئی سو سال تک ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھا کہ کلیسیا ئے ایران زرتشتی مذہب کو اختیار کر لے تاکہ وہ قیصرِ رُوم کی ہم مذہب نہ رہے لیکن وہ اپنا مقصد صدیوں کی مُسلسل ایذا رسانیوں کے باوجود پُورا کرنے میں ناکام رہے۔ اِسی طرح ان شاہانِ ایران نے سرتوڑ کوشش کی کہ آرمینیا زرتشتی مذہب کو اختیار کرلے اور شاہانِ رُوم و یُونان کے مذہب کو ترک کردے۔ اس مقصد کی خاطر انہوں نے آرمینیا سے متعدد بار جنگ بھی کی لیکن وہ ناکام رہے۔

ساتویں صدی میں عرب کے مسلمانوں نے آرمینیا کو فتح کرلیا۔ جیسا ہم جلدِ سوم میں بتلا چکے ہیں اُنہوں نے اپنی بارہ سَو سالہ حکومت میں بار بار کوشش کی کہ آرمنی حلقۂ اسلام میں داخل ہوجائیں لیکن ان کی تمام کوششیں رائگان ثابت ہُوئیں۔

خلفا کے زمانہ میں آرمینیا کے کیتھولیکوس خلفا اور خانان کے دربار وں میں (جیسا ہم جلدِ سوم میں بتلا چکے ہیں) آرمنی مسیحیوں کی جان و مال کی حفاظت کرتے رہے، اور اُن کے ایمان کو مستحکم و مضبوط کرتے رہے جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ آرمنی کلیسیا مقابلۃً اسلام کی زد سے محفوظ رہی اور اس نے اپنے ایمان کو تھامے رکھا۔ چُونکہ آرمنی قوم کا

Marfat.com

ہر فرد مسیحی تھا پس کسی آرمنی مسیحی کا اسلام کو قبول کر لینا قوم سے غداری کے مترادف متصور ہوتا رہا، اور کوئی آرمنی یہ گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ وہ اپنی قوم کو چھوڑ کر کسی غیر قوم میں شامل ہو جائے۔

عہدِ خلفا کے ایام میں حوادثِ زمانہ کے ہاتھوں مجبور ہو کر کیتھولی کوس اپنا صدر مقام مختلف جگہوں میں بدلتے رہے۔ چنانچہ گیارہویں صدی میں جب آرمنی قوم کا ایک بڑا حصہ سلیشیا کے جنوب میں جا بسا تو کیتھولی کوس نے سِس (Sis) کو اپنا صدر مقام بنا لیا جو آرمنی سلیشیا (Cilicia) کا دارالسلطنت تھا۔

صلیبی جنگوں کے ایام میں آرمنی کلیسیا کا کلیسیائے رُوم سے پالا پڑا جس نے بہت ہاتھ پاؤں مار کر بعد از ہزار کوشش آرمنی کلیسیا کے بہت سے شرکا کو پوپ کے تابع کر لیا اور آرمنی کلیسیا میں پھوٹ ڈال دی۔

اُنیسویں صدی میں ممالکِ مغرب کی کلیسیاؤں کے مبلغین بھی مغربی ایشیا کے ممالک میں آ گئے، تاکہ اہلِ اسلام میں انجیلِ جلیل کی اشاعت کریں۔ جب اُنھوں نے دیکھا کہ اُن کو اِس مقصد کے پورا کرنے میں کامیابی حاصل نہیں ہوتی تو اُنھوں نے یونانی، آرمنی اور نسطوری کلیسیاؤں کے شرکا کو اپنی اپنی کلیسیاؤں میں شامل کر لیا اور بہت سے آرمنی ان مغربی کلیسیاؤں کے شرکا ہو گئے۔

پچاس سال کا عرصہ ہوا آرمینیا کے مُلک میں قریباً بیس لاکھ مسیحی رہتے تھے لیکن پہلی عالمگیر جنگ کے دوران میں اُن کا قتلِ عام ہو گیا اور نصف سے زیادہ آرمنی مسیحیوں کو تہ تیغ کر دیا گیا۔ پس ہزاروں آرمنی دُنیا کے مختلف ممالک میں پناہ لینے کی خاطر منتشر ہو گئے۔

آرمنی اور رومی کلیسیاؤں کے عقائد

پانچویں صدی کے آخر تک آرمنی کلیسیا کلیسیائے جامع کی مختلف شاخوں کے ساتھ رفاقت رکھتی رہی کیونکہ اُس وقت تک کلیسیائے جامع میں ایسے اندرونی تفرقے اور فتنے برپا نہیں ہوئے تھے جو اُس کی یگانگت کو چاک اور برباد کر دیتے۔ قسطنطنیہ کی مسیحی سلطنت کے زمانہ میں تنازعات نے خطرناک صورت اختیار کر لی۔ ابتدا میں آرمنی کلیسیا اِن برادر کُش جھگڑوں اور تفرقوں سے دامن کش رہی اور کلیسیا نے جماعت کی ہمہ بین کونسلوں کے مذہبی فیصلہ جات پر عمل پیرا رہی۔ لیکن جب یہ تنازعے حد سے بڑھ گئے اور باسفورس کے مشرقی کنارے پر کیلسیڈون کی کونسل ۴۵۱ء میں منعقد ہوئی تو اُس زمانہ میں آرمینیا

Marfat.com

کے مسیحی شاہِ ایران کے ساتھ اپنی ہستی اَور کلیسیا کی بقا کے لئے جنگ کر رہے تھے۔ اس کلیسیا نے چھٹی صدی میں ان جنگوں سے فراغت حاصل کی۔ جب ارمنی کلیسیا کو فرصت ملی تو دیگر مشرقی کلیسیاؤں کی طرح اُس نے اِس کونسل کے بعض فیصلہ جات کو کلیسیائے جامع کی پہلی تین کونسلوں کے فیصلوں کے خلاف پایا۔ پس اس نے بھی کیلسیڈون کی کونسل کے فیصلوں کو رَدّ کر دیا۔

رُومی اَور اَرمنی کلیسیاؤں میں چیدہ چیدہ فرق یہ ہیں کہ ارمنی کلیسیا رُومی کلیسیا کے اِس دعویٰ کو رَدّ کرتی ہے کہ وُہ تمام دُنیا کی کل کلیسیاؤں کی ماں ہے اَور اس کا پوپ دیگر تمام کلیسیاؤں کے پیٹریارکوں سے درجہ اَور مرتبہ میں افضل، اعلیٰ اَور برتر ہے۔ وُہ پوپ کو دیگر پیٹریارکوں میں سے ایک پیٹریارک مانتی ہے، اَور پوپ کے خطا سے منزّہ ہونے کا انکار کرتی ہے اَور نہ اس کو خُداوند مسیح کا نائب یا خلیفہ سمجھتی ہے۔

ارمنی کلیسیا یُونانی آرتھوڈوکس کلیسیا کے عقائد سے اِتّفاق کرتی ہے لیکن جیسا ہم ابھی ذکر کر آئے ہیں وُہ کیلسیڈون کی کونسل کے ان فیصلوں کو جن کا تعلق خُداوند مسیح کی ذاتِ پاک سے ہے، اِنکار کرتی ہے۔

ہم نے اِس افتتاحیہ مقالہ میں نسطوری کلیسیا، جیکو بائٹ کلیسیا، ارمنی کلیسیا اَور یُونی ایٹ کلیسیاؤں کا ذکر طوالت سے کیا ہے، کیونکہ ان کلیسیاؤں کا تعلق مُختلف زمانوں میں کلیسیائے ہندوستان سے رہا ہے۔ بالخصوص اِس جلد میں ارمنی مسیحیوں کا ذکر جا بجا آئے گا۔ ہمیں واثق اُمید ہے کہ روشن خیال ناظرین اَب بہتر طور پر ان کلیسیاؤں کے عقائد و نظام اَور میدانِ عمل کو سمجھ کر اُن کے نیک و بد نتائج پر غور و فکر کر سکیں گے۔

کلیسیاؤں کے باہمی تنازعے

ہم گذشتہ تین جلدوں میں دیکھ آئے ہیں کہ مُختلف کلیسیاؤں کے باہمی جھگڑے اَور تنازعے ہر مُلک میں کلیسیائے جامع کے زوال کا باعث رہے ہیں۔ بالخصوص اسلامی ممالک میں اُن کی وجہ سے کلیسیا اِس قدر کمزور ہو گئی ہے کہ عملی طور پر وُہ نہ ہونے کے برابر ہو گئی ہے۔ مشرقی کلیسیاؤں کے باہمی جھگڑوں نے اُن کو کہیں کا نہ رہنے دیا لیکن پھر بھی یہ کلیسیا ئیں سنبھلنے میں نہیں آتیں۔ مثال کے طور پر بیت اللحم اَور یروشلیم

Marfat.com

کے مُقدّس مقامات پر نظر کرو۔ بیت اللحم کے چرچ آف دی نیٹویٹی اَور یروشلیم کے چرچ آف اَنیس ٹے سِس (جو عام طور پر چرچ آف دی ہولی سیپلکر کہلاتا ہے) کے معاملوں میں مسیحی کلیساؤں کے تفرقے حد سے بھی تجاوز کر کے مضحکہ خیز ہو گئے ہیں۔ بیت اللحم کے گرجا کے یُونانی اَور رُومی کلیساؤں کے قسیسوں کی بدولت کریمیا کی جنگ شروع ہوئی۔ اب اس گرجا کی حفاظت مسلمان فوج کے سپاہی کرتے ہیں۔ اِس صدی کے اوائل کا ذکر ہے کہ زائرین میں سے ایک نے سپاہی سے سوال کیا کہ تُم ہمیشہ اِس خاص مقام پر کیوں ستُون کی طرح کھڑے رہتے ہو۔ اُس نے جواب دیا کہ مَیں اُس سامنے کے کیل کی نگہداشت کرنے پر متعین کیا گیا ہُوں جو دیوار میں لگا ہے۔ یہ کیل آرمنی مسیحیوں نے گاڑا تھا اَور فخریہ ا کہا تھا کہ ہم یہاں ایک مُقدّس تصویر لٹکائیں گے لیکن یُونانی کلیسا کے مسیحیوں نے اُن کو دھمکا کر کہا کہ ہم یہ ہرگز نہیں ہونے دیں گے۔ اب میرا یہ فرض ہے کہ مَیں کسی کو اِس کیل کے نزدیک پھٹکنے نہ دُوں۔ جب میری ڈیوٹی کا وقت ختم ہو جائے گا تو دُوسرا سپاہی اِس کیل کی نگہداشت کرے گا۔

کیل کی نگہداشت تو خیر ایک وقتی اَور عارضی بات تھی لیکن یہ خفیف واقعہ مسیحی فرقوں کی صدیوں کی باہمی پرخاش اَور مخاصمت کی شدّت کی ایک نہایت معمُولی مثال ہے۔ اِس کا نتیجہ یہ ہے کہ ارضِ مُقدّس کے مقامات کا انتظام وغیرہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہی رہا ہے۔ چنانچہ دَورِ حاضرہ میں بھی مُنجّی عالمین کے روضۂ اقدس کی چابیاں ایک مُسلمان کے پاس ہیں اَور وُہی روضہ کے گرجا کو کھولتا اَور بند کرتا ہے، جس طرح اس کے آبا و اجداد صدیوں سے یہ فرض ادا کرتے چلے آئے ہیں۔

یروشلیم کے مُقدّس روضہ کے مُعاملات میں تمام بیڑ یارکوں کا دخل ہے۔ ان سب کی ایک ایجنسی ہے جس کا نام براڈرہڈ آف دی ہولی سیپلکر ہے۲۔ یروشلیم کا پیٹریارک اس کا پریذیڈنٹ ہے۔ یہ "براڈرہڈ" زائرین کی نذروں اَور دیگر ذرائع سے مُقدّس مقامات کا تحفّظ کرتی ہے اَور مُتبرک مقامات کی مرمّت وغیرہ کی ذمّہ وار ہے۔ جو مسیحی مزارِ مُقدّس کی زیارت کرنے جاتا ہے اُس کو ایک نیچی سطح کے چبوترے پر سے گذرنا پڑتا

1. Church of Nativity, Church of Anastasis, Church of the Holy Sepulchre.
2 Brotherhood of the Holy Sepulchre.

Marfat.com

ہے جو داخل ہونے والے دروازہ سے متصل ہے اور جہاں ایک مُسلم گارڈ گرجا کی چابیاں لئے کھڑا رہتا ہے کیونکہ یروشلیم کے گریک اور رُومی کلیسیاؤں کے مسیحی اس سوال پر جھگڑتے رہتے ہیں کہ مُقدّس مزار کس کی ملکیت ہے۔ حالانکہ گریک، اَرمنی اور شامی مسیحی اس گرجا کے مختلف حِصّوں کے صرف نگران ہی ہیں۔ نگرانی کا انتظام نہایت باریک قوانین و قواعد پر مبنی ہے۔ جب کبھی زیارت گاہ کے اِردگرد کے فرش کی مرمّت کی ضرورت پڑتی ہے تو رُومی، یُونانی اور آرمینی کلیسیاؤں کے مسیحیوں میں فساد برپا ہوجاتا ہے۔ بیسویں صدی کے شروع میں یُونانی اور فرانسیسی پرسیٹوں میں یہ جھگڑا برپا ہُوا کہ صحن کی سیڑھیوں کے اُس زینہ کی صفائی کا کس کو اختیار حاصل ہے جو (Chapel of the Agony of Mary) کو لے جاتا ہے۔ اس سوال کو اس قدر اہمیت دی گئی کہ تُرکی گورنر اور فرانسیسی کونسل کا فیصلہ سُننے کے لئے طرفین پہروں تک کھڑے رہے۔ ایک بے پناہ ہجُوم صحن میں اور اِردگرد کے مکانوں کی چھتوں پر جمع ہوگیا اور قسیسوں اور رہبانوں پر پتھروں کی بارش شروع ہوگئی جس میں رُومی کلیسیا کو زک ملی۔ گریک کلیسیا کے قسیس اور رہبان اپنی عباؤں اور لبادوں میں کلہاڑے چھپا کر لائے تھے۔ اس جُرم میں تُرکی عدالتوں نے ان کو زندان میں قید رکھا، اور بالآخر سُلطان عبدالحمید نے ان کو مُعافی عطا کی۔

مذکورہ بالا مثالیں اس صدی کے شرُوع کی ہیں۔ موجُودہ زمانہ میں مزارِ مُقدّس کا گرجا[1] یردن کے بادشاہ حسین کی تحویل میں ہے اور بین الاقوامی سیاسیات کا کھیل بنا ہُوا ہے۔ چنانچہ ۱۹۶۱ء کی بات ہے کہ مِصر کا مُسلمان پریذیڈنٹ ناصر قبطی کلیسیا کا حامی بن کر اور حبشہ کا مسیحی شاہنشاہ ابی سینیا کی کلیسیا کا حامی بن کر شاہ حسین پر زور ڈال رہے تھے کہ وُہ اس گرجا کے ایک تنگ دروازے کو اُن کی مُلکی کلیسیاؤں کے قبضہ میں دیدے۔ یہ چار فٹ اُونچا دروازہ پُرانا اور بوسیدہ قسم کا ہے جس میں سے داخل ہوکر گرجا سے ابی سینیا کی خانقاہ کو جاتے ہیں۔ حبشہ کے راہب اس در کو بند کرنا چاہتے تھے تاکہ قبطی قسیس (جن کو قبطی پیٹر یارکیٹ کی طرف جانے کے لئے اِس دروازہ میں سے گذرنا ہوتا تھا) آتے جاتے اُن کی خلوت میں مُخل نہ ہوں لیکن قبطی کلیسیا کے قسیس اپنی آمدورفت کے لئے چاہتے تھے کہ یہ در کُھلا رہے۔

1. Church of the Holy Sepulchre.

Marfat.com

کلیساؤں کی باہمی آویزش اور پرخاش سے بیروت کی اسلامی حکومت فائدہ اُٹھاتی ہے اور مطلب برآری کر لیتی ہے۔ چنانچہ گذرے دنوں شاہ حسین مصر کے پریذیڈنٹ ناصر کے خلاف تھا جس کے شہنشاہِ حبشہ سے خوشگوار تعلقات تھے۔ پس اُس نے اس دروازہ کو بند کر رکھا۔ لیکن جب شاہ حسین کے دل میں ایک برطانوی لڑکی سے نکاح کرنے کی امنگ پیدا ہوئی اور مصر کے مسلمانوں نے اس پر واویلا مچایا تو اُس نے ناصر کو منانے اور قبطی کلیسیا کو راضی کرنے کی خاطر یہ دروازہ قبطیوں کے لئے کھول دیا۔ لیکن تھوڑے عرصہ کے بعد جب مصر نے شور مچایا کہ مُلکِ لبنان کے ناگہانی انقلاب میں بیروت کے بادشاہ حسین کا ہاتھ ہے اور مصر و بیروت کے تعلقات پھر خراب ہو گئے تو شاہ حسین نے شہنشاہِ حبشہ کو خوش کرنے اور مصر سے انتقام لینے کی خاطر یہ دروازہ پھر بند کر دیا[1]۔ اس صورتِ حالات کی اصل وجہ صرف یہی ہے کہ مشرقی ممالک کی کلیسیائیں ایک دُوسرے کے ساتھ برسرِ پرخاش رہتی ہیں۔

مشرقی کلیساؤں کے باہمی تفرقے کچھ کم نہ تھے کہ ممالکِ مغرب کی رُومی اور بیسیوں غیر رُومی کلیساؤں نے آکر ہر مشرقی مُلک میں اپنی اپنی کلیسیا کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ غیر مسیحیوں میں تبلیغ و اشاعت کا کام کرنے کی بجائے اُنہوں نے قدیم مشرقی کلیساؤں کے شُرکا کو اپنی اپنی کلیسیا میں لانے کی سرتوڑ کوشش کی۔ اَب حالت یہ ہو گئی ہے کہ جس مُلک میں پہلے ایک کلیسیا تھی اَب وہاں بیسیوں کلیسیائیں حشرات الارض کی طرح پیدا ہو گئی ہیں۔ تفرقے پھلتے پھولتے اور ترقی کرتے چلے جا رہے ہیں، اور کلیسیائے جامع کو کمزور کر کے ممالکِ ایشیا میں اس کی قوت کو صفر سے بھی کم کر رہے ہیں۔

---

1. The Statesman, Delhi, Feb. 28, 1962.

Marfat.com

باب اوّل

از تیمور تا ظہیرالدین بابر

فصل اوّل

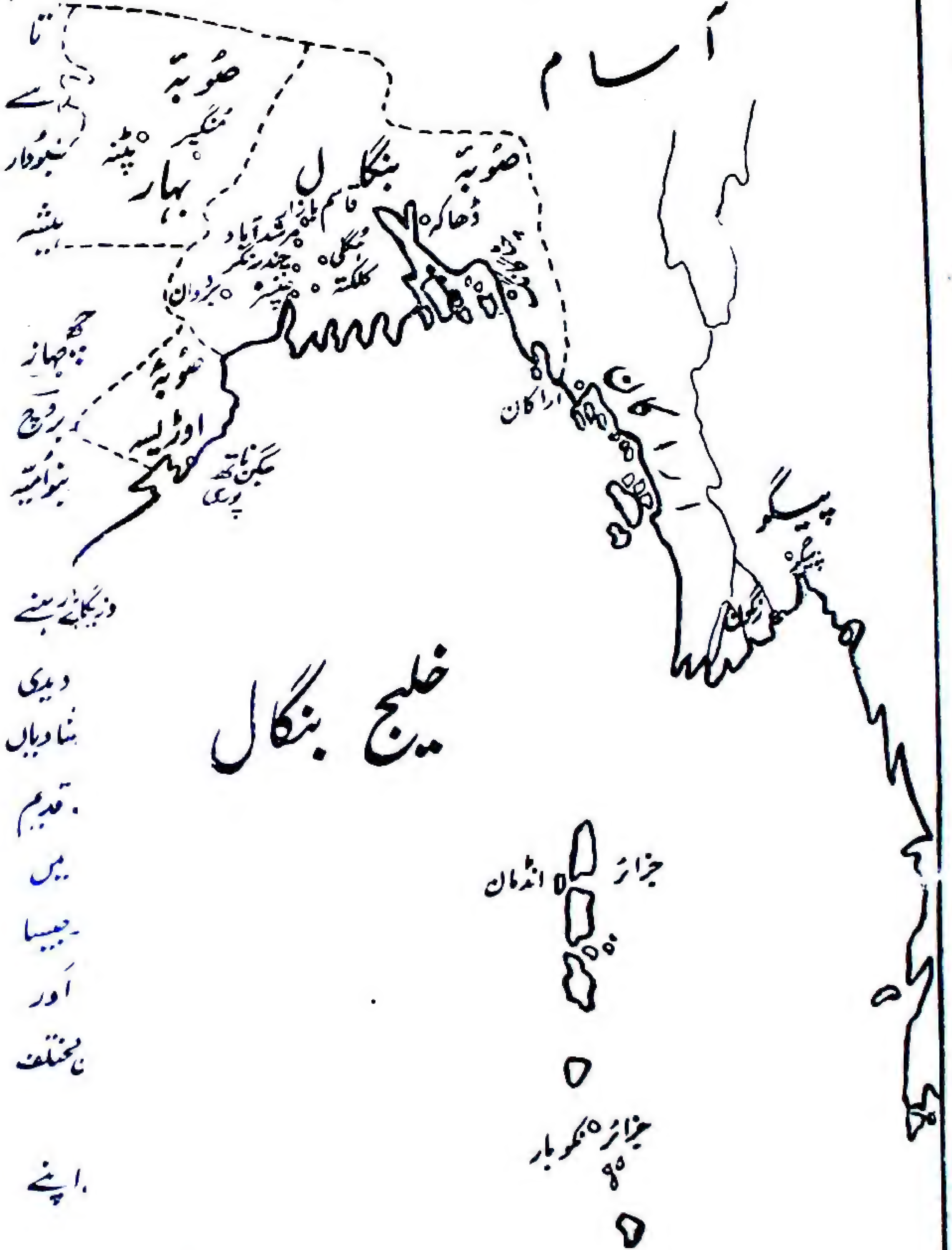
ہندوستان کی دولت اور ممالکِ ایشیا و یورپ کی تجارت

ہم تاریخِ کلیسیائے ہند کی جلد اوّل "مقدس توما رسولِ ہند" کے باب دوم کی فصل اوّل اور باب چہارم کی فصل اوّل میں مفصل طور پر اس حقیقت کو ظاہر کر چکے ہیں کہ روئے زمین کے ممالک میں غالباً ہندوستان ہی ایک واحد ملک ہے جس نے سب ممالک سے زیادہ ایشیا اور یورپ کے براعظموں کے ملکوں کے مستقبل پر اپنی دولت و تجارت کے ذریعہ اثر ڈالا ہے۔ اس کی دولت کی وجہ سے دونوں براعظموں کے باشندے اس پر دندانِ حرص و آز تیز کرتے رہے ہیں۔

ہم بتلا چکے ہیں کہ قدیم زمانہ میں ہندوستان میں ملکِ مصر کے بادشاہ سیسوسٹرس (Sesostris) کے ساتھ تجارت کے تعلقات قائم تھے۔ اس کے بعد فینیکی۔ یہودیہ مقدونیہ۔ ایران اور روم کے ساتھ خداوند مسیح سے کئی صدیاں قبل ہندوستان کی تجارت کا سلسلہ قائم رہا۔ یورپ اور ایشیا کے ممالک ہندوستان کی دولت کی خاطر اس پر بار بار حملے بھی کرتے رہے اور اس کی شمالی حدود ایران و یونان اور مشرقی ایشیا اور وسط ایشیا کے ممالک کے لئے میدانِ جنگ بنی رہیں۔

اسلام کی آمد | زمانۂ اسلام سے قبل عرب اور ہند کے مغربی ساحل کے باشندوں

Marfat.com



نقشۂ ہندوستان
مغلیہ سلطنت کے صوبے
صوبوں کی حدود ------
تبت
لاسہ
آسام
صوبۂ بہار
مونگیر
پٹنہ
صوبۂ بنگال
ڈھاکہ
مرشد آباد
چندر نگر
کلکتہ
بردوان
صوبۂ اوڑیسہ
جگن ناتھ پوری
اراکان
پیگو
خلیج بنگال
جزائر انڈمان
جزائر نکوبار

Marfat.com

نقشہ پرتگیزی علاقہ

صوبہ کابل
کابل
غزنی
سکاردو
صوبہ کشمیر
حسن ابدال
اٹک
پشاور
(پنجاب)
سیالکوٹ
گجرات
صوبہ لاہور
جہلم
لاہور
امرتسر
تبت
قندھار
کوئٹہ
درہ بولان
صوبہ ملتان
ملتان
اُچھ
سکھر
لدھیانہ
سرہند
پانی پت
صوبہ دہلی
سلیم گڑھ شاہجہان آباد (دہلی)
بیکانیر
جے پور (امبر)
جودھپور
سانبھر
باڑمیر
صوبہ اجمیر
اجمیر
اودے پور
چتوڑ
صوبہ ٹھٹھہ
حیدرآباد
کراچی
(سندھ)
ٹھٹھہ
صوبہ آگرہ
متھرا
فتح پور سیکری
آگرہ
گوالیار
صوبہ اودھ
اجودھیا
جونپور
بنارس
الہ باد
صوبہ الہ آباد
صوبہ مالوہ
اجین
مالوہ
صوبہ گجرات
کچھ
احمد آباد
کھمبایت
بھڑوچ
سورت
دیو
صوبہ خاندیش
صوبہ برار
چھوٹا ناگپور
صوبہ اورنگ آباد
اورنگ آباد
پونا
دمن
تھانہ
بسین
سالسٹ
کلیان
بمبئی
بیدر
گولکنڈہ
حیدرآباد
راج مہندری
مسولی پٹم
کرنول
وجیانگر
گوا
مدراس
میسور
سرنگاپٹم
پانڈی چری
ترنکوبار
تنجور
کالیکٹ
ترچناپلی
مدورا
کوچین
تناولی
راس کماری
لنکا
کانڈی
کولمبو
جزائر مالدیو

اول او
کے ممالک
اور یورپ میں
ہے۔
تیز کرتے
ostris)
مقدونیہ
کا سلسلہ
حملے بھی کر
ممالک کے
اسلام

Marfat.com

میں تجارتی تعلقات قائم تھے۔ یہ لوگ شمال میں کمبائت سے لے کر جنوب میں سفالا (Sopara) اور چاؤل Chaul تک رہائش رکھتے تھے۔ قدیم زمانہ میں کلیان میں عربوں کی بستیاں تھیں اور عربی عنصر مغربی ساحل میں خداوند مسیح سے پہلے ۱۷۷ سال سے ۱۰۰ سال تک بڑا رسوخ رکھتا تھا، یہاں تک کہ بعض ہندوؤں نے ان کا صابئی مذہب بھی اختیار کر لیا تھا جس میں بت پرستی کے عناصر تھے۔ خلافت راشدہ کے زمانہ میں خلیفہ عمرؓ اور اُن کے جانشین ہندوستان کو اسلام کے تابع کرنے کے حق میں نہ تھے۔ پس اس ابتدائی زمانۂ اسلام میں مغربی ساحل پر اسلامی افواج نے حملے نہ کئے۔ جب حجاج بن یوسف (از ۶۸۵ء تا ۶۸۶ء) سے ہندوستان کی نسبت پوچھا گیا تو اُس نے جواب دیا کہ "بحرِ ہند موتیوں سے بھرا ہے۔ اس کے پہاڑ قیمتی پتھروں سے معمور ہیں۔ اس کے درختوں کے پتے خوشبودار مصالحے ہیں۔ اس کے دریا برفانی ہیں اور باشندے کبوتروں کے جھنڈ کی مانند ہیں جو ہمیشہ چوکنے رہنے والے دشمن ہیں۔"

۶۳۶ء میں بحرین کے گورنر نے خلیج کمبائت کی بندرگاہوں کے خلاف دو جہاز بھیجے جس کے بعد مغربی ساحل پر عربوں کے حملوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ ۷۲۰ء میں بروچ پر حملہ ہوا۔ ۷۵۵ء اور ۷۷۶ء میں کاٹھیاواڑ کے ساحل کے خلاف جہاز بھیجے گئے۔ بنوامیہ کے خلیفہ ولید کے زمانہ میں محمد بن قاسم نے ایران کے راستے دیبل پر حملہ کیا۔

اس ابتدائی زمانہ میں ہندو راجاؤں نے ان قدیم ایرانی اور عربی بستیوں کے رہنے والوں کو جو ساحل پر بستے تھے مسجدیں بنانے اور اسلامی رسوم کو ادا کرنے کی آزادی دیدی اور وہ بے روک ٹوک اپنی دینی رسوم کو ادا کرتے تھے۔ اُنہوں نے ہندو عورتوں سے شادیاں بھی کیں اور یوں نوائت (یا نایتہ) جماعت کا آغاز ہوا جو مغربی ساحل کے قدیم ترین مسلمانوں کی جماعت ہے اور اب کوکنی جماعت کہلاتی ہے۔ بعد کے زمانہ میں دیگر حملہ آور آئے اور یہاں سید، مغلوں اور پٹھانوں کی جماعتیں پیدا ہوگئیں۔ جیسا ہم جلدِ سوم میں بتلا چکے ہیں اسلامی ممالک کے حملہ آور ہندوستان کو لگاتار تباہ اور خستہ حال کرتے رہے اور ملک کی اندرونی خانہ جنگیوں سے فائدہ اُٹھا کر یہ فاتحین مختلف صدیوں میں مختلف حصوں پر قابض ہوتے چلے گئے۔

یورپ کے تاجر ممالک یورپ کے جہازران بھی ہندوستان کی دولت سے اپنے

Marfat.com

اپنے ملکوں کے شہروں کو مالامال کرتے رہے۔ اس حقیقت پر جینوا - وینس - پرتگال، ہالینڈ فرانس - برطانیہ وغیرہ کی تاریخ گواہ ہے۔ ہند کی دولت نے دُنیا کے ممالک کے خزانوں کو سونے، چاندی، جواہرات اَور دیگر قیمتی اشیاء سے بھر دیا۔ ہندوستان کی پیداوار، معدنی کانوں اَور سمندری خزانوں کی بدولت ایشیا اَور یوُرپ کی اقوام عیش کرتی رہیں۔ نام نہاد "صلیبی جنگوں" کی طفیل یوُرپ کے مختلف ملکوں اَور طبقوں کے لوگ ہندوستان کی دولت اَور اشیائے عشرت سے بخوبی واقف ہو گئے۔ یوُرپ کا ہر بڑا چھوٹا ملک ہندوستان سے تجارت کرنے کا خواہشمند تھا لیکن یوُرپ کی اقوام کے لئے سب تجارتی راستے بند ہو گئے تھے کیونکہ ہندوستان کی تجارت سکندریہ اَور قسطنطنیہ کے راستوں سے ہوتی تھی، اَور یورپین ممالک جو اِن شہروں سے کم واسطہ رکھتے تھے یا کوئی واسطہ نہ رکھتے تھے یا اُن سے برسرِ پرخاش رہتے تھے، وُہ مُنہ دیکھتے ہی رہ جاتے تھے۔

اسلام کا غلبہ پندرھویں صدی کے اواخر میں عربی اسلام جبرالٹر سے لے کر سینی گال تک بحرِ اوقیانوس پر حکمران تھا اَور افریقہ پر قبضہ کرتا چلا جاتا تھا۔ بحرِ ہند گویا عرب کی ایک جھیل ہو گیا تھا۔ عرب کے جہاز افریقہ کے ساحل پر سویز سے سوفلہ (Sofala) تک چلتے تھے اَور اِنڈونیشیا تک پہنچ گئے تھے۔ عربی اسلام نے مجمع الجزائر میں ہندومت کو فتح کر کے باشندوں کو اسلام کا حلقہ بگوش بنا لیا تھا اَور جزائرِ شرق الہندکی بُت پرست آبادی نے اسلام قبُول کر لیا تھا۔ اِنہی ایام میں ایرانی اسلام اُس سے بھی زیادہ طاقت حاصل کر گیا تھا اَور قسطنطنیہ کے سامراجیوں نے نہ صرف قسطنطنیہ کو فتح کر لیا تھا بلکہ موریا - قارمان اَور ترِبیزوَند پر بھی قابض تھے۔ اُنہوں نے کریمیا کی چھاؤنی کو فتح کر کے بحرِ اسود کو ترکی کی جھیل بنا دیا تھا۔ ترکی بولنے والے مسلمانوں نے دائرہ اسلام کو بحرِ اسود سے لے کر دریائے والگا کے وسط تک وسیع کر دیا تھا۔ ایرانی اسلام جنوب مشرق کی جانب سے شمال مغرب کی طرف مُلکِ چین کے صوبہ کانسو اَور شین سی تک پھیل گیا تھا اَور تمام ایران اَور ہندوستان میں بنگال اَور دکن تک اس کا دائرہ پھیلتا چلا گیا تھا۔ اس کا مفصل ذکر ہم جلدِ دوم اَور سوم میں کر چکے ہیں۔

جلدِ دوم کے بابِ پنجم میں ہم سُلطان علاؤ الدین خلجی کی اُن فتوحات کا ذکر کر آئے ہیں جو اس کے جرنیل مَلک کافور نے جنوبی ہند میں کی تھیں۔ مؤرخ فرشتہ ہم کو بتلاتا ہے

Marfat.com

کہ علاؤالدین ۱۲۹۴ء میں دیوگری کے راجہ کو اُس کی راجدھانی تک بھگاتا چلا گیا۔ صُلح کے بعد علاؤ الدین نے اُس کو "رائے رایاں" کا خطاب عطا کیا اور اُس کو علاقہ پر دوبارہ قبضہ دے کر اپنا خراج گذار بنالیا۔ جب ۱۳۱۸ء میں دیوگری کو سر کر لیا گیا تو اس علاقہ میں اسلامی حکومت کی بُنیاد پڑ گئی۔ مُبارک شاہ اوّل (از ۱۳۱۶ء تا ۱۳۲۰ء) نے حکم دیا کہ ماہیم اور سالسٹ تک قبضہ کر لیا جائے اور اسلامی مقبوضات کو بڑھا لیا جائے۔ جو مسلمان بستیاں ہندو راجاؤں کے ماتحت رہتی تھیں اُنہوں نے فاتحین کی امداد کی۔ فاتحین نے ہندو رعایا سے روا داری کا سلوک نہ کیا اور ہندوؤں کے بُتوں کو مسمار کرتے گئے۔ ممبہ دیوی کے قدیم مندر کو (جو بمبئی کے جزیرہ کی دیوی تھی) برباد کر دیا گیا۔ چنانچہ فرائر جوڑ ڈینیس اور اوڈرک جو ۱۳۲۱ء میں تھانہ میں تھے ہم کو بتلاتے ہیں کہ "مسلمانوں نے حال ہی میں اِس تمام ملک پر قبضہ کر لیا ہے۔ اُنہوں نے لاتعداد بُتوں کو تباہ کر دیا ہے اور بہت سے گرجاؤں کے اوقاف پر قبضہ کر لیا ہے۔"

لیکن اسلامی حملوں سے پہلے آٹھویں صدی میں جنوبی ہند میں اسلام کی آمد اُس زمانہ میں ہوئی جب موپلے عراق سے بھاگ کر وہاں جا بسے تھے۔ عربوں اور ایرانیوں کی وساطت سے سونے۔ جواہرات۔ ہاتھی دانت وغیرہ کی تجارت ہندوستان اور مغربی ممالک میں صدیوں تک ہوتی رہی۔ تجارت کی وجہ سے جنوبی ہند کے ساحلی علاقوں میں اسلامی تاثرات ہر سال بڑھتے چلے گئے۔ ان علاقوں میں ایسے مخلوط النسل بچوں کی تعداد بھی بڑھتی چلی گئی جو نیم ہندی اور نیم عرب یا نیم ایرانی ہوتے تھے۔ ہندو راجاؤں اور مُسلمانوں کے باہمی تعلقات بھی دوستانہ تھے کیونکہ تجارت کی وجہ سے راجاؤں کے علاقے خُوشحال ہوتے جا رہے تھے۔ اس مرفہ الحالی کو پیش نظر رکھ کر ہندو راجے بعض ہندوؤں کو اسلام اختیار کرنے سے نہیں روکتے تھے۔ بالخصوص اس واسطے کہ یہ نومُسلم اکثر اچھوت ذاتوں کے ہوتے تھے۔ رفتہ رفتہ ان ناچیز اچھوت نومُسلموں کی تعداد بڑھتی گئی۔ چنانچہ صاحب تحفۃ المجاہدین لکھتا ہے کہ مسلمان تاجروں کی آمد کی وجہ سے نئی نئی بستیاں اور نئے نئے شہر وجود میں آتے گئے۔ مُسلم آبادی بڑھتی چلی گئی کیونکہ ریاستوں کے حکام مسلمانوں کو اچھی نگاہوں سے دیکھتے تھے اور ان سے اچھا سلوک کرتے تھے۔ وہ اُن کی جان و مال کی حفاظت کرتے تھے اور ہر ممکن طور پر اُن کو خُوش رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ اگر کوئی ہندو مُسلمان

Marfat.com

ہو جاتا تھا تو ہندو راجے اُس کی تبدیلیٔ مذہب میں رُکاوٹ ڈالنا خلافِ مصلحت سمجھتے تھے۔ مُسلمانوں کی تعداد اس قدر بڑھ گئی کہ سولھویں صدی کے شروع میں موپلے مالابار کی آبادی کا پانچواں حصّہ ہو گئے۔ وُہ ہندوؤں کی زبان بولتے تھے اَور انھی کی طرح رہتے سہتے تھے۔ امتیازی فرق صرف یہ تھا کہ مُسلمانوں کی داڑھیاں لمبی ہوتی تھیں اَور وُہ دستاریں پہنتے تھے۔ یُوں مُسلمان تاجر عرب اَور ایران کے ممالک سے ہر سال مالابار، گجرات اَور دکن میں آتے جاتے تھے اَور سال بہ سال قُوّت پکڑتے جاتے تھے۔

پُرتگیزوں کی آمد

مذکورہ بالا مختصر بیان سے ظاہر ہو گیا ہو گا کہ پندرھویں صدی مسیحی میں اسلام کی اشاعت اَور قُوّت ایشیا ہندوستان اَور یُورپ کے ممالک میں روز افزوں تھی۔ اسلامی فتوحات کی وجہ سے یُورپ کے ممالک کے باشندے ہندوستان میں آ جا نہ سکتے تھے۔ کیونکہ اسلامی سلطنتوں نے قریباً چھ سو سالوں سے ہر طرف سے اُن کی تجارت کے راستے مسدُود کر دیئے تھے۔ جو مغربی تاجر بحرِ قلزم اَور مصر کی راہ سے ہندوستانی تجارت کرنے کے لئے آنے کا حوصلہ کرتے اُن کو بڑی بڑی رقمیں ادا کرنی پڑتی تھیں۔

پس یُورپ کے ممالک لاچار ہو کر ہندوستان آنے کی دُوسری راہیں تلاش کرنے لگے تاکہ اُن کی تجارت کو زک نہ پہنچے۔ پُرتگال کی جغرافیائی حالت نے پرنس ہنری کی مسلسل کوششوں کو بار آور کر دیا۔ پُرتگال کو یہ فائدہ بھی حاصل تھا کہ اُس کے تعلقات جینوآ کے ساتھ تھے جس کو جہاز رانی کے عِلم میں بڑی ترقّی حاصل تھی۔ ہسپانیہ میں مُسلمانوں کے ساتھ طویل اَور سخت جنگوں کی وجہ سے اہلِ ہسپانیہ اَور دیگر مغربی اقوام کے دِلوں میں مُسلمانوں کے خلاف عناد اَور دشمنی کے جذبے کار فرما تھے۔ پس وُہ بھی اس بات پر تُلے ہُوئے تھے کہ کوئی دُوسرا بحری راستہ ڈھونڈ نکالیں جس سے وُہ اسلامی ممالک کی بڑھتی ہُوئی ترقّی کو برباد کر سکیں۔ بالخصُوص ہسپانیہ اَور پُرتگال جیسے دولتمند، مقتدر اَور خُوشحال ممالک ایک ایسی راہ کی تلاش کرنے لگے جس سے وُہ مشرقی سلطنتوں کے گھیرے کو توڑ کر ہندوستان کے ساتھ تجارت کر سکیں۔ چنانچہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے پندرھویں صدی میں نئی قسم کے جہاز بننے لگے جو مہینوں تک سمندر میں بغیر کسی بندرگاہ میں لنگر ڈالے چل سکتے تھے۔ ان جہازوں کی مدد سے پُرتگیزوں نے نئے نئے راہ اَور ممالک دریافت کر لئے۔

Marfat.com

۱۴۲۰ء کے قریب انہوں نے میڈیرا کو اور ۱۴۳۲ء میں ایزورس (Azores) کو دریافت کر لیا اور یوں وہ بحرِ اوقیانوس میں عرب کے جہازوں کی زد سے دور ہو گئے۔ ۱۴۴۵ء میں راس ورڈ (Verde) کی راہ سے وہ خطِ استوا ۱۴۷۱ء میں پہنچ گئے۔ ہندوستان کی راہ کو تلاش کرتے کرتے کولمبس نے ۱۴۹۲ء میں امریکہ جا دریافت کیا۔ بالآخر شاہِ پرتگال کا امیر البحر واسکوڈے گاما (Vasco de Gama) جنوبی افریقہ کی طوفان خیز راس امید کا چکر لگا کر ہندوستان کے مغربی ساحل کی بندرگاہ کالیکٹ میں اپنا جہاز لے آنے میں کامیاب ہو گیا۔ لزبن کی بندرگاہ سے دس ماہ کے بحری سفر کے بعد ماہ مئی ۱۴۹۸ء میں اس نے شہر کالیکٹ کے سامنے لنگر ڈال دیا، اور اسلامی ممالک کی قریباً چھ سو سالہ واحد تجارتی اجارہ داری کو توڑنے کا وسیلہ بنا۔ اس واقعہ نے تاریخِ کلیسیائے ہند میں ایک نیا باب کھول دیا۔

پرتگیزوں نے اسی پر قناعت نہ کی۔ وہ ۱۵۱۱ء میں کالیکٹ سے بحرالکاہل ہوتے ہوئے ابنائے ملاکا پر قابض ہو گئے۔ انہوں نے ۱۵۱۶ء میں بحرالکاہل سے ہو کر اپنا جھنڈا کینٹن میں جا گاڑا اور وہاں سے ۴۳-۱۵۴۲ء میں جاپان پہنچ گئے۔ یوں پرتگیزوں نے بحرِ ہند کو عربوں کے ہاتھوں سے چھین لیا۔ ۱۵۶۲ء میں وہ منچو سلطنت کی شمال مشرقی سرحد تک جا پہنچے۔ یوں پرتگیزوں اور روسیوں نے اپنی حریف اسلامی سلطنتوں کے نرغے کو نہ صرف توڑ ڈالا بلکہ ایک صدی کے اندر انہوں نے ان سلطنتوں کو ہر طرف سے گھیر لیا۔ ایسا کہ سولھویں صدی کے آخر اور سترھویں صدی کے شروع میں چاروں طرف سے اسلامی ممالک ان کے قابو میں آ گئے[1]۔

بابر کی آمد کے وقت شہنشاہ چارلس پنجم یورپ کے برِاعظم کا نہایت زبردست بادشاہ تھا۔ جس سال (۱۵۵۶ء)، ہمایوں کی وفات ہوئی یہ شاہنشاہ امورِ سلطنت سے بڑھاپے کی وجہ سے دستبردار ہو گیا۔ اس نے اپنے مقبوضات کو تقسیم کر کے جرمنی کو اپنے بھائی فرڈی ننینڈ کے حوالے کر دیا اور ہسپانیہ اور ہالینڈ اپنے بیٹے فلپ ثانی کو دے دیئے۔ جب ایراگون کے فرڈی ننینڈ (Ferdinand of Aragon) اور

1. A. J. Toynbee, A Study of History. Abridgement of vols. 7-10 by Somervell. pp. 167-168.

Marfat.com

کیسٹیل کی ایزابیلا (Isabella of Castile) کی شادی ہوئی تو دونوں کے مقبوضات اکٹھے ہو گئے اور ہسپانیہ ایک ملک ہو گیا جس کے فرڈی نینڈ اور ایزابیلا حکمران تھے۔ شہنشاہ چارلس مذہب کا پکّا تھا اور نمازِ جنازہ کا دِلدادہ تھا۔ دستبرداری کے بعد اُس کا یہ دستور ہو گیا کہ طعام کھانے کے بعد جب وُہ آرام کرنے جاتا تو حکم دیتا کہ یہ نماز پڑھی جائے۔ موت سے دو ماہ پہلے اُس نے اپنا تابوت بنوایا اور اُس میں کفن میں ملبوس ہو کر لیٹ گیا اور فرمایا کہ اب نمازِ جنازہ پڑھو۔ قسیس اور ملازم سب سیاہ لباس پہن کر آئیں اور واویلا اور ماتم کریں۔

چارلس کے زمانہ میں خاندانِ لودھی کے بادشاہ سلطنتِ دہلی کے حکمران تھے اور ایلیگزینڈر ششم (Alexander VI) رُومی کلیسیا کا (از ۱۴۹۲ء تا ۱۵۰۳ء) پوپ تھا۔ وُہ ہسپانوی تھا اور بورجیا خاندان کا تھا۔ پوپ ہونے کی حیثیت سے وُہ مشرق و مغرب اور تمام دُنیا کا فرمانروا سمجھا جاتا تھا۔ ہسپانیہ کے فرمانروا فرڈی نینڈ اور ایزابیلا نے ۱۴۹۳ء میں اُس سے درخواست کی کہ جو ملک کولمبس نے گذشتہ سال دریافت کیا ہے وُہ ہم کو عطا کر دیا جائے۔ پوپ نے اپنی سیاسی اغراض کو مدِّ نظر رکھ کر دُنیا کا نقشہ منگوایا اور ایک قطب سے دُوسرے قطب تک لکیر کھینچی اور ہسپانیہ کو وُہ تمام ممالک عطا کر دیئے جو ایزورس (Azores) اور راس ورڈی (Verdi) کے ایک سو میل کے قریب مغرب کی جانب واقع تھے خواہ وُہ ممالک دریافت کئے گئے تھے یا دریافت ہونے والے تھے! پوپ نے پُرتگال کو خوش کرنے کی خاطر اُس کو بھی وُہ تمام ممالک عنایت کر دیئے جو جزائر کناری Canary Islands کے مشرق کی جانب اِس کشیدہ لکیر کے دُوسری طرف واقع تھے۔ فلپ ثانی کے عہد میں ہسپانیہ اور پُرتگال کی بادشاہیاں اکٹھی ہو گئیں اور وُہ ہسپانیہ اور پُرتگال دونوں کا بادشاہ ہو گیا [1]۔

چارلس کے زمانہ میں اصلاحی خیالات ہالینڈ میں پھیلنے شرُوع ہُوئے۔ اُس نے اور اُس کے بیٹے فلپ ثانی نے تہیّہ کر لیا کہ ہر قسم کی بدعت اور اصلاح کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکیں گے۔ فلپ نے ہالینڈ کے خلاف ایلوا (Alva) کی زیرِ سرکردگی زبردست افواج بھیجیں۔ وُہ لوہے کے عصا سے ولندیزوں کو کچلتا چلا گیا۔ بالآخر ولندیزوں نے "خاموش" ولیم (William the Silent) کی زیرِ سرکردگی بغاوت کر دی اور میدانِ جنگ

1. H. G. Wells, The outline of History. Chapters 35 & 36 (Revised Edition)

Marfat.com

میں شجاعت کے جوہر دکھائے اور دورانِ محاصرہ دادِ مردانگی حاصل کی۔ اپلوا کو ۱۵۷۳ء میں (جب اکبر ہندوستان میں حکمران تھا) شکست فاش نصیب ہوئی۔ ۱۶۰۹ء میں (جہانگیر کے عہد میں) ہالینڈ میں جمہوریت کی بنا پڑی اور ۱۶۴۸ء میں (یعنی شاہجہان کے عہد میں) ہالینڈ آزاد ملک تسلیم کر لیا گیا۔

۱۵۰۲ء میں پوپ مذکور نے ایک فرمان کی رُو سے شاہِ پرتگال کو "حبشہ، ایران اور ہندوستان کی تجارت اور مفتوحہ مقبوضات اور ان ممالک کے جہازوں کی آمد و رفت کا مالک[1]" قرار دے دیا۔ ۱۵۱۴ء میں پوپ لیو دہم (Leo X) نے شاہانِ پرتگال کو تمام مفتوحہ ممالک کی کلیساؤں پر تقرری کا اختیار اور اقتدار عطا کر دیا اور اُن کو اختیار دیدیا کہ وہ شمال مغربی افریقہ سے لے کر تمام ممالک میں (جن کو انہوں نے فتح کر لیا ہے یا آئندہ فتح کریں گے) بشپ اور رُوحانی حکام مقرر کریں۔

جب پوپ ایلیگزنڈر ششم نے امریکہ کا برِاعظم ہسپانیہ کو عطا کیا تو اُس کو سخت تاکید کر کے لکھا کہ وہ نئے ملکوں کی بُت پرست آبادی کو انجیلِ جلیل کا پیغام دے اور وہاں خدا ترس، نیک، دیندار، لائق مبلّغین کو بھیجے جو فوجی سپاہی امریکہ گئے اُس نے اُن کو اُسی قسم کے معافی نامے (Indulgences) عطا کئے جو رُومی کلیسیا کے پوپ ارضِ مُقدّس میں مُسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے والی افواج کو دیا کرتے تھے۔ یوں ہسپانیہ اور پرتگال کے ممالک نے (جو بعد میں فلپ ثانی کے زمانہ میں ایک ہی تاج کے ماتحت ہو گئے) مشرق و مغرب کے ممالک میں گویا "صلیبی جنگیں" شروع کر دیں جو درحقیقت سیاسی تھیں اور انہوں نے مسیحیت کو اپنی ملکی اغراض کا آلہ بنا لیا۔

ہم نے یورپ کے برِاعظم کے حالات کے بیان کرنے میں طوالت سے کام لیا ہے کیونکہ اُن کا اثر سلطنتِ مغلیہ پر اور اس سلطنت کی کلیساؤں پر پڑا۔ پوپ کے فرمان کی رُو سے پرتگیز بحرِ عرب اور بحرِ ہند وغیرہ کے مالک بن بیٹھے۔ پرتگیزوں کی آمد درحقیقت ہندوستان پر ایک نیا حملہ تھا جو کلیسیا نے ہندوستان کے لئے اس سے پہلے کے حملوں سے بھی زیادہ نتیجہ خیز ثابت ہوا۔ اس کا مفصّل حال ہم انشا اللہ

1. "Lord of the Conquest Navigation and Commerce of India, Ethiopia, Arabia and Persia."

Marfat.com

کسی آئندہ جلد میں کریں گے۔ پرتگیزوں کا آنا یورپ کی دیگر اقوام مثلاً ہالینڈ۔ فرانس وغیرہ کی آمد کا اور اُن کے حملوں کا پیش خیمہ تھا۔ اب تک تمام حملہ آور خشکی کی راہ سے اور بالخصوص شمال مغرب کی جانب سے افغانستان کے راستے آئے تھے۔ اگر اہلِ ہند متفقہ کوشش کرتے تو وہ معدودے چند دروں پر ڈٹ کر مقابلہ کر کے حملہ آوروں کو پسپا کر سکتے تھے۔ لیکن اب تو ہندوستان کے ہر بحر اور سمندر کی ہر بندرگاہ حملہ آوروں کے لئے کھل گئی۔ یہ حملہ آور سابقہ حملہ آوروں سے کہیں زیادہ طاقت ور تھے۔ ۱۴۹۸ء کے بعد صدیوں تک کوئی ایسا وقت نہ آیا جب ہندوستان مغربی ممالک کے حملہ آوروں سے محفوظ رہا ہو۔ واسکوڈے گاما اور اُس کے مٹھی بھر ساتھی ان یورپین طاقتوں کے گویا ہراول تھے۔

فصل دوم

پرتگیزوں کی حکومت

گذشتہ فصل سے ناظرین پر ظاہر ہو گیا ہو گا کہ پرتگیز ہندوستان میں محض تجارت اور دنیاوی منفعت کی خاطر آئے تھے۔ ان کا واحد مقصد صرف یہ تھا کہ وہ ہندوستان کی تجارت کے بلا شرکت غیرے ٹھیکیدار اور واحد مالک بن جائیں۔ پس اُن کے جہاز ملاکا سے ایران و عرب تک سمندر میں ہر جانب دوڑتے پھرتے تھے۔ تجارت کی اجارہ داری قائم کرنے کے لئے اُنہوں نے مختلف بندرگاہوں پر کوٹھیاں کھڑی کر دیں جو درحقیقت اسلحہ خانے ہوتے تھے۔ اُنہوں نے قلعے بھی تعمیر کئے تاکہ مشرقی سلطنتوں کی طاقتوں کا مقابلہ کر کے اُن کی ناکہ بندی توڑ سکیں۔

ہندوستان میں پرتگیز محمد بن قاسم کے حملہ کے قریباً آٹھ سو سال بعد اور بابر کے حملہ سے ستائیس سال پہلے آئے۔ ان آٹھ سو سالوں میں (جیسا کہ ہم جلد سوم میں بتلا چکے ہیں) شمالی ہند اور دکن میں اسلامی سلطنت قائم ہو گئی تھی۔ دریائے نربدا کے جنوب کی جانب ہندو سلطنتیں تھیں جو سلاطینِ دہلی کے ماتحت نہ تھیں۔ پرتگیزوں کی آمد کے ایام میں لشن گڑھ کی ہندو سلطنت دریائے کرشنا کے شمال میں واقع تھی جس کے ماتحت

Marfat.com

چھپن راجے تھے۔ اس کے علاقے کے شمال کی جانب مُسلمانوں کی بہمنی سلطنت تھی۔

سلطانِ دہلی فیروز شاہ نے محمد تغلق کے بھتیجے مظفر شاہ کو شمالی کونکن کا گورنر (از ۱۳۹۱ء تا ۱۴۱۲ء) مقرر کیا تھا۔ اُس نے گجرات کے شاہی خاندان کی بنیاد ڈالی اَور دو خلجی جرنیلوں کو (جو اُس سے پہلے گورنر تھے) اپنے ساتھ مِلا لیا۔ گجرات کے سلطان احمد شاہ (از ۱۴۱۱ء تا ۱۴۴۲ء) اَور بہادر شاہ (از ۱۵۲۷ء تا ۱۵۳۶ء) بمبئی کے بھی حکمران تھے جن کے علاقہ میں بمبئی کے ساتوں جزیرے تھے۔ گلبرگہ اَور بیدر (واقع دکن) کے بہمنی سلطان جنوبی کونکن کے ممالک تھے۔ لیکن بہادر خان گیلانی (جو گوآ کا گورنر تھا) ۱۴۷۸ء میں بہمنی سلطان سے باغی ہو گیا اَور "دریا بار" یعنی ساحل کا بادشاہ بن بیٹھا۔ ۱۴۸۵ء میں ملک احمد نے احمد نگر کی نظام شاہی سلطنت قائم کر لی اَور یُوسف عادل خان نے بیجاپُور کا عادل شاہی خاندان قائم کر لیا۔ یہ سب بہمنی خاندان کے بادشاہوں کے اُمرا تھے۔ بعد کے زمانہ میں بہمنی سلطنت شاہانِ احمد نگر اَور بیجا پُور میں تقسیم ہو گئی۔

سولھویں صدی کے شرُوع میں بہمنی سلطنت کے پانچ ٹکڑے ہو گئے جن میں بیجاپور احمد نگر اَور گولکنڈہ کی بادشاہیاں زیادہ مشہُور ہیں۔ بیجا نگر کا ہندُو راجا سب سے زیادہ طاقت ور تھا۔ پس ابتدا میں پُرتگیزوں کا سابقہ ہندُو راجاؤں کے ساتھ پڑا۔ اگرچہ ان ہندو راجاؤں کے مقبوُضات میں مُسلمانوں کا تعلق اُمورِ سلطنت کے ساتھ نہ تھا لیکن جیسا ہم گذشتہ فصل میں بتلا چکے ہیں، تجارت صرف مُسلمان سوداگروں کے ہاتھوں میں تھی اَور دُور اندیش ہندُو راجے یہ نہیں چاہتے تھے کہ مسلمان اُن کے مُمالک کی تجارت کے واحد ٹھیکہ دار ہوں۔ پس جب پُرتگیز تاجر اُن کی عملداری میں آئے تو اِن راجاؤں نے اُن کا بھی خیر مقدم کیا۔ اس زمانہ میں مالا بار ساحل کے طاقتور راجے "زمورن" (بمعنی سمندر کا بادشاہ) کا دارالسلطنت کالیکٹ تھا جہاں واسکو ڈے گاما نے لنگر ڈالا تھا۔ زمورن کے اُمرائے دربار ہندو اَور نسطوُری مسیحی تھے۔ ان نسطوُری مسیحیوں کی وجہ سے اُس کا بڑے تپاک سے خیر مقدم کیا گیا۔ وُہ تین ماہ تک وہاں مقیم رہا۔ اس کے بعد جب وُہ پُرتگال واپس گیا تو اُس کا استقبال لزبن میں بڑی شان و شوکت سے کیا گیا۔ زمورن نے اس کو شاہِ پُرتگال کے نام ایک خط دیا تھا جس میں لکھا تھا کہ آپ کا امیر کبیر واسکو ڈے گاما ہماری راجدھانی میں آیا ہے اَور اُس کی آمد سے ہم نہایت محظُوظ ہُوئے ہیں۔ ہماری سلطنت کی حدُود میں دار چینی، لونگ

Marfat.com

ادرک - مرچ وغیرہ مصالحہ جات ہیں - ہیرے اور جواہرات بھی بکثرت ہیں - ہم کو آپ کے ملک کی اشیا از قسم سونا - چاندی مونگا - مرجان اور گلنار کی ضرورت ہے -

چونکہ تجارت موپلوں کے ہاتھ میں تھی اُن کو قدرتی طور پر یہ اندیشہ ہُوا کہ اگر پُرتگیزی تاجر وہاں مقیم ہوگئے تو اُن کی تجارتِ اجارہ داری پر بُرا اثر پڑے گا - پس اُنہوں نے ہندو عمائدِ سلطنت کو اپنے ساتھ گانٹھ لیا تاکہ راجہ پُرتگیزوں کا مخالف ہو جائے اِس پوشیدہ اور ظاہری مخالفت کے باعث پُرتگیزوں نے مدافعت کے لئے جا بجا حصین قلعے اور مسلّح کوٹھیاں کھڑی کر لیں اور یوں رفتہ رفتہ پُرتگیزی سلطنت کی بنا ڈال دی - اُنہوں نے ملاکا سے لے کر ایران و عرب تک اپنے جہازوں کا جال پھیلا دیا - لیکن چونکہ وہ صرف تجارت کے واحد ٹھیکہ دار ہی بننا چاہتے تھے اُنہوں نے اپنے مقبوضات کو ساحلوں سے دُور مُلک کے اندرونی حصّوں میں نہ پھیلایا -

۱۵۰۹ء میں البوکرک (Affonso de Albuquerque) پُرتگیزی مقبوضات کا دُوسرا گورنر اور فوج کا کمانڈر انچیف مقرر ہُوا - اس کی زندگی کا واحد مقصد یہ تھا کہ ہندوستان میں پُرتگیزی سلطنت قائم کرے - جُونہی شاہِ پُرتگال عمانوئیل نے اُس کو اپنے ایشیائی مقبوضات کا گورنر مقرر کیا اُس نے اپنے لائحہ عمل پر عملدرآمد کرنا شروع کر دیا - جنوبی ہند کے حالات بھی اُس کے سازگار تھے کیونکہ ہندو راجے اب یہ نہیں چاہتے تھے کہ مسلمان اُن کے مقبوضات کی تجارت کے واحد مالک ہوں - دکن کے مسلمان سلاطین بیجانگر کے ہندو راجہ پر حملہ کرتے رہتے تھے - پس وہ پُرتگیزوں کی مدد سے اسلامی سلطنت کا مقابلہ کرنا چاہتے تھے - اِدھر (جیسا ہم گذشتہ فصل میں بتلا چکے ہیں) پُرتگیز اسلامی ممالک کی مذہبی مخاصمت اور اقتصادی ناکہ بندی کی وجہ سے پہلے ہی مسلمانوں کے دشمن تھے - ہندو دل کی آؤ بھگت سے فائدہ اُٹھا کر وہ اُن سے دوستانہ تعلقات قائم رکھنا چاہتے تھے -

بیجانگر کی سلطنت میں پُرتگیزوں کی تجارت بڑی رونق پر تھی - چنانچہ یورپین سیّاح ایڈاورڈو بار بے سا (Edwardo Bar Bessa) (جو ۱۵۱۶ء میں ہندوستان آیا تھا) بیجانگر کی بابت لکھتا ہے کہ یہ سلطنت وسیع ہے اور ہر جگہ آباد و خوشحال نظر آتی ہے - اس میں موتی - زمرد - لعلوں اور ہیروں کی تجارت ہوتی ہے - چین اور سکندریہ کے ریشمی پارچہ جات بھی بکتے ہیں اور مالابار کا صندل - مرچ - مُشک - شنگرف اور کافور کی

Marfat.com

بھی بگڑی ہوئی ہے۔ البوکرک ہندو راجاؤں سے مل کر اسلام کی طاقت کو توڑنا اور پرتگیزی تجارت اور سلطنت کو فروغ دینا چاہتا تھا۔

اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے پرتگیزوں نے اپنے قدم مغربی ساحل پر جما لئے۔ اب وہ ایسے مستحکم ہو گئے کہ انہوں نے مسلمانوں کی تجارت کو بند کر دیا۔ اس زمانہ میں محمود بیگڑہ (از ۱۴۵۸ء تا ۱۵۱۱ء) گجرات کا بادشاہ تھا۔ وہ گجرات کے تمام بادشاہوں میں برتر شمار کیا جاتا تھا۔ وہ ایک کٹر مسلمان تھا اور ہمیشہ جہاد کے لئے تیار رہتا تھا۔ اس کی مونچھیں اس قدر لمبی تھیں کہ وہ ان کو سر پر باندھا کرتا تھا۔ اس کی داڑھی کمر تک لمبی تھی۔ وہ اس قدر شجاع تھا کہ اس کی عظمت و شجاعت کی شہرت یورپ کے ممالک تک پہنچی ہوئی تھی۔ اس نے ۱۵۰۸ء پرتگیزوں پر حملہ کر کے ان کو شکست دی لیکن اس کے دو سال بعد البوکرک نے اس کو ایسی شکست فاش دی کہ اس کے بعد پرتگیزی بحری طاقت کا مقابلہ کرنے والا کوئی نہ رہا۔

جب مصر کے مملوک سلطان نے یہ صورتِ حال دیکھی تو اس پر ظاہر ہو گیا کہ ہندوستان کی پرتگیزی تجارت مصر کے حق میں مضر اور اس کے مفاد کے خلاف ہے۔ پس اس نے پوپ سے شکایت کی۔ لیکن جب اس کی شنوائی نہ ہوئی تو اس نے ۱۵۰۸ء میں امیر البحر حسین کی سرکردگی میں اپنا بحرِ احمر کا بیڑا گجرات کی جانب پرتگیزوں کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ ڈیو کے حاکم نے اس کی حمایت کی اور دونوں کی متحدہ طاقت سے پرتگیزوں کو شکست ہوئی۔ لیکن اس کے اگلے سال مصر کے جنگی جہاز چلے گئے اور پرتگیزوں کے لئے میدان صاف ہو گیا۔ انہوں نے فروری ۱۵۰۹ء میں مسلمانوں کو شکست فاش دی۔ پرتگیزوں کے ہاتھ ½۱ لاکھ ڈکیٹ[1] بطور مالِ غنیمت آئے۔ اور انہوں نے ڈیو میں ایک حسین قلعہ بنا لیا۔ اس جنگ سے اور کوچین کی جنگ سے (جس میں کوچین نے شکست کھائی تھی) پرتگیزوں پر ہند کے راجاؤں کی بحری طاقت کی کمزوریاں اور خامیاں ظاہر ہو گئیں۔ انہوں نے اپنی بحری طاقت کو بیش از بیش مضبوط بنا لیا ایسا کہ جنوبی ہند کے سمندروں پر وہ اپنی من مانی کارروائیاں کرنے لگ گئے۔

گوآ کی فتح کالیکٹ کے بعد گوآ سب سے بڑا تجارتی مرکز تھا پس البوکرک نے اس کو فتح کرنے پر کمر باندھ لی۔ گوآ کا سلطان یوسف عادل شاہ تھا، جس کے ہاتھوں وہاں کی ہندو آبادی جزیہ اور دیگر ٹیکسوں کی وجہ سے نالاں تھی جب

[1] ڈکیٹ ۹ شلنگ کے برابر تھا۔ پرتگیزی سکہ۔

Marfat.com

البوکرک نے گوآ کو فتح کر لیا تو ہندوؤں نے اُس پر سونا چاندی نچھاور کیا۔ جب عادل شاہ نے اپنی فوج کی شکست کی خبر پائی تو وُہ ایک زبردست لشکر لے کر چڑھ آیا۔ اُس نے گوآ کا محاصرہ کر کے ناکہ بندی کر دی لیکن وُہ محاصرہ کے دَوران میں مرگیا۔ البوکرک نے ۲۵ نومبر ۱۵۱۰ء کے دن کوچین کے نیّر لوگوں کی مدد سے گوآ کو دوبارہ فتح کیا۔ پرتگیزوں نے تین دِن گوآ میں لُوٹ اَور غارت مچا رکھی۔ البوکرک نے شاہِ پرتگال کو لکھا "مَیں نے فتحِ عظیم حاصل کی ہے اَور بے شمار زر و دولت جمع کی ہے۔" یہ فتح نہایت شاندار تھی۔

گوآ کی فتح کے بعد پُرتگیزی اقتدار مغربی ہند میں بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ احمد آباد کے مُسلمان سلطان اَور کالیکٹ کے ہندو راجہ نے یہ خواہش ظاہر کی کہ اُن کا پُرتگیزوں کے ساتھ رابطہ اتحاد قائم ہو جائے۔ گوآ جو پُرتگیزوں کا تجارتی مرکز تھا وُہ اب سیاسی دارالسلطنت بن گیا اَور ایک صدی تک دُنیا کے عظیم الشان شہروں میں شمار ہوتا رہا۔

گوآ کو فتح کرنے کے بعد البوکرک بحرِ قلزم کی تجارت کو بند کرنے کی فکر میں ہُوا۔ یہ تجارت مشرقی ممالک کے ہاتھوں میں تھی۔ اس کا یہ بھی ارادہ تھا کہ ابی سینیا کی مسیحی حکومت کے ساتھ رابطہ اتحاد بڑھا کر جنوب کی طرف سے سلطانِ مصر پر حملہ کر کے مصر کی سلطنت کو ختم کر دے اَور اگر وُہ ایسا نہ کر سکے تو دریائے نیل کے پانی کی راہ کو کاٹ کر اُسے ابی سینیا میں سے گذار کر بحرِ قلزم میں ڈال دے اَور یُوں مصر کی زرخیزی کا خاتمہ کر دے۔ اس مقصد کو پُورا کرنے کی خاطر اُس نے شاہِ پُرتگال سے درخواست کی کہ وُہ تجربہ کار کو کن بھیجے لیکن اُس کی یہ تجویز کامیاب نہ ہو سکی۔

ہندوستان کی تجارت سے پُرتگال اس قدر دولتمند ہو گیا کہ جب مارچ ۱۵۱۴ء میں ایک سفارت شاہِ پُرتگال کی طرف سے رُوم کے پوپ کے حضُور پہنچی تو سب اس کی شان و حشمت کو دیکھ کر ہکا بکا رہ گئے۔ اس سفارت کے ساتھ تین سو خچریں غالیچوں سے لدی ہُوئی تھیں۔ اَور ہرمز کا ایک گھوڑا۔ ایران کا ایک چیتا۔ گوآ کا ایک ہاتھی تھا۔ اس ہاتھی نے آگے بڑھ کر تین دفعہ پوپ کے سامنے زانو ٹیکے۔ سفارت کے لوگ گھوڑوں پر سوار، موتیوں اَور قیمتی جواہرات سے آراستہ تھے۔ گھوڑوں کی رکابیں خالص سونے کی تھیں۔ پُرتگال چند سالوں میں اس قدر دولتمند ہو گیا کہ اُس کی شُہرت تمام مغربی ممالک میں پھیل گئی۔ سولھویں صدی میں مشرق کے زر و دولت کی طفیل لزبن کی شان رُوم اَور وِنیس کے شہروں

Marfat.com

سے کسی حالت میں کم نہ تھی۔ وہاں کی سوسائٹی میں ہر طرف بے شمار غلام تھے اور مشرق کے تمام اسبابِ عیش موجود تھے۔

رفتہ رفتہ پرتگیزوں نے ہندوستان کے مغربی ساحل پر بندرگاہوں کا سلسلہ قائم کرلیا اور مقامات مثلاً بمبئی۔ کولمبو۔ ڈیو۔ دمن وغیرہ میں بھی بندرگاہیں بنالیں۔ قدرتاً اُن میں اور سلطانِ گجرات میں ٹکر ہوگئی۔ اُنھوں نے ۱۵۳۷ء میں بہادر شاہ سلطانِ گجرات کو گفت وشنید کی دعوت دی اور اُس کو مار ڈالا۔ ۱۵۳۰ء میں پرتگیزوں نے کوچین کی بجائے گوآ کو اپنا دارالسلطنت اور صدر مقام بنالیا کیونکہ گوآ اُن کی ایسٹ انڈیز، مالا بار کی تجارت اور مصر و خلیج فارس کی تجارت کے لئے مرکزی مقام تھا۔ سولھویں صدی میں "زرّین گوآ" اپنے عروج کے کمال کو پہنچ گیا۔ چنانچہ ایک سیاح لکھتا ہے "تجارت اس کثرت سے ہے کہ وہ انسانی وہم وگمان سے بھی بڑھ کر ہے۔ یہ مقام بہت عظیم المرتبت ہے۔ اس کے باشندوں کی دولت قدیم زمانہ کی کہانیوں کی سی ہے۔ ہیروں، لعلوں، موتیوں اور دیگر قیمتی پتھروں کی تجارت اور گھوڑوں کی تجارت ایسے بڑے پیمانہ پر ہے کہ اُن سے شہر کو سوا لاکھ اور ڈیڑھ لاکھ ڈکیٹ[1] کا محصل حاصل ہوتا ہے۔"

پرتگیزوں کے اخلاق کو اس بے شمار دولت نے بگاڑ دیا۔ وہ دغا بازی اور لاقانونی میں طاق تھے اور دن دہاڑے ہندوستان کے سمندروں میں بے باکی سے ڈاکہ زنی کرتے تھے۔ گوآ کی طفیل یورپ کا ایک چھوٹا سا ملک تمام دنیا اور مشرق و مغرب کے براعظموں پر حاوی ہوگیا۔

البوکرک نے ۱۵۱۱ء میں ملاکا پر اور ۱۵۱۵ء میں اورمز پر قبضہ کرلیا۔ گوآ اب ایک زبردست حصین قلعہ تھا۔ اُس میں اور ملاکا اور اورمز میں بے شمار افواج اور زبردست

---

[1] ڈکیٹ ۹ شلنگ کے برابر تھا، پرتگیزی سکہ (Scudo) سکوڈو (Cruzado) کروزاڈو کے سکّے کی طرح دو روپیہ کا ہوتا تھا۔ (Xerofin) سیروفین، کا سکّہ قریباً ۱/۲ ۱ شلنگ کا تھا لیکن اس کی قیمت میں کمی اور زیادتی ہوتی رہتی تھی۔ ۱۶۵۳ء میں یہ سکّہ گوآ میں چھ ٹنکہ کے برابر تھا لیکن اس کے بیس سال بعد وہ پانچ ٹنکہ کے برابر ہوگیا۔ اس سے ایک صدی پہلے ۱۵۴۰ء میں وہ ایک کروزاڈو کے برابر تھا۔ ۱۶۳۶ء میں اس کی قیمت سولہ روپیہ تھی۔

Marfat.com

جہاز تھے۔ اُس نے سکوترہ کے جزیرہ پر اپنی چوکی قائم کر لی۔ اُس کا خیال تھا کہ اگر میں ملاکا پر قبضہ کر لوں اور اس کو مشرقی ممالک سے لے لوں تو قاہرہ اور مکّہ کی تجارت برباد ہو جائے گی، کیونکہ وینس کو سوائے پرتگال سے مصالحہ جات خریدنے کے اور کوئی چارہ نہ رہے گا۔ اورمز (یا ہرمز) اُس زمانہ میں ایشیا کی ایک بڑی بندرگاہ تھی جو خلیجِ فارس کے دہانہ پر واقع تھی۔ جہاں آبنائے اورمز خلیج کو بحرِ عمان سے ملاتی ہے۔ سولھویں صدی میں یہ مقام مسلمانوں کے لئے نہایت اہم تھا کیونکہ اس کے اور عدن اور ملاکا کے ذریعہ مغرب و مشرق کے خزائن اُن کو حاصل ہوتے تھے۔ البوکرک دسمبر ۱۵۱۵ء میں فوت ہو گیا۔

۱۵۲۸ء میں پرتگیزوں نے دیُو کو (جو سلطنتِ گجرات کا حصّہ تھا) سلاطینِ گجرات اور ترکی اور دکن کی اسلامی ریاستوں کی متحدہ افواج کو شکست فاش دے کر فتح کر لیا۔ اس شاندار فتح نے ہندوستان کے راجاؤں کو مرعوب کر دیا۔ پرتگیزی بحری جنگ کے سامان اور توپ و تفنگ اُن سب ممالک سے بہتر تھے جو بحرِ ہند میں اُن کا مقابلہ کرتے تھے کیونکہ پرتگیزی جہاز یورپ اور افریقہ کے سمندری طوفانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے بنائے جاتے تھے جن کے سامنے عرب کی ساحلی کشتیاں کچھ حقیقت نہ رکھتی تھیں۔ ان جہازوں کی توپیں مقامی کشتیوں اور معمولی جہازوں کو بآسانی تمام غرق کر دیتی تھیں۔ پرتگیزی فوج کے تیر و کمان بے حیثیت تھے۔ پرتگیزوں کا فوجی ضبط تمام ایشیا میں بے نظیر تھا۔ ان اسباب کی وجہ سے ان کو سمندر پر فتح نصیب ہو جاتی تھی۔ لیکن پرتگیز بری جنگیں کرنے میں ایسے طاق نہ تھے۔ پس اُن کی حکومت ہندوستان کے اندرونی حصص میں نہ پھیلی اور جب اس کا سابقہ یورپ کی دیگر طاقتوں سے پڑا تو اُس کا جلدی زوال ہو گیا اگرچہ وہ مغلیہ سلطنت سے پہلے قائم ہوئی اور برائے نام اس کا وجود برطانوی سلطنت کے بعد بھی قائم رہا۔

رُوم کے پوپ کے فرمان کی رُو سے پرتگیز مشرق کے بحروں اور سمندروں کی تجارت کے واحد مالک ہونے کے دعویدار تھے، اور اپنے اِس دعویٰ کو طاقت کے زور سے جبر یہ اور وحشیانہ طریقوں سے منواتے تھے۔ کالیکٹ میں آنے کے بعد انہوں نے اپنے اِس دعویٰ کو عملی جامہ پہنانا شروع کر دیا کہ وہ جنوبی امریکہ۔ افریقہ اور ایشیا کی تجارت کے واحد مالک ہیں اور کہ ان برّاعظموں کے سمندر اور بحر اُن کی خاص ملکیت ہیں چنانچہ

Marfat.com

۱۵۰۲ء میں ایک جہاز زر و دولت سے لدا ہوا بحرِ قلزم سے ہندوستان کی جانب آرہا تھا۔ واسکوڈے گاما کے جہازوں نے اُس کو پکڑ لیا اور لوٹ کر غرق کر دیا اور تمام مردوں، بچوں اور عورتوں کو قتل کر دیا۔ واسکوڈے گاما خود اُن کے قتل کا تماشا دیکھتا رہا۔

البوکرک نے حکم دیدیا کہ تمام جہاز پرتگیزوں سے لائسنس اور اجازت نامے حاصل کیا کریں اور تجارت کا محصل اُن کو ادا کیا کریں۔ ۱۵۲۲ء اور ۱۵۲۴ء کے درمیان پرتگیز مغربی ساحل پر ہر طرف مسلمانوں کے جہازوں کی تاک میں رہتے تھے۔ ۲۹-۱۵۲۸ء میں ایک ہزار پرتگیزوں نے اپنے چالیس جہازوں کو لے کر گجرات کے جہازوں پر حملہ کر دیا۔ انہوں نے بہت سے قیدی اور لوٹ کا مال حاصل کر لیا۔ دمن پر ۳۶ ہزار سپاہیوں، ۴۲۰۰ سمندری اور مالابار کے دو ہزار سپاہیوں۔ آٹھ ہزار غلاموں اور تین ہزار بندوقچیوں نے حملہ کر دیا۔ ۱۵۳۲ء میں پرتگیزوں نے سورت اور چھ دیگر شہروں کو فتح کیا۔ اسی سال انہوں نے بسین پر قبضہ کر لیا اور تھانہ اور دیگر مقامات اُن کے باجگذار ہو گئے۔

۱۵۳۴ء میں گجرات کے بادشاہ سلطان بہادر نے بسین اور شہر کے مضافات پرتگیزوں کو دیدیئے اور سمندری محصول وغیرہ بھی اُن کے حوالے کر دیا۔ شرط یہ ٹھہری کہ تمام جہاز جو علاقہ گجرات سے بحرِ احمر کو جائیں وہ پہلے بسین آ کر اجازت نامہ حاصل کریں اور واپسی پر محصول ادا کریں ورنہ وہ گرفتار کر لیئے جائیں۔ یوں یہ تمام ساحل ہندوستانیوں کے ہاتھوں سے نکل کر پرتگیزوں کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ اگلے دس سالوں میں پرتگیز شمال میں گجرات کے بادشاہ عادل خان سے اور جنوب میں کالیکٹ کے زمورن سے (جس نے اُن کا خیر مقدم کیا تھا) جنگ کرتے رہے۔ پرتگیزوں نے اپنے مقبوضات میں اور بسین بمبئی۔ سالسٹ اور قریب کے جزیروں میں ۱۵۳۴ء کے بعد اپنے لوگوں کو جاگیریں دینی شروع کر دیں۔ اور گرجاؤں اور مذہبی سلسلوں اور جماعتوں کو زمینیں اور اوقاف ہمیشہ کے لئے عطا کر دیئے گئے۔

پرتگیزوں کے اخلاق

قرونِ وسطیٰ کے پرتگیزوں کے اخلاق بھی اچھے نہ تھے۔ ان کے حکام ظالم اور ستمگار تھے اور پرلے درجے کے رشوت خوار اور بد دیانت تھے ایسا کہ وہ دیانتداری کو کام میں لانے کی کوشش بھی نہیں کرتے تھے۔ وائسرائے سے لے کر چھوٹے افسر تک سب پرائیویٹ

Marfat.com

طور پر تجارت کر کے زر کی فراہمی میں لگے رہتے تھے۔ ہر شخص عالیشان مکانات بنانا اور دولت جمع کرنا اپنی زندگی کا واحد مقصد خیال کرتا تھا۔ حکومت بڑے اور رونق دار شہر بناتی تھی۔ بظاہر ہر طرف کامیابی اور خوشحالی نظر آتی تھی لیکن اندر ہی اندر یہ حکومت کھوکھلی ہو رہی تھی۔ افسروں کو اوّل تو کوئی تنخواہ نہیں ملتی تھی اور اگر ملتی بھی تھی تو نہایت قلیل۔ فوجیوں کو ان کی آمد کے بارہ ماہ تک کوئی تنخواہ نہیں دی جاتی تھی جس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ہر شخص رشوت خواری اور لوٹ کھسوٹ میں لگا رہتا تھا۔ اگر کسی افسر کو تین سو روپیہ سالانہ مشاہرہ ملتا تو وہ بیس ہزار روپیہ ناجائز ذرائع سے اکٹھا کر لیتا تھا۔ بڑے سے بڑے منصف اور جج طامع تھے۔ سرکاری ملازمتیں بالعموم نیلام کی جاتی تھیں۔

البوکرک اردگرد کے ہندو راجاؤں سے اچھے اور خوشگوار تعلقات رکھتا تھا۔ اس نے ہندو کو مالیانہ اکٹھا کرنے پر مقرر کر دیا۔ ہندو اس کی حکومت سے ایسے خوش تھے کہ بعد کے زمانہ میں جب پرتگیزی حکومت ان پر ظلم و ستم ڈھانے لگی تو وہ البوکرک کے بُت کے آگے جا کر فریاد و فغاں کیا کرتے تھے اور دادرسی کے طالب ہوتے تھے۔ پرتگیزوں نے اٹھارہویں صدی میں مرہٹوں سے اپنے مقبوضات سے چارگنا زیادہ حصہ حاصل کر لیا۔ گذشتہ ساڑھے چار سو سال کے عرصہ میں پرتگیزی حکومت کے خلاف بیس دفعہ مسلح بغاوت ہوئی جن میں سے بعض کے سرغنہ رومی کلیسیا کے قسیس تھے جو گوآ کے باشندے تھے جب ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کو انگریزوں سے آزادی حاصل ہوئی تو حکومتِ ہند نے پرتگیزوں کی حکومتِ گوآ کو تسلیم نہ کیا اور چودہ سال تک پرتگیزوں کو پُرامن طریقوں سے اپنے مقبوضات کو چھوڑنے کی ترغیب دیتی رہی لیکن پرتگیزوں نے قبول نہ کیا بلکہ حکومتِ ہند سے گفت و شنید کرنے سے بھی انکار کر دیا۔ بالآخر ۱۹۵۴ء میں دادر اور نگر حویلی کے مقبوضات نے اپنی گردن سے پرتگیزی جوا اتار پھینکا اور ۱۹ دسمبر ۱۹۶۱ء کے روز حکومتِ ہند نے چند گھنٹوں کی جنگ کے بعد گوآ فتح کر کے پرتگیزی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔

قدیم گوآ میں ایک اونچی پہاڑی پر The Church of our Lady of Rozario کا گرجا کھڑا ہے۔ اس میں ایک پتھر پر یہ کتبہ لکھا ہے "اس مقام پر سے ایفانسو دے البوکرک نے ۲۵ نومبر ۱۵۱۰ء کے روز گوآ کو دوبارہ فتح کیا۔" اس مقام کے عین چند

Marfat.com

میل پرسے آخری پرتگیزی جہاز موسومہ بہ "ایفانسو دے البوکرک" کے ٹکڑے ۱۹ دسمبر ۱۹۶۱ء کے روز دُنیا کی قدیم ترین کالونی پہ نوحہ خوانی کر رہے تھے جس نے چھتیس گھنٹوں کے اندر دم توڑ دیا۔[1]

فصل سوم

پرتگیزی حکومت اور مسیحیت کی اشاعت

قرونِ وُسطیٰ کے آخری دور یعنی پندرھویں صدی کے اواخر کا زمانہ یورپ کی نشاۃ ثانیہ اور مذہبی اصلاح کا زمانہ تھا۔ اس انقلابی زمانہ میں قدیم دینی اور کلیسیائی رسُوم اور نظریئے فرسُودہ نظر آنے لگے اور قدیم علمی، اقتصادی اور سیاسی خیالات دقیانوسی سمجھے جانے لگے۔ یورپ کے برّاعظم کے ہر مُلک کے لوگ گہری نیند سے جاگ کر آنکھیں ملنے لگے اور نئی روشنی کے اُجالے میں زندگی کے ہر پہلو پر نظر آنے لگے۔ مثلاً قدیم جغرافیہ کی جگہ نئے جغرافیہ نے لے لی۔ سُورج زمین کے گرد گھومنے کی بجائے زمین سُورج کے گرد گھومنے لگی۔ ہر انسان کی بطور ایک فرد کے انجیل جلیل کی تعلیم کے مُطابق وُقعت ہونے لگی۔ یورپ کے ہر مُلک میں انقلاب پیدا ہو گیا۔ لیکن اگر انقلاب نہ آیا تو ہسپانیہ اور پرتگال کے جزیرہ نما میں نہ آیا، کیونکہ اُن کے دلوں سے ابھی تک اندلس کی اسلامی سلطنت (از ۷۵۶ء تا ۱۰۳۱ء) کی یاد محو نہ ہوئی تھی اور وہ ہر نئی بات سے خائف رہتے تھے کہ مُبادا وہ اُن کو مسیحیت سے ہٹا دے۔ وہ اپنی رُومی کلیسیا کے قدیم رسُوم و عقائد پر بڑی سختی سے بدستُور قائم رہے۔ شاہ فرڈی نینڈ اور ازابیلا اور شہنشاہ چارلس پنجم کے ماتحت ہسپانیہ نے نصف صدی کے اندر عرُوج حاصل کر لیا۔ اُنہوں نے اپنی سلطنت کی چار دیواری کے اندر نئی روشنی کو چمکنے نہ دیا۔ مسیحیت اور رُومی کلیسیا کے قیام و تحفظ کی خاطر ہسپانیہ میں محکمہ احتساب (Inquisition) قائم کر دیا گیا جس کا اختیار ہر فرد بشر کی زندگی اور موت پر تھا۔ ہم گذشتہ فصل میں لکھ آئے ہیں کہ چارلس بڑا کٹر اور متعصب بادشاہ تھا۔ اُس

1. B. G. Verghese in The Times of India, January 5th, 1962.

Marfat.com

نے محکمۂ احتساب کے افسرِ اعلیٰ کو بھیجا کہ " ہمیشہ چوکنّے ہو کر اپنے فرائض کو ادا کرو اور بدی کی جڑ پر کلہاڑا مارو۔ کسی بدعتی کو توبہ کرنے کا موقعہ بھی نہ دو مبادا وہ معافی حاصل کر کے آزاد ہو جائے اور دوبارہ بدعت کو اختیار کرے۔ ہماوا نمونہ اختیار کرو۔ جو بدعت کا انکار نہ کرے اُس کو زندہ آگ میں جلادو اور بدعت سے توبہ کرے اُس کا سر قلم کر دو "

جب چارلس پنجم کا بیٹا فلپ دوم (از ۱۵۲۷ء تا ۱۵۹۸ء) تخت نشین ہوا تو اُس کے مذہبی، سیاسی اور اقتصادی خیالات نے سولہویں صدی میں مغرب کے ممالک پر نمایاں اثر ڈالا۔ اُس کے خیالات نئی روشنی کے سخت مخالف تھے۔ ہندوستان میں پرتگیزوں کی آمد اسی پس منظر میں ایسی قماش کے بادشاہوں کے عہد میں ہوئی۔ شاہ فلپ چاہتا تھا کہ تمام یورپ کی اقوام رومی کلیسیا کے ماتحت ہوں جس کی لگام ہسپانیہ کے ہاتھوں میں رہے۔ وہ ایک تنگدل انسان تھا جو جنون کی حد تک قدامت پرست واقع ہوا تھا۔ یوں تو گذشتہ صدیوں کی اسلامی فوجی قبضہ کی وجہ سے تمام ہسپانیہ کا ملک ہی قدامت پرست ہو گیا تھا پس اُس کے بادشاہ کا قدامت پرست ہونا ایک ناگزیر امر تھا۔ ملک کے تمام ممتاز شخص بھی مثلاً مقدس ڈومینک۔ مقدس فرانسس بورجیا۔ مقدس اگنیشیس لوئلا جیسے نیک دل، صاف باطن اور بلند پایہ اصحاب تک دینی اصلاح کے مخالف تھے[1]

ہندوستان میں پرتگیزی حکومت کا " سنہری زمانہ " اُس وقت شروع ہوا جب یورپ میں مصلحین روم کے پوپوں اور قسیسوں کی بداخلاقیوں اور رومی کلیسیا کی خلافِ انجیل رسموں سے تنگ آکر کلیسیا میں اصلاح کرنے کی سر توڑ کوششیں کر رہے تھے اور آزاد خیال، روشن دماغ علماء جو دین و دنیا کے علوم کے فاضل تھے مغرب کے مختلف ممالک میں نشاۃ ثانیہ کی بنیاد ڈال رہے تھے۔ اس زمانہ میں گوآ کی شہرت مغربی ممالک میں پھیل گئی اور " زرین گوآ " جواہرات۔ موتیوں۔ غلاموں، کنیزوں وغیرہ کی منڈی بنا ہوا تھا۔ شراب کی دکانیں۔ جوئے بازی۔ عیاشی اور زنا کاری کے اڈے پرتگیزی مقبوضات میں جا بجا قائم تھے۔ ہند کے سمندروں کے ہر جانب سے موتی جبراً اکٹھے کئے جاتے تھے۔ شاہِ پرتگال کے حکم کے مطابق گوآ کا وائسرائے موتیوں کی ایک خاص مقدار ہر سال اُس کو نذرانہ کے طور پر بھیجا کرتا تھا۔ گوآ کے گرجا کی عظیم الشان عمارت کی خوبصورتی اور سجاوٹ کے سامنے تمام دیگر

1. The Dream of Phillip II by Edgar Mass (1946)

Marfat.com

عمارتیں ہیچ نظر آتی تھیں۔

البوکرک کے زمانہ میں مسیحیت کی اشاعت کرنا پرتگیزی حکومت کی پالیسی کا حصہ نہ تھا۔ وہ تجارت کی خاطر ہندوؤں کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھتا تھا اور اُن کی رسُوم و رواج میں مداخلت نہیں کرتا تھا۔ اُس نے صرف ستی کی قبیح رسم کو پرتگیزی مقبوضات میں بند کرنے پر ہی اکتفا کیا۔ جیسا ہم گذشتہ فصل میں ذکر کر چکے ہیں وہ دیگر پرتگیزوں کی طرح مسلمانوں کا جانی دشمن تھا، کیونکہ عنفوانِ شباب میں وہ مراکو میں مسلمانوں کے ساتھ جنگ آزما ہو چکا تھا جہاں جنگ کے تجربہ کے ساتھ ساتھ اُس کے دِل میں مسلمانوں سے نفرت اور دشمنی بڑھتی گئی تھی جو موت تک قائم رہی۔

پرتگیزی حکومت کے زمانہ میں بحری سفر سقر سے کم نہ تھا۔ لزبن سے جو جہاز ہندوستان کی طرف سالانہ روانہ ہوتے تھے، اُن کی ایک بڑی تعداد سمندر ہی میں غرق ہو جاتی تھی۔ سپاہی بخار اور دیگر امراض کا شکار ہو کر مر جاتے تھے اور جو خوش نصیب بچ کر گوآ پہنچ جاتے تھے وہ نیم مردہ ہو کر آتے تھے۔ موزمبیق کی بندرگاہ تک پہنچتے پہنچتے اِس قدر سپاہی مر جاتے تھے کہ اِس بندرگاہ کا نام ہی "قبرستان" پڑ گیا تھا۔ پس البوکرک کے دُوراندیش دماغ کو یہ تدبیر سُوجھی کہ لزبن سے ہر سال فوجی سپاہیوں کو منگوانے کی بجائے وہ ہندوستان کی عورتوں کو مسیحی بنا کر اُن کے نکاح پرتگیزوں سے کر دے تاکہ اُن کی اولاد کو فوج میں بھرتی کر سکے۔ پس اس نے گوآ کے قتلِ عام کے بعد اپنے سپاہیوں کو کہا کہ ہندوستانی عورتوں میں سے جو تُم کو پسند آئیں اُن سے نکاح کر لو اور سرکار تُم کو ایک گھر۔ زمین کے چند ایکڑ اور تجارت کرنے کا حق عطا کرے گی جب فوجیوں نے دیکھا کہ ہندوستانی عورتیں خوبرو ہیں تو وہ رضامند ہو گئے اور قریباً دو سو نکاح بڑی شان و شوکت کے ساتھ البوکرک کی موجودگی میں ہو گئے۔ نکاح کرنے والے پرتگیز نانبائی۔ معمار۔ ترکھان۔ حجام۔ سراؤں کے مالک۔ درزی۔ موچی وغیرہ ہو گئے۔ اُن کے دلوں سے اُن کے وطن پرتگال کی محبت رفتہ رفتہ محو ہو گئی اور اُنہوں نے گوآ کو ایک چھوٹا پرتگال بنا لیا۔ البوکرک اُن کے گھروں میں جاتا اور ہر دفعہ اُن کو زرِ خطیر عطا کرتا تھا۔ وہ اُن کی بیویوں کو "بیٹی" کہتا اور اتوار کے روز اُن کو خود گرجا کے اندر لے جا کر عزت و توقیر کے ساتھ بٹھاتا تھا۔ اُن کی اولاد بارہ برس کی عُمر سے چھبیس برس کی عُمر تک پرتگال رہتی تھی، جہاں وہ مغربی تعلیم اور جنگی علوم کی تحصیل کرتے تھے۔ اور پرتگیزوں کی ہی

Marfat.com

رہائش اختیار کر لیتے تھے[1] اس قسم کے نکاح ہر سال بڑھتے گئے اور اُن کے ساتھ مقامی آبادی بھی بڑھتی گئی اور وہ نسلیں پیدا ہو گئیں جو نام کی پرتگیز تھیں اور جن کا مذہب مسیحی تھا۔ یہ مخلوط النسل آبادی پرتگیزی طاقت کی پُشت و پناہ ہوتی گئی اور فوج میں ہر سال اضافہ ہوتا رہا۔ چنانچہ یہ مورخ لکھتا ہے کہ "وائسرائے نے فوج کے سپاہی پیدا کرنے کی غرض سے ہندوستانی عورتوں کو مسیحی بنا لیا اور اُن کے نکاح پرتگیزوں سے کر دیئے تاکہ مستقبل میں سپاہیوں کو پرتگال سے منگوانے کی ضرورت نہ رہے۔" پس البوکرک کا غیر مسیحیوں کو کلیسیا میں داخل کرنا اُس کی سیاسی پالیسی کا محض ایک حصّہ تھا ورنہ اُس کو مسیحیت کی اشاعت اور انجیلِ جلیل کے صُلحِ کُل پیغام کو پھیلانے کے ساتھ کوئی واسطہ نہ تھا۔ ان نو وارد پرتگیزوں کا اصل مقصد تجارت کر کے دولت کو جلد از جلد فراہم کرنا تھا۔ اُن کا حقیقی مُدعا یہ نہ تھا کہ خُداوند مسیح کی نجات کا پیغام ہندوؤں اور مسلمانوں کو سنائیں اور اُن کو مُنجّی کے قدموں میں لائیں۔ وہ مُبلّغ نہ تھے بلکہ سیم و زر کے طالب تھے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اُن کے ہمراہ فرانسسکی راہب (Friar) بھی تھے لیکن ان راہبوں کے سپرد کلیسیا کی رسوم اور مسیحیوں کی عبادتوں کو ادا کرنے کا ہی کام تھا۔ اُنہوں نے گرجے تعمیر کر دیئے۔ خانقاہیں کھڑی کر دیں لیکن وہ انجیل کی اشاعت کی جانب سے غافل اور بے پرواہ تھے۔ اُنہوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں کو مسیحی نجات کا پیغام نہ دیا۔

سولھویں صدی کے شروع میں ایلیگزانڈر ششم جیسا عیاش شخص رومی کلیسیا کا پوپ تھا۔ ایسا کوئی شرعی عیب نہ تھا جو اُس میں نہ پایا جاتا تھا[2]۔ اُس نے اپنے حرامی بیٹے کو آرچ بشپ اور کارڈینل کے مُقدس عہدوں پر ممتاز کیا ہُوا تھا۔ اُس کے بورجیا خاندان کے شُرکا تمام رُومی کلیسیا پر، اور کلیسیا کے ذریعہ تمام یُورپ کے ممالک پر حُکمران تھے۔ اِسی پوپ نے "انڈیکس" (Index Expurgatorius) کو شروع کرنے کا حُکم دیا جو تمام ممنوعہ کُتب کی فہرست تھی۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اِس فہرست میں ٹامس کیمپس کی کتاب تقلید المسیح (Imitation of Christ) بھی شامل

1. Goa, Rome of the Orient. By Remy, Trans. by Sheppard (1957) pp. 99-101.
2. The Life of Cesare Borgia by Rafael Sabatini.

Marfat.com

تھی۔ اس قماش کے پوپ نے شاہانِ ہسپانیہ اور پرتگال کو (جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں) مفتوحہ نئے مقبوضات کے مالک قرار دیکر حکم دیا کہ "وہاں کے وحشیوں میں انجیل کی خدمت کے ذریعہ مسیحیت کی اشاعت" کریں۔ حالانکہ اس تاریک زمانہ میں رومی کلیسیا کے بشپ اور قسیس تک انجیل کی تعلیم سے خود محروم تھے کیونکہ نہ اُن کو اور نہ یورپ کے ممالک کے باشندوں کو انجیل کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اُن کا مذہب صرف رسُوم کی ادائیگی تھا اور بس جب اس "تاریکی کے زمانہ" میں یورپ کے نام نہاد مسیحی ممالک اور مسیحی کلیسیا کی خود یہ حالت تھی تو وہ ہندوستان جیسے ملک میں مسیحیت کا پرچار کس طرح کر سکتے تھے؟

پرتگیزی قسیس اور درویش (Monks) گو آ میں اپنے منصبی فرائض کیطرف سے غافل ہو کر صرف اپنی طاقت بڑھانے کی فکر میں لگے رہتے تھے اور خود ہوا و ہوس کے غلام ہوتے تھے۔ ہندوستان کے برہمنوں کی طرح وہ عیش و عشرت کی زندگیاں بسر کرتے تھے مسیحی قسیس اور ہندو برہمن دونوں اپنے اپنے مذاہب کے عوام کو اُن کی کُتبِ مقدسہ کے علم سے محروم رکھتے تھے۔ دونوں کے فرمودے فرمودۂ الٰہی اور وحیٔ ربانی سمجھے جاتے تھے خواہ وہ کتبِ سماوی کے خلاف ہی ہوں۔ دونوں اپنی مذہبی کتابوں کا عوام کی زبان میں ترجمہ نہیں کرتے تھے اور دونوں کی عبادتوں میں بُت ہوتے تھے۔

بورجیا پوپ کے بعد جولیس دوم رُومی کلیسیا کا پوپ ہوا۔ وہ نہایت تُند خُو انسان تھا۔ اُس کے بعد لیو دہم پوپ ہوا جو خود عیش و عشرت میں ڈوبا رہتا تھا۔ اُس نے گناہوں کے معافی نامے فروخت کرنے شروع کر دیئے جن کی مخالفت یورپ کے مشہور مُصلح مارٹن لوتھر نے کی۔ خدا وند مسیح کے نام کو بٹہ لگانے والے پوپوں کے عہد میں کوئی معقول شخص یہ اُمید نہیں کر سکتا کہ وہ انجیل جلیل کا پیغام غیر مسیحیوں کو پہنچانے کی کوشش کرینگے۔

(۲)

دیگر مغربی ممالک کی طرح پرتگال اور سپین کی رُوحانی حالت بھی قعرِ مذلت میں پڑی تھی۔ جن لوگوں کو پرتگیزی حکومت ہندوستان بھیجتی تھی اُن کی مسیحی زندگیاں ناگفتہ بہ ہوتی تھیں۔ رُومی کلیسیا کے مصنف خود اقرار کرتے ہیں کہ اُن میں روحانیت نام کو بھی نہ تھی۔ وہ نہایت بے باکی سے بے شرمی کے کام بے روک ٹوک علانیہ کرتے تھے چنانچہ

Marfat.com

مینفیس صاف الفاظ میں کہتا ہے کہ اُن کی زندگیاں اَور اخلاق مسیحیت کی اشاعت میں زبردست رکاوٹ کا باعث تھے۔ ہر قسم کے عیب اُن میں موجود تھے۔ زِنا کاری۔ شراب نوشی ناچ رنگ۔ دغا بازی شہوت پرستی اُن کی خصوصیاتِ زندگی تھیں۔ کارملی[1] درویش وینسان مری ڈے کیتھیرینا Vincent marie de S. Catherina ایک جوشیلا مُبلغ تھا جو جنوبی ہند میں اپنے اُن کارناموں کے لئے مشہور ہے جو اُس لے شامی کلیسیا کو رُومی کلیسیا کے جُوئے تلے لانے میں کئے (جن کا ذکر ہم انشاءاللہ کسی آئندہ جلد میں کریں گے)۔ یہ مُبلغ بھی پرتگیزوں کی بداخلاقیوں کے ہاتھوں نالاں تھا۔ حق تو یہ ہے کہ گوا کی شہرت کے باعث ہر سال پرتگال کے منچلے اَور چھچھورے نوجوان ایک بڑی تعداد میں گوا آنے لگ گئے تھے۔ اُن میں سے بعض میکسٹوں اَور شراب فروخت کرنے والوں اَور اسی قماش کے دُوسرے لوگوں کی اولاد تھے جو اپنے آپ کو یہاں اعلیٰ خاندانوں کے افراد ظاہر کرکے ہندوستانیوں کا قافیہ تنگ کر دیتے تھے۔ وُہ ہندوستانی رعایا کو مرعوب کرکے سرکارِ پرتگال کیلئے موتی جمع کیا کرتے تھے کیونکہ شاہی فرمان کی رُو سے وائیسرائے کو موتیوں کی خاص اَور بڑی مقدار شاہِ پرتگال کو بھیجنی ہوتی تھی۔ وائیسرائے خُود اَور اُس کے عمال اَور افسر اِس لوٹ میں شامل ہو کر ذاتی فائدہ بھی اُٹھاتے تھے۔ رشوت کا یہ عالم تھا کہ ہر کہ ومہ اس کو قدرتی بات سمجھتا تھا اَور چھوٹے بڑے افسر سب اپنی آنکھیں بند کر لیتے تھے کیونکہ وُہ خود رشوت خوار ہوتے تھے۔ غرض چاروں طرف لُوٹ مار۔ قتل و غارت۔ فسق و فجور۔ شرابنوشی عیّاشی اَور زِنا کاری کا بازار گرم تھا۔ اندریں حالات اُن سے انجیلِ جلیل کی اشاعت کی اُمید رکھنا خیالِ خام ہے۔

اِس میں کُچھ شک نہیں کہ بعض قسیس، راہب اَور درویش ایسے بھی تھے جو خلوصِ قلب سے اپنے خُداوند کی خدمت اَور اپنے مذہبی فرائض کو پُورا کرنے کے خواہاں تھے لیکن وُہ افسروں کو ایک آنکھ نہ بھاتے تھے جب یہ قسیس اُن کی بدافعالیوں کی وجہ سے اُن کو متنبہ کرتے تو وُہ جھلا اُٹھتے اَور ہر ممکن طریقہ سے اُن پر عرصۂ حیات تنگ کر دیتے تھے۔

1. Carmelite Monk.

Marfat.com

اگر کوئی اِکا دُکا افسر دیانتدار اَور شریف الطبع ہوتا تو اُس کی دیانتداری اُس کو مُفلس بنا کر غریب خانوں اَور خیرات خانوں میں پہنچا دیتی تھی۔ اگر ایسا افسر پُرتگیزوں کو قتل و غارت اَور لُوٹ مار سے منع کرتا اَور کہتا کہ ہندوستانیوں سے مویشیوں کا سا سلُوک مت کرو تو وُہ ہنس دیتے تھے۔ ان کے مظالم سے تنگ آکر ہندو البوکرک کی قبر پر جاکر پھُول چڑھاتے، دِیا جلاتے اَور اُس سے دادرسی کے خواہاں ہوتے تھے۔ اِن واقعات کو پیشِ نظر رکھ کر مؤرخ پوپ پیو سیزدہم کے اِس فقرے پر حیران ہوجاتا ہے کہ "ہر طرف پُرتگیزی جھنڈا صلیبِ مسیح کے سایہ تلے ہے۔ پُرتگال کی فتوحات مسیحیت کی فتوحات ہیں"۔ سولھویں صدی کے مغربی مسیحی ان سیاسی جنگوں کو "صلیبی جنگیں" تصوّر کرتے تھے لیکن ان کا اصل مقصد مذہبی نہ تھا۔ وُہ مشرقی ممالک کی ناکہ بندی کرکے یُورپ کے ممالک کی اقتصادی اَور سیاسی ترقّی کے خواہاں تھے۔ ہم اُوپر بتلا چکے ہیں کہ البوکرک کو مسیحیت کی اشاعت سے غرض نہ تھی۔ اس کا واحد مقصد فقط تحصیلِ دولت اَور حصُولِ مملکت تھا۔ لیکن وُہ بے دین نہ تھا بلکہ ایک نیک اَور انصاف پسند شخص تھا۔ اُس نے گوآ۔ ملاکا۔ اَور سکوترہ میں گرجے تعمیر کئے۔

(۳)

شاہِ پُرتگال عمانوئیل نے بھی ہندوستان کے پُرتگیزی مقبُوضات میں مسیحیت کی اشاعت کی جانب توجہ نہ کی۔ لیکن اُس کا جانشین یُوحنّا سوم متعصب قسم کا عیسائی تھا۔ اُس کے باپ نے سپاہیوں کی فوج کو تجارت کی خاطر روانہ کیا تھا۔ لیکن اُس نے مسیحی مبلغین کے گروہ مسیحیت کی جبریہ اشاعت کی خاطر روانہ کئے اَور یُوں انجیل کی تبلیغ کو پُرتگیزی حکومت کا ایک شعبہ بنا دیا۔ جہاں کہیں پُرتگیزی حکومت گئی وہاں مسیحیت کی جبریہ اشاعت ہونے لگی اَور جہاں کہیں مسیحی مبلغین کا جوش اُن کو لے گیا وہاں پُرتگیزی افواج اُن کے پیچھے پہنچ گئیں اَور پُرتگیزی سلطنت کو وسیع کر دیا۔ ۱۵۴۶ء میں شاہ یُوحنّا سوم نے حُکم جاری کیا کہ کوئی "برہما کا پرستار" اپنے مذہب کی رسُوم کو علانیہ ادا کرنے نہ پائے اَور تمام بُت توڑ دیئے جائیں کیونکہ "بتُوں کا وجُود زِندہ خُدائے واحد کی اہانت ہے۔ جو ہندو بُت بنانے کی جُرأت کریں اُن کو عبرتناک سزائیں دی جائیں۔ جو شخص کسی برہمن پروہت کو پناہ دے یا اُس کو چھپائے رکھے اُس کو بھی سخت سزا دی جائے۔ اِسی خط میں بادشاہ نے یہ احکام بھی صادر کئے کہ مسیحی نو مُریدوں کو انعام و اکرام دیئے جائیں۔ اُن کو جبریہ خدمت اَور بیگار سے آزاد کر دیا جائے

Marfat.com

اور اُن پر کسی قسم کا جبر نہ کیا جائے۔ سرکاری ملازمتیں دیتے وقت اُن کا خاص لحاظ رکھا جائے تاکہ ہندوستان کے باشندے برضائے خود خوشی سے مسیحیت کی طرف مائل ہوجائیں"۔
اِس وقت سے پرتگیزی حکومت کے تین نصب العین ہوگئے یعنی فتوحات، تجارت اور باشندوں کے مذہب کی تبدیلی۔ ہر سال انجیل کے مبلغین جہازوں میں دریائے ٹیگس سے مشرق کی جانب آنے لگے جن میں سب سے مشہور مقدس فرانسس زیویئر تھا جس نے نہ صرف ہندوستان لنکا، ملاکا بلکہ جاپان تک مسیحیت کی نجات کی خوشخبری دے دی۔ اُس کی سادہ بے داغ فقیرانہ زندگی کی وجہ سے ہزاروں ہندو اور مسلمان مسیحی ہوگئے۔ لیکن ایسے عظیم المرتبت شخص نے بھی انجیل کے صریح حکم کے خلاف شاہِ پرتگال کو ۱۵۴۸ء میں لکھا کہ "حضور والا فرمان صادر کریں کہ ہندوستان کے حکام اور وائسرائے ہمارے مقدس مذہب کو اپنے مفبوضات میں پھیلانا اپنا فرضِ منصبی خیال کریں (ہم انشاء اللہ اِس زبردست مبلغ کا مفصل ذکر آئندہ کسی جلد میں کریں گے)۔

فرانسسکی مبلغوں نے ۱۵۱۷ء میں گوآ میں رہائش اختیار کرلی۔ اس کے ۱۳ سال بعد ڈومنکی آئے۔ ۱۵۳۴ء میں پوپ پال سوئم نے گوآ کا اُسقفی علاقہ بنایا جس کا رقبہ غالباً کلیسیائی تاریخ میں سب سے بڑا تھا۔ یعنی راس امید سے لے کر چین تک اِس بشپ کا اختیار تھا اور افریقہ کا تمام مشرقی ساحل بھی اس کے علاقہ میں شامل تھا۔ ۱۵۳۴ء میں جب پوپ نے کوچین۔ ملاکا۔ مسقط اور اورمز کے اُسقفی علاقوں کو الگ کردیا تو گوآ کو آرچ بشپ کا صدر مقام بنا دیا گیا اور مذکورہ بالا ممالک کے اُسقفوں کو اُس کے ماتحت کردیا گیا۔ ۱۵۵۴ء کے بعد انجمنِ عیسوی کے مبلغین (Society of Jesus Christ or Jesuits) نے گوآ اور اُس کے مضافات کے باشندوں کو مسیحی بنانے کی منظم کوشش کی۔ اُنھوں نے ۱۵۵۷ء میں وائسرائے سے یہ حکم جاری کروایا کہ پرتگیزی حکومت کے ماتحت حکام دیسی مسیحی ہوں اور اُن کی رعایت ہر طرح ملحوظ رکھی جائے جب کوئی ہندوستانی مسیحی ہوجاتا تو حکومت اور کلیسیا کے اعلیٰ افسران کے رُوبرُو اُس کو نہایت شان وشوکت کے ساتھ بپتسمہ دیا جاتا تھا۔ ہر طرح سے یہ کوشش کی جانے لگی کہ ہندوستانیوں پر یہ عیاں ہوجائے کہ ترقی کا واحد ذریعہ "فرنگی مذہب" کو قبول کرنا ہے۔ دینی سوال وجواب کی کتاب کے سوال "کیا تو مسیحی ہونا چاہتا ہے؟" کی جگہ یہ سوال پوچھا جاتا تھا "کیا تو فرنگیوں کی ذات میں شامل

Marfat.com

ہونا چاہتا ہے؟" ! ایک اَور سوال "کیا تُو مسیحی زندگی بسر کرے گا" کی بجائے یہ سوال پُوچھا جاتا تھا "کیا تُو فرنگیوں کی طرح زندگی بسر کرے گا" پس لفظ "فرنگی" کا اطلاق پُرتگیزی مسیحیوں اَور ہندوستانی مسیحیوں دونوں پہ کیا جانے لگا۔ ان کوششوں کا نتیجہ یہ ہُوا کہ گوآ اَور اُس کے مضافات کے باشندے جوق در جوق مسیحی ہوتے گئے چنانچہ صرف ایک سال (سنہ ۱۵۶۰ء) میں ۱۳۹۶۷ شخص کلیسیا میں شامل ہو گئے۔ ۱۵۶۳ء میں شاہِ پُرتگال سیبیسٹیو (Sebastio) نے حکم صادر کیا کہ گوآ کے علاقہ سے تمام "ضدّی بُت پرست" مُلک سے نکال دیئے جائیں۔ ۱۵۶۷ء میں شاہِ پُرتگال کے فرمان کے مطابق وائسرائے نے گوآ میں خادمانِ دین کی ایک مجلس فراہم کی جس کا میرِ مجلس صدر اُسقف تھا۔ اس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ پُرتگیزی مقبوضات میں غیر مسیحیوں کو مذہبی آزادی کا حق نہ دیا جائے کیونکہ حکومت اَور کلیسیا دونوں کا ایک ہی مطمحِ نظر ہے کہ ہندوستان میں مسیحیّت کی اشاعت ہو۔

سالسٹ کا جزیرہ نما گوآ کے جنوب کی جانب دو تین میلوں تک پھیلا ہُوا تھا۔ یہ وُہ جزیرہ نما نہیں جو بمبئی کے قریب ہے۔ اِس جزیرہ نما میں مسیحیّت کی اشاعت آسانی سے عمل میں نہ آسکی۔ ۱۵۶۰ء تک تمام تبلیغی پُرامن طریقے بے سُود ثابت ہُوئے۔ بہت سے اُونچی ذاتوں کے ہندو اَور برہمن اشاعت کے طریق کار سے متنفّر ہو کر بیجاپور کی سلطنت میں جا کر پناہ گزین ہو گئے۔ صرف نیچی ذاتوں کے لوگ رُومی کلیسیا میں داخل ہونے گئے۔

انجمن عیسوی کے مبلّغین نے ساحلِ ہند کے دیگر پرتگیزی مقبوضات میں بھی جبر و تشدد اَور انعام و اکرام کا لالچ دے کر مسیحیّت کی اشاعت کی۔ مثلاً بسّین۔ ساول۔ دمن اَور دیو یعنی گوآ کے شمال کی جانب اَور کوچین میں اَور جنوب میں ساحل کی جانب اَور راس کماری کے دونوں جانب (جہاں فرانسس زیویئر نے تبلیغ کا کام کیا تھا) نگاپٹم۔ مانلاپور اَور دہانہ گنگا کے پاس اَور اراکان میں، غرضیکہ ہر طرف کلیسیا کی افزائش کے لئے ایسے ہی طریقے استعمال کئے گئے۔ پُرتگیزی مقبوضات کے اکثر مقامات میں انجمن عیسوی کے مبلّغین نظر آتے تھے۔ اگرچہ فرانسسکی ڈومنکی اَور اگسطینی انجمنوں کے مُبلّغ بھی کہیں کہیں نظر آتے تھے۔ سولہویں صدی کے اواخر میں انجمنِ عیسوی کے مبلّغین کی تعداد دو سَو کے قریب تھی اَور پُرتگیزی مقبوضات میں ہندوستانی مسیحیوں کی تعداد پونے تین لاکھ کے قریب تھی۔

Marfat.com

مغربی ہندوستان میں پرتگیزی حکومت کی تاریخ بہت کچھ مذہبی سلسلوں اور جماعتوں (Religious Orders) کی آمد اور ترقی کی تاریخ ہے۔ بسین کے معاہدہ میں تھا کہ پانچہزار ایرانی سکّے (قریباً دوہزار روپیہ) جو بسین کی آمدنی میں سے مسجدوں کو دیئے جاتے تھے وُہ بدستور دیئے جائیں۔ لیکن شاہ پرتگال نے حکم دیا کہ یہ رقم بمبئی اور بسین کے مسیحی تبلیغی اداروں کو دی جائے۔ بسین۔ تھانہ۔ اور مضافات کے دس ہزار باشندے مسیحی ہوگئے۔ فرانسسکیوں نے ۱۵۳۴ء میں ماہیم میں چرچ آف سینٹ مائیکل بنایا۔ یہ پہلا پرتگیزی گرجا تھا جو بمبئی کے جزیرہ میں بنا تھا۔ فرانسسکیوں کے بعد انجمنِ عیسوی کے مبلّغ آئے۔ ۱۵۴۵ء میں ڈومنکی سلسلہ کے مبلّغ آئے۔ ان کے مبلّغ ہر چہار طرف انجیل کا پیغام سناتے اور لوگوں کو کلیسیا میں شامل کرتے گئے۔ ۱۵۷۰ء میں انجمنِ عیسوی کے مبلّغ پرتگیزی مقبوضات کے ہر شہر اور قصبہ میں موجود تھے۔ انہوں نے باندرا میں سینٹ اینڈ روز چرچ تعمیر کیا۔ انجمنِ عیسوی کے مبلّغ اور فرانسسکی دونوں، گرجاؤں کے بنانے اور ہندوستانیوں کو کلیسیا میں داخل کرنے کے کام میں مشغول تھے۔ موخرالذکر جماعت نے وادر میں چرچ آف آور لیڈی آف سیلویشن (Church of our Lady of Salvation) بنایا اور سائن (Sion) میں بھی ایک گرجا تعمیر کیا۔ یہ گرجے اب تک موجود ہیں۔ اس پہلے گرجا کی شاخیں پریل۔ ورلی اور مٹنگا میں موجود ہیں اور ایک عالیشان گھر بھی ہے جس میں بشپ مقیم ہے۔ پریل کے گرجا کو بعد کے زمانہ میں انگریزی حکّام نے ضبط کرکے گورنمنٹ ہاؤس بنا لیا! رُومی کلیسیا کے ان مبلّغین کی آمدنی شاہ پرتگال کی آمدنی سے بھی زیادہ تھی۔ باندرا میں ایک "کالج" بنا جس میں ڈگریاں دی جاتی تھیں۔ یہ عمارت مغربی ممالک کے کالجوں سے کم عالیشان نہ تھی۔ یہ لوگ آرام و آسائش کی زندگیاں بسر کرتے تھے۔ پادری جان اونگٹن (Ovington) ۱۶۸۹ء میں بمبئی آیا۔ وُہ لکھتا ہے کہ جن لوگوں کی املاک اور جائداد میں انجمنِ عیسوی کی خانقاہوں کے نزدیک واقع ہیں اُن کو کبھی چین نصیب نہیں ہوتا کیونکہ اُن کے عمدہ مقامات اُن سے چھینے جاتے ہیں۔ سالسٹ کے بڑے گرجا کی روزانہ آمدنی سترھویں صدی کے آخر میں ½ سیر سونے کے برابر ہوتی تھی۔ ایک راہب (Friar) ۱۵۹۸ء میں انگلستان سے ہندوستان کی عیسوی انجمن کا گھر اور کالج دیکھنے آیا۔ وُہ اپنے ساتھ پنجاب سے نو مُریدے لے آیا تاکہ وُہ کالج میں تعلیم حاصل کریں۔ پھر یہ راہب چاؤل۔ تھانہ۔ بسین وغیرہ مقامات میں گیا

Marfat.com

جہاں اُس نے گرجے اور کالج بنوائے تاکہ ہندوستانی مسیحیوں کو تبلیغ و اشاعتِ مسیحیت کی تعلیم دی جائے۔ سولہویں صدی میں پرتگیزی املاک کا ایک بہت بڑا حصّہ ان مذہبی سلسلوں کے ہاتھوں میں تھا جن میں انجمنِ عیسوی کا حصّہ سب سے زیادہ تھا۔ وُہ بمبئی کے شمالی حصّہ کے مالک تھے جو اب ماہیم۔ ورلی۔ سائن۔ داور۔ سیوری۔ بائیکلا اور پریل پر مشتمل ہے۔ قسیسی طبقہ کی غیر روادارانہ پالیسی نے تمام پرتگیزی حکومت کو متعصّب بنا دیا۔ اگرچہ بعض دُور اندیش حکّام اِس کے خلاف تھے۔ مثلاً ۱۶۲۹ء میں گوآ کے آرچ بشپ نے شاہِ پرتگال کو لکھا کہ ہندوستان میں آپ کی سلطنت کے دشمن آپ کے اپنے آدمی ہیں اور ان آدمیوں میں انجمنِ عیسوی کے مبلّغ سلطنت کے بدترین دشمن ہیں۔ ۱۶۳۱ء میں گوآ کے وائسرائے نے شکایت کی کہ قسیس اور درویش اُس کے احکام کی بالکل پرواہ نہیں کرتے اور عیسوی انجمن کے لوگ ٹرا ونکور۔ ٹیوٹی کورن اور وہاں کی تجارت اور دریائی پیداوار کا اپنے آپ کو مالک سمجھتے ہیں حتیٰ کہ اُنھوں نے اپنے خرچ پر مسلّح اشخاص کو ملازم کر رکھا ہے بلکہ وُہ شاہ پرتگال کے کپتانوں کے خلاف بھی جنگ کرتے ہیں۔ ولندیزیوں اور مسلمانوں سے سازباز کر کے سلطنت کی آمدنی پر ہاتھ ڈالتے ہیں۔ حالت یہ ہوگئی ہے کہ وُہ کہتے ہیں کہ شاہِ پرتگال ہندوستان کے مقبوضات پر قابض نہیں اور حکومت کے احکام کو ردّی کاغذ سمجھ کر پھینک دیتے ہیں اور حکومت کے خلاف سازشیں کرتے رہتے ہیں[1]۔ انجمنِ عیسوی کی بداعتدالیوں، سرکشیوں اور بدافعالیوں سے تنگ آکر پوپ کلیمنٹ چہار دہم نے ۱۷۷۳ء میں اِس انجمن کو ختم کر دیا۔

(۴)

پرتگیزی سلطنت کی یہ پالیسی تھی کہ گوآ کے کسی باشندہ کو اعلیٰ کلیسیائی عُہدوں پر مامور نہ کیا جائے۔ اس نسلی امتیاز کی وجہ سے پرتگیزی مقبوضات کے ہندوستانی پادری بیزار تھے۔ چنانچہ جب دیسی پادری گونسالوس (Jose Antonio Gonsalves) اور پادری کائٹانو Francisco Conte Caetano پرتگال سے دینی تعلیم حاصل کر کے واپس آئے تو اُنھوں نے ۱۷۸۶ء میں بہت سے دیگر قسیسوں کو اپنے ساتھ ملا کر

---

[1] The Rise of Bombay, by S. M. Edwardes, I. C. S. (Times of India Press, Bombay 1902)

Marfat.com

شورش پیدا کر دی ۔ اس سازش میں گوآ کے چند فوجی افسر اور سپاہی بھی شامل تھے جن کا مقصد یہ تھا کہ پرتگیزی حکومت کو تہ و بالا کر کے گوآ میں ایک جمہوری سلطنت قائم کر دیں، کیونکہ نسلی امتیازات کی وجہ سے ہر طبقہ نالاں تھا ۔ لیکن بدقسمتی سے ایک قسیس نے سازش کا آرچ بشپ کے سامنے جا اقرار کیا ۔ پس بغاوت کو فرو کر دیا گیا ۔ پادری گون سالوس نے مرہٹوں کے علاقہ میں جا پناہ لی اور باقی سب گرفتار اور ہلاک کئے گئے ۔ چودہ قسیسوں کو عمر قید کی سزا ملی اور اُن کو قید کر کے لزبن بھیج دیا گیا ۔

گوآ کے صرف اعلیٰ طبقہ کے لوگوں نے پرتگیزی تعلیم حاصل کی تھی ۔ یہ ہندوستانی مسیحی جس شعبہ میں بھی گئے اور اُنہوں نے جس پیشہ کو بھی اختیار کیا وہ اس میں کامیاب نکلے لیکن عام مسیحی پرتگیزی تہذیب و تمدن سے بہت متاثر نہ ہوئے ۔ چنانچہ ان کی خاندانی اور عبادتی زبان کونکنی زبان ہی رہی گو پرتگیزوں نے ابتدا میں اِس زبان کو ختم کرنے کی بہت کوششیں کیں اور پرتگیزی زبان کو تعلیم کا ذریعہ بنا دیا لیکن تسپر بھی آبادی کا دس فیصدی حصہ پرتگیزی زبان لکھ پڑھ نہیں سکتا تھا ۔ گوآ کی اکثریت وہی لباس پہنتی رہی جو پرتگیزوں کی آمد سے پہلے پہنتی تھی ۔ مسیحی ہونے کے باوجود رومی کلیسیا نے اُن میں سے ذات پات کے امتیازات ختم نہ کئے ۔ ایک زمانہ آیا جب مسیحی کلیسیا کا اعلیٰ طبقہ اپنے پرتگیزی آقاؤں کی طرح خرید و فروخت سے متنفر ہو گیا جس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ تجارت ہندوؤں کے ہاتھوں میں چلی گئی اور گوآ کے مسیحی نقلِ مکانی کر کے ہندوستان کے دیگر مقامات میں چلے گئے ۔ موجودہ زمانہ میں گوآ کے ہر مسیحی گھر میں عبادت کے لئے الگ کمرہ مخصوص ہے اور ہر گاؤں میں ایک گرجا موجود ہے ۔ مسیحیت نے گوآ کی ثقافتی زندگی پر بڑا زبردست اثر ڈالا ہے ایسا کہ گوآ کی کلچر کو اس نے ایک خاص طرز پر ڈھال دیا ہے ۔ اگرچہ کلیسیا کا اعلیٰ طبقہ پرتگیزی زبان بولتا ہے اور اس کے افراد کے آداب و اطوار پرتگیزوں کے سے ہیں لیکن کلیسیائی زبان کونکنی ہی ہے۔[1] ۱۹۵۱ء کی مردم شماری کے مطابق گوآ میں ۶۱ فیصدی ہندو اور ۳۷ فیصدی مسیحی بستے ہیں۔

1. Cardinal Gracias, Article in The Illustrated Weekly of India, February 18th, 1962

Marfat.com

(۵)

نام نہاد مسیحی پرتگیزی سلطنت کے ظلم و ستم کی طویل داستان مسیحیت اور ہندوستان، دونوں کی تاریخ پر بدنما دھبہ ہے۔ انجیل جلیل کے صریح احکام کی خلاف ورزی کر کے پرتگیزوں نے طاقت کے نشہ میں آ کر انجیل اور انسانیت دونوں کو بالائے طاق رکھ دیا۔ چنانچہ تحفۃ المجاہدین کا مصنف لکھتا ہے۔

"فرنگیوں نے ہندوستانیوں پر ظلم و ستم کرنا شروع کر دیا۔ ان کے جور و تعدی کی وجہ سے ملک تباہ و خستہ حال ہو گیا اور یہ صورتِ حال مدتِ مدید تک رہی۔ یوں یہاں کے باشندوں کی حالت تنزل، تباہی اور بربادی کی انتہا تک پہنچ گئی۔ گو ہندی حکمرانوں کے پاس افواج اور خزانے تھے تاہم انہوں نے پرتگیزوں کے مقابلے سے گریز کیا۔"

ہندوستانی کلیسیا کا یہ دور نہایت کریہہ منظر ہے۔ رومی کلیسیا کے مبلغین نے انجیل کے محبت کے پیغام کی خلاف ورزی کرنے پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ انہوں نے حکومت پر زور دے کر محکمۂ احتساب عقائد The Holy Office of the Inquisition بھی قائم کر دیا کیونکہ جن نو مریدوں کو یہ مبلغین جبراً مسیحی کلیسیا میں شامل کر لیتے تھے ان میں سے بعض موقعہ پا کر اپنے مذہب کو واپس لوٹ جاتے تھے۔ بالخصوص وہ جو یہودیت سے زبردستی مسیحیت میں شامل کئے جاتے تھے۔ یہ یہودی تجارت کی خاطر گوآ اور دیگر مقبوضات میں رہتے تھے۔ مقامِ افسوس یہ ہے کہ اس محکمہ کے قیام میں فرانسس زیویئر جیسے مقدس شخص کا بھی ہاتھ تھا۔ چنانچہ اس نے ۱۰ر نومبر ۱۵۴۵ء کے روز شاہِ پرتگال یوحنا سوم سے درخواست کی کہ یہ محکمہ پرتگیزی مقبوضات میں جو ہندوستان میں ہیں قائم کیا جائے۔ یہ تجویز بادشاہ کے حسب دلخواہ بھی تھی پس چار سو سال ہوئے یہ محکمہ ۱۵۶۰ء میں گوآ میں قائم کیا گیا جو قریباً دو صدیوں تک اپنے فرائض کو نہایت تشدد سے ادا کرتا رہا۔ پوپ کے منشور کے مطابق (جس کا ہم نے گذشتہ فصل میں ذکر کیا ہے) شاہِ پرتگال اس محکمہ کے افسروں کو نامزد کرتا رہا۔ پوپ صرف اس کی نامزدگی کی تصدیق کر کے فرمان جاری کرتے رہے۔ اس محکمہ کے افسرِ اعلیٰ کا رتبہ صدر اسقف اور وائسرائے سے بھی بڑا تھا۔ اس افسرِ اعلیٰ کے ماتحت راس آمید سے اس طرف کے تمام پرتگیزی مقبوضات تھے اور اس کا اختیار ہر چھوٹے بڑے شخص پر تھا یہاں تک کہ وہ صدر اسقف اور وائسرائے کو بھی شاہِ پرتگال کو اطلاع دینے

Marfat.com

اور لزبن کے محکمۂ احتساب کے احکام آنے کے بعد قید کر کے زندان میں ڈال سکتا تھا۔

محکمۂ احتساب کی نسبت مرحوم لارڈ ایکٹن (Acton) جو مشہور انگریز مؤرخ گذرا ہے اور خود رومی کلیسیا کے ممتاز اہلِ قلم میں سے تھا، لکھتا ہے "محکمۂ احتسابِ عقائد کا اصول یہ ہے کہ پوپ کو زندگی اور موت پر اختیار ہے۔ جو شخص اُس کے احکام کی خلاف ورزی کرے اُس کو ایذائیں دی جائیں اور آگ میں جلا دیا جائے۔ اگر اس مقصد کو سرانجام دینے کے لئے کوئی باقاعدہ کارروائی نہ ہو سکے تو سب قانونی کارروائیوں کو پسِ پشت پھینک کر ملزم کو موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے۔ بالفاظِ دیگر اس محکمہ کا اصول یہ ہے کہ ایسے شخص کو جہاں کہیں پاؤ جان سے مار ڈالو"[1]۔

سولہویں صدی میں مغربی ممالک میں اِس محکمہ کا جال ہر جگہ پھیلا ہُوا تھا۔ ہر شخص اس کے نام سے کانپ اُٹھتا تھا۔ لیکن ہندوستان میں یہ محکمہ تشدد، اور بے رحمی کے لحاظ سے تمام مغربی ممالک کے محکموں پر گوئے سبقت لے گیا تھا۔ اِس محکمہ کے سپرد یہ فرائض تفویض کئے گئے تھے کہ "اُن تمام اشخاص کو سزا دے جو بدعتی عیسائی ہوں (یعنی جو رُومی کلیسیا کے ماتحت نہ ہوں)۔ یا جو یہودی ہوں یا لوگوں کو یہودیت کی تعلیم بھی دیتے ہوں۔ مثلاً یہ کہتے ہوں کہ سوٗر کا گوشت نہ کھاؤ۔ یا جو سیانے جادوگر ہوں اور تعویذ گنڈا کرتے ہوں مثلاً جو لوگوں کو ایسے سوالوں کے جواب مہیا کرتے ہوں کہ کیا فلاں کو مجھ سے عشق ہے؟ میری فلاں چیز کس نے چرائی ہے؟ فلاں بیمار مرض سے شفایاب ہوگا یا نہیں وغیرہ وغیرہ"۔ ہندوستان میں یہ محکمہ نہ صرف اُن مسیحیوں کو عقوبت دیتا تھا جو رُومی کلیسیا کے ماتحت نہ تھے بلکہ ہندوؤں، مسلمانوں اور دیگر مذاہب کے پیرووں کو بھی نہیں چھوڑتا تھا کیونکہ "یہ مقدس محکمہ اُن تمام اشخاص کو مجرم گردانتا ہے جو اپنے مذاہب کی رسوم کو ادا کرتے ہیں"۔ لطف یہ ہے کہ یہ محکمہ اُن مسیحیوں کو جو رُومی کلیسیا سے متعلق نہ تھے، سزائے موت دیکر نذرِ آتش کر دیتا تھا لیکن غیر مسیحیوں کو صرف بدنی سزا یا جلاوطن کرنے پر ہی اکتفا کرتا تھا۔ اِس کا نتیجہ مسیحیت کے حق میں اُلٹا ہو گیا کیونکہ بہت سے غیر مسیحی جو خلوصِ دل سے انجیلی تعلیم کے قائل تھے، اپنی جان کے خوف کے مارے علانیہ طور پر مسیحیت کو قبول نہیں کرتے تھے، کیونکہ

1. Letters of Lord Acton. p. 185

Marfat.com

اُن کو یہ خدشہ دامنگیر رہتا تھا کہ خدانخواستہ اگر اُن سے کچھ ہوگیا اور وُہ اِس محکمہ کے شکنجے میں آگئے تو وُہ آگ کی بھینٹ ہو جائیں گے۔ پس درحقیقت یہ محکمہ مسیحیت کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ کا باعث ہوگیا۔ پُرتگیزی مقبوضات کے تمام باشندے، کیا مسیحی اور کیا غیر مسیحی، سب کے سب کچھ تو پرتگیزوں کے جور و تعدی کی وجہ سے اور کچھ محکمۂ احتساب کی کارروائیوں کی وجہ سے "فرنگیوں" کے ہاتھوں زندگی سے تنگ آگئے تھے۔ بیشمار لوگ بیزار ہو کر نقلِ مکانی کر کے اُن علاقوں میں جا بسے جو پُرتگیزوں کے ماتحت نہ تھے[1]

اِس محکمہ کو نہ صرف زندوں بلکہ مُردوں پر بھی اختیار حاصل تھا، چونکہ اِس کو ہر مجرم کے مال و جائداد کو چھین لینے اور ضبط کر لینے کا حق حاصل تھا۔ پس اکثر اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ کسی امیر کبیر کی موت کے مہینوں بعد اُس پر فردِ جرم لگایا جاتا تھا اور اُس کی قبر کھدوا کر اُس کی ہڈیاں برسرِ عام جلا دی جاتیں اور اُس کا زر و مال ضبط اور جائداد چھین لی جاتی تھی۔ قدرتاً ہر طامع اور حریص شخص اس محکمہ کا افسر ہونا چاہتا تھا تاکہ زندوں اور مُردوں دونوں کے زر و مال اور جائداد پر قابض ہو سکے۔ ہم انشا اللہ کسی آئندہ جلد میں اِس محکمہ کی کارروائیوں کا اور اُن مظالم کا ذکر کریں گے جو جنوبی ہند کے غریب مسیحیوں پر ڈھائے گئے تھے۔

محکمۂ احتسابِ عقائد نے قریباً دو صد و پنجاہ سال تک ہندوستان کے پُرتگیزی مقبوضات میں قیامت برپا کر رکھی۔ سیاح پائیرینڈ (Pyrand) ہم کو بتلاتا ہے کہ ہندوستان میں اِس محکمہ کی عقوبتیں پُرتگال اور ہسپانیہ کے ممالک کے محکموں کے مظالم سے بھی بڑھ چڑھ کر تھیں۔ ہندوستان میں اس نے ہزاروں بے گناہوں کو ایذائیں دے دے کر موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ ہزارہا کو آگ میں زندہ جلا دیا۔ لاکھوں کو ایسے زندانوں میں مُدّتِ مدید تک ڈال رکھا جہاں قیدی موت کو زندگی پر ترجیح دیتے تھے۔ بالآخر ۲۵۲ سال کے بعد ۱۶ جون ۱۸۱۲ء کے دن ڈون جوسے (Don Jose) نے گوآ کا یہ محکمہ ختم کر دیا اور ایک فرمان کی رُو سے اعلان کر دیا گیا کہ پُرتگیزی مقبوضات کے باشندوں کو مذہبی آزادی دیدی گئی ہے۔ وُہ اپنے دینی عقائد اور رسوم کی پیروی کر سکتے ہیں۔

1. "The Goa Inquisition", By A. K. Priolkar. (Bombay University Press)

Marfat.com

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ محکمۂ احتساب کو کسی اخلاقی یا مذہبی بنا پر بند نہیں کیا گیا تھا۔ اِس کو ختم کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اِس کا اثر نقلِ مکانی کی وجہ سے پرتگیزی صنعت و حرفت اور تجارت پر بڑی طرح پڑا۔ رعیّت کی تعداد میں بھی نمایاں فرق آگیا پس پرتگیزی تجارت کو ازسرِ نو فروغ دینے اور مردم شماری کو بڑھانے کی خاطر اور پرتگیزی حکومت کو دوبارہ رونق دینے کی خاطر یہ قدم اُٹھایا گیا تھا۔ مذہبی نقطۂ نظر وہی رہا جو پہلے تھا۔ اِس محکمہ کے اصُول کو مردُود قرار نہیں دیا گیا۔ دَورِ حاضرہ میں محکمۂ احتساب عقائد دُنیا کے تمام مہذب مُلکوں سے اُٹھ گیا ہے لیکن تا حال رُومی کلیسیا اِس محکمہ کے اصُول کو تسلیم کرتی ہے۔

فصل چہارم

گورو نانک اور سکھ مت کا آغاز

ہم جلد سوم میں بتلا چکے ہیں کہ جب مسلمانوں نے ہندوستان پر حملے کئے تو یہ حملہ آور مختلف نسلوں اور ملکوں کے تھے اور مختلف زبانیں بولتے تھے۔ وہ عرب، ایرانی ترکی، مونگل، افغان وغیرہ اقوام کے تھے لیکن سب کے سب اسلام کے جھنڈے تلے جنگ کرتے اور جہاد، قتل و غارت اور لوٹ کے حریص تھے۔ ایک بات جو اُن کو اُن سے پہلے کے حملہ آوروں سے تمیز کرتی ہے، یہ تھی کہ وہ اپنے ساتھ ایک نیا مذہب اور زندگی کا ایک نیا راستہ لائے۔ ہندو مذہب نے اُن سے پہلے کے حملہ آوروں کو اپنے اندر جذب کر لیا تھا لیکن اسلام کسی قسم کی مصالحت ہندوؤں اور شرک و بُت پرستی کے ساتھ روا نہ رکھتا تھا۔ ہندوستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ایسے حملہ آور آئے جو صرف لُوٹ مار اور قتل و غارت پر کفایت نہیں کرتے تھے بلکہ ہندو مذہب میں جذب ہو جانے کی بجائے ہندوؤں کو حلقۂ اسلام میں لاکر اپنے اندر جذب کرنا چاہتے تھے۔

ہم جلد سوم ہی میں یہ بھی بتلا چکے ہیں کہ جب اسلامی افواج نے مغربی ایشیا کے ممالک کو فتح کر لیا تو اُن کا سابقہ بُدھ مت، زرتشتی مذہب، یہودی اور مسیحی مذاہب اور

Marfat.com

نو افلاطونی فلسفہ سے پڑا تھا۔ اِن مذاہب و فلاسفہ کے بے شمار پیرو اسلام قبول کر چکے تھے اور وہ اپنے ساتھ اپنے سابق مذاہب، خیالات، طرزِ زندگی اور فلسفیانہ تصورات کو دائرۂ اسلام میں لے آئے تھے۔ صوفیہ نے غیر مسلموں کے ساتھ رواداری اور مصالحت کا برتاؤ کیا جو شریعتِ اسلام کے مطابق نہ تھا پس اُن کے عقائد و رسوم نے ہندو مت پر اور ہندو مت نے اُن پر اثر ڈالا۔ جہاں اسلامی تلوار غیر مسلموں کو اسلام کا حلقہ بگوش نہ کر سکی صوفیہ کے گروہ کی تعلیم اُن کو دائرۂ اسلام میں کھینچ لائی۔ اِن نو مسلم نو مریدوں کو شیخ ملک، خلیفہ، مومن وغیرہ معزز خطابوں سے ملقب کیا گیا۔ قدرتاً یہ نومسلم ہندو طبقہ اپنے ساتھ ہندو رسوم و خیالات اور طرزِ زندگی حلقۂ اسلام میں لے آیا۔ اب یہ نو مسلم مندروں کی بجائے مزاروں پر جانے لگے اور ولیوں، پیروں، فقیروں کی قبروں پر سجدہ کرنے اور نذر و نیاز چڑھانے لگے۔ پندرھویں صدی تک گروہِ صوفیہ کی کوششیں بار آور ہوگئیں۔ اشاعتِ اسلام کے نتائج شاندار ثابت ہوئے۔ ہندوستان میں صوفیہ کے چھوٹے بڑے سلسلے اور خانوادے چودہ تھے جو ہر جگہ مرید بناتے پھرتے تھے۔ اُس زمانہ میں مسلمانوں کی تین چوتھائی سے زیادہ تعداد کسی نہ کسی صوفی سلسلہ سے منسلک تھی۔

تاریخ عالم کا مطالعہ ظاہر کر دیتا ہے کہ سولھویں اور سترھویں صدیوں میں تمام دُنیا میں اصلاح کی لہر پھیل گئی تھی۔ یورپ کے ممالک میں بھی مختلف علوم و فنون اور نقاشی وغیرہ کی روشنی چمکنے لگی۔ مائیکل اینجیلو Michael Angelo اور ڈاونچی (da Vinci) جیسے مصوری اور نقاشی کے ماہر پیدا ہوئے۔ علمِ ادب لورینسو ڈے میڈیچی (Lorenzo dei Medici) جیسے مربیوں کی سرپرستی میں ترقی کر رہا تھا۔ یورپ کی نشاۃ ثانیہ اوج کمال پر پہنچ گئی تھی۔ نئے نئے ملک دریافت کئے جا رہے تھے۔ چنانچہ جیسا ہم ذکر کر چکے ہیں کولمبس نے امریکہ دریافت کیا اور واسکوڈے گاما نے ہندوستان کا نیا راستہ ڈھونڈ نکالا۔ انہی ایام میں یورپ کے ممالک میں مذہبی بیداری بھی شروع ہو گئی۔ لوتھر (Luther) زوِنگلی (Zwingli) اور کیلون (Calvin) وغیرہ مصلحین مسیحی کلیساؤں کو از سرِ نو انجیلِ جلیل کا درس دے رہے تھے۔ لوتھر نے کتابِ مقدس کا ترجمہ کر دیا تھا۔ اِدھر اسلام مشرق و مغرب کے ممالک میں بت و بت پرستی کے

Marfat.com

خلاف تلوار اور ظلم سے جہاد کر رہا تھا۔ شمالی ہند میں لاکھوں غیر مسلم سلاطینِ دہلی کے ایام میں اسلام کے حلقہ بگوش ہوگئے تھے۔ خاندانِ لودھی کے سلاطین بھی شمشیر اور سلطنت کے زور سے اسلام کی اشاعت میں کوشاں تھے۔ اِدھر صُوفیہ کے گروہ محبت و آشتی کے پیغام سے بھی مقصد پُورا کر رہے تھے اور ساتھ ہی وحدتِ ادیان کی تعلیم پھیلا رہے تھے۔ اُدھر ہندوستان میں بھگتی مت نے لاکھوں ہندوؤں کے دلوں کو موہ رکھا تھا اور بڑی سُرعت کے ساتھ تمام ہندوستان میں پھیل رہا تھا۔ مشرقی ہند میں چیتنیہ نے، وسطِ ہند میں تُکارام، نام دیو اور ترلوچن نے اور شمالی ہند میں سادھن۔ رامانند۔ پیپا۔ میراں بائی تُلسی داس اور کبیر وغیرہ بھگتی مذہب کے علمبردار تھے۔ کبیر نے ہر خاص و عام کے دل کو موہ لیا تھا۔ اُس کے بھجن، شبد اور دوہے ہر کس و ناکس کے وردِ زبان تھے۔ اُس کی ساکھیاں پانچہزار سے زائد تھیں جو عوام کی زبان یعنی ہندی میں تھیں جن کے خیالات اور الفاظ ایسے لطیف تھے کہ دل و دماغ کو گرویدہ کر لیتے تھے۔ مثلاً ملاحظہ ہو :-

مالا پھراتا یُگ گیا، گیا نہ من کا پھیر
ہاتھ کا منکا چھوڑ کے من کا منکا پھیر

صدیوں کے بعد اب بھی کبیر کے دوہے اور شبد ہر جگہ شمالی ہند میں سُنے جاتے ہیں۔ ایسے ایام میں گرونانک اور اُن کے جانشین پیدا ہوگئے۔

گورُو نانک کے حالات

بابا نانک بیساکھ ۱۴۶۹ء میں تلونڈی (موجودہ ننکانہ صاحب) میں پیدا ہُوئے جو لاہور سے ۳۵ میل جنوب مغرب کی جانب ملتان کے ضلع کی حد پر واقع ہے۔ پس وُہ لُوتھر سے چودہ سال پہلے پیدا ہوئے اور اُس کی اصلاحی تحریک سے آٹھ سال پہلے اکتوبر ۱۵۳۸ء میں فوت ہو گئے۔

بابا نانک نے نو سال کی عُمر میں فارسی زبان کی تحصیل کر لی اور دولت خان لودھی کے ملازم ہوگئے۔ وُہ لڑکپن ہی سے دُنیا کی نسبت دین کی طرف زیادہ راغب تھے۔ عالمِ شباب میں اُنہوں نے ہندو مت اور اسلام کے عقائد سے واقفیت حاصل کر لی۔ کہتے ہیں کہ ملازمت کے زمانہ میں اُن کے پاس ایک درویش گیا جس کی تعلیم نے اُن پر ایسا اثر کیا کہ اُنہوں نے دولت خان لودھی کی اور اپنی تمام چیزیں خیرات کر دیں اور بیوی بچوں اور

Marfat.com

گھر بار کو چھوڑ کر تارک الدنیا ہو گئے ۔ جب دولت خان لودھی کو اس بات کا علم ہوا، تو اُس نے کہا کہ یہ میری بدقسمتی ہے کہ نانک جیسا ملازم درویش ہو گیا ہے ۔

بابا نانک ایک مسلمان ساتھی مردانہ کو (جسے رباب بجانے کا شوق تھا) ساتھ لیکر نزدیک اور دُور کے مقامات کی جانب تلاشِ حق میں نکل گئے ۔ یہ شوق اُن کو مشرق کی جانب آسام، جنوب کی طرف لنکا، مغرب کی جانب مکہ اور شمال کی جانب نیپال اور تبت تک لے گیا ۔ وہ پہلے پہل اپنے گھر سے مُلتان گئے جہاں اُنہوں نے فقیروں، صُوفیوں اور درویشوں سے ملاقات کی جن کی صُحبت نے اُن کی زندگی کی کایا پلٹ دی ۔ وہ مسلمان عُلما اور ہندو پنڈتوں سے دینی اور رُوحانی امُور کی بابت استفسار کرتے رہے ۔

گورو نانک مردانہ اور بالا کے ساتھ پنجاب کے مختلف مقامات میں پھر کر راجستھان مدھیا پردیش ۔ آندھرا ۔ مدراس اور لنکا گئے اور وہاں سے براہِ کیریلہ ۔ میسُور ۔ مہاراشٹر بمبئی ۔ گجرات ۔ کاٹھیاواڑ اور سندھ واپس پنجاب آ گئے ۔ اس کے بعد وہ پنجاب کی پہاڑیوں کی جانب چلے گئے اور نُور پُور ۔ جوالا مُکھی ۔ کانگڑہ ۔ دھرم سالہ ۔ منڈی ۔ کُلو ۔ چمبہ ۔ بلاس پور کرت پور ۔ سباٹو ۔ ناہن ۔ ڈیرہ دُون ۔ منصُوری ۔ سری نگر (گڑھوال)، بدری ناتھ نینی تال ۔ نیپال اور بھوٹان جا پہنچے ۔ وہاں سے وہ اُتر پردیش میں سے ہوتے ہُوئے واپس پنجاب آ گئے ۔ گورو نانک عراق کی جانب گئے جہاں سے وہ افغانستان، صُوبہ سرحد اور کشمیر کے رستے واپس پنجاب آ گئے [1]

کبیر کی تعلیم نے گورو نانک پر خاص طور پہ اثر کیا ۔ ہم گذشتہ جلدوں میں مفصل بتلا چکے ہیں کہ کبیر ایک مُسلمان جولاہا تھا جو رامانند کا چیلا تھا جس نے ۱۵۰۰ء کے قریب ظاہری اور نمائشی اسلام اور ہندو پرانوں اور شاستروں اور سنسکرت کے استعمال اور برہمنوں کے تحکمانہ اختیار کے خلاف اپنی آواز بلند کی تھی ۔ سطورِ بالا میں ہم اُس کے دوہوں اور شبدوں کا ذکر کر آئے ہیں جن کا ترجمہ دُنیا کی مختلف زبانوں میں ہو چکا ہے ۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بابا نانک بغداد بھی گئے تھے کیونکہ بغداد کے ایک کتبہ

1. The Missionary. (Spring 1963 Number) pp. 18-19. Also the Annual Number 1964. pp. 32

Marfat.com

سے معلوم ہوتا ہے کہ "گرو بابا نانک فقیر اولیا" ۱۵۲۱ء میں وہاں موجود تھے۔ اُنہوں نے سلطنتِ دہلی کے آخری ایام کی بدنظمی اَور بابر کے حملہ کی تباہی کو دیکھ کر کہا کہ "یہ زمانہ ایک چھُری ہے اَور بادشاہ قصاب ہیں۔ عدل وانصاف دُنیا سے اُٹھ گیا ہے جھُوٹ کی تاریکی میں سچ کا چاند چھُپ گیا ہے۔" (ماجھ کی وار) آپ نے سلاطینِ خاندانِ لودھی کو اس زبردست شکست کا ذمّہ دار ٹھہرایا اَور کہا کہ "اِن کتوں نے رتن جیسی بیش بہا سلطنت کو ہاتھ سے کھو دیا جب یہ مر جائیں گے تو کوئی شخص اِن کو عزّت کے الفاظ سے یاد نہ کرے گا۔" (آسا)

کہتے ہیں کہ گورو نانک کی مُلاقات بابر بادشاہ سے ہُوئی تھی۔ یہ ممکن ہے کیونکہ وُہ ستّر سال کی عُمر حاصل کر کے اکتوبر ۱۵۳۸ء میں کرتار پور میں فوت ہُوئے تھے۔ پس وُہ خاندانِ مُغلیہ کے پہلے دو بادشاہوں یعنی بابر اَور ہمایوں کے ہمعصر تھے۔

گُورو نانک کی تعلیم

گُورو نانک کا تصوّرِ خُدا اُن کی جپ جی صاحب کے "مُول منتر" میں ہے۔ مثلاً حظہ ہو :-

(۱) وُہ اِک اونکار ہے ۔ مَولا ہے ستّ نام ہے۔ خالق سب کا ہے
برتر ہے خوف و عداوت سے ہے دائم قائم قدرت سے
عالی ہے خوف و عداوت سے یہ دُور ہے شانِ محبّت سے
وُہ قیدِ زماں سے برتر ہے وُہ حدِ مکاں سے اُوپر ہے
شان اُس کی سب سے نرالی ہے وُہ حیّ جلال جلالی ہے
قائم بالذّات اجونی ہے ہر ہونی اُس سے ہونی ہے
ہے معدنِ لُطف وسخا کا وُہ
ہے منبع نُور وضیا کا وُہ ،

(۲) آد سچ ، جگاد سچ ، ہے بھی سچ ، نانک ہوسی بھی سچ -

اِس مُول منتر سے ظاہر ہے کہ بابا نانک ایک خُدا کے قائل تھے جو نہ صرف خالق و مالک ہے اَور مجرّد تصوّر نہیں ہے بلکہ شخصیت رکھتا ہے اَور انسان سے محبّت

Marfat.com

بھی رکھتا ہے۔ وہ "کرتا پُرکھ" ہے۔ جو فضل سے بھرپور ہے۔ انسان کی جیو آتما (رُوح) انسانی کالبد میں رہتی ہے۔ گُورو نانک ہندوؤں کے مسئلہ اواگون کے قائل تھے، لیکن وہ جیو اَور پرکرتی (مادہ) کو ازلی نہیں مانتے تھے،[1] اَور کہتے تھے کہ خُدا نے اُن کو خلق کیا ہے۔ وہ خدا کو ہر انسان کا خواہ وہ کسی مُلک، نسل یا ذات کا ہو، باپ مانتے تھے اَور اخوت و انسانی مساوات کا پرچار کرتے تھے۔ گُورو صاحب دُنیا کو شنکر اچاریہ کی طرح مایا خیال نہیں کرتے تھے بلکہ اُس کا وجُود حقیقی مانتے تھے۔ پس وہ دُنیا کو تیاگنے اَور سنیاس کے خلاف تھے۔ وہ کہتے تھے کہ انسان "نام" کا وظیفہ کر کے خُدا کے پاس پہنچ سکتا ہے۔ وہ کرم کے مسئلہ کے قائل تھے اَور تقدیر کو مانتے تھے لیکن ساتھ ہی وہ انسان کو فاعل خُود مختار سمجھتے تھے۔ وہ اِن دونوں متضاد تصوّرات کو یکجا کرنے کی کوشش نہیں کرتے کیونکہ وہ فلاسفر نہیں تھے بلکہ سیدھے سادھے خُدا رسیدہ انسان تھے۔ وہ خُدا کے "حکم" اَور "رضا" کو دُنیا میں جاری اَور ساری مانتے تھے۔ جہاں بُدھ نِروان کے قائل تھے اَور ہندُو تناسخ کے چکّروں کے بعد جیو آتما کا برہم میں ملنے کو موکش سمجھتے تھے۔ بابا نانک کہتے تھے کہ صرف نام کا وظیفہ مُکتی کا وسیلہ ہے۔

گُورو نانک کا بڑا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں اَور ہندوؤں کو محبّت کے وسیلے ایک دُوسرے کے قریب کریں۔ پس اُن کی تعلیم دونوں مذہب والوں میں اتفاق اَور یکجہتی پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ ان کا یہ کہنا تھا کہ خُدا ہر ایک کے دِل میں بستا ہے پس تُم کسی سے دشمنی نہ رکھو۔ مُعاف کرنا محبّت کا خاصہ ہے۔ پس جہاں مُعافی ہے وہاں خُدا ہے اَور جہاں خُدا ہے وہاں محبّت ہے۔ جب اُنہوں نے پرچار کرنا شرُوع کیا تو اُن کے اوّلین الفاظ یہ تھے کہ "نہ کوئی ہندُو ہے اَور نہ کوئی مسلمان ہے، سب ایک ہی ہیں۔" اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ ہندُو بابا نانک کو گُورو مانتے تھے اَور مسلمان اُن کو پیر جانتے تھے۔ چنانچہ عوام میں یہ کہاوت مشہُور تھی۔

"گُورو نانک شاہ فقیر۔ ہندُو کا گُورُو مسلمان کا پیر۔"

1. Teja Singh, Jap Viyakhaya, Also the Missionary, Jan., 1962. pp. 50-60.

Marfat.com

بابا نانک ہندوؤں اور مسلمانوں کے توہمات کے خلاف تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ جب وُہ دریائے گنگا کے کنارے اشنان کر رہے تھے تو اُنہوں نے دیکھا کہ ہندو مشرق رُو ہوکر بایں خیال آسمان کی جانب پانی اُچھال رہے ہیں کہ وُہ اُن کے آباؤ اجداد تک پہنچ جائے گا۔ گورو نانک نے مغرب کی جانب پانی اُچھالنا شروع کر دیا۔ لوگوں نے پُوچھا کہ یہ کیا کر رہے ہو۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ مَیں اپنے کھیتوں کو جو پنجاب میں ہیں پانی دے رہا ہوں۔ اگر تمہارا پانی تمہارے مُردوں کو آسمان پر پہنچ سکتا ہے تو میرا پانی نزدیک کے مقام میں تو ضرور ہی پہنچ جائے گا۔ ایک اَور موقعہ پر جب آپ حاجیوں کے بھیس میں مکّہ گئے تھے تو آپ کعبہ کی جانب پاؤں کئے سو رہے تھے۔ ایک شخص نے کہا کہ تُو بیت اللہ کی جانب پاؤں کئے کیوں سو رہا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ اچھا۔ تُم میرے پاؤں اُس رُخ کر دو جدھر خُدا نہیں ہے۔

گورو نانک اَور انجیل کی تعلیم

عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ گورو نانک اور اُن کے جانشین مسیحیت اَور انجیلِ جلیل کی تعلیم سے بے بہرہ تھے۔ پس یہ کہا جاتا ہے کہ اُن کے اصلاحی خیالات اسلام اَور قرآن کے ہی مرہُونِ منت ہیں اَور اسی نظریہ کے تحت سکھ مت کے گوروؤں کی تعلیم پر نظر کی جاتی ہے اَور خیال کیا جاتا ہے کہ اسلام کی بدولت اصلاحی خیالات نے سکھوں کے مذہب میں جگہ پائی۔ لیکن یہ نظریہ اس روشن تاریخی حقیقت کو نظر انداز کر دیتا ہے کہ (جیسا ہم گذشتہ تین جلدوں میں مفصّل بتلا چکے ہیں) مسیحیت شمال میں صدیوں سے چلی آئی تھی، اَور ہندوستان کے شمال وجنوب اَور مشرق و مغرب کے حِصّے انجیل کے انوار سے منوّر ہو چکے تھے ایسا کہ بابا نانک کی پیدائش سے صدیوں پہلے مُلک کے طول وعرض میں کلیسیائیں معرضِ وجُود میں آ چکی تھیں اَور لاکھوں ہندوستانی منجی جہان کے قدموں میں نسل در نسل آ چکے تھے۔ یہ سچ ہے کہ (جیسا ہم جلدِ سوم میں بتلا چکے ہیں) اسلامی حملوں اَور تاخت وتاراج کی وجہ سے سلطنتِ دہلی کے ایام میں ہزاروں مسیحی حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے تھے یا تیموری حملہ کے وقت اپنے ایمان کی خاطر شہید ہو گئے تھے تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انسان کا بدن قتل کیا جا سکتا ہے، جماعتیں برباد ہو سکتی ہیں، لیکن تلوار خیالات کو قتل نہیں کر سکتی اَور نہ شمشیر رُوحوں کو فنا کر سکتی ہے۔ رُوحانی اُمنگیں

Marfat.com

غارت نہیں ہوا کہ نیں اور نہ قرب خداوندی کی خواہش دبائی جاسکتی ہے۔ بالخصوص خدا کی اُبوّت کی تعلیم اور اُس کی لازوال محبت کا پیغام اور خداوند مسیح کی ارفع شخصیت کا اثر صفحۂ ہستی سے زائل نہیں ہوسکتا۔ یہ بھی ایک ناممکن امر نظر آتا ہے کہ بابا نانک کے زمانہ میں سو، دوسو، یا ایک ہزار مسیحی بھی حوادثِ زمانہ کے ہاتھوں شمالی ہند میں نہ بچے ہوں، کیونکہ جس طرح طوفان اور آندھی کے وقت قدآور اور بڑے درخت گرجاتے ہیں لیکن گھاس لہلہاتی ہی رہتی ہے اسی طرح سیاسی آندھیوں کے وقت سربرآوردہ کلیساؤں کا شہروں کے مسیحیوں کا قتل ہونا لیکن گمنام کلیساؤں اور مسیحیوں کا بچے رہنا زیادہ قرینِ قیاس ہے۔ بفرضِ محال اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ گورونانک کے زمانہ میں شمالی ہند میں کسی مسیحی کلیسیا یا ہندوستانی مسیحی کا وجود تک نہ رہا تھا لیکن کم از کم اِس حقیقت سے تو انکار نہیں ہوسکتا کہ بندھیاچل کے جنوبی ہند میں لاکھوں مسیحی موجود تھے اور ہزاروں کلیسیائیں شہروں اور گاؤں میں وہاں پھلتی پھولتی ترقی کر رہی تھیں۔ مغربی ہندوستان میں پرتگیزوں کی آمد کے بعد پرتگیزی اور ہندوستانی مسیحی موجود تھے اور اُن کے قسیس اور مبلغ مغربی اور جنوبی ہند کے مختلف شہروں میں پائے جاتے تھے۔ پرتگیزی مسیحی نہ صرف پرتگیزوں کی افواج میں ملازم تھے بلکہ شاہِ گجرات کی فوج میں بھی توپچی وغیرہ کے کاموں پر مامور تھے، اور اُن کے قسیس اُن کی روحانی نگہداشت کے لئے اُن کے ہاں باقاعدہ آتے جاتے رہتے تھے۔ بابا نانک کا مغربی ساحل اور جنوبی ہند میں جانا ایک مسلّم واقعہ ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ نے نہ کسی مسیحی کو دیکھا ہو اور نہ اُن کے کسی قسیس سے گفتگو کی ہو؟ مزید برآں آسام۔ برما۔ لنکا۔ نیپال اور تبت کے مختلف شہروں میں بیسیوں کلیسیائیں اور صدہا مسیحی موجود تھے۔ گورو نانک اُن ممالک میں بھی گئے تھے۔ ہم سطور بالا میں بتلا چکے ہیں کہ گورونانک صاحب بغداد گئے تھے۔ اُن کے زمانہ میں (جیسا ہم جلد سوم میں بتلا چکے ہیں) بغداد مسیحیت کا گڑھ تھا جہاں سے مسیحی مبلّغ تعلیم حاصل کر کے غیر ممالک بالخصوص ہندوستان بھیجے جاتے تھے۔ اندریں حالات یہ مفروضہ ہم کو غلط دکھائی دیتا ہے کہ بابا نانک نہ تو کسی مسیحی سے ملے تھے اور نہ آپ نے کسی مسیحی درویش یا رہبان سے ملاقات کی تھی اور نہ آپ نے کسی مسیحی بشپ، قسیس یا شماس سے کبھی مذہبی گفتگو کی تھی۔ بابا نانک لڑکپن ہی سے تلاشِ حق میں سرگرداں رہتے تھے۔ حق کی جستجو

Marfat.com

اُن کو کشاں کشاں مختلف مذاہب دادیان کے بزرگوں اور ہادیوں کے پاس لے جاتی تھی جن کی صحبت میں وہ اپنی رُوحانی بھوک پیاس کو بجھانا چاہتے تھے۔ ان قرائن کو اور آپ کی اُفتادِ طبیعت کو مدِنظر رکھ کر ہم کو یہ مفروضہ بے بنیاد نظر آتا ہے کہ آپ انجیلِ جلیل کی تعلیم سے نا آشنا تھے۔ انشا اللہ ہم آگے چل کر بابِ یازدہم میں سکھ مت اور مسیحیت پر مفصل بحث کریں گے۔

باب دوم

از بابر تا اکبر

فصل اوّل

ظہیرالدّین محمّد بابر بادشاہ

نسب اور پیدائش ظہیرالدین بابر چوتھی پشت میں تیمور کا پوتا تھا۔ اس کا سلسلۂ نسب یہ تھا:۔ بابر ولد عمر شیخ مرزا ولد ابوسعید مرزا ولد سلطان محمد مرزا ولد میران شاہ ولد امیر تیمور۔ بابر چغتائی علاقہ کا تھا جس میں ماورالنہر (ٹرانس آکسینیا)، افغانستان اور بلوچستان شامل تھے۔ ہم جلد سوم میں بتلا چکے ہیں کہ اس علاقہ کو چنگیز خان نے اپنے دُوسرے بیٹے چغتائی خان کو ورثہ میں دیا تھا۔ بابر کا باپ ترک تھا اور ماں چنگیز خان کی اولاد میں سے تھی اور مونگل تھی۔ بابر لفظ "مونگل" کو ناپسند کرتا تھا۔ لفظ "مغل" اسی لفظ کا معرّب ہے[1] اور سلطنتِ مغلیہ کے بادشاہوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ گو مابعد کے زمانہ میں پردیسی حملہ آور،

---

1. WELLS, THE OUTLINES OF HISTORY. (REVISED EDITION 1920) P.382 (NOTE)

Marfat.com

مسلمان فرمانروا، ترک، افغان، پٹھان اور مغل سبھی "مغل" کہلانے لگ گئے تھے۔

تیمور ۱۷ شعبان ۸۰۷ھ (۱۸ فروری ۱۴۰۵ء) کے روز مر گیا۔ اُس نے تاتار ہندوستان، شام، مسوپوٹامیہ، ایشیائے کوچک وغیرہ ممالک کو فتح کر لیا تھا لیکن چند سالوں کے اندر اُس کے خاندان کے پاس اُس کے اپنے مُلک ماوراء النہر کے علاوہ صرف فارس اور کابل ہی رہ گئے۔ ترکوں نے جلد ہی فارس پر بھی قبضہ کر لیا۔ بابر کا باپ سلطان عمر شیخ مرزا فرغانہ کا حاکم تھا۔

بابر ۶۔ محرم ۸۸۸ھ (۱۴ فروری ۱۴۸۳ء) کے روز پیدا ہوا۔ چنانچہ ابوالفضل نے قطعۂ تاریخ "در شش محرم" کہی ہے۔ اس میں لطف یہ ہے کہ تاریخ اور سنِ پیدائش دونوں موجود ہیں پس بابر اُس سال پیدا ہوا جس سال مسیحیت کی مذہبی نشاۃ ثانیہ کا بانی مارٹن لوتھر پیدا ہوا تھا جب بابر ۱۲ برس کا تھا تو وہ اپنے باپ کی جگہ تخت پر بیٹھا۔ یہ وُہی سال تھا جب چارلس ہشتم نے اطالیہ پر حملہ کیا تھا۔ اُس کی تخت نشینی سے دو سال پہلے کولمبس امریکہ دریافت کر چکا تھا اور چار سال پہلے واسکوڈے گاما ہندوستان کے مغربی ساحل پر آیا تھا۔ انگلستان کے بادشاہ ہنری ہفتم اور ہشتم اُس کے ہمعصر تھے۔ فرانس میں چارلس ہفتم، لوئیس دوازدہم اور فرانسس اوّل کا زمانہ تھا۔ جرمنی کے شہنشاہ میکس ملین اور چارلس پنجم اُس کے ہمعصر تھے۔ ہسپانیہ میں فرڈی نینڈ۔ ایزا بیلا اور چارلس حکمران تھے قسطنطنیہ کی مسیحی سلطنت برباد ہو چکی تھی۔ یورپ کا اہم ترین واقعہ نشاۃ ثانیہ اور اصلاح کا زمانہ بابر کے دَورِ حکومت میں رُو پذیر ہوا، اور چھاپہ بھی حال ہی کی ایجاد تھا۔

ہندوستان پر حملہ

فرغانہ میں تخت نشین ہوتے ہی اُس کو مصیبتوں کی گھٹاؤں نے چاروں طرف سے گھیر لیا اور اُس کی زندگی کو تقدیر اور تدبیر کی ایک طُولانی جنگ بنا دیا۔ بابر کی آخری شکست نے اُس کا دل ایسا توڑ دیا کہ اُس نے پھر وطن کا رُخ نہ کیا۔ زندگی کے مختلف نشیب و فراز دیکھنے کے بعد اُس نے بدخشاں پر دوبارہ قبضہ کر لیا اور پھر افغانستان کو فتح کر کے تیمور کے حملے کے سوا سَو سال بعد اُس نے ہندوستان پر حملہ کر دیا۔ اُس نے ۲۱ اپریل ۱۵۲۶ء کے روز پانی پت کے میدان میں ابراہیم لودھی کو شکستِ فاش دے کر ہندوستان میں سلطنتِ مغلیہ کا سنگِ بنیاد رکھا۔ یہ وُہ میدان ہے جہاں ہندوستان کی قسمت کا تین دفعہ فیصلہ ہُوا ہے۔

Marfat.com

۲۷ اپریل جمعہ کے روز دارالسلطنت دہلی کی جامع مسجد میں نئے بادشاہ کا نام خطبہ میں پڑھا گیا اور سلطنت مغلیہ قائم ہوگئی۔ فتح کے بعد بابر صرف چار سال زندہ رہا اور یہ زمانہ بھی جنگ و جدل میں ہی کٹ گیا۔

بابر کا لشکر گرمی کی وجہ سے واپس کابل کو لوٹ جانا چاہتا تھا۔ اُس کے لشکریوں کے لئے ہندوستان ایک غیر مُلک تھا جہاں وُہ صرف لُوٹ مار اور قتل و غارت کے لئے آئے تھے لیکن بابر نے اِس کو اپنا وطن بنا کر یہاں مستقل طور پر رہائش کرنے کا مُصمّم ارادہ کر لیا تھا۔ پس اُس نے فوج کے سرداروں کو بُلا کر اُن کی گذشتہ خدمات اور فتوحات کا ذکر کیا اور کہا کہ خُدا نے ہم کو ایک نہایت زرخیز اور وسیع مُلک عطا کیا ہے جس کو اس کی توفیق سے ہم نے طاقت سے حاصل کر لیا ہے۔ اِس کو چھوڑ کر واپس جانا کُفرانِ نعمت ہوگا۔ یہ مناسب نہیں کہ ہم شکست خوردہ بھگوڑوں کی مانند واپس کابل چلے جائیں۔ جو میرا خیر خواہ ہے وُہ اس بات کا نام بھی نہ لے۔ لیکن جو شخص واپس جانا چاہتا ہے وُہ آزاد ہے۔ مَیں کسی کو اُس کی رضامندی کے بغیر یہاں رہنے پر مجبور نہیں کرتا۔ بابر کے اِس فیصلہ نے ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔

مغلیہ سلطنت کا قیام نہ صرف تاریخ ہندوستان میں بلکہ تاریخ اسلام میں ایک نہایت اہم واقعہ ہے، کیونکہ بابر نے ہندوستان میں اُسی قسم کی فتوحات حاصل کیں جس قسم کی اُس کے ہم عصر مسلمان حکمرانوں نے دُنیا کے دیگر حصّوں میں حاصل کیں۔ ۱۴۵۳ء میں قسطنطنیہ فتح ہو چکا تھا اور ترکی سلطان سلیمانِ اعظم (از ۱۵۲۰ء تا ۱۵۶۶ء) نے ترکی سلطنت کو یورپ کی جنوب مشرقی حدود تک وسیع کر دیا اور اسمٰعیل صفوی (از ۱۵۰۰ء تا ۱۵۲۴ء) نے صفوی سلطنت کو ایران میں قائم کر دیا تھا۔

چتوڑ کا راجہ رانا سانگا بابر کا زبردست حریف تھا جو تمام راجپوت راجاؤں کا معزز سردار شمار کیا جاتا تھا۔ اُس کی فوج زبردست تھی اور ایک سو بیس سردار اُس کے حلیف تھے جن کے پاس اسّی ہزار گھوڑے اور پانصد ہاتھی تھے۔ مارواڑ۔ آمبر۔ گوالیار۔ اجمیر چندیری وغیرہ کے راجا بھی اپنی افواج سمیت اُس کے ہمراہ تھے۔ رانا سانگا بڑا شجاع نبرد آزما، مردِ میدان تھا جس کے جسم پر اسّی زخموں کے نشان اُس کی بہادری کی داد دیتے تھے۔ وُہ اپنا ایک بازو اور ایک آنکھ میدانِ کارزار میں کھو چکا تھا۔ اس سے پہلے

Marfat.com

بابر کے مخالف مسلمان بادشاہ تھے لیکن اب ہندو اُس کے مقابل میدانِ جنگ میں کھڑے تھے۔ پس یہ جنگ ایک زبردست جہاد سمجھا گیا۔ رانا سانگا اُس کے پہلے دشمنوں سے نہ صرف زیادہ شجاع اور بہادر جنگجو تھا بلکہ عقل و تدبر، فراست اور قومیّت کے جذبہ سے بھی سرشار تھا۔ اس کے ہمراہ ایسے سپاہی تھے جو میدان سے بھاگنا جانتے ہی نہ تھے۔ بابر سیکری پر خیمہ زن ہوا۔ اُس نے بڑی رقّت سے خدا سے دُعا مانگی اور شراب سے توبہ کی۔ جنگ سے پہلے اُس نے ایک جوشیلی ایمان افروز تقریر کر کے کہا "اللہ تعالیٰ نے ہماری تقدیر میں فتح لکھی ہے۔ اگر ہم مارے گئے تو شہید ہو کر جنت جائیں گے اور اگر جیتے رہے تو غازی بن کر زندہ رہیں گے" راجپوت افواج کو مارچ ۱۵۲۷ء میں شکست فاش نصیب ہوئی جس کے بعد رانا سانگا کے خاندان کے کسی راجہ نے بابر کے خاندان کے کسی بادشاہ کے خلاف لشکر کشی نہ کی۔ مونگل بادشاہوں کا دستور تھا کہ جب لڑائی کا میدان مارتے تھے تو مقام جنگ میں ایک بلند مقام پر بڑا سا گڑھا کھود کر مخالفوں کے سر کاٹ کر اُس میں بھر دیتے تھے اور ڈھیر لگا کر اُس پر ایک بلند عمارت بشکل مینار بنا دیتے تھے کہ فتح کی یادگار رہے اور دیکھنے والوں کو عبرت ہو۔ اس کو "کلّہ مینار" کہتے تھے۔ بابر نے راجاؤں اور راجپوتوں کے سروں کا کلّہ مینار کھڑا کر دیا۔

بابر نے آگرہ کو اپنا دارالسلطنت بنایا۔ اِس غرض کے لئے اُس نے قسطنطنیہ سے ماہرینِ فن طلب کئے اور اُس کے ہم عصر عثمانی سلطان سلیمان اعظم نے متعدد معماروں کو ہندوستان بھیجا۔

بابر کی عادات و خصائل

بابر کی شخصیت اُس کے آباؤ اجداد چنگیز خان اور امیر تیمور سے کہیں زیادہ دلآویز اور جاذب ہے۔ وہ ایک قدآور انسان اور جسیم کا تنومند تھا۔ وہ اوّل درجہ کا تیر انداز تھا جس کی تلوار میدان کارزار میں بجلی کی طرح چلتی تھی۔ وہ اس قدر شہزور اور تنومند واقع ہوا تھا کہ قلعہ کے ایک کنگرے سے دوسرے کنگرے پر اپنے ڈبل تلے والے بڑے فوجی جوتے پہنے کود جاتا تھا اور اکثر اوقات ایک شخص کو دہنے بازو میں اور دوسرے شخص کو بائیں بازو میں لے کر کودتا تھا۔ وہ ایک شجاع، باہمت اور قسمت آزما جانباز شخص تھا جس کو ہر قسم کے حوادث زمانہ کا سامنا کرنا پڑا۔ کبھی وہ فتح پاتا اور کبھی وہ دشمنوں سے پہاڑوں اور ویرانوں میں پناہ لیتا پھرتا تھا، لیکن وہ ایک زبردست مدبر، سیاست دان اور ماہر جرنیل بھی تھا جس کی قوتِ مشاہدہ نے تمام تجربوں سے کسب فیض

Marfat.com

حاصل کی تھی جس کی بدولت وُہ ایک باکمال کمانڈر ہو گیا تھا۔

بابر اُن سلاطین کی مانند نہ تھا جو دہلی کے تخت پر اُس سے پہلے راج کرتے رہے تھے بلکہ وُہ ایک بے تکلف انسان تھا جو زندہ دل اور سراپا خلوص و محبت تھا۔ وُہ تختِ شاہی پر بھی دیگر انسانوں کی مانند ایک انسان نظر آتا ہے جس میں سادگی کُوٹ کُوٹ کر بھری ہے خاندان کی محبت اُس کی سرشت میں داخل تھی۔ شراب خواری کی عادت سے وُہ مجبور تھا لیکن اُس نے مخمور ہو کر کسی پر ظلم نہ کیا۔ جب اُس نے پانی پت کے میدان میں ابراہیم لودھی پر فتح پائی اور ابراہیم میدانِ جنگ میں مقتول ہوا اور اُس کا خون آلودہ سر بابر کے سامنے لایا گیا تو ابراہیم کے دشمن جمالی نے اپنا انتقام لینے کی خاطر بابر کو مبارکباد دیتے ہوئے کہا:ؔ

از صدمۂ سمندت ہر فیلِ کوہ پیکر

در خاک و خون فرو شُد ہمچوں حمار درگل

لیکن بابر نے " ابراہیم کے سر کو خاک پر سے اُٹھا لیا اور اس عبرتناک نظارہ کو دیکھکر لرز گیا "۔ (سلاطینِ دہلی کے مذہبی رجحانات مُصنفہ خلیق احمد نظامی ص۷۲)

ہم جلد سوم میں ذکر کر چکے ہیں کہ سلطان سکندر لودھی کے دنوں میں ہندو فارسی کا مطالعہ کرنے لگ گئے تھے (تاریخ فرشتہ) اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندو اسلامی سلطنت کے دفتروں میں بیش از بیش ملازم ہو گئے تھے۔ لیکن یہ بات عُلمائے اسلام کو پسند نہ آئی۔ چنانچہ شیخ عبدالقدوس نے بابر سے درخواست کی کہ ہندو محکمۂ دیوانی میں مقرر نہ کئے جائیں۔ لیکن بابر نے توجہ نہ دی۔ جب اُس نے دیکھا کہ ہندو گائے کو متبرک جانور تصور کرتے ہیں تو اُس نے حکم جاری کیا کہ عید کے موقعہ پر گائیوں کی قربانی عمل میں نہ آئے اور اُس نے اپنے بیٹے ہمایوں کو بھی تاکید کی کہ گائے کی قربانی ہونے نہ پائے۔

تیمور کے زمانہ میں مونگل اُن حروفِ تہجی کو استعمال کرتے تھے جن کو نسطوری کلیسیا کے مُبلغین نے مروج کیا تھا اور جس میں ملفوظاتِ تیموری بھی لکھی ہے۔ لیکن اس کے ایک صدی بعد بابر نے ترکی زبان کے لئے نئے حروفِ تہجی کو وضع کیا جو" حروفِ بابری" کہلاتے ہیں۔ جس طرح وُہ تلوار کا دھنی تھا وُہ قلم کا سُلطان بھی تھا۔ وُہ ایک زبردست ادیب۔ فارسی زبان کا شاعر اور ترکی زبان کا انشا پرداز تھا۔ وُہ فی البدیہہ شعر بھی کہا کرتا تھا، اور اپنے اُمراء کو اکثر اپنے

1. The Times of India, Delhi Oct. 8th, 1958. (Judgement of The Supreme Court of India)

Marfat.com

شعر اور نظمیں تحفہ کے طور پر دیا کرتا تھا جن کو اُس کے کاتب نقل کیا کرتے تھے۔ اُس نے اپنی توزک اپنے ہاتھ سے ترکی زبان میں لکھی ہے جس میں اُس کی وفات کے ایک سال پہلے تک کے واقعاتِ زندگی لکھے ہیں۔ توزکِ بابری سے اُس کے دل و دماغ اور زبان کی وسعت کا اندازہ ہو سکتا ہے کیونکہ وہ اپنے دل اور ضمیر کی باتیں بغیر کسی کم و کاست کے اپنے قلم کی زبان پر لے آتا ہے۔ اُس کے ذوق مختلف النوع تھے۔ جب وہ اپنی توزک میں کسی پودے کے لگانے کا ذکر کرتا ہے یا کسی پھل دار درخت کو لگانے میں کامیاب ہونے کا ذکر کرتا ہے تو اُس کے فخریہ الفاظ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے کوئی میدان مار لیا ہے۔ اُس کا دماغ فنونِ لطیفہ پر حاوی تھا۔ قدرتی مناظر اُس کی توجہ کو کھینچ لیتے تھے۔ اُس کا ترکی دیوان اُس کی نازک خیالیوں پر شاہد ہے۔ ابوالفضل اُس کی مثنوی کی تعریف میں رطب اللسان ہے۔ بابر نے علمِ عروض پر بھی ایک کتاب لکھی ہے۔ وہ توزک میں اپنی چند دیگر تصنیفات کا ذکر بھی کرتا ہے۔ اُس کو موسیقی میں ید طُولیٰ حاصل تھا اور اس موضوع پر اُس نے ایک رسالہ بھی لکھا ہے۔ وہ جس مقام کو بھی فتح کرتا تھا وہاں باغ، میوہ دار درخت اور پھل پھول لگانے کا حکم دیتا تھا۔ توزکِ بابری سے معلوم ہو جاتا ہے کہ انتہائی مُصیبت کے عالم میں بھی بابر گلزاروں اور سبزہ زاروں سے لُطف اندوز ہوتا تھا، اور پھولوں کا دل و جان سے عاشق تھا۔

ہندوستان میں آنے کے صرف چار سال بعد بابر جاں بحق ہو گیا۔ جب وہ ہندوستان آیا تو دہلی کی سلطنت کے مسلمان عیش و عشرت کے باعث نکمے ہو چکے تھے۔ اب اُن میں نہ تنظیم تھی اور نہ شجاعت رہی تھی۔ اُن کا پہلا سا وقار بھی نہ رہا تھا۔ ہندو عورتیں اُن کے حرموں میں تھیں اور جو ہندو برائے نام مسلمان ہو گئے تھے وہ اب مقتدر ہستیاں تھے۔ مسلمان حکمران مخلوط النسل ہو گئے تھے۔ طوائف الملوکی کا دَور دَورہ تھا۔ ہر طاقتور امیر سُلطان ہونے کے خواب دیکھتا تھا۔ "سلطنتِ دہلی برائے نام ہی سلطنت تھی۔ پنجاب کے دو اُمرا دولت خان اور ابراہیم لودھی کے رشتہ دار عالم خان (جو تختِ دہلی پر بیٹھنا چاہتا تھا) نے بابر کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی دعوت دی تھی اور بابر نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھ کر حملہ کر دیا تھا۔ اُس کی رگوں میں چنگیز خان اور تیمور کا خون تھا۔ اُس کے بدن میں خیمہ بدوش تاتاریوں کی سی چُستی تھی۔ شجاعت اُس کے نام بابر (بمعنی شیر) سے ٹپکتی تھی۔ اُس کا دماغ ایرانی خوش خلقی، شائستگی اور تہذیب کا آئینہ دار تھا۔ مُغلوں کی استعداد، عمل، استقلال اور ثابت قدمی اُس کی رگوں میں تھی۔ ایسے اوصاف کے حامل نے سلطنتِ مغلیہ کا

Marfat.com

سنگِ بنیاد رکھا لیکن ابھی اُس نے سلطنت کی داغ بیل ہی ڈالی تھی کہ وُہ مُلکِ عدم کو روانہ ہوگیا۔ مَوت سے پہلے پنجاب، یُو۔پی اَور شمالی بہار اُس کے قبضہ میں آگئے تھے اَور میواڑ کے راجپوت اُس کے مطیع ہو چکے تھے۔

ابوالفضل لکھتا ہے کہ بابر کی مَوت سے پہلے ۱۵۳۰ء کے موسمِ گرما میں ہمایوں سخت بیمار ہوگیا۔ جب کوئی علاج کارگر نہ ہُوا تو بابر کو کہا گیا کہ حضُور کے پاس جو شے سب سے زیادہ قیمتی گراں بہا ہے وُہ اُس پر قُربان کر دیں۔ خاندان کی مُحبّت بابر کی سرشت میں داخل تھی۔ اُس نے جواب دیا، کہ مَیں اپنی جان اپنے پیارے بیٹے کی خاطر دے دُوں گا اَور خُود اُس کے لئے قُربان ہو جاؤں گا۔ اُمرائے سلطنت نے بہتیرا کہا کہ حضُور جو قیمتی ہیرا آپ کو آگرہ میں ملا تھا وُہ نچھاور کر دیں لیکن اُس نے کسی کی نہ مانی۔ وُہ ہمایوں کے پلنگ کے گرد تین بار پھرا اَور کہا مَیں نے تیری بیماری اپنے اُوپر لے لی۔ اَور خُدا سے دُعا کی کہ خُدا ہمایوں کو شفا بخشے اَور اُس کو مَوت دے۔ اُس وقت سے ہمایوں کی بیماری نے پلٹا کھایا اَور بابر بسترِ مرگ پر پڑ گیا اَور اُس کی انتڑیوں میں سخت درد اُٹھا۔ اُس نے ہمایوں کو پاس بلا کر کہا مَیں تُم کو اَور تُمہارے بھائیوں کو اَور تمام عزیزوں رشتہ داروں اَور رعایا کو خُدا کے سپرد کرتا ہُوں اَور وصیّت کرتا ہُوں کہ اُن سب کے ساتھ اچھا سلُوک کرنا"۔ اس کے تین روز بعد ۲۶۔دسمبر ۱۵۳۰ء کے روز اُس نے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ اُس کی لاش پہلے آگرہ کے آرام باغ میں اَور بعد میں کابل کے باغ میں دفن کی گئی۔

ہم جلد سوم میں بتلا چکے ہیں کہ بابر کے اصل وطن میں مسیحیت اس کی پیدائش سے صدیوں پہلے پھل پھُول کر ترقی پا چکی تھی اَور رفتہ رفتہ اسلام کی وجہ اور دیگر وجُوہ کے باعث قریباً ختم بھی ہو چکی تھی۔ نسطوری کلیسیا جس نے اس کے وطن میں مسیحیت کی داغ بیل ڈالی تھی آفاتِ زمانہ کے ہاتھوں سِسک رہی تھی۔ ہم کو تا حال یہ علم نہیں کہ بابر نے کبھی انجیل جلیل کا پیغام بھی سُنا تھا۔ ہمیں اُمید ہے کہ کوئی قابل مؤرخ زمانہ مستقبل میں اس پہلو پر روشنی ڈالے گا۔ لیکن جب ہم بابر کی زندگی کا مقابلہ اس کے آباواجداد مثلاً چنگیز خان کی زندگی سے کرتے ہیں تو زمین وآسمان کا فرق نظر آتا ہے۔ اُس کا اپنے بیٹے کی خاطر قُربان ہو جانا ہم کو خُداوند مسیح کے اقوال یاد دلاتے ہیں (یُوحنا ۱۵: ۱۳، ۱۰: ۱۱، متی ۲۰: ۲۸، یسعیاہ ۵۳: ۴ وغیرہ)۔ بابر کا پانی پت کے میدان میں اپنے دشمن ابراہیم لودھی کے خاک و خُون آلُودہ سر کو اُٹھا کر غمناک ہونا بھی اس سلسلہ میں معنی خیز واقعہ ہے۔ خُدا کرے کہ مستقبل میں کوئی مؤرخ بابر کے ماحول اَور تو زک کا اس نقطۂ نگاہ سے مطالعہ کر کے

Marfat.com

کسی خاص نتیجہ پر پہنچے۔

فصل دوم

نصیر الدّین ہمایوں بادشاہ

ہمایوں کے حالات بابر کی وفات کے تین روز بعد ۲۹ ر دسمبر ۱۵۳۰ء کے روز ہمایوں کی تاجپوشی ہوئی۔ تخت نشینی کے وقت وہ ۲۳ سالہ نوجوان تھا۔ بابر نے موت سے پہلے ہمایوں کو وصیت کی تھی کہ اپنے بھائیوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔ پس اس صاف باطن بادشاہ نے تخت نشینی کے بعد اپنے بھائی کامران کو قندھار، کابل اور پنجاب کے علاقے عنایت کر دیئے اور چھوٹے بھائی عسکری کو سنبھل اور ہندال کو الور کے علاقے دیدیئے۔ ان عنایات کی وجہ سے مغلیہ سلطنت عین اس وقت جب اس کو قیام اور مضبوطی کی ضرورت تھی تقسیم ہو کر کھوکھلی ہو گئی۔ یہ تینوں بھائی تخت شاہی پر بیٹھنے کے بھی خواہاں تھے ان میں سے کوئی بھی ہمایوں کا خیرخواہ نہ تھا۔ کامران کابل و قندھار کا حکمران تھا۔ اس نے ان مسلمان مجاہدوں کے آنے کے راہ مسدود کر دیئے جو سرحد پار کر کے منسبہ شاہی فوج میں بھرتی ہوا کرتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف ہمایوں کی فوج کی بھرتی کم ہوتی چلی گئی اور دوسری طرف اس کے سپاہی مختلف جنگوں میں مارے جانے کی وجہ سے کم ہوتے چلے گئے۔ غریب ہمایوں کو اپنے بھائیوں کی دغابازی اور غداری کے باعث انہی مسلمان مجاہدوں پر انحصار کرنا پڑا جو اس کی فوج میں رہ گئے تھے۔

ادھر جب شیرخان نے دیکھا کہ بابر کے بیٹوں میں باہمی نفاق ہے اور ہمایوں کے امرا آرام طلب اور عیش پسند ہو گئے ہیں اور اس کے خلاف خفیہ ریشہ دوانیاں کر رہے ہیں تو اس نے موقعہ سے فائدہ اٹھایا۔ اس کے افغان وحشی مزاج تھے جن کا لوٹ مار کے سوا کوئی دوسرا پیشہ نہ تھا۔ باقی افغان بھی اس کے جھنڈے تلے آ گئے اور شیرخان باغی ہو کر خود بادشاہ بن بیٹھا۔

ہمایوں کی شہزادگی کے زمانہ میں بیرم خان اس کا مصاحب بن گیا تھا۔ ایک جنگ میں اس نے ایسے کارہائے نمایاں دکھلائے کہ بابر نے خوش ہو کر اس کو اپنی خدمت میں لے لیا۔ جب

Marfat.com

ہمایوں بادشاہ ہُوا تو پھر وُہ اُس کی حضوری میں رہنے لگا۔ ۹۴۶ھ میں شیر شاہ کی پہلی لڑائی میں بیرم خان نے سب سے پہلے ہمت دکھائی اور دشمن پر جا پڑا۔ لیکن جو اُمرا اُس کے ہمراہ تھے وُہ کوتاہی کر گئے اس لئے کامیاب نہ ہُوا۔ غنیم نے فتح پائی اور ہمایوں شکست کھا کر آگرہ بھاگ آیا۔ دُوسری لڑائی قنوج کے قریب ہُوئی وہاں بھی ہمایوں کو شکست حاصل ہُوئی، جس سے وُہ دل شکستہ ہو گیا۔ سگے بھائیوں کے دغا اور اُمرا کی بے وفائی نے دل پارہ پارہ کر دیا اور وُہ لاہور آیا، اور دغا باز بھائی وقت ٹالتے گئے اور اُدھر دُشمن پیچھا کرتا دریائے بیاس کے کنارے آ پہنچا۔ ناچار اُس نے سندھ کا رُخ کیا اور تین برس تک وہاں قسمت آزماتا رہا۔ جب بیرم خاں وہاں پہنچا تو اُس نے دیکھا کہ ہمایوں کے جانثاران پے در پے لڑائیوں میں کام آ رہے تھے اور جو باقی تھے اُن سے دفا کی اُمید نہ تھی۔ ہمایوں کی صلاح ہُوئی کہ ہندوستان سے واپس اپنے آباواجداد کے وطن کو لوٹ جائے لیکن بیرم نے کہا کہ جس وطن نے حضور کے والد سے دغا کی وہاں آپ کیا کر سکیں گے؟ آپ ایران کو چلیں۔ بیرم خاں خود ہمایوں کا خط لیکر شاہ طہماسپ بادشاہ ایران کے پاس گیا۔ اُس نے مراسلہ کے جواب میں اشتیاق کا اظہار کیا اور یہ شعر بھی لکھا ؎

ہمائے اوجِ سعادت بدامِ ما اُفتد ؎ اگر ترا گذر برمقامِ ما اُفتد

ہمایوں کا شاہانہ استقبال کیا گیا۔ ایک گویّے نے ایک غزل گائی جس کا ایک شعر یہ تھا ؎

زرنج و راحتِ گیتی مشو غمگیں، مرنجاں دِل

کہ آئینِ جہاں گاہے چناں گاہے چنیں باشد

اس پر ہمایوں کے آنسو نکل پڑے۔ غرض دونوں بادشاہ ایک دُوسرے کے دوست ہو گئے۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ دونوں بادشاہ برابر بیٹھے تھے۔ مگر ہمایوں بادشاہ کا دامن ذرا مسند سے باہر تھا۔ یہ دیکھ کر کوکلتاش بے تاب ہو گیا۔ اُس نے اپنی کمر سے ترکش کا زریں زرتار غلاف کاٹا اور خنجر سے چیر کر ہمایوں کے زانو کے نیچے بچھا دیا۔ طہماسپ شاہ کو یہ جوشِ وفاداری پسند آیا۔ اُس نے ہمایوں سے سوال کیا کہ جب اس قسم کے جان نثار آپ کے ہمراہ تھے، تو ہندوستان سے نکلنے کی نوبت کیوں پہنچی؟ ہمایوں نے جواب دیا کہ بھائی جو قوتِ بازو ہوتے ہیں سب منافق نکلے اور آستین کے سانپ ہو گئے۔ شاہ نے پُوچھا کہ ہندوستان کے مُلک کے لوگوں نے رفاقت نہ کی؟ ہمایوں نے جواب دیا کہ ہندوستان کے باشندے نہ تو ہماری قوم کے لوگ ہیں اور نہ ہمارے ہم مذہب ہیں۔ ہم اُس مُلک میں پردیسی ہیں۔ بادشاہ نے کہا کہ

Marfat.com

جب بادشاہ کسی غیر قوم اور غیر مذہبوں کے ملک میں داخل ہو تو مصلحت اسی میں ہے کہ وہ اُن سے اتحاد۔ موافقت اور یگانگت پیدا کرے۔ اب کی دفعہ جب خدائے کارساز آپ کی مُراد پوری کرے تو آپ اس بات کا ضرور لحاظ رکھیں۔ تھوڑی دیر میں دستر خوان بچھا۔ شاہ طہماسپ کا بھائی کمربستہ کھڑا تھا۔ وہ آفتابہ لایا اور ہاتھ دُھلوائے۔ شاہ نے ہمایوں کو کہا کہ دیکھو بھائیوں کو اس طرح رکھتے ہیں۔ بادشاہ کا ایک اور بھائی بھی کھڑا تھا۔ اُسے ہمایوں کی بعض باتیں ناگوار گذریں۔ پس اُس نے اندر ہی اندر تدبیریں شروع کیں کہ بادشاہ ہمایوں کی امداد کے ارادے سے رُک گیا۔ اس پر ہمایوں حیران و پریشان ہوگیا اور اُس نے ایک رباعی شاہ کو سنائی جس کا ایک بیت یہ تھا ؎

شاہاں ہمہ سایۂ ہمامی خواہند   بنگر کہ ہما آمدہ در سایۂ تو

ایک اور موقعہ پر ہمایوں کی ایک رباعی بادشاہ نے سُنی جو اُس کی سفارش کا ذریعہ بن گئی: ؎

ہستیم ز جاں بندۂ اولادِ علی   ہستیم ہمیشہ شاد با یادِ علی

چوں سرِّ ولایت از علی ظاہر شد   کردیم ہمیشہ وردِ خود نادِ علی

شاہِ ایران نے ہمایوں سے شیعہ مذہب اختیار کرنے کی فرمائش کی تھی اور کہا تھا کہ جب آپ کو فتح حاصل ہو وہاں شیعہ مذہب کو رواج دیں۔ ہمایوں نے جواب میں اپنی معذوری ظاہر کی تھی۔ لیکن مذکورہ بالا رباعی سے اُس کے دل سے کشیدگی جاتی رہی۔ اگرچہ اس سے ہمایوں کا تشیّع ثابت نہیں ہوتا۔ لیکن کم از کم یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ وہ سُنّی مذہب کا کٹر پیرو نہ تھا۔

آخر ہمایوں نے ایران سے فوج لے کر قندھار کو فتح کیا اور اپنے وعدہ کے مُطابق اُس نے یہ علاقہ ایرانی سپہ سالار کے حوالے کر دیا اور خود کابل کو روانہ ہُوا جس کو اُس کا بھائی کامران دبائے بیٹھا تھا۔ فتح کابل کے بعد کامران قید ہو کر آیا۔ ہمایوں کو باپ کی وصیت یاد آئی اور وہ اُس کو رہا کر دینا چاہتا تھا۔ اُمرا نے بصد مشکل ہمایوں کی رضامندی حاصل کرکے کامران کو اندھا کر کے مکّہ روانہ کر دیا۔ عسکری بھی مکّہ کی جانب بھیج دیا گیا۔ ہندال ایک شبخون میں مارا گیا۔

کابل کی فتح کے بعد ہمایوں لشکر لے کر ہندوستان روانہ ہُوا اور پنجاب میں آ داخل ہُوا۔ گو افغانوں کے لشکر ہر طرف پھیلے تھے لیکن وہ ہمت ہار بیٹھے۔ ہمایوں لاہور تک بغیر جنگ کے چلا آیا۔ افغان بدحواس ہو کر اپنے خیمے اور گھوڑے ہاتھی۔ خزانے چھوڑ کر دہلی کو بھاگ گئے۔ ہمایوں نے عہد کیا تھا کہ جب

Marfat.com

تک وُہ زندہ رہے گا، ہندوستان میں کسی کو بردہ غلام نہ بنائے گا۔ چنانچہ تمام عورتوں اور نوخیز لڑکوں اور لڑکیوں کو جو گرفتار ہوئے تھے آزاد کر دیا گیا۔ سکندر سُوری اسّی ہزار افغانی لشکر سمیت سرہند میں تھا، اُس کو شکستِ فاش ملی اور ہمایوں نے دہلی پر قبضہ کر لیا۔

ہمایوں کا مسیحی مزاج

ہم سطورِ بالا میں ذکر کر چکے ہیں کہ جب بابر بسترِ مرگ پر تھا تو اُس نے ہمایوں کو وصیت کی تھی کہ اپنے بھائیوں پر مہربان رہنا اور اُن کے قصور مُعاف کیا کرنا۔ ہمایوں نے بابر کی وصیت پر عمل کیا حالانکہ اُس کے بھائیوں نے اُس کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ اسی زمانہ میں ہمایوں کو قتل کرنے کی سازش ظاہر ہو گئی۔ لیکن اُس نے سازش کے بانی محمد زمان مرزا کو مُعاف کر دیا۔ قرآن سامنے رکھ کر قول و قسم ہوئے لیکن چند روز کے بعد وُہ گجرات بھاگ گیا اور فساد کرتا رہا۔ جب ہمایوں بنگال میں شیر شاہ سے برسرِ جنگ تھا تو کامران اور عسکری نے بغاوت کر دی اور محمد سلطان اور اُس کے بیٹے اطرافِ دہلی میں لُوٹ مار مچا رہے تھے۔ ہمایوں نے ہندال کو بھیجا کہ اُن کو سمجھائے لیکن وُہ یہاں آکر اپنی بادشاہی کے بندوبست کرنے لگ گیا لیکن ہمایوں نے خطا مُعاف کر دی۔ جب شیر شاہ سے ہمایوں قنوج کے میدان میں جنگ کر رہا تھا تو یہ بے وفا بھائی پہلے بھاگے اور اُمرائے لشکر کو فرار ہونے کا نمونہ دیا۔ جب ہمایوں لاہور آیا تاکہ سب بھائی اتفاق کر کے شیر شاہ کے خلاف جنگ کریں تو وُہ ملتان بھاگ گئے اور کامران نے اُس کی مدد کرنے سے صاف اِنکار کر دیا۔ جب ہمایوں نے قندھار کی راہ لی تو اُس کے بھائی نے اُس کو ایران کی راہ دکھا دی۔ ہمایوں سب کو ہمیشہ مُعاف ہی کرتا رہا لیکن وُہ سب اُس سے دغا ہی کرتے رہے۔ ہمایوں مُروّت اور نیکی کا پُتلا تھا۔ اُس کا عفو حد درجہ کو پہنچا ہُوا تھا۔ اُس کی تمام نیکیاں ہم کو مسیحیت کی خُوبیاں یاد دلاتی ہیں۔ ہمایوں کے بھائیوں نے اُس سے یُوسف کا سا حال کیا لیکن اُس نیک بادشاہ نے یُوسف کی طرح اُن کو بار بار مُعاف کیا۔ شاہانِ مغلیہ میں ہمایوں کی عفو کی مثال نادر ہے۔ اس کی نظیر تمام مغلیہ خاندان میں موجود نہیں۔ ہر مغلیہ بادشاہ کی موت کے بعد اُس کے بیٹوں، پوتوں، بھتیجوں اور اقربا میں تخت و تاج حاصل کرنے کے لئے جنگیں شروع ہو جاتی تھیں اور جو غالب ہو جاتا تھا وُہ باقی سب کو بے دریغ قتل کر دیتا تھا یا اُن کی آنکھوں کو نکلوا دیتا تھا یا گوالیار کے قلعہ میں قید کر دیتا تھا اور افیم سے اُن کے دماغوں کو مختل کر دیتا تھا۔ بعض ہندوستان سے بھاگ جاتے تھے اور بعض تُکماً حج کرنے کو بھیج دیئے جاتے تھے۔ خاندانِ مغلیہ میں سب سے زیادہ خوش حال اُس بادشاہ کا عہدِ سلطنت رہا جس نے اپنے تمام

Marfat.com

حریفوں کو چُن چُن کر قتل کر دیا۔ اِس خاندان کے آخری بادشاہ اِس رمز کو اچھی طرح سمجھ گئے تھے اور وُہ اپنے کسی حریف کو تخت و تاج کے لائق نہ چھوڑتے تھے۔

ہمایوں کا مذہب

ہمایوں کلمہ گو مسلمان تھا لیکن کٹر سُنّی نہ تھا۔ ہم نے اُوپر ذکر کیا ہے کہ اُس نے حضرت علی کی تعریف کر کے شاہِ ایران کی خوشنودی حاصل کرلی تھی اگرچہ اُس نے شاہِ ایران کی فرمائش کو کہ وُہ ہندوستان میں شیعہ مذہب کو جاری کرے، قبول نہ کیا تھا۔ تاریخ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اُس کے عہد میں بہت ایرانی ہندوستان میں آبسے تھے مگر وُہ تقیہ کر کے کسی پر اپنا مذہب ظاہر ہونے نہیں دیتے تھے۔ اُن میں اکثر صاحبِ اقتدار ہوگئے تھے۔ حالت یہ ہوگئی کہ ایک عالم شیخ حمید سنبلی نے (جس سے ہمایوں کو اعتقاد تھا) اُس کو کہا "بادشاہ۔ مَیں آپ کے لشکر میں ہر طرف رافضی دیکھتا ہوں۔ بادشاہ نے پُوچھا کہ آپ ایسی بات کیوں کہتے ہیں؟ شیخ نے جواب دیا کہ آپ کے فوجیوں کے ہر طرف یہی نام ہیں یار علی، نہر علی، حیدر علی، محبّ علی وغیرہ۔ ہمایوں اُس وقت تصویر کھینچ رہا تھا۔ وُہ جھنجھلا اُٹھا اور غُصّہ کے مارے قلم کو زمین پر پٹخ کر کہنے لگا میں صرف یہ جانتا ہُوں کہ میرے دادا کا نام عمر شیخ تھا اور اُٹھ کر حرم سرا میں چلا گیا۔ وہاں اُس کے دل میں خیال آیا ہوگا کہ کہیں یہ عالم مجھ کو بھی رافضی سمجھ کر لوگوں کو بھڑکا نہ دے۔ حرم سرا سے نکل کر اُس نے شیخ کی دلداری کی اور یقین دلایا کہ میں سُنّی عقائد پر قائم ہُوں۔

ہم جلد سوم میں فتنۂ مونگولی کا ذکر کر چکے ہیں۔ اس کے بعد کے زمانہ میں تصوّف کی تحریک بڑھتی گئی۔ ابو الفضل ہم کو بتاتا ہے کہ ہمایوں کا دادا عمر شیخ مرزا اور پردادا ابُوسعید مرزا مشائخ کے بڑے قائل تھے۔ لیکن ہمایوں کو تصوّف کی اس قدر دُھن تھی کہ وُہ اپنے آپ کو خُدا کا مظہر سمجھ کر بنگال کے قیام کے زمانہ میں اپنے تاجِ شاہی پر اکثر نقاب ڈال دیا کرتا تھا۔ جب کبھی وُہ تاج پر سے نقاب کو ہٹاتا تھا تو درباری بول اُٹھتے تھے کہ تجلّی شد۔ جب وُہ واپس آگرہ آیا تو اُس نے یہ خواہش ظاہر کی کہ لوگ اُس کے سامنے زمین بوس ہُوا کریں لیکن اُمرا کے کہنے سُننے پر وُہ باز آیا اور زمین بوسی کی رسم کا رواج نہ ہُوا۔

مُلّا عبد القادر بدایونی نے ایک واقعہ نقل کیا ہے جو اِس سلسلہ میں پُر معنی ہے۔ وُہ لکھتا ہے کہ قیامِ ایران کے زمانہ میں ہمایوں مشہد گیا اور مزار کی زیارت کے دوران میں ایک ایرانی کو جب یہ معلوم ہُوا کہ وُہ ہمایوں ہے تو وُہ اُس کے پاس آیا اور اُس کے کان میں کہنے لگا: بابُ

Marfat.com

تو پھر خدائی کا دعویٰ کرے گا"۔

بہرحال ہمایوں کو گروہِ صوفیہ سے خاص عقیدت تھی جس کی وجہ سے وہ شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے خلفا میں سے تھا۔ شیخ موصوف کے خلفا میں ہمایوں بادشاہ کے علاوہ حضرت جلال الدین تھانیسری اور حضرت مجدد سرہندی کے والد شیخ عبدالاحد تھے جن کا ذکر ہم انشاء اللہ آگے چل کر کریں گے۔

ہمایوں تسخیرِ کواکب اور دعواتِ واعمال اور دیگر توہمات کا بڑا قائل تھا۔ چنانچہ وہ شیخ محمد غوث اور اس کے بڑے بھائی شیخ پھول کا بے حد معتقد تھا اور وہ اُس کے مصاحب اور پیر شمار کئے جاتے تھے۔ وہ ان سے عملِ تسخیر سیکھا کرتا تھا۔ جب اُس کی سلطنت کا کام بگڑ رہا تھا اور وہ خود بنگال میں تھا اور اُس کے بھائی مرزا ہندال نے تختِ سلطنت پر ہاتھ مارنا چاہا تو ہمایوں نے بھائی کی فہمائش کے لئے شیخ پھول کو بھیجا جس کو مرزا ہندال نے قتل کر دیا۔

ہمایوں عموماً علما کے ساتھ اعزاز و اکرام کے ساتھ پیش آتا تھا۔ وہ مُلّا عبداللہ سلطانپوری کا خاص ادب کرتا تھا اور اُس نے اُس کو "مخدوم الملک" اور "شیخ الاسلام" کے خطاب بھی دیئے تھے۔ اگرچہ بعض کا یہ قول ہے کہ اُس کو شیر شاہؒ نے شیخ الاسلام بنایا تھا۔ ہم اس عالم کا مفصل حال آگے چل کر لکھیں گے۔ شیر شاہ اور سلیم شاہ کی بادشاہی میں اس کا ستارۂ اقبال بلند تھا۔ جب ہمایوں کابل فتح کر کے ہندوستان کی جانب بڑھا تو مُلّا صاحب نے اُس کی آؤ بھگت کی اور جب اُس نے ہندوستان پر قبضہ کر لیا تو مُلائے سلطانپوری اُس کے خاص الخاص صلاح کار اور مختارِ کل ہو گئے۔

ہمیں تا حال یہ معلوم نہیں کہ بابر اور ہمایوں کے زمانہ میں یعنی سولھویں صدی کے پہلے نصف میں شمالی ہند میں مسیحیت اور مسیحی کلیسیاؤں کا کیا حال تھا۔ ہمیں اُمید ہے کہ مستقبل کے زمانہ میں کوئی مؤرخ کلیسیائی تاریخ کے اس تاریک زمانہ پر روشنی ڈالے گا۔ قرائن سے تو یوں ہی معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح البیرونی کے زمانہ میں ہندوستان میں بودھ نہ رہے تھے حالانکہ ایک وقت تھا جب وہ ہمالیہ سے راس کماری تک پھیلے ہوئے تھے اسی طرح تیمور کی تلوار کے بعد اسلامی غلبہ نے شمالی ہند میں مسیحی کلیسیاؤں کا استیصال کر دیا تھا اور اکا دکا کلیسیا ہی شمالی ہند کے وسیع علاقوں کے دور افتادہ گوشوں میں گمنامی کی زندگی بسر کر رہی ہوں گی۔

Marfat.com

ہمایوں کی وفات

ہندوستان کے مؤرخ ہمایوں کی سلطنت کا زمانہ سنہ ۱۵۳۰ء سے سنہ ۱۵۵۶ء تک تعین کرتے ہیں لیکن درحقیقت ہمایوں کی سلطنت قریباً گیارہ سال رہی۔ یعنی سنہ ۱۵۳۰ء سے سنہ ۱۵۴۰ء تک دس سال پہلی مرتبہ رہی۔ سنہ ۱۵۴۰ء سے سنہ ۱۵۵۶ء تک کا تمام زمانہ جلاوطنی میں گذرا جب سلطنت کی باگ ڈور شیر خان افغان اور اس کے جانشینوں کے ہاتھوں میں رہی سنہ ۱۵۵۶ء میں ہمایوں نے شاہِ ایران کی مدد سے ہندوستان پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ لیکن اسی سال فتح کے چھ ماہ بعد وہ اپنے مکتب خانہ کے زینہ پر سے گر کر جاں بحق ہو گیا۔ اُس کی وفات کی تاریخ "ہمایوں بادشاہ از بام افتاد" ہے۔ وہ ۲۴۔ جنوری سنہ ۱۵۵۶ء کے روز اپنی عُمر کے ۴۹ سال میں راہیٔ مُلکِ بقا ہو گیا۔

ہمایوں کا مقبرہ سنہ ۹۷۷ھ میں شہر دہلی میں دریائے جمنا کے کنارے پر اکبر نے مرزا غیاث کے اہتمام سے آٹھ برس میں بنوایا۔ یہ مقبرہ تمام کا تمام سنگین ہے۔ اس کے اُبھرے نقش۔ صنعت کاری اور گلتراشی وغیرہ دیکھ کر انسانی عقل ورطۂ حیرت میں پڑ جاتی ہے۔

Marfat.com

باب سوم

جلالُ الدّین محُمّد اکبر بادشاہ

فصل اوّل

خصائلِ اکبر

پیدائش وطفولیّت

جس زمانہ میں ہمایوں شیر شاہ کے ہاتھوں پریشان تھا اُس نے ایک دفعہ اپنی ماں کے گھر میں ایک سیّد کی بیٹی کو دیکھا جس کے حسن وجمال پر وُہ فریفتہ ہوگیا۔ اس خاتون کا نام حمیدہ بیگم تھا۔ ہمایوں نے اُس سے نکاح کرلیا۔ وُہ ہمایوں کے ساتھ ساتھ اُس کی مُصیبتوں کے شریکِ حال رہی جب وُہ جودھپور کے سفر سے پھرا اور سندھ کی طرف آیا تو ایّامِ ولادت بُہت نزدیک تھے۔ ہمایوں اپنی بیگم کو میر شمس الدّین محمد خان کے ساتھ امرکوٹ میں چھوڑ کر لڑائی کرنے چلاگیا۔ اکبر ابھی پیدا نہ ہُوا تھا کہ بادشاہ بیگم نے شمسُ الدین کی بیوی سے کہا کہ جب میرے ہاں لڑکا پیدا ہوگا تو اُسے تُم دُودھ پلانا۔ جب اکبر پیدا ہُوا تو اُس کا نام بدرُ الدّین محمد اکبر رکھا گیا کیونکہ اُس کے نانا کا نام علی اکبر جامی تھا۔ اکبر ۲۳۔ نومبر ۱۵۴۲ء کے روز پیدا ہُوا۔ جب اُس کا ختنہ ہُوا تو اُس کا نام اور تاریخ ولادت دونوں تبدیل کر دیئے گئے تاکہ اُس کا کوئی دُشمن اُس کی صحیح تاریخِ پیدائش کا علم حاصل کر کے کسی مُنجّم کے ذریعہ اُس کو نقصان نہ پہنچا سکے۔ اُس کا نام جلال الدّین محمد اکبر اور تاریخ ۱۵۔ اکتوبر ۱۵۴۲ء قرار پائی۔ چُونکہ اکبر کی پیدائش بیابان میں ہُوئی تھی، صحیح تاریخ کا پتہ معلُوم کرنا بھی ایک مشکل امر تھا۔ اس کی پیدائش کی تاریخ ہے:۔ ع

شبِ یکشنبہ و پنج رجب است

Marfat.com

جس میں خوبی یہ ہے کہ سن۔ مہینہ وقت پیدائش دن اور تاریخ سب موجود ہے۔ بحساب ابجد ۹۴۹ھ ہوتا ہے۔ ہمایوں خود ہیئت دان اور علم نجوم کا ماہر تھا۔ وہ اکثر اکبر کے زائچہ کو دیکھا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ یہ لڑکا امیر تیمور صاحبقران سے بھی زیادہ مبارک ہے۔

اکبر نے میر شمس الدین کی بیوی کا دودھ پیا۔ جس بچے کی ماں کا دودھ پیا جاتا تھا وہ "کوکہ" کہلاتا تھا۔ اس کے رشتہ داروں کی بڑی خاطر ہوا کرتی تھی اور اُن کا حق سلطنت میں شریک ہوتا تھا اور بچہ کو "کوکلتاش خان" کا خطاب ملتا تھا۔ اکبر میر شمس الدین کی بیوی کی بڑی عزت کرتا تھا اور اس کو "جیجی" کہا کرتا تھا اور اپنے دودھ بھائی کو مرزا عزیز اور مرزا کوکہ کہا کرتا تھا۔ دونوں ہم عمر تھے اور ساتھ کھیل کر بڑے ہوئے تھے۔ اکبر اس کی بڑی نازبرداری کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ جب مجھے اس پر غصہ آتا ہے تو میں دیکھتا ہوں کہ ہم دونوں کے درمیان دودھ کا دریا بہتا ہے اور میں چپ رہ جاتا ہوں۔ جب "جیجی" کا انتقال ہوا تو اکبر نے جنازے کو کندھا دیا اور چنگیزی آئین کے مطابق چار آبرو کی صفائی کی۔ اکبر کے غم و ماتم کو دیکھ کر بہتیرے لوگوں نے اپنی ڈاڑھیوں کی صفائی کر دی۔ مرزا عزیز کوکلتاش کے حالات ہم انشاءاللہ آگے چل کر بیان کریں گے۔

جب اکبر چار برس کا ہوا تو ہمایوں نے بیٹے کی بسم اللہ کی۔ یکے بعد دیگرے تین استاد مقرر ہوئے۔ لیکن اکبر پڑھنے سے کوسوں دور بھاگتا تھا اور جب تک کابل میں رہا وہ شہسواری، شترسواری، سگ تازی، کبوتر بازی وغیرہ میں ہی الجھا رہا۔ ہندوستان میں آکر بھی اس کے یہی شوق رہے۔ کبھی کبھار کتاب لے بیٹھتا تھا لیکن شکار کھیلنے، نیزہ بازی، چوگان بازی، تیراندازی میں اور ہاتھیوں کی لڑائی وغیرہ میں زیادہ دلچسپی رکھتا تھا۔

تخت نشینی

ہمایوں نے دہلی کی فتح کے بعد ۹۶۳ھ میں اکبر کو فوج دے کر پنجاب کی جانب روانہ کیا تاکہ باغی پٹھانوں کا جو پنجاب کے پہاڑوں میں چھپے ہوئے تھے قلع قمع کرے۔ اس مہم کے سب کاروبار خان خانان بیرم خان[1] کے ہاتھ میں دیئے جس کو اکبر "خان بابا" کہتا تھا کیونکہ وہ اس کا اتالیق تھا۔ دفعتہً ہمایوں کے مرنے کی خبر پہنچی۔ خانخاناں نے امرا کو جمع کیا اور اتفاق رائے سے اکبر کو ۲ ربیع الثانی ۹۶۳ھ / ۱۵۵۶ء کے روز نماز جمعہ کے بعد کلانور میں تخت پر بٹھایا۔ چنگیزی قانون اور تیموری آئین کے مطابق جشن شاہانہ کی تمام رسمیں ادا کی گئیں۔ اکبر کی عمر قریباً ۱۴ سال کی تھی۔ خلعت۔ انعام۔ جاگیریں

[1] فارسی لفظ "خان" عربی لفظ "امیر" کا مترادف ہے جو ترک اور افغان امرا اور حکام کے لئے مستعمل ہوتا تھا۔ ابتداً

وغیرہ عطا کی گئیں۔ اُمرا کے منصب بڑھے اَور بیرم خان کو اتالیقی اَور سپہ سالاری کے علاوہ وکیل مطلق کا منصب عطا ہُوا۔

خانِ خاناں کے دشمن اَور حاسد بہتیرے تھے۔ محل کے اندر اَور باہر وُہ اکبر بادشاہ کو بات بات پر اُکساتے رہتے تھے۔ کبھی کہتے تھے کہ بیرم خان حضُور کو بچہ سمجھ کر خاطر میں نہیں لاتا۔ کبھی کہتے کہ شاہِ ایران کے ساتھ اُس کی خط و کتابت ہے اَور وُہ اُس کو تحائف بھیجتا ہے۔ کبھی اُس کے اختیارات کی قباحتیں دکھا کر تنکے کو پہاڑ کر دکھاتے اَور کہتے اگر بیرم خان رہا تو آپ کی سلطنت نہ رہے گی۔ ان اندیشوں کی لگائی بجھائی سے اکبر کا دل پھر گیا۔ اُس نے ۹۶۸ھ میں تمام اختیارات اپنے ہاتھوں میں لے لئے۔ اکبر کے لئے یہ نہایت نازک موقعہ تھا۔ وُہ ایک بے علم، نوخیز، ناتجربہ کار سترہ سالہ نوجوان تھا۔ ابھی اُس کے مخالف ہر جانب ڈیرے ڈالے پڑے تھے۔ اُس کے اُمرا دو رُخے تھے جن کی بے وفائی نے ہمایوں کو چھوٹے بھائیوں کے ہاتھوں تباہ حال کر دیا تھا۔ نوجوان بادشاہ کسی امیر کی نگاہ میں نہ جچتا تھا۔ بیرم خان جیسے آزمُودہ کار شخص کا دفعتہً دربار سے خارج کیا جانا مشکلات سے خالی نہ تھا لیکن خُدا نے اکبر کو ایسی لیاقتیں عطا کی تھیں جو کسی کسی بادشاہ کو ہی نصیب ہوتی ہیں۔ اُس نے حکومت کو ہاتھ میں لیتے ہی ایسی دانشمندی سے کام لیا کہ اغیار اَور سلطنت کے درپردہ دشمن دیکھتے ہی رہ گئے جو لوگ اکبر کے پردے میں بادشاہت کرنا چاہتے تھے وُہ چند مہینوں کے اندر خُود ختم ہو گئے اَور اقتدار صرف اکبر کے ہاتھ میں رہا۔ اُس نے امورِ سلطنت کو اس خوبی سے سرانجام دیا اَور اپنے دورِ حکومت میں ایسے کارہائے نمایاں کئے کہ اُس نے تاریخ میں "مغلِ اعظم" کا نام پایا ہے۔ اُس کا نام یورپ اَور ایشیا کے دیگر جلیل القدر بادشاہوں کی قطار میں پایا جاتا ہے، جنھوں نے سولہویں صدی میں حکومت کی۔ مثلاً انگلستان کی ملکہ الزبتھ اوّل۔ سلطانِ ترکی سلیمان اعظم اَور شاہِ ایران عباس صفوی، جنھوں نے تلوار اَور سیاسی عقل سے کام لے کر دُنیا میں نام پیدا کیا ہے۔

اکبر کے ہم عصر مسیحی بادشاہ

جب ہم اکبر کے ہم عصر ممالکِ مغرب کے نام نہاد مسیحی حکمرانوں کی جانب نظر کرتے ہیں تو اُس کی عظمت ہماری نظروں میں اَور بھی بڑھ جاتی ہے۔ اُس کا زمانہ ۱۵۴۲ء سے ۱۶۰۵ء تک کا تھا۔ مغرب میں ظالم سیزرے بورجیا (Cesare Borgia) ابھی مرا تھا۔ ۱۵۲۷ء کے سات ماہ رُومتہ الکبریٰ کی تباہی کا وحشت ناک زمانہ دیکھ چکے تھے۔ سینٹ برتھولومیو کے دن (St. Bartholomew)

Marfat.com

کا وحشیانہ قتل عام ۱۵۷۲ء میں ہوا۔ ۱۵۸۸ء میں سلطنتِ ہسپانیہ کے جنگی بیڑے "آرمیڈا" کو شکست ملی۔ ۱۶۰۰ء میں فلاسفر برونو (Jordano Bruno) روم میں زندہ آگ میں جلا دیا گیا۔ انگلستان میں ۱۷۱۲ء تک جادو گرنیوں کو سزائے موت دی جاتی تھی۔ حالانکہ انگلستان میں ملکہ الزبتھ ۱۵۵۸ء سے ۱۶۰۳ء تک حکمران رہ چکی تھی اور اکبر کی ہمعصر تھی۔ فرانس میں تو جادوگرنیاں ۱۷۱۸ء تک اور ہسپانیہ میں ۱۷۸۰ء تک آگ میں زندہ جلائی جاتی تھیں۔ ۱۶۲۰ء میں کیپلر Kepler کی خالہ کو جادوگرنی ہونے کے الزام میں زندہ آگ میں جلا دیا گیا اور اس نے بہزار دِقّت دوڑ دھوپ کر کے اپنی ماں کو اسی خوفناک انجام سے بچایا تھا۔ کیپلر (تاریخ وفات ۱۶۳۰ء) خود جادو ٹونکہ اور سحر کا قائل تھا حالانکہ وسط یورپ کے تمام ممالک میں وہ اوّل درجہ کا سائنس دان تھا۔ ممالکِ روس۔ فرانس۔ ہسپانیہ۔ پرتگال۔ اٹلی اور جرمنی کی حکومتوں کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ قرونِ وسطیٰ میں مغربی ممالک کی عدالتوں میں حیوانات پر باقاعدہ قانونی طور پر مقدمات چلائے جاتے تھے۔ اُن کے خلاف اور اُن کی طرف سے وکیل اور گواہ ہوتے تھے۔ جرح کے بعد ان بے زبانوں کو یا سزا دی جاتی تھی، یا اُن کو بری قرار دیا جاتا تھا۔ چنانچہ ایک صدی میں ایسے دو صد مقدمات کا ذکر پایا جاتا ہے جن میں بیلوں۔ گھوڑوں۔ چوہوں۔ کیڑے مکوڑوں۔ ریچھوں۔ پاگل کتوں۔ سؤروں۔ بلیوں۔ بکریوں۔ سانپوں وغیرہ پر مقدمات کیے گئے اور اُن کو پھانسی دی گئی یا آگ میں جلا دیا گیا[1]۔ حق تو یہ ہے کہ اکبر کے زمانہ میں ہندوستان کی علمی حالت ملکہ انگلستان ایلزبتھ کی رعایا سے بدرجہا بہتر تھی۔ انگلستان کے ملک الشعراء لارڈ ٹینی سن Lord Tenyson نے درست لکھا ہے کہ اکبر کی رواداری اور مذہبی عصبیت سے نفرت انگلستان کے ٹیوڈر Tudor خاندان کے حکمرانوں کو شرم دلاتی ہے[2]۔

اکبر کے ایک صدی بعد ۱۷۰۹ء میں فرانس کے دیہاتیوں کی زبوں حالی کا اندازہ کتاب (Memoirs de Saint Simon) کے باب ۲۹ کے مطالعہ سے ہوتا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ سال فرانس کے لئے مصیبتوں کا سال تھا لیکن اکبر نے ایسے وقتوں میں خوراک مُفت تقسیم کی تھی ٹیکس معاف کر دئے تھے اور تقاوی دے کر رعایا کو بچا لیا تھا۔ انگلستان

---

1. Readers Digest for Dec. 1961.
2. (See note to his poem, Akbar's Dream)

Marfat.com

کے دیہاتیوں کی حالت کا اندازہ پروفیسر تھورولڈ روجر (Thorold Roger) کی کتاب History of Prices. اور جریدہ Nineteenth Century. بابت جُون ۱۸۹۳ء کے مطالعہ سے ہو سکتا ہے۔ ۱۵۳۰ء میں مارٹن لُوتھر جیسا روشن دماغ مُصلح ابلیس اور شیاطین سے شخصی جنگ کیا کرتا تھا۔ ۱۶۲۱ء میں Blaise Paschal پاسکل ایک سال کا بچّہ تو یہ یقین کیا جانے لگا کہ کسی نے اُس پہ جادُو منتر پڑھ دیا ہے۔ اس کا علاج یہ تجویز کیا گیا تھا کہ ایک پلاستر ایسی جڑی بُوٹیوں سے بنایا جائے جن کو ایک سات سالہ معصُوم دوشیزہ طلوعِ آفتاب سے پہلے اکٹھا کرے اور جادُوگرنی کی بلّی کے خُون میں اِس پلاستر کو تیار کیا جائے۔

لیکن جہاں مغربی ممالک کی جہالت اور وحشیانہ خُونریزی کا یہ حال تھا وہاں مسیحی کلیساؤں میں بیداری بھی شروع ہوگئی اور مذہبی رسُوم و عقائد میں اصلاح کی گئی۔ چھاپہ ایجاد کیا گیا اور بائبل کتابِ مُقدّس کا ترجمہ عوام کی زبان میں ہونے لگا۔ ۱۵۴۰ء میں انگریزی زبان میں پہلی علمی کتاب حساب کے مضمُون پر چھپی جس کا مصنّف رابرٹ ریکارڈ Robert Recorde. تھا۔ ۱۵۹۳ء میں شیکسپیئر کی پہلی نظم چھپی۔ ۱۶۷۹ء میں جا کر ایکٹ ہے ٹیبس کورپس" Habeas Corpus Act. کا اجرا بعہدِ چارلس دوم ہوا جس کی رُو سے ملزموں کو اصالتاً عدالت کے سامنے پیش کئے جانے اور اُن پر باقاعدہ مُقدمہ چلانے کا حق حاصل ہُوا۔

غرضیکہ اکبر کی دانش اور سیاسی عقلمندی نے اُس کی سلطنت کو مستحکم کر دیا۔ اُس کا باپ ہمایوں اور دادا بابر سالہا سال تک شکستوں پر شکستیں کھاتے رہے اور جب اُنہوں نے فتح حاصل کی تو عُمر نے وفا نہ کی۔ لیکن اکبر کا یہ حال تھا کہ اُس کی فوج ظفر موج نے جدھر کا رُخ کیا فتح اُس کے ہمرکاب رہی۔ متواتر فتوحات کی وجہ سے اُس کی تمام ہندوستان میں دھاک بندھ گئی اور یہ مشہور ہوگیا کہ اکبر نے تسخیرِ آفتاب کا عمل پڑھا ہے اب اس پر کوئی فتح نہیں پا سکتا۔

اکبر کا مطمحِ نظر معیاری تھا اور وہ حد درجہ کی کوشش کرتا تھا کہ اُس پہ کاربند ہو۔ رُوئے زمین کے بادشاہوں میں غالباً قیصر مارکس آریلیس Marcus Aurelius. ہی ایک ایسا فرمانروا ہُوا ہے جس کا معیار اکبر سے زیادہ بلند تھا۔ مغربی ممالک کے بادشاہوں نے جیسا ہم اُوپر ذکر کر آئے ہیں ایسے معیار پر عمل کرنے کی اکبر کی طرح کوشش نہ کی۔ مشرقی ممالک کا کوئی فرمانروا اُس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ چنانچہ "دبستانِ مذاہب" کا مُصنّف ہم کو بتلاتا ہے کہ اکبر کا قول تھا کہ بادشاہی اور سرداری کا اصل مقصد رعایا کی پاسبانی ہے۔ بادشاہ کے لئے واجب ہے کہ خلقِ خُدا کی خدمت کرے اور اُن کے مذہبی معاملات میں دخل نہ دے

Marfat.com

کیونکہ اگر کوئی شخص حق پر ہے تو تم حق کی مخالفت کرتے ہو اور اگر تم سچائی پر ہو اور وہ بے جانے بوجھے حق کے خلاف چل رہا ہے تو وہ قابلِ رحم شخص ہے۔ اس پر زیادتی مت کرو۔

اکبر کی ہمت اور دلاوری

اکبر میں تیموری اور چنگیزی خون تھا جس کی وجہ سے اس میں جرأت۔ دلاوری۔ شجاعت اور ملک گیری کی ہوس تھی۔ وہ شکار کا دیوانہ تھا۔ شیر کو تلوار سے مارتا تھا اور ہاتھی کو زور سے زیر کرتا تھا۔ وہ حد درجہ کا جفاکش تھا۔ جنگی مہموں کی تھکاوٹ اتارنے کے لئے وہ جنگلی ہاتھیوں اور چیتوں کا شکار کھیلتا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے ایک ہی دن میں ساڑھے تین سو ہاتھیوں کو پکڑا اور وحشی گدھوں کا ۳۵ میل تک پیچھا کر کے وہ ان میں سے سولہ کو مار لایا۔ ایک دفعہ ایک ہی دن رات میں اس نے اجمیر سے آگرہ کی دو سو چالیس میل کی مسافت طے کر لی۔ اس کے گھوڑے تھک کر چور ہو جاتے تھے اور ہار کر اس کا ساتھ نہ دے سکتے تھے لیکن وہ جانتا ہی نہ تھا کہ تکان کس کو کہتے ہیں۔

گجرات کی یلغار میں اس نے ۶۰۰ میل کی چالیس منزلوں کو نو دنوں میں طے کر لیا۔ اس کی فوج بہت پیچھے رہ گئی۔ صرف تین ہزار نفوس ہی اس کا ساتھ دے سکے۔ جب احمد آباد تین کوس رہ گیا اور اکبری فوج کے نقاروں کی چوٹ سے ہر طرف گونجیں اٹھیں تو باغیوں کے لشکر میں کھلبلی مچ گئی۔ ان کا سپہ سالار خود دیکھنے گیا کہ کون آتا ہے۔ ابھی نور کا تڑکا تھا۔ اکبر کا جاسوس میدان دیکھتا پھرتا تھا۔ اس سے پوچھا کہ یہ کس کا لشکر ہے۔ جواب ملا کہ اکبری فوج ہے اور بادشاہ خود سپہ سالار ہے۔ اس نے کہا کہ تم ہم کو ڈراتے ہو آج چودھواں دن ہے کہ ہمارے جاسوسوں نے بادشاہ کو آگرہ میں دیکھا ہے۔ یہ مہینوں کا راستہ اتنی جلدی کس طرح طے ہو سکتا ہے۔ جواب ملا کہ آج رکاب میں قدم رکھے نواں دن ہے۔ راستے میں سانس بھی نہیں لیا۔

اکبر نے فوراً حملہ کر دیا۔ اور اس کا لشکر اللہ اکبر، یا ہادی یا معین کے نعرے مار کر غنیم پر جا پڑا۔ باغی فوج کے قدم اکھڑ گئے۔ بغاوت کا سرغنہ پکڑا گیا۔ جب اکبر کے پاس لایا گیا تو اس نے پانی پینے کو مانگا۔ کسی نے کہا کہ ایسے نمک حرام کو پیاسا مار ڈالو۔ لیکن اکبر نہایت رحمدل تھا اس نے اپنے چھاگل سے پانی پلوایا اور کہا اب ایسی باتوں کی کیا ضرورت ہے۔ تیموری روایات کے مطابق دو ہزار مقتول سپاہیوں کی کھوپڑیوں سے کلہ مینار کھڑا کر دیا گیا۔

اکبر فطرتاً رحمدل واقع ہوا تھا۔ تخت نشینی کے بعد جب ہیموں بقال باغی گرفتار ہو کر اکبر کے سامنے پیش کیا گیا تو دربار کے صدر الصدور نے کہا "حضور کا پہلا جہاد ہے۔ اس کشتنی

Marfat.com

کو اپنے ہاتھ سے قتل کریں تاکہ جہادِ اکبر ہو۔ اکبر کو ترس آیا اور کہا کہ یہ تو آپ مر رہا ہے اس کو کیا ماروں۔ بیرم خان نے بادشاہ کی مرضی دیکھ کر یہ شعر پڑھا:

چہ حاجت تیغِ شاہی را بخونِ ہر کس آلودن

تو بنشین و اشارت کن بچشمے یا بہ ابروئے

اور اس کو قتل کر دیا۔ خود بیرم خان نے جب سرکشی کی اور اکبر کی فوج میں آیا، تو بادشاہ نے حکم دیا کہ تمام اُمرائے دربار استقبال کو جائیں اور اُس کو عزت و احترام کے ساتھ لائیں۔ اُس نے آکر بادشاہ کے پاؤں پر سر رکھ دیا اور ڈاڑھیں مار کر رونے لگا۔ بادشاہ کے بھی آنسو نکل پڑے۔ اُس کو اُٹھا کر دہنے ہاتھ اپنے پہلو میں بٹھایا۔

جوانی کے ایام میں جب تیموری خون اکبر کی رگوں میں جوش زن ہوتا تھا تو اکبر بعض اوقات ظلم و ستم کا پتلا بن جاتا تھا اور میدانِ جنگ میں فتح پانے کے بعد اپنے مغل اسلاف کی طرح کلہ منار بنانے کا حکم دیا کرتا تھا۔ مثلاً جب حکومت کے بارھویں سال میں اُس نے چتوڑ کو فتح کیا تو آٹھ ہزار راجپوتوں کو قتل کر دیا۔ حکومت کے اٹھارھویں سال میں ہزیمت یافتہ دشمن کے سپاہیوں کے سروں کا منارہ بنوایا۔ بعض اوقات وہ لوگوں کو وحشیانہ سزائیں اور طرح طرح کے عذاب بھی دیتا تھا۔ قیدیوں کی زبانیں نکلوا دیتا تھا۔ باغیوں کے جسموں میں میخیں ٹھونک کر ہلاک کرواتا تھا۔ لیکن وہ فطرتاً رحمدل تھا مثلاً اُس نے اپنی حکومت کے ساتویں سال میں حکم دیا کہ جو عورتیں اور بچے قید ہو جائیں اُن کو لونڈی غلام نہ بنایا جائے۔ وہ کسی شہر پر حملہ نہیں کرتا تھا، تاوقتیکہ نقاروں کے ذریعہ غنیم کو خبردار نہ کر لے۔ اُس کی طبیعت نرمی اور مسالمت کی جانب مائل تھی چنانچہ اُس کی جنگوں کی نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ جب کبھی اُس کے لشکر کو کسانوں کے کھیتوں میں سے گذرنا پڑتا تھا تو وہ اس بات کا خاص خیال رکھتا تھا کہ اُن کے نقصان کی تلافی ہو جائے۔ وہ اس قدر انصاف پرور تھا کہ سزا دیتے وقت تامل سے کام لیتا تھا۔ بالخصوص سزائے موت میں وہ خاص احتیاط سے کام لیتا تھا۔ جب وہ کسی شہر میں ہوتا تو سزائے موت کے لئے اُس کی اجازت حاصل کرنی پڑتی تھی۔

شراب نوشی اور زناکاری کا انسداد اکبر خود غرض اور لالچی حکام کو سخت سزائیں دیتا تھا۔ ممالکِ محروسہ کے کارکنوں کو حکم تھا کہ شراب کی درآمد کرنے والوں، نشہ بازوں اور بے اعتدالی سے پینے والوں اور کھینچنے والوں

Marfat.com

کو عبرتناک سزائیں دیں۔ نرخ سرکار کی طرف سے مقرر تھا جس کو ضرورت ہو رجسٹر میں اپنا نام ولدیت قومیت اور پتہ سمیت لکھوا کر خرید سکتا تھا۔ اکبر نے خود بادہ خواری کے شعر کہے ہیں۔ چنانچہ ذیل کا قطعہ ملاحظہ ہو ؎

دوشینہ بکوئے مے فروشاں پیمانۂ مے بزر خریدم
اکنوں زخمار سرگرانم زر دادم و دردِ سر خریدم

لیکن جشن کے موقعہ پر چشم پوشی سے کام لیا جاتا تھا۔ چنانچہ ۹۹۸ھ کے جشن میں دربارِ خاص تھا اور شراب کا دور چل رہا تھا۔ جب میر عبدالحی صدرِ جہاں مفتی کل ممالکِ ہندوستان نے شراب کے جام لنڈھائے تو اکبر نے مسکرا کر حافظ کا یہ شعر پڑھا ؎

در عہدِ بادشاہِ خطا بخش جرم پوش
قاضی پیالہ کش شد و مفتی قرابہ نوش

اکبر کے دارالسلطنت میں بے شمار فاحشہ عورتیں تھیں۔ ۹۹۰ھ میں اکبر نے ان سب کو شہر کے باہر ایک جگہ بسا دیا اور اس کا نام شیطان پورہ رکھا۔ ان کے لئے محافظ، داروغہ، منشی چوکیدار وغیرہ مقرر ہوئے اور ان کو حکم دیا کہ وہ ان سب لوگوں کے نام لکھ لیا کریں جو ان عورتوں کے پاس آئیں یا ان کو اپنے گھروں پر بلوائیں۔ کنواری لڑکیوں سے زنا کرنے والوں کو سخت سزائیں دی جاتی تھیں۔ کسی کو یہ مجال نہ تھا کہ کوئی بادشاہ کی اجازت کے بغیر کسی نوچی کو اپنے گھر بلوائے۔ اگر کوئی درباری کسی کنواری لڑکی کی خواہش کرتا تو داروغہ اس کا بیان لے کر عدالت سے اجازت حاصل کرتا تھا۔ پھر بھی اندر ہی اندر کام ہو جاتے تھے۔ پتہ لگ جاتا تو بادشاہ عورت کو بلوا کر خود پوچھتا اور پتہ لگنے پر ایسے امیر کو سزا دیتا۔ اکبر نے خاص خاص فاحشہ عورتوں کو بلوا کر ان سے پوچھا کہ کس شخص نے پہلے پہل ان کو کنوارپنے سے محروم کیا تھا۔ ان کے بتلانے پر بعض نہایت مشہور متقی اور معزز اشخاص پکڑے گئے۔ بعض کو سزائیں دی گئیں اور بعض کو طویل مدت کے لئے قید میں ڈال دیا گیا۔

اکبر گو ترک تھا لیکن لواطت یعنی خلافِ فطری وضع سے اس کو سخت نفرت تھی جب اس کو معلوم ہو جاتا تو سخت سزا دیتا تھا اور کسی عالی مرتبت درباری کو بھی نہ چھوڑتا تھا۔

نکاح کے بارے میں اکبر نے حکم دیا کہ کوئی شادی بیاہ اطلاع کے بغیر عمل میں نہ آئے۔ عوام کی شادی ہو تو دولہا دلہن کی رپورٹ کوتوالی میں دی جائے۔ لڑکا ۱۶ برس اور لڑکی ۱۴ برس

Marfat.com

سے پہلے نہ بیاہی جائے ۔ کوئی شخص کسی ایسی عورت سے شادی نہ کرے جو اُس سے بارہ برس بڑی ہو یا چچا یا ماموں وغیرہ کی بیٹی سے شادی نہ ہو۔ اکبر نے بیاہ کے لئے طرفین کی رضا مندی اور والدین کی اجازت لازمی کر دی اور مہر کی زیادتی بند کر دی ۔ اُس نے حکم دیا کہ جو عورت آوارہ پھرتی ہو اُس کو شیطان پورہ میں بھیج دیا جائے ۔ کوئی مرد ایک عورت سے زیادہ نکاح نہ کرے جب تک کہ بیوی بانجھ نہ ہو۔ اگر کوئی بیوہ نکاح کرنا چاہے تو کوئی نہ روکے ۔ جس ہندو عورت نے اپنے خاوند سے کامیابی نہ پائی ہو اور وہ بیوہ ہو جائے تو وہ ستی نہ ہو۔ جب ہندوؤں نے اعتراض کیا تو بادشاہ نے کہا کہ اگر تمہارا اعتراض درست ہے تو رنڈوے مرد بھی ستی ہوں یا کم از کم وہ دوسری جورو نہ کرنے کا اقرار نامہ لکھ دیں ۔ جب راجہ جیمل مرگیا اور اکبر نے سنا کہ اُس کی رانی کو زبردستی ستی کرنا چاہتے ہیں تو وہ خود فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر آندھی کی مانند موقعۂ واردات پر پہنچ گیا اور زبردستی کرنے والوں کو قید کئے جانے کا حکم دیا اور رانی کی جان بچا لی ۔

جب اکبر شکار کے لئے کہیں نکل جاتا تھا تو بھیس بدل کر رعایا کا حال معلوم کیا کرتا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چھوٹے بڑے افسروں کو یہ جرأت نہ ہوتی تھی کہ رعایا پر ظلم کریں ۔ وہ رعیت کی شکایات سنتا اور فریاد رسی کرتا تھا۔ اُن سے خلق و محبت سے بولتا تھا۔ غریبوں کی خاطر داری کرتا تھا اور ملک کی خوش حالی اور لوگوں کی فارغ البالی کا خیال رکھتا تھا۔

اکبر کے دستر خوان پر ہر روز مختلف اقسام کے ایک سو کھانے چنے جاتے تھے لیکن وہ خود بہت کم خور تھا۔ ایک روز مختلف کھانوں کو دیکھ کر اُس کے دل میں خیال آیا کہ میرے سامنے طرح طرح کے خوانِ نعمت پڑے ہیں اور میری سلطنت میں بہت لوگ ایسے بھی ہیں جن کو روزانہ روٹی بھی نصیب نہیں ہوتی۔ پس اُس نے حکم دیا کہ پہلے بھوکوں کو اور فاقہ کشوں کو کھانا کھلایا جائے اور پھر اُس کے سامنے دستر خوان چنا جاتے ۔ وہ گوشت کی بجائے پھل کھانے کا بہت شوقین تھا اور اُس نے ایران و تاتار سے ذائقہ دار اور خوشنما پھلدار درخت منگوا کر اپنی سلطنت کے مختلف شہروں میں لگوا دیئے ۔ کھیتوں کی زرخیزی اور کھیتی باڑی میں وہ بہت دلچسپی لیتا تھا ۔ اُس کو اپنی رعایا کی مرفہ الحالی کا بڑا خیال تھا جس کی وجہ سے بیدار مغز طبقہ طرح طرح کی ایجادوں میں دلچسپی لیتا تھا۔ اُس کے ایک انجینئر نے آٹا پیسنے کی چکی ایجاد کی جو خود بخود چلتی تھی[1]۔

1. The Times of India, Delhi, May 10, 1963.

Marfat.com

فصل دوم

اکبر اور اُس کی ہندو رعایا

اکبر کی مصلحت اور دُور اندیشی

بابر نے ۱۲ اپریل ۱۵۲۶ء کے روز پانی پت کا میدان فتح کیا تھا۔ اِس واقعہ کے تیس سال بعد اکبر ۱۴ فروری ۱۵۵۶ء کے روز تخت نشین ہوا۔ اجل نے بابر اور ہمایوں دونوں کو فُرصت نہ دی کہ جنگوں سے فراغت حاصل کر کے ہندوستان کے لوگوں کا خیال کریں۔ مغل ہندوستان میں پردیسی حملہ آور ہو کر آئے اور عہد اکبری تک پردیسی بن کر ہی رہے۔ دہلی کی اسلامی سلطنت کے زمانہ میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں جو خلیج شروع ہوئی وہ گذشتہ آٹھ صدیوں میں بڑھتی ہی چلی گئی تھی اور زمانہ کے امتداد کے ساتھ ہندوؤں اور مسلمانوں میں مخاصمت اور عناد کے جذبات کو اشتعال ملتا رہا۔ ہم گذشتہ باب کی فصل سوم میں بتلا چکے ہیں کہ اکبر کا باپ ہمایوں ایران گیا تھا تو شاہِ ایران طہماسپ نے اُس کے نمک حلال ملازموں کی جاں نثاری دیکھ کر اُس سے پوچھا کہ آپ کے قبضہ سے مُلک کے نکل جانے کا سبب کیا ہے؟ ہمایوں نے جواب دیا کہ بھائیوں کی غداری اور عداوت بربادی کا موجب ہوئی اور میرے باپ بابر کے نمکخوار کبھی میری طرف ہو جاتے تھے کبھی اُن کی طرف ہو جاتے تھے۔ طہماسپ نے پوچھا کہ مُلک کی رعایا نے رفاقت کیوں نہ کی؟ ہمایوں نے جواب دیا کہ مُٹھی بھر مسلمانوں کے علاوہ رعایا ہندو ہے جو مُلک کی اصل مالک ہے جن سے مُلک چھینا گیا ہے۔ پس اُنہوں نے ساتھ نہ دیا۔ اس پر طہماسپ نے ہمایوں کو صلاح دی کہ اب کی دفعہ جب آپ دشمن پر فتح حاصل کریں تو راجپوتوں کو ہاتھ میں لیں اور ہندوؤں کو دلاسا دیں تاکہ آپ کی سلطنت کو استحکام نصیب ہو (ماثر الامرا)۔ ہمایوں کو موت نے فُرصت نہ دی کہ وہ اس صلاح پر کاربند ہوتا۔ اکبر کو اس صلاح کا علم تھا۔ وہ دیکھتا تھا کہ گذشتہ تیس سالوں میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں مغائرت کی خلیج کم نہ ہوئی تھی۔ مسلمانوں کا دین اور، ہندوؤں کا اور، مسلمانوں کی رسُوم اور، ہندوؤں کی اور۔ دونوں طبقوں کے نسلی امتیازات، قومی نشانات، طرزِ زندگی اور معاشرت الگ الگ تھے۔ دونوں میں مصالحت اور رواداری کا نام بھی نہ تھا اور نہ وہ

Marfat.com

صلح اور آشتی کے روادار نظر آتے تھے۔ لیکن سلطنت کے استحکام کے لئے لازم تھا کہ دونوں طبقوں کی باہمی مغائرت دور ہو جائے اور راجپوت اور ہندو راجا اور رعیت سب کے دل موہ لئے جائیں۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ میرے باپ ہمایوں پر میرے چچاؤں کے ہاتھ سے کیا گذری ہے۔ ان چچاؤں کی اولاد ابھی موجود ہے۔ جو امرا میرے ساتھ ہیں وہ بھی دو دِلے ہیں۔ جدھر فائدہ دیکھیں گے اُدھر پھر جائیں گے۔ ادھر مسلمان عُلما بھی دو رُخے تھے اور گھر کے دُشمن تھے اور ہر وقت اپنے اقتدار اور شرعی فتووں کے زور سے اُس کو ڈراتے رہتے تھے۔ اُس کے زمانہ کی اسلامی دُنیا کے واقعات بھی کم پریشان کُن نہ تھے۔

سولھویں صدی میں شاہ اسمٰعیل صفوی کی وجہ سے شیعہ مذہب میں زندگی پڑ گئی۔ اُس نے شیراز کی فتح کے بعد کازرون کے سُنّی عُلماء کا قتلِ عام کر دیا۔ اودھر سلطان سلیم عثمانی نے ایشیائے کوچک کے شیعوں کی روز افزوں آبادی کو دیکھ کر چالیس ہزار شیعوں کو قتل کروا دیا تھا۔ اس صورتِ حال کو دیکھ کر اکبر عبداللہ خان ازبک والیٔ توران اور سلاطین صفویہ دونوں سے بیزار تھا۔ اگرچہ وہ دونوں کو سیاسی چالوں سے کام لے کر خوش کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ جب اُس کو کٹر سُنّی مسلمان ظاہر ہونے کی ضرورت پڑتی تو وہ عبداللہ خان ازبک کو خط لکھ کر ایران کے صفوی شیعہ بادشاہوں کو بُرا بھلا کہہ دیتا اور تبلیغِ اسلام کی فرضی داستانیں (جیسا ہم آگے ذکر کریں گے) لکھ بھیجتا تھا، اور جب اُسے شیعوں کو خوش کرنا منظور ہوتا تو "طائفہ مقدسہ اہل بیت" کی نسبت غلو و مبالغہ سے کام لے کر اُن کو "خُدا کے بھیدوں کے رازدار اور نبیوں کے رازوں کے پردے کھولنے والے" قرار دیتا تھا۔ چنانچہ جب اُس نے کشمیر فتح کیا تو کہا کہ الٰہی توفیق کے ساتھ "حضرات آئمہ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کی مُقدس ارواح کی مدد" اُس کے شاملِ حال تھی۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ اکبر دل ہی دل میں شیعہ اور سُنّی دونوں کی طرف سے بدگمان تھا۔ ایک طرف وہ ازبک سلاطین کے خطرے کی وجہ سے اپنے سُنّی اُمراء سے بدگمان ہو گیا تھا، دُوسری طرف ایران کے شاہانِ صفویہ مغلیہ سلطنت پر اقتدارِ اعلیٰ کے دعویدار تھے۔ پس وہ اپنے شیعہ اُمراء سے بھی بدگمان تھا۔ اکبر کو اس بات کا بھی علم تھا کہ اُس کے پیشرو عادل شاہ نے ایک مسلمان حملہ آور کے مقابلہ میں ایک ہندو ہیم چندر کو سپہ سالار بنایا تھا۔

تمام حالات کا جائزہ لے کر اُس نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ راجپوتوں اور ہندوؤں کی دلداری کرے تاکہ وہ اِس کے وفادار جاں نثار بن جائیں۔ اکبر کے زمانہ میں ہندو راجے تعداد میں قریباً ایک سو تھے جن میں سے بعض نہایت طاقتور تھے۔ وہ نہ صرف شجاع تھے بلکہ عہد و پیمان کو پُورا کرنے

Marfat.com

والے وفادار اور اپنے مذہبی اصولوں پر چلنے والے تھے۔ اکبر دیکھتا تھا کہ یہ ہندو راجے اسلام قبول کر کے بادشاہ سے ہر قسم کا نفع فائدہ اور عزت و جاہ حاصل کر سکتے ہیں لیکن وہ پھر بھی ایسا نہیں کرتے اور اپنے مذہب و ملک کی خاطر اپنی جانیں قربان کرنے کو تیار ہیں۔ اس کی عقل یہ تسلیم نہیں کر سکتی تھی کہ چونکہ اسلام نے ان پر فتح پائی ہے اس واسطے اسلام سچا ہے اور ان کا مذہب جھوٹا ہے۔ اس کی دور بین نگاہ نے یہ بھانپ لیا تھا کہ ہندوؤں پر تیموری اصولوں کے مطابق اور قرآن و حدیث اور شریعتِ اسلام کے قوانین کے موافق حکومت نہیں ہو سکتی۔ ملک اور اہلِ ملک دونوں برباد اور فنا ہو جائیں گے اور میں بھی چین سے سلطنت نہ کر سکوں گا۔ جب میں نے اور میری اولاد نے اسی ملک میں رہنا ہے اور یہاں بادشاہت کرنی ہے تو ضرور ہے کہ میں ایسا ڈھنگ اختیار کروں کہ ملک کے راجگان اور عوام ہم کو غیر قوم، ترک اور مسلمان ملیچھ نہ سمجھیں۔ پس اکبر نے ہندوؤں کے ساتھ اپنا یت پیدا کرنے کا تہیہ کر لیا۔

جب چتوڑ فتح ہوا اور رنتھمبور اور کالنجر سر ہو گئے تو راجپوت راجاؤں نے اکبر کی اطاعت قبول کر لی۔ دربار میں ہندو راجا۔ مہاراجہ۔ ٹھاکر سردار حاضر ہونے لگے۔ اکبر ہر ایک کی عزت کرتا اور محبت اور ملنساری سے پیش آتا تھا۔ اس کے سلوک میں بناوٹ کو دخل نہ تھا جس کی وجہ سے ہر چھوٹا بڑا اس کا بے دام غلام ہوتا گیا۔ جو ہندو عوام۔ پنڈت۔ کوئیشر وغیرہ جو اس کے دربار میں آتے وہ اسی طرح انعام و اکرام پاتے جس طرح وہ ہندو راجاؤں سے پاتے تھے۔ اکبر نے ۱۵۶۲ء میں راجہ بھگوانداس کے باپ راجہ بہاری لال (بیکانیر کا راجہ) کی بیٹی سے بیاہ کر لیا حالانکہ اس کے حرم میں اس کی مسلمان بیویاں موجود تھیں۔ یہ راجپوت شاہزادی اکبر کے محل میں ہندوانہ طریقہ پر رہتی سہتی تھی اور پوجا پاٹ کرتی تھی۔ اس بیاہ سے اکبر نے بہادر شجاع اور جنگجو قوم راجپوت کو ایسا جاں نثار بنا لیا کہ وہ نہ صرف اکبر کی جنگوں میں اس پر اپنی جانیں قربان کرتے تھے بلکہ اکبر کے بیٹوں اور پوتوں کی جنگوں میں بھی وہ جان فروشی کر کے ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔ بھگوانداس۔ مان سنگھ کے نام اس کے عہد کی تاریخ کو زینت دیتے ہیں۔ انہوں نے نہایت وفاداری سے اپنے ہم قوم راجپوت رانا اودے پور کے ساتھ جنگ کی۔ اور جب کنور مان سنگھ نے رانا کی فوج کو شکست فاش دی تو ملا شیری نے کہا۔ ع

که ہندوی زند شمشیرِ اسلام

یوں راجپوت راجپوت پر غالب آ کر اکبر کی گورنمنٹ کے استحکام کا باعث بنے اور انہوں نے ثابت کر دیا کہ اکبر کی مصالحت اور برادرانہ محبت کی پالیسی درست تھی۔ اکبر کی نظروں میں ترک اور

Marfat.com

راجپوت، مسلمان اَور ہندو کا فرق نہ رہا۔ سلطنت کے جلیل عہدے ہندوؤں اَور مسلمانوں، دونوں کو اُن کی قابلیت کے مطابق ملنے لگے۔ اُس کے ۴۱۵ منصب دار تھے جن میں ۵۱ ہندو تھے۔ اکبر کے بعد شاہجہان کے عہد میں بھی رواداری ایک سیاسی ضرورت سمجھی جاتی تھی۔ چنانچہ شاہجہاں کے ۶۰۹ منصب دار تھے جن میں ۱۱۰ ہندو تھے۔ تان سین اَور ٹوڈرمل دربارِ اکبری کے نورتن تھے ٹوڈرمل صدقِ دل سے اپنے آقا کا وفادار تھا۔ وُہ قلم اَور تلوار دونوں کا دھنی تھا۔ خان جہاں کے ساتھ بنگال کی مہم میں اُس نے ترکوں اَور منگلوں کو کچل دیا۔ قلمرو کے ۲۲ صُوبوں پر اُس کا قلم چلتا تھا۔ وُہ دیوانِ سلطنت تھا۔ اُس نے مالی امُور کی اِس خُوبی سے اصلاح کی کہ چار صدیاں گذرنے پر بھی آج کل اُسی کے طریق پر مالی امُور کا بندوبست سرانجام پاتا ہے۔ اُس نے مالی معاملات کا تجربہ شیر شاہ کی حکومت میں حاصل کیا تھا۔ اکبر نے (جیسا ہم آگے چل کر ذکر کریں گے) جزیہ اَور باج اٹیکس اَور قریباً پچاس چھوٹے بڑے دیگر ٹیکس موقوف کر دیئے جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ سلطنت کی آمدنی کا چشمہ زمین کا مالیا محصُول ہی رہ گیا تھا۔ ٹوڈرمل نے یہ محصُول ایسی دانشمندی سے لگایا کہ وُہ کسی زمیندار پر بوجھل نہ ہُوا۔ راجہ ٹوڈرمل تلوار کا بھی دھنی تھا چنانچہ اُس نے اَور کنور مان سنگھ نے کابل کے مرزا حکیم کو شکست فاش دی اَور سرحدی افغانوں کا ایسا بندوبست کیا کہ بغاوت کا نشہ ہرن ہوگیا۔

۹۹۳ھ میں اکبر نے یہی مناسب سمجھا کہ ولی عہدِ سلطنت جہانگیر کی شادی راجہ مان سنگھ کی بہن سے ہو جائے۔ عقد کے وقت قاضی، مفتی اَور دیگر علما اَور پنڈت حاضر تھے۔ نکاح پڑھا گیا۔ پھیرے بھی ہُوئے۔ ہَون وغیرہ ہندو رسمیں بھی ادا ہُوئیں۔ ابوالفضل نے اس موقع پر لکھا:-

دین و دُنیا را مبارک باد کیں فرخندہ عقد
از برائے انتظامِ دین و دُنیا بستہ اند،
در نگارستانِ دولت نُورِ چشمِ شاہ را
حجلہ چوں پردہ ہائے دیدہ رنگیں بستہ اند

اکبر کو راجپوتوں سے اس قدر محبّت ہوگئی کہ اُس نے اُن کی ریت رسموں کو بلکہ لباس تک کو اپنا لیا۔ چوغہ اَور عمامہ کی بجائے کھڑکی دار پگڑی اختیار کر لی۔ سنگھاسن پر بیٹھنے اَور ہاتھیوں کی سواری کرنے لگا۔ دربار کے سامانِ آرائش ہندوانہ ہوگئے۔ ایرانی اَور ترکی اَور افغان اُمرائے دربار نے بھی بادشاہ کی پیروی کی اَور لباس وغیرہ کو تبدیل کر لیا۔ اکبر نے نوروز کے جشن کو بھی ہندوانہ رنگ میں رنگ دیا۔ جشن سے ایک دن پہلے شبھ لگن میں ایک سہاگن دال دلتی اَور گنگا جل میں

Marfat.com

بھگوتی اور ہیں کر رکھتی جشن کے روز اکبر اشنان کرتا۔ رنگین جوڑے پہنتا۔ کچھ خاندانی زیور اور کچھ ہندوؤانی گہنا پہنتا۔ جوتشی اور نجومی حاضر ہوتے۔ برہمن ماتھے پر ٹیکہ لگاتا۔ ہون ہوتا۔ راجے اور مہاراجے، ترک اور مسلمان امرا دست بستہ کھڑے ہوتے۔ پھر شہزادے اور اُن کے بعد اُمرا نذریں دیتے۔ سلام گاہ پر آتے۔ وہاں سے تخت گاہ تک تین جگہ آداب کورنش بجا لاتے۔ چوتھے سجدہ ہوا (جو زمین بوس سجدہ کہلاتا تھا) نقیب آواز دیتا کہ آداب بجا لاؤ جہاں پناہ سلامت، مہابلی بادشاہ سلامت۔ سب درباری خلعت اور انعام واکرام پاتے تھے۔ ہر سالگرہ پر تُلا دان ہوتا تھا۔ اکبر سات اناج، سات دھات وغیرہ میں تولا جاتا تھا۔ برہمن ہون کرتے تھے اور سب کچھ لے جاتے تھے۔ دسہرہ کے ایام میں، اکبر پوجا کرواتا۔ ٹیکہ ماتھے پر لگواتا تھا۔ راکھی کے ایام میں وہ مرصع راکھی ہاتھ میں باندھتا تھا۔ صبح کے وقت جمنا کنارے وہ اُن کھڑکیوں میں بیٹھتا جو مشرق کی طرف ہوتیں۔ ہزاروں ہندو مرد، عورتیں اور بچے آتے اور ڈنڈوتیں کرتے اور "مہابلی" کا درشن کرتے تھے۔ لہسن، پیاز، گائے کا گوشت کھانا ممنوع ہو گئے۔ اکبر اتوار کے پیدا ہوا تھا۔ پس حکم ہوا کہ اتوار کے روز تمام سلطنت میں جانور ذبح نہ کیا جائے اور آبان کے مہینہ میں (یعنی جس مہینے میں وہ پیدا ہوا تھا)، جانور ذبح نہ کئے جائیں۔ جشنِ نوروز کے بعد اٹھارہ دنوں تک جانوروں کا ذبح کرنا بند کر دیا گیا۔ اکبر کہتا تھا کہ پیٹ کو حیوانات کا قبرستان نہ بناؤ، اور خود بھی کبھی کبھار گوشت کھاتا تھا۔ وہ کم خوراک تھا اور اکثر ایک وقت کھانا کھاتا تھا۔ وہ ہمالیہ پہاڑ کے برف کے پانی کو "آبِ حیات" کہتا تھا اور ہمیشہ گنگا جل پیتا تھا، چنانچہ جب وہ آگرہ اور فتحپور سیکری میں رہتا تھا تو وہ ایٹہ کے ضلع سے جہاں دریا بہتا ہے پانی منگواتا تھا۔ جب وہ پنجاب میں ہوتا تھا تو ہردوار سے گنگا جل آتا تھا۔ کھانا پکانے کے لئے جمنا اور چناب کے دریاؤں کے پانی میں تھوڑا سا گنگا جل ملایا جاتا تھا۔ اکبر نے داڑھی کا بھی صفایا کر دیا۔ اس کو دیکھ کر تمام دربار مُنڈ کر صفاچٹ ہو گیا۔ حتیٰ کہ خانِ اعظم جیسا اکھڑ شخص جو پہلے اپنی لمبی داڑھی پر فخر کرتا تھا اور مُنڈوانے والوں کو لعن طعن کیا کرتا تھا وہ بھی داڑھی منڈوا کر اکبر کے مریدوں میں شامل ہو گیا۔ بلکہ علما میں ایک مشائخ تھے جو ایک پھٹی پرانی کتاب اکبر کے پاس لے آئے جس میں سے ایک حدیث دکھائی کہ حضرت رسُول عربی نے فرمایا ہے کہ اہلِ بہشت کی صورتیں داڑھی مُنڈوں کی سی ہوں گی۔ ایک جعل ساز فقیہہ نے کُتبِ فقہ کے ایک فقرہ کما یفعلہ بعض العصات کے لفظ عصات کو قضات پڑھ کر اس

کے جواز میں پیش کر دیا۔ جب اکبر کی انگہ اور ماں مرگئیں تو اُس نے دونوں دفعہ بھدرا کیا۔ اُس کا نمونہ دیکھ کر اُمرائے دربار نے بھی بھدرا کیا اور اُمرائے دربار بھی اِس رسم پر چلنے لگے۔ چنانچہ جب ابوالفضل کا باپ شیخ مُبارک فوت ہوگیا تو اُس کے سب بیٹوں نے بھدرا کیا۔

اکبر کی دل محبّت دیکھ کر راجپوت رام ہوگئے۔ اُس نے اُن کو محبّت کے جال میں پھنسا کر اُن کی باہمی خاندانی عداوتوں کو بھی دُور کر دیا۔ مثلاً راجہ روپسی اور جودھپوریوں کی خاندانی عداوت چلی آتی تھی۔ اُس کی محبّت کے منتر نے اِس جدائی کی دیوار کو توڑ دیا، اور وُہ بھائی بھائی ہوکر دوش بدوش اکبر کے لئے جان دینے لگے۔ اپنے مسلمان اُمرا کی باہمی رنجش کو بھی اکبر دُور کر دیتا تھا، کیونکہ اُن کے باہمی بگاڑ سے سلطنت کے معاملات کے بگڑنے کا اندیشہ تھا۔ پس وُہ یہ کوشش کرتا کہ بیاہ کے ذریعہ دونوں گھر ایک ہوجائیں۔ مثلاً بعض اُمراء خانِ خانان بیرم خان کے لڑکے خانخاناں عبدالرحیم کے باپ کے وقت سے دُشمن چلے آتے تھے۔ اکبر نے اُس کی شادی خانِ اعظم مرزا عزیز کوکہ کی بہن سے کر دی تاکہ عبدالرحیم اور مرزا عزیز اپنی پُرانی دُشمنیوں کو بھول جائیں۔ اپنی سلطنت کو مستحکم کرنے کی خاطر اُس نے اپنے بیٹے دانیال کی شادی خانخاناں کی بیٹی سے کر دی۔ سپہ سالار قلیچ خان کی بیٹی سے شاہزادہ مراد کی شادی اور راجہ مان سنگھ کی بہن سے شاہزادہ سلیم (جہانگیر) کی شادی کر دی۔

۹۹۱ھ میں اکبر نے فقرا اور مساکین کے لئے دو عالی شان مکان بنوائے۔ ایک کا نام خیر پُورہ اور دُوسرے کا نام دھرم پُورہ رکھا جہاں مسلمان فقرا اور ہندو غُربا الگ الگ کھانا کھاتے تھے۔ یہی انتظام شہروں اور منزلوں میں بھی کیا گیا تاکہ مسافروں اور نو واردوں کو تکلیف نہ ہو۔ یہ دیکھ کر جوگی جھُنڈ کے جھُنڈ آنے شروع ہوگئے۔ پس اُن کے لئے ایک اور سرائے بنوائی جس کا نام جوگی پُورہ رکھا گیا۔ اکبر رات کے وقت بھیس بدل کر چند خُدام کے ساتھ جاتا اور سب سے مل کر رعایا کے اصل حالات معلوم کرتا تھا۔ وُہ یوگ کے طریقے بھی اُن سے معلوم کرتا تھا۔ ایک شِو راتری کی رات کو اکبر نے مُلک کے تمام جوگیوں کو بُلاکر اُن کے ساتھ کھانا کھایا۔

اکبر نے ۱۵۶۲ء میں ہندوؤں سے جزیہ لینا حکماً بند کر دیا۔ ہندو یاتریوں سے پوتر استھانوں کی زیارت کے لئے ٹیکس وصول کیا جاتا تھا۔ اکبر نے اُس کو بھی بند کر دیا۔ اِن دونوں محصولوں سے کئی کروڑ آمدنی آتی تھی۔ اُس نے جانوروں کی قُربانی کو بھی ممنوع قرار دیدیا۔

Marfat.com

جسمانی عقوبت اور اذیت سے ملزم سے اقبالِ جرم کرنے کے رواج کو اُس نے سختی سے منع کر دیا۔ صغیر سنی کی شادی کا دستور ہندوؤں میں عام تھا۔ اُس نے اس کو بھی بند کر دیا۔ ان سب باتوں اور اُس کے محبت بھرے سلوک کی وجہ سے اُس کی ہندو رعایا اُس پر فدا تھی۔ بلکہ بیشمار ہندو صبح کا ناشتہ نہیں کھاتے تھے جب تک اُس کا مُنہ نہیں دیکھ لیتے تھے۔

حکومت کے پچیسویں سال (۱۵۸۱ء) میں اکبر نے حکم دیا کہ تمام سلطنت کی مردم شماری کی جائے جس میں سب باشندوں کے نام اور پیشے وغیرہ درج ہوں۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ چنگی کا محصول اور ٹیکسوں کی ادائیگی انصاف کے ساتھ سب پر مساوی طور پر لگے۔ وُہ یہ برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ ہندو یہ ٹیکس ادا کریں لیکن مسلمان ادا نہ کریں۔

مذہبی اُمور میں ہر قسم کی روا داری کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ اگر کسی ہندو کا لڑکا جبراً مسلمان کر لیا گیا ہو تو بالغ ہو کر وُہ اسلام کو ترک کر سکتا تھا۔ جو شخص جس دین و مذہب کو اختیار کرنا چاہے وُہ بلا روک ٹوک اور مزاحمت کے اختیار کر سکتا تھا۔ حکم تھا کہ اگر کوئی ہندو عورت کسی مسلمان کے گھر میں بیٹھ جائے تو وُہ وارثوں کے گھر میں پہنچا دی جائے۔ ہر ملّت اور ہر مذہب والے کو اجازت تھی کہ اپنے عبادتخانے بنا لے۔ پس مندروں، شوالوں، آتش خانوں اور گرجاؤں کے تعمیر کرنے میں جو رکاوٹیں تھیں وُہ اکبر نے ختم کر دیں۔ گائے کا ذبح کرنا بند کر دیا گیا، کیونکہ اوّلاً ہندو گائے کو پُوجتے ہیں اور دوم یہ کہ گائے کا گوشت آسانی سے ہضم نہیں ہوتا اور بیماریاں پیدا کرتا ہے۔ مسلمان طبیبوں نے بھی یہ فیصلہ دیدیا کہ گائے کا گوشت صحت کے لئے مضر ہے۔

کسی نے کہا کہ اگر گائے قابلِ تعظیم نہ ہوتی تو قرآن کی پہلی سُورت کا نام سورۃ بقرہ نہ ہوتا۔ ہندو یہ بھی مانتے ہیں کہ جن دس جانوروں کی صُورت میں خُدا نے ظہور کیا ہے اُن میں ایک سؤر بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں اس کی حرمت پائی جاتی ہے۔ اکبر کو شکاری کُتّوں کا شوق تھا۔ پس بعض مقربینِ دربار کُتّے پالتے اور اُن کو گود میں بٹھلاتے اور دسترخوان پر ساتھ کھلاتے تھے۔ بعض یہاں تک کہتے تھے کہ شیر اور سؤر بہادر جانور ہیں۔ اُن کے کھانے سے انسان میں بہادری پیدا ہوتی ہے۔

قُدرتاً مسلمان عُلما اور فقہا کو یہ احکام (جن میں سے بعض قرآن اور اسلامی شریعت کے خلاف تھے) ناپسند آئے۔ رسیدھے سادے عوام مسلمان اور دیندار ایماندار بھی انکو اچھی نظروں سے

Marfat.com

نہیں دیکھتے تھے۔ وُہ برابری کی بجائے ہندوؤں اور مسلمانوں میں تمیز اور تفرق دیکھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ جب حسین خان افغان لاہور کا حاکم تھا تو ایک دراز ریش شخص اُس کی ملاقات کے لئے آیا۔ وُہ حامیٔ دینِ اسلام تھا۔ خیال کیا کہ کوئی عالم ملنے آیا ہے۔ تعظیم کے لئے کھڑا ہو گیا۔ اثنائے گفتگو میں معلوم ہوا کہ وُہ ہندو ہے۔ بڑا سٹ پٹایا اور حکم دیا کہ آئندہ جو ہندو آئے وُہ کندھے پر ایک رنگین ٹکڑا لگوا کر آئے۔

تیمور سے اکبر تک صرف چھ پُشتوں کا فرق ہے۔ لیکن ان چھ پُشتوں میں تیموری خاندان میں زبردست تبدیلیاں رونما ہو گئیں۔ تُوزک بابری سے معلوم ہو جاتا ہے کہ بابر اور اُس کے ہمراہیوں کی ذہنیت کس قدر بلند ہو چکی تھی۔ فوجی افسروں تک کو موسیقی، شعر و شاعری اور دیگر فنونِ لطیفہ کا شوق تھا۔ نقاش، ماہر معمار، موسیقار، شعرا، ہیئت دان وغیرہ اُن کے ہاں ہر وقت موجود رہتے تھے۔ اسلامی عُلما، فصیح و بلیغ خطیب اور مُفکّر بھی اُن کے ساتھ ہوتے تھے۔ اکبر نے مغربی ایشیا کے ممالک کے لئے بھی ترقّی کا دروازہ کھول دیا۔ افغان، ایرانی، تورانی، ترک، ہندو، غرض سب کو اُس کے دربار میں رسائی تھی۔ سب سے مساویانہ سلوک کیا جاتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شاہی دربار کی مذہبی فضا کی تنگی اور تاریکی جاتی رہی اور خیالات کی آزادی، مصالحت، مسالمت اور رواداری نے عصبیت کی جگہ لے لی۔ یہ تبدیلی صرف مذہبی اُمور میں ہی نہیں بلکہ سلطنت کے دیگر شعبوں میں بھی موجود ہو گئی۔ اکبر سے پہلے فوجی شجاعت اور جنگ کرنے کا ڈھنگ وغیرہ ترکی اور عربی نمونے پر تھا لیکن اب راجپوتوں کا نمونہ فوج کا جنگی معیار ہو گیا۔ اب افسرانِ فوج نہ صرف بہادر اور شجاع تھے بلکہ بااخلاق بھی ہو گئے۔ کہاں تیمور کا زمانہ اور کہاں اکبر کا۔ ع

بہ بیں تفاوتِ راہ از کجاست تا بکجا

جب ہم اِس پہلو سے ممالکِ یورپ کے فرمانرواؤں کا مقابلہ اکبر کے ساتھ کرتے ہیں تو ہم اس کی رواداری اور مصالحت کی پالیسی دیکھ کر دنگ رہ جاتے ہیں۔ قرونِ وُسطیٰ میں اُن ممالک کے فرمانروا جو رُومی کلیسیا کے ماتحت تھے، اصلاح یافتہ کلیسیاؤں کے خُون کے پیاسے تھے اور اصلاح یافتہ کلیسیاؤں کے فرمانروا رُومی کلیسیا کے جانی دشمن تھے۔ انگلستان کی خانہ جنگیاں (۱۶۴۲ء - ۴۸) اس حقیقت پر شاہد ہیں۔ انگلستان میں کلیسیا کے مختلف فرقوں اور اقلیتوں کو ۱۸۲۹ء میں جا کر مصالحت اور رواداری کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔[1] لیکن اکبر اِس

1. Religious Toleration in England, by Ursula Henriques. (Routledge and Kegan Paul)

Marfat.com

سے دو صدیاں پیشتر اس پالیسی پر عمل پیرا ہو چکا تھا۔

ہندوؤں کے ساتھ روا داری اور دوستانہ بلکہ برادرانہ تعلقات اکبر کے بعد جہانگیر کے عہدِ حکومت میں جاری رہے۔ شاہجہان بھی کسی حد تک ان پر عمل پیرا رہا لیکن ایک صدی کے بعد جب اورنگزیب تخت پر بیٹھا تو حالات دگر گوں ہو گئے، اور اس دگر گونی کے ساتھ ہی سلطنتِ مغلیہ کی جڑیں بھی کھوکھلی ہو گئیں۔ اگر اکبر کے تخت کے سب وارث اور جانشین اکبر کی راہ پر چلتے تو ہندوستان کے رنگا رنگ فرقوں میں سے یک رنگی اور ہم آہنگی رخصت نہ ہوتی اور نفاق کا دور دورہ نہ ہونے پاتا۔

اکبر کے غیر اسلامی عقائد

جب اکبر کے تعلقات ہندوؤں سے گہرے ہو گئے اور وہ ہر وقت اس کی معیت میں رہنے لگے تو اس کو ان سے ان کے عقائد و رسوم وغیرہ کو معلوم کرنے کے موقعے مل گئے۔ اس کی طبیعت فطرتاً تحقیق کی طرف مائل تھی پس وہ ان کو بلا کر مختلف امور کی نسبت تحقیقات کرتا تھا۔ ان سے دیوی دیوتاؤں۔ برہما۔ مہادیو۔ رام۔ کرشن۔ سورج ستاروں وغیرہ کی بابت شوق سے پوچھتا۔ ان کے پوجا کے طریقے معلوم کرتا اور ان سے منتر سیکھتا تھا۔ اکبر کی راجپوت رانی محل میں پوجا پاٹ اور ہون وغیرہ کرتی تھی۔ جب اس نے راجپوت رانی میرا بائی کی کرشن بھگتی اور بھگتی رس سے بھرے ہوئے گیتوں کی شہرت سنی تو وہ بھیس بدل کر تان سین کے ہمراہ اس کو دیکھنے گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اکبر کو یقین ہو گیا کہ تمام مذاہب برابر ہیں اور ہر مذہب میں حق پرست اور نیک لوگ ہوتے ہیں۔ اور سب مذہب خدا کے مذہب ہیں۔ اگر خدا کا کوئی ایک مذہب ہوتا تو وہ اسی ایک کو برقرار اور قائم رکھ کر باقی دینوں کو فنا کر دیتا۔ اسے خیال آیا کہ بادشاہ ظل اللہ ہے اس واسطے واجب ہے کہ وہ بھی عصبیت سے کام نہ لے اور فقط اسلام کو ہی دینِ حق نہ مانے اور باقی ادیان کو باطل اور ان کے ماننے والوں کو کشتنی اور گردن زدنی قرار نہ دے۔ پس نبوت۔ وحی۔ معجزات۔ رسالت قرآن کی صداقت وغیرہ تمام مسائل کے لئے وہ ثبوت طلب کرنے لگا۔ ہندوؤں کے خیالات سے متاثر ہو کر وہ تناسخ کا قائل ہو گیا۔ اس کے متعدد درباری اس کے ہمنوا ہو گئے جن کا مفصل ذکر ہم اگلے باب میں کریں گے۔ بیربر نے سمجھایا کہ سورج خدا کی ذات کا کامل اور اکمل مظہر ہے کیونکہ اسی کے ذریعہ سبزی۔ اناج پھل پھول وغیرہ اگتے ہیں اور تمام جہان کو زندگی دیتے ہیں۔ سورج ہی سے دنیا میں اجالا ہوتا ہے۔ پس وہ عبادت کے لائق ہے۔ دربار کے علما اور فضلا بھی یہی کہنے لگے کہ فی الحقیقت سورج

Marfat.com

نیرِ اکبر ہے جس طرح چاند نیرِ اصغر ہے اور بادشاہوں کا مُربی ہے۔ وُہ کہنے لگے کہ اگر آفتاب احترام کے قابل نہ ہوتا تو قرآن میں سورۂ والشمس نہ ہوتی اور خُدا سُورج اور دُھوپ کی قسم نہ کھاتا۔ برہمنوں نے اکبر کو تسخیرِ آفتاب کے منتر سکھلائے جن کو وُہ طلوعِ آفتاب اور آدھی رات کے وقت جپا کرتا تھا۔ وُہ شام اور دوپہر کو بھی آفتاب کی طرف مُنہ کر کے اُس کی عبادت کرتا تھا اور اس کے ایک ہزار ایک ناموں کا وظیفہ پڑھتا تھا۔ صُبح جب وُہ تلک وغیرہ لگا کر سُورج کی پرستش کرتا تو ہزاروں لوگ جھروکے کے نیچے جمع ہوتے تھے۔ آفتاب پرستی حکومت کے پچیسویں سال میں شروع ہوئی۔ اکبر دنوں کے سیاروں کے مطابق خاص لباس پہنتا، جنیو بھی پہنتا اور قدرتی اشیا از قسم پانی درخت پتھر وغیرہ کا احترام کرتا تھا۔

گجرات سے آتش پرست آئے۔ اُنھوں نے زردشت کے مذہب کے اصُول بتلائے اور کہا کہ آگ کی پرستش ہر قسم کی عبادت سے بہتر ہے اور آفتاب سے بھی گرمی یہیں نکلتی ہے۔ اُنھوں نے اکبر کو اپنی مخصُوص اصطلاحات، احکام و دستُورات سکھلائے۔ اکبر نے حکم دیا کہ مُقدس آگ جلائی جائے اور اس کا ذمہ ابو الفضل کے سپُرد کیا کہ جیسے کیانی شاہانِ فارس کے مندروں میں آگ ہمیشہ جلتی رہتی تھی اسی طرح محل کے آتشکدہ میں بھی دن رات آگ جلتی رہے اور بُجھنے نہ پائے کیونکہ آگ درحقیقت نشانِ الٰہی ہے اور نُور دوستی درحقیقت خُدا پرستی ہے۔ بعض مُلّانے ہاں میں ہاں ملا کر کہا کہ خود قرآن میں سورۂ نُور ہے جس میں لکھا ہے کہ "اللہ آسمانوں اور زمین کا نُور ہے اور اُس کے نُور کی مثال ایسی ہے جیسے طاق جس میں چراغ ہو۔ وُہ چراغ اُن گھروں میں ہے جن کو بلند کرنے کا حکم خُدا نے دیا ہے اور اُن میں اُس کا نام لیا جائے۔"

تخت نشینی کی پچیسویں سالگرہ کے جشن کے روز اُس نے بر سرِ عام آفتاب اور آتش کی پرستش کی۔ جب شام کے وقت چراغ روشن ہوئے اور بتیاں جلائی گئیں تو تمام درباری تعظیماً کھڑے ہو گئے۔ جب آفتاب چھٹے بُرجِ سنبلہ میں تھا اُس کے آٹھ دن بعد کے جشن کے روز جب اکبر دربارِ عام میں آیا تو اُس کے ماتھے پر تلک لگا ہُوا تھا۔ برہمنوں نے جواہرات کی مالا پہنائی تھی اور اُمرائے دربار نے ہیرے، موتی جواہرات وغیرہ نذر کیے۔

ہم اس باب کی فصل اوّل میں بتلا چکے ہیں کہ بچپن اور لڑکپن میں اکبر کتابوں سے کوسوں دُور بھاگتا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وُہ ناخواندہ ہی رہا۔ اُس کا ملک الشعرا فیضی کہتا ہے کہ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں "کیونکہ پیغمبر صلوٰۃ اللہ علیہ بھی اُمّی تھے"۔ لیکن اکبر کا علمی شوق حد سے بڑھا

Marfat.com

ہُوا تھا اُس کو خُداداد ذہانت اَور قُدرت سے عقل و دانش ملی تھی۔ وُہ رات کے وقت ہر قسم کی کتابیں پڑھواتا تھا۔ اُس کا حافظہ غضب کا تھا۔ مشہُور کتابوں میں سے شاذ ہی کوئی کتاب ہوگی جو اُس کے سامنے نہ پڑھی گئی ہو۔ تاریخ۔ فلسفہ۔ فقہ۔ مختلف مذاہب کی مُقدّس کتابوں وغیرہ کے مضامین اُس کو زبانی یاد تھے۔ فقہ کے مسائل اَور اس میں عُلماء کے اختلافات سب جانتا تھا۔ وُہ کتابوں کو سنتے کبھی نہ تھکتا تھا اَور بعض کو بار بار پڑھواتا تھا۔ قابل اشخاص کو حکم دیتا تھا کہ فلاں فلاں مضمون پر کتاب لکھو۔ اُس نے ایک عبادتخانہ تعمیر کروایا جس میں ہر مذہب و مِلّت کے خیالات و معتقدات پر گرما گرم بحث ہُوا کرتی تھی۔ اس کا مفصل حال ہم اگلے باب میں کریں گے۔ اس کو ہر نکتہ کی تحقیق کرنے اَور ہر امر کو دریافت کرنے کا شوق تھا۔ چنانچہ ایک روز معراج النبی کی بابت سوال کیا کہ یہ بات عقل کس طرح مان لے کہ ایک شخص بستر پر سو رہا ہو اَور پلک مارنے میں وُہ آسمان پر جاکر خُدا سے ہزاروں باتیں کرکے جب واپس آئے تو ابھی بستر گرم ہو۔ اسی طرح شق قمر اَور دیگر معجزات کی نسبت سوال کرتا تھا تاکہ حق بات کا اُس کو علم حاصل ہو جائے۔ وُہ ہر مسئلہ کی باریکیاں اَور مُوشگافیاں غور سے سُنتا اَور غیر معمولی حافظہ کی وجہ سے یاد رکھتا تھا۔ اس کا مفصل ذکر ہم آگے چل کر کریں گے۔

ہم جلد سوم میں بتلا چکے ہیں کہ مُسلم عہد میں دہلی کی درباری زبان فارسی تھی چنانچہ دو ایک سلاطین نے سنسکرت کی کتابوں کا ترجمہ بھی فارسی میں کروایا تھا۔ اب جو اکبر کے دل میں قرآن و حدیث کی کُتب کے علاوہ دیگر مذاہب کو جاننے کی خواہش پیدا ہُوئی، تو اُس نے ہندوؤں کی کتابوں کا مطالعہ ضروری سمجھ کر حکم دیا کہ اُن کا ترجمہ فارسی میں کیا جائے۔ چنانچہ بدایونی کو حکم ہُوا کہ رامائن کا ترجمہ کرے جو چار سال کے بعد ۹۹۹ھ میں ختم ہُوا۔ مہابھارت کے بیشتر حصّہ کا ترجمہ بھی اُسی نے کیا۔ اس "رزم نامہ" پر ابوالفضل نے ایک اعلیٰ قسم کا مقدمہ لکھا۔ اس کے لئے اکبر نے ماہر مصوروں سے معرکوں کی تصویریں بنوائیں اَور اُمرا کو حکم دیا کہ سب اس ترجمہ کا ایک نسخہ اپنے پاس رکھیں۔ فیضی نے نل دمن کے قصّہ کو جو صاحبِ کمال کالیداس نے لکھا تھا پانچ ماہ میں منظوم کیا۔ اس کو بھی تصویروں سے آراستہ کیا گیا۔ مسیحی مبلغین کو بھی کتابِ مقدس کا ترجمہ کرنے کو کہا گیا جس کا مفصل حال ہم اگلے باب میں لکھیں گے۔ مذہبی کُتب کے علاوہ اکبر نے دیگر کتابوں کا بھی ترجمہ کروایا۔ مثلاً ریاضی کی مشہور کتاب لیلاوتی کا ترجمہ فیضی نے کیا۔ بدایونی اَور خواجہ حسین نے سنگھاسن بتیسی اور تاریخ کشمیر موسومہ بہ راج ترنگنی کا ترجمہ کیا۔ ابوالفضل نے کلیلہ دمنہ کا ترجمہ کیا۔ اکبر کے حکم کے مُطابق ان تمام اَور دیگر کتابوں کو دارالترجمہ نے فارسی میں منتقل کیا جس کا صدر ملک الشعراء فیضی تھا۔

Marfat.com

باب چہارم

اکبر کے اعتقادات

فصل اوّل

زمانۂ شباب کا مذہب

اکبر اپنے عہد کے شروع میں قریباً بیس برس تک (از ۱۵۵۶ء تا ۱۵۷۵ء) سیدھا سادہ خوش اعتقاد سنّی مسلمان تھا۔ وہ بڑے ادب سے احکامِ اسلام کو سنتا اور اُن کو بلا چون وچرا صدقِ دل سے بجا لاتا تھا۔ نماز با جماعت پڑھتا تھا اور علمائے اسلام کی بے حد عزت و تکریم کیا کرتا تھا۔ سلطنت کے تمام امورِ شرعی فتووں کے مطابق فیصلہ پاتے تھے۔ جوں جوں وہ فتوحات حاصل کرتا گیا اُس کا اعتقاد عنایتِ ایزدی میں روز بروز بڑھتا گیا اور اُس کا دل شکر گذاری سے بھر کر خلوص سے معمور ہوتا گیا۔ رات کو اکثر اوقات علما و مشائخ کی صحبت میں گذارتا تھا اور ہر نکتہ کی بڑے شوق سے تحقیق کرتا تھا۔ خواجہ معین الدین چشتی کی درگاہ (واقع اجمیر) میں سال بسال جاتا تھا اور اگر کوئی مہم درپیش ہوتی یا مراد مانگنی ہوتی تو برس کے درمیان میں بھی وہاں فتحپور یا آگرہ سے پا پیادہ جاتا تھا، اور روضہ کا طواف کرتا۔ نذریں چڑھاتا اور خلوصِ دل سے مراقبہ میں بیٹھا کرتا۔ قال اللہ و قال الرسول میں اور معرفت کی باتوں اور علمی تذکروں میں اپنا وقت گذارتا تھا۔ جنگ کے وقت "یا معین، یا ہادی" کے نعرے آسمان تک بلند ہوتے۔ اِس نعرہ کو وہ "سمرن" کہتا اور دھاوے کے وقت باآوازِ بلند حکم دیتا "ہاں۔ سمرن بیندازید" اور تمام ہندو مسلمان "یا ہادی یا معین" للکارتے، حملہ کرتے اور میدان مار لیتے تھے۔ مذہبی شوق کی وجہ سے ۹۸۲ھ میں اُس نے سلیم چشتی کی نئی خانقاہ کے پاس ایک عظیم الشان عمارت بنوائی جس کا نام "عبادت خانہ" رکھا۔ ہر جمعہ کے

Marfat.com

روزہ نماز کے بعد وُہ عُلماء فضلاء کے ساتھ وہاں بیٹھتا اَور اسلام کے مسائل کے اصُول و فروع کو معلوم کرتا تھا۔ وُہ مراقبہ اَور شب بیداری کرتا تھا اَور "یا ہُو" اَور "یا ہادی" کا وظیفہ کرتا تھا۔ عمُوماً نُور کے تڑکے سے پہلے یکسوئی حاصل کرنے کے لئے وُہ الگ ایک پُرانے حجرہ میں پتھر پر بیٹھ کر دُعا و زاری کرتا حتیٰ کہ صُبحِ صادق نمودار ہو جاتی۔ عُلماء کو زر و سیم کے علاوہ دیگر انعامات بھی دیئے جاتے تھے مثلاً جب گجرات کی فتح کے بعد اعتماد خان گجراتی کا قیمتی کُتب خانہ اکبر کے ہاتھ آیا تو اُس نے تمام کتابیں عُلماء میں تقسیم کر دیں۔ وُہ قرآن کے حافظوں اَور قاریوں کو وظائف بھی دیتا تھا۔

اکبر کے لڑکپن اَور جوانی کے ایام ایسے ہی ماحول میں گُذر رہے تھے چنانچہ اُس کا اتالیق خانخاناں بیرم خان اکابرِ اسلام اَور مشائخ کے کلام پر بہُت اعتقاد رکھتا تھا۔ اُس کی صُحبت میں ہمیشہ قرآن و حدیث کا ذکر اَور چرچا رہتا تھا اَور خُود اسلامی کُتب فقہ و شریعت کو اکثر پڑھوایا کرتا تھا۔ اُس کے دل کے خلُوص کا یہ حال تھا کہ جب کبھی میدانِ جنگ میں جانے کے لئے ہتھیار بند ہوتا تو دُعا کرتا کہ الٰہی یا فتح بخش یا شہادت عطا فرما۔ خانِ اعظم مرزا عزیز کوکلتاش جو اکبر کا ہم سن اَور اُس کے ساتھ کھیل کر بڑا ہُوا تھا، سخت متعصب قسم کا مسلمان تھا۔ سپاہی زادہ تھا اَور خُود سپاہیوں کی طرح اکھڑ اَور بد مزاج تھا اَور اپنے اسلامی خیالات اَور معتقدات کو برسرِ عام صاف لفظوں میں ظاہر کرنے کا عادی تھا۔ سردار حسین خان کا ہم اُوپر ذکر کر چکے ہیں۔ وُہ بھی پکّا مسلمان اَور با نماز دیندار شخص تھا۔ جب وُہ لاہور کا گورنر تھا تو وُہ فقط جَو کی روٹی کھاتا تھا اَور نرم بچھونوں پر نہ سوتا تھا۔ وُہ کہتا تھا کہ جب رسُول اللہ نے مزے کے کھانے نہ کھائے اَور نرم بستروں پر نہ سوئے تو میں کیوں اُن کی پیروی نہ کروں؟۔ اُس نے کبھی روپیہ جمع نہ کیا اَور جب مرا تو ڈیڑھ لاکھ روپیہ سے زیادہ قرض نکلا جس کو قرض خواہوں نے برضا ئے خُود مُعاف کر دیا۔ غرضیکہ اکبر کے دربار کے لوگ سب پکّے مسلمان تھے۔ اکبر نے اسلامی فضا میں ہی سانس لیا اَور حکومت کے پہلے بیس برسوں میں وُہ قرآن و حدیث اَور شریعتِ اسلام کا ویسا ہی حامی تھا جیسا اُس سے پہلے کے مسلمان سلاطین دہلی ہوا کرتے تھے۔ اُس کی خُدا پرستی کے جوش نے اُس کو علمائے اسلام کی طرف زیادہ متوجہ کر دیا اَور اُس کی مسلسل فتوحات اُس کے ایمان کو زیادہ مستحکم کرتی چلی گئیں۔

ہم گذشتہ باب میں بتلا آئے ہیں کہ اکبر نے لڑکپن کا زمانہ کابل میں گذارا تھا جہاں ایران کے صفویہ بادشاہوں کے ظلم و استبداد کی وجہ سے متعدد صوفیہ بھاگ آئے تھے اَور والئی کابل نے اُن کو پناہ دی تھی۔ اکبر اکثر اوقات اِن پناہ گزین علماء کی صُحبت میں بیٹھ کر اُن سے فیضیاب ہوتا

تھا۔ ہم جلد سوم میں بتلا چکے ہیں کہ صوفیہ کہتے تھے کہ تمام مذاہب خُدا کی طرف سے ہیں اور سب حق ہیں۔ اِن خیالات کا اثر نوخیز اکبر کے دل و دماغ پر بھی پڑا تھا۔

خُدا کا کرنا ایسا ہُوا کہ اکبر کا اتالیق عبداللطیف بھی ایک آزاد خیال شخص واقع ہُوا تھا۔ وُہ بار بار اکبر کے دل پر اِس حقیقت کو نقش کرتا رہتا تھا کہ ہم اللہ کے ساتھ سیدھا تعلق کسی شخص کے واسطہ کے بغیر رکھ سکتے ہیں۔ اور دیدارِ الٰہی کا جلوہ حاصل کر سکتے ہیں پس عنفوانِ شباب میں ہی اسلام و قرآن کی تعلیم اور عُلمائے ظاہری کے درسوں کے باوجود اکبر کے تحت الشعور میں آزادہ روی اور رواداری کے خیالات نے پرورش پائی تھی جو نمو نہ ہُوئے تھے۔ جب اکبر کا ہندوؤں کے ساتھ سابقہ پڑا اور اُس نے اُن کے ساتھ رابطۂ اتحاد اور تعلقات بڑھائے اور اُن کی بیٹیوں کی شادیاں شاہی خاندان میں ہو گئیں تو رواداری کے خیالات بھی تحت الشعوری حالت سے نکل آئے اور پھلنے پھولنے لگے، اور مغلیہ سلطنت کی ترقی اور استحکام کا باعث ہو گئے۔

فصلِ دوم

اکبری دربار کے عُلمائ اور مشائخ

اٹھارہ بیس سال کی متواتر فتوحات کے سبب اکبر کی سلطنت ہر سال وسیع ہوتی گئی۔ شمال میں کشمیر، اور مشرق میں بنگال۔ مغرب میں قندھار و کابل سے لے کر گجرات، اور جنوب میں دکن کے علاقے اور صوبے اُس کے قبضہ میں آگئے۔ خُدا پرستی اور حق جوئی کے جذبے سلطنت کے ساتھ ساتھ بڑھتے گئے۔ جب مُہموں سے ذرا فراغت حاصل ہُوئی تو اُس نے عبادت خانہ تعمیر کروایا۔ تاکہ اسلام اور قرآن و حدیث اور فقہ کے اصُولوں اور باریک نکتوں تک سے واقف ہو جائے۔ چُونکہ وُہ خُود ناخواندہ تھا وُہ عُلمائ و فضلائ کو عبادت خانہ میں جمع کرتا تھا تاکہ علمی مباحثوں اور دینی نکتوں پر تبادلۂ خیالات کریں اور اُس کی معلُومات میں اضافہ ہو۔ رات کو چار ایوان کے عبادت خانہ میں باقاعدہ جلسے اور مباحثے ہونے لگے۔ لیکن عُلما کی جمعیت خُدا سے زیادہ اکبر کی قربت کی اور طلب علم سے زیادہ نشستوں کی خواہاں تھی۔ پہلے اجلاس میں ہی اِن فضلا میں یہ بحث چھڑ گئی

Marfat.com

کہ فلاں مجھ سے اُوپر کیوں بیٹھے اَور مَیں فلاں سے نیچے کیوں بیٹھوں پس اکبر نے یہ فیصلہ دیا کہ اُمرا مشرق کی جانب اَور سادات مغرب کی جانب بیٹھیں۔ صوفیہ اَور اہلِ طریقت شمال کی طرف اَور عُلما اَور حکما جنُوب کی طرف بیٹھیں۔ جمعہ کی نماز کے بعد اکبر شیخ الاسلام کی خانقاہ سے عبادت خانہ چلا جاتا تھا۔ فاضل اہلِ علم کو زر اَور انعامات ملتے تھے۔ لیکن جب عُلما کی حد سے زیادہ عزت و تکریم ہونے لگی تو ہر شخص اپنی فضیلت دکھلانے لگا اَور عُلما آپس میں جھگڑنے لگے۔ بعض اشخاص تو خُود نمائی کی خاطر غیر معقول اَور بے سروپا باتیں کرنے لگے۔ مثلاً ایک جھگڑالو شخص حاجی ابراہیم سرہندی تھا۔ اُس نے غرُور میں آ کر دُوسرے سے پُوچھا کہ بتلاؤ لفظ مُوسیٰ کا کیا صیغہ ہے اَور اس کا ماخذ اشتقاق کیا ہے؛ جب اُس سے جواب نہ بن آیا تو تمام شہر میں مشہُور ہو گیا کہ حاجی صاحب ایسے قابل شخص ہیں کہ سب کو لاجواب کر دیتے ہیں۔ ایک روز بادشاہ نے ایک فاضل سے پُوچھا کہ تُم عبادت خانہ کے جلسوں میں کیوں نہیں آتے؟ اُس نے جواب دیا کہ حضُور آ تو مَیں جاؤں لیکن اگر وہاں حاجی مجُھ سے پُوچھ بیٹھے کہ بتاؤ عیسیٰ کیا صیغہ ہے تو مَیں کیا جواب دُوں؟ بادشاہ ہنس پڑا اَور حُکم دیا کہ جو شخص نامعقول بات کرے اُس کو مجلس سے اُٹھا دو۔ مُلا عبدالقادر بدایونی نے آصف خان کے کان میں کہا کہ اِس حکم کے مطابق بہتوں کو اُٹھنا پڑے گا۔ غرض طبقہ عُلما نے خُود نمائی اَور فضیلت نمائی کی وجہ سے جھگڑے فساد شروع کر دیئے اَور تکفیر کے تیر اَور لعنت کی تلوار چلنے لگی۔ جلیل القدر عُلما حق نمائی کی بجائے نئے نئے مسئلوں پر مُوشگافیاں کر کے جھگڑے برپا کرنے لگے۔ ایک روز اکبر نے پُوچھا کہ تعدادِ نکاح کہاں تک جائز ہے اَور کہا کہ شیخ عبدالنبی خود کہتے ہیں کہ بعض کے نزدیک نو تک بیویاں کرنی جائز ہیں۔ بعض بولے کہ آیت فانکحوا ماطاب لکم مثنیٰ وثلاث ورباع۔ یعنی دو دو تین تین چار چار نکاح کرو (سورۂ نساء-۳) کا یہی مطلب ہے کہ ۲ + ۳ + ۴ = ۹ نکاح جائز ہیں۔ اَور بعض (دو دو / ۲+۲) + (تین تین / ۳+۳) + (چار چار / ۴+۴) = ۱۸ نکاح جائز قرار دیتے ہیں۔ شیخ نے کہا کہ مَیں نے فتویٰ نہیں دیا تھا بلکہ اختلافِ عُلما بتلایا تھا۔ اکبر کو یہ بات بُری لگی اَور کہا کہ شیخ نے ہم سے اُس وقت کچھ کہا تھا اَور اب کچھ کہتا ہے۔ غرض بادشاہ اس محدُود العقل بلکہ خلافِ عقل طبقۂ عُلما کی یاوہ گوئیوں سے بددل ہونے لگا۔ یہ لوگ حق کو باطل اَور باطل کو حق بنانا چاہتے تھے۔ ایسے لوگوں کی وجہ سے اُس کا ایمان ڈانوا ڈول ہوتا گیا اَور اسلامی ایمان وعصبیت کی دیواریں یکے بعد دیگرے شکُوک وشُبہات کے مسلسل جھٹکوں سے گرتی گئیں۔

یہاں ہم مختصر طور پر اکبری دربار کے چند عُلما اَور مشائخ کا ذکر کرتے ہیں جن کے وجُود

Marfat.com

کے باعث بالفاظ حضرت مجدد الف ثانی "ہر فتنہ جو اس زمانہ میں ملت اور دین کی ترویج میں ظاہر ہُوا وُہ عُلمائے سُوء کی شُومی کی وجہ سے ہوا جو درحقیقت شرارتی انسان اور دین کے لصوص ہیں۔"

۱۔ مخدوم الملک مُلّا عبداللہ سُلطانپوری

یہ شخص علوم عربی اور فقہ کا زبردست عالم تھا۔ ہر خاص و عام کے دل پر اُس کی عظمت چھائی ہُوئی تھی۔ اُس نے کئی بادشاہوں کے دَور دیکھے تھے، جو اپنی سلطنت کے استحکام کی خاطر اُس کا منہ دیکھتے رہتے تھے۔ شیر شاہ نے بقول بعض اُس کو شیخ الاسلام کا خطاب دیا تھا (بقولِ بعض ہمایوں نے اُس کو یہ خطاب دیا تھا)۔ سلیم شاہ کے عہد میں اُس کو اَور بھی اقتدار حاصل ہو گیا۔ ہمایوں بھی اپنے باپ بابر کی طرح اُس کی عزت کرتا رہا اَور اُس کے عہد میں وُہ گویا مختارِ کُل تھا۔ اکبر تو اس گرگ باراں دیدہ کے آگے محض ایک اَن پڑھ نوخیز لڑکا تھا۔ اکبر کی عنایات کو دیکھ کر وُہ حدِ اعتدال سے بڑھ گیا۔ وُہ سمجھتا تھا کہ جس کو ہم بادشاہ کہیں وُہی تخت پر قائم رہ سکے گا۔ اُس کے بُرے افعال اَور کمینہ حرکات کے قصے زبان زدِ خاص و عام تھے کیونکہ وُہ ہر کس و ناکس سے متکبرانہ سلوک کرتا تھا۔ سلیم شاہ کے زمانہ میں شیخ علائی برسرِ دربار علانیہ اُس کو ملامت کر کے کہا کرتا تھا کہ تو دُنیا کا عالم ہے لیکن دین کا چور ہے اَور نامشروع باتیں کھلم کھلا کرتا ہے۔ راگ رنگ کی آواز لوگ تیرے گھر سے سنتے ہیں۔ اب وُہ اپنی بداعمالیوں کے باعث اکبر کی نظروں سے گر گیا۔ اکبر کی مردم شناس نظروں نے اس حقیقت کو اچھی طرح جان لیا۔ مُلّا نے ابوالفضل اَور فیضی اَور اُن کے باپ مُبارک پر مظالم توڑے تھے بلکہ اُن کے خُون کا پیاسا تھا۔ اُنہوں نے بھی اکبر کے کان بھرے اَور اکبر اُس کی طرف سے نہایت بدگمان ہو گیا اَور اکثر اوقات اُس کو ٹوکنے لگ گیا۔ بادشاہ کے تیور بدلتے دیکھ کر ہر جمعہ کی رات کو عبادت خانہ میں اُس کو بے عزت کرنے کی خاطر چاروں طرف سے اُس پر سوالوں اَور اعتراضوں کی بوچھاڑ ہونے لگی۔ کہاں وُہ زمانہ تھا کہ سب خاص و عام اُس کے احتساب کے سوالوں سے خائف و ہراساں رہتے تھے اَور کہاں اب یہ زمانہ جب وُہ ہر کہ دمہ کے سوالوں کا نشانہ بننے سے گھبرانے لگا اَور اس وجہ سے وُہ بعض اوقات عجیب باتیں مُنہ سے نکالنے لگا۔ چنانچہ ایک رات خانِ جہاں نے بادشاہ سے کہا کہ مخدوم الملک نے فتویٰ دیا ہے کہ اِن دنوں حج کا فریضہ حرام ہے۔ بادشاہ نے سبب پُوچھا، تو مخدوم الملک نے جواب دیا کہ اگر خشکی کے راستہ حج کو جائیں تو رافضیوں کے مُلک میں سے گزرنا پڑتا ہے اَور تبرّا باش شیعوں کے تبرّوں کی آوازیں کانوں میں پڑتی ہیں۔ دوسری راہ سمندری ہے اَور

Marfat.com

کوئی شخص پرتگیزوں کا پروانۂ راہداری لئے بغیر اس راہ سے سفر نہیں کر سکتا پس اگر سمندر کی راہ جائیں تو وُہ بھی گناہ ہے کیونکہ فرنگیوں سے معاملہ پڑتا ہے اَور جہاز کے عہدنامہ پر حضرت مریم اَور حضرت عیسٰی کی تصویریں ہوتی ہیں اَور یہ بُت پرستی ہے پس یہ دونوں راہ ممنوع ہیں اَور اِن دنوں حج کرنا حرام ہے۔ زکوٰۃ سے خُود بچنے کے لئے ایک شرعی حیلہ سے کام لے کر وُہ ہر سال کے آخر اپنی جائداد اپنی بیوی کے نام ہبہ کر دیتا تھا اَور پھر واپس لے لیتا تھا جب دربار کے عُلما نے یہ محضر تیار کیا کہ بادشاہ عادل مجتہدِ وقت اَور امامِ عصر ہے (اس کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے) تو مخدوم نے فتویٰ دیا کہ ہندوستان مُلکِ کُفر ہو گیا ہے اَور اکبر سے بغاوت کرنی ہر مسلمان پر واجب ہے کیونکہ اس کے دماغ میں ابھی وہی پرانے خیالات سمائے ہُوئے تھے کہ ہم عُلمائے شریعت ہیں جس کو ہم بادشاہ سلام کہیں گے وُہی تخت پر قائم رہ سکتا ہے جو بادشاہ ہم سے پھر جائے گا اُس سے سب مُسلمان پھر جائیں گے۔ اکبر نے بغاوت کو فرو کر دیا اَور حکم دیا کہ حج کو چلے جاؤ اَور بغیر اجازت واپس مت آؤ۔ بالآخر مخدوم الملک ۹۹۰ھ میں راہیِ مُلکِ عدم ہو گیا۔

مخدوم الملک کے مکانات لاہور میں تھے جن میں بڑی بڑی قبریں تھیں جن پر سبز غلاف اَور تازہ پھُول پڑے رہتے تھے اَور چراغ جلائے جاتے تھے۔ کسی مُخبر نے اطلاع دی کہ ان قبروں میں لاشیں نہیں ہیں بلکہ خزانے ہیں۔ اس کے بیٹے شکنجے میں کسے گئے۔ قبروں کو کھُدوایا گیا تو اُن میں سے صندوق برآمد ہوئے جن میں سونے کی اینٹیں تھیں۔ یہ تمام اینٹیں اور مخدوم کی کتابیں شاہی خزانہ میں داخل ہو گئیں۔ ان کے علاوہ اس قدر دولت نکلی جو وہم و گمان سے بھی زیادہ تھی وُہ سب ضبط ہو گئی۔

(۲) شیخ عبدالنبی صدر

شیخ عبدالنبی کا خاندان مشائخ میں نامور تھا کیونکہ وُہ امام اعظم کی اولاد میں سے تھا۔ اُس نے مکہ اَور مدینہ سے علم حدیث حاصل کیا۔ اکبر نے خاندان کا لحاظ کر کے اُس کو صدر الصدور کا عالی رُتبہ دے دیا جو اُس سے پہلے یا پیچھے کسی کو بھی نصیب نہ ہُوا۔ جب اکبر مخدوم سے بدگمان ہونے لگا تو اُس نے اس کی طرف رجوع کرنا شروع کیا۔ اَور اُس سے علمِ حدیث سُننے لگا۔ شاہزادہ سلیم کو حکم ہُوا کہ اُس سے حدیث کا سبق لیا کرے۔ اُس کی عزت اِس قدر بڑھی کہ اکبر نے حکم دیا کہ تمام سلطنت کی مسجدوں کے امام وظائف اَور جاگیروں کو تب ہی حاصل کر سکتے ہیں جب صدر الصدور کی تصدیق اَور دستخط ہوں۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ اُس نے بھاری رشوتیں لینی شروع کر دیں۔ جب فیضی

Marfat.com

اور ابوالفضل دربار میں آئے تو اُنہوں نے بادشاہ کی توجہ ان شکایات کی طرف منعطف کی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ جن کی معافی پانسو بیگھہ سے زیادہ ہو وُہ خُود دربار میں حاضر ہوں، اور اس مقصد کے لئے صوبے سب امرا پر تقسیم ہو گئے۔ چنانچہ پنجاب مخدوم الملک کے حِصّہ میں آیا۔ اور یوں دونوں عالموں میں دشمنی پیدا ہو گئی جو بڑھتی گئی۔ ادھر بادشاہ کی نظریں بھی پھر گئیں۔ یہ دیکھ کر ابوالفضل اُس کی خاک اڑانے لگا۔ چنانچہ ایک دِن اکبر اُمرائے دربار کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا۔ ابوالفضل نے دیکھا کہ شیخ صدر زعفران والے قاب کو کھانے لگا ہے۔ اس نے کہا اگر زعفران نجس یا حرام ہے تو اس کا کھانا کیونکر حلال ہو سکتا ہے کیونکہ شریعت کے مطابق حرام کا اثر تین دن تک رہتا ہے اور اگر حلال ہے تو اس پر اعتراض کیوں کیا گیا تھا؟ بات بات پر سوالوں کی بوچھاڑ ہونے لگی۔ مرزا عزیز کوکہ نے کہا کہ اِس محدّث نے مدینہ سے کیا حاصل ہے جب اس نے شاہزادے کو مشہور حدیث الحزم سؤ الظن کو الخرم سؤ الظن پڑھایا ہے اور حروف ح کو خ سے اور ز کو ر سے بدل ڈالا ہے۔ اب شیخ صدر کی عزت خاک میں ملتی گئی۔ اُدھر مخدوم الملک نے اس کے خلاف ایک رسالہ میں لکھا کہ شیخ صدر نے دو قتلِ ناحق کئے ہیں۔ اُس نے خضر خان شروانی پہ یہ غلط بہتان لگا کر قتل کر دیا ہے کہ اُس نے رسُول عربی کی شان میں ہتک آمیز کلمے بولے ہیں اور میر حبش پہ رفض کا بے بنیاد الزام لگا کر قتل کر دیا ہے۔ اس رسالہ میں یہ بھی لکھا تھا کہ شیخ صدر کے پیچھے نماز پڑھنی بھی جائز نہیں کیونکہ اس کی جوانی کی غلطیوں کی وجہ سے اس کو باپ نے عاق کر دیا ہُوا ہے اور اس کو خونی بواسیر ہے۔ اس کے علاوہ اس پر بے علمی اور گمراہی کے الزام بھی لگائے گئے۔ اس کے جواب میں عبدالنبی نے مخدوم الملک کو بدعتی اور احمق کہا۔ عُلما کے گروہ میں بعض عُلماً ایک کی جانبداری کرتے تھے اور بعض دُوسرے کی پاسداری کرتے تھے۔ معاملہ طول پکڑتا گیا۔ نوبت پارٹی بازی تک پہنچ گئی اور اکبر دونوں کی طرف سے بدظن ہو گیا۔ اُنہی ایام میں متھرا کے کسی برہمن نے مسجد پہ قبضہ کر کے اُس کو شوالہ بنا لیا۔ اور رسُول عربی کے خلاف بے ادبی کے الفاظ استعمال کئے۔ شیخ صدر نے اس کے قتل کا حُکم دے دیا۔ حالانکہ اکبر اُس کو یہ سزا دینا نہیں چاہتا تھا۔ محل کی ہندو رانیوں اور دربار کے ہندو راجاؤں نے کہا کہ اب یہ مُلّا نے آپ کا بھی لحاظ نہیں کرتے۔ مسلمان عُلمانے کہا کہ امام اعظم کا یہ فتویٰ ہے کہ اگر کوئی کافر جو اسلامی سلطنت کا مطیع ہو، رسُول کی شان میں بے ادبی کرے تو عہد شکنی اور ابراء ذمہ نہیں ہوتا۔ پھر شیخ اپنے جدِ امجد کی باتوں کو کیوں بھول گیا؟ اس پر اکبر نے اپنے امام

Marfat.com

مُلّا عبدالقادر بدایُونی کو کہا کہ تُو نے سُنا ہے کہ اگر ننانوے روایتیں کہتی ہوں کہ ایسا شخص قتل کر دینا چاہیے اور ایک کہتی ہو کہ رہا کر دینا چاہیے تو مفتی پر واجب ہے کہ اُس کو رہا کر دے۔ مُلّا نے عرض کی کہ جو حضور نے فرمایا ہے وُہ سچ ہے۔ اکبر نے پُوچھا کیا شیخ صدر کو اس کی خبر نہ تھی جو برہمن کو اُس نے قتل کر ڈالا؟ مُلّا نے کہا کہ شیخ عالم ہے اور اُس نے جان بُوجھ کر اس روایت کے ہوتے ہُوئے برہمن کو قتل کیا ہے۔ اُس نے یہ مصلحت دیکھی ہو گی کہ فتنہ ختم ہو جائے اور آئندہ کوئی جرأت نہ کرے اور قاضی عیاض کی روائت کی سند دی۔ ابوالفضل نے کہا کہ قاضی عیاض مالکی ہے پس اُس کی بات حنفیوں کے لئے سند نہیں۔ اِس پہ اکبر کا دِل شیخ سے پھر گیا۔ جب محضرِ امامت پر دستخط ہُوئے تو مخدوم الملک اور شیخ صدر دونوں نے مل کر کہا کہ اکبر بدمذہب ہو گیا ہے۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ ایسے بادشاہ کے خلاف بغاوت کرے، کیونکہ سلطنت شریعت کے تابع ہے۔ اُنہوں نے مرزا محمد حکیم حاکمِ کابل کو دعوت دی کہ وُہ ہندوستان پر حملہ کر کے اکبر کی بجائے بادشاہ بن جائے۔ اکبر نے بغاوت فرو کی اور دونوں کو حُکم دیا کہ حج پر چلے جاؤ اور بغیر اجازت واپس نہ آؤ۔ اُس نے ایک دفعہ شیخ صدر کے ہاتھ مکّہ اور مدینہ کے شُرفا کے لئے ستر ہزار روپیہ دیا تھا اس کی پڑتال کا راجہ ٹوڈرمل کو حُکم ہُوا۔ شیخ صدر دفتر خانہ کی کچہری میں قید تھا۔ وُہ اس کس مپرسی کی حالت میں حوالات میں ہی مر گیا۔ اس کی موت کے بعد مغلیہ خاندان نے کبھی کسی کو صدر الصدور نہ بنایا۔ مخدوم الملک اور شیخ صدر کی موت کے ساتھ ہی مذہبی تسلّط کا زور اور سلطنت پر شرعی اقتدار سب رُخصت ہو گئے۔

ممکن ہے کہ کوئی شخص مذکورہ بالا دونوں عالموں کے بیانات کو (جو مُلّا عبدالقادر بدایُونی کی کتاب منتخب التواریخ پر مبنی ہیں) مبالغہ آمیز سمجھے پس ہم شاہ عبدالحق محدّث دہلوی جیسے محتاط اور پردہ پوش عالم کے الفاظ ان کی کتاب اخبار الاخیار سے نقل کرتے ہیں "شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے پوتوں میں سے ایک شیخ عبدالنبی تھا جس نے علومِ رسمیہ کی تحصیل کی تھی اور جوانی کے ایام میں حرمین گیا تھا۔ اُس نے مکّہ کے فقہا میں سے بعض کے سامنے حدیثِ نبوی کو پڑھا تھا (قابلِ غور ہے کہ شاہ صاحب فقہا کہتے ہیں نہ کہ محدّثین)، پھر اپنے وطن واپس آ کر زہد اور تقشف کے لیے مشہور ہو گیا۔ بادشاہِ وقت کو ایک ایسے صدر کی ضرورت تھی جو صاحب علم و دیانت ہو۔ بعض وجوہ کے باعث وُہ صدارت کی مسند پر بیٹھ گیا اور اتنی عزّت و شہرت پائی جس کا وُہ حقدار نہ تھا۔ اُس نے ظلم کرنے شروع کر دیئے۔ اُس کو اس قدر مال اور رُتبہ ملا جو کہنے سے بھی زیادہ

Marfat.com

ہے۔ اکبر اُس پر بڑا اعتبار کرنے لگ گیا اور اِس وجہ سے وُہ لوگوں کو حقیر و ذلیل سمجھنے لگ گیا۔ وُہ شُرفا سے بُرا سلوک کرتا اور جس کو اپنے مزاج کے مُطابق نہ پاتا اُس کو محروم کر دیتا تھا۔ سال گذرتے گئے پھر بعض حوادث کی وجہ سے (یعنی عُلمار کی بداعمالیوں اور شیخ مُبارک کے خاندان کے عروج پانے اور دربار میں نئی حکمت اور تحقیق کے جاری ہونے کی وجہ سے) اکبر اس سے برگشتہ ہوگیا اور وُہ صدارت کے منصب سے معزول کیا گیا۔" مخدوم الملک کی نسبت شاہ صاحب لکھتے ہیں "وُہ دانش مند تھا اور مخدوم الملک تھا اور نہایت ہوشیار اور متعین شخص تھا جو تجارتِ امُور اور مال و زر کے جمع کرنے کی صفت سے موصُوف تھا۔"

(۳) اسی مشرب کا شخص قاضی القضاۃ عبدالسمیع تھا جس کا خاندان ماوراالنہر میں مشہور تھا لیکن اس عالم کا کام بازی لگا کر شطرنج کھیلنا۔ میخواری کے جلسے کرنا۔ رشوت اور نذرانے لینا اور سُود کھانا تھا۔

(۴) شیخ محمد غوث بھی جو سطاریہ سلسلہ کا صُوفی تھا اپنے مریدوں کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ بڑے کرّوفر سے آگرہ آیا۔ پہلے تو اکبر اُس کا معتقد ہوگیا لیکن جلد ہی اُس کو اصل حال کا پتہ لگ گیا اور وُہ اُس سے بھی بیزار ہوگیا۔

(۵) شیخ سلیم چشتی کے بیٹے ابراہیم چشتی کی نسبت مُلا بدایُونی لکھتا ہے کہ جب وُہ مرگیا تو پچیس کروڑ نقد روپیہ اور لاتعداد ہاتھی، گھوڑے وغیرہ پیچھے چھوڑ گیا۔ سب بادشاہی خزانہ میں داخل ہوئے۔ ان مثالوں سے ہم اکبری عہد کے عُلما کی حالت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

جب اِن فاضلوں کے پردے کھل گئے تو اکبر عُلما کے گروہ سے بدگمان ہوگیا اور اِس کا اسلام میں پہلا سا اندھا دھند اعتقاد بھی جاتا رہا۔ اکبر نے حکم دیا کہ مسجدوں کے اماموں اور تمام ملک کے مشائخ کی جاگیروں کی پڑتال کی جائے جو شیخ صدر نے دی تھیں۔ تحقیقات کا نتیجہ یہ ہُوا کہ بے شمار امام اور مشائخ تخفیف میں آگئے۔ اور عُلما کا گروہ جو پُشتوں سے بادشاہ سے لے کر معمُولی مُسلمان کی گردن پہ سوار رہتا تھا بے نوا اور ذلیل ہوگیا۔ مسجدیں ویران ہونے لگیں اور مدرسے کھنڈر بننے لگے کیونکہ ان کی مرمت کے لئے زر نہ تھا۔

اب اکبر ہر مسلمان عالم اور صوفی کو پرکھتا تھا۔ اُس کا خیال یہ تھا کہ مشائخ اور عُلمار کے گروہ میں شاید کوئی صاحبِ علم و معرفت مل جائے۔ لیکن اکثر علم کی بجائے مکر و فریب کی دکانداری ہی پاتا تھا۔ مثلاً ایک شخص آگرہ آیا جس کے ہزاروں احمق مرید ہوگئے۔ اکبر نے حکیم ابوالفتح اور عبدالرحیم

Marfat.com

خانخاناں کو بھیجا تاکہ کھوٹے کھرے کی پہچان کریں۔ معلوم ہُوا کہ دغا کی دکانداری ہے۔ حکم دیا کہ قید کر دیا جائے تاکہ خلقِ خُدا اُس کی فریب کاریوں سے محفوظ رہے۔ اکبر کے ملک الشعرا فیضی نے عُلمائے وقت کی نسبت کہا :۔

زبان کشیدہ بدار القضا عجب ریا — شہودِ کذب زعوا گران ایمانی
اگر حقیقتِ اسلام در جہاں این است — ہزار خندۂ کفرست بر مسلمانی

(۶) شیخ مُبارک فیضی اَور ابو الفضل :۔

شیخ مُبارک اَور اُس کے دونوں بیٹے فیضی اَور ابو الفضل کو اکبر بادشاہ کے اعتقادات کی تاریخ میں خاص مقام حاصل ہے۔ شیخ اُن کا خاندانی لقب تھا۔ مُبارک ۹۱۱ھ میں پیدا ہُوا۔ علومِ عقلی اَور نقلی میں وُہ اپنا ثانی نہ رکھتا تھا جس کی وجہ سے گروہِ عُلما نے حسد کے مارے اُس کی زندگی تلخ کر دی۔ تصوّف اَور علمِ اشراق کی کُتب۔ منطق و الٰہیات کی کُتب اَور چاروں اماموں کی کُتب پر اُس کو عبُور حاصل تھا۔ اُس لے قرآن دس قرأتوں سے حفظ کر رکھا تھا۔ وُہ ۹۵۰ھ میں آگرہ آیا جہاں ۹۵۴ھ (۱۵۴۷ء) میں فیضی اَور ۹۵۸ھ (۱۵۵۱ء) میں ابو الفضل پیدا ہُوئے۔ اُس کے علم و زُہد کی شُہرت ہر طرف پھیل گئی جس کی وجہ سے مخدوم الملک اَور شیخ صدر اُس کے دشمنِ جان ہو گئے کیونکہ اس کا نام سُن کر مختلف ممالک کے لوگ اُس کے پاس درس و تدریس کے لئے آتے تھے حتیٰ کہ ان دونوں کو اپنی فکر پڑ گئی۔ پس ان دونوں نے اُس پر بدعت اَور بد مذہبی کا اَور مہدویت اَور تشیّع کا الزام لگایا تاکہ اُس کو بیٹوں سمیت قتل کر دیں لیکن وُہ بیٹوں سمیت بھاگ گیا۔ بالآخر اُس نے مرزا عزیز کوکہ کا دامن پکڑا اَور اُن کو واپس آگرہ آنا نصیب ہُوا۔ اِس وقت باپ کی عمر ۶۳ سال کی تھی ۹۷۴ھ میں فیضی دربار میں پہنچ گیا اَور ۹۸۱ھ میں ابو الفضل میر منشی مقرر ہُوا۔ اکبر مردم شناس شخص تھا اَور علم و دانش کا قدر دان تھا۔ عبادت خانہ کے علمی جلسوں میں ابو الفضل اَور فیضی شامل ہوتے تھے اَور اسی گھات میں رہتے تھے کہ مخدوم الملک اَور شیخ صدر کو نیچا دکھائیں۔ باپ کی طرح دونوں علم و فضل کے مالک تھے۔ ہر مسئلہ میں فلسفیانہ دلائل اَور علمی کتابوں سے حریفوں کو شکست دینے لگے۔ وُہ ہر مسئلہ پر کتابی حوالوں سے حریفوں کا مُنہ بند کر دیتے اَور اختلافی مسئلے دکھا کر ایسے شبہے پیدا کر دیتے کہ مُلّا دِق ہو کر زک کھا جاتے اَور تلملا اُٹھتے تھے۔ ان کی تلملاہٹ کو دیکھ کر اکبر کو ایک گونہ مسرّت ہوتی تھی اَور غیر مُسلم (جیسا کہ ہم اگلی فصل میں دیکھیں گے) دریدہ دہنی سے اسلام اَور بانیٔ اسلام

Marfat.com

پر اعتراض کرنے سے نہ جھجکتے تھے۔ اکبر ایسے باخبر اشخاص کی تاک میں رہتا تھا جو اُن کوڑھ مغز دقیانوسی مُلّانوں کو نیچا دکھا سکیں۔ چنانچہ مُلّا عبدالقادر بدایونی اصولِ فقہ علم قرآن اور حدیث کا فاضل تھا۔ علومِ ظاہری اور باطنی دونوں کی کتابوں پر حاوی تھا۔ وُہ بھی شیخ مُبارک کا شاگرد رہ چکا تھا اگرچہ اُس کا ہم عقیدہ نہ تھا۔ اکبر کی مردم شناس نظر نے پہلی ہی نشست میں اُس کی لیاقت اور تیزیٔ فہم دعقل دیکھ کر کہا کہ یہ مُلّا حاجی ابراہیم سرہندی کی خُوب خبر لے گا۔ اور اس کو ایسے عُلماء سے لڑا دیا جو کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ مُلّا عبدالقادر رُوکھا سُوکھا عالم نہ تھا بلکہ وُہ ایک شگفتہ اور شوخ طبیعت رکھتا تھا۔ گانے بجانے شطرنج کھیلنے بین بجانے اور اس قسم کے دیگر فنون میں بھی دسترس رکھتا تھا۔ خوش الحانی کے ساتھ قرآن پڑھتا تھا۔ پس اکبر نے اُس کو اپنے سات اماموں میں سے ایک امام یا پیش نماز مقرر کر دیا اور وُہ بُدھ کے روز امامت کرتا تھا۔

شیخ مُبارک نے دربار میں کوئی ملازمت نہ لی۔ لیکن اکبر کی جوہر شناسی مُبارک کو بُلوا بھیجتی، اور بادشاہ اس کے علمی نکتوں سے نہایت محظوظ ہوتا۔ جب کبھی اکبر کسی فتح کے بعد آتا یا کوئی عید یا جشن ہوتا تو مُبارک دربار آتا اور مُبارکبادی دے کر رخصت پا کر چلا جاتا تھا۔ جن دنوں شیخ صدر نے متھرا کے برہمن کو شوالہ بنانے کے مُقدمہ میں قتل کر دیا تھا اُنہی ایّام میں شیخ مُبارک کا دربار میں آنا ہُوا۔ اکبر نے اُس سے شکایت کی۔ مُبارک نے کہا کہ بادشاہِ عادل خُود مجتہد ہوتا ہے جس امر میں آپ مصلحت دیکھیں اُس کا حکم دیں۔ آپ کو گروہِ عُلما جیسی نالائق جماعت سے پُوچھنے کی حاجت ہی کیا ہے؟ اکبر نے کہا کہ پھر تُم ہم کو اِس گروہِ جُہلا کے پنجہ سے نجات حاصل کرنے کی راہ کیوں نہیں بتلاتے؟ اُس نے جواب دیا کہ بادشاہ ظلّ اللہ۔ نائبِ رسُول، خلیفۃ الزّمان اور امامِ عہد واجب الاطاعت ہے۔ پس اُس کو یہ حق حاصل ہے کہ مسائلِ مختلف فیہا میں حسبِ ضرورتِ وقت اجتہاد کرے اور اُس کا اجتہاد واجب العمل ہے۔ بالآخر امامت کا محضر تیار کیا گیا جس میں قرآنی آیات اور روایاتِ اسلامی کی سند سے اس نکتہ کو تقویّت دی گئی کہ بادشاہ امامِ عادل ہے جس کی رائے کو عُلما اور مجتہدین کی رائے پر توفیت حاصل ہے۔ عُلماء کو اِس محضر کے قبُول کرنے میں تامل ہُوا۔ شیخ مُبارک کی بات اللہ تو ٹھیک تھی لیکن اُس کے قبُول کرنے سے اُن کا اقتدار ختم ہوتا نظر آتا تھا۔ پر حکومت کے آگے کس کی چل سکتی تھی۔ مجبوراً سب کو دستخط کرنے پڑے۔ سب سے پہلے شیخ صدر نے اور مخدوم المُلک نے طوعاً و کرہاً دستخط کئے۔ پھر قاضی القضاۃ جلال الدین مُلتانی نے اور شیخ عبدالحیٔ مفتی وغیرہ نے اپنی مہریں ثبت کیں۔ چنانچہ مُلّا عبدالقادر بدایونی لکھتا ہے" بالآخر بعضے بطوع و بعضے

بکرہ بر آن محضر مہر ہا کردند۔" (جلد دوم صـ۲۷ـ) ۔ یہ ماہ رجب ۹۸۷ھ (ستمبر ۱۵۷۹ء) کا واقعہ ہے۔ اس کے چودہ سال بعد شیخ مبارک ۱۰۰۱ھ (۱۵۹۳ء) میں فوت ہوگیا جب اُس کے بیٹے اکبری عہد کی پشت و پناہ ہوگئے تھے۔ وُہ مُلا جو کہتے تھے کہ سلطنت شریعت کے تابع ہے اور ہم صاحبِ شریعت ہیں پس سلطنت ہماری تابع فرمان ہے، سب کے سب بے دست و پا ہو گئے اور اب یہ دستور العمل ہوگیا کہ بادشاہ خدا کا نائب ہے وُہ جو کچھ کرتا ہے وہی عین مصلحت ہے اور مصلحتِ ملکی ہی شریعت ہے جس کی اطاعت ہر چھوٹے بڑے پر واجب ہے، کیونکہ امام عادل مجتہد سے برتر ہے جس کے احکام اور فتوے ہر امر میں ہر صاحبِ اختیار کے فیصلوں پر مقدم ہیں، خواہ اُن کا تعلق دین کے ساتھ ہو یا دُنیا کے ساتھ ہو۔ امام عادل کا فیصلہ شرعی احکام سے بالاتر ہوگیا۔ اکبر کا اختیار دین و دُنیا پر ہوگیا اور ہر قسم کی مخالفت کا امکان ختم ہوگیا۔

اکبر کی حکومت کے بارھویں سال میں فیضی کی اکبری دربار میں رسائی ہوئی۔ اُس کے چھ سال بعد ابوالفضل نے ۱۵۷۴ء میں دربار میں باریابی حاصل کی جب اکبر کی عمر ۳۲ سال کی تھی۔ فیضی نے علم و فضل کا اکتساب اپنے باپ سے کیا۔ دربار میں پہنچ کر وُہ شاہزادہ سلیم، مراد اور دانیال کا اُستاد مقرر ہُوا۔ سلاطینِ چغتائیہ میں ملک الشعراء کا خطاب پہلے پہل غزالی مشہدی کو ملا تھا اور اس کے بعد فیضی کو یہ خطاب ملا جس نے اپنی بلند خیالی، شگفتہ بیانی اور خداداد عقل و علم کی بدولت نہایت قلیل عرصہ میں اکبر کی مصاحبت کا درجہ حاصل کر لیا تھا۔ اُس کی متعدد تصانیف میں رنگین عبارت۔ نازک خیالات۔ فصیح الفاظ۔ لطیف استعارے اور دلکش فقرے ہیں۔ اکبر کے حکم سے اس نے کالیداس کی کتاب نل دمن کی داستان کا فارسی میں ترجمہ کیا جس میں سنسکرت کی لطافت کو برقرار رکھا گیا ہے۔ دیگر کُتب کے علاوہ اُس نے مہابھارت کا اور بھاگوت گیتا کا ترجمہ کیا۔ تفسیرِ سواطع الالہام ۱۰۰۲ھ میں لکھی جس کے تمام حروف نقطہ کے بغیر ہیں۔ بالآخر ماہ صفر ۱۰۰۴ھ میں عالمِ ملک بقا ہوگیا۔

ابوالفضل نے بھی اپنے باپ مبارک سے علم و فضل حاصل کیا تھا۔ اُس کو بیسیوں کتابیں حفظ تھیں۔ لڑکپن سے ہی عُلما کی کُتب پر اُس کو اعتراض سوجھتے تھے کیونکہ وُہ ہر بات کو عقل کی کسوٹی سے پرکھتا تھا۔ جب دربار میں پہنچا تو بیس برس کا جوان تھا۔ یہ وُہ زمانہ تھا جب اکبر عبادت خانہ میں جلسے کرواتا تھا اور عُلما کی باہمی رقابت اور فضیلت نمائی سے دق ہو رہا تھا۔ مردم شناس بادشاہ نے قدر کی نگاہوں سے دیکھا۔ اُس کے علم اور جستجوئے حق نے اکبر کا دل موہ

Marfat.com

لیا، اور رفتہ رفتہ وہ سلطنت اور دربار کے امور میں حصہ لینے لگا۔ اُس کی عقل و دانش کی وجہ سے بادشاہ اُس پر اعتماد کرنے لگ گیا۔ وہ ہر کام کو بڑی ہشیاری۔ عرق ریزی اور دُور اندیشی سے سرانجام دیتا تھا۔ خُدا نے سکندرِ اعظم کو ارسطو عطا کیا تھا تو اُس نے اکبرِ اعظم کو ابوالفضل بخشا۔ گو حق تو یہ ہے کہ اکبر کی مردم شناس نظر ہی کھرے کھوٹے کو پہچان کر دربار کے نورتن کا صحیح انتخاب کر سکتی تھی۔

ابوالفضل ۱۵۷۴ء میں اکبری دربار میں آیا۔ اِس سال سے اکبر کی حکومت کا دُوسرا دَور شروع ہوتا ہے۔ جیسا ہم اِس باب کی فصلِ اوّل میں بتلا چکے ہیں، اکبر اپنی حکومت کے پہلے دَور میں اچھا سیدھا سادہ دیندار مسلمان تھا جو عالموں اور درویشوں کی صحبت پسند کرتا تھا۔ لیکن اب مذہبی رواداری اُس کی زندگی کا جُزو بن گئی اور وہ حق کی تلاش خلوصِ دِل سے کرتا تھا۔ بدایونی لکھتا ہے کہ ۱۵۸۰ء سے وہ اسلام سے بیزار نظر آنے لگا۔ دربار کے مسلم عُلما کی زندگیوں کو ملاحظہ کر کے اُس کا دِل قرآن و اسلام سے ہٹ گیا اور وہ غیر مسلم مذاہب کی تعلیمات اور عقائد سے مستفیض ہونے لگا۔ اُن میں جو بات اُس کو پسند آتی تھی اُس کو قبول کر کے باقی باتوں کو رد کر دیتا تھا۔ یہ بات اُس کے منقوشِ خاطر ہو گئی کہ تمام مذاہب میں راستی ہے اور غیر مُسلم مذاہب کے بانی بااُصول انسان تھے۔ درآنحالیکہ تمام مذاہب میں صداقت موجود ہے تو اسلام خُدا کا اکیلا دین نہیں ہو سکتا اور پھر وہ تو ابھی ایک ہزار سال کا بھی نہیں ہے۔ اس سے زیادہ قدیم مذاہب دُنیا میں موجود ہیں جن میں صداقت پائی جاتی ہے۔ بالخصوص ہندو مذہب کے عقیدۂ تناسخ کو وہ روزِ حشر، قیامت، جنت و دوزخ وغیرہ عقائد پر ترجیح دیتا تھا۔ اُس نے دیکھا کہ اسلام میں ایک فرقہ جس بات کو مذہب کی اصل قرار دیتا ہے۔ دُوسرا فرقہ اُس کا انکار کرتا ہے۔ ہر فرقہ اپنے آپ کو ناجی قرار دیتا ہے اور باقی فرقوں کو جہنم کی آگ کے سُپرد کرتا ہے۔ اکبر اپنے درباریوں کے مُنہ سے اسلام کے خلاف باتیں سُن کر خوش ہوتا تھا اور اُن کو اُکساتا تھا تاکہ وہ مُسلم عُلما پر دھڑا دھڑ اعتراض کر کے اُن کو نیچا دکھائیں اور ذلیل کریں۔ اُس کے ایمان کی دیواریں یکے بعد دیگرے گرتی گئیں۔ پانچ چھ سال کے اندر اُس کا ایمان اسلام پر نہ رہا، اور اُس کے دل سے مُسلم اور غیر مُسلم کا امتیاز حرفِ غلط کی طرح مِٹ گیا۔

فیضی، ابوالفضل اور اُن کے باپ مُبارک کو ناحق مطعون کیا جاتا ہے کہ اُن کی وجہ سے اکبر کا دِل اسلام کی طرف سے پھر گیا تھا۔ حق تو یہ ہے کہ اکبر کے دربار کے عُلما کی تُو تُو مَیں مَیں نے

Marfat.com

اُس کے معتقدات کی بنیاد ڈالی اور مُلکی مصلحت نے رواداری کی راہ سجھائی۔ عصبیت کے محکم قلعے ٹوٹ گئے۔ غیر مذاہب کی کُتب و عقائد کے مطالعہ نے رہے سہے دقیانوسی خیالات کو دل سے نکال دیا۔ اکبر کے بے پناہ جذبۂ تحقیقِ حق نے باقی کام کر دیا۔

فصل سوم

مذہبی مباحثے اور دینی مناظرے

چیست عالم؟ چیست آدم؟ چیست حق؟ (اقبالؔ)

ہم بتلا چکے ہیں کہ ۹۸۲ھ میں اکبر نے عبادت خانہ تیار کروایا تاکہ وُہ دینِ اسلام کے مسائل کے مختلف پہلوؤں اور باریکیوں سے واقف ہو سکے۔ وہاں تمام عُلماء و فضلا جمع ہوتے اور وُہ اور اُس کے درباری اُمراء ان عُلماء سے علمی مباحثے سُنتے تھے۔ اکبر عُلما کو تاکیداً کہتا تھا کہ میں حقیقت کو دریافت کرنا چاہتا ہُوں پس خبردار رہو۔ تُم کسی دنیاوی غرض یا انسانی مقصد کو حاصل کرنے کی خاطر اصل حقیقت کو مت چھپاؤ۔ اگر تُم ایسا کرو گے تو تُم اس دنیا میں اپنے کئے کا عوض حاصل کرو گے اور خُدا کے حضور بھی ذمّہ دار ہو گے لیکن جیسا ہم لکھ چکے ہیں عُلما کا گروہ جو فروشِ گندم نما تھا۔ دربار میں سب قسم کے اسلامی فرقوں کے آدمی جمع ہو گئے تھے جو اکبر کی اسلام دوستی کی شہرت سُن کر خراسان، عراق، ماوراء النہر اور دیگر ممالک سے آئے تھے۔ اکبر نے دیکھا کہ اُن کا علم و فضل کا دعویٰ دنیاداری اور مکر و فریب کی دکانداری کا محض پردہ ہے۔ اُن کے پلّے میں لفاظی اور دھوکا دینے والی دلیلیں اور زبانی جمع خرچ کے سوا کچھ نہیں ہے۔

شہر یزد کا مُلّا محمد اکبری دربار میں آیا۔ وُہ چاہتا تھا کہ بادشاہ شیعہ مذہب اختیار کرے۔ اُس نے صحابۂ رسُول کے خلاف مختلف باتیں اکبر کو بتائیں۔ انہی ایام میں بادشاہ نے قاضی جلال الدین اور دیگر عُلما کو کہا کہ قرآن کی تفسیر لکھیں لیکن اُس نے دیکھا کہ ہر عالم دُوسرے کی تفسیر سے اختلاف رکھتا تھا۔ ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ ہُوا کہ اکبر گروہِ عُلمائے اسلام سے بدگمان ہو گیا اور اسلامی عقائد کو تنگدلی اور تنگ خیالی پر محمول کرنے لگ گیا۔ وُہ جُوں جُوں اسلامی کتب کو سُنتا وُہ بیزار ہوتا گیا۔ (۵۰۰)

Marfat.com

ہیں اکبر جن و ملائک کا انکار کرنے لگ گیا اور انبیاء اور صوفیا اور درویشوں کے معجزات کا بھی منکر ہو گیا۔ عقل کو اصلی معیار قرار دے کر قرآن کی سند، حیات بعد از ممات اور جنت و دوزخ کا انکار کر کے یہ ماننے لگ گیا کہ فقط تناسخ کا مسئلہ ہی درست ہے۔ اب وہ اسلام کو "تقلیدی مذہب" قرار دے کر اس کے اصولوں کو نظرانداز کرنے لگ گیا تحریروں میں سنِ ہجری کی بجائے سن الٰہی اکبر شاہی تحریر ہونے لگا۔ اب مذہبی امور پر عقلی نقطہ سے بحث ہوتی۔ اگر کسی مسئلہ پر اسلامی نقطۂ نظر سے بحث ہوتی تو اکبر کہتا کہ یہ باتیں ان ملّانوں سے معلوم کرو، ہم تو صرف وہ بات کریں گے جو عقل و خرد پر مبنی ہو۔ اگر کوئی علمائے سلف کی کتابوں سے سند دیتا تو اکبر کہتا کہ ایسے شخص کی سند نہ دو جس کے نہ اعمال درست تھے اور نہ دماغ ٹھیک تھا۔

جب اکبر نے عبادت خانہ میں تمام مذاہب کے علماء اور فضلا کو آنے کی دعوت دیدی تو مسلمان فضلا کے علاوہ پنڈت، بدھ مت، زرتشت مذہب، یہودی مذہب، مسیحیت غرضیکہ ہر مذہب و عقیدہ کے فاضل وہاں آنے لگے۔ چنانچہ ہندوؤں کے مشہور فلاسفہ مثلاً پرشوتم اور دیوی، جینیوں کے مشہور فاضل مثلاً ہری وِجے سوری۔ وِجے سین سوری۔ بھانو چندر اُپادایہ وغیرہ عبادت خانہ میں آئے۔ ہر شخص بڑے جوش اور خلوصِ قلب سے اپنے عقائد کا کھلم کھلا بغیر کسی ہچکچاہٹ کے پرچار کرتا اور دیگر مذاہب کے اصولوں کی تردید کرتا تھا۔ ان جلسوں میں خوب گرماگرم بحث ہوتی۔ اکبر نہایت غور سے ہر ایک کی دلائل کو سنتا اور قرینِ عقل بات کو قبول اور خلافِ عقل بات کو رد کر دیتا تھا۔

اکبر کی زندگی میں یہ پہلا موقعہ تھا جب اس نے غیر مسلم مذاہب کے اصولوں کو اور ان کے دلائل کو سنا۔ اس نے دیکھا کہ ہندوؤں کے سادھو اور برہمن اور عیسائی پادری مسلمان عالموں سے زیادہ فاضل ہیں اور مختلف علوم میں زیادہ دسترس رکھتے ہیں۔ اس کو ان کی زندگی بھی زیادہ پاکیزہ نظر آتی تھی۔ ان باتوں کا اس کے دل پر بڑا اثر ہوا۔ غیر مسلم مذاہب کے اعتقادات اس کو ایک عجوبہ نظر آئے اور ان مختلف النوع خیالات میں سے جو باتیں اس کو اچھی معلوم دیں ان کو اس نے قبول کر لیا۔ وہ ہر مذہب کی اصل سچائی کو معلوم کر کے اس کو اختیار کرنا اور اپنانا چاہتا تھا۔

کتاب "دبستانِ مذاہب" کا مصنف محسن فانی (از ۱۶۱۵ء تا ۱۶۷۰ء) جہانگیر، شاہجہان اور اورنگزیب کے عہد میں زندہ تھا۔ شاہجہان نے اس کی قابلیت کو دیکھ کر ایک اچھے

Marfat.com

عہدے پر ممتاز کر دیا۔ لیکن ایک دفعہ اُس نے شاہِ بخارا کی توصیف میں ایک قصیدہ لکھا جس سے شاہجہان غضب میں آ گیا اور اُس نے محسن کو ملازمت سے برطرف کر دیا۔ یہ ۱۰۴۶ھ کا واقعہ ہے۔ ملازمت سے برخاست ہونے کے بعد محسن فانی کشمیر چلا گیا۔ اُس کو مختلف مذاہب کے اصولوں کا علم حاصل کرنے کا خاص شوق تھا اور اکبر کا بڑا مداح تھا۔ اُس نے مذاہب کے اصولوں کو اپنی کتاب "دبستانِ مذاہب" میں جمع کیا جو اکبر کی وفات کے ساٹھ سال بعد شائع ہوئی جس میں عبادت خانہ کے مباحثوں اور مناظروں کا ذکر ہے۔ اگر اُس کے بیانات لفظاً بہ لفظاً صحیح نہ بھی ہوں تو بھی اُس کو پڑھ کر ہم اِن مناظروں کا اندازہ کر سکتے ہیں پس ہم بطور مشتے نمونہ از خروارے اِس کتاب کے بعض مقامات نقل کرتے ہیں۔

"ایک روز ایک نصرانی خلیفۃ الحق (اکبر) کی خدمت میں آیا۔ اکبر نے ایک مسلمان عالم کو اُس کے ساتھ بحث کرنے کا حکم دیا۔ نصرانی نے اُس سے پوچھا۔ تُم حضرت عیسیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔ جواب ملا کہ ہاں۔ ہم اُس کو خُدا کا پیغمبر برحق جانتے ہیں اور قرآن میں اُس کی رسالت کا ذکر ہے۔ نصرانی نے کہا کہ حضرت عیسیٰ نے خبر دی ہے کہ میرے پیچھے بہت آئیں گے جو پیغمبری کا دعویٰ کریں گے لیکن اُن کا ہرگز یقین نہ کرنا کیونکہ وُہ جھوٹے نبی ہوں گے۔ انجیل میں تُمہارے پیغمبر کی نسبت کوئی خبر موجُود نہیں ہے۔ مسلمان نے کہا کہ خبر تورات اور انجیل میں مذکور تھی لیکن تُمہارے بزرگوں نے اُس کو خارج کر دیا ہے۔ نصرانی نے پُوچھا کیا وہ انجیل جس کو تُم صحیح مانتے ہو تُمہارے پاس ہے؟ مسلمان نے کہا کہ نہیں۔ نصرانی نے کہا اِس سے معلوم ہو گیا کہ تُمہارا دعویٰ باطل ہے۔ درحقیقت تُم انجیل کے منکر ہو ورنہ اُس انجیل کو تُم اپنے پاس رکھتے جس کی صحت کے تُم قائل ہو جس طرح ہم عیسائی تورات مُوسیٰ کو اپنے پاس رکھتے ہیں۔ پھر تُم یہ بتلاؤ کہ تُمہارے پیغمبر کی رسالت کی صداقت کی کیا دلیل ہے۔ مسلمان نے جواب دیا۔ اُس کے معجزات جن میں سے ایک شق قمر ہے اُس کی رسالت کے گواہ ہیں۔ نصرانی نے کہا کہ اگر شق قمر ایک صحیح تاریخی واقعہ ہوتا تو کُل جہان کے لوگ اُس کو دیکھتے اور ہر مُلک کے عجائبات رقم کرنے والے اور ہر قوم کے مؤرخ اُس کا ذکر کرتے لیکن حال یہ ہے کہ سوائے قرآن کے اِس کی خبر کوئی نہیں دیتا۔ وہاں ایک ہندو پنڈت حاضر تھا۔ اکبر نے اُس سے پُوچھا کہ کلجگ میں کیا کبھی چاند دو ٹکڑے ہو گیا تھا؟ پارسیوں اور ترکوں سے بھی اکبر نے یہی سوال کیا۔ سب نے جواب دیا ہم نے ایسی بات اپنی تاریخ میں کبھی نہیں پڑھی۔ پس مسلمان عاجز ہو گیا۔

ایک روز ایک یہودی آیا۔ حضرت خلیفۃ اللہ نے نصرانی کو اُس کے رُوبرُو کیا۔ یہودی

Marfat.com

نے کہا کہ توراۃ میں عیسیٰ کی خبر نہیں ہے۔ نصرانی نے جواب دیا کہ اگر یہ بات درست ہے تو داؤد نے کیوں کہا کہ اُنھوں نے میرے ہاتھوں اور پاؤں کو زخمی کیا اور میری ہڈیوں کا شمار کیا۔ یہ خبر حضرت عیسیٰ کے مصلوب ہونے کی ہے۔ یہودی نے جواب دیا کہ جو بات داؤد نے اپنے حق میں کہی ہو اور خدا اُس کو داؤد کی زبانی کہلواتا ہو، وہ عیسےٰ کے ظہور کی خبر کیسے ہو گئی؟ نصرانی نے کہا کہ عیسےٰ کے کنواری سے پیدا ہونے کی خبر بھی انبیائے سلف کی کتب میں موجود ہے۔ یہودی نے جواب دیا کہ مریم کی دوشیزگی ہمارے نزدیک ثابت نہیں۔ تمہارے اپنے عقیدہ کے مطابق بھی وہ عیسیٰ کی پیدائش سے پہلے یوسف نجار سے عقد کر چکی تھی اور عیسیٰ کو یوسف نجار کا بیٹا کہتے تھے۔ نصرانی نے کہا جو تم نے کہا وہ ٹھیک ہے لیکن یوسف نے مریم کو ہاتھ بھی نہ لگایا تھا۔ یہودی نے شور مچا کر کہا کہ بات کیسے ثابت ہوئی۔ جو بات نصرانی کہتا تھا اُس کا یہودی ایسا جواب دیتا تھا کہ نصرانی عاجز ہو کر رہ گیا۔

ایک روز ایک دانشمند آیا۔ اکبر نے خلوت میں مسلمان۔ نصرانی اور یہودی فاضلوں کو بُلوایا، اور اس فاضل حکیم کے سامنے پیش کیا۔ حکیم نے کہا کہ ان تینوں شخصوں کے پیغمبروں کی نبوت ثابت نہیں اور اس دعویٰ کی چند دلائل ہیں۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ لازم ہے کہ نبی ایسی بات کرے جس کو عقل سلیم قبول کرلے۔ دوسری یہ ہے کہ نبی مہذب اور کم آزار ہو۔ لیکن دیکھو، موسیٰ کو فرعون نے پالا تھا لیکن اُس نے حیلہ کر کے فرعون کو اور مصریوں کو دریائے نیل میں غرق کر دیا۔ عیسیٰ نے جانوروں کو ذبح کر کے کھانے کی اجازت دے رکھی ہے اور محمدؐ خود مدتوں تک قریش کے قافلوں پر حملے کرتا رہا۔ اُس نے بہت لوگوں کو قتل کیا اور اپنے ہاتھ سے جانداروں کو جان سے مارا۔ وہ عورتوں کی افراط سے خواہش کرتا تھا اور دوسرے آدمیوں کی بیویوں کو لے لیتا تھا جو اُس کی نگاہ کے پڑنے سے اپنے شوہروں پر حرام ہو جاتی تھیں۔ پھر حکیم نے پوچھا کہ نبی کی رسالت کی پہچان کیا ہے؟ سب نے جواب دیا کہ معجزات رسالت کی نشانیاں ہیں۔ اُس نے پوچھا تمہارے نبیوں نے کیا معجزات کئے ہیں؟ یہودی نے جواب دیا کیا تم نے موسیٰ کے عصا کی بابت سُنا ہے جو سانپ بن جاتا تھا؟ حکیم نے اپنی کمند کو کھینچا اور اُس میں اپنا دم پھونکا اور وہ کمند آٹھ سانپ بن گئی جن میں سے سب سے بڑا سانپ یہودی کی جانب بڑھا۔ یہودی کا ڈر کے مارے دم فنا ہو گیا۔ اس پر حکیم نے اپنا ہاتھ بڑھا کر کمند کو پکڑ لیا اور کہا یہ ہے موسیٰ کا معجزہ، نصرانی نے حکیم کو مخاطب کر کے کہا کہ ہمارا مسیح بن باپ کے کنواری مریم کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔

Marfat.com

حکیم نے کہا کہ تم خود کہتے ہو کہ مریم کا یوسف نجار سے بیاہ ہو چکا تھا پھر وہ بغیر باپ کے کس طرح پیدا ہوا؟ نصرانی سے اس کا کوئی خاطر خواہ جواب بن نہ آیا۔ مسلمان نے کہا کہ ہمارا رسول قرآن لایا اور اس نے چاند کے دو ٹکڑے کر دیئے اور پھر اس کو معراجِ آسمانی ہوا۔ حکیم نے کہا تمہاری کتاب قرآن میں لکھا ہے کہ قریش نے کہا، اے محمدؐ۔ ہم تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ تو ہمارے واسطے زمین میں سے پانی کا چشمہ پیدا نہ کرے یا باغ نہ ہو جس میں درخت اور انگور اور آبِ رواں کی نہریں جاری ہوں، یا آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے زمین پر نہ پھینک دے یا اپنے خدا اور اس کے فرشتوں کو نہ لائے یا تمہارے لیئے سنہری گھر نہ ہو یا تو آسمان پر اونچا نہ چلا جائے اور ہم تیرے اوپر جانے کو بھی نہ مانیں گے جب تک کہ تو واپس ہمارے واسطے کچھ لکھا ہوا نہ لے کر آئے جس کو ہم پڑھیں۔ اُن کے جواب میں لکھا ہے کہ اے محمدؐ ان سے کہہ دو کہ "میرا پروردگار پاک ہے میں تو صرف انسان ہوں اور رسول ہوں"۔ اس سے ہر منصف مزاج شخص جان سکتا ہے کہ وہ آبِ رواں کی نہریں جاری نہ کر سکتا تھا۔ جب وہ یہ قدرت ہی نہ رکھتا تھا کہ آسمان کے ٹکڑے کر دے تو اس نے چاند کے ٹکڑے کیسے کر دیئے؟ جب وہ فرشتوں کو دکھا نہ سکتا تھا تو وہ اپنی آنکھوں سے جبرئیل کو کس طرح دیکھ سکتا تھا اور اپنے کان سے اس کی آواز کس طرح سن سکتا تھا؟ جب وہ اپنے منکروں کے سامنے جسم سمیت آسمان پر نہ جا سکتا تھا تو اس کا معراجِ آسمانی کیسے ہو گیا؟ جب وہ آسمان سے کچھ لکھا ہوا نہ لا سکتا تھا تو اس پر قرآن کیسے نازل ہو گیا؟

ایک زرتشتی وہاں ایک کونہ میں کھڑا تھا۔ اس نے کہا کہ معجزات کا انکار نہ کرو کیونکہ ہمارا پیغمبر بھی آسمان پر گیا تھا۔ حکیم نے جواب دیا کہ تم یزدان اور اہرمن دونوں کو مانتے ہو اور کہتے ہو کہ یزدان بدی نہیں کرتا اور کہ اہرمن حضرت حق (خدا) کے بُرے خیال سے ظہور میں آیا۔ پس بدی ذاتِ حق سے ہوئی جو دراصل غلط ہے۔

ایک برہمن نے کہا کہ تم نے انبیاء کا انکار کیا ہے اور ہمارے اوتار بمنزلہ انبیاء ہیں۔ حکیم نے جواب دیا کہ تم پہلے خدا کو اکیلا مجرد تصور مانتے ہو اور پھر کہتے ہو کہ خدا نے تجرد کی حالت کو چھوڑ کر ایک بڑا اور عظیم جسد اختیار کر لیا۔ لیکن جسد میں امکان اور حس ہے جو خدا میں نہیں ہونی چاہیئے۔ پھر تم نے فرشتوں کو عورتیں مان رکھا ہے۔ پھر بشن (وشنو) کو تم کبھی خالقِ دوم اور کبھی خدائے مطلق مانتے ہو اور کہتے ہو کہ وہ اپنی جگہ سے اترا اور مچھلی اور سور اور

Marfat.com

کچھوا اور انسان بنا اور کہ وہ لاعلم تھا جس نے دانایانِ ہند سے علم حاصل کیا تم خود اُس کی شہوت پرستی اور جھوٹ بولنے کے قصے سناتے ہو۔ پھر تم کہتے ہو کہ جب اس دُنیا میں سچائی ختم ہو رہی تھی تو کرشن آیا جو گوپیوں کے ساتھ کھیلا کرتا تھا اور مکھن چُراتا تھا۔ پھر تم مہادیو کے عضوِ تناسل اور اُس کی عورت کی شرمگاہ کو بناکر پُوجتے ہو۔ کیا تم یہ نہیں سوچتے کہ جو بے علم ہے وُہ داناؤں کا کس طرح خالق ہو سکتا ہے اور ایک مجرّد شے جو غیر مرکب ہے وُہ کس طرح تقسیم ہو سکتی ہے اور کہ واجب کی تعدد ناممکن امر ہے؟ یہ بھی خیال کرو کہ خسیس شے کی پرستش کسی شریف انسان کو کامل نہیں بنا سکتی۔ یہ دلائل سُن کر برہمن خاموش ہو گیا۔

پھر حکیم نے کہا کہ یقین جانو کہ کامل نبی اور فاضل رسُول ناموسِ اکبر یعنی حضرتِ عقل ثابت کر دیتی ہے کہ واجب الوجود ہے۔ عقل سے ثابت ہے کہ اس دُنیا کا بنانے والا کوئی ہے جو صاحبِ قدرت و دانش ہے.... دریں حال ہم کسی ایسے انسان کی اطاعت کیوں کریں جو بشریت میں ہماری مثل ہے اور شہوت۔ لالچ۔ غصّہ۔ حُبِ جاہ اور دولت کے پھندوں میں ہم سے زیادہ پھنسا ہوا ہے؛ شریعت کا تعلق زیادہ تر ایسے امور سے ہے جنکو ہماری عقل غلط کہتی ہے مثلاً خدا کا کلام کرنا، یا فرشتوں کا انسانی صورت اور ہمارے جیسے کثیف جسم میں نازل ہونا اور اس جسدِ عنصری کا آسمان پر جانا یا کسی خاص مکان کو حج کے فریضہ کے لئے جانا اور اُس کے گرد طواف کرنا یا حجرِ اسود کو ماننا وغیرہ، خُدا کی شکر گذاری اور اُس کے ذکر کے لئے کسی خاص مکان کی ضرورت نہیں ہے اور بالفرض ایسے مکان کی ضرورت ہو بھی، تو بلند ستاروں کی صورت سب سے اچھی ہے۔ مادی مکان کو خُدا کا گھر کہا جاتا ہے گویا کہ خُدا جسم رکھتا ہے اور وہاں رہتا ہے.... یہ تمام باتیں جو عقل کے خلاف ہیں وُہ قبول کرنے کے قابل نہیں ہیں.... ایسی رسالت کے ماننے میں سب سے بڑی قباحت یہ ہے کہ ہم ایسے شخص کی تابعت کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں جو بشری کمزوریوں اور لواحق میں مبتلا ہے[1]... اگر صرف رسُول کا قول ہی دلیل ہے تو اس کا قول دُوسروں کے اقوال پر محض اس بنا پر فضیلت نہیں رکھ سکتا کہ وُہ رسُول کا قول ہے۔ پھر اس بات کا بھی صحیح طور پر علم نہیں ہو سکتا کہ فلاں قول رسُول کا ہی ہے کیونکہ اُس کی اُمّت میں اس امر پر کثرتِ اختلاف ہے۔ خُدا کی مخلوق کو کافر کہہ کر انسانوں پر ستم روا رکھا جاتا ہے اور اس بات کو ستائش کے

[1] یہاں ہم اُن فقروں کو نقل نہیں کرتے جن میں پیغمبرِ اسلام کی ذات پر دریدہ دہنی سے حملے کئے گئے ہیں (برکت اللہ)

Marfat.com

قابلِ خیال کیا جاتا ہے ... تمام انجمن میں کوئی شخص حکیم کی باتوں کا جواب نہ دے سکا۔ جب وُہ چلا گیا تو حضرت خلیفۃ الحق (اکبر) نے اپنے مریدوں سے فرمایا کہ خُدا کی پرستش لازم ہے اور اُس کے مقرّبین کی عزت کرنا ضروری ہے۔ سالک کو خدا تعالیٰ کے علاوہ کسی سے غرض نہیں چاہیئے۔ وُہ جو کام بھی کرے خُدا کی خاطر کرے۔ کھانا اِس غرض سے کھائے کہ خُدا کی عبادت کر سکے اور کسی کا محتاج نہ رہے۔ شادی بیاہ اس غرض سے کرے کہ صالح اولاد پیدا ہو۔ سُورج، چاند، ستاروں اور نوروں کی تعظیم کرے کیونکہ وُہ خُدا کے مقرب ہیں۔ دُعا میں لگا رہے اور اس سے غفلت نہ کرے۔ کم سونے کم کھانے اور کم بولنے کی عادت پیدا کرے ؎

"ایک روز حضرت (اکبر) نے فرمایا کہ شیخ عبدالنبی سے سُنا ہے کہ اہل سنت کے مجتہد زیادہ بیویاں عقد میں لانے کی اجازت دیتے ہیں اور عُلما نے یہ فتویٰ بھی دیا ہے کہ متعہ کے طریق پر جس قدر عورتیں کوئی میسر کرنی چاہے وُہ تعداد جائز ہے اور یہ امام مالک کے مذہب میں جائز ہے اور اہلِ تشیع کہتے ہیں کہ جو بیٹا متعہ سے پیدا ہوتا ہے وُہ دُوسروں سے زیادہ گرامی ہوتا ہے۔ پھر عُلماء کہتے ہیں کہ قرآن میں آیا ہے کہ تُمھاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں جیسے چاہو جاؤ (البقر ۲۲۳ آیت) پس اُن کے آگے اور پیچھے سے جانا اور دخول کرنا روا ہے۔ نبین جوت کہتا ہے کہ جب مسلمانوں کی تاریخ پڑھتے تھے تو (اکبر کے) صحابہ میں سے بعض آدمی فاسد اعتقاد کرنے لگ گئے اور حکماء نے تمام شرائع کو تقیدیات کا نام دیا، اور کہا کہ دین کا اصل مدار عقل پر ہے اور بحث کرنے میں اُن کے ٹکر کا کوئی نہ تھا۔ عُلماء فرنگ بھی آیا کرتے تھے اور بحث کیا کرتے تھے۔

ایک شخص باون نام دکن کی ولایت سے آیا جو ایک فاضل برہمن تھا اور اسلام لے آیا تھا۔ اُس کے پاس چوتھا وید تھا۔ اس کتاب کے بعض احکام میں اُس نے ایک عبادت دکھلائی جس میں بہت سے حرف لام تھے اور عبارت لا الٰہ الا اللہ کے کلمہ کی سی تھی۔ اُس میں لکھا تھا کہ جب تک کوئی یہ عبارت نہ پڑھے گا وُہ نجات نہ پائے گا اور یہ بھی لکھا تھا کہ گائے کا گوشت کھانا چند شرائط کے ماتحت جائز ہے اور میّت کو جلانا نہیں چاہیئے بلکہ دفن کرنا واجب ہے۔ اس شیخ نے مباحثہ میں برہمنوں پر فتح پائی۔ نبین جوت کہتا ہے کہ میں نے شیخ کو کہا کہ اس عبارت کا ترجمہ کر۔ جب ترجمہ کیا گیا تو اُس کے معنی "لا الٰہ الا اللہ" کے کلمہ کے سراسر خلاف نکلے۔ گائے کا گوشت کھانے کی شرطیں بھی اسلامی طریق کے خلاف تھیں، اور مُردہ کو دفن کرنے کا طریقہ بھی نرالا تھا جو اسلام میں جائز نہ تھا۔ حضرت (اکبر) ہنس پڑے اور تمام جماعت نے بھی قہقہہ لگایا اور حضرت نے فرمایا۔ ان

Marfat.com

مسلمانوں اور ہندوؤں کو دیکھو۔ یہ مباحثہ کرتے گئے ہیں لیکن کسی ایک نے بھی نہ پوچھا کہ اس عبارت کے معنی کیا ہیں۔ اور حضرت نے میری تعریف کی .... مذاہب کا اختلاف اس حد تک پہنچا کہ عُلما اسلام ایک دوسرے کو کافر کہنے لگ گئے۔ صُوفیا اور حُکما جو مجلس میں بیٹھے تھے کہتے تھے کہ تمام مذاہب میں عاقل موجود ہیں پس ترجیح بلا مرجح کیسے ہو سکتی ہے پھر دینِ اسلام کو شروع ہوئے تو ابھی ایک ہزار سال بھی نہیں ہوئے ....

چونکہ حضرت (اکبر) نے عجم کے بادشاہوں کے طریقہ کو پسند فرمایا پس صُوفیا نے انسانِ کامل کو خلیفۂ زمان (اکبر) سمجھ کر اُن کو سجدہ کرنے کی تجویز کی کیونکہ صُوفیا انسانِ کامل کو سجدہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس رمز سے مُراد یہ ہے کہ فرشتوں نے آدم کو سجدہ کیا۔ چونکہ عُقلا فرشتے ہیں اور انسانِ کامل خُدا کا خلیفہ ہے پس حضرت کو سجدہ کرنا درست ہے، اور یعقُوب کے بیٹوں نے یُوسف کو سجدہ کیا تھا ....

مُلّا محمد یزدی نے انجیل کا باب پڑھا اور ثالث ثلاثہ (مسئلۂ تثلیث) کو دلائل سے ثابت کیا اور نصرانیت کو سچا بتلایا۔ چونکہ حضرت مختلف قسم کے لوگوں کو دوست رکھتے تھے انہوں نے نواب علامی شیخ ابوالفضل کو (جس نے حضرت کے بہت سے معجزے دیکھے تھے) انجیل کے ترجمہ پر مامُور فرمایا اور "بسم اللہ" کی بجائے یہ شعر لکھا گیا:

اے نامِ تو جیزز[1] و کرستو
سبحانک لا الٰہ الّا ھو

آتش پرست آئے اور انہوں نے کہا کہ زرتشت کا دین حق ہے اور آگ کی پرستش عبادتِ عظیم ہے۔ حضرت نے اُن سے سوال کئے اور کیانیوں کی راہ و روش سے واقف ہوئے۔ ایک شخص اردشیر نام کو جو زردشتی دانا تھا ایران سے بُلوایا اور بڑے اہتمام سے آگ کو نواب شیخ ابوالفضل کے سپرد کیا اور تاکید فرمائی کہ جس طرح مُوبدوں کے طریقہ کے مطابق عجم کے بادشاہوں کا آتشکدہ جلتا ہے، ہمارے شبستان میں بھی دن رات ہر وقت آگ جلتی رہے کیونکہ آگ خُدا کے نشانوں میں سے ایک نشان اور اُس کے نُوروں میں سے ایک نُور ہے۔ حضرت نے آذر کیوان کو بھی بُلوا بھیجا جس نے معذرت کی لیکن اپنی ایک کتاب بھیجی جس میں خدا۔ عقل۔ نفس۔

---

[1] یعنی یسوع مسیح (جیزس کرائسٹ)۔ (برکت اللہ)

آسمان۔ ستاروں اور عناصر کی تعریف تھی۔ اِس کتاب میں بادشاہ کے لئے پندونصائح بھی تھے۔ اس کے چودہ حصّے تھے۔ اس کی ہر پہلی سطر فارسی میں لکھی تھی اور جب اِس کی تصحیف کرتے تھے تو وُہ عربی ہو جاتی تھی۔ اس کا درمیانی حصّہ ترکی بن جاتا تھا اور جب اُس کی تصحیف ہوتی تو وُہ ہندی بن جاتی تھی۔ نواب علامی شیخ ابو الفضل آذرکیوان پر بڑا اعتقاد رکھتا تھا.....،، (صفحہ ۲۷۶ تا ۲۷۹)۔

کتاب دبستانِ مذاہب میں شاکتی، یوگ، ویدانتی، ہندو، کوکب پرست۔ تبتی۔ (بُدھ مذہب) پارسی۔ یہودی۔ عیسائی۔ مسلمان سُنّی۔ شیعہ۔ اسمعیلیہ۔ صادقیہ۔ واحدیہ۔ روشنیہ۔ الٰہیہ۔ صُوفیا۔ حکما، وغیرہ کے اعتقادات لکھے ہیں۔ جس کے آخر میں مصنّف لکھتا ہے ؛؛ یہ اعتقادات اُن پر عقیدہ رکھنے والوں سے اور اُن کی کتابوں سے لکھے گئے ہیں تا کہ کتاب میں تعصب اور جانبداری کی بُو تک نہ آئے۔ نامہ نگار کا کام صرف ترجمانی کا ہی ہے"۔ غالباً ان تمام مذاہب کے مقلد عبادت خانہ کے مباحثوں اور مناظروں میں حصّہ لیتے تھے۔

اس باب کی مختلف فصلوں سے ناظرین پر ظاہر ہو گیا ہو گا کہ اکبر صدقِ دل سے راستی اور حق کی تلاش میں رہتا تھا اور ہر مسئلہ کے اصُولی اور جُزوی پہلوؤں سے واقفیت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اِس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اُس نے عبادت خانہ بنوایا تا کہ اسلام پر اُس کا ایمان ہر پہلو سے مستحکم ہو جائے۔ لیکن مُسلم عُلما کے عُجب و ریا اور جہالت سے بیزار ہو کر اُس نے تمام غیر مسلم مذاہب کے فاضلوں کو بھی دعوت دے دی جو نہایت آزادی سے (بلکہ بے باکی سے) دیگر مذاہب کے اسقام طشت از بام کرتے تھے اور اپنے اپنے اصُولوں کی سچائی ثابت کرتے تھے۔ اکبر ہر نکتہ کو غور سے سنتا تھا جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ وُہ جو پندرہ برس تک قال اللہ و قال الرسُول کی اندھا دُھند پیروی کرتا تھا۔ اب عقل کو واحد معیار مان کر معقُولات کو منقُولات پر ترجیح دینے لگ گیا۔ اکبر کے خیالات بدلتے چلے گئے۔ اُس لے سیاسی مصلحت بھی ہندو مُسلم اتحاد میں سمجھی تھی۔ اَب مذہبی اور سیاسی ضرُوریات دونوں نے اُس کے دل پر نقش کر دیا۔ کہ اسلام خُدا کا واحد مذہب نہیں اور قرآن اُس کی واحد کتاب نہیں اور محمدؐ افضل رسُول اور سید المرسلین نہیں۔ تمام دُنیا کے مذاہب میں سچائی موجود ہے اور اُن کے بانی واجب التعظیم ہیں۔ خُدا تمام قوموں اور ملتوں کا رب العالمین ہے اور چونکہ وُہ بادشاہ کی حیثیت سے ظل اللہ ہے اُس پر فرض ہے کہ خُدا کی طرح سب مذہبوں کی پرورش۔ حفاظت اور حمایت برابر طور پر کرے۔ اور

Marfat.com

مسلم وغیر مسلم میں جو تمیز صدیوں سے چلی آئی تھی اُس کو حرفِ غلط کی طرح مٹا دے، تاکہ رعایا کو آرام ہو اور سلطنت کو قیام ہو۔

اکبر تمام مذاہب کے علماء کی باتیں غور سے سُنتا اور اُن کا موازنہ کرکے بعض کو قبول کر لیتا تھا۔ اس پر ہر مذہب کا عادی یہی خیال کرنے لگ گیا کہ اکبر میرے ہی مذہب کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ پس بعض لوگ کہنے لگ گئے کہ وہ آتش پرست ہے اور بعض کہتے تھے کہ وہ ہندو ہو گیا ہے۔ بعض کہتے تھے کہ اُس نے جین مذہب اختیار کر لیا ہے۔ مسیحی مبلّغین کہتے تھے کہ اُس نے اسلام کو ترک کر دیا ہے اور اب عنقریب وہ مسیحیت قبول کرنے والا ہے۔ لیکن اُس نے نہ تو اسلام کو چھوڑا اور نہ کوئی دوسرا مذہب اختیار کیا۔ جس طرح اُس نے ہندو، جینی اور زرتشتی مذاہب کے بعض اصول پسند کئے تھے اُسی طرح اُس نے مسیحیت کے چند اصول اختیار کر لئے۔ اکبر پر مسیحیت کا اثر دیگر مذاہب سے زیادہ نہ ہوا۔ اکبر نے مُسلم علماء کو جو بادشاہوں کو مرعوب رکھتے تھے، نیچا دکھایا اور اُس نے اپنی گردن سے اُن کا جُوا اُتار پھینکا اور خود امام عادل بن گیا، اور تمام مذاہب کی حفاظت اور حمایت برابر طور پر کرنے لگا۔

لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ وہ بیرونِ ہند کی اسلامی سلطنتوں سے اور اُن کی رائے عامہ سے خائف تھا۔ چنانچہ جب عبداللہ خان ازبک والئ توران نے یہ معلوم کرنا چاہا کہ آیا اکبر سچ مُچ دینِ اسلام سے برگشتہ ہو گیا ہے تو ابوالفضل نے جواب میں لکھا کہ اِن تیس سالوں میں اکبر نے ہندوستان کے ملک کو پاک کرنے میں اس قدر کوشش کی ہے کہ مُشکل سے مشکل جگہوں کے سرکشوں کو زیر کرکے اُن کا قرار واقعی بندوبست کر دیا ہے۔ چنانچہ بدکیش ہندوؤں کے بُت خانے اب خُدا پر ایمان رکھنے والے درویشوں کے قبضہ میں ہیں اور بُت پرستوں کے ناقوسوں کی آواز کی بجائے نماز کی بانگ سُنی جاتی ہے ..... یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ..... اکبر جیسا دیندار شخص خُدائی کا دعویٰ کرے اور نبوت کا دعویدار بنے۔ ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ آپ جیسے بادشاہ کے دربار میں ایسے کمینہ اور دروغگو اشخاص کو ایسی حماقت کی باتیں کرنے کی اجازت دی جاتی ہے۔

جب مخدوم الملک اور شیخ صدر جلاوطن کرکے مکّہ مدینہ بھیجے گئے تو اُنہوں نے مکّہ اور مدینہ میں اکبر کی بد مذہبی کی باتیں پھیلانی شروع کیں۔ اکبر نے اس کے سدّباب کے لئے ایک فرمان شرفائے مکّہ کو لکھا اور بہت سے قیمتی تحائف اور نقد زر روانہ کیا۔ مخدوم الملک اور عبدالنبی کو علماء فضلائے مکّہ کے سامنے کیا علمی حیثیت حاصل ہو سکتی تھی اور عُلمائے عرب ایسوں کو کب خاطر میں لانے والے تھے؟ بعض اشخاص کو خفیہ رقمیں مدینہ بھی بھیجی گئیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان دونوں کے

Marfat.com

پروپیگنڈے کا اثر نہ ہو سکا، اور اکبر غیر ممالک کے مسلمان بادشاہوں کی نظروں میں ہمیشہ ایک اچھا کلمہ گو مسلمان رہا۔

فصل چہارم

دینِ الٰہی

عبادت خانہ کے علمی مذاکروں، مذہبی مباحثوں اور تقریروں کا نتیجہ یہ ہوا کہ اکبر اسلام اور غیر مسلم مذاہب کے اصول و فروع سے اچھی طرح واقف ہو گیا۔ اُس نے مروجہ اسلام کو "تقلیدی مذہب" قرار دے دیا اور عقل کو ہر بات کا معیار مقرر کر کے مختلف مذاہب میں سے جو باتیں اُس کو پسند آئیں اُن کو اختیار کر لیا اور ناپسندیدہ باتوں کو ناقابلِ قبول قرار دے کر رد کر دیا۔ رفتہ رفتہ سلطنت کی مصلحتِ ملکی اور اُس کی طبیعت کی رواداری نے ایک ایسے مذہب کی بناء ڈالی جو اُس کی مسلم اور غیر مسلم رعایا اختیار کر سکیں۔ اُس نے اس انتخابی مذہب کے اصول اور فروع مختلف مذاہب سے اخذ کئے اور اس کا نام "توحید الٰہی اکبر شاہی" رکھا۔ اس میں داخل ہونے کی رسوم کا ابوالفضل مفصل ذکر کرتا ہے۔

اس وقت اکبر کی حکومت کا دوسرا دور تھا جو ابوالفضل کی آمد سے لے کر اکبر کی وفات (از ۱۵۷۴ء تا ۱۶۰۵ء) تک رہا۔ گو اس دور میں بھی جنگیں اور مہمیں پیش آئیں لیکن اُس کی سلطنت میں متعابتہً امن تھا اور سب طرف سے اکبر کی خاطر جمع ہو گئی تھی کیونکہ اس دور میں رواداری کا اصول اُس کی سلطنت کا بنیادی اصول ہو گیا تھا۔ شیخ ابوالفضل اُس کے دین کا مجتہد، خلیفہ دینِ الٰہی مقرر ہوا۔ مریدوں کو جوگیوں کی اصطلاح کے مطابق "چیلے" کہا جاتا تھا۔ اُن میں راجہ بیربل با اخلاص مرید تھا۔ تجویز ہوئی کہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ اکبر خلیفۃ اللہ کہا جائے لیکن فتنہ کا امکان ہر طرف تھا پس حکم ہوا کہ یہ کلمہ صرف محل کے اندر ہی بولا جائے۔ اکثر اشخاص "سلام علیک" کی جگہ "اللہ اکبر" کہتے اور جواب میں "جل جلالہ" کہا جاتا تھا جو ذو معنی تھا کیونکہ اس سے یہ بھی مراد ہو سکتی تھی کہ اکبر اللہ ہے اور وہ جلال ہے کیونکہ اُس کا نام جلال الدین اکبر تھا۔ اس وقت

Marfat.com

سے پہلے ۱۵۷۵ء میں بادشاہ نے استفسار کیا تھا کہ مہر کا سجع "اللہ اکبر" ہونا چاہیئے۔ بعض نے کہا تھا کہ یہ بہت مبارک ہو گا لیکن حاجی ابراہیم نے اس کی مخالفت کر کے کہا تھا کہ یہ الفاظ مہر پر کندہ نہیں کرنے چاہئیں کیونکہ ذو معنی ہیں۔ ان کی بجائے قرآنی الفاظ "ولذکر اللہ اکبر" ہوں تو بہتر ہو گا۔ بادشاہ کو یہ بات پسند نہ آئی تھی اور اس نے کہا تھا کہ یہ توہمحض وہم اور وسوسہ ہے۔ بندہ ضعیف اور عاجز خدائی کا دعویٰ کس طرح کر سکتا ہے؟ سب نے بادشاہ کی تائید کی اور مہر پر الفاظ "اللہ اکبر" کندہ کئے گئے تھے۔

لیکن اب جو اکبر نے ۱۵۸۲ء میں دینِ الٰہی کی بنیاد ڈالی تو بدگمانیاں بھی شروع ہو گئیں چنانچہ ایک ظریف نے یہ شعر کہا :—

شاہِ ما امسال دعوئ پیغمبری کردہ است
گر خدا خواہد پس از سالے خدا خواہد شدن

مصلحت اندیش بادشاہ نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے سنوں کو موقوف کر کے اپنے سن کا نام سنہ الٰہی رکھدیا۔ کیونکہ اسلامی سن ہجری ہندوؤں کو اور ہندوؤں کے سن اہلِ اسلام کو ناگوار معلوم ہوتے تھے۔ ۹۹۳ھ میں سالِ الٰہی ایجاد ہوا اور شروع سال، اردی بہشت سنِ جلوس سے رکھا گیا اور آئندہ کا نوروز بیا گیا، جو جلوس کے پچیس دن بعد ہوا تھا۔

یہ قرار پایا کہ جو شخص دینِ الٰہی میں شامل ہونا چاہے وہ چار باتوں کو خلوصِ دل سے ترک کرے:۔ (۱) ترکِ مال (۲) ترکِ جان (۳) ترکِ ناموس (۴) ترکِ دین۔ اِس مذہب کو رواج دینے اور اِس کے مسائل کی تعلیم دینے کے لئے خلیفے مقرر ہوئے۔ اُن میں خلیفۂ اوّل ابوالفضل تھا۔

جو شخص دینِ الٰہی کو اختیار کرنا چاہتا تھا وہ حسبِ ذیل اقرار نامہ لکھتا تھا "مَیں جو فلاں ابنِ فلاں ہُوں اپنی رضا و رغبت اور دِلی شوق سے مجازی اور تقلیدی اسلام کو ترک کرتا ہُوں، جو میرے باپ دادا کا مذہب تھا اور دینِ الٰہی اکبر شاہی میں آگیا ہُوں اور چاروں مراتبِ اخلاص یعنی ترکِ مال وجان و ناموس و دین کو قبول کرتا ہُوں"

بہت لوگوں نے اسلام کو ترک کر دیا اور دینِ الٰہی میں شامل ہو گئے، یہ شامل ہونے والے ایرے غیرے نتھو خیرے نہ تھے بلکہ بڑے بڑے امیر۔ عالیشان ارکانِ سلطنت اور مرزا جانی، حاکمِ ٹھٹھہ جیسے حاکم حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔ اُنہوں نے حسبِ فرمانِ اکبر اسلام کو چھوڑ

Marfat.com

دیا - یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی کلیسیا کا پوپ یا آرچ بشپ عیسائیوں کو کہے کہ تم مسیحیت کو ترک کر دو، اور میرے ایجاد کردہ مذہب کو اختیار کر لو۔

چونکہ یہ سب باتیں ابوالفضل کے آنے (۱۵۷۴ء) کے بعد واقع ہوئیں لہٰذا اس کے بداندیشوں نے اُن کی ذمہ داری اُس کی گردن پر ڈال دی۔ مسلمان علما کہنے لگے کہ ابوالفضل خود دہریہ ہے اُس نے بادشاہ کو بھی دہریہ بنا دیا ہے۔ چنانچہ مآثر الامرا کا مصنف شاہ نواز لکھتا ہے کہ ہر شخص یہی خیال کرتا ہے کہ ابوالفضل کافر ہے۔ بعض اس کو ہندو کہتے ہیں۔ بعض آفتاب پرست اور بعض دہریہ کہتے ہیں بعض اس کو ملحد اور زندیق تک کہنے سے نہیں جھجکتے۔ بعض انصاف کو کام میں لا کر کہتے ہیں کہ وہ صوفی منش اور صلح کل انسان ہے جو مذہبی امور میں وسیع الخیال واقع ہوا ہے۔ بعض اُس کو ہمہ اوستی بتلاتے ہیں جس نے شریعت کا جوا اُتار پھینکا ہے۔ (جلد دوم ص ۶۱۱)

لیکن حق تو یہ ہے کہ اکبر اُس کی آمد سے پہلے ہی متعصب اور جاہل گروہ علما سے بدظن ہو کر اصولِ فقہ سے بیزار ہو گیا تھا۔ ابوالفضل دہریہ نہ تھا بلکہ توحید کا قائل تھا اور اپنے آپ کو خدا کا ادنیٰ ترین عاجز بندہ شمار کرتا تھا اور وسیع الخیالی اور عقل و دانش کی پیروی کرنے والا تھا۔ اِدھر اکبر بھی اِسی قسم کا دل و دماغ رکھتا تھا اور دونوں میں بقول پادری مون سیرٹ (Monserrate) وہی تعلق تھا جو یونتن بن شاؤل اور داؤد میں تھا۔ لوگ ابوالفضل کو دنیادار اور ابن الوقت کہتے اور کفر و الحاد اُس کی طرف منسوب کر کے اُس کے خلاف فتوے دیتے تھے لیکن اُس کی "مناجات" ہمارے سامنے میز پر پڑی ہے جس کے مطالعہ سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ وہ ایک خدا پرست، دیندار، صوفی منش، وسیع الخیال مرد دُعا تھا۔ چنانچہ "مناجات" کے شروع کا فقرہ ملاحظہ ہو: "الٰہی۔ الٰہی۔ میں جدھر دیکھتا ہوں تیرا ہی ظہور پاتا ہوں۔ جس ذرہ کی طرف مُنہ کرتا ہوں وہ تیرا ہی نور ہے۔ مٹی کے بنے ہوئے کعبہ کا رُخ تو ایک طرف ہے۔ لیکن دِل کا قبلہ چاروں طرف ہے۔ سبحان اللہ لا الٰہ الا ھو" اکبر نے کشمیر میں ہندوؤں و مسلمانوں کی عبادت کے لئے ایک عالیشان عمارت بنوائی۔ اس کے لئے بھی ابوالفضل نے اِسی قسم کا ایک کتبہ لکھا "الٰہی جس گھر کی طرف نظر کرتا ہوں وہاں لوگ تیری تلاش میں ہیں۔ ہر زبان کے لوگ تیری ہی حمد و ثنا کرتے ہیں۔ کفر اور اسلام دونوں تیری طرف قدم مارتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تو ایک ہے اور تیرا کوئی شریک نہیں۔ مسجد میں تیری یاد کے پاک نعرے لگائے جاتے ہیں اور کلیسا میں

Marfat.com

تیری محبت کے شوق میں نصاریٰ ناقوس بجاتے ہیں خواہ میں مسیحی خانقاہوں میں اعتکاف کروں اور خواہ مسجدوں میں بیٹھوں میں ہر گھر میں تجھ کو ہی ڈھونڈتا ہوں۔ تیرے مقرب لوگوں کو نہ تو کفر سے کچھ تعلق ہے اور نہ اسلام سے کوئی واسطہ ہے کیونکہ ان دونوں کو تیری حقیقت اور سچائی کے پردے کے پیچھے دخل نہیں ہے۔"

اکبر کی یہ خوش قسمتی تھی کہ ابوالفضل اور فیضی جیسے قابل عالم اور نکتہ رس فاضل اس کے دربار میں تھے جن کے ذریعہ وہ اپنی سلطنت کی مختلف اقوام کو یکجا کر کے ہندوؤں اور خاصکر راجپوتوں کی مدد سے ہندوستان کا واحد حکمران بن سکتا تھا۔ پس اس کے مذہبی اعتقادات اور دماغی رجحانات بھی اس کو اسی رخ لے گئے جدھر سلطنت کی مصلحت اس کو لے جانا چاہتی تھی۔ ان حالات کے ماتحت مذہب دینِ الٰہی کو رائج کیا گیا۔ ابوالفضل اور اکبر دونوں خدائے واحد پر ایمان رکھتے تھے پس دینِ الٰہی میں اکبر کو قطعی طور پر معبود بنانے سے گریز کیا گیا مگر پیغمبری کے مرتبے کو اس کے شایانِ شان سمجھا گیا۔ اکبر کی مسلسل اور ہمہ گیر فتوحات کی وجہ سے بہتوں کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ الٰہی توفیق اس کے ساتھ ہے اور ہندو کہنے لگ گئے تھے کہ اس نے تسخیرِ آفتاب کا عمل کیا ہے۔ اب ان کے لئے یہ ماننا مشکل نہ تھا کہ خدا نے اس کو خلیفۃ اللہ بنا کر بھیجا ہے۔ پس دینِ الٰہی کی ترویج سے اکبر نہ صرف جسموں کا حکمران بلکہ روحوں کا حاکم بھی مانا گیا۔ کسی شخص کو اس کے سامنے زمین بوس سجدہ کرنے سے تامل نہ ہو سکتا تھا۔ یہ دینِ الٰہی کے مذہب کی ترویج ہی تھی جس نے ہندوؤں اور مسلمانوں۔ دوستوں اور دشمنوں کو ایک ہی لڑی میں پرونا چاہا تھا۔ بقول اقبال ؎

پرونا ایک ہی تسبیح میں ان بکھرے دانوں کا
جو مشکل ہے تو اس مشکل کو آساں کر کے چھوڑوں گا

دینِ الٰہی کے مختلف اجزا

ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ دینِ الٰہی ایک انتخابی مذہب تھا جس میں وہ اصول تھے جو اکبر کو مختلف مذاہب میں پسند آئے تھے۔ وہ اصول کیا تھے اور کس کس مذہب سے اخذ کئے گئے تھے؟

الف۔ صوفی عنصر: ہم اس سلسلہ کی جلدِ سوم میں اسلامی تصوف کی ابتدا اور نشوونما پر روشنی ڈال چکے ہیں اور بتلا چکے ہیں کہ سلاطینِ دہلی کے زمانہ میں ہندوستان میں صوفیہ کے سلسلے ہر صوبہ اور ہر شہر میں موجود تھے۔ ہم فصلِ اوّل میں ذکر کر چکے ہیں کہ اکبر خواجہ معین الدین چشتی سے از حد عقیدت رکھتا تھا اور مانتا تھا کہ اولیاء کو غیب کی خبریں پہنچتی ہیں اور کہ دنیا کا نظام اولیاء کے ساتھ وابستہ

Marfat.com

ہے "یا معین۔ یا ہادی" اکبر کا نعرۂ جنگ تھا۔ ہم تبلا چکے ہیں کہ گو اسلام و قرآن ایمان باللہ بالیوم الآخر اور اعمالِ صالح کو نجات کے لئے لازمی سمجھتے تھے پر صُوفیہ کی وحدتِ وجود نے اِن تینوں باتوں کو بھی لازمی نہ سمجھا اور ہر مذہب کو صحیح مانا۔ اس کا اثر قدرتاً اکبر کی طبیعت اور خیالات پر پڑا۔ عبادت خانے کے مناظروں اور مذہبی جلسوں نے اِس نظریہ کو اور بھی تقویت دے دی۔ اکبر کے پہلے اور بعد کے اعتقادات میں فرقِ عظیم نمایاں ہے، لیکن ان تمام تبدیلیوں میں اُس کی عقیدت خواجہ اجمیر کی درگاہ سے تھی قائم اور برقرار رہی۔ پہلی مرتبہ وُہ ۸ رجمادی الاولیٰ ۹۶۹ھ کے دن بے تابانہ اجمیر گیا تھا۔ پھر اُس کا یہ معمول ہوگیا کہ جب کسی مہم یا کام یا مُراد کے پُورا ہونے کی مَنّت مانتا تو اجمیر جاتا اور مُراد کے پُورا ہوجانے کے بعد بھی پا پیادہ اجمیر کی زیارت کرتا۔ شیخ مُبارک بھی صُوفی تھا جس نے اکبر کو کہا کہ آپ خُود مجتہد بلکہ امام زماں ہیں۔ شیخ تاج الدین (جس کو بقول مُلّا بدایونی "اعیان میں سے اکثر تاج العارفین کہتے تھے") نے بھی "انسانِ کامل" کو خلیفۃ الزمان یعنی اکبر قرار دے دیا تھا۔ وُہ اُس کے چہرے کو "کعبۂ مُرادات" اور "قبلۂ حاجات" کہا کرتا تھا۔ پس اِس قبلہ کو سجدہ کرنا جائز قرار دیدیا گیا۔ چنانچہ مُلّا بدایونی کہتا ہے کہ قاضی نظام بدخشی نے جو علم تصوّف میں کامل تھا پہلے پہل فتحپور میں بادشاہ کو سجدہ کیا اور مُلّا عالم کابلی حسرت سے کہتا تھا کہ ہائے۔ مجھے یہ بات کیوں نہ سُوجھی۔

اہلِ تصوّف بھی حیوانات کو قتل و ذبح کرنے کے خلاف تھے۔ اس کا اثر اکبر پر نمایاں تھا۔ چنانچہ ابوالفضل اکبر کے کم گوشت کھانے کو آئینِ صُوفیانہ کہتا ہے اور جن ایام میں گوشت بالکل استعمال نہیں ہوتا تھا اُن کو ایامِ صُوفیانہ کا نام دیتا ہے (آئینِ اکبری جلد اوّل ص۳۰)۔ صُوفیہ نے مسیحی رہبانوں کا نمونہ دیکھ کر دُوسری صدی ہجری کے اواخر سے جسمانی غذاؤں سے پرہیز کرنا شرُوع کر دیا تھا۔

دلبستانِ مذاہب میں ہے کہ اکبر نے خیر و شر کے وجُود پر "پارسی دستور" سے مناظرہ کیا تھا جس سے ظاہر ہوجاتا ہے کہ اس موضوع پر اُس کے خیالات بھی صُوفیوں کی تعلیم نے ڈھالے تھے۔ چنانچہ مُلّا عبدالقادر بدایونی لکھتا ہے کہ اُس نے مشائخ عظام سے یہ سُنا تھا کہ "محمد رسُول اللہ مظہرِ اسم "الہادی" ہے اور ابلیس اسم "المضل" کا مظہر ہے اور کائنات میں یہ دونوں اسم ظاہر ہوئے اور دونوں مظہر کام کرتے ہیں"۔ اکبر ہندو فلسفہ سے بھی متاثر ہُوا تھا لیکن ویدانت کے عقیدۂ حلُول کو وُہ قابلِ قبُول خیال نہ کرتا تھا۔ وُہ صُوفی مشرب تھا اور ایسے ہمہ اوست

Marfat.com

عقیدہ کا قائل تھا جو حلول سے پاک ہو۔

صُوفیہ کے خیالات سے متاثر ہو کر اکبر ایسا وسیع الخیال ہو گیا تھا کہ ہر مذہب کا اُستاد یہی خیال کرنے لگ گیا کہ اکبر اُسی کے مذہب کا پیرو ہے اور تا دمِ مرگ کوئی شخص یہ نہ جان سکا کہ اکبر کس خاص مذہب کا پیرو تھا!

دینِ الٰہی کی مذہبی زبان عربی کی بجائے فارسی بن گئی۔ اس ہندوستانی فارسی زبان کی اصطلاحات کو ایجاد کرنے اور اس کو سنوارنے، آراستہ کرنے اور رواج دینے کا کام بھی ابوالفضل کے سپرد ہوا جو خود صُوفی مشرب کا تھا۔ اُس نے صُوفیہ کی اصطلاحات کی مدد سے اس کام کو ایسی خُوبی سے سر انجام دیا کہ اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ دینِ الٰہی دراصل صُوفیانہ عقائد کا دُوسرا نام ہے۔

(ب) **ہندو عنصر:۔** مُلا عبدالقادر بدایونی اور ابوالفضل کی تصنیفات سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ اکبر برہمنوں کے خیالات و فلسفہ سے متاثر تھا۔ اکبر سے بہت پہلے (جیسا ہم جلدِ دوم میں بتلا چکے ہیں) کبیر نے ہندو ویدانت اور صُوفی اور اسلامی عقائد کو ملا کر کبیر پنتھ کا آغاز کیا تھا۔ اکبر کے دادا بابر کے وقت میں گورونانک نے بھی انہی بنیادوں پر سِکھ مت کی ابتدا کی تھی۔ کہتے ہیں کہ اکبر نے گورو رام داس (از ۱۵۲۲ء تا ۱۵۷۴ء) سے ملاقات بھی کی تھی اور خُوش ہو کر اُس کو خلعت بھی عطا کیا تھا۔ اُس نے ایک دفعہ سکھوں اور برہمنوں میں مناظرہ بھی کروایا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اُس نے گورو صاحب سے درخواست کی تھی کہ چتوڑ کی فتح کے لئے (۱۵۶۸ء) دُعا کریں۔ اُس نے گورو صاحب کو جاگیر عطا کی اور امرتسر میں ایک تالاب کھدوایا۔ جب گورو ارجن (از ۱۵۸۱ء تا ۱۶۰۶ء) نے گرنتھ صاحب کو جمع کیا تو ہندوؤں نے شکایت کی کہ اُس میں اللہ اور رسُول اور دیوی دیوتاؤں کو بُرا بھلا کہا گیا ہے۔ یہ سُن کر بھائی بڈھا اور بھائی گورو داس اکبر کے پاس گرنتھ صاحب لے گئے۔ اُس نے کتاب کے بعض حصّوں کو سن کر شکایت کو رد کر دیا اور کہا کہ یہ کتاب قابلِ عزت ہے۔

حق تو یہ ہے کہ ہندوستان میں پندرھویں اور سولھویں صدی میں ایسی مذہبی تحریکیں چل پڑی تھیں جو دقیانوسی اسلامی خیالات اور بوسیدہ ہندو عقائد کے خلاف پرے باندھ کر دونوں مذہبوں کے معقول عقائد کو ماننے کی حامی تھیں۔ اور صُوفیانہ خیالات اور بھگتی کے عقیدوں نے لوگوں کے دلوں میں جگہ کر لی تھی پس اکبر کے لئے ہندو اور مسلم اصُولوں کی آمیزش کوئی نئی بات نہ تھی۔ ہم گذشتہ

Marfat.com

فصلوں میں اُن عقائد و رسوم کا ذکر کر چکے ہیں جو اکبر نے ہندو مت سے اخذ کئے تھے۔ ان اصولوں میں منجملہ دیگر باتوں کے تناسخ کا عقیدہ تھا جس کا اکبر معتقد ہو چکا تھا۔ چنانچہ ابوالفضل نے آئینِ اکبری جلد سوم میں اکبر کے چند "قدسی کلمات" جمع کئے ہیں جن کا دینِ الٰہی میں وہی درجہ ہے جو دینِ اسلام میں حدیث کا ہے۔ اس میں کلمہ ۱۴۹ میں ہے کہ چھوٹے معصوم بچوں کی سخت بیماریاں اس بات کا صاف ثبوت ہیں کہ تناسخ کا مسئلہ صحیح ہے۔ اس کے بعد کے کلمات میں بھی تناسخ کی صداقت کی جانب اشارہ ہے۔

(ج) **جینی عنصر**:۔ ہم سطورِ بالا میں ذکر کر آئے ہیں کہ اکبر کے شوقِ تحقیقِ حق نے عبادت خانہ کا دروازہ بعد کے زمانہ میں تمام مذاہب کے عالموں پر کھول دیا تھا اور وہ ہر ایک کے خیالات سے مستفیض ہونا چاہتا تھا۔ ہندو برہمنوں اور پنڈتوں کے ساتھ بدھ مت کے لوگ۔ جینی۔ پارسی۔ یہودی۔ عیسائی وغیرہ سب آکر بڑی بے تکلفی کے ساتھ مذہبی مناظروں میں حصّہ لیتے تھے اور اکبر خود بھی اُن سے سوال و جواب کیا کرتا تھا۔ جینی مت کے پانچ اصول ہیں یعنی (۱) آہنسا (۲) راستی (۳) برہم چریہ (۴) دیانت اور (۵) ضبطِ نفس۔ ۹۹۰ھ میں اکبر نے گجرات کے صوبہ دار کو فرمان بھیجا کہ جینی فاضل ہیرا وجے کو طلب کیا جس نے عبادت خانہ میں ان اصولوں پر تقریریں اور مباحثے کئے۔ ہم اُوپر لکھ چکے ہیں کہ اکبر نے حیوانات کے قتل و ذبح کرنے کے متعلق احکام جاری کئے تھے۔ ان کے اصلی محرک جینی مت کے اصول تھے۔ صاحبِ دبستانِ مذاہب لکھتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت خلیفۃ الحق (اکبر) رو کر فرمانے لگے کاش کہ میرا جسم اتنا بڑا ہوتا کہ دُنیا کے لوگ اُس کو کھا لیتے اور کسی جانور کو آزار نہ دیتے۔ اکبر اُن پانچ اصولوں کا قائل تھا۔ اُس نے فتحپور کا تالاب جگت گرو ہیرا وجے کے سپرد کر دیا تاکہ اُس میں مچھلی کا شکار نہ ہونے پائے۔ جینیوں کی یہ بات اُس کو بہت پسند تھی کہ وہ حلول کے قائل نہ تھے اور جب وہ عیسائی پادریوں کی طرح شاہی عطیے قبول نہیں کرتے تھے تو اُس کو ان ہر دو مذاہب کے پادریوں اور اسلامی علماء اور ہندو پنڈتوں اور برہمنوں میں صاف فرق نظر آیا اور اُن کا مداح ہو گیا۔ وہ عیسائی پادریوں اور جینیوں کے برہم چریہ اصول کا بھی بڑا مداح تھا۔ چنانچہ دبستانِ مذاہب کا مصنف "در بعضی از سخنانِ عرش آشیانی" کے زیرِ تحت لکھتا ہے کہ اکبر کہا کرتا تھا کہ اگر جو عقل اب مجھے حاصل ہے پہلے بھی ہوتی تو میں ہرگز کوئی بیاہ نہ کرتا، کیونکہ جو بڑی عورتیں ہیں وہ میری مائیں اور جو ہم عمر ہیں وہ میری بہنیں ہیں اور جو چھوٹی ہیں وہ میری بیٹیاں ہیں۔ اس وقت اکبر کی گیارہ بیویاں تھیں۔ حرم کی عورتوں اور خدمتگذار

Marfat.com

باندیوں کی تعداد پانچہزار کے قریب تھی جن میں ہندو۔ ایرانی ۔مغل اَور آرمینی مسیحی عورتیں تھیں ۔ ابوالفضل بھی لکھتا ہے کہ گو کثرتِ ازواج مصیبت کا باعث بن جاتی ہے لیکن بادشاہ نے اپنی دانش اَور مصلحت اندیشی سے اُس کو سلطنت کے لئے مفید بنا دیا ہے کیونکہ غیر ممالک کے فرمانرواؤں اَور ہندوستان کے راجگان کی شہزادیوں کے ساتھ بیاہ کر کے وُہ بیرونی اَور اندرونی فساد جنگ اَور بغاوت سے بے خوف ہے اَور بیرونی ممالک کے ساتھ مضبوط رشتے پیدا ہو گئے ہیں ۔ راجپوت راجاؤں میں سے صرف اُودے پُور کے راجہ نے اپنی بیٹیاں مغلوں سے بیاہ میں نہ دیں ۔

(د) پارسی عنصر :۔ ہم گذشتہ فصلوں میں بتلا چکے ہیں کہ اکبر آفتاب پرستی اَور آتش پرستی کرتا تھا اَور کہتا تھا کہ نُور دوستی درحقیقت خُدا پرستی ہے اَور اگر آفتاب اَور آگ کا وجُود نہ ہوتا تو کائنات کا کام نہ چل سکتا ۔ نہ غذا میسّر ہوتی اَور نہ آنکھ کام دے سکتی ۔ اگر آفتاب تعظیم کے قابل نہ ہوتا تو قرآن میں سورۃ الشمس نہ ہوتی ۔ دینِ الٰہی میں آفتاب پرستی کا ایک اَور طریقہ سرِشام چراغ جلانے کا اَور کافوری شمعیں جلانے کا تھا۔ کیونکہ غروبِ آفتاب کے بعد ان نُوروں کے بغیر کام نہیں چل سکتا ۔ زرتشتیوں کے آتشکدہ کی طرح اکبر نے بھی حکم دیا کہ آگ ہمیشہ جلتی رہے ۔

زرتشتی مذہب میں عیدِ نوروز کو بڑی اہمیت حاصل ہے ۔ اِس کو بھی دینِ الٰہی میں شامل کیا گیا اَور اس عید کے علاوہ گیارہ اَور عیدوں کے تہوار زرتشتیوں کے عقائد کے مطابق مانے گئے ۔ فارسی مہینے اَور سال بھی اسلامی مہینوں اَور سالوں کی بجائے استعمال ہونے لگے اَور ۹۹۲ھ میں اکبر نے تاریخِ الٰہی کے اجرا کا حکم دے دیا ۔

Marfat.com

باب پنجم

اکبر اور انجمنِ عیسوی کے مُبلّغین

فصل اوّل

اکبر اور گوآ کی پُرتگیزی حکومت

ہم نے گذشتہ دو ابواب میں طوالت سے کام لیا ہے تاکہ ناظرین اُس پس منظر سے واقف ہو جائیں اور اُن حالات کو معلوم کر لیں جن کی وجہ سے اکبر نے گوآ کی پرتگیزی حکومت کو لکھ کر تین مرتبہ انجمنِ عیسوی کے مسیحی مُبلّغین کو اپنے دربار میں آنے کی دعوت دی تھی۔ چنانچہ پہلی تبلیغی جماعت دربارِ مغلیہ میں ۱۵۸۰ء میں آئی۔ دُوسری تبلیغی جماعت ۱۵۹۱ء میں اور تیسری تبلیغی جماعت ۱۵۹۵ء میں پہنچی۔ اکبر نے پرتگیزی حکُومت کو یہ دعوتیں کیوں دیں؟ اس سوال کا جواب ہم کو مُلک کے سیاسی حالات سے ملتا ہے۔

ہم بابِ اوّل میں بتلا چکے ہیں کہ پرتگیزوں نے البوکرک کی سرکردگی میں ۱۵۱۰ء میں گوآ کو فتح کر کے مغربی ساحل اور اُسکے علاقہ کے چند مقامات پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس فتح کے ۱۶ سال بعد بابر نے وسط ایشیا اور افغانستان کی افواج کی مدد سے سلطنتِ مغلیہ کی بُنیاد ڈالی۔ یہ فاتحین بھی پرتگیزوں کی طرح پردیسی تھے۔ پرتگیزوں نے ہندوستان کی وہ تجارت اپنے قبضہ میں کر لی جو پہلے مسلمانوں کے ہاتھوں میں تھی۔ ہم جلدِ اوّل میں یہ بتلا چکے ہیں کہ سولھویں صدی سے پہلے تجارتِ ہند کے تمام قدیم راستے مسلمانوں کے ہاتھوں میں تھے جو خلیج فارس اور بحرِ احمر کے ذریعہ اپنا مال مغربی ایشیا کے ممالک اور مصر کی منڈیوں میں لے جاتے تھے جہاں سے وینس کے جہاز ہندوستان کا مال ممالک یورپ میں پہنچاتے تھے۔ جب ہندوستان کا مغربی ساحل پرتگیزی حکُومت کے ہاتھ آگیا

Marfat.com

تو وہ ہندوستان اور چین اور دیگر مشرقی ممالک کی تجارت پر بھی قابض ہو گئے۔ عرب اور مصر کے تاجروں اور جہاز رانوں نے ہزار کوشش کی کہ ان نو وارد پردیسی حملہ آوروں کو پسپا کر دیں۔ لیکن وہ کامیاب نہ ہوئے۔ پرتگیزی سلطنت نے راس اُمید سے لے کر چین تک تمام ساحلوں پر قلعے بنا لئے۔ کوئی جہاز پرتگیزی پروانہ راہداری اور پاسپورٹ کے بغیر ان سمندروں میں نہیں چل سکتا تھا۔ جیسا ہم بابِ اوّل کی فصل اوّل و دوم میں بتلا چکے ہیں گوآ کی پرتگیزی حکومت پوپ کے فرمان کی رُو سے اپنے آپ کو بحرِ ہند کی مالک سمجھتی تھی اور وہ تمام جہازوں کو راہداری کا پروانہ دیتے تھے، اور اُن سے محصول بھی وصول کیا کرتے تھے۔ جو جہاز اُن سے راہداری کا پروانہ لئے بغیر اور محصول ادا کئے بغیر سمندر میں چلتا، وہ اُس کو گرفتار کر کے لُوٹ لیتے تھے۔ اور مسافروں کو قتل اور جہاز کو غرق کر دیتے تھے۔ پس پرتگیز مشرقی تجارت کے واحد ٹھیکہ دار ہو گئے تھے۔

پرتگیزوں نے مشرق میں کوئی پرتگیزی سلطنت قائم نہ کی۔ اگرچہ البوکرک ایسی سلطنت قائم کرنے کے خواب دیکھتا رہا۔ لیکن اُس کے حاسدوں کے سامنے اُس کی ایک نہ چلی۔ صرف قلعے ہی ہر طرف کھڑے رہے۔ ۱۵۸۰ء میں ہسپانیہ نے پرتگال کو اپنے اندر شامل کر لیا اس کے بعد بھی یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوا۔ لیکن اُن کے سامراجی خیالات کا یہ حال تھا کہ اُنہوں نے اپنے چند مقبوضات کو جو مغربی ساحل پر تھے ''انڈیا'' کا نام دے رکھا تھا، اور مغلیہ سلطنت کو ''موگور'' کے نام سے موسوم کرتے تھے۔

اکبر کی رگوں میں بھی چنگیز خان اور تیمور کا خُون تھا۔ اُن کی طرح اُس کو بھی مُلک گیری کی ہَوس تھی۔ وہ پرتگیزوں کو ناخواندہ مہمانوں کی طرح اُس کے اپنے ہندوستان میں بے جا مداخلت کرنے والے سمجھتا تھا۔ اِدھر اکبر کے جہازوں کو مکّہ جانے کے لئے اُن سے پروانہ راہداری لینا پڑتا تھا۔ اور راہداری حاصل کرنے کے لئے نہ صرف زر ادا کرنا پڑتا تھا بلکہ رشوت خوار پرتگیز افسروں کو بھی خُوش کرنا پڑتا تھا۔ پس پرتگیزی سلطنت کا بحری اقتدار اکبر کو ہمیشہ کانٹے کی طرح کھٹکتا رہتا تھا۔ ہر چند اکبر اپنے بحری بیڑے کو تیار کرنا چاہتا تھا وہ نہ کر سکتا تھا۔ پرتگیز اُس کی سلطنت کی حدود کے باہر قبضہ جمائے بیٹھے تھے جس کی وجہ سے وہ مغربی ساحل کی بندرگاہوں تک پہنچ بھی نہ سکتا تھا۔ پس اُس کی دلی خواہش یہی تھی کہ کسی نہ کسی طرح اُن کو وہاں سے نکال دے اور گوآ پر قبضہ کر لے۔ اس معاملہ کی نسبت وہ اکثر اپنے مشیروں سے صلاح لیا کرتا تھا، اور جب کبھی موقع پاتا وہ اپنے خُفیہ ایجنٹ سفیر بنا کر گوآ بھیج دیتا تاکہ اُس کو پرتگیزوں کے اِرادوں کا اور فوج

طاقت کا پتہ لگتا رہے۔ بالخصوص جب کبھی جہاز پرتگال سے گوآ آتے تو یہ ایجنٹ اُس کو اطلاع دے دیتے تھے کہ جہازوں میں فلاں فلاں تجارتی اشیا اور فوجیں آئی ہیں۔ اکبر اِس تاک میں رہتا تھا کہ پرتگیزوں کی مالی۔ قانونی۔ ملکی۔ سیاسی۔ مذہبی اور فوجی زندگی کی نسبت معلومات بہم پہنچائے اور اُن سے بظاہر مراسم بڑھا کر اُن کو ہندستان سے نکال سکے۔ اُس کا یہ ارادہ تھا کہ دکن کی فتح کے بعد وُہ گوآ اور دیگر مقبوضات کو فتح کرے۔

چنانچہ دفاتر ابوالفضل میں ہے" و پیش نہادِ خاطر آں بُود کہ چوں ایں کار رو بار سامان و سرانجام یابد، شورہ بختانِ فرنگ کہ در دریا بشور در آمدہ سر بہ شور انگیزی بر آوردہ اند و سنگِ راہِ دریا نوردانِ ہفت کشور شدہ سیما بزائرینِ حرمینِ شریفین زادہما اللہ شرفاً آزادی بسیار می رسانند، خود یورشں نمودہ آں راہ را ازیں خار و خاشاک پاک سازیم" (جلد اوّل ص۲۳)۔ یعنی اکبر کا ارادہ تھا کہ اس کام کو پُورا کر کے پرتگیزوں پر جو سمندری سفر کرنے والوں اور حاجیوں کی آزادی کا باعث تھے، خُود حملہ کر کے اِن کانٹوں کو راہ سے ہٹا دے۔

اِس مقصد کو زیرِ نظر رکھ کر اُس نے گوآ کے گورنر کو لکھ کر تین بار انجمنِ عیسوی کے مبلّغین کو دعوت دی۔ اُس کی متجسّس طبیعت کی اُفتاد بھی اِس بات کی خواہاں تھی کہ مسیحیت کے اصُول سے واقفیت حاصل کرے، تاکہ وُہ اسلام اور مسیحیت کا بھی موازنہ اور مقابلہ کر سکے پس اِن مبلّغین کو دعوت دینے کا اصل مقصد نہ صرف مذہبی تھا بلکہ سیاسی بھی تھا۔ اُس کے دِل میں مبلّغین کی آمد سے پہلے اور بعد بھی یہ دونوں مقاصد کارفرما رہے۔ مبلّغین کی آمد سے اُس کو یہ زرّین موقعہ ہاتھ آیا کہ وُہ اب بے کھٹکے اپنے ایجنٹوں کو پرتگیزی مقبوضات میں بھیج سکتا تھا جو وہاں ہر جگہ آزادانہ چل پھر کر اُس کو تمام امُور کی اطلاع دے سکتے تھے۔ علاوہ ازیں وُہ جب کسی سیاسی بات کو معلوم کرنا چاہتا تو مبلّغین کو بُلا کر اصل حالات سے واقف ہو سکتا تھا۔

پرتگیزی حکُومت بھی اکبر کی طرح مغلیہ سلطنت کے اندرونی حالات کا علم حاصل کرنا چاہتی تھی۔ جیسا ہم بابِ اوّل میں بتلا چکے ہیں اِس حکُومت میں بھی سیاسی اور مذہبی مقاصد کارفرما تھے۔ پرتگیز مذہب کو سیاسیات سے جُدا نہیں رکھتے تھے۔ حق تو یہ ہے کہ سولھویں صدی میں دُنیا کے کسی حصّہ میں بھی سیاسیات کو مذہب سے جُدا نہیں کیا جاتا تھا۔ پس پرتگیزی حکُومت بھی اپنے مبلّغین کو آلۂ کار بنا کر اُن کے ذریعہ مُلکی معلُومات بہم پہنچانا چاہتی تھی۔ ہم آگے چل کر دیکھیں گے کہ پرتگیزی حکُومت اِن مبلّغین کے ذریعہ اپنے اغراض کو پُورا کرنے کی کوشش کرتی رہی، اور مبلّغین

Marfat.com

کھلے بندوں سیاسیات میں حصّہ لیتے رہے۔

پس انجمنِ عیسوی کے مبلّغین کو دعوت دیتے وقت اکبر کا واحد مقصد تحقیقِ اصولِ مسیحیت ہی نہ تھا بلکہ اُس کی تہ میں سیاسی اَغراض بھی چھپی ہُوئی تھیں۔ ہمارے اِس نتیجہ کو اِس حقیقت سے بھی تقویّت ملتی ہے کہ دعوت دینے کے وقت اکبر کی قلمرو میں نہ صرف پرتگیزی مسیحی رہتے تھے بلکہ رُومی کلیسیا کے دیگر ممالک کے شُرکا بھی رہتے تھے۔ رُومی کلیسیا کے علاوہ آرمینی اَور نسطوری کلیسیاؤں کے شُرکا بھی اُس کی سلطنت میں موجُود تھے۔ جو اکبر سے صدیوں پہلے ہندوستان میں تھے۔ آرمنی ہندوستان میں تجارت کی خاطر ایران، بکتریا، افغانستان، اَور تبّت کے راستہ آکر ہندوستان کے تجارتی مرکزوں میں آتے تھے اَور کوہِ اراراَت سے مسالہ اَور ململ وغیرہ لے جاتے تھے۔ آرمینیا میں دریائے اَرَس (Aras) (جس کو قدیم مؤرخ اراکسیس (Araxes) لکھتے ہیں) کے کنارے شہر جلفا تجارت کی بڑی منڈی تھا۔ یہ شہر ایران کے شاہ عباس[1] کے حکم سے ۱۶۰۵ء میں برباد کر دیا گیا اَور ۱۲ ہزار ارمنی مسیحیوں کو ایران کے دارالسلطنت اصفہان کی طرف جلاوطن کر دیا گیا جہاں اُنہوں نے اپنا شہر بنا کر اُس کا نام "نیا جلفا" رکھ دیا تاکہ اُن کے قدیم وطن کا نام زندہ رہے لیکن چُونکہ مختلف زمانوں میں ہندوستان پر آئے دن حملے ہوتے رہتے تھے آرمنی تاجروں نے اکبر کے عہد سے پہلے یہاں مستقل طور پر رہائش اختیار نہ کی۔ ان کے ماسوا مغربی ایشیا کے مختلف ممالک کے مسیحی تاجر بھی اس کی قلمرو میں تجارت کرتے تھے۔

اگر اکبر کا مقصد خالص تحقیقِ حق ہی ہوتا تو وُہ ان کلیسیاؤں کے فضلاء کو بُلوا کر مسیحیت کے اصُول دریافت کر سکتا تھا۔ ہم آگے چل کر دیکھیں گے کہ ارمینی مسیحیوں نے انجمنِ عیسوی کے مبلّغین کے اثر و رسُوخ کو دیکھ کر اپنی کلیسیا کے ایک اُسقف کو بُلوا بھیجا تھا تاکہ وُہ اکبری دربار میں آئے لیکن ان مبلّغین کی چالوں نے ان کی بات چلنے نہ دی۔ قصّہ کوتاہ، اکبر نے مسیحیت کے اصُولوں کا علم حاصل کرنے کے لئے نہ تو کسی اَور کلیسیا کے شُرکا کی طرف رجُوع کیا اَور نہ اُن کے کسی مبلّغ یا عالم

---

[1] شاہ عباس ایران کے صفوی خاندان کا زبردست بادشاہ تھا جس کی بنا شاہ اسمٰعیل نے ۱۵۰۰ء میں ڈالی تھی۔ اِس خاندان کے بادشاہ ۱۷۲۲ء تک ایران کے حکمران رہے جب افغانوں نے اُس کا خاتمہ کر دیا۔ لیکن طہماسپ قلی خان (نادر شاہ) اُن کو ۱۷۲۶ء میں نکال کر خُود بادشاہ بن گیا۔ اِس کے تین سال بعد ۱۷۳۹ء میں اُس نے دہلی پر حملہ کیا تھا۔

Marfat.com

کو طلب کیا۔ اُس لے صرف پرتگیزی حکومت کو گوآ میں لکھا اور پرتگیزی حکومت نے انجمنِ عیسوی کے مبلغین کو روانہ کیا۔ اس طرزِ کار میں اکبر اور گوآ کی حکومت دونوں کے دلوں میں مذہبی اور سیاسی مقاصد موجود تھے۔ دونوں مذہب کی آڑ میں اپنے اپنے سیاسی مقاصد کو پورا کرنا چاہتے تھے۔

فصل دوم

مسیحی مبلغین کو پہلی دعوت

جب ابراہیم حسین مرزا نے بغاوت کر کے بندرگاہِ سورت کے قلعہ پر قبضہ کر لیا تو اکبر یلغار کر کے وہاں پہنچا اور اُس نے ۱۵۷۳ء میں شہر کا محاصرہ کر لیا۔ محصورین نے گوآ کے پرتگیزوں کے ساتھ پہلے ہی سازباز کر رکھی تھی اور اُنھوں نے ابراہیم حسین کی اعانت کا وعدہ کیا تھا۔ جب اکبر کو اس چال کی خبر ہوئی تو اُس نے گوآ کے وائسرائے Don Antonio de Noronha انٹونیو دے نورونا کے ساتھ رابطۂ دوستی پیدا کر لیا۔ وائسرائے نے باغیوں کی امداد کرنے کی بجائے انٹونیو کبرال کی زیرِ سرکردگی ایک سفارت اکبر کے پاس سورت روانہ کی اور اُس کے ہاتھ پرتگال کی نادر اشیاء بطور تحائف گذرانیں۔ یہ پہلی دفعہ تھی جب اکبر پرتگیزوں سے دوچار ہوا۔ کبرال نے اس خوبی سے مصالحت کی گفت و شنید کی کہ اکبر پر اچھا اثر پڑا، اور وُہ پرتگیزوں کی شجاعت و دلاوری، اُن کے طور طریقوں اور آدابِ مجلس کو دیکھ کر خوش ہوا۔ یہ وُہ زمانہ تھا جب اکبر تحقیقِ حق کی جستجو میں تھا۔ اُس نے وفد کے سردار سے مسیحیت کے اصول کی بابت سوال کئے۔ کبرال نے اس کو اپنے مذہب کے بنیادی اصول بتلائے اور انجمنِ عیسوی کے مبلغین کے حالات بھی بتلائے۔

اِس واقعہ کے بعد ۱۵۷۶ء میں اکبر نے انجمنِ عیسوی کے دو مبلغین انٹونی واز اور پیٹر وڈائس کی بابت سنا کہ اُنھوں نے بنگال کے عیسائیوں کو سخت ملامت کی تھی جنھوں نے اکبر کو سالانہ لگان اور بندرگاہوں میں لنگر ڈالنے کی ٹیکس ادا نہیں کی تھی۔ ان مبلغین نے اپنے عیسائیوں پر زور ڈال کر اُن کو مجبور کیا تھا کہ "جو قیصر کا ہے وُہ قیصر کو ادا" کریں اور اُن کو یہ دھمکی دی تھی کہ

Marfat.com

اگر تم ہمارا حکم نہیں مانو گے تو ہم تمہارے گناہوں کی مغفرت کا کلمہ نہیں پڑھیں گے ۔ یہ رقم اچھی خاصی تھی جو شاہی خزانہ میں داخل کر دی گئی۔ اکبر یہ واقعہ سُن کر دنگ رہ گیا اور اُس کا دل مُبلغین کی دیانتداری اور مسیحیت کے اصُول سے بڑا متاثر ہُوا ۔

۱۵۷۷ء میں ایک پرتگیز پیڈرو ٹیورس (Pedro Tavers) اکبر کے دربار میں آیا۔ یہ شخص صاحبِ دولت و ثروت تھا اور چٹا گانگ اور ست گاؤں (واقع بنگال) کی بندرگاہوں کا افسرِ اعلیٰ تھا ۔ ابوالفضل نے اِس کا ذکر اکبر نامہ میں کیا ہے۔ اکبر نے اس سے مسیحی مذہب کے اصُولوں کی نسبت استفسار کیا۔ اُس نے اکبر کے سوالوں کا مختصر جواب دے کر بنگال میں رُومی کلیسیا کے پادری جُولیانو پریرا (Giuliano Pereira) کا پتہ دیا جو عدالتی اُمور میں اُسقف کے نائب Vicar General کے فرائض سرانجام دیتا تھا ، اور کہا کہ حضوُر اُس کو بُلوا بھیجیں، وُہ آپ کو ہمارے مذہب کی تفصیلات سے آگاہ کر سکتا ہے اور آپ کے تمام سوالات کا جواب دے کر آپ کے تمام شکوک اور شبہات کو رفع کر سکتا ہے ۔ یہ سُن کر اکبر نے پادری جُولینس کو بُلوا بھیجا ۔ اُس نے فتحپور سیکری آکر عُلمائے اسلام کے ساتھ مباحثے کئے اور اسلام و مسیحیت کا مُقابلہ کر کے اکبر پر ثابت کر دیا کہ مسیحی مذہب اسلام سے اعلیٰ اور افضل ہے ۔ بادشاہ نے پادری جُولینس کو کہا کہ تُم یہاں ہمارے پاس رہو اور ہم کو پرتگیزی زبان سکھا دو تاکہ ہم تُمہارے مذہب کی مُقدّس کتابوں کو دیکھ کر حق بات کا علم حاصل کر سکیں۔ پریرا نے اس تجویز کو بڑی خُوشی سے قبُول کر لیا۔

پریرا کی آمد نے عوام میں ایک ہلچل سی مچا دی اور عُلمائے اسلام بڑے برافروختہ ہو گئے ۔ چنانچہ مُلّا عبدالقادر بدایونی "نواختنِ ناقوسِ نصاریٰ" اور "ماشائے ثالث ثلاثہ" کا ذکر کر کے پریرا کی ملاقات کی تاریخ "کفر شائع شد" (۹۸۵ھ۔ ۱۵۷۷ء) لکھتا ہے۔ جس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اِس ملاقات کے بعد اکبری دربار میں اور دار السلطنت میں مسیحی کلیسیاؤں کے شرکا کی آمد و رفت بڑھ گئی تھی اور بادشاہ کو مسیحی مذہب کے بعض عقائد اور پند و نصائح ایسے پسند آئیں کہ اُس نے اُن کو قبُول کر لیا تھا ، کیونکہ مُلّا عبدالقادر لکھتا ہے کہ "آمد و رفتِ فرنگیاں نیز شدہ و بعضے اعتقادات عقلی ایشاں را فراگرفتند"۔

ایک روز دورانِ گُفتگو پریرا نے بادشاہ کو کہا کہ گوا میں ایسے قابل قسیس رہتے ہیں کہ میں اُن کی خاکِ پا بھی نہیں ہُوں ۔ آپ اُن کو بُلوا بھیجیں اور وُہ آپ کے تمام سوالوں کا اطمینان بخش

Marfat.com

جواب دے سکیں گے۔ یہ قسیس گوآ کی انجمنِ عیسوی (Society of Jesus) کے مبلغین تھے جو اُس کے بانی اگنیشیس لوئلا Ignatius Loyala نے ۱۵۳۹ء میں یورپ میں قائم کی تھی۔ اِس انجمن کی بنیاد پڑنے کے تین سال بعد اُس کا پہلا رکن فرانسس زیوئیر (Francis Xavier) ہندوستان آیا تھا۔ اِس انجمن کا مقصد یہ تھا کہ غیر مسیحیوں میں انجیل جلیل کی اشاعت کی جائے۔ ہندوستان میں یہ انجمن ۱۵۴۲ء سے ۱۸۰۳ء تک مسیحیت کی اشاعت و تبلیغ کا کام سرانجام دیتی رہی۔ فرانسس زیوئیر نے گوآ میں سینٹ پال کالج کھولا تاکہ اِس جامع کے ذریعہ انجمن کے مبلغ مذہبی تعلیم و تربیت حاصل کر سکیں۔ ہم کسی آئندہ جلد میں انشاءاللہ اِس زبردست مُقدّس اور مبلغ کے مفصّل حالات حوالۂ قلم کریں گے۔

پادری پریرا کی صلاح کے مُطابق اکبر نے ایک سفیر گوآ بھیجا جو وہاں ستمبر ۱۵۷۹ء میں پہنچا۔ اُس نے "فادر پروونشل" Father Provincial کو اکبر کا دعوت نامہ دیا۔ سفیر کے ہمراہ ارمنی پادری پائرس Pires بھیجا گیا جو اُس کا مترجم تھا۔[۱] اکبر نے لکھا تھا کہ مَیں مسیحی شریعت اور انجیل سے واقف ہونا چاہتا ہُوں۔ آپ اپنے قسیسوں کو میرے سفیر کے ساتھ بے کھٹکے بھیجدیں۔ دورانِ سفر اُن کا ہر طرح سے خیال رکھا جائیگا اور سب اُن کا احترام کریں گے۔ مَیں خُود اُن کی حفاظت کا ذمّہ لیتا ہُوں۔ مَیں اُن کو عزّت کے ساتھ اپنے پاس رکھوں گا اور اُن سے مسیحیت کی تعلیم حاصل کروں گا۔ پھر اگر وُہ واپس گوآ جانا چاہیں تو اُن کو آزادانہ بغیر کسی رکاوٹ کے عزّت و احترام اور تحائفِ گراں بہا کے ساتھ بھیجدُوں گا۔

اکبر کے سفیر کا شاہانہ خیر مقدم کیا گیا۔ لاٹ پادری اور گوآ کے سربرآوردہ مسیحی پھُولے نہ سماتے تھے۔ اُن کا یہ خیال تھا کہ خُدا نے اکبر کی نجات کے لئے راستہ کھول دیا ہے لیکن گوآ کے وائسرائے کو یہ خدشہ دامنگیر تھا کہ مبادا اکبر مسیحی مبلغین کو بطور یرغمال نہ رکھ لے۔ اور پھر پرتگیزی حکومت کو پشیمانی اُٹھانی پڑے۔ وائسرائے کو یہ خدشہ اس واسطے لاحق ہُوا تھا، کیونکہ کچھ عرصہ پہلے پرتگیزی حکُومت اور اکبر کے تعلقات کشیدہ ہو گئے تھے۔ تب وائسرائے نے کیبرآل کو دوبارہ ۱۵۷۸ء میں اکبری دربار میں بھیجا تھا جس نے دانشمندی سے معاملہ کو رفع دفع کر دیا تھا۔

---

[۱] سمتھ لکھتا ہے کہ یہ شخص ایک ارمنی مسیحی تھا جس کی شادی اکبر نے ایک ہندوستانی خاتون سے کر دی تھی۔ (برکت اللہ)

Marfat.com

بالآخر وائسرائے نے یہ معاملہ اُسقفوں کی کمیٹی کے سپرد کر دیا جنہوں نے بڑے غور خوض اور دُعا کے بعد ۱۰ نومبر ۱۵۷۹ء کے روز فیصلہ کیا کہ اکبر کی دعوت کو قبول کیا جائے اور انجمنِ عیسوی کے مبلّغین اُس کے دربار میں بھیجے جائیں۔ پس پادری رُوڈلف ایکوا ویوا (Rudolf Aquaviva) کی زیرِ سرکردگی انجمن عیسوی کے مبلّغین کی پہلی جماعت ۱۷ نومبر ۱۵۷۹ء کے روز اکبر کے سفیر اور اُس کے مترجم کے ہمراہ گوآ سے روانہ ہوئی اور ۲۷ فروری ۱۵۸۰ء کے دن فتحپور سیکری جا پہنچی۔

مبلّغین عیسوی کے حالات

اس جماعت کے ممتاز افراد حسب ذیل تھے:

(۱) پادری رُوڈلف ایکواویوا اِس جماعت کا لیڈر تھا۔ اُس کی عُمر تیس سال کی تھی۔ وُہ بڑا عبادت گذار، زاہد اور عالم شخص تھا۔ جب وُہ انجمن کے مدرسہ میں زیرِ تعلیم تھا تو اُس نے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ اُس کو کسی مشرقی ملک میں بھیجا جائے جہاں وُہ غیر مسیحیوں کو خُداوند کی نجات کا پیغام دے سکے۔ وُہ گوآ میں آیا ہی تھا جب اکبر کا سفیر آ پہنچا۔ اگرچہ اُس کا جسم کمزور اور صحت اچھی نہ تھی لیکن اُس نے درخواست کی کہ اُس کو اکبر کے پاس بھیجا جائے۔ جب وُہ اکبری دربار میں آیا تو اُس نے از حد کوشش کی کہ بادشاہ مسیحی ہو جائے۔ وُہ شب و روز دُعا اور عبادت میں مشغول رہتا تھا۔ اکثر اوقات وُہ شام کے وقت جہاں دُعا کرنے کے لئے گھٹنے ٹیکتا صبح کا ستارہ اُس کو وہیں اُس کے گھٹنوں پہ دیکھتا۔ وُہ بڑا ریاضت کرنے والا شخص تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ وُہ شاہزادہ سلیم (جہانگیر) کے پاس سو رہا تھا۔ رات کے وقت وُہ آہستہ سے کھسک کر دُوسرے کمرے میں چلا گیا۔ جہانگیر نے پیچھے جا کر دیکھا کہ ایک کوڑا اُس کے پاس زمین پر پڑا ہے جس کی لوہے کی چھریاں خُون آلُودہ ہیں اور اُس کی پیٹھ لہولہان ہو رہی ہے۔ وُہ اس شدّت سے دُعا اور زہد کی زندگی گذارتا تھا کہ جب وُہ واپس گوآ گیا تو اُس کی نقاہت سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وُہ چند دن کا مہمان ہے۔ اُس کی عبادت گذاری اور شب بیداری نے اکبر کے دِل پہ بڑا اثر کر رکھا تھا۔ اُس نے فارسی زبان سیکھی تاکہ اکبر سے خُود بلا واسطہ مترجم مذہبی گفتگو کر سکے۔ جب وُہ ۱۵۸۳ء میں گوآ واپس گیا تو اُس کو سالسٹ بھیجا گیا جہاں ایک ہندو نے اُس کو شہید کر دیا۔

(۲) پادری انتھونی مونسیراٹو Anthony Monserrate ۱۵۳۶ء میں پیدا ہُوا اور ۱۵۵۸ء میں انجمن عیسوی میں شامل کیا گیا۔ وُہ ۱۵۷۴ء میں گوآ بھیجا گیا جہاں سے وُہ چار سال

Marfat.com



Emperor Akbar receiving Jesuit Priests

Marfat.com

Marfat.com

بعد اکبر کے دربار میں گیا۔ اکبر اس کے علم اور علم و انکساری کی وجہ سے اُس کی بڑی توقیر کرتا تھا۔ اُس نے اُس کو شاہزادہ مراد کا اتالیق مقرر کیا۔ ۱۵۸۲ء میں اکبر نے اُس کو ایک سفارت کے ساتھ روانہ کیا جو شاہِ ہسپانیہ و پرتگال کے پاس جانی تھی۔ وُہ گوآ میں چھ سال کام کرتا رہا۔ فروری ۱۵۸۹ء میں اُس کو اپنی ہسپانیہ جانے کا حکم ہُوا۔ راہ میں ساحل عرب پر عربوں نے اُس کو گرفتار کر لیا۔ پھر ترکوں نے اُس کو صنعا میں قید کر لیا جنہوں نے اُس کو ایک بادبانی جہاز میں کام کرنے کی سزا دی۔ بالآخر گوآ کے ہندوستانی تاجروں کے ذریعہ اُس کی رہائی کے لئے زرِ فدیہ دیا گیا اور وُہ ۱۵۹۶ء میں گوآ سے سالسٹ بھیجا گیا جہاں اُس نے ۵ مارچ ۱۶۰۰ء میں وفات پائی۔

مونسیرت نہایت قابل شخص تھا۔ جب وُہ اکبر کے دربار کو جانے لگا تو لاٹ پادری نے اُس کو حکم دیا کہ وُہ ہر روز اپنا روزنامچہ لکھا کرے جس کو وُہ ۲½ سال تک ہر شام لکھتا رہا۔ اس میں اُس نے اکبر کی سلطنت کے مختلف پہلوؤں کا ذکر کیا ہے اور یہ بھی بتلایا ہے کہ شمالی ہند میں مسیحی بادشاہ تھے جن کو پٹھانوں نے فنا کر دیا تھا۔ اس کی تصنیف (Commentary) جو ۱۵۹۱ء میں مکمل ہُوئی اکبر کے عہد پر ایک مستند کتاب ہے اور ہماری اِس کتاب کا ایک ماخذ ہے۔

(۳) پادری فرانسوا ہنریک (Francois Henriques) ایک ایرانی تھا جس نے اسلام کو خیرباد کہہ کر مسیحیت کو اختیار کر لیا تھا۔ چونکہ فارسی اُس کی مادری زبان تھی اُس کو ایکوا ویوا کی مدد کے لئے جماعت میں شامل کر لیا گیا۔

اِس تبلیغی جماعت کا مقصد یہ تھا کہ اکبر اور اُس کی مملکت کی غیر مسیحی رعایا کو انجیل کا جانفزا پیغام سُنا کر اُن کو منجیٔ جہان کے قدموں میں لایا جائے۔ چونکہ اکبر نے اُن کو دعوت دی تھی اُن کا خیال تھا کہ یہ مقصد اکبر کے مسیحیت کو اختیار کرنے سے پُورا ہو جائے گا۔ پس اس جماعت نے اوّلاً اپنی تمام تر توجہ اِس نکتہ پر مرکوز کی، کیونکہ اُنہوں نے یہ سوچا تھا کہ جس طرح مالدیو کا بادشاہ اور لنکا کے کئی بادشاہ مسیحی ہو گئے تھے اور بیجاپور کے راجہ کا ایک نزدیکی رشتہ دار حال ہی میں گوآ میں مسیحی ہو گیا تھا اور اماکان کے شاہی خاندان کے افراد بعد کے زمانہ میں مسیحی ہو گئے تھے، وُہ بھی خُدا سے توفیق پا کر اکبر کو مسیحیت کا حلقہ بگوش کر سکیں گے، اور اس کی دیکھا دیکھی اُس کی رعیت اُس کا نمونہ اختیار کرے گی اور اُس کے تمام ممالکِ محروسہ میں مسیحیت کی اشاعت و تبلیغ ہو جائے گی۔

Marfat.com

مُبلّغین کی دربار میں باریابی

یہ تبلیغی جماعت ۲۸ فروری ۱۵۸۰ء کے روز فتحپور سیکری پہنچی۔ اس وقت اکبر کی عمر قریباً چالیس سال کی تھی۔ یہ وُہ زمانہ تھا جب اکبر مُسلم عُلما کی ذہنی غلامی سے چھٹکارا حاصل کر چکا تھا۔ اِس جماعت کی آمد سے چھ ماہ قبل اکبر امامِ عادل قرار دیا جا چُکا تھا جس کے احکام شریعت سے بالا تھے۔ لیکن ابھی دینِ الٰہی کی ترویج نہیں ہُوئی تھی۔ عبادت خانہ میں سبھی مذاہب کے عُلما اور فضلا مباحثوں میں شریک ہوتے تھے۔ لیکن تاحال اُن میں مسیحی مذہب کے فضلا نہیں تھے۔ انجمنِ عیسوی کے مبلّغین کی آمد سے یہ کسر بھی پُوری ہو گئی۔

جب بادشاہ نے مسیحی مُبلّغین کی آمد کی خبر سُنی تو اُس نے اُن کو محل میں بُلایا۔ اُن کی تواضع کی خاطر وُہ اَور شاہزادہ سلیم ہسپانوی لباس میں ملبوس تھے۔ اُس نے اُن کی بہت خاطرداری کی اَور دیر رات تک اُن سے باتیں کرتا رہا۔ رخصت کرتے وقت اُس نے بہتیری کوشش کی کہ مبلّغین اُس کے سیم و زر کے تحفہ کو لے جائیں لیکن اُنہوں نے مُؤدبانہ الفاظ میں قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا اَور کہا کہ ہم نے افلاس اَور برہمچریہ کی حلف لی ہُوئی ہے۔ اکبر نے کہا کہ اچھا تُم روزینہ کے خرچ کے لئے یہ رقم لے جاؤ لیکن اُنہوں نے جواب دیا کہ اُن کا خُدا اُن کی روزانہ ضروریات پُوری کر دیتا ہے۔ اکبر یہ دیکھ سُن کر دنگ رہ گیا، کیونکہ دیگر مذاہب کے بہت سے فضلا انعام واکرام کے اُمیدوار ہوتے تھے۔ اُن کے انکار نے اُس کو بہت متاثر کیا۔

مُبلّغین ۳ مارچ کے روز پھر اکبر کی ملاقات کو گئے۔ اُنہوں نے رائل بائبل[1] کی ایک کاپی ہدیۃً پیش کی۔ یہ بائبل چار زبانوں میں تھی جس کی مکلّف جلد کا قبضہ سونے کا تھا۔ یہ بائبل شاہ فلپ ثانی کے لئے چھاپی گئی تھی اَور عبرانی۔ کلدی۔ لاطینی اَور یُونانی زبانوں میں تھی۔ اکبر نے نہایت احترام سے کتابِ مُقدّس کی آٹھ جلدوں کو لیا۔ اُن کو بوسہ دیا اَور اپنے سر پر رکھا۔ اُس نے پُوچھا کہ ان جلدوں میں سے انجیل کی جلد کونسی ہے؟ مُبلّغین نے چانچویں جلد کی طرف اشارہ کیا۔ اکبر نے اُس جلد کو لیا اَور اُس کو دوبارہ بوسہ دیا اَور سر پہ رکھا۔ پھر حُکم دیا کہ اِن جلدوں کو محل میں لے جاؤ۔ ان جلدوں کے لئے ایک بیش بہا قیمتی صندوقچہ منوایا گیا۔ مُبلّغین نے دو تصویریں بھی پیش کیں جو مُنجّی عالمین اَور بی بی مریم صدیقہ کی تھیں۔ روایت کے مُطابق صدیقہ کی یہ تصویر مقدّس لُوقا انجیل نویس نے بنائی تھی۔ اکبر نے مُنجّی عالمین کی تصویر کو بڑے ادب سے لیا اَور بوسہ دیا۔ شاہزادوں نے اَور

1. Royal Polyglot Bible in 8 Volms.

Marfat.com

دربار کے اراکین نے بھی تصویر کو بوسے دیئے۔ اکبر نے شاہی مصوّروں کو حکم دیا کہ ان تصویروں کی نقلیں تیار کریں۔

اکبر نے مبلّغین کی خاطرداری میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ اُس نے اُن کی رہائش کے لئے اپنے محل میں ایک مکان دیا۔ شاہی دسترخوان سے اُن کے لئے کھانا جاتا تھا۔ ایک روز مونسیرٹ بیمار ہو گیا تو بادشاہ خود اُس کی عیادت کے لئے گیا۔ جب وہ مبلغین سے شخصی ملاقات کرتا تو اُن سے نہایت گرمجوشی سے ملتا اور اپنے قریب بٹھلاتا اور دیر تک گفتگو کیا کرتا۔ بعض اوقات وہ اُن سے ہاتھ ملاتا اور ازراہ شفقت رو ڈلف کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھتا تھا۔

بمصداق "کرم ہائے تو مارا کرد گستاخ" اکبر کی شفقت کو دیکھ کر مبلغین کو یہ جرأت ہوئی کہ وہ اُس سے ستی کی مذموم رسم اور ہاتھیوں کی لڑائی اور کثرتِ ازدواج وغیرہ کی نسبت بات کریں۔ اکبر اُن کی باتیں بڑے صبر و تحمل سے سُنتا۔ بڑی ملائمت سے جواب دیتا اور اُن سے خوش مزاجی سے پیش آتا تھا اور اُن کے حال پر بہت توجہ رکھتا تھا۔

مبلغین نے محل کے مکان کے ایک وسیع کمرے کو گرجا بنا لیا، جس کو اُنہوں نے بڑی خوبی سے آراستہ کیا۔ اکبر بعض اوقات گرجا کو دیکھنے کے لئے آتا اور وہاں گھٹنے ٹیک کر دُعا کرتا اور کہتا کہ عبادت کا یہ گھر بھی خانۂ خدا ہے۔

مبلغین کی آمد کے چند روز بعد وہ اُمرائے دربار اور شاہزادوں کے ساتھ گرجا کے اندر گیا۔ سب نے تعظیماً جوتیاں اُتاریں۔ وہ خداوند مسیح۔ مقدسہ مریم اور دیگر مقدسین کی تصویریں کو بڑے غور سے دیکھتا رہا۔ اُس نے مصوروں کو حکم دیا کہ گرجا کی تصاویر کی نقلیں تیار کریں اور سناروں کو حکم دیا۔ خداوند مسیح اور بی بی مریم کے بتوں کو رکھنے کے لئے ایک زرین منقش ڈبا بنائیں۔ مبلغین کو دیں۔ ۱۵۸۰ء کے کرسمس کے دن اکبر مسیح کے کھٹولے کو دیکھنے گیا جو مبلغین نے بڑی شان سے تیار کیا تھا۔

اکبر نے شاہزادہ مراد کو پرتگیزی زبان اور مسیحیت کے اصول کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے پادری مونسیرٹ کے سپرد کر دیا۔ شاہزادہ کی عمر اس وقت گیارہ سال کے قریب تھی۔ وہ بڑا فہیم تھا اور سیکھنے کا شوقین بھی تھا۔ مبلغین کی بہت اُمیدیں اُس کی ذات کے ساتھ وابستہ تھیں۔ پادری مونسیرٹ کے بعد پادری اکیوا ویوا اُس کو اپریل ۱۵۸۲ء سے تعلیم دیتا رہا۔ بادشاہ نے شیخ ابوالفضل کو حکم دیا کہ مبلغین کے لئے فارسی زبان کی تحصیل کا انتظام کرے۔ ایک روز کا ذکر

Marfat.com

ہے کہ اکبر دیکھنے آیا کہ شاہزادہ مراد کیا پڑھتا ہے۔ مُلّا عبدالقادر بدایونی لکھتا ہے کہ ملکِ فرنگ کے ریاضت کیش داناؤں کو "پادری" کہتے ہیں اور مجتہدِ کامل کو (جو مقتضائے وقت کے مطابق احکام میں تبدیلی کر سکتا ہے اور بادشاہ بھی جس کی حکم عدولی نہیں کر سکتے) "پاپا" کہتے ہیں۔ یہ لوگ انجیل لائے، تثلیث کی دلیلیں پیش کیں اور عیسائیت کی حقیقت ثابت کرنے کے لئے اُنھوں نے عیسوی مذہب کو رواج دیا۔ بادشاہ نے شاہزادہ مُراد کو فرمایا جس نے چند سبق پڑھے۔ بسم اللہ کی جگہ یہ مصرع تھا "اے نام تو جیزس و کرسٹو" اور شیخ فیضی نے شعر کو مکمل کر کے کہا۔

اے نام تو ژژو کرسٹو

سبحانک لا شریک یا ہُو

مُبلّغین نے لکھا ہے کہ اکبر نے کہا تھا کہ "بسم اللہ" کے آگے یہ بھی لکھو "وباسم عیسیٰ مسیح نبیٔ حق وابن اللہ"

اسلامی علماء اور مبلّغین کے مباحثے

مُبلّغین کی آمد کے چند روز بعد اکبر نے اُن کو عبادت خانہ میں بُلوایا تاکہ وُہ مسلمان عُلماء کے ساتھ مباحثہ کریں اور اپنے اصُولِ دین کو واضح کریں۔ مبلّغین نے کتابِ مُقدس کی اصلیت اور صداقت بیان کی اور قرآن کے ساتھ موازنہ نہ کیا۔ وُہ اپنے ساتھ قرآن کا پرتگیزی ترجمہ لے کر آئے تھے اور اُس کا اچھی طرح مطالعہ کرتے رہے تھے۔ اِس بحث میں مسلمان عُلماء اُن کا کوئی معقول جواب نہ دے سکے۔ چنانچہ ابوالفضل اکبرنامہ میں لکھتا ہے کہ پادری رُوڈلف عبادت خانہ میں آیا۔ وُہ بڑا قابل اور فاضل شخص تھا اور مسیحیت کے علم میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا۔ بعض جاہل اور تنگ نظر لوگوں نے اُس پر اعتراضات کئے جو پُرانے اور فرسودہ تھے اور عقل کے خلاف تھے۔ اِن اعتراضات کا دندان شکن جواب دیا گیا۔ اس کے بعد اُنھوں نے انجیل کے متضاد مقامات پیش کئے لیکن وُہ اپنے دعوؤں کے لئے کوئی دلیل نہ دے سکے۔ پادری رُوڈلف نے نہایت متانت اور دلی یقین کے ساتھ جواب دیئے جو تسلی بخش تھے۔"

اکبر طرفین کی باتوں کو بڑے غور سے سُنتا رہا۔ جلسہ کے بعد اُس نے مُبلّغین کو کہا کہ تُمہارے دلائل اچھے تھے۔ تُم ہم کو تثلیث کا مسئلہ سمجھاؤ اور یہ بھی بتلاؤ کہ خُدا کا بیٹا کیسے ہو سکتا ہے اور وُہ انسانی جسم اختیار کر کے دُنیا میں کس طرح آ سکتا ہے؟ مبلّغین نے اِن مسائل کو واضح طور پر بیان کرنے کی کوشش کی لیکن اکبر کی تسلی نہ ہُوئی۔

Marfat.com

پہلے مباحثہ کے تین روز بعد ایک اور مباحثہ کیا گیا۔ اِس دفعہ مباحثہ کا مضمون "جنّت" تھا۔ مُبلّغین نے قرآن سے جنّت اور حور و غلمان اور دیگر نعمائے بہشت کی آیات پیش کر کے اعتراضات کی بوچھاڑ کر دی۔ عُلمائے اسلام اُن کا کوئی معقول جواب نہ دے سکے۔ اکبر کو عُلما کی بے بسی پر ترس آیا اور اُس نے اُن کی حمایت میں چند فقرے کہے لیکن وہ مبلّغین کا جواب نہ تھے۔

اُس کے اگلے منگل کے روز مبلّغین نے عُلمائے اسلام کے ساتھ تیسرا مباحثہ کیا جس میں حضرت محمدؐ اور خُداوند مسیح کے خصائل اور واقعاتِ زندگی کا مقابلہ کیا گیا۔ اس میں عُلما کو ایسی زک ملی کہ اُنہوں نے پھر مبلّغین سے کبھی بحث نہ کی۔

جلسہ کے چند روز بعد اُنہوں نے اکبر سے کہا کہ آپ کی دعوت کے مُطابق ہم حاضرِ دربار ہو گئے ہیں اور ہم خُدا کا شُکر کرتے ہیں کہ ہم آپ کو جو حق کے سچّے متلاشی ہیں سچّے دینِ عیسوی کے حقائق بتلا سکے ہیں۔ اب ہم آپ کے پاس آتے ہیں تا کہ آپ ایک خاص وقت مُقرّر کریں تا کہ ہم انجیل کی روشنی سے آپ کے دِل کو منوّر کر سکیں اور آپ حق و باطل میں تمیز کر کے باطل کو ترک کر دیں اور حق کو اختیار کریں۔ اکبر نے یہ کہہ کر بات ٹال دی کہ یہ سب باتیں خُدا کے قبضۂ قُدرت میں ہیں اور وُہی دِلوں کی رہنمائی حق کی جانب کر سکتا ہے۔

عیدِ قیامت کے روز اکیوا ویوا بادشاہ کے پاس تحائف لے کر گیا۔ اکبر اُس کی مُلاقات سے بہت محظوظ ہُوا اور رات دیر تک اُس سے مذہبی سوال و جواب کرتا رہا۔ اور اُس سے وحی۔ الہام۔ مسیحی طریقۂ عبادت و ریاضت کی نسبت گُفتگُو کرتا رہا۔

ایک دِن کا ذکر ہے کہ بادشاہ گرجا دیکھنے کے لئے آیا۔ دورانِ گُفتگُو اُس نے مُبلّغین کو کہا کہ مَیں جانتا ہُوں کہ مسیحی شرع اور اخلاقیات بہترین ہیں، اور حضرت عیسیٰ مسیح کی زندگی فوق البشر ہے لیکن میری عقل یہ نہیں سمجھ سکتی کہ خُدا کے ہاں بیٹا کیسے ہو سکتا ہے، مُجھے تثلیث کا مسئلہ بھی پیچیدہ سا نظر آتا ہے۔ مَیں یہ بھی سمجھ نہیں سکتا کہ خُدا کس طرح مجسّم ہو کر دُنیا میں آ سکتا ہے۔ اگر تُم یہ باتیں عقل کے مُطابق ثابت کر دو تو مُجھے مسیحی مذہب اختیار کرنے میں پس و پیش نہ ہو گا۔ کیونکہ اب میں اسلام کی اصل حقیقت سے واقف ہو چکا ہُوں۔

مسیحی مبلّغین مسلمان عُلما کے ساتھ بحث کرتے رہتے تھے۔ مانسیرٹ ہم کو بتلاتا ہے کہ پادری اکیوا ویوا اُن پر یہ ثابت کرتا تھا کہ چونکہ خُداوند مسیح کی نسبت انبیائے سلف نے پیشین گوئیاں

Marfat.com

کی ہیں جو اُس پر صادق آتی ہیں لہٰذا اُس پر ایمان لانا لازم ہے۔ نبیٔ اسلام کے لئے کوئی ایسی پیشین گوئی نہیں ملتی لہٰذا اُس کی رسالت ثابت نہیں ہے۔ پھر یہ کہ جب تُم تورات زبُور اور انجیل کو الہامی کتابیں مانتے ہو تو قرآن کو جو اُن کے متضاد ہے کیوں الہامی مانتے ہو؟ دو متضاد باتوں میں سے صرف ایک ہی بات حق ہو سکتی ہے۔ چونکہ تُم خُود انبیائے سلف کے کلام اور انجیل کو حق مانتے ہو اس کا منطقی نتیجہ یہی ہے کہ قرآن برحق کتاب نہیں ہے۔ وُہ عُلماء کو کہتے تھے کہ جب نبیٔ اسلام یہ تسلیم کرتا ہے کہ خُداوند مسیح بن باپ کے پیدا ہُوا اور وُہ ایک فوق البشر ہستی ہے تو وُہ اس کو ابن اللہ اور خُدا ماننے میں کیوں تامّل کرتا ہے۔ جب قُرآن مسیح کا پرندوں کو خلق کرنا تسلیم کرتا ہے تو اُس کو خالقِ کائنات کیوں نہیں مانتا؟ مُبلّغین قرآن سے ثابت کرتے تھے کہ نبیٔ اسلام نے معجزات کرنے سے عجز ظاہر کیا ہے اور اِس حقیقت کا مقابلہ مسیح کے معجزات سے کرتے تھے۔ جو آیاتُ اللہ تھے وُہ عُلماء کو کہتے تھے کہ قرآن کبھی تو مسیح کی صلیبی موت کو تسلیم کرتا ہے اور کبھی انکار کرتا ہے۔ قُرآن سے وُہ بی بی مریم اور خُداوند مسیح کی فضیلت کو ثابت کرتے تھے (آلِ عمران آیات ۳۱، ۴۲) اور کہتے تھے کہ قرآن کے مُطابق مسیح کلمۃ اللہ اور رُوح اللہ ہے (آلِ عمران آیت ۴۴) اور وُہی خاتم النبیین ہے (حدید آیت ۲۷) اُس نے مُردوں کو زندہ کیا۔ اُس سے معجزے صادر ہُوئے۔ وُہ گہوارے میں ہی بولا۔ اُس نے آسمان سے خوراک کھلائی۔ اُس کی زندگی سب کے لئے نمونہ ہے (زخرف ۶۰) اور وُہ قیامت کی نشانی ہے۔ وُہ نبیٔ اسلام کے ساتھ مسیح کے خصائل و عادات کا مقابلہ کرتے تھے اور کہتے تھے کہ قرآن کے مُطابق تورات خُدا کی رحمت ہے اور وُہ پیشوا ہے۔ وُہ نعمت، ہدایت اور نُور ہے جس میں ہر شے کی تفصیل ہے (انعام ۱۵۵) ایسا کہ نبیٔ اسلام خُود کُفار کو کہتا ہے کہ اس سے بہتر کتاب لاکر تو دکھادو تاکہ مَیں اس پر چلوں (قصص ۴۹)۔ انجیل کی قرآن تعریف کرکے کہتا ہے کہ وُہ ہدایت اور نُور ہے جو تورات کی مصدّق ہے اور خُود نبیٔ عرب تورات و انجیل پر ایمان لاتا ہے اور سب کا مُصدّق ہے۔ (شوریٰ ۱۴)۔ اس کے مُقابلہ میں وُہ قرآن کے خصُوصی عقائد اور قِصص اور نعمائے بہشت وغیرہ کو پیش کرکے کتابِ مُقدّس کی فضیلت ثابت کرتے تھے۔ جب عُلمائے اسلام کہتے کہ تورات و انجیل محرّف ہو گئی ہیں تو وُہ کہتے کہ ثابت کرو کہ نبیٔ اسلام کی آمد کے بعد انجیل چھ سو سال کے بعد کس طرح اور کب محرّف ہُوئی درآنحالیکہ اُس کے ترجمے دُنیا کے مختلف مُلکوں کی زبانوں میں ہو چُکے تھے جو اَب بھی مل سکتے ہیں اور پھر اسلامی سلطنت

Marfat.com

کے وقت میں کب اور کہاں تحریف واقع ہوئی ؟ وہ علماء کو کہتے کہ ایسی مضحکہ خیز باتیں کر کے تم صرف اپنی بے علمی اور ہٹ دھرمی کو دُنیا اور داناؤں پر ظاہر کرتے ہو۔ وہ قرآنی شریعت اور انجیلی فضل کی تعلیم کا مقابلہ کر کے بتلاتے کہ انسان اپنے اعمال سے نجات حاصل نہیں کر سکتا بلکہ محض خُدا کے فضل سے ہی یہ نعمت ملتی ہے اور انسان گناہوں کی معافی حاصل کر کے از سرِ نو رُوحانی پیدائش حاصل کر سکتا ہے۔

مباحثہ کے وقت مسیحی مبلغین بے باکانہ صاف اور کھلے دُرشت الفاظ استعمال کرتے تھے اور لگی لپٹی نہیں رہنے دیتے تھے۔ اکبر اُن کو بہت سمجھاتا کہ مسلمانوں کے ساتھ بات کرتے وقت سخت کلامی نہ کیا کرو اور ملائمت سے کہتا کہ "وہ تمہارے پاک مسائل کو سمجھنے کی عقل اور صلاحیت نہیں رکھتے"۔

اس دُرشت کلامی کا نتیجہ یہ ہُوا کہ جہاں کہیں مبلغین جاتے اُن پر اینٹ پتھر پھینکے جاتے۔ کیچڑ اور غلاظت سے اُن کی تواضع کی جاتی تھی۔ لیکن وہ عبرانیوں کے خط کے مصنف کی بات کو یاد کرتے کہ "تم بے دِل ہو کر ہمت نہ ہارو۔ تم نے گناہ سے لڑنے میں اب تک ایسا مقابلہ نہیں کیا جس میں خُون بہا ہو" (۱۲: ۴)۔ مُلّاؤں نے اُن کو جان سے مار ڈالنے کی سازش کی جب اکبر کو پتہ چلا تو اُس نے مبلغین کو کہا کہ یہ مُلّا نے دغا باز ہیں۔ ہم تمہارے لئے محافظ مقرر کئے دیتے ہیں جو تمہاری حفاظت کریں گے تاکہ تم کو کوئی گزند نہ پہنچے۔ انہوں نے جواب دیا کہ آپ کو معلوم ہوگا کہ ہمارے آنے سے پہلے پرتگیزی وائسرائے نے یہ تجویز کی تھی کہ ہماری حفاظت کی خاطر چند سربرآوردہ مغل اُس کے پاس بطور یرغمال چھوڑے جائیں، لیکن ہم نے اُس کی تجویز کی مخالفت کی تھی۔ ہم اپنے مذہب کی خاطر جان قربان کر دینا ایک فخر کی بات خیال کرتے ہیں۔ اب اگر آپ نے ہمارے لئے محافظ مقرر کر دیئے تو ہمارا بھروسا خُدا پر نہ ہوگا بلکہ آپ پر اور آپ کے محافظوں پر ہوگا اور ہم اِس کو گناہ تصور کرتے ہیں۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ جو تم کہتے ہو سچ ہے لیکن یہ میرا فرض ہے کہ میں تمہاری حفاظت کروں کیونکہ میں نے تمہاری حفاظت کا ذمہ لے رکھا ہے۔ اُس نے اپنے درباریوں کو کہا تم نے سنا ہے کہ اِن قسیسوں نے کیا کہا ہے؟ کیا مسلمان علماء ایسا کہنے اور کرنے کی توفیق رکھتے ہیں؟ مسلمان اِن مبلغین سے اس قدر برافروختہ تھے کہ اگر اُن کا بادشاہ کا ڈر نہ ہوتا تو وہ اُن کو شہید کر چھوڑتے۔ بادشاہ اُن کو اور بالخصوص پادری رُوڈلف کو نہایت تلطف اور کرم کی نظر سے دیکھتا تھا اور اُس کی پاکیزہ زندگی، زُہد و ریاضت

Marfat.com

عبادت گذاری۔ شب بیداری۔ علم اور منکسر المزاجی کی ہر کہ و مہ کے سامنے تعریف کرتا تھا۔

ایک موقع پر لوگوں نے شیخ قطب الدین جالیسری کو جو ایک خراباتی مجذوب تھا، مبلغین کے مقابلے میں مباحثہ کے لئے پیش کیا۔ بدایونی کہتا ہے کہ شیخ نے کہا کہ آگ کا ایک بڑا ڈھیر دہکایا جائے۔ میں قرآن کو ہاتھ میں لوں اور میرے مقابل کا شخص انجیل کو، اور ہم دونوں آگ میں سے گذریں۔ جو ہم دونوں میں سے صحیح سلامت نکل آئے، اُسی کا مذہب حق سمجھا جائے۔ شیخ نے اپنا ہاتھ اکیواویوا کی کمر میں ڈال کر کہا۔ ہاں بسم اللہ۔ لیکن مبلغ نے کہا کہ یہ طریقہ خدا کو آزمانے کا ہے جو گناہِ کبیرہ ہے کیونکہ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کی آزمائش نہ کر (متی ۴: ۷) اکبر کو بھی یہ حرکت ناگوار گذری اور اُس نے کہا کہ یہ بات خلافِ عقل ہے اور دین کی سچائی کی دلیل نہیں ہو سکتی۔

شیخ ابو الفضل نے بھی یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ انجیل کے مضامین، مسیحی معتقدات اور اخلاقیات سے واقف ہو۔ چنانچہ مبلغین اُس کو اور دیگر اراکینِ دربار کو انجیل کا جانفزا پیغام دیتے رہے۔ بادشاہ نے مبلغین کی آمد کے وقت ہی ابو الفضل کو حکم دیا تھا کہ اُن کے لئے فارسی زبان کی تحصیل کا انتظام کرو، اور مبلغین کو کہا تھا کہ تم کو جس بات کی ضرورت پڑے ابو الفضل سے کہہ دو۔ حکیم ابو الفتح گیلانی بھی مسیحی عقائد کی نسبت استفسار کیا کرتا تھا۔ ابو الفضل پادری رُدولف کے علم و زہد کا بڑا مداح تھا اور خوش تھا کہ مسیحی معلمین ایسے وقت آئے جب اکبر اسلامی علماء سے تنگ آیا ہوا تھا، اور حق کی جستجو میں دیگر مذاہب کے اصول کو اختیار کر نا جا رہا تھا جب تک مبلغین رہے ابو الفضل اُن پر ہمیشہ مہربان رہا۔

ابو الفضل کی زیرِ نگرانی مبلغین نے فارسی میں کافی استعداد حاصل کر لی اور وہ اپنا مافی الضمیر سمجھانے کے قابل ہو گئے۔ اُنہوں نے فارسی میں انجیل کی اخلاقیات اور مسیحی معتقدات پر ایک رسالہ لکھ کر اکبر کے پیش کیا۔ اس رسالہ میں اُنہوں نے اسلام اور مسیحیت کے متنازعہ فیہ امور پر بھی تبصرہ کیا تھا۔

مبلغین اکبر کے دربار میں اس مقصد کے لئے آئے تھے کہ وہ ہندوستان کے غیر مسیحیوں کو انجیل جلیل کا جانفزا پیغام دیں، اور اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے اُنہوں نے اپنی تمام توجہ اکبر پر بدیں خیال منعطف کی کہ اگر وہ مسیحی ہو گیا تو اُس کی رعایا بھی اُس کا نمونہ اختیار کر کے مسیحیت قبول کر لے گی۔ لیکن اب جو اُنہوں نے اکبر کو تذبذب کی حالت میں دیکھا تو اُنہوں نے

Marfat.com

اُس سے درخواست کی کہ وُہ اُن کو خاص و عام میں انجیل کے پرچار کی اجازت دے، اور ہر شخص کو بپتسمہ دینے کی اجازت بھی مرحمت کرے۔ بادشاہ نے دونوں درخواستوں کو بخوشئی خاطر منظور کیا اور ابوالفضل کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ اگر کوئی اُن کے ایسا کرنے میں مزاحمت کرے تو وُہ بادشاہ کو اُس کی فوراً اطلاع دیں تاکہ مجرم کو قرار واقعی سزا دی جائے۔ اکبر نے اُن کو بیماروں کے لئے ایک شفاخانہ کھولنے کی بھی اجازت دے دی تاکہ مریض جسمانی امراض کے ساتھ ساتھ رُوحانی امراض سے شفا پانے کا موقعہ حاصل کرسکیں۔ ہر خاص و عام مُبلغین کے پاس آنے لگے اور انجیل کی تعلیم حاصل کرنے لگے۔ ایسا کہ بسا اوقات اُن کے ہاں بھیڑیں آجاتیں۔ یہ واقعہ بنگال کے صُوبہ کی سرکشی سے پہلے کا ہے۔

بعض مسیحی ایسے بھی تھے جو غلام ہوکر آئے تھے۔ اُنہوں نے آزادی حاصل کرنے کی خاطر مسیحیت کو ترک کرکے اسلام قبول کر لیا تھا۔ جب اُنہوں نے اکبر کی اجازت کی بابت سُنا تو اُن میں سے بعض نے یہ خواہش ظاہر کی کہ وُہ اسلام کو ترک کرکے مسیحیت اختیار کرلیں اور واپس اپنے مُلکوں میں بھیج دیئے جائیں۔ اکبر نے اُن کی درخواست کو منظور کر لیا۔ جب اُن میں سے ایک نے ہندوستان میں ہی رہنے کی اجازت مانگی تو اکبر نے اُس کو اپنی ملازمت میں رکھ لیا۔

انہی ایام میں بعض پرتگیز فوت ہوگئے۔ اکبر نے خُوشی سے اجازت دی کہ اُن کا جنازہ علانیہ مسیحی رسُوم کے مُطابق اُٹھایا جائے۔ جلوس بتیوں اور صلیبوں کے ساتھ شہر کے بازاروں اور کُوچوں میں سے گذرتا ہُوا قبرستان پہنچا۔ اس قسم کی باتیں راسخ الاعتقاد مسلمانوں اور عُلماء کو ناگوار معلوم ہُوئیں۔ اکبر کی ماں "مریم مکانی" نے بھی صدائے احتجاج بلند کی۔ اُس نے اکبر کو کہا کہ جس طرح پرتگیزوں نے قرآن کو کتے کے گلے میں لٹکا کر اُس کو شہر اور مز میں پھرایا تھا اسی طرح عیسائیوں کی بائبل کو گدھے کی گردن میں لٹکا کر اُس کو آگرہ کے شہر میں پھرایا جائے لیکن اکبر نے کہا کہ کسی مذہب کی تحقیر کرنی درحقیقت خُدا کی تحقیر کرنی ہے اور بُرائی کے بدلے بُرائی کرنا بادشاہوں کی شان کے شایاں نہیں ہے۔ بائبل نے کیا گناہ کیا ہے کہ اُس سے اس قسم کا انتقام لیا جائے۔

اکبر کا فلپ کی طرف سفارت بھیجنا

مخدوم الملک اور شیخ عبدالنبی صدر نے محضر امامت پر اپنی مُہریں ثبت کرنے کے بعد شور اور فتنہ اُٹھایا کہ اکبر مذہبِ اسلام سے مُنحرف ہوگیا ہے پس ازرُوئے شریعت

Marfat.com

اُس کی اطاعت مسلمانوں پر واجب نہیں رہی۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ بنگال میں بغاوت شروع ہوگئی اور کابل کا مرزا حکیم جو اکبر کا سوتیلا بھائی تھا پنجاب پر چڑھ آیا۔ اکبر نے فروری ۱۵۸۱ء میں یلغار کرکے اُس کو شکست فاش دی اور اگست میں کابل میں جا داخل ہُوا اور سال کے ختم ہونے سے پہلے پنجم دسمبر کے روز واپس فتحپور سیکری آگیا۔ یہ دور اُس کی حکومت میں نہایت نازک تھا کیونکہ اُس کے متعلق ہر طرف چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں۔ کوئی کہتا تھا کہ اکبر ہندو ہوگیا ہے۔ کوئی کہتا تھا کہ وُہ جینی ہوگیا ہے۔ بعض کہتے تھے کہ اُس نے زرتشت کا مذہب اختیار کر لیا ہے اور بعض کہتے تھے کہ وُہ عیسائی ہوگیا ہے۔ غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔ پس اُس نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ چندے اپنے مذہبی خیالات اور معتقدات کو علانیہ پیش نہ کرے، غیر مسلموں کی طرف زیادہ التفات نہ کرے اور مسلمانوں کو اپنے ہاتھ میں رکھے۔ پس اُس نے مُبلغین سے بھی ملنا چھوڑ دیا۔ جب مبلغین نے اس صورتِ حالات کو دیکھا تو اُنہوں نے اکبر سے گوآ واپس جانے کی اجازت مانگی۔ گوآ سے "پروونشل" نے بھی اُن کو حکم لکھ بھیجا کہ تُم واپس چلے آؤ۔ لیکن اگر تُم دیکھو کہ تمہارے وہاں رہنے کا کچھ فائدہ ہے تو تُم کو رہنے کی اجازت ہے۔ یہ خط لے کر وُہ اکبر کے پاس گئے۔ اکبر رُوڈلف سے بڑے لُطف سے پیش آیا اور کہنے لگا۔ تُم جانتے ہو کہ مَیں تم سے محبت رکھتا ہُوں اور تُم کو اپنے پاس رکھنا چاہتا ہُوں۔ تُم نے مُجھ کو ایسی باتیں بتلائی ہیں جن کا مُجھے پہلے علم نہ تھا۔ مَیں نہیں چاہتا کہ تُم جاؤ اور اگر تُم مجھے اِسی حالت میں چھوڑ کر چلے جاؤ گے تو اس کا گناہ تُمہاری گردن پر ہوگا۔ ابوالفضل نے بھی مُبلغین کو سمجھایا کہ بادشاہ کی ناراضگی سے تمہارا سب کیا کرایا کام بگڑ جائے گا۔ پس رُوڈلف ایکوا ویوا اکبر کے پاس رہا۔ لیکن مانسیرٹ اُس سفارت کے ساتھ گوآ چلا گیا جو اکبر سپین کے بادشاہ فلپ ثانی کے پاس بھیجنا چاہتا تھا تاکہ اُس کو بنگال کے تخت کے حصُول کے لئے مُبارکبادی دے۔ سید مظفر اِس سفارت کا افسرِ اعلیٰ تھا اور عبداللہ خان اس کے ہمراہ روانہ کیا گیا۔ ان کے ہاتھ اکبر نے شاہ فلپ "فرمانروائے فرنگ" کے نام ایک خط بھیجا، جو انشائے ابوالفضل کے دفترِ اوّل میں ہے۔ اس میں لکھا تھا کہ ہم آپ کے مذہب سے واقفیتِ تامہ حاصل کرنا چاہتے ہیں لیکن چونکہ ہماری زبان آپ کی زبان سے مختلف ہے ہمارے پاس ایسے مُبلغین روانہ کریں جو ہم کو ہماری زبان میں آپ کے دین کے حقائق بطرزِ احسن "خاطر نشان" کریں۔ اس خط میں یہ خواہش بھی ظاہر کی گئی کہ ہم کو یہ خبر ملی ہے کہ کُتبِ سماوی مثل توریت و انجیل و زبُور کا عربی اور فارسی میں ترجمہ ہوگیا ہے۔ آپ ان کتابوں کو اور دیگر مفیدِ مطلب کتابوں

Marfat.com

کو ہمارے پاس بھیجدیں۔ یہ خط ۲۰ ربیع الاوّل ۹۹۰ھ (اپریل ۱۵۸۲ء) کو لکھا گیا۔ اس خط سے یہ بھی ظاہر ہے کہ اکبر اور آبوا کو فارسی زبان میں کامل دسترس نہ تھی ورنہ اکبر اس میں زبانوں کے اختلاف (”تباین السنہ و تغائر لغات“) کا ذکر نہ کرتا۔ خط کے آخر میں ایک معنی خیز فقرہ ہے کہ حامل رقعہ ”سخنے چند بالمشافہ خواہد گفت، اعتماد نمایند“ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سفارت کی اصل اغراض پولیٹیکل یعنی سیاسی تھیں۔

اس سلسلہ میں یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ سولھویں صدی کے شروع میں زبور کی کتاب کا ترجمہ مختلف زبانوں میں کیا گیا تھا جن میں سے ایک عربی زبان تھی۔ یہ تمام ترجمے ایک ہی جلد میں ۱۵۱۸ء میں کولون شہر (Cologne) میں شائع کئے گئے تھے۔ سفارت کے روانہ ہونے سے پہلے اکبر نے مانسیرٹ کو کہا کہ جب تم رُوم میں پوپ صاحب سے ملاقات کرو تو اُن کو کہنا کہ اُن کے تقدس اور عالی رُتبہ کا ہم کو بہت احساس ہے اور ہماری طرف سے اُن کے قدم کو بوسہ دینا۔

جب یہ سفارت ۵ اگست کے روز سُورت پہنچی تو سید مظفر نے یہ سُن کر کہ صرف ایک دن پہلے دو عیسائی تہ تیغ کئے گئے ہیں عیسائی مقبوضات میں جانا مناسب نہ سمجھا اور دکن میں ہی وُہ رُو پوش ہوگیا۔ پس صرف عبداللہ خان اور مانسیرٹ گوآ گئے۔ چونکہ اس موسم میں جہاز لزبن نہیں جا سکتے تھے لہٰذا یہ سفر ملتوی کیا گیا۔ عبداللہ خان واپس اکبر کے پاس چلا گیا۔ اور مانسیرٹ گوآ میں ہی رہ گیا۔

اب اکبر کی سلطنت ہر طرف سے مستحکم اور مضبوط ہوگئی۔ عُلمائے اسلام دب گئے تھے ایسا کہ اب وُہ ڈنگ مارنے کے قابل نہ رہے تھے۔ اکبر نے ہر طرف سے مطمئن ہو کر دینِ الٰہی کی ترویج ۱۵۸۲ء میں کر دی۔ خانِ اعظم مرزا عزیز کوکہ نے پہلے داڑھی منڈوانے کی سخت مذمت کی ہے[1] وُہ اکبر کے حکم کی خلاف ورزی کرکے اس کو سخت سُست لکھ کر اور برافروختہ ہو کر دربار میں آنے کی بجائے مکہ کو چلا گیا لیکن مکہ میں بہت سی تکلیفیں اُٹھا کر واپس اکبر کے پاس آگیا۔ اب اس کو بھی نصیحت ہوگئی تھی۔ آتے ہی داڑھی کو خیرباد کہا۔ اکبر کو سجدہ کیا۔ مریدوں کے حلقہ میں شامل ہوگیا اور دینِ الٰہی کو اختیار کر لیا۔

---

[1] بدایونی نے اس واقعہ کی تاریخ میں یہ مصرعہ کہا تھا ”گفتا ریش ہا برباد دادہ مفسدے چند“ (برکت اللہ)

Marfat.com

مبلغین کی گوا کو واپسی

مبلغین دینِ الٰہی کے اصوُل کو کفر سے کم نہیں سمجھتے تھے۔ اُنھوں نے اِس دین کے قیام کے خلاف اکبر کے حضور صدائے احتجاج بلند کی لیکن وُہ صدا بہ صحرا ثابت ہُوئی۔ اکبر نے اُن کی بات کی طرف دھیان نہ دیا۔ اُس سے مایُوس ہو کر پادری اکیوا ویوا نے پروونشل کو صورتِ حال لکھ بھیجی جس نے اس کو واپس گوا آنے کا حکم لکھ بھیجا۔ حکمنامہ لے کر وُہ اکبر کے پاس گیا اور واپس جانے کی اجازت مانگی۔ اکبر ہر قسم کے عُلما و فضلاء کو اپنے دربار کی زینت سمجھتا تھا اور نہیں چاہتا تھا کہ اکیوا ویوا واپس جائے لیکن اُس کے اصرار پر اُس کو اجازت دینی پڑی۔ رُخصت کے وقت اکبر اُس کو بہت زر و مال اور قیمتی اشیاء دینا چاہتا تھا لیکن اُس نے ان چیزوں کو لینے سے انکار کر دیا۔ اُس نے صرف یہ درخواست کی کہ مُجھے ماسکو کے ایک مسیحی خاندان کو جس نے غلامی میں سخت تکالیف اُٹھائی ہیں اپنے ساتھ گوا لے جانے کی اجازت دیں۔ ہر چند کہ اکبر کی ماں مریم مکانی (جس کا یہ خاندان غلام تھا) اُن کو رہا کرنا نہیں چاہتی تھی لیکن بادشاہ نے اُس کی درخواست کو منظُور کر کے اِس خاندان کو اُس کے ہمراہ بھیج دیا۔ اکیوا ویوا اِس خاندان کو پا کر ایسا خُوش ہُوا کہ گویا اُس کو ایک بڑا خزانہ دیا گیا ہے۔

اکبر نے پادری اکیوا ویوا کے ہاتھ پرووِنشل کے نام ایک خط بھیجا جس میں لکھا تھا کہ چونکہ پادری رُوڈلف ایک عالم زاہد اور خُدا رسیدہ شخص ہے مَیں اُس کو اپنے پاس سے جُدا کرنا نہیں چاہتا لیکن آپ کے خط نے مجھے مجبُور کر دیا ہے کہ اُس کو واپس بھیجدُوں۔ مُجھے اُمید ہے کہ آپ اُس کو میرے پاس دیگر مبلغین کے ہمراہ پھر روانہ کریں گے، کیونکہ اُن سے میں بہت خُوش ہُوں۔ مَیں نے پادری رُوڈلف کو زبانی چند باتیں کہی ہیں۔ اُمید ہے کہ آپ ان پر غور کر کے مُجھے جواب باصواب دیں گے۔ یہ خط فروری ۱۵۸۳ء میں لکھا گیا۔

پادری اکیوا ویوا مئی ۱۵۸۳ء میں گوا پہنچا۔ اس کے چند ہفتے بعد ۲۷ جولائی ۱۵۸۳ء میں وہ کنکولم واقع سالسٹ میں شہید کیا گیا۔

اس کی شہادت کی وجہ یہ تھی کہ جیسا ہم بابِ اوّل کی فصل سوم میں ذکر کر آئے ہیں پرتگیزی وائسرائے نے انجمن عیسوی کے مبلغین کے کہنے سُننے سے یہ حکم صادر کیا تھا کہ مندروں اور مسجدوں کو مسمار کر دیا جائے اور مبلغین نے فوج اور دیگر افسران کی مدد سے عبادت کی ان جگہوں کو منہدم کر دیا تھا۔ پس غم و غصّہ کی آگ ہر طرف بھڑک اُٹھی اور ۱۵۸۳ء میں ہجوم نے بلوہ کر کے انجمن عیسوی کے مبلغوں کو مار ڈالا۔ پادری اکیوا ویوا بھی اِسی انتقامی تحریک میں شہید کیا گیا۔ پرتگیزوں

Marfat.com

نے اس کے بدلہ میں گاؤں کے گاؤں برباد کر دیئے اور اموال اور جائدادوں کو ضبط کر لیا۔ ۱۸۹۳ء میں رُومی کلیسیا نے اکوآویوا کا شمار مُقدسوں میں کر دیا۔

جب اکبر نے اُس کی شہادت کی خبر سُنی تو وُہ تڑپ اُٹھا اور بے اختیار ہو کر بولا "ہائے پادری ہم نے تُم کو کہا تھا کہ یہاں سے مت جاؤ، لیکن تُم نے ہماری ایک نہ سُنی"۔ مانسیرت کہتا ہے کہ اکبر اُس کی بڑی قدر کرتا تھا اور خلوصِ دل سے اُس سے محبت رکھتا تھا۔

فصل سوم

مسیحی مبلغین کو دُوسری دعوت

پہلی تبلیغی جماعت کی ۱۵۸۳ء میں واپسی کے بعد سات سال تک اکبر سندھ وغیرہ کی فتوحات میں اور اپنے دینِ الٰہی کی ترویج و تبلیغ میں ایسا مشغول رہا کہ اس کو انجمنِ عیسوی کے مبلغین کا خیال تک نہ آیا۔ لیکن اپریل ۱۵۹۰ء میں ایک یُونانی "سب ڈیکن" پادری لیون غرمون (Leon Grimon) لاہور میں دربارِ اکبری میں آیا، جس نے براہ گوآ اپنے وطن کو واپس لَوٹنا تھا۔ چنانچہ ابُو الفضل اکبرنامہ میں لکھتا ہے کہ پادری فرمیون[1] آیا، جس کی ملاقات سے اکبر بہت خُوش ہُوا۔ وُہ ایک ذی علم شخص تھا۔ بادشاہ نے چند فہیم اور عقیل زبان دانوں کو اس کے سپرد کر دیا تاکہ وُہ اُن کو یُونانی زبان سکھلائے اور وُہ یُونانی زبان کی کتابوں کا ترجمہ کر سکیں۔ اِسی سال بہت سے فرنگی اور آرمینی بھی آئے جو چین سے کپڑے اور دیگر مال لائے۔ اکبر نے پادری گرمون سے اور دیگر فرنگی اور آرمینی تاجروں سے ممالکِ غیر کی نسبت سے سوال کئے۔ پادری گرمون کو دیکھ کر انجمنِ عیسوی کے مُبلغین کی یاد اُسکے دِل میں تازہ ہو گئی اور اُس نے دعوت دے کر ان

---

[1] میکلیگن کہتا ہے کہ ابوالفضل کا مطلب "غرملیون" ہوگا جو (Leon Grimon) یا (Grimaleon) کا معرب ہے جس کو کاتبوں نے "فرمیون" لکھ دیا (ص۲۳)۔ نیز دیکھو پین کی کتاب ص ۲۲۹ Payne, Akbar and the Jesuits p. 229.

Marfat.com

مبلّغین کی جماعت کو دوسری بار بلانے کا تہیّہ کر لیا۔ پس اُس نے گرمون کے ذریعہ گوآ کے وائسرائے کو اور انجمن کے پروونشل کو پھر خط لکھے اور گراں بہا تحائف اور جواہرات کے ساتھ اس کو روانہ کیا۔ اس نے پروانۂ راہداری میں اپنے افسران کو لکھا کہ ہم پادری گرمون کو گوآ بھیج رہے ہیں تاکہ انجمنِ عیسوی کے فاضل علما ہمارے پاس آکر ہم پر مسیحی طریق کو واضح کریں۔ پس ہر ایک کو تاکید ہے کہ ان کی حفاظت، سفر اور آرام کا انتظام کرے۔ مرزا عبدالرحیم خانخاناں کا فرض ہے کہ وہ ان کو ہمارے پاس سلامت پہنچا دے۔

گرمون نے گوآ پہنچکر اکبر کے خط وہاں کے وائسرائے اور پروونشل کو دیئے۔ اس نے پروونشل کو لکھا تھا کہ میں دُنیا کے مذاہب کے اصُول سے واقف ہوں اور مسیحیت کے اصول کی وضاحت چاہتا ہوں۔ پادری گرمون سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کے پاس بڑے فاضل ہیں جو میری مدد کر سکتے ہیں۔ آپ ان کو میرے دربار میں بھیجدیں تاکہ وہ میرے علما سے مناظرے کر کے مجھ پر اور سب پر مسیحیت کی فضیلت ثابت کر سکیں۔ پس آپ میری درخواست پر غور کر کے میری خواہش پوری کریں۔ پادری گرمون نے حاشیئے چڑھا کر کہا کہ اکبر عیسائی ہونا چاہتا ہے۔ اُس نے اسلام کو ترک کر دیا ہے۔ مسجدیں ویران ہو رہی ہیں۔

پروونشل نے گرمون کی باتوں کو سن کر دوسری بار تبلیغی جماعت روانہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اور پادری دوآرتے لئی تاؤ (Duarte Leitao) کی زیرِ سرکردگی پادری کرسٹوفل دے ویگا Christofle de Vega کو اور ایستوا ؤ ربیرو Estevao Ribeiro کو جو پریسٹ نہیں تھا اکبر کے دربار میں لاہور کو روانہ کیا جو اُن دنوں اس کا دارالسلطنت تھا۔

یہ تینوں مبلّغین ۱۵۹۱ء میں لاہور پہنچے۔ اکبر نے اُن کا خیر مقدم کیا اور بڑے احترام سے اُن کی تواضع کی۔ اُن کو محل میں ایک مکان رہائش کے لئے دیا گیا۔ اُن کی آمد کے بعد اکبر نے اُن کو ایک مدرسہ کھولنے کو کہا جہاں شاہزادے اور اُمرا کے بیٹے پرتگیزی زبان کی تعلیم حاصل کر سکیں۔ شاہزادہ مُراد ان میں سے ایک تھا۔

اس مدرسہ کے کھولنے سے اکبر کا اصلی مقصد نظر آ جاتا ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ ذوقِ تحقیق کے ساتھ سیاسی مصلحت بھی شامل تھی۔ اُس کو گوآ اور پرتگیزی مقبوضات حاصل کرنے اور بحری طاقت کو حاصل کر کے سمندروں پر اپنے مغلیہ جہاز چلانے کی خواہش دامنگیر تھی۔ اب اُس کو نہ ایران سے خطرہ تھا نہ توران وغیرہ کا خوف تھا۔ اُس نے برہان نظام الملک مسند نشین احمد نگر

Marfat.com

کو صاف الفاظ میں لکھا کہ اس سے بہتر کیا ہوگا کہ ہم اور تم باہم اتفاق کر کے فرنگستان کی فتح کا باعث ہو جائیں؟ لیکن اکبر کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوا کیونکہ اُس کے پاس ایسی بحری طاقت نہ تھی جو پرتگیزوں کا کماحقہٗ مقابلہ کرسکتی۔ خشکی کے راستہ سے بھی وہ پرتگیزی سلطنت کو شکست نہیں دے سکتا تھا۔ اِسی وجہ سے جب قطب الدین نے خشکی کے رستے دمن پر حملہ کیا تو خود اکبر نے اُس کو واپس آنے کا حکم دے دیا۔

انجمنِ عیسوی کے مبلغین اکبر کو مسیحیت کی تعلیم دینے کی غرض سے آئے تھے تاکہ اکبر مسیحی ہو جائے لیکن اُن کے آنے کے بعد اکبر اُس طرف رُخ ہی نہیں کرتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اُن کے ذریعہ بعض اشخاص پرتگیزی زبان سیکھ جائیں جو اُس کے کام آئے لیکن مبلغین پرتگیزی زبان سکھلانے نہیں آئے تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اکبر نے اُن میں سے کسی کو علم کے لحاظ سے مرحوم اکوا دیوا کے پایہ کا نہ پایا ہو۔ یہ مبلغ فارسی سے بھی نابلد تھے پس وہ اُس کے مصرف کے نہ تھے۔ اکبر کی بے رُخی دیکھ کر اُس کے اُمرا بھی اُن کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ اسلامی طبقۂ علما اُن سے دشمنی رکھتا تھا اور عامۃ المسلمین اُن کو حقارت اور مخاصمت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ پس وہ لاہور میں قیام رکھنا تضیعِ اوقات تصور کرتے تھے۔ اُنہوں نے پروونشل کو ان اُمور کی اطلاع دی پس اُس نے اُن کو واپس گوآ بُلا لیا، اور مبلغین ایک سال کے اندر یعنی ۱۵۹۲ء میں واپس گوآ چلے گئے۔

فصل چہارم

مسیحی مبلغین کو تیسری دعوت

دوسری تبلیغی جماعت کی ناکامی گوآ کے پروونشل اور وائسرائے کے لئے کوئی نئی بات نہ تھی۔ اِدھر اکبر کو گوآ اور دیگر پرتگیزی مقبوضات کو فتح کرنے کا خیال دامنگیر رہتا تھا اور وہ بعض مواقع پر اپنے درباریوں کے ساتھ اس موضوع پر بات چیت بھی کیا کرتا تھا۔ اُس کے سفیر بظاہر عجائباتِ یورپ خریدنے کے لئے لیکن دراصل جاسوسی کرنے کے لئے گوآ بھیجے جاتے تھے۔ چنانچہ اُس نے ۱۵۹۴ء میں ایک آرمینی مسیحی تاجر کے ہاتھ گوآ کے وائسرائے کو ایک خط لکھا کہ

وُہ مسیحی مُبلّغین کو اُس کے دربار میں بھیجے۔

وائسرائے نے پروونشل کو صلاح دی کہ مُبلّغین بھیجے جائیں۔ لیکن پروونشل کو اب اکبر کی دو دعوتوں کا تجربہ ہو چکا تھا اور وُہ تیسری دعوت قبُول کرنے میں تامّل کرتا تھا۔ وائسرائے سیاسی اغراض کو مدِنظر رکھ کر چاہتا تھا کہ مُبلّغین دربارِ اکبری میں بھیجے جائیں۔ پروونشل نے اپنے کلیسیائی عہدیداروں کو بُلا کر اُن سے مشورہ کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ اکبر کی دعوت کو پھر قبُول کر لیا جائے۔ تمام معاملات کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد انجمنِ عیسوی کے پروونشل کی بھی یہی خواہش ہو گئی تھی کہ "مغلِ اعظم" کے دربار میں پھر مسیحی مُبلّغین بھیجے جائیں تاکہ وُہ نہ صرف انجیل کا پیغام، ہندوستانیوں کو دے سکیں اور وہاں کے مسیحیوں کے ایمان کو بھی مستحکم کر سکیں بلکہ وُہ ساتھ ہی دربار کے اندرونی پولیٹکل امُور کی بھی اطلاع دیتے رہیں۔ ہسپانیہ کے بادشاہ نے بھی پروونشل کو اکبر کی دعوت قبُول کرنے اور مُبلّغین کی جماعت کو بھیجنے کے فیصلے پر مُبارکبادی دی اور کہا کہ آپ کے فیصلہ نے ہم کو اور تمام سلطنت کو زیربارِ احسان کر دیا ہے۔

اِس تبلیغی جماعت کے شُرکا حسبِ ذیل تھے:۔

(۱) پادری جیروم زیویئر۔ اُس کا باپ مُقدّس فرانسس زیویئر کا بھتیجا اور نوار کا امیرِ کبیر تھا۔ وُہ ۱۵۴۹ء میں پیدا ہُوا اور فلسفہ کی ڈگری حاصل کر کے اُنیس برس کی عُمر میں انجمنِ عیسوی میں شامل ہو گیا۔ وُہ ۱۵۸۱ء میں گوآ آیا۔ کوچین میں چند سال خدمت کرنے کے بعد وُہ گوآ کی انجمن کی شاخ کا افسرِ اعلیٰ اور نائب پروونشل مقرر کر دیا گیا۔ جب اکبر کی دعوت ملی تو پروونشل نے اِس تبلیغی جماعت کی سرکردگی اُس کے سُپرد کر دی۔ وُہ قریباً بیس برس تک مغلیہ سلاطین کے دربار میں رہا۔ اُس کے علم و فضل اور رُتبہ کی وجہ سے سب اُس کا احترام کرتے تھے۔ بیس سال کے بعد جب وُہ گوآ واپس گیا تو اُس کو کرنگانور کا معاون آرچ بشپ نامزد کیا گیا۔ لیکن وُہ جون ۱۶۱۷ء میں فوت ہو گیا۔

(۲) پادری عمانوئیل پن ہیرو Emmanuel Pinheiro ۱۵۵۶ء میں پیدا ہُوا اور ۱۵۹۲ء میں گوآ آیا۔ اگرچہ وُہ اکبر کے دربار کو بھیجا گیا تھا لیکن جیسا ہم آگے چل کر دیکھیں گے اُس نے اپنی توجہ زیادہ تر لاہور کے عوام میں انجیل کی اشاعت کرنے کی طرف مبذول کی۔ وُہ نہ صرف تبلیغی کام میں مصروف تھا بلکہ اکبر کی وفات سے پہلے اور بعد بھی گوآ کے حقوقِ تجارت کے لئے انگریزی سفیروں کے ساتھ برسرِپیکار رہتا تھا۔ وُہ ۱۶۱۵ء میں واپس گوآ چلا گیا۔ وُہ

Marfat.com

ہندوستانی طرزِ رہائش سے اس قدر مانوس ہوگیا کہ اُس کے احباب نے اُس کو "مغل" کا نام دے رکھا تھا۔

(۳) بینی ڈکٹ ڈے گوئیس Benedict de Goes ایک متموّل خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ وہ ۱۵۶۲ء میں پیدا ہوا اور ایک قسمت آزما جانبازانہ منچلے سپاہی کی حیثیت میں ہندوستان آیا۔ لیکن ۲۶ سال کی عمر میں اُس کا دل تبدیل ہو گیا اور وہ انجمنِ عیسوی میں شامل ہوکر آٹھ سال تک اِس تبلیغی جماعت کا فرد رہا۔ اِس کے بعد ۱۶۰۳ء میں پرِوونشل نے اُس کو چین کی سرحد کی جانب بھیجدیا جہاں وہ قید کر لیا گیا۔ ۱۶۰۷ء میں وہ قیدخانہ میں ہی فوت ہوگیا۔

اِس جماعت کے ساتھ آرمینی مسیحی مترجم ڈومنگو پیریس (Domingo Pires) تھا جو پادری رُوڈلف ایکوا ویوا کا بھی مترجم رہ چکا تھا۔ اس کے علاوہ مبلّغین ایک پرتگیزی نقاش کو بھی اپنے ہمراہ لے گئے۔

یُوں تو انجمنِ عیسوی کے تمام شرکا علم و فضل کے لئے تمام مغربی دُنیا میں گوئے سبقت لے گئے ہوئے تھے اور اُن کو فلسفہ اور علم الٰہیات میں ایسی تعلیم و تربیت دی جاتی تھی کہ وہ فنِ مناظرہ میں یکتائے روزگار شمار کئے جاتے تھے لیکن اِس تبلیغی جماعت کے افراد انجمن کے برگزیدہ فاضل تھے۔ اُن کی تصنیفات کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے۔

۳۔ دسمبر ۱۵۹۴ء کے روز یہ تبلیغی جماعت گوآ سے روانہ ہوئی۔ اور دمن کی راہ سے کیمبے یعنی کھمبایت (کھمبوں کا شہر) یا گجرات کے صُوبہ میں آئی۔ اُن دنوں خانِ اعظم مرزا عزیز کوکہ وہاں کا گورنر تھا، جس کی بیٹی کا نکاح ۱۵۸۷ء میں شاہزادہ مُراد سے چند سال بعد ایک اور بیٹی کا نکاح شاہزادہ خسرو سے ہوا تھا۔ شاہزادہ مُراد بھی اِن ایّام میں ایک جنگ کے سلسلہ میں وہاں آیا ہوا تھا۔ جونہی اُس نے سُنا کہ مبلّغین آئے ہیں تو اُس نے اُن کو بُلوا بھیجا۔ ناظرین کو یاد ہوگا کہ شاہزادہ مُراد کو پہلے مبلّغین نے اکبر کے حکم کے مطابق مسیحیّت کی تعلیم دی تھی۔ وہ اُن سے دیر تک باتیں کرتا رہا۔ جاتے وقت اُس نے کہا کہ میں جانتا ہُوں کہ آپ لوگ کسی سے تحفہ یا زر نہیں لیتے، لیکن ڈیڑھ ہزار محمودی سکّے سفر کے اخراجات کے لئے قبول کریں۔ اُس نے حکم دیا کہ مبلغات آرمینی مسیحی کو دیئے جائیں اور مبادا مبلّغین زر لینے سے انکار کردیں وہ کُود کر ہاتھی پر سوار ہوکر چلا گیا، اور مبلّغین اس کا مُنہ دیکھتے ہی رہ گئے۔

اُن ایّام میں کھمبایت کا شہر تمام گجرات کی منڈی تھا اور پرتگیزوں کے کئی سَو چھوٹے

Marfat.com

جنگی جہاز بیک وقت وہاں تجارت کے لئے آیا کرتے تھے۔ پس وہاں پرتگیزوں کی اچھی خاصی تعداد تھی۔ جب مبلغین کی جماعت وہاں آئی تو عیدِ ولادتِ مسیح قریب تھی۔ پس اُنہوں نے وہیں عید منانے کا فیصلہ کر لیا اور اپنی رہائش گاہ کا سب سے بڑا کمرہ عبادت کے لئے مخصوص کر دیا۔ پرتگیزوں کے گروہوں کے گروہ وہاں آ کر اعترافِ گناہ کرتے۔ اعلانِ مغفرت سنتے اور عشائے ربانی کی رسم کو پورا کرتے رہے۔ ایک پرتگیزی مسیحی ہندو ہو کر فقیر ہو گیا تھا۔ اُس نے روبرو کر ارتداد کے گناہ کا اقرار کیا اور واپس کلیسیا میں شامل کر لیا گیا اور حسبِ سابق اپنی منکوحہ بیوی کے ساتھ رہنے لگ گیا۔ عیدِ ولادت کے موقعہ پر تمام پرتگیزی مسیحی عبادت میں شامل ہوئے، اور ہندوؤں کے ہجوم بھی مسیحی رسوم دیکھنے کے لئے آئے۔

جب مبلغین پٹنہ آئے تو عیدِ فسح کا وقت آ پہنچا تھا۔ پس وہاں اُنہوں نے تین روز قیام کیا اور عیدِ قیامت بھی منائی۔ اُن کے ساتھ قافلہ میں بہت سے مسیحی تھے جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا اور ان عیدوں کی رسوم میں شامل ہوئے۔ لیکن اُن میں سے بعض ارمینی مسیحی تھے جو گریگوری کی تقویم[1] کے مطابق اِن عیدوں کی تاریخوں کو نہیں مانتے تھے بلکہ اپنی کلیسیا کی تقویم کے مطابق اُن کو مانتے تھے چونکہ دونوں کی تاریخوں میں فرق تھا اُنہوں نے اُن دنوں یہ عیدیں نہ منائیں۔

بالآخر گوا سے لاہور تک کا سفر جو بالعموم دو ماہ میں طے ہوتا تھا مبلغین نے پانچ ماہ میں طے کیا اور وہ ۵ مئی ۱۵۹۵ء کے روز لاہور میں داخل ہوئے۔

اکبر اور مبلغین

جب مبلغین لاہور پہنچے تو اکبر اُن کو بڑے تپاک سے ملا۔ وہ اور شاہزادہ سلیم ان سے بغل گیر ہوئے۔ اُس نے اُن کی رہائش کے لئے ایک مکان دیا جس میں وہ خود کسی زمانہ میں رہ چکا تھا اور بر لبِ دریائے راوی واقع تھا۔

۶ مئی کے روز بادشاہ نے اُن کو بلوا بھیجا۔ اکبر نے اُن کو وہ تصاویر دکھلائیں جو پادری اکبوا دیوا نے دی تھیں۔ اُن کو دیکھتے ہی مبلغین دو زانو ہو کر سجدہ میں گر پڑے۔ اکبر کا

---

[1] تاریخوں کے تعین کے وقت اس امر کا لحاظ رکھنا چاہیئے کہ گریگوری کی تقویم جو از سرِ نو تشکیل کی گئی تھی پرتگیزی مقبوضات میں اکتوبر ۱۵۸۲ء میں رائج ہوئی جس کی رو سے ۴۔ اکتوبر کے عین بعد ۱۵۔ اکتوبر کی تاریخ آ گئی لیکن یورپ کے اصلاح یافتہ ممالک میں یہ تقویم ۱۷۵۲ء میں جا کر رائج ہوئی تھی۔ (برکت اللہ)

Marfat.com

آٹھ سالہ پوتا خسرو پاس کھڑا تھا وُہ بھی دو زانو ہوگیا جس کو دیکھ کر بادشاہ اور شاہزادہ سلیم خوش ہُوئے۔ پھر بادشاہ نے اُن کو "رائل بائبل" اور دُوسری کتابیں دکھائیں اور کہا کہ اگر تم کو اُن میں سے کسی کی ضرورت ہو تو ہم خوشی سے عاریتاً دیدیں گے۔ بادشاہ اور شاہزادہ سلیم مُبلّغین سے الطافِ خسروانہ سے پیش آتے رہے اور بعض اوقات اُن کو اپنے پہلو میں بیٹھنے کو کہتے تھے۔

اکبر اور سلیم دونوں نقاشی کے ماہر تھے اور خوبصورت تصاویر کے عاشق اور مصوّروں کے مُربّی تھے۔ مُبلّغین اپنے ہمراہ بہت سے تحائف اور نادر تصویریں لائے تھے جو اُنہوں نے بادشاہ کو دیں۔ اکبر اُن خوبصورت تصاویر کو دیکھکر حیران اور ششدر رہ گیا۔ اُس نے ان تصاویر کی بڑی توقیر کی۔ ایک تہوار کے روز بادشاہ اُن کے گرجا میں آیا جب وُہ لطانیہ (مناجات) پڑھ رہے تھے۔ وُہ بھی دو زانو ہوگیا اور عبادت کے آخر تک گھٹنوں پر رہا۔ اُس نے گرجا کے لئے مُبلّغین کو ریشمی اور زری کپڑا دیا جس کی آرائش سے گرجا کی زینت دو بالا ہوگئی۔ اکبر کی نظر مُقدّسہ مریم کی ایک تصویر پر پڑی جس نے اُس کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا۔ اور وُہ مُدّت تک اُس کو دیکھتا رہا۔ شاہزادہ سلیم بھی اس تصویر کو بڑے غور سے دیکھتا رہا۔ بعد میں اُن لوگوں سے جو مُبلّغین کی جماعت کو گوآ سے لائے تھے، شہزادہ نے برہم ہوکر پُوچھا تم میرے لئے ایسی تصویر کیوں نہ لائے؟ اُس نے گوآ جانے والے تاجروں کو حکم دیا کہ مُقدّسہ کی خوبصورت ترین تصویر اُس کے لئے لائیں۔ مُبلّغین اپنے ہمراہ ایک پرتگیزی نقاش لائے تھے۔ شاہزادہ نے اُس کو حکم دیا اِس تصویر کی ایک نقل کریں اور اپنے مُنبت کاروں کو حکم دیا کہ مسیح کے لڑکپن کے بُت کو اور مسیح مصلوب کے بُت کو جن کے نقش اُبھرے ہُوئے تھے، ہاتھی دانت سے اُسی طرح بنائیں جیسے گرجا میں تھے۔ شاہزادہ مُبلّغین سے لُطف وکرم سے پیش آتا تھا اور بادشاہ سے سفارش کرکے مُبلّغین کی ضروریات اور خواہشات کو پُورا کر دیتا تھا۔ ایک روز اُس نے وعدہ کیا کہ وُہ گرجا بنانے کے لئے بادشاہ سے اجازت اور زمین لے دے گا اور خود عمارت کے لئے روپیہ بھی دے گا۔

یہ وُہ زمانہ تھا جب اکبر اسلام کو عملی طور پر ترک کر چکا تھا اور دینِ الٰہی کو رواج دے کر تمام مذاہب کے مختلف النوع اصُولوں کو اور اُن کی رسموں کو قبُول کر چُکا تھا۔ اُس کے درباری بھی اُس کے مرید ہو چکے تھے جن میں سے بعض صدقِ دل سے دینِ الٰہی کے اصُولوں کے قائل تھے اکثر لوگ دکھاوے کے طور پر اکبر کی ہر بات پر آمنا وصدقنا کہتے تھے لیکن اُس کی پیٹھ پیچھے اُس کا مضحکہ اُڑاتے تھے کہ ہم اسلامی شرع پر قائم ہیں۔ شاہزادہ سلیم بھی اپنے باپ کی طرح

Marfat.com

وسیع المشرب جوان تھا اور کٹر مسلمان نہ تھا۔ اکبر مسیحی تصاویر کا احترام کرتا اور مسیحی عبادتوں میں شریک ہوتا اور ایسے تعویذ پہنتا تھا جس کے ایک طرف مقدسہ مریم کی تصویر تھی اور دوسری طرف بھیڑ کے بچے کی تھی جو صلیب کا جھنڈا اٹھائے ہوئے تھا۔ بادشاہ اُن سے اکثر دفعہ کہتا تھا کہ تم فارسی زبان کی تحصیل کرو تاکہ ہم تم سے بلا واسطہ اور بغیر کسی تکلیف کے اور بغیر مترجم کے گفتگو کرسکیں اور بغیر تضیعِ اوقات کئے تمہارے اصول کے عقلی دلائل کو جانچ سکیں۔ پس مبلّغین اپنا وقت فارسی زبان کو حاصل کرنے میں صرف کرتے تھے۔ انہوں نے ایک مکتب بھی کھول دیا تاکہ خاص و عام پرتگیزی زبان سے واقف ہوکر مسیحی مسائل کو بہتر طور پر سمجھ سکیں۔ اس مکتب میں والیٔ بدخشاں مرزا شاہرخ کے تین بیٹے بھی درس لیتے تھے۔ اُن کے ساتھ جاگیرداروں کے بچے بھی تعلیم حاصل کرلیتے تھے۔ ان طلبا میں سے بعض بپتسمہ حاصل کرنے کے خواہاں ہوگئے، بلکہ ایک تو تارک الدنیا ہوکر مسیحی راہب ہونا چاہتا تھا اُس نے ایک روز گرجا میں جاکر اور قربان گاہ کے سامنے دوزانو ہوکر بلند آواز سے کہا "اے خداوند یسوع تو ہی میرا نجات دہندہ ہے۔ مجھے بچالے"۔ ایک اور طالب علم تھا جس نے رمضان کے مہینے میں روزہ نہ رکھا جب مسلمانوں نے اُس کو سخت سست کہا تو اُس نے صاف کہا کہ وہ رسول عرب پر ایمان نہیں رکھتا۔

مبلّغین کو اس بات کا احساس ہوگیا کہ جب تک وہ فارسی زبان کی تحصیل کامل طور پر نہ کرلیں گے اُن کی تمام کوششیں بے سود ہوں گی۔ لاہور پہنچنے کے تین مہینے بعد زیویئر نے لکھا "ہم اپنا سارا وقت فارسی سیکھنے میں خرچ کرتے ہیں، اور موجودہ رفتار سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم انشاء اللہ ایک سال میں اُس کو ایسا حاصل کرلیں گے کہ ہم کہہ سکیں گے کہ ہم لاہور میں رہتے ہیں کیونکہ اب تک تو ہم بتوں کی طرح گونگے ہی رہے ہیں"۔ لیکن تین سال کے بعد بھی اقرار کرتا ہے کہ ہم کو فارسی میں صرف معمولی لیاقت ہی حاصل ہے۔ ۵ سال کے بعد ۱۶۰۰ء تک زیویئر نے اچھی خاصی مہارت حاصل کرلی اور جیسا ہم آگے چل کر دیکھیں گے اُس نے قابل مترجموں کی مدد سے مسیحی کتب کا فارسی میں ترجمہ کیا اور دیگر کتابیں فارسی زبان میں تصنیف کیں۔ پادری پن ہیرو نے اِس قدر استعداد حاصل کرلی کہ لوگ حیران رہ گئے۔

مناظروں کی ابتدا

جب مبلّغین نے اکبر کا مذہبی رویہ دیکھا تو وہ بے دھڑک قرآن و اسلام پر اعتراض کرنے لگے۔ مُلّا بھی کوئی کسر اُٹھا نہ رکھتے تھے اور اُن کو شیطان و ملعون وغیرہ کہہ کر بے تک گالیاں دیا کرتے تھے۔ ایک روز زیویئر نے اُن کو

Marfat.com

کہا کہ یورپ کے قسیس شیاطین کو انسانوں میں سے نکال دینے پر قادر ہیں۔ ایک نے پُوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ مسیحی ممالک میں شیطان اور اُس کی ذُرّیات لوگوں کو اپنے قابُو میں لانے کے پیچھے لگی رہتی ہے لیکن مسلمانوں کو قابُو نہیں کرتی ؟ زیویئر نے ترکی بہ ترکی جواب دیا اس واسطے کہ مُسلمان پہلے ہی شیطان کے قبضہ میں ہیں۔ پس وُہ اُن کی طرف لاپرواہ ہے۔ اس بات پر سب سامعین ہنس پڑے۔

مُبلّغین کی آمد کے ایک سال بعد زیویئر ٹُوٹی پھُوٹی فارسی زبان میں مسلمان سامعین کو بتلا رہا تھا کہ قرآن کو خُدا نے آسمان سے بذریعہ وحی نہیں اُتارا بلکہ لوگ رسُولِ عربی کی امداد کیا کرتے تھے اور کہا کہ ان میں ایک مسیحی راہب بھی تھا جس کی مدد سے رسُولِ عربی نے قرآن کے متعدد مقامات کو لکھا ہے۔ اکبر نے پُوچھا کہ اس مسیحی راہب کا کیا نام تھا؟ زیویئر نے کہا کہ اُس کا نام بحیرہ تھا۔ اکبر نے اُس سے کثرتِ ازدواجی۔ طلاق اور لونڈیوں کو حرم میں داخل کرنے کے متعلق سوال کئے اور پُوچھا کہ انجیل میں ان امُور کی بابت کیا حکم ہے۔ اس قسم کے سوالات کے علاوہ معجزاتِ مسیح۔ عصمتِ مسیح۔ عصمتِ مُقدسہ مریم۔ تحریفِ کُتبِ مقدسہ۔ حالاتِ دوازدہ حواریانِ مسیح وغیرہ مسائل پر عموماً بحث ہوتی رہتی تھی۔ ایک روز شاہزادہ سلیم کے سامنے لگاتار تین شبانہ روز بحث ہوتی رہی حتیٰ کہ سامعین اُکتا گئے۔ ۱۵۹۸ء میں زیویئر نے خُداوند مسیح کے مصلُوب ہونے اور کفارہ۔ تثلیث اور تجسّم کے عقائد پر مسلمان عُلماء سے بحث کی۔ ان مناظروں میں بعض اوقات تلخی کی نوبت آجاتی تھی بالخصُوص جب زیویئر رسُولِ عربی اور خُداوند مسیح کے خصائل و عادات کا مقابلہ اور موازنہ کرتا تھا۔ ایسے اوقات میں وُہ صاف گوئی بلکہ دریدہ ذہنی سے کام لیتا۔ اِس کے ایک خیرخواہ نے مباحثہ کے بعد اُس کو سمجھایا کہ الفاظ کو تول کر مُنہ سے نکالا کرو۔ جب میں تمہاری باتوں کو سُن رہا تھا تو میرا جی کرتا تھا کہ تُم کو چھری سے ہلاک کر دُوں حالانکہ میں تمہارا دوست اور مداح ہُوں۔

اکبر اور شاہزادہ سلیم کے درباروں کے علاوہ زیویئر اُمرا اور ارکین سلطنت کے گھروں میں جاکر مسلمان فضلاء سے بحث کیا کرتا تھا۔ اِن مناظروں کا خلاصہ اور اُس کی دلائل کا مفصل ذکر اُس کی کتابوں میں پایا جاتا ہے جن کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے۔

مبلّغین دربار کی مذہبی حالت کا جائزہ لے کر اس نتیجہ پر پہنچے کہ اکبر کبھی مسیحیت کو قبُول نہیں کرے گا۔ لیکن اُن کا یہ خیال تھا کہ شاہزادہ سلیم غالباً مسیحی مذہب اختیار کر لے گا۔ یہ اُمید اُن کے پژمُردہ دِلوں کو ڈھارس دیتی رہتی تھی کیونکہ سلیم بھی اپنے باپ کی طرح

Marfat.com

اسلام کی طرف سے لاپرواہ تھا۔ اکبر مسیحیت کو اختیار کرنے کے سوال کی جانب رُخ ہی نہیں کرتا تھا اور ہمیشہ ٹال دیتا تھا۔ لیکن بایں ہمہ زیویئر ہمت نہیں ہارتا تھا۔ اُس نے (جیسا ہم آگے چل کر دیکھیں گے) اکبر کے لئے کتابیں لکھیں اور اُس کے حضور پیش کیں۔ وُہ مسیحی تصاویر تحفہ کے طور پر پیش کرتا تھا اور موقعہ پاکر اکبر کو مسیحی اخلاقیات اور رُوحانیات کی تعلیم دیتا تھا۔ زیویئر فلکیات کا بھی ماہر تھا اور اکبر اُس کے دینی علم وفضل کے سبب اور ستاروں کے علم کی وجہ سے بھی اُس کی قدر کرتا تھا۔ اُس کی لگاتار محنتوں کا پھل اُس کو یہ ملا کہ اکبر نے ۱۵۹۵ء میں اُس کو زبانی اجازت دی کہ وُہ لاہور میں ہر جگہ عوام میں انجیل کی تبلیغ واشاعت کر سکتا ہے اور اگر کوئی مسیحیت کو قبول کرنا چاہئے تو اُس کو اپنا مذہب بدلنے کی کھُلی اجازت ہے۔ ۱۶۰۲ء میں بالآخر اُس نے اُن کو تحریری فرمان عطا کیا کہ اُس کی رعایا میں سے جو شخص اپنا مذہب بدل کر مسیحی ہونا چاہتا ہے وُہ بے خوف وخطر آزادانہ مسیحیت قبول کر سکتا ہے۔ اس سے چار سال پہلے ۱۵۹۸ء میں اُس نے ایک فرمان کے ذریعہ مُبلغین کو اجازت دے دی تھی کہ وُہ کھمبایت (واقع گجرات) میں ایک گرجا بنالیں اور حکام کو متنبہ کیا گیا تھا کہ اِس کام میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالے۔

فرمان کی نقل یہ فرمان اکبر نے اپنی حکومت کے بیالیسویں سال میں جاری کیا۔ اس فرمان کا طول وعرض ۱۱ انچ × ۸½ انچ ہے اور چھ سطروں پر مشتمل ہے۔

وھو ھذا:۔

(مہر)۔ جلال الدین محمد اکبر پادشاہ غازی

(طُغرا)[1] فرمانِ جلال الدین محمد اکبر پادشاہ غازی

چوں بعرضِ اشرف اقدس رسیدہ کہ پادریانِ کنیسہ اینیسہ خی سوس می خواہند کہ در شہرِ کمبائیت عبادت خانہ را بناسازند بنابرآں ایں فرمانِ عالی شان واجب الاذعان شرفِ صدور وعزِ درُود یافت کہ حاکمِ شہرِ کمبائیت ہرگز مانع نباید وگذارد کہ اساسِ آنرا نہادہ ہماں طائفہ بہ عبادتِ خود مشغُول باشند۔ می باید کہ بہر جہت ایں حکم جہاں مطاع را لازم شناسند۔

التاریخ ۲۵ روز ماہ فروردین الٰہی سنہ ۴۲[2]

---

[1] لفظ "طُغرا" خط کی ایک قسم ہے جو پیچیدہ ہے جس میں بادشاہ کا نام اور القاب لکھے جاتے ہیں۔ پس اس لفظ سے مُراد شاہی القاب اور نشانِ سلطنت وحکومت ہے۔ فرمان خطِ نستعلیق میں لکھا جاتا تھا، اور شاہی مُہر طُغرا کے دائیں طرف لگائی جاتی تھی۔ (برکت اللہ) [2] یعنی مارچ ۱۵۹۸ء

مُبلغین نے یہ فرمان پراونشل کو گوآ میں بھیجدیا جس نے کھمبایت میں انجمن کے مُبلغین کو بھیجا اُور وہاں مسیحیت کی تبلیغ واشاعت کا کام شروع ہو گیا۔

مُبلغین اڑھائی سال کی تبلیغی مساعی کے باوجُود اکبر کے متعلق مخصُوص نتائج کی رپورٹ پراونشل کو نہ بھیج سکے۔ شاہِ ہسپانیہ نے ۱۵۹۸ء میں گوآ کے وائسرائے کو لکھا کہ اگرچہ مُبلغین کی کوششیں "تاحال باروَر نہیں" ہُوئیں تاہم مبلغین کی جماعت کو واپس نہ بلایا جائے اُور احکام لکھ بھیجے کہ اگر مُبلغین وہاں موت کا شکار ہو جائیں تو اُن کی جگہ دُوسرے مبلغین سے پُر کی جائے۔" جب خُدا کی مرضی ہوگی یہ پھل ہم کو ملے گا۔ جب انسان نااُمید ہو جاتا ہے تو اُس وقت خُدا کام کرتا ہے۔"

تبلیغِ انجیل کی اجازت

۱۵۹۵ء میں بادشاہ کی زبانی اجازت پاکر مبلغین نے لاہور کے شہر میں انجیل کی تبلیغ شروع کردی۔ عوام النّاس اُن کی منادی سے ایسے متاثر ہُوئے کہ بعض ستمبر ۱۵۹۵ء میں بپتسمہ حاصل کر کے مُنجیِ جہان کے قدموں میں آگئے۔ متعدد اشخاص حق کی جُستجو کرنے لگ گئے۔ یہ لوگ اعلیٰ مرتبوں پر فائز نہ تھے لیکن وُہ اپنے مُنجی کی نظروں میں مقبول تھے۔ اُن کی تبدیلیٔ مذہب سے مبلغین کے حوصلے بلند ہو گئے۔

ہم سطورِ بالا میں لکھ چکے ہیں کہ جب مبلغین گوآ سے لاہور آئے تھے تو شاہزادہ سلیم نے اُن سے وعدہ کیا تھا کہ وُہ لاہور میں گرجا بنانے کے لئے بادشاہ سے اجازت دے دیگا اُور اُن کو زمین اُور عمارت کے لئے روپیہ بھی عطا کرے گا۔ اس وعدہ کا ایفا کیا گیا اُور لاہور میں گرجا بنایا گیا۔ ۱۵۹۷ء میں جب اکبر کشمیر میں تھا یہ گرجا عبادت کے لئے کھولا گیا۔ اس موقعہ پر لاہور کا گورنر بنفسِ نفیس آیا اُور دو گھنٹوں تک پادری پن ہیرو سے اُس کے مکان پر گفتگو کرتا رہا۔ اُن ایام میں اکبر کشمیر گیا ہُوا تھا اُور زیویئر اُس کے ہمراہ تھا۔

پادری کورسی کی آمد

۱۵۹۸ء کے آخر میں اکبر دکن کو فتح کرنے کی غرض سے لاہور سے روانہ ہُوا۔ جب زیویئر کو روانگی کے حکم کا پتہ لگا تو اُس نے اکبر سے اجازت مانگی کہ اُس کے ہمراہ ہو۔ اکبر نے بڑی خُوشی سے یہ بات منظور کی۔ راستہ میں اکبر نے ایک سال آگرہ میں قیام کیا۔ زیویئر موقعہ پاکر اکبر سے مذہبی گفتگو کرتا رہا۔ آگرہ میں اُس نے اکبر سے درخواست کی اُور کہا کہ پادری پن ہیرو لاہور اکیلا رہ گیا ہے۔ اگر آپ کا حکم ہو تو میں پراونشل سے اُور مُبلغین روانہ کرنے کی خواست کروں جو لاہور کے نومُریدوں کو تعلیم دینے

Marfat.com

اور ایمان کو مستحکم کرنے میں پادری پن ہیرو کی مدد کریں۔ اکبر نے بڑی خوشی سے اس درخواست کو منظور کیا اور اُن کے لئے پروانۂ راہداری عنایت کیا۔ انجمنِ عیسوی کے ارباب بست وکشاد کی طرف سے پادری فرانسو اکورسی (Francois Corsi) ۱۶۰۰ء میں لاہور آیا اور چھتیس سال خدمتِ انجیل میں مصروف رہا۔

ابھی اکبر آگرہ میں ہی تھا جب ۱۶۔جولائی ۱۵۹۹ء کے روز زیویئر نے خلوت میں باریابی حاصل کر کے بادشاہ سے کہا کہ مجھے پُرووِنشل نے لکھا ہے کہ اب تم پانچسال سے دربار میں ہو اور تم نے فارسی زبان حاصل کر لی ہے۔ تم بادشاہ سے اب درخواست کرو کہ جس بات کے لئے اُس نے تم کو بلایا ہے یعنی انجیل کی تعلیم وعقائد سے کماحقہٗ واقفیت حاصل کر لے۔ اگر بادشاہ نے اپنا ارادہ بدل لیا ہے تو مَیں تم کو کسی اَور جگہ بھیجنے کا انتظام کروں۔ اَب حضور نے ہم سب کو لاتعداد الطافِ خسروانہ سے نوازا ہے لیکن ہم کو دُکھ اِس بات کا ہے کہ جس مقصد کے لئے آپ نے ہم کو دعوت دی ہے وُہ پُورا ہوتا نظر نہیں آتا۔ جس روز ہم آپ کے دربار میں آئے تھے آپ نے فرمایا تھا کہ آپ نے اپنی رُوح کی نجات اَور حق کی تلاش کی خاطر ہم کو بُلوایا ہے۔ اکبر نے بڑے تحمّل اَور صبر سے زیویئر کی باتوں کو سُنا اور کہا کہ اب تک تم زبان کی تحصیل میں لگے رہے ہو اَور ہم کو بھی فُرصت نہیں ملی۔ اب ہم دکن فتح کرنے کے لئے جا رہے ہیں جہاں ہم گوآ کے نزدیک ہی ہوں گے۔ فتح کے بعد انشاءاللہ ہم کو تمہارے ساتھ باتیں کرنے کے زیادہ مواقع ملیں گے۔ تم خُود ہی جانتے ہو کہ رُوئے زمین پر کسی اسلامی سلطنت میں مسیحیت کی تبلیغ و اشاعت کی اجازت نہیں لیکن ہم نے تم کو تبلیغ کی کھلی اجازت دے رکھی ہے۔ اسلامی شریعت نئے گرجے بنانے کی مسیحیوں کو اجازت نہیں دیتی لیکن ہم نے نئے گرجے بنانے کے لئے فرمان جاری کر دیئے ہیں۔

دکن کی مہم کے دَوران میں پادری زیویئر اور اُس کا ساتھی دے گوئیس موقعہ پا کر اکبر کے حضُور میں جاتے رہے۔ ان ایام میں پادری زیویئر اپنی کتاب "چشمۂ حیات" لکھتا رہا جس میں اسلام اَور مسیحیت کا موازنہ کیا گیا تھا۔ اُس نے یہ کتاب اکبر کے نام معنون کی۔ ہم آگے چل کر اس کتاب کا مفصل ذکر کریں گے۔

اکبر چاہتا تھا کہ اس مہم میں احمد نگر اَور خاندیش کو فتح کر لے۔ اُس نے برہان پور فتح کرنے کے بعد اسیر گڑھ کا محاصرہ کیا لیکن محاصرین نے بڑے زور سے اکبر کا مقابلہ کیا پس اکبر نے مستقین

Marfat.com

کو کہا کہ تم جاؤں کے پرتگیزوں کو لکھو کہ وہ توپیں اور بارود بھیجیں اور ہماری مدد کریں لیکن مبلغین نے کہا کہ ایسا طرزِ عمل بھی ایمان کے منافی ہے۔ اصل بات یہ تھی کہ خاندیش کی حکومت پرتگیزوں کی اتحادی تھی۔ بادشاہ یہ ٹکا سا جواب سن کر غضبناک ہوگیا اور مبلغین نے کچھ عرصے تک اس کے نزدیک پھٹکنے کی جرأت نہ کی۔

جب بادشاہ دکن سے واپس آیا تو پادری پن ہیرو اکبر کی ملاقات کے لئے لاہور سے آگرہ آیا۔ وہ اپنے ہمراہ بی بی مریم کی ایک خوبصورت تصویر لایا جو اس نے پیش کی۔ اکبر نے تصویر کو لیا اور اس کو تبرک کے طور پر اپنے سر پر رکھا اور کہنے لگا کہ مقدس ہر قسم کے احترام کے لائق ہے۔ پھر اس نے مبلغین سے پوچھا کہ جب لوگ پوپ کے حضور میں جاتے ہیں تو کیا رسوم بجالاتے ہیں۔ انہوں نے پابوسی کا ذکر کیا اور کہا لوگ پوپ کے پاؤں کو نہیں، بلکہ صلیب کو بوسہ دیتے ہیں جو اس کے پاؤں کی جوتی پر ہوتی ہے۔ اکبر نے ان سے پوچھا کہ صلیب کا نشان کرتے وقت سر، سینہ اور چھاتی کو کیوں چھوا جاتا ہے اور انہوں نے جواب با صواب دیا۔

ایک سفارت کی روانگی

ہم سطورِ بالا میں ذکر کر چکے ہیں کہ اکبر کی یہ بڑی خواہش تھی کہ گوآ کو فتح کرے۔ مبلغین کو دربار میں دعوت دینے کے دو ہی سبب تھے۔ ایک حق کی تلاش اور دوسرا سیاسی مقصد۔ اب وہ پرتگیزوں کی طاقت کا علم حاصل کرنا چاہتا تھا اور اس غرض کے لئے وہ کسی نہ کسی بہانے سے جاسوسوں کو پرتگیزی مقبوضات میں روانہ کرتا رہتا تھا۔ اب اس نے ۱۶۰۱ء میں سلطان حمید کی سرکردگی گوآ ایک سفارت بھیجی جس کا مقصد بظاہر یہ تھا کہ پرتگیزی حکومت کے ساتھ خشکی اور بحری مقامات میں ایک مستقل صلح ہو جائے اور کہ سفیر یہ معلوم کرے کہ شاہِ پرتگال کو کس قسم کے تحائف بھیجے جائیں اور ایک سفیر بھی شاہ کے پاس بھیجا جائے تاکہ وہ اس صلح نامہ کی تصدیق کرے۔

اس سفارت کا گوآ میں شاہانہ استقبال کیا گیا۔ مبلغ گوئیس سفارت کے ساتھ تھا۔ وہ اپنے ہمراہ پرتگیزوں کے مخلوط النسل بچے اور اسیر گروہ کے بعض قیدی لے گیا جن کو گوآ میں بپتسمہ دیا گیا۔ سفارت کا اصلی مطلب یہ تھا کہ اکبر کے جاسوس گوآ کی نسبت معلومات بہم پہنچائیں۔ جو بات اکبر کو کانٹے کی طرح چبھتی رہتی تھی، وہ پرتگیزوں کی بحری طاقت تھی جس کی وجہ سے شاہی جہاز پرتگیزوں سے پروانہ راہداری لینے کے لئے مجبور تھے۔

جب گوئیس گوآ آگیا تو پروونشل نے اس کو حکم دیا کہ وہ کیتھے (چین) کو جائے اور پادری انٹونی میچاڈو (Antony Machado) کو حکم دیا کہ تم لاہور جاؤ۔ پس یہ دونوں

Marfat.com

مبلغ موسم گرما ۱۶۰۲ء میں آگرہ آئے۔ وہاں سے وہ لاہور گئے اور گوئیس کے حکم کے مطابق جنوری ۱۶۰۳ء میں وسطِ ایشیا کو چلا گیا جہاں سے وہ کبھی واپس نہ آیا اور وہیں فوت ہوگیا۔

مئی ۱۶۰۱ء میں زیویئر بادشاہ کے ہمراہ آگرہ پہنچ گیا۔ جب پن ہیرو۔ گوئیس اور مچادو بھی آگرہ آئے تو مبلغین انجمن عیسوی کے قوانین کے مطابق تھوڑے عرصہ کے لئے اپنی راہبانہ زندگی بسر کر سکے۔

۴ ربیع الاول ۱۰۱۱ھ (۱۲۔ اگست ۱۶۰۲ء) شاہزادہ سلیم نے شیخ ابوالفضل کو قتل کروا دیا۔ اس واقعہ ہائلہ نے اکبر کا داہنا ہاتھ توڑ دیا۔ اس کی موت سے وسیع الخیالی کی تحریک کو زبردست دھکا لگا۔ خانِ اعظم مرزا عزیز کوکہ اس کی جگہ وزیر اعظم مقرر کیا گیا۔

انجیل کی تبلیغ اور تبدیلی مذہب کی اجازت کا تحریری فرمان

پادری پن ہیرو کے لاہور واپس جانے سے پہلے اکبر بادشاہ نے ۱۶۰۲ء میں ایک تحریری فرمان جاری کیا کہ اس کے ممالک محروسہ میں ہر شخص کو یہ آزادی حاصل ہے کہ جس مذہب کو چاہے اختیار کرلے۔ مذہب کی تبدیلی کی راہ میں کسی قسم کی قانونی رکاوٹ نہیں ہوگی اور ارتداد کے لئے کوئی سزا نہیں دی جائے گی۔ کسی شخص کو یہ اجازت نہ ہوگا کہ مذہب تبدیل کرنے والے کی راہ میں مزاحم ہو۔ اس سے پہلے (جیسا ہم اوپر لکھ آئے ہیں) اکبر نے مبلغین کو زبانی اجازت دے دی تھی اور جب مبلغین نے اس سے تحریری فرمان مانگا تھا تو اس نے کہا تھا کہ تحریری فرمان کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارا حکم کافی ہے۔ اس لئے مبلغین کی سہولت کے لئے زبانی احکام بھی جاری کر دیئے تھے تاکہ وہ بآسانی تمام لاہور سے آگرہ اور کھمبات سفر کر سکیں اور کھمبات میں انجیل کی تبلیغ بھی کر سکیں۔ لیکن اب پہلی دفعہ اس نے ایک ایسا تحریری فرمان عطا کیا جو اسلامی شریعت ارتداد کے منافی تھا۔ فرمان کے تحریر ہونے سے پہلے درباریوں نے بہتیری سازباز اور سانٹھ گانٹھ کی اور خانِ اعظم مرزا عزیز کوکہ نے سخت مخالفت کی لیکن کسی کی پیش نہ چلی۔ اکبر نے تحریری فرمان لکھوا کر مبلغین کے حوالہ کیا۔

ہم کو باوجود تلاش بسیار اس فرمان کی نقل نہیں ملی لیکن پادری پن ہیرو نے خود اس کا ترجمہ پرتگیزی زبان میں کیا تھا جس کے انگریزی ترجمہ کو ہم اردو میں منتقل کرتے ہیں:-

فرمانِ جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی

فرمانِ عالی شان واجب الاذعان نے شرفِ صدور پایا ہے کہ کوئی شخص پادری

Marfat.com

پنِ ہیرو کے گھر اور عبادت خانہ میں اُس کی اجازت بغیر داخل ہونے نہ پائے اور ہرگز اُس کے معاملات میں دخل اندازی نہ کرے۔ کوئی شخص اُس کو نہ دِق کرے اور نہ پریشان و ہراساں کرے۔ اگر کوئی شخص برضا و رغبتِ خود مسیحیت کو اختیار کرنا چاہے تو اُس کو ایسا کرنے کا اختیار ہوگا۔ کسی شخص کو بھی یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ وہ مذہب کو تبدیل کرنے والے کی راہ میں کسی قسم کی رکاوٹ ڈالے اور مزاحم ہو۔ واجب ہے کہ اس حکم جہاں مُطاع کو لازم سمجھا جائے۔

ماہِ آبان الٰہی ۴۰ھ

جن حالات میں یہ فرمان جاری کیا گیا اُن کا ہم آگے چل کر ذکر کرینگے لیکن دربار میں مدت تک ایسے فرمان کے متعلق چہ میگوئیاں ہوتی رہیں۔ مبلّغین نے اس فرمان کے لئے خُدا کا شکر ادا کیا۔ پنِ ہیرو نے لاہور واپس جانے سے پہلے اکبر سے شرفِ باریابی حاصل کیا۔ اکبر نے اپنے اصطبل سے ایک گھوڑا سفر کیلئے عنایت فرمایا اور اُس کو رُخصت کیا۔

کُتب مناظرہ کی تصنیف

اکبر کبھی کبھی پادری زیویئر کو بُلوا کر کسی مسلمان عالم کے مُقابلہ میں مباحثہ کے لئے فرمائش کرتا۔ اب زیویئر بغیر کسی مترجم کی مدد کے خود مسلمان فضلاء سے بحث کرتا تھا۔ لیکن اکبر کٹّر موحد تھا۔ وہ توحید فی التثلیث اور اُلوہیتِ مسیح کے عقائد کو قرینِ عقل خیال نہیں کرتا تھا اور مُعجزاتِ مسیح کی عقلی تاویل سُننا چاہتا تھا۔ زیویئر نے اُس کی خاطر ایک کتاب تصنیف کی۔ اکبر نے اُس کا نام "مراۃ القدس" تجویز کیا جو ۱۶۰۲ء میں اُس کے حضور پیش کی گئی۔ اس کتاب میں اُن اور دیگر متنازعہ فیہ مسائل پر بحث کے علاوہ اس میں خُداوند مسیح کی زندگی کا بیان بھی تھا۔ یہ کتاب فارسی زبان میں تھی۔ اکبر مرزا عزیز کوکہ سے اس کو پڑھوایا کرتا تھا۔ اکبر نے زیویئر سے فرمائش کی کہ دوازدہ رسُولوں کی حیات پر بھی ایک کتاب تصنیف کرے چنانچہ زیویئر نے فارسی میں کتاب لکھی جس کا نام "داستانِ احوال حواریانِ حضرتِ عیسیٰ و ذکرِ مناقبِ ایشاں" تھا۔ زیویئر نے اکبر کی وفات سے پہلے ۱۶۰۵ء میں اس کو پیش کیا۔ ان کتابوں کا مفصل ذکر ہم آگے چل کر لکھیں گے۔

اِنہی ایام میں مُبلّغین نے رُوم کی Madonna-del-Popolo خاتونِ عوام کی تصویر کی نقل منگوائی جس کا شہرہ تمام شہر میں ہو گیا۔ انہوں نے ۱۶۰۱ء میں عیدِ ولادتِ مسیح کے موقعہ پر یہ تصویر گرجا میں رکھی جس کو دیکھنے کے لئے بھیڑوں کی بھیڑ آنے لگیں۔

Marfat.com

اُمرائے دربار تصویر کی شہرت سُن کر دیکھنے آئے اور اُنھوں نے بادشاہ سے اِس کا ذکر کیا۔ اُس نے تصویر کو منگوا کر دیکھا اور کہنے لگا کاش میرا باپ ہمایوں اِس تصویر کو اپنی حینِ حیات میں دیکھ لیتا۔ ناظرین کو یاد ہوگا کہ ہمایوں کو نقاشی کا بڑا شوق تھا۔ اکبر نے تصویر کو اندرونِ حرم بھیجا جہاں بادشاہ کی ماں حمیدہ بیگم نے (جو اس وقت ۷۵ سال کی تھی) اور ملکہ نے اور محل کی دیگر بیبیوں نے اس کو بڑے شوق سے دیکھا۔ بادشاہ نے حُکم دیا کہ اِس تصویر کی ایک نقل تیار کی جائے۔ مبلغین نے اِس موقع سے فائدہ اُٹھا کر ہر خاص و عام کو انجیل کا نجات بخش پیغام سُنایا۔ اس وقت سے مرزا عزیز کوکہ مُبلغین کو بنظرِ التفات دیکھنے لگ گیا۔

آگرہ کا گرجا

آگرہ میں اکبر کے فرمان کے موجب ۱۵۹۹ء میں ایک گرجا کھڑا کیا گیا تھا، جو مُبلغین کی رہائش گاہ کے قریب تھا اور شاہی محل سے نصف فرسنگ تھا۔ چونکہ مسیحیوں کی تعداد میں بہُت اضافہ ہو گیا تھا، اس گرجا میں سب کی سمائی نہیں ہوسکتی تھی۔ شاہزادہ سلیم نے صورتِ حال پر اطلاع پاکر اکبر سے سفارش کی کہ ایک اَور گرجا کے لیے زمین عطا کی جائے اور گرجا بنانے کی اجازت دی جائے۔ اکبر نے منظوری دیدی اور شاہزادہ نے جیبِ خاص سے ایک ہزار روپیہ عطا کئے۔ گرجا کا بُنیادی پتھر ۱۶۰۳ء میں رکھا گیا اور عمارت جہانگیر (شاہزادہ سلیم) کے عہد میں مکمل ہُوئی۔

چُونکہ اکبر کا قیام دکن کی مہم کے بعد اُس کی وفات (۱۶۰۵ء) تک آگرہ میں رہا۔ مُبلغین کو اِس چار سال سے زیادہ عرصہ میں انجیل کی تبلیغ و اشاعت کرنے کے بہُت مواقع حاصل ہوئے جن سے وُہ فائدہ اُٹھاتے رہے۔ لیکن اُن کی یہ اُمید کہ اکبر مسیحیت کو قبُول کرکے مُنجی جہان کے قدموں میں آجائے گا نہ پُوری ہوئی تھی اور نہ ہُوئی۔ مگر اکبر نے اُن کی خاطر تواضع کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ وُہ اُن کی ہر جائز درخواست پر غور کر کے اُس کو شرفِ قبولیت بخشتا۔ جب وُہ آتے اُن سے خندہ پیشانی سے ملاقات کرتا اور اُن کو ہر طرح کا آرام اور دلاسا دیتا اور اُن کی دلجوئی کرتا تھا۔ مبلغین کی طرزِ زندگی نے اُس کو، اُس کے شاہزادوں کو اور ارکینِ سلطنت کو بہُت متاثر کیا اور وُہ مسیحیت کو بنظرِ استحسان دیکھنے لگے۔ عوام الناس بھی مبلغین کی زندگیوں سے متاثر تھے اور عام طور پر اُن سے خُوش خلقی سے پیش آتے تھے۔ اگر مُبلغین انجیلی حکم پر عمل کرتے اور حق بات کو نرم الفاظ اور محبت بھرے دل سے پیش کرتے تو وُہ اکبر پر اور اُس کی مسلم اور غیر مُسلم رعایا پر زیادہ اثر ڈال سکتے تھے۔ مبلغین کی آمد سے پہلے اکبر

Marfat.com

کی مذہبی تنگ خیالی دُور ہو چکی تھی۔ اب وُہ وسیع النظر تھا اور مذہبی تعصب سے متنفّر تھا لیکن مبلغین بھی مسلمان عُلماء کی طرح ہر بات میں تعصب اور تنگ خیالی سے کام لیتے تھے۔ اُن کی صاف گوئی اکثر اوقات درشت کلامی بلکہ دریدہ دہنی تک پہنچ جاتی تھی اور یہ باتیں نہ اکبر کو بھاتی تھیں اور نہ خاص و عام کو پسند تھیں۔ اُن کے دلائل بھی علم طور پر دقیانوسی قسم کے ہوتے تھے جو مغربی ممالک کے مسیحی صدیوں سے رٹتے چلے آئے تھے۔ پس وُہ مسیحی عقائد کو کما حقہٗ واضح نہ کر سکے۔ اس پر ستم یہ ہُوا کہ وُہ اپنے قومی اور ملّی تعصبات سے بھی خالی نہ تھے۔ پہلی تبلیغی جماعت کے پادری اکواویوا اور مانسیرت دربار میں اتنی مُدت نہ رہے کہ وُہ پرتگیزی حکومت کے آلۂ کار بن سکتے۔ لیکن تیسری تبلیغی جماعت کے مبلّغین شاہِ ہسپانیہ اور گوآ کی حکومت کے آلۂ کار بن گئے۔ ان امور کو دیکھ کر ہم کو تعجب نہیں ہوتا کہ انجمنِ عیسوی جیسی قابل انجمن کے یہ مایۂ ناز مبلّغین اپنے اصلی مقصد یعنی مسیحیت کی تبلیغ و اشاعت اور اکبر کو مسیحی کے قدموں میں لانے میں ناکام رہے۔ ہمیں ان کی حالت پر ترس آتا ہے کیونکہ ان مبلّغین کی سیاسی امور میں مداخلت پرتگیزی حکومت اور تجارت کے کام بھی نہ آئی۔ وُہ تارک الدنیا تھے لیکن اُنہوں نے یورپین ممالک کے بین الاقوامی تعصبات کو ترک نہ کیا تھا جس کی وجہ سے نہ وُہ دین کے رہے اور نہ دُنیا کے رہے۔

انگریز اور ولندیز تاجروں کی آمد

سولہویں صدی میں ہسپانیہ کا بادشاہ ممالک مغرب کے تمام سلاطین میں زبردست شمار کیا جاتا تھا۔ اکبر کے زمانہ میں اس کی طاقت اس قدر بڑھ گئی تھی کہ وُہ کسی دُوسرے بادشاہ کو خاطر میں ہی نہ لاتا تھا۔ جب انگلستان میں نشاۃ ثانیہ کا زمانہ ملکہ الزبتھ اوّل (جو اکبر کی ہمعصر تھی) کے عہد میں اپنے اوج پر پہنچا تو ملکہ نے تہیّہ کر لیا کہ شاہِ ہسپانیہ کی بحری طاقت کو توڑ دے۔ مملکتِ ہسپانیہ کی قوّت اور سطوت اُس کی بحری طاقت کی وجہ سے تھی۔ اُس کے جہاز مشرقی ممالک میں ہر طرف تجارت کر رہے تھے اور سلطنت کو مالا مال کر رہے تھے۔ یہ دیکھ کر انگلستان اور ہالینڈ کے تاجروں اور قسمت آزما جانبازوں کے دندانِ حرص و آز بھی تیز ہو گئے اور اُنہوں نے حکومتِ ہسپانیہ کی واحد اجارہ داری کو توڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ ۱۵۸۹ء میں انگریزی تاجروں کی سوسائٹی نے ملکہ الزبتھ سے درخواست کی کہ اُن کو ہندوستان آنے کی اجازت دی جائے۔ اگلے سال انگریزوں نے گوآ کے ایک جہاز کو تو آگ کی نذر کر دیا، اور دُوسرے کو لُوٹ لیا جس میں ڈیڑھ لاکھ پونڈ کی مالیت کا اسباب تھا۔ وُہ ہندوستان کی تجارت کی نسبت خبریں حاصل کر کے واپس لوٹ گیا۔ ہالینڈ کے تاجروں نے بھی ایک بڑا جلسہ کر کے یہ فیصلہ

Marfat.com

کیا کہ ایک بیڑا ہندوستان روانہ کیا جائے اور ۱۵۹۵ء میں اُن کے چار جہاز براہ راس امید چل پڑے۔ اہلِ ہالینڈ نے ۱۵۹۵ء میں ہندوستان میں پہنچ کر بڑودہ اور اہبوتنا میں تجارتی تعلقات پیدا کر لئے۔ ۱۵۹۹ء میں ملکہ الزبتھ نے لندن کے تاجروں کو اجازت دے دی کہ وُہ تجارت کے لئے ایک سوسائٹی قائم کر لیں لیکن سیاسی وجُوہ کے باعث یہ مقصد ۱۶۰۱ء تک پُورا نہ ہو سکا۔ جان ملڈن ہال (John Milden Hall) اکبر کے دربار میں سفیر مقرر کر کے بھیجا گیا اور وُہ آرمینیا۔ ایران اور افغانستان کے راستے ہوتا ہُوا ۱۶۰۳ء میں آگرہ پہنچا۔ ۱۶۰۲ء میں ہالینڈ کی بعض چھوٹی چھوٹی کمپنیوں کو ملا کر ایک بڑی کمپنی "دی ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی" بنائی گئی۔ اُس وقت سے اِدھر ہالینڈ اور برطانیہ نے ہسپانیہ کی طاقت کو تحدی اور دعوتِ جنگ دینی شروع کر دی اور اُدھر ملڈن ہال بھی پہنچ گیا اور مُغلیہ دربار میں تین سال ۱۶۰۶ء تک رہا۔ ۱۶۱۲ء میں اہلِ ہالینڈ نے جنوبِ ہند کی مختلف جگہوں میں تجارتی منڈیاں اور کوٹھیاں قائم کر لیں۔

مغربی ممالک کی کشمکش کا اشاعتِ انجیل پر اثر

اس پس منظر میں مُبلّغین کو واجب تھا کہ وُہ اپنے کام سے کام رکھتے اور یورپین ممالک کی رقابتوں اور اُن کی طاقت و دولت کے حصُول کی خواہش سے الگ تھلگ رہتے۔ لیکن شاہِ ہسپانیہ اور گوآ کی حکومت اور اُن کے ذاتی تعصبات نے اُن کو ایسا نہ کرنے دیا۔ آگرہ کے آرمینی مسیحی بھی اُن سے تنگ آئے ہوتے تھے کیونکہ وُہ اُن پر دباؤ ڈالتے تھے تاکہ وُہ آرمینی کلیسیا کو چھوڑ کر رُومی کلیسیا میں شامل ہو جائیں۔ رُومی کلیسیا کے بعض افراد بھی اُن کی رعونت کی وجہ سے اُن کے دشمن ہو گئے تھے۔ کسی پرتگیزی مسیحی نے اکبر کو یہ خبر دیدی کہ مُبلّغین گوآ کی حکُومت کے جاسُوس ہیں اور درپردہ حکُومت کی خبر رسانی کرتے رہتے ہیں۔ اِدھر انگلستان کا سفیر ملڈن ہال اکبر سے بندرگاہوں کا خواہاں تھا تاکہ انگریزی جہاز بحرِ ہند کے ساحل پر آ جا سکیں اور انگریز تجارت کر سکیں۔ خُود اکبر بھی دل سے گوآ کی حکُومت کی بیخکنی چاہتا تھا۔ اُس نے مُبلّغین کو بُلا کر اُن سے ملڈن ہال کی درخواست کا ذکر کیا۔ یہ سُنتے ہی مبلّغین آگ بگولا ہو گئے اور انگریزی سفیر کے جانی دشمن بن گئے۔ اُنھوں نے اُس کے خلاف رشوت دینے کے الزامات لگا دیئے۔ ملڈن ہال نے مُبلّغین کے سامنے اکبر کو کہا کہ میری ملکہ معظّمہ جہاں پناہ کے دربار میں سفیر بھیجتی ہے لیکن شاہِ ہسپانیہ کو اِس طویل مدّت میں ایسا کرنے کا خیال تک نہیں آیا کیونکہ وُہ آپ کو بنظرِ حقارت دیکھتا ہے۔ بلکہ آپ کو نادر اشیا اور تحائف بھیجنے کا نام بھی نہیں لیتا حالانکہ میری ملکہ

Marfat.com

نے آپ کو نادر تحائف بھیجے ہیں۔ مبلغین نے انگریز سفیر کے آرمینی مترجم کو رشوت دے کر اپنی طرف کر لیا اور اکبر کے بعض مشیروں کو بھی بھاری رقمیں رشوت میں دیں تاکہ اُن کی طرف داری کریں۔ زیویئر نے گوآ لکھا کہ اکبر ہرگز "ایسا اقدام نہ کرے گا جو ہماری مملکت اور ہمارے مقدس دین (یعنی رُومی کلیسیا) کے خلاف" ہو۔ گوآ کی حکومت نے مبلغین کو اور بالخصوص پن ہیرو کو تاکید کی کہ ہر ممکن طریقہ سے انگریزی سفیر کے پاؤں اکھاڑ دیں۔ پن ہیرو ساز باز کرنے میں طاق تھا۔ اِدھر وُہ ملڈن ہال کو کہتا تھا کہ ہم دونوں کے اختلافاتِ عقائد و رسُوم کا معاملہ ہم دونوں تک ہی محدود رہنا چاہیئے تاکہ اکبر کو یہ خیال نہ ہو کہ ہمارے ملک ایک دُوسرے کے رقیب ہیں کیونکہ اُس کی نگاہوں سے مسیحیت اور یورپ کی عظمت گر جائے گی۔ اُدھر وُہ انگلستان اور ملڈن ہال کو اکبر کی نگاہوں میں گرانے کے لئے جائز و ناجائز وسیلوں کو استعمال کرتا تھا۔ لیکن اکبر مردم شناس تھا۔ وُہ اصل بات کو فوراً تاڑ گیا اور اُس نے موقعہ کو غنیمت سمجھ کر انگریز سفیر کی درخواست کو "بکشادہ پیشانی قبُول" کر لیا۔

جب اکبر اور اُس کے درباریوں نے مبلغین کی سازباز اور گانٹھ سانٹھ کو دیکھا اور اُن کو بھیڑ کے لباس میں بھیڑیے پایا اور اُن کی سیاسی چالبازیاں دیکھیں جو مسیحی اخلاقیات کے منافی تھیں تو اُن کے دلوں پر بہت بُرا اثر پڑا۔ جہانگیر کے عہد میں مبلغین کھلے بندوں سیاسیات میں حصہ لینے لگ گئے اور پرتگیزی حکومت کے وکیل بن گئے جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ وُہ حکومتِ گوآ کے حرص و آز کے شریک ہو گئے۔ اِس وقت سے بے کہ انجمنِ عیسوی کے مبلغین کا اثر رفتہ رفتہ زائل ہونے لگا حتیٰ کہ پچیس سالوں کے بعد شاہجہان کے عہد میں یہ اثر بڑی تیز رفتاری سے زائل ہو گیا۔ اورنگزیب کے عہد میں جو رہا سہا اثر تھا وُہ بھی ختم ہو گیا۔ مغلیہ سلطنت کے زمانہ میں شاہ عالم کے عہد کے دوران تک انجمنِ عیسوی ۱۸۰۳ء تک سسکتی رہی۔ اِس سال اس کا آخری مبلغ پادری وینڈل Wendel لکھنؤ میں فوت ہو گیا۔ اُس کی موت کے ساتھ ہی انجمن عیسوی کا بھی جنازہ نکل گیا۔

اکبر کی وفات

جب اکبر کی وفات کا وقت قریب آیا تو مبلغین نے ہزار کوشش کی کہ وُہ بستر مرگ پر اُس کو نجات کا پیغام دیں لیکن وُہ اُس کے نزدیک پھٹک نہ سکے۔ شاہی طبیب اکبر کے دردِ شکم کا علاج نہ کر سکا۔ بالآخر وُہ ۱۷ اکتوبر ۱۶۰۵ء کے روز اپنی حکومت کے پچاسویں سال میں فوت ہو گیا۔ اُس کی وفات کی تاریخ ہے:-

Marfat.com

خ الف کشیدہ ملائک زفوتِ اکبر شاہ

جو ابجد کے حساب سے ۱۰۱۴ھ ہوتی ہے۔ قمری مہینوں کے حساب کے مطابق اُس نے ربیع الثانی ۹۶۳ھ تا جمادی الثانی ۱۰۱۴ھ تک اکیاون سال سے کچھ اوپر حکومت کی۔ اُس کی نمازِ جنازہ اسلامی شریعت کے مطابق پڑھی گئی۔

فتحپور سیکری کے "بلند دروازہ" کی عبارت (جو صوبہ خاندیش کی فتح کی یادگار میں ۱۶۰۱ء میں بنایا گیا) اکبر کی زندگی اور خیالات کو چند الفاظ میں ادا کر دیتی ہے۔ یہ دروازہ ایک سو چھیتر فٹ اونچا ہے جس کی چوٹی پر سے ۲۲ میل دُور تاج محل نظر آتا ہے۔ اس پر لکھا ہے "عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ دُنیا ایک پُل ہے۔ اس پر کوئی گھر نہ بناؤ بلکہ اس پر سے گذر جاؤ۔ جو شخص ایک ساعت کے لئے اُمید کرتا ہے وُہ ابدیت کی اُمید کرتا ہے۔ یہ دُنیا ایک ساعت کی ہے۔ اس کو عبادت میں گذار دو۔ باقی عُمر کو تم قائم نہیں کر سکتے۔" غالباً یہاں متی ۶: ۱۹-۲۰ کی طرف اشارہ ہے۔

اکبر کا مقبرہ سکندرہ میں واقع ہے۔ اس کو اکبر نے خُود بنوانا شروع کیا تھا۔ اس کا خاکہ بدھ وہاروں کے نمونہ کا ہے۔ اس عمارت کو جہانگیر نے ختم کیا۔ یہ عمارت ہندوستان میں اپنی وضع کی واحد عمارت ہے جس کی مانند نہ پہلے بنی تھی اور نہ کبھی بعد میں بنائی گئی۔ اس پر مسیحی تصاویر بھی منقش تھیں۔ چنانچہ جب مسیحی راہب منریق Sebastian Manrique ۱۶۴۱ء میں آگرہ میں تھا تو وُہ بیان کرتا ہے کہ عمارت کے سامنے کا حصّہ جو ستونوں پر کھڑا ہے وُہ گنبد سے لے کر پایہ تک نقش و نگار سے آراستہ ہے۔ ان تصاویر میں مقدسہ مریم کی تصویر بھی تھی۔ منوچی (Manucci) جو اورنگزیب کے عہد میں تھا ہم کو بتلاتا ہے کہ باغ کے بڑے پھاٹک پر مسیح مصلوب، مقدسہ مریم اور انجمن عیسوی کے بانی کی تصاویر تھیں۔ دیوار پر بھی مسیح مصلوب کی تصویر تھی۔ اس کے دائیں جانب مُقدسہ مریم کی گود میں مسیح کی طفولیت کی تصویر تھی۔ گنبد کی سقف پر کروبیم و سرافیم کی بڑی بڑی تصاویر تھیں۔ اورنگزیب نے پہلے زری کمخواب کا پردہ مسیح مصلوب کی تصویر پر لٹکا دیا تھا جس کو منوچی نے اُٹھا کر تصویر کو دیکھا تھا، اور بعد میں اُس کے حکم سے یہ تصاویر مٹا دی گئیں، اور اب تصاویر کا نام و نشان مٹ چکا ہے۔

Marfat.com

فصل پنجم

اکبری عہد میں شمالی ہند کی کلیسیائیں

اکبری عہد کے مسیحی

ہم جلد دوم کے باب چہارم میں بتلا چکے ہیں کہ پرتگیزوں کی آمد سے صدیوں پہلے سلطنت دہلی کے ایام میں شمالی ہندوستان میں مسیحی کلیسیائیں موجود تھیں جو حوادثِ زمانہ کے ہاتھوں یکے بعد دیگرے مفقود ہوتی چلی گئیں۔ پھر بھی شمالی ہند کے مختلف شہروں قصبوں اور گاؤں میں سلطنت مغلیہ کے شروع میں اِکے دُکے ایماندار ہر طرف تھے جو کسی شمار وقطار میں نہ تھے۔ لیکن بیرون ہند کے ممالک کے مسیحی اور بالخصوص مسیحی تاجروں کا طبقہ ہر بڑے شہر میں پایا جاتا تھا چنانچہ اکبر کے عہد میں جا بجا یونانی۔ آرمینی۔ نسطوری جیکو بائٹ۔ کلدی وغیرہ کلیسیاؤں کے ممبر اور ہسپانیہ۔ پرتگال اٹلی۔ فرانس۔ ہالینڈ۔ ڈنمارک۔ روس۔ پولینڈ وغیرہ مغربی ممالک کے تاجر مغلیہ سلطنت کے چھوٹے بڑے شہروں میں پائے جاتے تھے۔ ان میں رومی کلیسیا کے ہزاروں ممبر بھی تھے۔ چنانچہ صرف ایک شہر کھمبایت میں ۱۵۹۰ء میں کئی سو پرتگیز رہتے تھے۔ یہ مسیحی تاجر ہوا کرتے تھے۔ بعض نگینہ ساز اور جواہرات کو تراشنے والے تھے۔ بعض میناکاری کا کام کرتے تھے بعض سنار تھے۔ بعض طبیب تھے۔ بعض صناع تھے۔ بعض مغلیہ افواج میں توپچی گولنداز تھے چنانچہ اکبر کی کابل کی مہم میں ۱۵۸۱ء میں یورپین مسیحی بھی تھے۔ ایشیائی کلیسیاؤں کے مسیحی عام طور پر تاجر پیشہ تھے اور آرمینی کلیسیا سے متعلق تھے۔ وہ مختلف شہروں میں پائے جاتے تھے۔ مثلاً لاہور۔ آگرہ۔ احمد آباد وغیرہ کے آرمنی مسیحی زیادہ تر تاجر پیشہ تھے۔ خواندہ ہونے کی وجہ سے رعایا کے ہر طبقہ کے لوگوں میں مقبول تھے اور عام طور پر دیانتدار ہونے کی وجہ سے کسی نہ کسی امیر کبیر کے ملازم ہو جاتے تھے۔ چنانچہ ہم اوپر ضمناً ذکر کرتے ہیں کہ اکبر نے پیروبس کو مترجم کے طور پر گوآ بھیجا تھا، جب اُس نے انجمنِ عیسوی کے مبلغین کو پہلی بار دعوت دی تھی۔ یہ شخص آرمینی مسیحی تھا جس نے ایک ہندوستانی خاتون سے شادی کی تھی۔ نکاح خوانی کے موقعہ پر اکبر خود موجود تھا اور اُس نے خود دولہا اور دلہن کو پادری اکیواویوا کی ٹوٹی پھوٹی فارسی

Marfat.com

کے وعظ کو سلیس فارسی زبان میں دُلہن کے ذہن نشین کرایا تھا۔

ان کے علاوہ ممالکِ غیر کے بہت سے مسیحی، غلام طبقہ کے تھے جو فروخت ہو کر یا قید ہو کر اُمراء کے ہاتھ آجاتے تھے اور اُن کی عورتیں حرموں میں داخل تھیں۔ متعدد مسیحی عورتیں اغوا کر لی جاتی تھیں اور لونڈیاں بن کر حرم سراؤں میں خدمت کیا کرتی تھیں۔ عام طور پر یہ عورتیں ساحلی کناروں پر رہنے والے مسیحی تاجروں کی بہو بیٹیاں ہوتی تھیں یا بڑے شہروں مثلاً لاہور اور گجرات کے پردیسی مسیحی تاجروں کے گھرانوں کی ہوتی تھیں۔ یہ غلام اور لونڈیاں زیادہ تر یورپین ممالک مثلاً رُوس۔ پولینڈ وغیرہ کی تھیں جو ترکوں کے ہاتھ آجاتی تھیں اور فروخت ہو کر شمالی ہند میں خریدی جاتی تھیں۔ اُن زمانوں میں غلامی ایک عام بات تھی اگرچہ اکبر غلامی کو ایک قبیح رواج سمجھ کر ناپسند کرتا تھا۔ اور کسی کو "بندہ" (غلام) نہیں کہتا تھا۔ پردیسی غلاموں کی بڑی منڈی پرتگیزی حکومت کے دارالسلطنت گوآ میں واقع تھی غلامی کی قبیح رسم ۱۸۴۳ء میں ہندوستان میں از رُوئے قانون ممنوع قرار دی گئی۔

اکبر کی جنگوں میں بہت سے چنگیز مرد۔ عورتیں اور بچے قید ہو کر آئے اور غلام بنا لئے گئے، جن کو انجمنِ عیسوی کے مبلغین نے اکبر سے کہہ سن کر آزادی دلوادی۔ ان میں پانچ رُومی مرد بھی تھے۔ وہ بھی آزاد کر دیئے گئے۔ مبلغین کی تیسری جماعت کی آمد کے زمانہ میں دو پرتگیزی جہاز کھمبایت کی خلیج میں پکڑے گئے اور سورت کے قریب پرتگیز قید ہو کر صُوبہ کے رُو برُو پیش کئے گئے اور اکبر کے پاس بھیجے گئے جو وہاں ایک سال تک قید رہنے کے بعد مبلغین کی سفارش پر رہا کر دیئے گئے تھے۔

الغرض اکبر کے زمانہ میں پردیسی مسیحیوں کی اچھی خاصی تعداد اُس کی سلطنت کے مختلف حصوں میں بستی تھی، یہاں تک کہ بعض مورخوں کا خیال ہے کہ اکبر نے انجمنِ عیسوی کے مبلغوں کو پہلی بار دعوت ہی اس مقصد کے لئے دی تھی کہ وہ اُس کی عیسائی رعایا کی رُوحوں کی نگرانی کر سکیں۔ اس نظریہ کی خامی میں شک نہیں لیکن اس سے کم از کم یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ اکبر کی سلطنت میں ہندوستانی نسل کے مسیحی۔ پردیسی ممالک کے مسیحی اور مخلوط النسل مسیحی اچھی خاصی تعداد میں تھے۔ بیرونی ممالک کے مغربی مسیحی (جیسا ہم اُوپر ذکر کر آئے ہیں) مختلف ممالک اور مختلف کلیسیاؤں کے تھے جن کو عام طور پر "فرنگی" کہا جاتا تھا۔ ان مختلف طبقوں کے دیسی اور پردیسی مسیحیوں کی حالت عام طور پر ابتر تھی۔ وہ اقتصادی زبوں حالی کا شکار تھے۔ ان کی

Marfat.com

رُوحوں کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ تھا۔ اُن کے اِردگرد ہر طرف غیر مسیحی رہتے تھے۔ اُن کے ماحول اُن کے عقائد کے خلاف تھے۔ چاروں جانب لوگ اُن کو نفرت اَور حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ہندومت کی خاردار زمین اَور اسلامی عقائد و تعصب کی پتھریلی زمین میں مسیحی زندگی کے بیج کا اُگ کر پھلنا پھولنا ایک دشوار امر تھا۔ ان حالات کا عام طور پر یہ نتیجہ ہوتا تھا کہ عیسائی مسیحیت کو ترک کر کے اِسلام اختیار کر لیتے تھے۔

یہ مختلف ملکوں۔ نسلوں۔ قوموں۔ زبانوں۔ طبقوں اَور کلیسیاؤں کے مسیحی جو اکبر کی سلطنت میں جا بجا رہتے تھے پراگندہ حالت میں رہتے تھے۔ اُن کی نہ تو کوئی تنظیم تھی اَور نہ اُن میں اُن کے مذہب کے سوا کوئی دوسری شے مشترک تھی۔ وُہ مذہب اَور دینیات کے ابتدائی اصُولوں سے بھی واقف نہ تھے۔ وُہ اُن بھیڑوں کی طرح پراگندہ تھے جن کا کوئی چرواہا نہ ہو۔ وُہ اپنے مُلک سے دُور اَور اپنے کلیسیاؤں کے ہادیوں سے دُور غیر مسیحی ماحول میں انفرادی طور پر زندگیاں گذارتے تھے۔ کوئی سوائے اپنے کام کے دُوسروں سے مطلب نہ رکھتا تھا۔ وُہ غیر منظم حالت میں مُملکت کے مختلف کونوں میں بکھرے پڑے تھے۔

ہم فصلِ دوم میں بتلا چکے ہیں کہ جب اکبر نے انجمنِ یسوعی کے کارپردازوں کو پہلی بار مبلغین بھیجنے کی دعوت دی تو یہ دعوت اس لئے قبُول کی گئی تھی تاکہ اکبر کو مسیح عالمین کے قدموں میں لایا جائے اَور اُس کی مملکت میں انجیلِ جلیل کی اشاعت کی جائے۔ مُبلغین کی پہلی جماعت نے اپنی تمام توجہ اکبر کو مسیحی بنانے کی طرف لگا دی۔ پادری اکوا ویوا عزلت نشین شخص تھا جس کو اکبر کی رعایا میں انجیل کی بشارت دینے میں کوئی خاص دلچسپی نہ تھی۔ پادری مانسیرٹ بھی درباری حلقوں کے باہر انجیل کی اشاعت و تبلیغ نہیں کرتا تھا۔ انجمنِ یسوعی کے جرنیل نے گوا کے پَرووِنشل کو دو دفعہ لکھا کہ مُبلغین پر واجب ہے کہ وُہ بادشاہ کے علاوہ اُس کی رعایا کے غیر مسیحیوں میں نجات کے پیغام کی اشاعت کریں۔ اُس نے خاص طور پر کہا کہ زیویئر کو اس طرف توجہ دینی لازم ہے، لیکن زیویئر کو اکبر اَور جہانگیر کے مسیحی بنانے کا شوق دامنگیر تھا۔ اُس کو ہندومت سے بھی کوئی خاص دلچسپی نہ تھی۔ اُس نے جیسا آگے چل کر ظاہر ہو جائے گا اسلام کا خاص اَور گہرا مطالعہ کیا تھا، کیونکہ وُہ شاہی مذہب تھا۔ اَور اُس کا خیال تھا کہ اگر بادشاہ اپنے مذہب کو تبدیل کرے گا تو رعایا بھی تبدیل کر لے گی۔ لیکن پادری پن ہیرو نے بادشاہ اور رعایا دونوں کو ہمیشہ مدِنظر رکھا۔ اُس نے اپنی تمامتر توجہ انہی دو باتوں کی جانب مرکوز رکھی۔ جب

Marfat.com

اُس نے دیکھا کہ بادشاہ مسیحیت کو قبول کرنے میں تامّل کرتا ہے تو اُس نے عام ہندوؤں اور مسلمانوں میں مسیحیت کی تبلیغ شروع کرنے کا ارادہ کیا اور اکبر سے درخواست کی کہ وہ اِس بات کی اجازت دے کہ اُس کی رعایا میں انجیل کا پیغام سنایا جائے اور جو کوئی اُس کو قبول کر لے وہ اپنا مذہب تبدیل کر سکے۔ بادشاہ نے ابو الفضل کی معرفت کہلا بھیجا کہ مبلغ عوام کو انجیل سنا سکتے ہیں اور ہر شخص بے خوف و ہراس مسیحیت اختیار کر سکتا ہے۔ اگر کوئی مزاحمت کرے گا تو اُس کو قرار واقعی سزا دی جائے گی۔ اُس نے اُن کو غربا کے علاج کے لئے مسیحی شفاخانہ کھولنے کی بھی اجازت دے دی تاکہ غیر مسیحی وہاں نجات کا پیغام سنیں اور مبلّغین کی محبت اور ہمدردی کے ذریعہ مسیحیت کے حلقہ بگوش ہو جائیں۔ پس انجیل شاہراہوں اور عام راستوں پر سنائی جانے لگی شخصی تبادلۂ خیالات کا نتیجہ یہ ہوا کہ خاص و عام مبلّغین کے پاس آنے لگے۔ درباریوں میں بعض اشخاص ایسے بھی تھے جو اکبر کو خوش کرنے کے لئے مبلّغین سے راہ و رسم رکھنے لگ گئے۔ مبلّغین نے اب ایک اسکول بھی کھول رکھا تھا جس میں مرزا شاہرخ والئے بدخشان (جو اکبر کے پاس آکر پناہ گزیں ہو گیا تھا) کے تین بیٹے تھے۔ اِس اسکول کے بعض لڑکے بپتسمہ حاصل کرنا چاہتے تھے بلکہ اُن میں سے ایک تو راہب ہونا چاہتا تھا اور سب کو علانیہ کہتا پھرتا تھا کہ صرف مسیح ہی واحد نجات دہندہ ہے۔ ایک اور لڑکا ماہِ رمضان میں روزہ نہیں رکھتا تھا۔ جب لوگ اُس کو لعن طعن کرنے لگے تو اُس نے علانیہ کہا کہ میں قرآن اور رسول کو منجانب اللہ نہیں مانتا، لیکن بعد میں وہ اس قسم کی باتیں کرنے سے احتراز کرنے لگ گیا۔

جب پادری زیویئر اکبر کے ساتھ کشمیر گیا تو وہاں بڑا سخت کال پڑا اور ساتھ ہی وبا آئی جس نے گاؤں اور قصبے خالی کر دیئے۔ ہر طرف لاشیں نظر آتی تھیں۔ اُن ایام میں یہ دستور تھا کہ مصیبت اور کال کے دنوں میں والدین اپنے بچوں کو فروخت کر دیا کرتے تھے اور زر کی ادائیگی کے بعد اُن کو واپس لے سکتے تھے۔ اس سال (۱۵۹۷ء) بہت سے بچے فروخت ہوئے۔ مبلّغین نے بھی بہت سے بچے خرید لئے اور اُن کو بپتسمہ دے دیا۔ اُن میں سے بعض تو اس قدر نحیف تھے کہ قریب المرگ تھے اور بعض مر بھی گئے۔ زیویئر نے اِس موقعہ کو غنیمت جان کر بہت مسلمانوں کی مالی مدد کر کے اُن کو اور اُن کے بچوں کو موت کے مُنہ سے بچا لیا اور بہتوں کو بپتسمہ دے کر کلیسیا میں بھی شامل کر لیا۔ ان مبلّغین کا رومی کلیسیا کے عقیدہ کے مطابق یہ ایمان تھا کہ اگر بچوں کو موت سے پہلے بپتسمہ دے دیا جاتے تو وہ معصوم بہشت بریں میں جا داخل ہوتے

Marfat.com

ہیں۔ پس جن بچّوں کی مائیں اُن کو گلی کوچوں میں مرنے کے لئے چھوڑ جاتی تھیں مبلغین اُن کو بپتسمہ دے دیتے تھے تاکہ وُہ سیدھے بہشت کو سُدھاریں۔ لیکن وُہ ایسے بچّوں کو بپتسمہ نہیں دیتے تھے جو قریب المرگ نہ تھے، تاکہ وُہ بعد میں مسیحیّت کا انکار نہ کردیں۔ مبلغین کی تینوں جماعتوں کا یہی وطیرہ رہا۔ جو بچے بپتسمہ پاکر مرجاتے تھے اُن کا جنازہ بڑی شان کے ساتھ اُٹھتا تھا۔ ان قریب المرگ بچّوں کے بپتسموں کی تعداد کی وجہ سے ہم اُن لوگوں کی اصلی تعداد کا پتہ نہیں لگا سکتے جو خلوصِ دِل سے اِن مبلغین کی کوششوں سے مسیحیّت کے حلقہ بگوش ہوگئے تھے۔

۱۶۰۱ء میں دکن کی مہم میں چھ تینتیس ہزار مرد و زن قید ہُوئے۔ ان میں دشمن کی فوج کے سات افسر ایسے تھے جو پہلے مسیحی تھے اور اُنہوں نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ قیدیوں میں بہت سے ایسے مرد و زن تھے جو مسیحی تھے یا پہلے مسیحی رہ چکے تھے۔ مبلغین نے اکبر کی منت سماجت کرکے اُن کو اپنی زیرِ حفاظت لے لیا اور اُن کی اولاد کو بپتسمہ دیا۔ اُن کے علاوہ ستّر سے زیادہ قریب المرگ بچوں کو بپتسمہ ملا جن میں سے بہت جان بحق ہوگئے۔ جب گوئیس اکبر کے سفیر کے ساتھ گوآ گیا تو وُہ بہ تمیز قیدیوں کو اور مخلوط النسل لڑکوں اور لڑکیوں کو اپنے ہمراہ گوآ لے گیا جہاں اُن کو بپتسمہ دیا گیا اور وائسرائے خود اُن کا دھرم باپ بنا۔ اُن بپتسمہ زدوں میں ایک نوّے سال کا بوڑھا یہودی بھی تھا جو خُداوند مسیح کا حلقہ بگوش ہوگیا۔

اشاعتِ انجیل کے طریقے اور وسائل

جب ۱۶۰۲ء میں اکبر نے مبلغین کو تحریری فرمان دے کر تمام سلطنت کے لوگوں کو آزادی دے دی کہ اگر وُہ چاہیں تو بغیر کسی مزاحمت کے مسیحیّت اختیار کرسکتے ہیں تو مبلغین نے اپنی تبلیغی مساعی کو تیز کردیا۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اُنہوں نے کتنے ہندوؤں اور مسلمانوں کو بپتسمہ دیا کیونکہ وُہ قریب المرگ غیر مسیحی بچّوں کو بھی بپتسمے دے دیتے تھے۔ لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ بالغ بپتسمہ یافتہ کی تعداد زیادہ نہیں تھی۔ چنانچہ ۱۶۰۴ء تک آگرہ میں صرف چالیس مرد اسلام کو ترک کرکے مسیحیّت کے حلقہ بگوش ہُوئے تھے۔ اور ۱۶۰۶ء تک اُن کی تعداد ستر تک ہی پہنچی تھی۔ مبلغین نے ہندوستان کو "خارزار زمین" اور اسلام کو "پتھریلی زمین" پایا۔ اُنہوں نے لکھا کہ "مسلمانوں کو یہ منوانا آسان ہے کہ مسیحیّت برحق ہے لیکن ان کو مذہب تبدیل کرنے پر رضا مند کرنا دشوار ہے"۔ مبلغین بھی محتاط ہوکر صرف ایسے اشخاص کو ہی بپتسمہ دیتے تھے جن کی نسبت اُن کو یقین ہوتا کہ وُہ مرتد

Marfat.com

ہو کر واپس نہیں لوٹیں گے، کیونکہ ہم کو کلیسیا کی "عمارت کے لئے ایسے شہتیروں کی ضرورت نہیں جو کرم خوردہ ہوں"۔ وہ ہر ممکن کوشش کرتے تھے کہ مسلمان نو مریدوں کے ایمان کو استقامت اور استحکام ملے تاکہ وہ مستقل مزاجی سے مخالف حالات کا مقابلہ کر سکیں۔

مبلغین مسیحیت کی تبلیغ و اشاعت کے لئے مختلف وسائل استعمال کرتے تھے۔ اس مطلب کے لئے اُن کا سکول اور شفاخانہ بڑا کام دیتا تھا جہاں وہ موقع پاکر خاص و عام کو انجیل کا پیغام دیتے تھے۔ اِن اداروں کے علاوہ وہ شاہراہوں پر اور شخص ملاقاتوں کے موقعوں پر سب کو نجات کی دعوت دیتے تھے۔ بالخصوص عیدوں اور تہواروں کے وقت وہ ہر کہ و مہ کو خداوند کی زندگی کے واقعات سناتے اور انجیل کی بشارت دیتے تھے۔ غربا اور مساکین کے ساتھ خندہ پیشانی سے ملتے۔ اُن کے ساتھ ہمدردی کرتے اور اُن کی شکایات کی طرف حکام کی توجہ منعطف کرنے سے بھی نہ چوکتے تھے۔ چنانچہ پادری اکواویوا کے کہنے سننے سے اکبر نے ستی کی رسم کو ممنوع قرار دیدیا تھا۔ چونکہ اُن کی شاہی دربار تک رسائی تھی اکثر فریادی اُن کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ وہ محتاجوں کی حاجت روائی کرتے اور غریبوں کی دامے درمے مدد کرتے تھے۔ پس ہر خاص و عام اُن کی زندگی سے متاثر ہو کر اُن کی باتوں کو سنتے اور بعض انجیل کے پیغام کو قبول کر لیتے تھے۔ وہ بازاروں اور شاہراہوں میں جلوس نکالتے تھے جن سے نو مریدوں کے دلوں میں جوش اور ولولہ پیدا ہوتا تھا اور غیر مسیحیوں پر اثر پڑتا تھا۔ جنازوں، عیدوں اور تہواروں کے وقت اور بالخصوص عیدِ ولادت کے روز وہ جلوس نکال کر سب کو منجی جہان کی آمد کی بشارت دیتے تھے۔ ایام روزہ میں ہر جمعہ کے روز وہ گرجا کے احاطہ میں صلیب کا جلوس نکالتے تھے۔ نو مریدوں کو کسی عید یا تہوار کے روز علانیہ بپتسمہ دیا جاتا اور وہ کھجوروں کی ٹہنیوں کو ہاتھ میں لے کر جلوس میں نکلتے تھے۔ ایک سال مبارک جمعہ سے قبل جمعرات کے روز جلوس نے لاہور شہر کا چکر لگایا۔ اِس جلوس میں سب سے آگے مصلوب مسیح کی ایک بڑی صلیب تھی جس کے پیچھے بچے لطانیہ (سنگیت کی مناجاتیں) گاتے ہوئے نکلے۔ اُن کے بعد توبہ کرنے والے گنہ گار اپنے گناہوں کے کفارے کے لئے اپنے آپ کو لوہے کی چھڑیوں کے کوڑوں سے مارتے ہوئے جلوس میں نکلے۔ اُسی سال عیدِ قیامت کے عرفہ کی شام کو گرجا کی چھت پر چراغاں کیا گیا۔ آتش بازی چھوڑی گئی اور عیدِ قیامت کے روز سب سبھی اچھے لباس میں ملبوس ہو کر صبح کاذب کے وقت ہاتھوں میں شمعیں لئے ہوئے جلوس میں نکلے۔ تمام شہر اُن کو دیکھنے

Marfat.com

کے لئے نکل آیا۔ جلوس کے آگے ایک بڑی صلیب پھولوں سے آراستہ تھی جس کے پیچھے گرجا کے سرود خوان تھے۔ قسیس اپنے جبوں میں ملبوس گاتے جا رہے تھے۔ اسی طرح عید ولادت کے موقعہ پر وہ گرجا کی قربانگاہ کو سجاتے تھے۔ گرجا میں ایک کونہ ہوتا جس میں بچہ کا ایک پالنا تھا، جس کی زیبائش میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا جاتا تھا۔ بچہ کی مورتی اور گرجا کی آرائش اور تصاویر کو دیکھ کر خاص و عام دنگ رہ جاتے۔ مبلغین خداوند کی آمد کی غرض مسیح کی پیدائش اور رسوم کے مطالب سب کو فارسی اور ہندی زبانوں میں سمجھاتے تھے۔ غیر مسیحی ہزاروں کی تعداد میں کئی دنوں تک آتے رہتے اور منجیٔ جہان کی نجات کا جانفزا پیغام سنتے تھے۔ بادشاہ امرا دروسائے سلطنت اور ہر امیر کبیر تصاویر کا عاشق تھا اور جہاں اچھی تصویر کسی پاتے وہاں ان کا اژدحام جمع ہو جاتا تھا۔ پس مبلغین خوبصورت ترین تصاویر منگواتے اور ان کو گرجا میں رکھتے تھے جس کو دیکھنے کے لئے ایک دنیا ٹوٹ پڑتی تھی۔ مبلغین ان موقعوں کا فائدہ اٹھا کر سب خاص و عام کو نجات کا پیغام سناتے تھے۔ فارسی زبان میں حاصل کر سکے اور مسلمان علما اس کے ساتھ عربی میں ہمکلام ہو سکیں۔ پیٹریارک نے ایک قابل اور عالم آرچ بشپ کو اس مقصد کے لئے دربار اکبری میں روانہ کیا اور اس کے ہاتھ بیش قیمت تحائف کے علاوہ کتاب مقدس کی ایک جلد اور مشرقی فضلائے مسیحیت کی متعدد تصنیفات روانہ کیں۔ جب انجمن عیسوی کے مبلغین کو اس بات کا پتہ چلا تو انہوں نے گوآ کے پروونشل کو اس امر کی اطلاع دی تاکہ اس تجویز کی روک تھام ہو جائے۔ گوآ کے پرتگیزی جہاز تمام بحر عرب اور ساحل ہند کے مالک تھے۔ پرتگیزوں نے آرمنی آرچ بشپ کو ہندوستان کی جانب آنے نہ دیا۔ پس وہ ارمز سے براہ ایران عازم ہندوستان ہوا لیکن راہ میں شہید کر دیا گیا۔ اور اس کی کتابیں لوٹ لی گئیں جو اکبر کی بجائے پادری پن ہیرو کے ہاتھ آگئیں۔ غریب آرچ بشپ نہ تو اکبر کے دربار میں آسکا اور نہ اس کی کتابیں اکبر تک پہنچنے پائیں۔ جیسا ہم آگے چل کر ذکر کریں گے، شمالی ہند کے شہروں میں رومی کلیسیا کے قسیسوں اور مشرق و مغرب کی غیر رومی کلیسیاؤں میں کشمکش شروع ہو گئی تھی۔ یہ کشمکش ایک طویل داستان ہے جو زمانہ حال تک چلی آتی ہے۔ اس کا ایک برا نتیجہ (جو کلیسیائے ہند کے لئے زہر قاتل ثابت ہوا) یہ ہوا کہ مبلغین کی توجہ غیر مسیحی ادیان کے مقلدین سے ہٹ کر اس بات پر مرکوز ہو گئی کہ غیر رومی کلیسیاؤں کے مسیحیوں کو رومی کلیسیا کا حلقہ بگوش کر لیا جائے۔

بہرحال انجمن عیسوی کے مبلغین کی آمد سے مغلیہ سلطنت کے مختلف شہروں میں مسیحی کلیسیائیں

Marfat.com

از سرِ نو منظم ہوگئیں۔ ہم یہاں صرف لاہور اور آگرہ کی کلیسیاؤں کا ذکر کریں گے کیونکہ یہ دونوں شہر اکبر کے پایہ تخت تھے۔ جب انجمن کے مبلغین کی پہلی جماعت آئی تو اکبر فتحپور سیکری میں تھا مبلغین نے اپنے مکان کے ایک کمرہ کو عبادت کے لئے مخصوص کر دیا جہاں اُنہوں نے ۱۵۸۰ء میں عیدِ قیامت اور عیدِ ولادت کی رسوم بڑی تزک و شان سے ادا کیں۔ اکبر کی یہ تجویز تھی کہ فتحپور میں ایک گرجا گھر تعمیر کیا جائے لیکن اس سے پیشتر کہ اس پر عمل ہو سکے مبلغین ۱۵۸۳ء میں گوآ کو واپس لَوٹ گئے تھے اور اس کے دو سال بعد اکبر نے فتحپور سیکری کو چھوڑ دیا، اور لاہور کو اپنا دارالسلطنت بنا لیا۔

کلیسیائے لاہور کا آغاز و قیام

مغلیہ سلطنت کے ایام میں لاہور ایک رفیع الشان شہر تھا۔ بابر سے دہلی جاتے وقت یہاں صرف چار روز قیام کیا تھا، لیکن اکبر نے اس شہر کو چودہ سال تک (از ۱۵۸۴ء تا ۱۵۹۸ء) اپنا پایہ تخت بنایا۔ لاہور کے سامنے شمالی ہند کے دیگر شہروں کی شان و شوکت ماند پڑ گئی۔ اُس کے بیٹے سلیم کی شادی ۱۵۸۴ء میں راجہ بھگوانداس کی بیٹی سے اسی شہر میں ہوئی۔ اکبر کے زمانہ میں لاہور میں نہایت عالی شان عمارات۔ محلات اور باغات وغیرہ تھے اور ہر طرف عظمت و جلالت ٹپکتی تھی۔ ایسا کہ اصفہان کے باشندے شاہانِ صفوی کے زمانہ میں کہا کرتے تھے کہ "اصفہان نصف جہان، اگر لاہور نباشد"۔

مبلّغین کی آمد

انجمنِ عیسوی کے مبلّغین کی تیسری جماعت اس شہر میں ۵ مئی ۱۵۹۵ء میں آئی۔ اکبر نے اُن کا خوش خلقی سے خیر مقدم کیا۔ اُس نے اُن کو انجیل کی تبلیغ و اشاعت کی زبانی اجازت دے دی اور کہا کہ جو شخص تمہارا مذہب اختیار کرنا چاہے اُس کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ ہوگی۔ اُس نے اُن کو گرجا بنانے کے لئے بھی کہا۔ یہ گرجا ستمبر ۱۵۹۷ء میں تیار ہوگیا، جب بادشاہ کشمیر میں تھا اور زیویر اُس کے ساتھ تھا۔ پادری پن ہیرو لاہور میں تھا۔ گرجا کی افتتاحی رسم کے وقت اکبر کی غیر موجودگی میں گورنر آیا اور دو گھنٹہ تک پن ہیرو سے بات چیت کرتا رہا۔ یہ گرجا شاہی محل کے قریب تھا اور ایسا عالی شان تھا کہ غیر مسیحی اس کو دیکھنے کے لئے جوق درجوق آتے تھے۔ مبلّغین بھی برلب دریا قلعہ کے اندر محل کی ایک جانب رہتے تھے۔

مبلّغین نے آتے ہی ہندوستان کی زبانوں کی تحصیل شروع کر دی۔ اُن ایام میں عوام الناس

Marfat.com

کی زبان "ہندوستانی" یعنی ہندی تھی جس میں وہ پرچار کیا کرتے تھے۔ اُنہوں نے عربی کی طرف بہت توجہ نہ دی کیونکہ اُن کے پاس قرآن کے لاطینی اَور پرتگیزی ترجمے تھے۔ یہ لاطینی ترجمہ ۱۱۴۳ء میں ایک انگریز رابرٹ ریٹین (Robert Ratine) نے کیا تھا۔ اِس لاطینی ترجمہ کا اطالوی ترجمہ ۱۵۴۷ء میں ہو گیا تھا لیکن مبلّغین اس کو استعمال نہیں کرتے تھے۔ فارسی درباری زبان تھی اَور اکبر کی ہدایت کے مطابق مبلّغین اُس کو سیکھنے کی سر توڑ کوشش کرتے تھے تاکہ وُہ بادشاہ اَور اُمرا سے بلا واسطہ دیگرے گفتگو کر سکیں، اَور کتابیں لکھ کر مسیحیت کی اشاعت کر سکیں۔ فارسی زبان کو کُچھ عرصہ تک سیکھنے کے بعد زیر تبرلے دُعائے ربانی کا حسب ذیل ترجمہ کیا:-

"اَے پدرِ مایان کہ در آسمان ہستی۔ نام شما پاک است۔ بایں بید بادشاہیٔ تو بشود۔ خواہشِ تو چنانچہ در آسمان و زمین است۔ اَے نوش دہندۂ علی الدّوام۔ قُوّت بدہ بہ مایان امروز۔ بگذار گناہانِ مایان ہمچنان مایان بگذاریم از گناہ کنندگانِ خود ہا۔ و مایان را مبر درمیانِ صعوبت ہا، ونگاہ دار مایان را از بدیٔ عیون۔ زیرا کہ توانائی تُست و قدرِ تُست و بادشاہیٔ تُست تا روزگارِ روزگاران۔ آمین کام"

اس ترجمہ سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ مبلّغین زبان فارسی میں ابھی بہت مہارت نہیں رکھتے تھے۔

بہرحال مُبلّغین نے اُمرا و رؤسائے سلطنت اَور عوام میں انجیل کی تبلیغ آتے ہی شروع کر دی۔ پادری پن ہیرو نے قلیل عرصہ میں "ہندوستانی" میں خاصی مہارت حاصل کر لی۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ مبلّغین نے اپنی آمد کے پانچ ماہ بعد ستمبر ۱۵۹۵ء میں چند اشخاص کو بپتسمے دے دیئے اَور بعض کو زیرِ تعلیم رکھا۔ یہ بپتسمہ یافتگان بڑے گھرانوں کے نہ تھے لیکن اس تبلیغی مشن کے پہلے پھل تھے۔ مُبلّغین حسبِ دستورِ کلیسیا قریب المرگ بچّوں کو بپتسمے دے دیتے تھے تاکہ اُن معصُوموں کی رُوحیں نجات پائیں۔ بعض اپنے بیماروں کو مبلّغین کے پاس لاتے تھے تاکہ بپتسمہ پانے سے اُن کو شفا مِل جائے۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک اچھے گھرانے کا شخص اپنے نوزائیدہ بچّہ کو گرجا میں لے آیا اَور اُس کو قربانگاہ کے نزدیک مسیح کے گہوارہ میں رکھ کر درخواست کی کہ اُس کو بپتسمہ دیا جائے اَور دونوں ماں باپ مسیحی عقائد کی تعلیم حاصل کرنے لگ گئے۔ مبلّغین کی آمد کے دو سال بعد پادری پن ہیرو نے ۲۸ شخصوں کو بپتسمہ دیا۔ شاہزادہ سلیم

Marfat.com

کے طبیب کو بپتسمہ دیا گیا۔ لیکن اس کی تبدیلیٔ مذہب خفیہ رکھی گئی۔ ۱۵۹۷ء میں جب لاہور شہر میں وبا پڑی تو بہت لوگوں کو بپتسمے دیئے گئے۔ ایک سید خاندان کے چشم و چراغ نے مسیحیت کو قبول کر لیا۔ نومریدوں کی زیادہ تعداد غربا پر اور نچلے طبقہ کے لوگوں پر ہی مشتمل تھی۔

۱۵۹۸ء میں عید ولادت کے موقعہ پر ایک ڈراما کیا گیا جو فارسی زبان میں تھا۔ اس موقع پر ہزاروں ہندو اور مسلمان جمع تھے۔ اس ڈراما میں دو مسلمان لڑکوں نے بھی حصّہ لیا اور ہندو لڑکوں نے چرواہوں کا پارٹ ادا کیا۔

۱۵۹۹ء میں عید پنتکوست کے روز تین اچھّے گھرانے کے ہندوؤں نے بپتسمہ پایا۔ یہ رسم علانیہ بڑی شان و شوکت کے ساتھ عمل میں آئی۔ نومرید کھجور کی ٹہنیاں ہاتھ میں لئے مسیحیوں کے ساتھ گلی کوچوں میں سے گذرے۔ اُن پر پھولوں کی بارش ہوئی۔ جلوس باجوں کے ساتھ گرجا پہنچا۔ پن ہیرو قسیسی جبّہ اور عبا پہنے وہاں کھڑا تھا۔ غیر مسیحیوں کا بڑا ہجوم جمع تھا جن کے سامنے بپتسمہ کی رسم عمل میں آئی۔ ہجوم کے لوگ رسم کو دیکھ کر ایسے متاثر ہوئے کہ اُن میں سے ایک پندرہ سالہ مسلمان لڑکی نے پن ہیرو کا وعظ سُننے کے بعد اصرار کیا کہ اُس کو بھی ان تینوں کے ساتھ بپتسمہ دیا جائے۔ چنانچہ اُس کو بھی بپتسمہ دیا گیا۔ جب وہ واپس گھر گئی تو اُس کے والدین نے گالی گلوچ دے کر اُس کو گھر سے نکال دیا۔ پادری پن ہیرو نے اُس کو پناہ دی۔ والدین نے گورنر کے پاس شکایت کی کہ ہماری رضامندی کے بغیر پن ہیرو نے اس کو مسیحیت میں داخل کر لیا ہے۔ گورنر نے لڑکی کو بُلوا بھیجا اور اُس کو بہتیرا سمجھایا کہ اسلام کو ترک نہ کرے لیکن وہ اپنی بات پر اڑی رہی اور ہر سوال کا دلیری سے جواب باصواب دیتی رہی جس کو سُن کر مسلمان دانت پیستے تھے۔ بالآخر گورنر نے اُس کو مسیحی رہنے کی اجازت دے دی، اور اس کو پن ہیرو کے سپرد کر دیا۔ بعد میں اُس کا نکاح ایک اچھے مسیحی کے ساتھ کر دیا۔

اگلے سال ۱۶۰۰ء میں مبلغین نے ایک دفعہ ۳۹ لوگوں کو اور پھر بیس اشخاص کو اور تیسرے موقعہ پر ۴۷ کو بپتسمے دیئے۔ اسی سال ایک سالخوردہ خاتون نے پادری پن ہیرو کو بُلا کر بپتسمہ پایا تاکہ اُس کا شمار نجات یافتوں میں ہو جائے۔ تین ہندو عورتیں بھی انجیل کا نجات بخش پیغام سُن کر بتوں کو ترک کر کے مُنجّی کے قدموں میں اپنے خاندانوں سمیت آگئیں۔ ایک صوفی شیخ کا بیٹا جو اپنے بھائی کے مسیحی ہونے پر آگ بگولا ہو کر اُس کی جان لینے کے درپے ہو گیا تھا خود تائب ہو کر مُنجّی کے قدموں میں آگیا۔ وہ مکہ سے تعلیم حاصل کر کے لوٹا تھا۔ اُس نے پادری

Marfat.com

پن ہیرو کو چیلنج دیا کہ وہ مسیحیت کو برحق ثابت کرے۔ مناظرہ کے بعد اُس نے بھی اسلام کو چھوڑ دیا۔ اُس نے بپتسمہ پانے کے بعد اپنے باپ کو کہا کہ اب مجھے حقیقی اطمینان حاصل ہو گیا ہے۔ پن ہیرو نے اُس کو مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے زیویئر کے پاس بھیج دیا۔ انہی ایام میں چغتائی نسل کی ایک خاتون اور اُس کی بیٹی نے بپتسمہ حاصل کیا۔ گو مسلمانوں نے اُن کو بہت سمجھایا اور لعن طعن بھی کی لیکن یہ نجات کے طالب نہ مانے۔ ایک اور شریف مسلمان معہ اپنی بیوی اور پانچ بچوں کے منجئ جہان کے قدموں میں آ گیا۔ ہندوؤں کی ایک اچھی خاصی تعداد گرجا میں مسیحی عبادت کی رسوم اور مبلغین کے وعظ سننے کے لئے آتی تھی۔ اُن میں سے ایک برہمن پجاری بُت پرستی سے توبہ کر کے مسیحیت کا حلقہ بگوش ہو گیا اور اُس نے اپنے تمام بُت لا کر پن ہیرو کے قدموں میں رکھ دیئے۔

ان ایام میں پادری کورسی (Corsi) پادری پن ہیرو کی مدد کے لئے لاہور بھیجا گیا تھا۔ وہ سنہ ۱۶۰۰ء کے آخر میں لاہور پہنچ گیا۔ چونکہ بپتسمہ یافتوں کو طرح طرح کی ایذاؤں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا اور ہر وقت یہ خدشہ رہتا تھا کہ وہ اپنے ایمان سے رُوگرداں نہ ہو جائیں پس اُن لوگوں کو جو مسیحی ہونا چاہتے تھے ایک مدت تک زیرِ تعلیم رکھا جاتا تھا۔ اُن میں ایک ہندو جوان تھا جس کی ماں اُس کو سورج کی پوجا کرنے پر مجبور کرتی تھی۔ لیکن وہ مسیحی تعلیم کو بہتر سمجھ کر ایسا کرنے سے انکار کرتا تھا۔ ایک اور جوان کا باپ اُس کو بُتوں کی پوجا کرنے کے لئے کہتا تھا لیکن وہ جواب دیتا تھا کہ میں یہ گناہ کبھی نہ کروں گا۔ ایک اور جوان برہمن کو جو عیسائی ہو گیا تھا ہر طرح سے ستایا اور عذاب دیا گیا۔ لیکن باپ کے اس تمام ستم کے جواب میں وہ اپنے والدین کو دعائے خیر ہی دیتا رہا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ باپ خود مسیحیت کا خیر خواہ ہو گیا۔ جب کبھی کوئی ہندو بالخصوص برہمن مسیحی ہو جاتا تو تمام لوگ اُس کے دشمن جان ہو جاتے۔ اُس کے والدین اس کو زدوکوب کرتے اور طرح طرح کی عقوبتیں دے کر اس کو مجبور کرنا چاہتے کہ وہ مسیحیت کو چھوڑ کر پھر بُتوں کی پوجا کرے۔

ایک برہمن نو مرید کا واقعہ ایک جوان برہمن پروہت بلدیو نام جو لاہور کا مشہور پنڈت تھا مبلغین سے مسیحی تعلیم حاصل کرنے لگا۔ جب اُس کے والدین اور رشتہ داروں کو پتہ چلا تو وہ اُس کو رات دن لعن طعن کرنے لگے اور ہر وقت اُس کو ایسا تنگ کرتے رہے کہ اُس کا ناک میں دم آ گیا۔ بلدیو نے تنگ آ کر گھر بار،

Marfat.com

بیوی اَور والدین کو چھوڑ دیا۔ بیوی نے کہا کہ اگر تم مسیحی ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تو مَیں بھی تمہارے ساتھ مسیحی ہو جاتی ہُوں۔ بیوی کے خُسر نے اُس کو کہا کہ تُو اپنے خاوند سے کہہ کہ اگر تم مسیحی ہو جاؤ گے تو مَیں ستی ہو کر مر جاؤں گی۔ لیکن اُس نے ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اُس کے خُسر نے اُس کو ایک کمرے میں مقفّل کر کے اُس پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا۔ چند روز کے بعد وُہ موقعہ پاکر اپنے خاوند کے ساتھ بھاگ کر مُبلّغین کے پاس آ گئی۔ جہاں سے ماں اُن کو حیلہ سازی کر کے واپس گھر لے گئی اَور اُن کو زہر دینا چاہا۔ بلدیو کو پتہ لگ گیا تو اُس نے کھانا پینا چھوڑ دیا اَور موقعہ پاکر مبلّغین کے پاس بھاگ آیا۔ اِس پر باپ نے شور مچا دیا کہ مبلّغین میرے بیٹے کو اغوا کر کے زبردستی عیسائی بنانا چاہتے ہیں۔ بلدیو باہر نکل آیا تاکہ وُہ سب کو علانیہ کہہ دے کہ مَیں برضا و رغبتِ خود مسیحی ہونا چاہتا ہُوں۔ لیکن اس سے پہلے کہ وُہ کچھ بول سکے۔ بِھیڑ نے اُس کو پکڑ لیا۔ اُس کی باپ کے ساتھ ہاتھا پائی ہو گئی اَور اگر قسیس مداخلت نہ کرتا، تو کُشت وخُون کی نوبت آ جاتی۔ ماں نے یہ حال دیکھ کر اپنے دو سالہ پوتے کو زور سے زمین پر دے مارا اَور چلا اُٹھی کہ پادری نے میرے لال کو مار ڈالا ہے لیکن بچّہ سلامت رہا اور معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ اس کے چند روز بعد لاہور کے معزّز ہندو اُس کو سمجھانے آئے لیکن سب کے سامنے اُس نے اپنا جنیو اُتار پھینکا اَور اپنی چُٹیا کاٹ ڈالی۔ معاملہ طول پکڑتا گیا اَور آخر صدرِ جہاں مفتی تک پہنچا۔ اُس کی عدالت میں مُبلّغین پر الزام لگائے گئے کہ وُہ بچّوں کو اغوا کر کے چوری چھپی گوآ بھیج دیتے ہیں اَور لوگوں پر جادُو منتر پڑھ کر اُن کو اپنے مذہبوں سے برگشتہ کر دیتے ہیں۔ کوتوال نے مبلّغین کو کہا کہ نواب صاحب نے بلدیو کو بلوا بھیجا ہے۔ جب وُہ عدالت میں گیا تو صدرِ جہان نے اُس سے اُس کے مذہب کی نسبت سوال کیا۔ اُس نے دلیرانہ جواب دیا کہ مَیں پہلے ہندو پروہت تھا اَور بُتوں کا پجاری تھا لیکن اب خُدا نے میری آنکھیں کھول دی ہیں اَور مَیں خُدا کے فضل سے مسیحی ہُوں۔ اس کی بیوی نے بھی یہی جواب دیا کہ وُہ مسیحی ہے اَور اسی دین میں مرے گی۔ اس پر صدرِ جہان نے یہ فیصلہ دیا کہ بلدیو اَور اُس کی بیوی دونوں بالغ ہیں اَور اُنہوں نے برضا و رغبتِ خود مسیحیت کو اختیار کیا ہے، اَور کوتوال کو کہا کہ اِن دونوں کی حفاظت کرو تاکہ اُن کا نقصانِ جان ہونے نہ پائے۔ اُس نے ہندوؤں کو کہا کہ تم خواہ مخواہ فساد کرتے پھرتے ہو۔ کوتوال اُن کو ہندوؤں کے گروُ کے پاس لے گیا۔ راستہ میں ایک بے پناہ ہجوم نے اُن کی گالی گلوچ اَور ہر قسم کی بے عزّتی سے تواضع کی بعض

Marfat.com

نے لاتوں اَور مُکّوں سے اُن کی خبر لی ۔ ہجوم اِس قدر تھا کہ کوتوال اُن کی حفاظت نہ کرسکا ۔ لیکن جوان نومرید ان باتوں کو خاطر میں بھی نہ لایا اَور اپنے گروہ سے دلیرانہ مناظرہ کرتا رہا ۔ بالآخر اُس نے کہا کہ اگر تُم اپنے خیال سے باز آجاؤ تو مَیں تُم کو پانچہزار روپیہ دُوں گا تاکہ تُم گنگا میں جاکر نہا آؤ اَور تُمہارا پاپ دُھل جائے ۔ جوان نے روپوں کا نام سُن کر زمین پر تھوک دِیا اَور کہا کہ خُداوند نے فرمایا ہَے کہ انسان اگر ساری دُنیا کو حاصل کرے اَور اپنی رُوح کا نقصان اُٹھائے تو اُسے کیا فائدہ ہوگا اَور انسان اپنی جان کے بدلے کیا دے سکتا ہَے؟ مُجھے مسیحی ہوکر ایک دمڑی کمانا منظُور ہَے لیکن تُم سے لاکھوں روپیہ لینا منظُور نہیں ۔ گوُرو نے غضبناک ہوکر کہا کہ ہم تُم کو جان سے مار ڈالیں گے ۔ اُس نے بلند آواز سے کہا کہ مَیں مرنے کو تیار ہُوں ۔ جب کوئی ہندو مُسلمان ہو جاتا ہَے تو تُم اُس کو کُچھ نہیں کہہ سکتے لیکن جب وُہ عیسائی ہونا چاہتا ہَے تو تُم اُس کی جان کے درپے ہوجاتے ہو ۔ اس پر کوتوال اُس کو اپنے گھر لے گیا جہاں سے وُہ قاضی کی عدالت میں پیش کیا گیا ۔ وہاں اُس نے تمام زروجائداد سے دستبرداری لکھ کر دیدی اَور وُہ اَور اُس کی بیوی مُبلّغین کے پاس رہنے لگے ۔ صدرِ جہان نے دستبرداری کا حال سُن کر اُس کو بُلایا اَور کہا تُم نے خُوب کیا جو تُم نے بُت پرستی کو ترک کر دیا اَور مسیحیت کو قبُول کر لیا ہَے ۔ تُم نے دین کو دُنیا پر ترجیح دی ہَے ۔ خُدا تُم کو جزائے خیر دے ۔ یہ ۱۶۰۲ء کا واقعہ ہَے ۔

ہم نے مذکورہ بالا واقعہ کو ذرا طوالت سے لکھا ہَے تاکہ اِس ایک مثال سے ناظرین اُن مُصائب کا اندازہ کر سکیں جو ہر طالبِ حق کو اُٹھانی پڑیں ۔ ہر چھوٹی بڑی ذات کے نومریدوں کو مشکلات کا مقابلہ کرنا پڑتا تھا ۔ اگرچہ سب کو معلُوم تھا کہ بادشاہ نے حکم دے رکھا ہَے کہ ہر شخص برضا و رغبت خُود مسیحی ہو سکتا ہَے ۔ اَور کہ مبلّغین شہر کے کوچوں بازاروں اَور شارع عام پر مسیحیت کا پرچار کر سکتے ہیں ۔ مبلّغین تو بعض اوقات جمعہ کے روز مساجد میں جاکر انجیل کا پیغام دے آتے تھے ۔ چُونکہ نومریدوں کو برادری سے خارج اَور ورثہ سے محروم کر دیا جاتا تھا پس مُبلّغین کو اُن کی خُورد و نوش کا انتظام کرنا پڑتا تھا ۔ نومرید اپنے لباس کی وضع وُہی رکھتے تھے جب وُہ ہندو تھے ۔ نومریدوں کی زیادہ تعداد ہندوؤں کی تھی ۔ اگرچہ جیسا ہم اُوپر لکھ آئے ہیں مسلمان مرد اَور عورتیں بھی مسیحیت کی حلقہ بگوش ہوجاتی تھیں لیکن عام طَور پر مبلّغین نے اُن کو "پتھریلی زمین" ہی پایا ۔ رُومی کلیسیا کی تصویر پرستی ۔ بُت پرستی اَور عبادت کی رسُوم مسلمانوں کی راہ میں سنگِ گراں تھیں ۔ وُہ جو ماہِ رمضان میں صوم و صلوٰۃ کے سخت پابند تھے مسیحیوں کے ایّام روزہ کی آسانیوں پر ہنس دیتے تھے اَور کہتے

Marfat.com

تھے کہ یہ بھی کوئی روزہ ہے۔

یہ ایک ناممکن امر تھا کہ مبلغین ہندوؤں اور مسلمانوں کے نچلے یا اعلیٰ طبقوں کے لوگوں کو مسیحیت کا حلقہ بگوش کر لیتے اور فساد برپا نہ ہوتے اور مبلغین کی اور نو مریدوں کی شامت نہ آتی۔ وہ جس گلی کوچہ میں سے گذرتے اُن پر اینٹوں اور پتھروں کی بارش ہوتی اور طرح طرح کی تکلیفوں اور اذیتوں سے اُن پر عرصۂ حیات تنگ کیا جاتا تھا جب کبھی مبلغین ہندوؤں کو ستی کی قبیح رسم اور نوزائیدہ بچوں کو مار ڈالنے اور اُن کی بداخلاقیوں کی وجہ سے ملامت کرتے تو وہ اُن پر اور نو مریدوں پر ٹوٹ پڑتے اور مبلغین کے خلاف الزام تراش کر کہتے کہ وہ بچوں کو پکڑ لیتے ہیں اور اُن کو خوب کھلا کر موٹا کر کے فرنگیوں کے ہاتھ غلام بنا کر بیچ دیتے ہیں۔ اُنھوں نے افواہیں اُڑا دیں کہ مبلغین جادو کر کے مردوں اور عورتوں کو اغوا کر کے اُن کو ذبح کرتے ہیں اور اُن کا گوشت کھاتے ہیں۔ ان افواہوں سے عوام برافروختہ ہو جاتے تھے۔ ایک دفعہ اُن کے کھانے میں دھتورہ ڈالا گیا جس کو کھا کر پادری پن ہیرو اور چند نو مرید بے ہوش ہو گئے۔ اُن کا تمام مال و اسباب لوٹ لیا گیا۔ یہ مشہور ہو گیا کہ پادری مر گیا ہے۔ لیکن وہ نیم جان ہو کر بچ گیا۔ ایک اور دفعہ پادری پن ہیرو گرجا میں عبداللہ خاں اُزبک والی ماوراءالنہر کے پوتے کے سامنے ابنیتِ مسیح پر تقریر کر رہا تھا۔ خدام میں سے ایک نے جوش میں آکر تلوار کھینچ لی اور وار کیا لیکن پن ہیرو بال بال بچ گیا۔

حسنِ اتفاق سے ایسا ہوا کہ جب اکبر ۱۵۹۸ء میں دکن کی مہم پر لاہور سے روانہ ہو گیا تو خواجہ شمس الدین لاہور کا گورنر ہوا جو مبلغین کی عزت و احترام کرتا تھا۔ اُس کے زمانہ میں پادری پن ہیرو کا دربار میں بڑا رسوخ تھا۔ چنانچہ اُس کی سفارش پر وہ ایسے قیدیوں کو رہا کر دیا کرتا تھا جن کو سزائے موت دی جاتی تھی۔ مجرم اکثر گرجا میں جا پناہ لیتے تھے۔ بعض اوقات وہ اُمرا کے باہمی کشیدہ تعلقات میں ثالث ہو کر اُن کے جھگڑوں کا تصفیہ بھی کر دیتا تھا۔ تمام عیسائی ملزم اُس کے پاس بھیجے جاتے تھے تاکہ وہ اُن کے مقدمات کا فیصلہ کرے۔

جب خواجہ شمس الدین مر گیا تو زین خان کوکہ لاہور کا گورنر مقرر ہوا۔ وہ بھی مبلغین کا بڑا خیر خواہ تھا۔ اُس کے تقرر کے بعد مبلغین پر لوگوں نے طرح طرح کے الزام تراشے۔ ایک دفعہ وہ گرجا پر چڑھ آئے تاکہ اُسے مسمار کر دیں، لیکن گورنر اور شہر کے کوتوال نے ان فسادیوں کو سختی سے دبا دیا اور اُن کو قید کر دیا۔ جب پن ہیرو کو دھتورہ کا زہر دیا گیا تو کوتوال

Marfat.com

خود اُس کی مدد کو پہنچا اور گورنر نے ہمدردی کا پیغام بھیجا۔ گورنر اور اعیانِ سلطنت عید ولادت اور عیدِ قیامت کے روز گرجا میں آتے اور عید کی مبارکبادی کے پیغام بھیجتے تھے۔ ان گورنروں کے عہد میں مبلّغین کو دربار میں بڑا رسوخ حاصل تھا۔

تیسرا گورنر قلیج خان ۱۶۰۱ء میں پنجاب اور کابل کا گورنر مقرر ہوا۔ وہ بڑا شجاع تھا۔ (ترکی میں لفظ "قلیج" کے معنی تلوار ہے) ۱۵۸۱ء میں وہ دکن میں پرتگیزوں کے خلاف جنگ میں زخمی ہوا۔ تب سے وہ پرتگیزوں اور عیسائیوں کا جانی دشمن ہو گیا۔ وہ ایک عالم شخص تھا اور متعصب سُنّی مسلمان تھا۔ چونکہ وہ اکبر اور سلیم (جہانگیر) کی باہمی آویزش میں شاہزادہ کے خلاف تھا اور بغاوت کے فرو کرنے میں بڑا مددگار ثابت ہوا تھا۔ وہ اکبر کو بہت عزیز تھا اور امورِ سلطنت میں اُس کو بڑا دخل ہو گیا تھا۔ جب وہ گورنر ہوا تو شہر کے ہندوؤں اور مسلمانوں نے مبلّغین کے خلاف پھر شکایات کا دفتر کھول دیا کیونکہ متعدد ہندوؤں اور چند ایک مسلمانوں نے مسیحیت کو قبول کر لیا تھا۔ جب مبلّغین اُس کی ملاقات کو گئے، تو اثنائے گفتگو میں اُنہوں نے الوہیتِ مسیح اور ابنیّتِ مسیح پر بحث شروع کر دی۔ گورنر نے بہتیرا ٹالا لیکن وہ ان مسائل کے لئے دلائل لاتے گئے۔ تب گورنر نے غضبناک ہو کر اُن کو قتل کی دھمکی دی۔ مبلّغین نے جواب دیا کہ وہ شہادت کے تاج کے خواہاں ہیں۔ اِس پر گورنر نے اُن کو کہا کہ خبردار جو تم نے اعلانیہ انجیل کی تبلیغ کی یا اسلام کی توہین کی۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ ہم بادشاہ کی اجازت سے تبلیغ کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے اور لوگوں کو مسیحیت کا حلقہ بگوش کریں گے۔ یہ کہہ کر وہ گورنر سے رخصت ہوئے۔ جب ہندوؤں کو اس بات کا پتہ لگا تو اُنہوں نے سازش کر کے مبلّغین کے خلاف الزامات لگائے اور درخواست کی کہ اُن کو مکان سے نکال دیا جائے۔ گورنر نے ایسا کرنے کا حکم صادر کر دیا۔ جب مبلّغین نے کہا کہ یہ مکان ہم کو اور نومریدوں کو اکبر کی طرف سے ملے ہیں تو اُس نے درشتی سے کہا کہ پانچ دنوں کے اندر مکانات کو خالی کر دیا جائے۔ مبلّغین نے اُس کے حکم کی تعمیل کر دی۔ گورنر نے ہندوؤں سے وعدہ کیا کہ وہ ۱۵ ستمبر ۱۶۰۴ء کے روز مبلّغین کو شہر بدر کر دے گا اور نومریدوں کی عورتوں اور بچوں کو قید کر دے گا تاکہ وہ واپس اسلام اور ہندو مذہب میں لوٹ آئیں۔ لیکن کوتوال نے اِس سازش کی اطلاع مبلّغین کو دے کر کہا کہ تم نومریدوں کو مختلف مکانوں میں چھپا دو۔ نومریدوں نے کہا کہ ہم شہید ہو جائیں گے لیکن اپنے منجی کا انکار نہیں کریں گے۔ ایک ہندو

Marfat.com

جو بپتسمہ کا خواہاں تھا کہنے لگا کہ میں ضرور بپتسمہ حاصل کر کے عیسائی ہو جاؤں گا۔ جب بادشاہ نے ہم کو اجازت دے رکھی ہے تو ہم کو دُنیا کی کوئی طاقت مسیحی ہونے سے نہیں روک سکتی۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اُسی روز (۱۵ ستمبر) اُن کو خبر ملی کہ کابل کی سرحد پر باغیوں نے سر اُٹھایا ہے اور گورنر اُن کی سرکوبی کے لئے چلا گیا ہے۔ یوں مبلّغین اور نو مرید سب اُس کی زد سے بچ گئے۔ مبلّغین نے آگرہ لکھ کر پادری نرویئر کو اس امر کی اطلاع دی۔ بادشاہ نے حکم لکھ بھیجا کہ مبلّغین کو مکانات واپس دے دیئے جائیں اور مسیحیوں کو ہراساں نہ کیا جائے۔ گورنر کی غیر حاضری میں اُس کا بیٹا چین قلیچ قائم مقام گورنر تھا۔ اُس نے بادشاہی حکم کے مطابق مبلّغین اور نو مریدوں کی دلجوئی کی اور خود آگرہ جا آئے جانے لگ گیا جن ہندوؤں نے اِس فتنہ کو اُٹھایا تھا اُن کو تنبیہ کر دیا گیا۔ جب قلیچ خان واپس لوٹا تو اُس نے بھی مبلّغین اور مسیحیت کی علانیہ مخالفت ترک کر دی لیکن وہ درپردہ مسیحیت کی اشاعت و تبلیغ کا مخالف ہی رہا۔ اُس کی مخالفت کی وجہ سے ۱۶۰۴ء اور ۱۶۰۵ء میں کسی غیر مسیحی نے بپتسمہ نہ پایا۔ لاہور کی کلیسیا کے لئے یہ زمانہ پُر آشوب تھا۔ مسیحیوں کو ہمیشہ گرفتاری جلا وطنی، اور موت کا خدشہ دامنگیر رہتا تھا۔

آرمنی مسیحی ہم سطورِ بالا میں بتلا چکے ہیں کہ مغلیہ سلطنت کے شہروں میں مشرقی کلیسیاؤں کے شرکاء اچھّی خاصی تعداد میں رہتے تھے۔ ان میں زیادہ تعداد آرمینی مسیحیوں کی تھی جو بڑے ہمت والے قسمت آزما منچلے لوگ تھے۔ ان میں سے اکثر تجارت پیشہ تھے۔ بعض بڑے جاگیردار تھے اور بعض سلطنت کے ملازم تھے۔ وہ رُومی کلیسیا کے شرکاء نہ تھے لیکن ان کے اپنے بشپ اور قسیس مغلیہ سلطنت کے شہروں میں موجود نہ تھے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی پاسبانی کرنے والا کوئی نہ تھا۔ وہ مسیحی تو تھے لیکن ان کے بپتسمے نہ ہوتے تھے۔ وہ نکاح کے بغیر عورتوں کو اپنے گھروں میں ڈال لیتے تھے اور اردگرد کے حالات سے ایسے متاثر ہو گئے تھے کہ اُن میں اور اُن کے اِردگرد کے رہنے والے ہندوؤں اور مسلمانوں کے اخلاق و کردار میں کوئی فرق نہ رہا تھا۔ لاہور کے شہر میں متعدد آرمینی ایسے تھے جو انجیل کے احکام کے خلاف زندگیاں بسر کرتے تھے۔ انجمنِ عیسوی کے مبلّغین نے ان کی طرف خاص توجہ دی اور ہر ممکن طور پر ان پر دباؤ ڈالا کہ وہ رُومی کلیسیا میں داخل ہو جائیں۔ اس بات میں وہ بڑی حد تک کامیاب بھی ہو گئے۔

Marfat.com

اُنھوں نے لاہور کے آرمینی مسیحیوں میں سے چند سربرآوردہ ہستیوں کو اپنی کلیسیا میں شامل بھی کر لیا۔ ان میں ایک آرمینی مسیحی اسحاق اور سکندر کی بیٹی خاص طور پر ذکر کے قابل ہیں، اسحاق ۱۶۰۳ء میں گوئیس کے ساتھ چین کی جانب گیا تھا۔ ایک اور شخص خواجہ مارٹروس (Martyros) امیر کبیر تھا جو ہندوستان سے رُوم کو گیا اور جب قریب المرگ ہُوا تو اُس نے پادری زیویئیر سے درخواست کی کہ اُس کی قبر کا کتبہ لکھے۔ ۱۶۰۴ء میں لاہور کے گورنر قلیج خان نے شراب بنانے کے جُرم میں آرمینیوں کو ماخوذ کر لیا۔ پادری پن ہیرو نے ان کی سفارش کی اور اُنھوں نے یہ پیشہ ترک کر دیا۔ لاہور کا ایک آرمینی مسیحی قتل کے جرم میں پکڑا گیا۔ گورنر نے حکم دیا کہ یا وُہ اسلام قبُول کرلے اور یا اُس کا دہنا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ اُس نے منتخی کا انکار نہ کیا پس اُس کا ہاتھ کاٹ ڈالا گیا۔ مُبلّغین نے اُس کی اور اُس کے خاندان کی نگہداشت کی۔ جب لاہور کے گورنر کا عتاب مُبلّغین اور عیسائیوں پر ۱۶۱۰ء میں نازل ہُوا تو شہر کے ۶۳ آرمینی مسیحی شہادت سے بچنے کی خاطر شہر سے بھاگ گئے۔ مُبلّغین نے اُن کو بہتیرا روکا لیکن اُنھوں نے ایک نہ سُنی۔

یہ ارمنی تاجر سیدھے آرمینیا سے ہندوستان آئے تھے، اور بعد کے زمانہ میں قلعہ کے قریب رہتے تھے، لیکن احمد شاہ ابدالی کے حملوں کے بعد نہ صرف ان ارمنی مسیحیوں کا بلکہ اُن کے گرجا کا (جو لاہور میں تھا) اور اُن کے قبرستان تک کا نام ونشان مِٹ گیا۔ اب اُن کی ہستی کی یادگار چار لَوحیں رہ گئی ہیں جو لاہور کے عجائب گھر میں محفُوظ ہیں۔ ان قبرستان کی الواح میں سے ایک پر ۱۶۰۱ء سنِ عیسوی لکھا ہے۔ ان کا ایک اور نشان "زمزمہ" نام ایک توپ ہے جو ارمنی مسیحی شاہ نظر خان نے احمد شاہ دُرانی کے زمانہ میں بنائی تھی۔ یہ توپ لاہور کے عجائب خانہ کے سامنے رکھی ہے۔ اس توپ کے دہانہ پر یہ فارسی کتبہ کندہ ہے ندیا مرؤ یہ دوران شاہ ولی خاں وزیر ساخت توپ زمزمہ نام قلعہ گیر۔ عملِ شاہ نظر خان۔ اور پُشت کی جانب لکھا ہے کہ شہنشاہ فریدوں جاہ .... احمد شاہ کے حکم سے وزیر اعظم شاہ ولی خان نے شاہ نظر خان سے یہ عجوبہ روزگار توپ بنوائی۔ یہ توپ تانبہ اور پیتل کے اُن برتنوں سے بنوائی گئی جو لاہور کے ہندوؤں سے بطور جزیہ جبراً وصُول کئے گئے تھے۔ توپ طول میں ۱۴½ فٹ اور دہانہ ۹½ انچ ہے۔ احمد شاہ دُرانی نے ۱۷۶۱ء میں پانی پت کی لڑائی میں اِس کو استعمال کیا اور وطن واپس جاتے وقت اس کو لاہور کے گورنر خواجہ عبید کی

Marfat.com

تحویل میں چھوڑ گیا۔ بعد کے زمانہ میں یہ توپ بھنگی مسل کے سکھ سرداروں کے قبضہ میں آگئی جس کی وجہ سے اس کو "بھنگیاں والی" توپ کہا جاتا ہے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اس کو ۱۸۱۸ء میں محاصرۂ ملتان میں استعمال کیا تھا۔

شاہ نظر خان نے اس توپ کے علاوہ آگرہ میں اور توپیں بھی ڈھالیں۔ بالآخر وہ آگرہ میں فوت ہوگیا۔ چنانچہ آگرہ کے پرانے ۱۶۱۱ء کے ارمنی قبرستان میں ایک قبر پر ذیل کا کتبہ ہے۔ "شاہ نظر خان آنکہ نامش شہرۂ آفاق بود و صنعتش در توپ ریزی عزت لقمان فزود۔ چونکہ اورا با مسیحا حسنِ اعتقاد بود در بہر سجودش درجانب چرخ کبود رفتہ۔ ہاتفِ غیب از سرِ حسرت پئے او گفت "پابوسی جناب حضرت عیسیٰ نمود" (۱۶۸۴ء)۔

سترھویں صدی میں لاہور شہر میں آرمینی مسیحوں کے علاوہ یونانی۔ کلدی۔ شامی، اور نسطوری وغیرہ کلیسیاؤں کے مسیحی بھی رہتے تھے۔ ۱۵۹۷ء میں مبلّغین نے سفارش کر کے ایک نسطوری مسیحی کی جان بچائی جس کو موت کی سزا کا حکم سنایا گیا تھا۔ ۱۶۰۲ء میں انہوں نے شاہ ایران کے سفیر منوچہر بیگ کے دو بیٹوں کو بپتسمہ دیا۔ یہ سفیر جارجیا کا رہنے والا تھا۔ اور گریک آرتھوڈوکس کلیسیا سے متعلق تھا۔ جب کبھی کسی کلیسیا کا کوئی مسیحی فوت ہوجاتا تو مبلّغین اس کا جنازہ بڑی دھوم دھام سے اٹھاتے اور اس کو قبرستان میں دفن کرتے تھے۔

کلیسیائے آگرہ کا آغاز و قیام

جب ۱۵۵۶ء میں پانی پت کی جنگ میں ہیموں بقال کو شکست نصیب ہوئی تو اس کے بعد ہی آگرہ اکبر کے ہاتھ آگیا۔ اور جب وہ دکن کی مہم پر لاہور سے روانہ ہوا تو آگرہ آیا اور وہاں سے دکن کی جانب گیا۔ فتح کے بعد اس نے آگرہ میں ہی قیام رکھا۔ اس کے ساتھ انجمنِ عیسوی کا مبلّغ زیویئر تھا۔ لاہور سے پن ہیرو پادری کورسی کو وہیں چھوڑ کر آگرہ آگیا۔ پادری مچادو اور گوئیس بھی آگرہ پہنچ گئے تھے۔

دکن کی فتح میں اکبر لے بہت سے پرتگیز قید کر لئے تھے جن میں سے وہ اکثر قیدیوں کو رنتھمبور چھوڑ آیا اور چند ایک کو اپنے ساتھ آگرہ لے آیا۔ جب ۱۶۰۲ء میں ایام روزہ آئے تو مبلّغین نے بادشاہ سے اجازت مانگی کہ وہ رنتھمبور جا کر قیدیوں کی تعلیم و تربیت کا انتظام کریں۔ اکبر نے یہ اجازت دینے کی بجائے تمام رنتھمبور کے قیدیوں کو آگرہ منگوا دیا۔ ان میں قسطنطنیہ کے پانچ مسیحی بھی قید تھے۔ ان سب کو مبلّغین کے حوالے کر دیا گیا جنہوں نے

Marfat.com

ان کو مسیحی عقائد کی تعلیم دی۔ ایک آرمینی مسیحی، قیدیوں کے بیوی بچوں کے قرضے ادا کر کے اُن کو بھی آگرہ لے آیا۔ بچوں کو بپتسمے دیئے گئے۔ ان بے نکاحی عورتوں کے نکاح پڑھ دیئے گئے اور تمام قیدی مردوں عورتوں اور بچوں کی دینی تعلیم کا باقاعدہ انتظام کر دیا گیا۔ اسی سال پرتگیزوں کے دو جہاز خلیج کھمبایت میں پکڑے گئے اور ستّر پرتگیز قید ہو کر آگرہ آئے۔ یہ بھی پادری زیویئر کی تحویل میں دے دیئے گئے اور ایک سال کے بعد مبلّغین کی سفارش پر رہا کر دیئے گئے۔ اس تمام عرصہ میں مبلّغین ان کی خورد و نوش اور دیگر اخراجات کے ذمّہ دار رہے۔ زیویئر نے بادشاہ سے کہا کہ حضور نے پچاس پرتگیزوں کو رہا کر کے پچاس ہزار پرتگیزوں کو اپنا گرویدۂ احسان کر لیا ہے۔

آگرہ میں اکبر بعض اوقات مسلمان عُلما کو بُلوا کر اُن سے مبلّغین کا مناظرہ کرواتا تھا۔ اَب زیویئر اِس قابل ہو گیا تھا کہ فارسی میں آزادانہ کلام کر سکے۔ بادشاہ اُس کے دلائل کو بڑے غور سے سُنتا جو زیویئر نے بعد میں اپنی کتاب میں لکھے ہیں۔ لیکن اکبر اُلوہیت مسیح اور تثلیث کے عقیدوں پر ہمیشہ اعتراض کرتا تھا۔ ان ایام میں زیویئر نے فارسی میں خداوند مسیح کی زندگی معجزات اور تعلیم پر ایک کتاب لکھی اور اُس کو اکبر کے سامنے پیش کیا جو اُس نے خندہ پیشانی سے قبول کی۔ لیکن اکبر اب اپنا دینِ الٰہی رائج کر چکا تھا اور اُس کو عُلما اور فضلا کے مباحثوں سے پہلی سی دلچسپی نہ رہی تھی۔ ہم انشاءاللہ آگے چل کر زیویئر کی کُتب کا مفصل بیان کریں گے۔

آگرہ کے گرجے بدایونی لکھتا ہے کہ ۱۵۹۴ء میں اکبر نے حکم جاری کیا کہ غیر مسلموں کو گرجے عبادت خانے۔ مندر وغیرہ بنانے کی اجازت ہے۔ آگرہ کی قدیم تاریخی دستاویزوں میں جو رُومی کلیسیا کے قبضہ میں ہیں اکبر کا ایک فرمان ہے جس کی رُو سے ۱۵۹۹ء میں آگرہ میں پہلے پہل ایک چھوٹا سا گرجا بنایا گیا لیکن وہ اتنا چھوٹا تھا کہ آگرہ کی بڑھتی ہوئی کلیسیا کے لئے ناکافی ثابت ہُوا۔ جب شاہزادہ سلیم نے یہ صُورتِ حال دیکھی تو اُس کے دل میں خواہش پیدا ہُوئی کہ جس طرح اُس کے باپ اکبر نے لاہور میں ایک عالیشان گرجا بنوایا ہے وہ بھی آگرہ میں ویسا ہی گرجا بنوا دے۔ اُس نے اکبر سے اجازت مانگی اور گرجا کے لئے زمین کی درخواست کی۔ اکبر نے خُوشی سے زمین عطا کر دی۔ اور شاہزادہ نے گرجا کے لئے چار ہزار روپیہ دیئے۔ گرجا کی عمارت کا بُنیادی پتھر ستمبر ۱۶۰۴ء میں اکبر کی وفات سے ایک سال قبل رکھا گیا اور اس پر گیارہ بارہ ہزار روپے لاگت آئی جس کا بیشتر حصّہ آرمینی مسیحی خواجہ مارٹرس نے دیا تھا۔ یہ نہایت

Marfat.com

خوبصورت اور عالی شان گرجا تھا جس کے مینارہ پر ایک بلند رفیع الشان صلیب نصب تھی، جو دور دور سے نظر آتی تھی۔ عوام اس کو "اکبر بادشاہ کا گرجا" کہتے تھے۔

مذکورہ بالا دو گرجاؤں کے علاوہ ۱۵۶۲ء میں آرمنی مسیحیوں نے ایک گرجا تعمیر کیا تھا۔

آگرہ کے مسیحی

آگرہ کی کلیسیا کے شرکاء اوّلین زمانہ میں یورپ کی مختلف قوموں کی کلیسیاؤں سے متعلق تھے۔ جن کی ایک اچھی خاصی تعداد پرتگیز قیدیوں، اُن کی عورتوں اور مخلوط النسل بچّوں کی تھی جن کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں۔ اس کلیسیا کے متعدد شرکا ہندوستانی مسیحی تھے جو بپتسمہ پا کر کلیسیا میں شامل ہو گئے تھے اِن میں بعض ایسے تھے جو ہندو مذہب کو ترک کر کے آئے تھے اور بعض ایسے بھی تھے جنہوں نے اسلام چھوڑ کر مسیحیت کو اختیار کر لیا تھا۔ چنانچہ ۱۶۰۴ء کے اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ اُس سال چالیس ایسے شخص تھے جو حلقۂ اسلام سے آئے تھے اور مستحکم ہو کر عشائے ربّانی کی عبادت میں شریک ہوئے تھے۔ آگرہ کے مُبلغین نے پہلے اپنی تمام کوششیں اکبر اور اُس کے اعیانِ سلطنت اور اُمرا و شرفا تک ہی محدود رکھی تھیں اور وُہ عوام میں مقابلتہً بہت کم انجیل کی تبلیغ و اشاعت کا کام کرتے تھے۔ چونکہ اکبر مُبلغین کا احترام کرتا تھا، عوام کا طبقہ بھی مُبلغین کی طرف رجوع کیا کرتا تھا لیکن جب مبلغین اکبر کی طرف سے مایوس ہونے لگے تو اُنہوں نے عوام میں اور بالخصوص ہندوؤں میں انجیل کی تبلیغ و اشاعت شروع کر دی ان کے نچلے طبقوں میں سے چند نفوس نے مسیحیت کو قبول کر لیا۔ اس غریب طبقہ کو بھی مُختلف مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ ان کو برادری سے خارج کر دیا جاتا اور وراثت سے محروم کر کے گھر سے نکال دیا جاتا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ مُبلغین کو اُن کی پرورش اور نگہداشت کرنی پڑتی تھی۔ اُن کی ایک بڑی تعداد جاہل ناخواندہ مردوں اور عورتوں کی تھی جو جادو ٹونکہ منتر اور دیگر توہمات کی قائل تھی۔ ہندوؤں نے یہ مشہور کر رکھا تھا کہ بپتسمہ کے وقت مبلغین اور کلیسیا کے شرکا نو مریدوں کا مُنہ کھول کر اُن میں تھوکتے ہیں۔ اس قسم کی افواہیں بھی بپتسمہ کی راہ میں رکاوٹ کا باعث ہوئیں۔ لیکن اِن تمام رکاوٹوں کے باوجود زیویئر کے وقت میں آگرہ کے ہندوستانی مسیحیوں کی تعداد تین سو دس تک پہنچ گئی۔ اِس تعداد میں غالباً صغیر سن بچّے بھی شامل تھے جن کو والدین کے ساتھ بپتسمہ دیا جاتا تھا۔

نو مُریدوں کا خلوص

عام طور پر یہ مشہور تھا کہ لوگ حرص و طمع کی خاطر مسیحی ہو جاتے ہیں۔ لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ نو مرید بڑے استقلال کے ساتھ

Marfat.com

ایذاؤں اَور مصیبتوں کی برداشت کرتے تھے تو یہ الزام بے بُنیاد نظر آتا ہے۔ یہی الزام موجودہ زمانہ میں بھی مسیحی نومریدوں پر لگایا جاتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ چند افراد ایسے بھی تھے جو مُبلّغین کی آنکھوں میں دھول ڈال کر کسی غرض کی خاطر عیسائی ہو گئے ہوں کیونکہ مُبلّغین کی دربارِ شاہی تک رسائی تھی۔ لیکن اس میں شک کی گنجائش نہیں کہ اِن نومریدوں کی ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں پر مشتمل تھی جو خلوصِ قلب سے ہندو مت اَور اسلام کو ترک کر کے مسیحیت کی آغوش میں آ گئے تھے۔ انجیل کا نجات بخش پیغام اَور مُبلّغین کی پُرخلوص و ایثار، پاکیزہ زندگی اُن کو کشاں کشاں مُنجّی کے قدموں میں لے آتی تھی۔ پکّے ایماندار مسیحیوں کی زندگیاں متعدد لوگوں کو اَور بالخصوص اُن کے ملازموں کو خُداوند کے قدموں میں لے آتی تھیں۔ چنانچہ ایک دفعہ اکبر نے سکندر آرمنی سے (جس کا ہم آگے چل کر ذکر کریں گے) پُوچھا کہ کیا تم نے یا تمہارے قسیسوں نے کسی ایسے مسلمان کو مسیحی کیا ہے جو کسی طمع کے بغیر خلوصِ قلب سے مسیحی ہُوا ہو۔ سکندر نے کہا کہ حضور دُور کیوں جائیں میرا فلاں ملازم خلوصِ دل سے مسیحی ہوُا ہے۔ اکبر نے اُس کو بُلوا بھیجا اَور اسکندر کو کہا کہ تم چلے جاؤ۔ بادشاہ نے اُس ملازم سے دریافت کیا کہ تم نے کس غرض سے اسلام جیسے مذہب کو چھوڑ کر مسیحیت کو اختیار کر لیا ہے۔ تم واپس اسلام کے حلقہ میں آ جاؤ۔ ہم تم کو اعزاز و اکرام بخشیں گے اَور تم کو اپنی ملازمتِ خاص میں لے لیں گے اَور تم کو ماہانہ رقم بھی عطا کریں گے۔ اُس نے جواب دیا کہ جہاں پناہ۔ مَیں اپنے نجات دینے والے کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتا۔ اکبر نے اُس کو تازیانوں اَور دُرّوں کی دھمکی دی۔ لیکن وُہ یہی کہتا گیا کہ حضور مجھ غلام کو مجبور نہ کریں اَور مجھے خُداوند مسیح سے جُدا نہ کریں۔ مَیں آپ کا حُکم نہیں مان سکتا۔ مجھے معذور فرمائیں۔ اکبر اُس کی ثابت قدمی دیکھ کر حیران رہ گیا اَور خوش ہو کر انعام و اکرام دے کر سکندر کے پاس بھیج دیا۔

متلاشیانِ حق کو نہایت تن دہی سے تعلیم دی جاتی تھی اَور یہ تعلیم ایسی اعلیٰ پیمانہ پر دی جاتی تھی کہ اُن کو کلیسیائے رُوم کے دینی سوال و جواب پرتگیزی زبان میں از بر یاد ہوتے تھے کیونکہ وُہ یہ خیال کرتے تھے کہ جس طرح عربی اسلام کی مُقدّس زبان ہے اُسی طرح پرتگیزی زبان مسیحیت کی مُقدّس زبان ہے۔ نومریدوں کو فارسی یا "ہندوستانی" زبانوں میں بھی مسیحیت کے عقائد و رسوم کی تعلیم دی جاتی تھی۔ یہاں "ہندوستانی" زبان سے غالباً مُراد ہندی زبان ہے جو عوام الناس کی زبان تھی۔ پادری زیویئر ۱۶۰۰ء میں آگرہ سے لکھتا ہے کہ "ہم ہر طرح سے کوشش کرتے ہیں کہ نومریدوں کا ایمان مستحکم ہو جائے۔ بالخصوص عیدوں اَور دیگر تہواروں کے موقعہ

Marfat.com

پر اَور اتوار کے روز اُن کو وعظ سُنایا جاتا ہے، اَور بلیغ کوشش کی جاتی ہے کہ بڑے تہواروں کے موقعہ پر مرد و زن اعترافِ گناہ کے بعد عشائے ربّانی کی عبادت میں شامل ہوں۔ عیدِ ولادت کے روز ہر سال با قاعدہ جلُوس نکلتا ہے جس میں سب نَو مرید اور متلاشیانِ حق شرکت کرتے ہیں۔ ایامِ روزہ میں ہمارے مسیحی سب فاقہ کرتے ہیں اَور لڑکے لڑکیاں دُودھ تک سے پرہیز کرتے ہیں۔ جو لوگ اِسلام کو ترک کر کے مسیحی ہُوتے ہیں وُہ ہمارے روزہ کو روزہ ہی نہیں سمجھتے بلکہ زیادہ سختی سے روزہ کی پابندیوں پر عمل کرتے ہیں، کیونکہ وُہ کہتے ہیں کہ مُقدّس پولُوس نے فرمایا ہے کہ "جس طرح تُم نے اپنے اعضا بدکاری کرنے کے لئے ناپاکی اَور غلامی کے حوالے کئے تھے اُسی طرح اَب اپنے اعضا کو پاک ہونے کے لئے راستبازی کی غلامی کے حوالے کرو"۔ (رُوم ۶: ۱۹) ایامِ روزہ میں عبادت کے بعد لطانیہ گایا جاتا ہے اَور تب تمام مَرد اپنی پیٹھوں کو کوڑوں سے مار کر لہولہان کر دیتے ہیں اَور اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہیں۔ مُبارک جمعہ سے قبل کی جُمعرات کو سب نے عشائے ربّانی کی عبادت میں شریک ہونے کی سعادت پائی۔ اُن میں سے چالیس سے زیادہ اشخاص پہلے اسلام کے حلقہ بگوش تھے۔ خُدا سب کو استقامت عطا کرے۔ آمین۔"

مذکورہ بالا اقتباس سے ناظرین پر ظاہر ہو گیا ہوگا کہ نَو مریدوں کا ایمان پُرخلوص تھا۔ مُبلّغین کا خیال تھا کہ جُونہی ہندوستان کے ہندو مُسلمان انجیل کا نجات بخش پیغام سُنیں گے وُہ جوق در جوق کلیسیا میں داخل ہو جائیں گے۔ نَو مریدوں کی قلیل تعداد کو دیکھ کر وُہ کہتے تھے کہ ہندو مت "خاردار زمین" ہے اَور اسلام "پتھریلی زمین" ہے۔ (متی ۱۳: ۵-۷) اُن کا یہ تجربہ تھا کہ مسلمانوں پر مسیحیت کی صداقت ثابت کرنا آسان ہے لیکن اُن کو مذہب تبدیل کرنے پر آمادہ کرنا نہایت مُشکل ہے۔ مُسلمان نَو مریدوں کے لئے اسلامی ماحول میں رہ کر مسیحیت پر استقلال سے قائم رہنا نہایت دشوار تھا۔ پس وُہ مسلمانوں کو بپتسمہ دیتے وقت جھجکتے تھے اَور جب تک اُن کے ایمان کا کامل یقین نہ ہو جاتا وُہ اُن کو بپتسمہ نہیں دیتے تھے۔

متلاشیانِ حق کی راہ میں یورپین ممالک کے مسیحیوں کی اَور بالخصوص پرتگیز مسیحیوں کی زندگیاں بڑی ٹھوکروں کا باعث تھیں۔ سلطنت مُغلیہ میں نہ صرف پُرتگیز اَور ہسپانوی رہتے تھے بلکہ جرمنی۔ اطالیہ وغیرہ ممالک کے آزاد، بے لگام، منچلے، شُتر بے مہار جوان بھی تھے۔ کہاں انجیل کی محبّت اَور پاکیزگی کی تعلیم اَور کہاں ان مغربی ممالک کے مسیحیوں کے مکر و فریب، حرص و آز

Marfat.com

ظلم وستم اور ناپاکی اور زناکاری سے بھری زندگیاں، جب اُن کے محسن قسیس اُن کی بدکاریوں کی وجہ سے ملامت کرتے تو اُلٹے وہ اُن کے دشمن ہو جاتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک پرتگیز نے مبلغین پر الزام لگایا کہ وہ پرتگیزی حکومت کے جاسوس ہیں اور مغلیہ سلطنت کی خبریں گوا پہنچاتے رہتے ہیں۔ اکبر یہ سن کر غضب میں آگیا اور وہ مبلغین کا منہ تک دیکھنے کا روادار نہ ہوا۔ پرتگیز مذکور نے اقرار کیا کہ اُس نے پادری زیویئر سے ناراض ہو کر یہ جھوٹا الزام لگایا تھا اور کہا کہ مجھ کو انگریز جان ملڈن ہال نے اِس بات پر آمادہ کیا تھا جس نے برطانوی سیاسی اغراض کے حصول کے لئے اُس کو اپنا آلۂ کار بنایا تھا۔ یہ انگریز ملکہ الزبتھ کا سفیر تھا۔ اُس کی آمد کے بعد ۱۶۰۳ء سے اُس کی مبلغین کے ساتھ سیاسی کشمکش شروع ہوگئی۔ وہ چاہتا تھا کہ اکبر سے مغربی ساحل کے مغلیہ بندرگاہوں کی نسبت مراعات حاصل کرے۔ جب مبلغین کو اس بات کا پتہ چلا تو وہ اُس کے دشمن ہوگئے اور یہ سیاسی دشمنی مسیحیت کی تبلیغ واشاعت میں سدِراہ ثابت ہوئی۔ انگریزوں اور پرتگیزوں کی قومی مخاصمت اکبر کے کام آئی اور اُس نے مراعات کا فرمان صادر کر دیا۔ یہ سیاسی شطرنجی چالیں اور مغربی ممالک کے مسیحیوں کی شراب خواری زناکاری اور دوسری بدکاریاں انجیل کی اشاعت میں رکاوٹ کا باعث تھیں۔ متعدد یورپین مسیحیت کو ترک کرنے اور اسلام قبول کرنے کی خاطر درباریوں کے پاس جاتے تھے اور مسلمان ہو کر با ہونے کا جھانسہ دے کر اُن سے روپیہ اینٹھ لیتے تھے اور عزت و ملازمت حاصل کر لیتے تھے۔ جب کبھی مبلغین کو پتہ چلتا تو وہ بھی اُن کو روپیہ کا لالچ دے کر اس قدم سے باز رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ بعض مرتدوں کو اُنہوں نے کلیسیا میں واپس بھی لے لیا۔ اس قسم کی مثالیں اُس زمانہ کے یورپ کے ممالک کے کردار اور اخلاق کو ظاہر کر دیتی ہیں اور ہم پر یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ اِن مغربی مسیحیوں کی زندگیاں انجیل کی تعلیم کے منافی تھیں اور مسیحیت کی اشاعت اور ترقی کے حق میں زہر قاتل کا اثر رکھتی تھیں پس مبلغین ہر ممکن کوشش کرتے تھے کہ اُن کی زندگیاں سدھر جائیں تاکہ مغلیہ سلطنت میں کلیسیا ترقی کرتی چلی جائے۔

اِن مغربی ممالک کے مسیحیوں کے علاوہ دارالسلطنت میں مشرقی کلیسیاؤں کے شرکاء بھی تھے جو زیادہ تر یونانی۔ کلدی۔ شامی۔ نسطوری اور آرمینی کلیسیاؤں سے متعلق تھے لیکن اِن مشرقی مسیحیوں میں آرمینی مسیحیوں کی تعداد سب سے زیادہ تھی۔ چونکہ آرمینی مسیحی اپنے بشپوں اور کلیسیاؤں سے دُور ایک اسلامی مملکت میں رہتے تھے وہ علانیہ مسیحی رسوم ادا نہیں کرتے تھے۔

Marfat.com

بلکہ اُلٹی کوشش کرتے تھے کہ مسلمانوں کو یہ پتہ نہ چلے کہ وُہ مسیحی ہیں ۔ چنانچہ شاہِ ایران کا سفیر (جس کا ذکر ہم سطورِ بالا میں کر آئے ہیں) منوچہر جارجیا کا رہنے والا تھا ۔ اُس کے بازو پہ صلیب کھدی ہوئی تھی جس کو وُہ ہمیشہ ڈھانکے رکھتا تھا ۔ مُبلّغین کی ابتدا ہی سے یہ کوشش رہی کہ اُن کو رُومی کلیسیا میں داخل کرلیں ۔ اگر وُہ علانیہ داخل بھی نہ ہوتے تھے پھر بھی مبلّغ اُن کے دفن کفن کے اپنے آپ کو ذمّہ دار سمجھتے تھے ۔ چنانچہ جب آگرہ کا ایک متمول آرمینی تاجر مرگیا تو مبلّغین نے بڑی دھوم سے اُس کا جنازہ اُٹھایا ۔ کہتے ہیں کہ ۱۵۶۲ء میں آرمینی مسیحیوں کا اپنا گرجا آگرہ میں تھا لیکن مُبلّغین اِس کا کہیں ذکر نہیں کرتے ۔ بہرحال اکبر کے زمانہ میں عام آرمینی مسیحیوں کی اخلاقی اَور رُوحانی زندگی اِردگرد کے مسلمانوں سے کسی حالت میں بہتر نہ تھی ۔ اُن کے گھروں میں غلام اَور لونڈیاں رہتی تھیں ۔ ان میں سے بعض کے گھروں میں مسلمان بیویاں تھیں اَور بعض کی داشتہ عورتیں تھیں ۔ جب مبلّغین آئے تو اُنہوں نے اُن کی آمد کو ناپسند کیا لیکن رفتہ رفتہ وُہ اس قدر مانُوس ہوگئے کہ وُہ رُومی کلیسیا میں داخل ہونے شروع ہوگئے ۔ لیکن بعض مخالف ہی رہے ۔ جب ۱۶۰۳ء میں چند پرتگیزوں نے انگریزوں کے ساتھ سازباز کر کے پادری زیویئر پر الزام لگائے تو متعدد آرمینی مسیحیوں نے بھی اُن کا ساتھ دیا تھا ۔ لیکن یہ مخالفت ہمیشہ سطحی رہی ۔ چنانچہ جب پہلی بار مبلّغین پادری اکیو اویوا کی سرکردگی میں اکبری دربار میں آئے تھے تو ایک آرمینی مسیحی پاپیرس اُن کا مترجم تھا لیکن چند ماہ کے بعد ۱۵۸۲ء میں وُہ اُن کے خلاف ہوگیا ، پر یہ مخالفت دیرپا نہ تھی کیونکہ اُسی سال پادری اکیو اویوا نے ستمبر میں اکبر کے رُوبرُو اُس کا نکاح کیا تھا ۔ عام طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ آرمینی مسیحیوں کے تعلقات مُبلّغین سے خوشگوار رہے ۔ دیگر مشرقی کلیساؤں کے شُرکا بھی گو آکے مُبلّغین کے خلاف نہ تھے بلکہ اُن کی موجودگی سے فائدہ ہی اُٹھاتے رہے ۔ مُبلّغین بھی ان متموّل مسیحی تاجروں کی دولت اور رسُوخ سے غربا اَور مساکین کی مدد کرتے رہتے تھے ۔

اَرمنی تاجر سکندر

ان متموّل اَور بارسُوخ مسیحیوں میں ایک تاجر یعقُوب نام اَلیپّو کا رہنے والا تھا جس کو لوگ بالعُموم سکندر کے نام سے پکارتے تھے ۔ وُہ نہایت عقیل وفہیم شخص تھا جو متعدد زبانیں جانتا تھا اَور پرتگیزی زبان سے بخُوبی واقف تھا ۔ اُس کی ذہانت اَور زباندانی کی وجہ سے اکبر اُس پر بڑا مہربان تھا ۔ اکبر نے ۱۵۹۰ء میں اُس کا بیاہ خواجہ عبدالحی اَرمنی کی بیٹی سے کر دیا اَور اُس کو اپنی ملازمت میں لے لیا ۔ اُس کے

Marfat.com

بطن سے دو بیٹے پیدا ہوئے ۔ جب پہلا بیٹا ۱۵۹۲ء میں پیدا ہوا تو اکبر نے اُس کا نام ذوالقرنین[1] رکھا ۔ اکبر اِس لڑکے کو بہت پیار کرتا تھا ۔ جب وُہ تین سال کا ہوا تو اکبر نے اُس کے گلے میں مقدسہ مریم کی سونے کی صلیب ڈالی ۔ اکبر نے صلیب کو بوسہ دیا اور سر آنکھوں پر لگایا اور لڑکے کو بھی ایسا ہی کرنے کو کہا ۔ ذوالقرنین کا چھوٹا بھائی ۱۵۹۵ء میں پیدا ہوا ۔ آرمینی مسیحی سکندر کا رسُوخ اکبر کے دربار میں بڑھ گیا ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی بیوی جُولیانا (JULIANA) جو مسیحی تھی ۱۵۹۸ء سے پہلے فوت ہوگئی تھی ۔ وُہ اپنے پیچھے ایک بہن اور دو بچے چھوڑ گئی ۔ چونکہ وُہ اکبر کی ازواج میں سے ایک کی پروردہ تھی اکبر چاہتا تھا کہ وُہ اپنی سالی کے ساتھ نکاح کرلے لیکن چونکہ کلیسیائی قانون کے مطابق یہ رشتہ نہ ہوسکتا تھا پادری زیویئر نے صاف انکار کر دیا ۔ اکبر کی سمجھ میں یہ بات نہ آسکی کہ ایک شخص اپنی پہلی بیوی کی موت کے بعد اُس کی بہن سے کیوں شادی نہیں کرسکتا ۔ اُس نے کہا کہ وُہ اپنی سالی کے ساتھ نکاح کرکے میرے مذہب "دینِ الٰہی" کو اختیار کرسکتا ہے ۔ زیویئر نے جواب دیا کہ اگر وُہ ایسا کرنے کی جُرأت کرے گا تو اُس کا ٹھکانہ جہنّم ہوگا ۔ یہ جواب سُن کر اکبر سخت برافروختہ ہُوا ۔ بعد میں زیویئر نے پاپائے رُوم سے خاص اجازت حاصل کرکے یہ نکاح پڑھ دیا ۔ اکبر کے عہد میں مرزا سکندر ایک ممتاز عہدہ پر مامور تھا ۔ ۱۵۹۶ء میں اُس نے لاہور کے گرجا کی آرائش کے لئے قیمتی خوبصورت کپڑے نذر گزرانے ۔ جیسا ہم سطورِ بالا میں لکھ چکے ہیں اُس نے ۱۶۰۴ء میں پرتگیزی قیدیوں کی دامے درمے مدد بھی کی تھی ۔ وُہ مسیحی کلیسیا اور مسیحیوں کا ایسا خیرخواہ تھا کہ جب وُہ ۱۶۱۳ء میں فوت ہُوا تو اُس نے لاہور کے گرجا اور کلیسیا کے لئے دو ہزار روپیہ اور آگرہ کے گرجا اور کلیسیا کے لئے چار ہزار روپیہ چھوڑا ۔ وفات کے وقت وُہ ایک جاگیر کا مالک اور جھیل سانبھر کے نمک کا واحد اجارہ دار تھا ۔

مرزا سکندر کے بیٹے مرزا ذوالقرنین نے اکبر کی حرم سرائے میں پرورش پائی ۔ اکبر کا وُہ بڑا لاڈلا تھا اور وُہ اکبر کو "ابّا حضور" کہہ کے بُلاتا تھا جس سے بعضوں کو یہ گمان ہوگیا ہے کہ اکبر اس کا باپ تھا اور اُس کی ماں اکبر کی مسیحی بیوی تھی ۔ لیکن اصل حقیقت صرف یہ ہے کہ ذوالقرنین اکبر کی محلسرائے میں دُوسرے شاہزادوں کے ساتھ پلا پوسا اور اُن کے ساتھ کھیلا کرتا تھا ۔ اکبر اُس کو بہت پیار کرتا تھا اور خلوت و جلوت میں بُلا لیا کرتا تھا اور وُہ بھی بےخوف و ہراس اکبر کے پاس آیا جایا کرتا تھا ۔ جب تک اکبر زندہ رہا وُہ اُس کا منظورِ نظر رہا ۔ ہم انشاء اللہ اس عظیم الشان شخص

[1] ذوالقرنین سکندر اعظم کا نام تھا جس کا نام قرآن میں آیا ہے (۱۸ : ۸۲ تا ۹۲) (برکت اللہ)

Marfat.com

کا مفصل ذکر آگے چل کر کریں گے۔

لاہور اور آگرہ کی کلیسیا وں کے بعض نومرید گوآ بھیجے جاتے تھے تاکہ وہاں جا کر رہبانی زندگی کے لئے تیار کئے جائیں اور ہندوستانی کلیسیا میں دینی خدمت کے قابل ہوں۔ بعض نومرید گرہست پادری کے عہدہ پر مقرر کئے گئے لیکن شمالی ہندوستان کا کوئی نومرید انجمنِ عیسوی کے حلقۂ مبلغین میں کبھی شامل نہ کیا گیا۔ یہ اِس انجمن کے قومی تعصب پر دال ہے۔ گوآ کے باشندے بھی قسیس سے زیادہ اعلیٰ اور بڑے رتبے پر ممتاز نہیں کئے جاتے تھے۔

فصلِ ششم

اکبر اور فنونِ لطیفہ

شریعتِ اسلام میں مصوّری اور نقاشی کی ممانعت کی گئی ہے۔ چنانچہ امام بخاری کی کتابِ حدیث کے چوبیسویں پارہ کتاب اللباس میں چودہ احادیث ہیں جن میں تصاویر کی مذمت اور مصوروں کی سزا کا ذکر ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ "میں نے رسول اللہ سے سنا کہ سب سے زیادہ عذاب قیامت کے روز تصویریں بنانے والوں کو دیا جائے گا۔" یہی وجہ ہے کہ متشرع مسلمان اور بادشاہ مصوروں اور نقاشوں کے مربّی نہ تھے۔

لیکن اسلامی ممالک میں شرعی ممانعت کے باوجود فنونِ لطیفہ کا رواج ہوگیا تھا۔ مغولی اور ترکی قبائل کے سامانی، غزنوی اور سلجوقی فرمانروا اِن فنون کے مربّی ہوا کرتے تھے۔ تیموری زمانہ کی نقاشی اور مصوری کے نمونے موجود ہیں جو زبانِ حال سے اُن فرمانرواؤں کی افتادِ طبیعت کا پتہ دیتے ہیں۔

اس سلسلہ میں ہرات کے تیموری خاندان کے فرمانروا حسین مرزا (از ۱۴۶۹ء تا ۱۵۰۶ء) کے دربار کے نقاش اور مصور خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ جب بابر ازبیگ قبیلہ سے شکست کھا کر کابل کی جانب آیا تو راہ میں اُس نے ہرات میں قیام کیا۔ وہاں کی مصوری اور نقاشی نے اُس کی رُوحانی

Marfat.com

اور جذباتی طبیعت پر بڑا اثر کیا۔ حسین مرزا کی وفات کے بعد اُس کے دربار کا باکمال مصوّر بہزاد ہرات سے تبریز چلا گیا جہاں سے وہ صفوی خاندان کے بانی شاہ اسمٰعیل اوّل (از ۱۵۰۲ء تا ۱۵۲۴ء) کا ملازم ہو گیا۔

ہرات کی مصوّری کے نمونے بابر کے حملہ (۱۵۲۶ء) سے پہلے شمالی ہند پہنچ چکے تھے۔ بابر اور ہمایوں کے زمانہ میں ہرات کی مصوّری مانڈو اور گجرات میں غلبہ حاصل کر گئی اور اس کے قدم ہندوستان میں جم گئے۔[1] ہم باب دوم کی فصل دہم میں بتلا چکے ہیں کہ ہمایوں خود مصوّری کا شوقین تھا اور جب اُس نے ۱۵۴۳ء میں ایران کے بادشاہ طہماسپ (از ۱۵۲۴ء تا ۱۵۷۶ء) کے پاس پناہ لی تو صفوی نقاشی نے اُس کے شوق کو دوبالا کر دیا۔ مغلوں سے پہلے سلطنتِ دہلی کے زمانہ میں اسلامی علوم وفنون کے ساتھ ساتھ مصوّری اور موسیقی آ چکی تھی اور سلاطین اور اُن کے اُمرا و شُرفا سب ان علوم وفنون کے شیدائی تھے۔

اکبر کے عہد کے نقاش اور مصوّر اپنے عصر کے اُستاد تھے۔ اُن میں سے متعدد اشخاص اس قدر داں بادشاہ کی شہرت سُن کر ایران سے ہندوستان آ گئے تھے جن میں سب سے زیادہ مشہور عبدالصمد کا نام ہے۔ اکبر اور اُس کے اُمرائے دربار، سب کے سب علوم و فنونِ لطیفہ بالخصوص مصوّری کے عاشق اور مربّی تھے۔ اکبر کے عہد کی مُصوّری کی چند ایک خصوصیات تھیں کیونکہ اکبر نے راجپوت شہزادی "مریم زمانی" سے نکاح کر لیا تھا جس کی وجہ سے امبر کی راجپوتی مصوّری اور نقاشی نے کچھوا ہہ راجپوتوں کے ذریعہ دخل حاصل کر لیا۔ اور مغلیہ نقاشی میں راجپوتی عناصر نے گھر کر لیا۔ متعدد نقاش خود راجہ مان سنگھ کے ملازم تھے۔ اِس زمانہ سے پہلے اکبری" کارخانہ" کے نقاش اور مصوّر ہندوستان کے ہندوؤں اور مسلمانوں کی مصوّری اور ایران کی صفوی مصوّری کا نمونہ اختیار کئے ہوئے تھے۔ لیکن اب اکبر کے مصوّروں اور نقاشوں نے صفوی اور راجپوتی نقاشی کے بہترین پہلوؤں کو اپنا لیا تھا اور یہ طرز اکبر کے عہد کا خصوصی طرز ہو گیا۔[2]

جہانگیر مصوّری اور نقاشی کا ماہر اور زبردست نقاد تھا۔ جیسا ہم ذکر کر چکے ہیں وہ خوبصورت تصاویر کا اور بالخصوص مسیحی تصاویر کا دلدادہ تھا۔ ہم آئندہ باب میں بتلائیں گے، کہ مسیحی تصویریں اور مجسّمے بالخصوص مقدسہ مریم کے مجسّمے اُس کے محل کی زینت تھے۔ جب

1. See Yazdani, Mandu. City of Joy (Oxford 1929) and also F. R. Martin, Miniature Painting and Painters of Persia, India and Turkey (London 1912)

2. See East and West for July, 1957. (Rome)

Marfat.com

کبھی انگریز سفیر سر ٹامس رو اُس کو کوئی اچھی تصویر دکھاتا تھا وُہ اپنے مصوّروں سے فوراً اُس کی نقل کروا لیتا تھا۔ اُس کے مصوّر اس فن کے ایسے ماہر تھے کہ کوئی شخص اصل اور نقل میں تمیز نہیں کر سکتا تھا۔ جہانگیر کو بالخصوص مسیحِ مصلوب کی تصویریں اور مسیح کی طفولیت کی تصویریں نہایت مرغوب تھیں۔ حق تو یہ ہے کہ اورنگزیب کو (جو زاہد خشک تھا) چھوڑ کر ہندوستان کے مغل فرمانروا فنونِ لطیفہ کے عاشق اور قدردان تھے۔ یہ شوق صرف بادشاہوں اور اُمرائے دربار تک ہی محدود نہ تھا بلکہ عوام الناس بھی فنونِ لطیفہ کے دلدادے تھے۔ فنونِ لطیفہ کا شوق اور جمالیات کا ذوق مغلیہ سلطنت کی رعایا کی زندگی کا دم تھا۔

اکبر و جہانگیر اور مسیحی تصاویر

جب انجمنِ عیسوی کے مبلّغین پہلی بار دربارِ اکبری میں آئے تو وُہ اپنے ہمراہ کتابِ مقدّس اور مسیحی تصاویر لائے۔ اکبر اُس وقت تک وسیع النظر ہو چکا تھا۔ اُس نے کتابِ مقدّس کا واجبی احترام کر کے سر پر رکھا اور مقدسہ مریم اور مُنجی کی تصاویر کو اس طرح بوسہ دیا "گویا کہ وُہ مسیحی ہے"۔ جہانگیر نے بھی مسیحی تصاویر کو دیکھ کر اُن کی نقلیں کروائیں۔ جب مُبلّغین نے یہ حالت دیکھی تو اُن کو یہ اُمید ہو گئی کہ اکبر جلدی مسیحیت قبول کرے گا اور اُس کی رعایا اور جہانگیر سب کے سب مسیحی دین قبول کریں گے۔

جب انجمنِ عیسوی کے مبلّغین تیسری بار اکبر کے دربار میں آئے تو وُہ اپنے ساتھ یورپ کی بعض نادر اشیا بھی لائے۔ اُن میں ایک گھڑی اور چھاپہ کا ٹائپ تھا لیکن یہ اکبر کی نظروں میں نہ جنچا کیونکہ بقول ونسنٹ سمتھ فارسی اور عربی حروف کے ٹائپ کا تیار کرنا آسان نہ تھا اور اکبر کے خوش نویس چھاپہ کے حروف سے بڑھ چڑھ کر خوش نویسی سے لکھتے تھے اور کتابوں پر مصوّری بھی کی جاتی تھی[1]۔ اکبر کا شوق دیکھ کر مبلّغین ممالکِ یورپ کی نادر تصاویر لائے تھے۔ بنگلر مصوّر جو یکتائے زمانہ تھے مُبلّغین کے ہمراہ تھے۔ اکبر گرجا میں جا کر ان نادر تصویروں کو دیکھتا اور گرجا کی آرائش و زینت کی تعریف کیا کرتا تھا۔ وُہ ان کی عبادتوں میں بڑے ادب سے شریک ہوتا اور دورانِ عبادت تصاویر کے آگے مُبلّغین کی طرح دو زانو ہو جاتا تھا۔ یہ سب اکبر کی وسیع المشربی کی وجہ سے تھا لیکن مُبلّغین کے دل میں یہ خام خیال سما گیا تھا کہ وُہ مسیحی ہو جائے گا۔ پس وُہ ان باتوں کو اکبر کے مذہبی خیالات کی تبدیلی پر محمول کرتے تھے۔ اصل حقیقت تو یہ تھی کہ جس طرح اکبر ماتھے پر تلک لگواتا اور زنّار پہنتا تھا اُسی طرح وُہ مبلّغین کے تبرکات کو استعمال کرتا تھا اور مسیحی تصاویر

1. Quoted in the Times of India, dated May 10th, 1963.

Marfat.com

سے محظوظ ہوتا تھا۔ اُس کو بالخصوص مسیح کی تصاویر۔ اُس کی طفولیت کی تصاویر۔ مجوسیوں کی اور اچھے گڈریئے کی تصاویر اور مُقدسہ مریم کی تصاویر نہایت مرغوب تھیں۔ جس طرح وہ ہندوؤں کی کتابوں پر تصویریں بنانے کا حکم دیتا تھا۔ اسی طرح وہ مسیحی کتبِ مُقدسہ پر تصاویر بنانے کا حکم دیتا تھا۔ "مریم کوٹھی" کی دیواروں پر دلکش مسیحی تصویریں تھیں۔ فتحپور سیکری کے محل کی دیواروں پر مُقدسہ مریم اور جبرئیل فرشتہ کی تصاویر تھیں۔ پرتگیز مصوروں اور نقاشوں کی آمد اور مسیحی تصویروں کی مقبولیت دیکھ کر اکبر اور جہانگیر کے مصور اُن تصاویر کی نقلیں کرنے لگ گئے۔ آئینِ اکبری سے پتہ چلتا ہے کہ اکبری دربار میں اعلیٰ ترین نقاش اور مصور تھے جن میں ہندو بھی تھے اور مسلمان بھی تھے۔ وہ ہر ہفتہ اکبر کی پسندیدہ تصاویر کو بنا کر داد کے خواہاں ہوتے تھے۔ ایک دفعہ اکبر نے برسرِعام کہا کہ بعض لوگ (یعنی علمائے اسلام) مصوری اور نقاشی سے نفرت کرتے ہیں۔ میں ایسے لوگوں کو ناپسند کرتا ہوں۔ میرے خیال میں نقاش ایک خاص زاویہ سے لوگوں پر خُدا کو جو خالق ہے۔ دکھلاتا ہے۔ چونکہ وہ جانتا ہے کہ وہ اپنی خوبصورت تصویر میں زندگی کا دم نہیں پھونک سکتا پس وہ خُدا کی خالقیت کا عجز سے اعتراف کرکے عرفانِ الٰہی حاصل کرتا ہے۔ جب اکبر فوت ہوگیا تو جیسا ہم ذکر کر آئے ہیں اُس کے مقبرہ کی سقف اور دیواروں پر مسیحی تصویریں منقش تھیں۔

اکبر کا وطیرہ دیکھ کر مُبلغین کو یہ خام خیال پیدا ہوگیا کہ وہ مسیحی ہو جائیگا۔ لیکن ان تصویروں کا کم از کم یہ فائدہ ضرور ہوا کہ اُن کے ذریعہ خُداوند مسیح کی زندگی کے واقعات اور انجیلی بیانات کا علم ہر طرف پھیل گیا۔ بادشاہ اور بیگمات اور ارکینِ سلطنت کے علاوہ عوام الناس نے ہزاروں کی تعداد میں ان تصاویر کو دیکھا اور دربار کے مُصوروں نے جو مسیحی تصاویر کی نقلیں کیں وہ مملکت کے ہر صوبہ کے دیار و امصار میں اور عمائدینِ سلطنت کے گھروں میں اور محسراؤں میں پہنچ گئیں۔ اُن کا ہر گھر میں ہونا فیشن میں داخل ہوگیا اور یوں یہ تصویریں انجیل کی نجات کی تبلیغ و اشاعت میں بڑی کار آمد ثابت ہوئیں۔

Marfat.com

بابِ ششم

ابو المظفّر نور الدّین جہانگیر بادشاہ غازی

(از سنہ ۱۰۱۴ھ تا سنہ ۱۰۳۷ھ مطابق سنہ ۱۶۰۵ء تا سنہ ۱۶۲۸ء)

فصل اوّل

خصائل و واقعاتِ زندگی

اکبر کی اولاد اکبر بادشاہ کے تین بیٹے تھے۔ سب سے بڑا جہانگیر، ۱۷ ربیع الاوّل سنہ ۹۷۷ھ کے روز پیدا ہوا۔ وہ راجہ بہارا مل کچھواہہ کا نواسہ، راجہ بھگوان داس کا بھانجا اور راجہ مان سنگھ کی بہن کا بیٹا تھا۔ اکبر نے اس کا نام سلیم رکھا، کیونکہ اُس کو اجمیر کے خواجہ سلیم چشتی کی درگاہ میں دعائیں مانگنے اور منّت ماننے سے پایا تھا۔ اکبر اس کو پیار سے "شیخو جی" بلایا کرتا تھا۔

دُوسرا بیٹا مراد ۱۰ محرم سنہ ۹۷۷ھ کے دن فتحپور کے پہاڑوں میں پیدا ہوا۔ اس واسطے اکبر نے اُس کو پیار سے "پہاڑی راجہ" کا نام دے رکھا تھا۔ وہ شراب پینے کا عادی تھا جو ایسی مُنہ لگی کہ تیس برس کی عُمر میں وہ چل بسا۔ کسی نے تاریخ وفات کہی ؏

از گلشنِ اقبال نہالے گُم شُد

تیسرا بیٹا دانیال اجمیر میں پیدا ہوا۔ چونکہ وہاں کی درگاہ کے مجاور کا نام شیخ دانیال تھا اس بچے کا نام بھی دانیال رکھا گیا۔ اُس کو بھی شراب پینے کی لت پڑ گئی جس نے اُس کو ۳۲ سال کی عُمر میں سنہ ۱۰۱۳ھ میں موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ دونوں بھائی اجل کا لُقمہ ہو گئے اور سلیم کے لئے سلطنت کا راستہ صاف کر گئے۔ شہزادہ مراد (جیسا کہ ہم گذشتہ باب میں ذکر کر

Marfat.com

چکے ہیں) پادری مانسیرت اور پادری اکوا ویوا کاث گذر چکا تھا۔ ایسے ہونہار شاگرد کی موت سے انجمنِ عیسوی کے مبلغین کے دل مرجھا گئے اور اُن کے خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوئے۔

شہزادگی کے ایام

اکبر نے سلطنت کے استحکام کی خاطر یہ فیصلہ کیا کہ راجپوت خاندانِ کچھواہہ سے مغلیہ سلطنت کا رشتہ گٹھ جائے۔ پس اُس نے ولیعہد سلیم کی شادی ۹۹۳ھ میں راجہ مان سنگھ کی بہن سے کر دی۔ مُلّا بدایونی لکھتا ہے کہ سلیم کی عمر سولہ برس کی تھی مجلسِ عقد میں قاضی، مُفتی اور علمائے اسلام موجود تھے۔ نکاح پڑھا گیا پھیرے بھی ہوئے۔ ہون اور دیگر ہندو رسوم بھی ادا کی گئیں۔ دُلہن کے گھر سے دُولہا کے گھر تک پالکی پہ اشرفیاں نچھاور ہوتی گئیں۔ ابوالفضل نے لکھا ہے ؎

از برائے انتظامِ دین و دنیا بستہ اند ۔۔۔ دین و دنیا را مبارکباد کیں فرخندہ عقد

جملۂ چوں پردہ ہائے دیدہ رنگین بستہ اند ۔۔۔ در نگارستانِ دولت نورِ چشمِ شاہ را

۹۹۵ھ میں دُلہن کے ہاں لاہور میں بیٹا پیدا ہوا جس کا نام خسرو رکھا گیا۔ سلیم کو اپنی بیوی سے بڑا عشق تھا۔ بیوی کی وفات سے دُنیا اُس کی آنکھوں میں اندھیری ہو گئی۔ زندگی کا لُطف جاتا رہا۔ متواتر چار دن اُس نے نہ کچھ کھایا نہ پیا۔

سلیم کا دُوسرا بیاہ راجہ اُودھے سنگھ کی بیٹی سے ہوا جو راجہ مالدیو فرمانروائے جودھپور کی پوتی تھی۔ اُس کے بطن سے خرم (شاہجہاں) ۱۰۰۰ھ میں شہر لاہور میں پیدا ہوا۔

اکبر خسرو اور خرم دونوں پوتوں کو بہت پیار کرتا تھا۔ دونوں شاہزادے دادا کی خدمت میں رہا کرتے تھے۔ خسرو کی آنکھ تختِ شاہی پر لگی رہتی تھی پس وہ دادا کو اپنے باپ کے خلاف اُکساتا رہتا تھا۔ ممکن ہے کہ اُس کا ماموں راجہ مان سنگھ اُس کو شہ دیتا ہو، تاکہ بادشاہ اپنے بیٹے سلیم کی جگہ خسرو کو ولی عہد مقرر کر دے، کیونکہ سلیم عیش کا دلدادہ اور شراب کا بندہ تھا۔

اکبر نے سلیم کو ولیعہدِ سلطنت بنا کر اجمیر کا صُوبہ اُس کو جاگیر میں دے دیا کیونکہ اجمیر اُس کی نظر میں ایک نہایت متبرک مقام تھا۔ جب ۱۶۰۳ء میں اکبر نے رانا میواڑ کے خلاف مہم شروع کی تو اُس نے ولیعہد سلیم کو مہم پہ نامزد کر کے راجہ مان سنگھ اور دیگر اُمرائے کبار کو اُس کے ساتھ کر دیا۔ راجہ مان سنگھ کو بنگال کا صُوبہ عنایت کیا۔ سلیم عیش پسند شہزادہ تھا۔ رانا کا علاقہ کوہستانی گرم مُلک تھا پس سلیم خود اجمیر کے علاقہ میں شکار کھیلتا رہا اور اپنے

Marfat.com

ساتھ کے اُمرا کو رانا کے خلاف بھیجدیا۔

سلیم کی بغاوت

شہزادہ سلیم کے بدنیّت اور بداعمال مصاحبوں نے وقت کو غنیمت جان کر اُس کو ورغلایا اور کہا کہ اِن دنوں بادشاہ دکن کی مُہم پر گیا ہُوا ہے۔ اِس زرّیں موقعہ کو ہاتھ سے نہ جانے دیں اور آگرہ چل کر خُود تختِ سلطنت پر قبضہ کر لیں۔ اتنے میں خبر آئی کہ بنگال میں بغاوت ہو گئی ہے۔ پس سلیم نے راجہ مان سنگھ کو اُدھر رخصت کیا اور خُود معہ لشکر آگرہ کی جانب بڑھا۔ قلعہ میں اکبر کی ماں حمیدہ بیگم (مریم مکانی) موجُود تھی۔ اُس نے سلیم کو بُلوا بھیجا لیکن وُہ نہ گیا۔ لاچار ہو کر ،، سالہ بڑھیا خاتون خُود اُس کے پاس جانے کو تیّار ہو گئی۔ جب شاہزادہ کو اُس کے آنے کی اطّلاع ہُوئی تو وُہ کشتی پر سوار ہو کر الٰہ آباد چلا گیا، اور وہاں جا کر بادشاہ بن بیٹھا اور بہار، اودھ وغیرہ آس پاس کے صُوبوں پر قابض ہو گیا۔ اُس نے اکبر کے پُرانے خادموں کی جاگیریں ضبط کر لیں۔ بہار کے خزانہ کو قبضہ میں لے لیا اور اپنے مصاحبوں کو انعام و اکرام، خطاب اور جاگیریں دیں۔

اکبر کو ان حرکتوں کی خبر دکن میں پہنچی۔ اُس نے یہ بیٹا منتوں مُرادوں سے پایا تھا۔ اِدھر مُراد فوت ہو چکا تھا۔ دانیال برلبِ مرگ تھا۔ پس مصلحتِ مُلکی اور محبّتِ پدری سے مجبُور ہو کر اُس نے ایک محبّت بھرا فرمان لکھا جس کی رُو سے اُس نے بنگال اور اڑیسہ سلیم کو جاگیر میں دے دیا اور بیٹے کو بُلوا بھیجا۔ لیکن وُہ نہ گیا بلکہ اکبر کے جان نثاروں کو اپنا دُشمن سمجھ کر قتل کروا دیا، اور ابُوالفضل کو ۱۶۰۲ء میں مروا دیا، جس سے اکبر کو سخت قلق ہُوا لیکن وُہ بڑا عاقبت اندیش تھا۔ اُس نے بڑے مُشفقانہ الفاظ میں خط لکھ کر اُس کو پھر بُلوا بھیجا۔ بیٹا باپ کے تحمّل کو دیکھ کر ششدر رہ گیا اور لکھا کہ مَیں حضُور کا ہُوں۔ لیکن آگرہ جانے کی بجائے وُہ الٰہ آباد کو چلا گیا۔ آخر مریم مکانی اُس کو سمجھا بُجھا کر لے آئی۔ اُس نے باپ کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ اکبر نے ولی عہدی کا خطاب تازہ کیا اور اُس کی خُوشی میں جشن منایا گیا۔

شہزادہ کی بغاوت اور انجمنِ مبلّغین

ان ایام میں دونوں باپ بیٹے الگ الگ محلوں میں رہتے تھے اور شاہزادہ بھی باپ کی طرح الگ دربار کیا کرتا تھا اور خُفیہ طور پر سازشیں کرتا رہتا تھا۔ چنانچہ وُہ گوآ کی سلطنت کے ساتھ انجمن عیسوی کے ذریعہ سیاسی وجُوہ کی بنا پر راہ و رسم بڑھانا چاہتا تھا۔ اُس نے پادری زیویئر کو کہا کہ مَیں مُنجی جہان اور مقدسہ مریم کا مدّاح اور معتقد ہُوں۔ اُس نے مبلّغین کے ایک آدمی کو جو گوآ جانے والا

Marfat.com

تھا کہا کہ ہماری طرف سے انجمنِ عیسوی کے پَرووِنشل سے کہنا کہ وُہ ہمارے دربار میں بھی مسیحی مُبلّغ بھیجے اور اُس کے ہاتھ تین بیش قیمت غالیچے اور دیگر اشیا بطور تُحفہ بھیجیں لیکن پَرووِنشل فوراً اصل معاملہ تاڑ گیا۔ اُس لے لکھ بھیجا کہ اکبر کے دربار کے مُبلّغین آپ کے دربار میں بھی تبلیغ و اشاعتِ انجیل کا کام سرانجام دیں گے۔ سلیم انجمن کے مُبلّغین سے اکثر ملاقات کرتا تھا بلکہ اُس نے ایک خط خُود اپنے ہاتھ سے زیویئر کو ایسے مؤدبانہ الفاظ میں لکھا جو مسیحی شاہزادے اپنی عقیدت ظاہر کرنے کے لئے خاص خاص پادریوں کو لکھا کرتے تھے، جن پر صلیب کا نشان ہوتا تھا۔ اس خط میں سلیم نے شکوہ کیا کہ آپ کی طرف سے کوئی خیریت نامہ موصُول نہیں ہُوا، اور ایک خلعت بھیجا اور کہا کہ مجھے علم ہے آپ ایسی اشیا پر دلی محبّت و عقیدت کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس کو میری محبت کی نشانی سمجھ کر قبُول کریں۔ زیویئر خط اور خلعت دونوں اکبر کے پاس لے گیا تاکہ اُس کے دل میں کسی قسم کی بدگمانی پَیدا نہ ہو۔

جب سلیم باپ کی مُلاقات کے لئے آگرہ آرہا تھا تو اُس نے زیویئر کو کہلا بھیجا کہ مَیں آپ کو بھُول نہیں سکتا۔ مَیں شُنجی جہان خُداوند مسیح کے ساتھ ویسا ہی پیار کرتا ہُوں جیسا پہلے کرتا تھا۔ آپ میرے لئے دُعائے خیر کریں اور ملنے کے لئے ضرور آئیں۔ اگر آپ بادشاہ کی اجازت کے بغیر مُلاقات نہیں کریں گے تو مَیں خُود اُن سے آپ کے لئے اجازت حاصل کرلُوں گا۔ زیویئر نے جواب دیا کہ مَیں بادشاہ کے بغیر آپ سے نہیں مِلُوں گا۔ شاہزادہ نے ایک اَور خط پادری زیویئر کو لکھا کہ مجھ کو آپ سے وُہی نیازمندانہ عقیدت ہے جو پہلے تھی۔ مَیں نے آپ کو لاہور میں کہا تھا کہ مَیں مسیحیّت کی طرف جھک رہا ہُوں۔ اب بھی میرا وُہی خیال ہے۔ خط کے ساتھ اُس نے مسیح کی طفُولیّت کا ایک چاندی کا بُت وزنی ۱۲½ سیر گرجا کے لئے بھیجا، اور پادری زیویئر کے لئے ایک زنجیر بھیجی جو سونے کی بنی ہُوئی تھی اور جس میں مینا کا بنا ہُوا تعویذ حمائل تھا جس کے ایک رُخ خُداوند مسیح کی اور دُوسرے رُخ مُقدّسہ مریم کی تصویر تھی۔ یہ زنجیر شاہزادہ کے گلے میں لٹکتی رہتی تھی۔ ایک موقعہ پر اُس نے اپنے مصاحبوں سے پُوچھا کہ خطرہ کے وقت تم کس کو پُکارتے ہو اور کہا کہ مَیں تو خُداوند عیسیٰ مسیح کو ہی مدد کے لئے پکارتا ہُوں کیونکہ اُس کے سوا کوئی دُوسرا مصیبت کے وقت میرے کام نہیں آیا۔

اکبر اَور سلیم کے کشیدہ تعلقات

جب باپ اَور بیٹے میں بظاہر صلح ہوگئی۔ ہر طرف جشن دھُوم دھام سے منایا گیا۔ مُبارک سلامت

Marfat.com

کی آوازیں ہر طرف سے آنے لگیں۔ اکبر نے سلیم کو رانا کی مہم پر پھر نامزد کر دیا۔ وُہ پھر الہ آباد چلا گیا۔ یہ حال دیکھ کر اکبر نے خُود الہ آباد جانے کا تہیّہ کر لیا۔ راہ میں خبر ملی کہ مریم مکانی بر لبِ مرگ ہے۔ وُہ ماں کا آخری دیدار کرنے کے لئے واپس چلا آیا۔ دادی کی مَوت کی خبر پا کر سلیم نومبر ۱۶۰۴ء میں باپ کے پاس آیا۔ باپ نے اُس کو بہُت سمجھایا۔ معلُوم ہُوا کہ شراب خواری کی کثرت نے اُس کے دماغ کو خراب کر دیا ہے۔ اُس کی یہ حالت ہوگئی تھی کہ شراب کا نشہ ناکافی ہوگیا تھا اَور اب شراب میں افیون گھول کر پیتا تھا تاکہ سرُور حاصل ہو۔ چنانچہ جہانگیر اپنی توزک میں خُود لکھتا ہے کہ مَیں نے پندرہ برس کی عُمر تک شراب نہیں پی تھی۔ ایک دفعہ مَیں شکار کر کے تھک کر شام کو جو آیا تو ایک ملازم نے مُجھے شراب کا ڈیڑھ پیالہ پلا دیا۔ مُجھے عجیب سرُور ہُوا اَور مَیں نے اُس دن سے شراب شرُوع کر دی اَور کیف کی خاطر مقدار کو روز بروز بڑھاتا گیا حتیٰ کہ انگوری شراب ناکافی ثابت ہوگئی۔ پس مَیں نے عرق شروع کیا۔ نو برس تک مَیں عرقِ دو آتشہ کے چودہ پیالے دن کے وقت اَور سات پیالے رات کو پیتا تھا۔ حکیم کے کہنے سُننے پر مَیں دو حِصّہ انگوری شراب اَور ایک حِصّہ عرق ملا کر پینے لگا۔ کم کرتے کرتے سات برس میں چھ پیالوں پر آگیا۔ اب چند دنوں سے مَیں اُس میں افیون گھولتا ہُوں۔ اب میری عُمر ۴۷ برس نو ماہ قمری (۴۶ برس ۴ ماہ شمسی) ہوگئی ہے۔ جمعرات کا دن جو میرا روزِ جلوُس ہے اَور شبِ جمعہ اَور جمعہ کا روز میرے لئے مُبارک دِن ہیں پس اُن میں نہیں پیتا۔ جمعہ کے دن جب آخر ہوتا ہے تو پیتا ہُوں۔

بغاوت کے ایام میں شراب نے دانیال کی جان لے لی تھی اَور اب سلیم ہی اکبر کا اکیلا بیٹا رہ گیا تھا۔ پس بادشاہ اُس کی اِصلاح کی تدبیریں کرتا رہتا تھا لیکن کوئی کارگر نہ ہوتی تھی۔ سلیم کا بیٹا خسرو راجہ مان سنگھ کا بھانجا تھا۔ اُس کی نظر بھی تخت و تاج پر لگی تھی۔ وُہ اکبر کے پاس جاتا اَور اکثر باپ کے خلاف اُس کو اُکساتا اَور لگاتا بُجھاتا رہتا تھا۔ اِن دنوں سلاطین[1] اَور شہزادوں کی فرمائش پر ہاتھیوں کی لڑائی ہُوئی۔ سلیم کے پاس ایک بڑا تن آور ہاتھی تھا۔ خسرو کے پاس بھی ایک زبردست ہاتھی تھا۔ دونوں ہاتھیوں میں لڑائی ہوگئی۔ خسرو کا ہاتھی بھاگ اُٹھا۔ اکبر کے حُکم کے مطابق بادشاہ کا ہاتھی خسرو کے ہاتھی کی مدد کو پہنچا لیکن سلیم کے بدنیّت مصاحبوں نے غل غپاڑہ سے اَور پتھروں اَور برچھوں سے اُس کو ہٹا دیا۔ مہاوت

---

[1] خاندان چغتائیہ کی اصطلاح میں بادشاہ اَور ولی عہد کے سِوا جو افراد شاہی خاندان کے بھائی بند ہوں، اُن کو "سلاطین" کہتے تھے۔ بلکہ مجازاً ایک فرد کو بھی سلاطین کہہ دیتے تھے اگرچہ لفظاً جمع کا صیغہ ہے"!

(دربارِ اکبری مصنفہ محمد حسین آزاد ص۔ نوٹ)

Marfat.com

کے ماتھے پر بھی پتھر لگا۔ یہ دیکھ کر اکبر کو ملال آیا۔ اُس نے شاہزادہ خرّم کو (جو اس وقت ۱۴ سال کا تھا) باپ کے پاس بھیجا اور پوچھا کہ ہاتھیوں کی جنگ میں ہمارے ادب کو کیوں بھول گئے؟ خرّم کی عمر گو چھوٹی تھی لیکن اُس کی عقل بڑی تھی۔ وُہ ہمیشہ یہی چاہتا تھا کہ اُس کے باپ اور دادا میں صفائی رہے۔ اُس نے واپس آکر کہا کہ شاہ بھائی (سلیم) کہتے ہیں کہ اِس بے ہودہ حرکت سے میرا کوئی واسطہ نہیں ہے اور نہ مَیں ایسی گستاخی کر سکتا ہوں۔ راجہ مان سنگھ (خسرو کے ماموں) اور خانِ اعظم مرزا عزیز کوکلتاش اور بعض دیگر اُمرا نے بہتیرا زور مارا کہ اکبر سلیم کو باغی قرار دیدے اور خسرو کو ولیعہد نامزد کر دے، مگر دانا بادشاہ جانتا تھا کہ اگر خسرو کو جو باپ کا ادب نہیں کرتا اور کوتاہ اندیش لڑکا ہے ولی عہد بنا دیا گیا، تو اس کی موت کے بعد سلطنت کے معاملات (جن کو سُلجھانے کے لئے اُس نے اپنی تمام عمر خرچ کر دی تھی) بگڑ جائیں گے اور سنور نہیں سکیں گے۔

اس واقعہ کے اگلے سال ۲۱ ستمبر ۱۶۰۵ء کے روز اکبر بستر مرگ پر پڑ گیا جب اُس کی حالت غیر ہونے لگی تو اُس نے سلیم کو بلایا۔ اُمرا بھی حاضر تھے۔ باپ کی حالت کو دیکھکر وُہ زار زار رونے لگا۔ اکبر نے اُس کو پیار کیا اور تلوار کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اِسے کمر سے باندھو اور اپنی دستار و تاج سر پر رکھوایا اور وصیّت کی کہ میرے بعد نمکخواروں اور دولت خواہوں کو نہ بھولنا اور خاندان کی بیبیوں اور حرم سرا کی غور و پرداخت کرتے رہنا۔ یہ کہہ کر شاہزادہ سلیم کو اور اُمرا کو رخصت کیا۔

شاہزادہ خُرّم دادا کی بیماری میں ہر وقت اُس کی خدمت میں حاضر رہتا تھا۔ وُہ بڑا دانشمند تھا اور جانتا تھا کہ سلطنت کا قیام اسی میں ہے کہ مَیں دادا کے پاس رہوں۔ سلیم نے اُس کو کئی دفعہ بلوا بھیجا کہ دشمنوں کے نرغہ میں نہ رہو لیکن اُس نے کہلا بھیجا کہ شاہ بابا (اکبر) کی بیماری میں جب تک اُن کی جان میں جان ہے، مَیں اُن کو چھوڑ کر نہیں آ سکتا۔ حق تو یہ ہے کہ خرّم کا دادا کے پاس رہنا ہی مصلحت تھی کیونکہ باہر خانِ اعظم اور مان سنگھ کے آدمی چاروں طرف ہتھیار بند ہو کر پھیلے ہوئے تھے اور اگر وُہ یا سلیم گھروں سے باہر قدم رکھتے تو گرفتار ہو جاتے۔ آخر بُدھ کے روز جمادی الآخر ۱۰۱۴ھ ۱۶۰۵ء اکبر آگرہ میں چونسٹھ برس کی عمر پا کر فوت ہو گیا اور سکندرہ کے باغ میں دفن کیا گیا۔

تخت نشینی اکبر کی وفات کے بعد خانِ اعظم اور راجہ مان سنگھ کی سیاسی چالوں کا خاتمہ ہو گیا اور ۲۴۔ اکتوبر ۱۶۰۵ء کے روز شہزادہ ولی عہد سلیم تخت نشین ہوا۔

Marfat.com

اُس نے اپنا نام "نورالدین محمد جہانگیر" رکھا۔ تخت نشینی کے بعد اُس نے اپنے مخالفوں کو قتل کرنے کی بجائے اُن کی دلجوئی کی۔ چنانچہ ابوالفضل کے بیٹے عبدالرحمان کو دو ہزاری کا عہدہ عطا کیا۔ خانِ اعظم کے رُتبہ اور جاگیروں کو بحال رکھا۔ نورجہان کے باپ غیاث بیگ کو "اعتماد الدولہ" کا خطاب عطا کیا۔ اکبر کے قدیم ہواخواہوں کو اعزاز و اکرام دیئے۔ عُلمائے اسلام کی دلجوئی، اور اُن کے خدشوں کو رفع کرنے کے لئے اُس نے شاہی محل میں ماہِ رمضان اور نماز و شریعتِ اسلام کی پابندیوں کو از سرِ نو جاری کر دیا۔ مساجد کی مرمّت میں زرِ کثیر صرف کیا۔ سِکّوں پر پھر کلمہ کندہ ہونے لگا جو اکبری عہد میں بند ہوگیا تھا۔ سن ہجری کا از سرِ نو رواج ہو گیا، اور اسلام کے ظاہری نشانات اور رسُوم و رواج پھر شروع ہوگئے۔

جہانگیر کی تخت نشینی کے وقت پادری زیویئر دس سال مغلیہ دربار میں رہ چکا تھا۔ اکبر کی وفات کے وقت وُہ اور پادری مچادو آگرہ میں اور پادری پن ہیرو اور کورسی لاہور میں تھے۔ انجمنِ عیسوی کے مبلّغین جو پہلے یہ خواب دیکھتے تھے کہ اکبر کے بعد سلطنت ایک مسیحی بادشاہ کے قبضے میں ہوگی اپنی خوابِ گراں سے جاگے۔ اُنھوں نے دیکھا کہ جہانگیر مسلمان عوام اور طبقۂ عُلماء کو خُوش کرنا چاہتا ہے تاکہ اُس کی حکومت میں کسی قسم کا خلل واقع نہ ہو۔ تخت نشینی کے بعد جہانگیر کی نظریں پھر گئیں۔ اُس نے مبلّغین کی پرواہ تک نہ کی اور اُن کی سب اُمیدوں پر پانی پھیر دیا۔ چار ماہ کے اندر سب خاص و عام سلطنت کی طرف سے مطمئن ہوگئے اور جہانگیر نے مارچ ۱۶۰۶ء میں بڑی شان و شوکت کے ساتھ جشن منایا جو سترہ اٹھارہ روز تک رہا۔

خسرو کی بغاوت

خسرو جہانگیر کا پہلوٹھا بیٹا ۱۵۸۷ء میں پیدا ہوا جب وُہ خُود اٹھارہ برس کا تھا۔ جب انجمنِ عیسوی کے مبلّغین تیسری دفعہ آئے اور اکبر کی مُلاقات کو گئے تو آٹھ سالہ خسرو اپنے دادا اور باپ کے پاس کھڑا تھا۔ جب اکبر نے اُن کو خُداوند مسیح اور مُقدّسہ مریم کی وُہ تصاویر دکھائیں جو پادری رُوڈلف ایکوا ویوا نے اُس کو دی تھیں اور مُبلّغین اُن تصاویر کے سامنے دو زانو ہوگئے تو خسرو بھی اُن کی دیکھا دیکھی دو زانو ہوگیا تھا جس پر اکبر خُوش ہو کر سلیم کو کہنے لگا "اپنے بیٹے کو تو دیکھو"۔ اکبر اُس کو بہت پیار کرتا تھا، اور اُس کو اپنے پاس رکھتا تھا۔ بیٹے کی بدعنوانیوں کو دیکھ کر کبھی کبھی اکبر کی زبان سے نکل جاتا تھا کہ اِس باپ سے تو یہ لڑکا ہی زیادہ ہونہار ہے۔ یہ بات خسرو کے دِل میں جم گئی۔ ۱۰۰۲ھ کے سالانہ جشن میں اکبر نے خسرو کو باوجُود اُس کی خوردسالی

Marfat.com

کے پنجہزاری کے منصب پہ نامزد کر کے اڑیسہ بطور جاگیر عطا کیا اور راجہ مان سنگھ کو اُس کا اتالیق مقرر کیا۔ ۱۰۱۵ھ میں اُس کو دہ ہزاری منصب ملا۔ کوتاہ عقل لڑکا اِن عنایات سے یہ سمجھنے لگا کہ دادا مجھ کو ولی عہد بنا کر ہی اِس جہاں سے کوچ کرے گا۔ لیکن اکبر نے جہانگیر کو تلوار و دستار پہنائی اور وُہ تخت نشین ہو گیا۔ اُس نے راجہ مان سنگھ اور خانِ اعظم کی عزت بڑھائی۔ خسرو بھی حاضر دربار ہوا۔ باپ نے بڑی شفقت سے اپنے پاس بٹھایا۔ ایک لاکھ روپیہ اور محل عنایت کئے لیکن تخت و تاج کی حرص اُس کے دل سے نہ گئی۔ اُس نے چند ہزار نفوس اپنے ساتھ ملا کر علم بغاوت بلند کر دیا اور لاہور کی جانب چل نکلا۔ راہ میں شہروں کو لوٹتا اور تہ و بالا کرتا گیا جس سے باغیوں کے حوصلے بلند ہو گئے۔ اُس نے لاہور کا محاصرہ کر لیا اور حکم دیا کہ جب شہر فتح ہو تو سات دن تک شہر کو لُوٹ لینا۔ مَردوں کو تہ تیغ کر دینا اور عورتوں اور بچوں کو قید کر لینا۔ اُدھر جہانگیر بغاوت کو فرو کرنے کے لئے آ پہنچا۔ اُس نے خسرو کو بتیرے پیغام بھیجے۔ لیکن اُس خود سر نوجوان نے پرواہ نہ کی۔ بالآخر اُس کو شکست ہوئی۔ جہانگیر نے سات سو باغیوں کو نوکدار کھمبوں کے ساتھ بدنوں میں میخیں ٹھونک کر زندہ لٹکا دیا۔ خسرو گرفتار ہو کر آیا۔ تُورۂ چنگیزی کے بموجب اُس کے گلے میں تلوار لٹکتی تھی۔ سر جھکائے تھر تھر کانپ رہا تھا۔ جہانگیر نے حکم دیا کہ اُس کو باغیوں کے درمیان سے گذارو تاکہ اُس کو بغاوت کی سزا کا علم ہو جائے۔ پھر قتل کرنے کی بجائے اُس کو قیدِ گراں میں رکھا گیا۔ شاہزادہ خرم ان دنوں میں مہم دکن پر گیا ہوا تھا۔ وُہ آکر باپ سے اپنے بدنصیب بھائی کی سفارش کرتا رہتا تھا۔ جہانگیر نے اُس کو اجازت دے دی کہ خسرو کو اپنے ساتھ دکن لے جائے جہاں وُہ اچانک ۱۰۳۰ھ میں دردِ قولنج سے مرگیا۔

گورو ارجن اور جہانگیر

جب خسرو بغاوت کر کے لاہور کی جانب گیا تو راستہ میں اُس نے ترنتارن میں سکھوں کے پانچویں گرو ارجن سے ملاقات کی۔ گورو ارجن نے اُس کی مالی امداد کی اور ماتھے پر قشقہ لگا کر اُسے رُخصت کیا۔ چنانچہ جہانگیر اپنی تزک میں لکھتا ہے "گوبندوال میں اجو دریائے بیاس پر واقع ہے، ایک ہندو تھا جس کا نام ارجن تھا۔ اُس کا لباس پیروں کا تھا۔ چنانچہ بہت سے سادہ لوح ہندو بلکہ نادان جاہل طبقہ کے مسلمان بھی اِس کے مرید ہو گئے تھے۔ اُس نے اپنی پیری اور ولایت کا ڈھول بجایا۔ اور لوگ اُس کو گرو کہتے تھے۔ اردگرد کے مکار اور فریب خوردہ پیر پرستوں نے اُس کے ساتھ

Marfat.com

عقیدت ظاہر کی۔ یہ لوگ تین چار پشتوں سے اِس دکان داری کو چلا رہے تھے۔ میرے دل میں مدّت سے یہ خیال تھا کہ اِس باطل دوکان کو برطرف کر دینا چاہیئے یا اس کو دائرۂ اسلام میں لے آنا چاہیئے۔ لیکن اب جو خسرو اُس کی طرف گیا تو اس مجہول مردک نے ارادہ کیا کہ اُس کی ملازمت پائے۔ ایک منزل ایسی آئی جہاں وُہ رہتا تھا خسرو وہاں اُترا اور اُس نے اُس کو دیکھا۔ خسرو نے اُس سے چند دار داتوں کا بیان کیا۔ اُس نے خسرو کی پیشانی پر زعفران سے اُنگلی کا نشان کیا جس کو ہندوؤں کی اصطلاح میں قشقہ کہتے ہیں اور اس کو نیک شگون سمجھتے ہیں۔ جب مَیں نے یہ بات سُنی تو مَیں اُس کے بُطلان کو بوجہٖ اکمل سمجھ گیا۔ مَیں نے حکم دیا کہ اُس کو حاضر کریں۔ مَیں نے اُس کے گھر اور مکانات اور فرزند۔ مرتضیٰ خان کو عنایت کر دیئے اور حکم دیا کہ اُس کو سنگین کو ٹھڑی میں رکھیں اور یاسا (چنگیزی قانون) کے مطابق سزا دیں"۔ یعنی وہ قتل کیا جائے۔ صاحبِ دبستانِ مذاہب کے مُطابق جہانگیر نے خسرو کی بغاوت میں امداد کرنے کے جُرم میں اُس کو دو لاکھ روپیہ جرمانہ کیا تھا۔ مورخ محسن فانی لکھتا ہے کہ حضرت جنّت مکانی نور الدین محمد جہانگیر بادشاہ نے ارجن مل کو اِس بنا پر کہ اُس نے شاہزادہ خسرو کو (جب اُس نے اپنے باپ کے خلاف بغاوت کی تھی) دُعائے خیر دی تھی۔ گرفتار کیا اور ایک بڑی رقم جرمانہ کیا جو وُہ نہ دے سکا۔ پس ارجن کی موت کے بعد جنّت مکانی نے اُس کے بیٹے ہر گوبند کو قلعۂ گوالیار میں بند کر دیا جب تک کہ تاوان کی وصُولی نہ ہو جائے۔ آخر بادشاہ نے ازراہِ کرم بیٹے کو رہا کر دیا۔

گورو ارجن پہلا گورو تھا جو مغلیہ سلطنت کے بادشاہ کے ہاتھوں قتل کیا گیا۔ ان سے پہلے گورو نانک کے جانشین مذہبی معاملات میں ہی دلچسپی لیتے رہے اور ہندوؤں مسلمانوں میں نیک اخلاق اور باہم صلح اور آشتی کا پیغام دیتے رہے۔ وُہ ملکی اور سیاسی باتوں کے ساتھ کوئی سروکار نہیں رکھتے تھے۔ اُن کی زندگیاں بھی سیدھی سادھی فقیرانہ تھیں۔ اُن کا نظریہ تھا کہ ؎

راج، مال، رُوپ، ذات، جوبن، پنجے ٹھگ
ایہنیں ٹھگیں جگ ٹھگیا، کنی نہ رکھی لج،

یعنی حکومت۔ دولت۔ شکل۔ ذات اور حُسن، یہ پانچوں ٹھگ ہیں جو لوگ ان کے ذریعہ دُنیا کو حاصل کر لیتے ہیں وُہ سچّی عزّت حاصل نہیں کر سکتے۔ اِن چاروں گورُوؤں کے زمانہ میں مغل بادشاہوں کے تعلقات اُن سے اچھے تھے کیونکہ وُہ موحّد تھے اور ہندو مت میں اصلاح

Marfat.com

کی کوشش کرتے تھے۔ چنانچہ گورو ارجن بھی اپنے زمانہ کی حکومت کے متعلق کہتا ہے: "اب مہربان کا حکم ہو گیا ہے۔ کوئی کسی پر جبر اور تشدد نہ کرے گا اور نہ کسی کو دُکھ دے گا۔ رعایا اب آرام اور چین سے زندگی بسر کرے گی۔ اس طرح کا نرم راج زندہ رہے"۔ کہتے ہیں کہ جہانگیر نے اپنی شاہزادگی کے زمانہ میں گورو ارجن کو جاگیر بھی عطا کی تھی جہاں اب کرتار پور (ضلع جالندھر) آباد ہے۔

پہلے چار گورو تو تیاگ مورتی رہے لیکن گورو ارجن ایک طرف تو فقیرانہ طبیعت رکھتے تھے اور دوسری طرف سیاسی امور میں بھی کھلے بندوں مشغول رہتے تھے۔ چنانچہ ایک طرف تو وہ لکھتے ہیں:

راج نہ چاہوں، مُکت نہ چاہوں

من چرن پریت کملا رہے

(یعنی نہ میں حکومت کی خواہش رکھتا ہوں اور نہ مجھے مکتی کی خواہش ہے۔ میری تو ایک ہی تمنا ہے کہ میرا من خدا کی محبت کے نشے میں رہے)۔ لیکن دوسری طرف انہوں نے گورو کے دربار کی ٹھاٹھ شاہی دربار کی سی بنالی۔ انہوں نے جتھہ بندی کر کے ایک سلسلہ بنایا جس کے وہ "سچے پادشاہ" تھے۔ تزک کے درشت الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ جہانگیر کو اس بات کا علم تھا۔ جب خسرو نے جہانگیر کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا تو جیسا ہم سطورِ بالا میں لکھ آئے ہیں، وہ لاہور جاتے وقت گورو ارجن سے ملا اور اُن سے دُعائے خیر کا خواہاں ہوا۔ ناظرین کو یاد ہو گا کہ خسرو کی ماں ہندو راجہ بھگوانداس کی بیٹی تھی۔ غالباً اس بات کو ملحوظِ خاطر رکھ کر گورو ارجن نے اُس کے ماتھے پر تلک لگایا جو نیک شگون تھا لیکن جہانگیر کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ وہ گورو ارجن سے پہلے ہی ناراض تھا اور اُس نے تلک کو "راج تلک" سمجھا۔ پھر جب گورو ارجن نے اُس کی دامے درمے مدد بھی کی تو جہانگیر کو یہ یقین ہو گیا کہ وہ خسرو کی پُشت پر ہے۔ اُس کو گورو ارجن کو کُچلنے کا موقع مل گیا۔ گورو ارجن کی سزائے قید، تاوان اور قتل سیاسی وجوہ کے باعث ہوئے۔ اگرچہ اُس کے بیٹے کو بعد میں رہا کر دیا گیا تاہم سکھوں کے دل برگشتہ ہونے شروع ہو گئے۔ گورو ارجن کا قتل مخاصمت کا بیج تھا جو سکھوں کے دلوں میں بویا گیا اور جو بعد کے زمانہ میں پھل لایا۔

خصائل و عادات

جہانگیر کی رگوں میں چنگیزی خون تھا جو غصّہ اور غضب کے موقعوں پر جوش میں آجاتا تھا، اور وہ ایسی حرکتیں کر بیٹھتا تھا جن کے سُننے

Marfat.com

سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ اُس کی شہزادگی کے ایام میں ایک دفعہ بادشاہی واقعہ نویس ایک حسین اور خوبرو لڑکے کو لے کر بھاگ گیا۔ جہانگیر بھی اُس لڑکے کو دیکھ کر خوش ہُوا کرتا تھا۔ حکم دیا کہ دونوں کو پکڑ لاؤ۔ جب وُہ پکڑے آئے تو اُس نے اپنے سامنے دونوں کی زندہ کھال اُترواڈالی۔ جب اکبر کو اِس کا علم ہُوا تو وُہ تڑپ اُٹھا اور کہنے لگا۔ اللہ۔ اللہ شیخوجی ہم تو بکری کی کھال بھی اُترتی نہیں دیکھ سکتے۔ تم نے یہ سنگدلی کس سے پائی؟ شراب پی کر وُہ آپے سے باہر ہو جاتا تھا، ایسا کہ ملازم ڈر کے مارے کونوں میں جا چھپتے تھے۔ لیکن جب اُس کے ہوش و حواس برقرار ہوتے تو وُہ عدل و انصاف کا مجسّمہ ہوتا تھا۔ چنانچہ تخت نشینی کے بعد اُس نے چھ من وزنی سونے کی ایک زنجیر بنوائی جس کا ایک سِرا دریائے جمنا کے کنارے ایک پتھر کے ستون میں لگایا اور دُوسرا سِرا آگرہ کے قلعہ کے شاہ بُرج میں لگایا تاکہ ہر فریادی زنجیر کے گھنٹوں کے ذریعہ اپنی فریاد شہنشاہ کے کانوں تک پہنچا سکے۔ یہ زنجیر تیس گز لمبا تھا جس میں ساٹھ گھنٹے لٹکتے تھے، جن کی آواز قلعہ کے تمام محلات میں گونج جاتی تھی۔ جہانگیر ہر چھوٹے بڑے فریادی کا انصاف کرتا تھا۔ اُس کا عدل ایسا مشہُور ہو گیا کہ سکھوں کا دسواں گورو رسم گرنتھ میں اُس کی وفات کا ذکر کرتے ہُوئے لکھتا ہے کہ "جہانگیر عادل مرگئو"۔ اس کے علاوہ اُس نے دریائے جمنا کے کنارے ایک لاٹھ بھی کھڑا کیا جس پر بارہ احکام کندہ تھے جن میں سے چند ایک یہ تھے (۱) محصُولوں کی معافی (۲) چوری اور ڈاکہ زنی کا انسداد۔ (۳) متوفّی کی جائداد کا اُس کے ورثاء کو مل جانا (۴) شراب اور دیگر نشہ آور اشیاء کی فروخت کی ممانعت۔ (۵) شفا خانوں کی تعمیر کا حکم اور اُن کے لئے قابل اطبّا کا تقرّر۔ (۶) جانوروں کو خاص دنوں میں ذبح کرنے کی ممانعت (۷) اتوار کے دن کی حرمت وغیرہ۔ اِن احکام میں سے نمبر ۳ کا اثر (جیسا کہ ہم آگے چل کر ذکر کریں گے) اکبر کی عطا کردہ زمین پر پڑا جو اُس نے مبلّغین کو دی تھی۔ حکم نمبر ۷ بھی قابلِ غور ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق مسیحی تعلیم و عبادت کے ساتھ ہے۔ ان تمام احکام کا مطلب رعایا کے مختلف طبقوں کی دلجوئی حاصل کرنا تھا۔

جہانگیر کی رعایا میں ہندوؤں کی ایک بڑی اکثریت تھی۔ اگرچہ مسلمان حکمران تھے تو بھی وُہ ایک اقلیت تھے۔ ہندوؤں کی تعداد نسبتاً ایک اور پانچ کی تھی۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے علاوہ اس کی سلطنت میں عیسائی بھی بستے تھے اور بیرونی ممالک کے لوگ ایرانی۔ تاتاری۔ آرمینی وغیرہ رہتے تھے۔ جہانگیر کی یہی کوشش تھی کہ اُس کی سلطنت کے لوگ باہم صلح اور

Marfat.com

آشتی سے رہیں اور کوئی کسی پر ظلم کرنے نہ پائے۔ مذہب کے معاملہ میں جیسا ہم آگے چل کر لکھیں گے وُہ اکبر کی طرح بڑا وسیع الخیال واقع ہُوا تھا اور کسی مذہب و ملّت کے لوگوں سے اُن کے دین کی بنا پر تعرض نہیں کرتا تھا۔

جہانگیر اور شہر لاہور کہتے ہیں کہ شہر لاہور کو رام کے بیٹے لَو نے بسایا تھا۔ لیکن نہ تو سکندرِ اعظم کے حملہ کے بیان میں اس کا ذکر آتا ہے اور نہ رومی پلینی (Pliny) یا سٹریبو Strabo اس شہر کا کہیں ذکر کرتے ہیں۔ تاریخ میں اس کا نام پہلی دفعہ ہیوئن سانگ Hsuan Tsang چینی سیّاح کے سفرنامہ میں ملتا ہے۔ وُہ ۶۳۰ء میں لاہور آیا تھا۔ گیارھویں صدی میں اسلامی حملہ آور اُس کو تاراج کرتے رہے۔ ۱۲۰۵ء میں قطب الدین ایبک کی تاجپوشی لاہور میں عمل میں آئی۔ ۱۲۷۰ء میں بلبن نے اُس کو دوبارہ آباد کیا لیکن ایک صدی کے قریب یہ شہر منگلوں کے حملوں کی وجہ سے برباد ہوتا رہا۔ بابر نے دہلی کی طرف جاتے ہُوئے راستہ میں چار روز یہاں قیام کیا۔ لیکن اس کے پوتے اکبر کے زمانہ میں لاہور ۱۴ سال تک دارالسلطنت رہا۔ اُس نے پرانے مٹی کے قلعہ کو مسمار کر کے نیا شاندار قلعہ بنوایا۔ اُس کے زمانہ میں ۱۵۸۴ء سے ۱۵۹۸ء تک یہ شہر ایشیا کے ممالک کے عُلما و فضلائے روزگار کا مرجع بن گیا۔ جہانگیر کی شادی اِسی شہر لاہور میں راجہ بھگوانداس کی بیٹی سے ۱۵۸۴ء میں ہُوئی تھی۔ اور اُس کو یہ شہر نہایت مرغوب تھا۔ چنانچہ ڈے لایٹ De Laet لکھتا ہے کہ جہانگیر کے زمانہ میں لاہور مشرق کے تمام شہروں میں سب سے بڑا شہر تھا۔ اس کی فصیل ۲۴ کوس کی تھی۔ اور اس کے قلعہ کے بارہ دروازے تھے جن میں سے ۹ شہر کے نواحی کی جانب اور تین دریا کی طرف کھلتے تھے۔ شہر کی سڑکیں عُمدہ اور ان کے فرش پتھر کے تھے۔ جہانگیر اکثر لاہور ہی میں رہتا تھا۔ اُس کی وفات کے بعد لاہور کے شہر کی رونق پہلی سی نہ رہی اور کم ہونے لگی۔ سچ ہے ع ہر کمالے را زوالے۔

جہانگیر اور نُورجہاں مسٹر ٹامس رو Roe (جو جیمس شاہِ برطانیہ کی طرف سے جہانگیر کے دربار میں ۱۶۱۴ء میں سفیر بن کر آیا تھا) لکھتا ہے کہ ہر سال بیس ہزار کے قریب اُونٹ آگرہ اور دیگر مقامات سے ایران کی طرف جاتے ہُوئے لاہور کے پاس سے گذرتے ہیں۔ جن پر تجارت کی اشیا لدی ہوتی ہیں۔ ایک دفعہ اِسی قسم کے ایک کارواں میں طہران کا ایک باشندہ مرزا غیاث بیگ ہندوستان کی جانب اپنے اہل و عیال سمیت آ رہا تھا۔

Marfat.com

جب وُہ قندھار پہنچا تو اس فلاکت زدہ شخص کے ہاں ایک بیٹی پیدا ہوئی ۔ میر قافلہ کو مرزا کی حالت پر رحم آیا ۔ اُس کے ذریعہ غیاث بیگ کی رسائی اکبری دربار میں ہو گئی ۔ اکبر نے اُس کو ملازم رکھ لیا ۔ اُسکی بیٹی مہرالنسا محلات میں بڑھی ۔ اکبر کے عہد میں مینا بازار ترکستان کے دستور کے مُطابق لگا کرتا تھا ۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ مینا بازار ہُوا تھا ۔ شاہزادہ سلیم بازار میں پھرتا ہُوا چمن کی طرف جا نکلا ۔ ہاتھ میں کبوتر کا جوڑا تھا ۔ ایک پھُول توڑنے کو جی چاہا ۔ سامنے سے مہرالنسا آرہی تھی ، اُس کے ہاتھ میں کبوتر دیکر پھُول توڑنے گیا ۔ واپس آیا تو دیکھا کہ مہرالنسا کے ہاتھ میں ایک ہی کبوتر ہے ۔ پُوچھا کہ دُوسرا کبوتر کیا ہُوا ؟ جواب ملا کہ صاحبِ عالم وُہ تو اُڑ گیا شہزادہ نے پُوچھا کیونکر اُڑ گیا ۔ اُس نے دُوسری مٹھی بھی کھول دی اَور جواب دیا کہ حضور یُوں اُڑ گیا ۔ شہزادہ کو سادگی کی یہ ادا بہت بھلی لگی ۔ اُس کا حسب نسب دریافت کر کے کہا کہ جس طرح اُمرا کی لڑکیاں محل میں آتی ہیں تُم بھی آیا کرو ۔ محل میں اب ماں کے ساتھ بیٹی بھی آنے لگی ۔ شہزادہ کا یہ حال تھا کہ جب وُہ ماں یا دادی کے پاس آتی وُہ بھی پہنچ جاتا ۔ بیگم تاڑ گئی ۔ پس اکبر نے مہرالنسا کی شادی ایک ایرانی نوجوان بہادر شریف زادہ طہماسپ قلی سے کر دی جس کو دلاوری کی وجہ سے اکبر نے " شیر افگن " کا خطاب دیا تھا ۔ اُس نے شادی کے بعد دونوں کو بنگال بھیجدیا ۔ جب سلیم تخت نشین ہُوا تو اُس نے اگست ۱۶۰۶ء میں بنگال کے گورنر کو حکم دیا کہ شیر افگن کو دربار میں حاضر کرے ۔ شیر افگن نے مقابلہ کیا جس میں گورنر اَور شیر افگن دونوں مارے گئے ۔ مہرالنساء معہ اپنی بیٹی لاڈلی بیگم کے آگرہ دربار میں بھیجی گئی ۔ جہانگیر نے اُس کو اپنی سوتیلی ماں سلطان سلیمہ بیگم کے ہاں بھیجدیا ۔ بالآخر ۴ سال کے بعد سنہ ۱۶۱۱ء میں جہانگیر کی شادی مہرالنسا سے ہو گئی ۔ اَور اُس کا نام نُورجہاں رکھا گیا ۔ نُورجہاں نہایت عاقلہ تھی اَور اُمورِ سلطنت اَور خفیہ ریشہ دوانیوں کو کماحقہٗ سمجھتی تھی ۔ رفتہ رفتہ وُہ کُل سلطنت کی مالک ہو گئی ۔ سکّہ پر ضرب اَور شاہی فرمانوں پر مُہر بھی بیگم کی ہوتی تھی ۔ ایسی بات کبھی کسی اسلامی سلطنت میں پہلے نہ ہُوئی تھی ۔ فقط خُطبہ میں بیگم کا نام نہ ہوتا تھا باقی سب اُمورِ سلطنت میں یہ دُور اندیش اَور با تدبیر ، دلیر ملکہ سیاہ ، سفید کی مالک تھی ۔ جہانگیر شراب میں مست رہتا تھا اَور ملکہ ایسی تدبیریں عمل میں لاتی تھی جس سے حکومت میں فرق نہ آئے ۔ لیکن طاقت کے نشہ میں وُہ اپنی اَور اپنے خاندان کی عظمت کو حکومت کے استحکام پر ترجیح دینے لگی ۔ اُس نے ۱۰۳۰ھ میں اپنی بیٹی کی شادی شہزادہ شہریار سے کر دی ،

Marfat.com

جو جہانگیر کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا۔ وہ پست خیالات رکھنے والا عیش پسند شہزادہ تھا لیکن نورجہاں چاہتی تھی کہ شہزادہ خرم (شاہجہاں) کی بجائے وہ جہانگیر کے بعد سلطنتِ مغلیہ کا بادشاہ بنے۔ نورجہاں کے باپ غیاث بیگ کو اعتماد الدولہ کا خطاب ملا۔ آصف خان اُس کا حقیقی بھائی تھا، جس کی بیٹی ممتاز محل شاہجہان کی چہیتی بیوی بنی۔ قدرت نے نورجہاں کو بے نظیر حسن کے ساتھ ایسا دل و دماغ عطا کیا تھا جو اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ دلیر اس قدر تھی کہ جہانگیر کے ساتھ شکار کرنے جاتی اور خود چیتوں کو ہلاک کر دیتی تھی اور جنگ میں تیر اندازی کرتی تھی۔ عاقلہ ایسی تھی کہ سیاسی چالوں میں سب کو مات کر دیتی تھی۔ وہ ۱۶۴۵ء میں ۷۲ سال کی عمر پاکر فوت ہو گئی۔

جہانگیر کی مذہبی پالیسی

گذشتہ ابواب میں ہم اکبر کے مذہبی خیالات پر مفصل تبصرہ کر چکے ہیں۔ ناظرین پر ظاہر ہو گیا ہوگا کہ حکومت کے آخری سالوں میں اکبر کی آزاد خیالی اور وسیع المشربی اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ وہ تمام مذاہب کو خدا کی جانب سے سمجھ کر دینِ الٰہی کا بانی ہو گیا تھا۔ جو مسلم علما اُس سے بیزار تھے اُس نے اُن کو ذلیل و خوار کیا۔ جب اکبر فوت ہو گیا تو قدرتی طور پر مسلم علما قرآنی احکام کے نفاذ اور اپنے اقتدار کا قیام چاہتے تھے۔ جہانگیر کی بیوی ہندو راجپوت نژاد تھی اور محلات میں ہندو ریت و رسوم جاری تھیں کیونکہ ہندو عورتوں کی اچھی خاصی تعداد محلات میں رہتی تھی پس سلطنت کے بقا اور اپنے تاج و تخت کے قیام کی خاطر جیسا ہم سطورِ بالا میں لکھ آئے ہیں اُس نے قرآن و شریعتِ اسلام کی پابندیوں کو محلات میں جاری کر دیا۔ بادشاہ ہوتے ہی اُس نے اپنا نام "نورالدین محمد جہانگیر" رکھ لیا۔ جس سے مسلمان خاص و عام، سب خوش ہو گئے۔ اکبر کے دینِ الٰہی کا بھی خاتمہ ہو گیا اگرچہ جہانگیر اپنے باپ کی طرح وسیع الخیال ہی رہا لیکن وہ ظاہرا طور پر اسلام کا قائل تھا اور صوفیہ کے ساتھ عقیدت رکھتا تھا۔ جس طرح اکبر کو آخری عمر تک سلیم چشتی سے عقیدت رہی جس کی دعا سے جہانگیر پیدا ہوا تھا۔ جہانگیر کی پیدائش کے وقت اکبر آگرہ سے پا پیادہ اجمیر گیا تھا اور راستہ میں اشرفیاں اور زر و سیم لٹاتا گیا تھا۔ وہاں جاکر اُس نے ایک مسجد اور خانقاہ کے لئے کئی عمارتیں بنوائیں۔ جہانگیر اپنے آٹھویں جلوس میں اجمیر گیا۔ وہ تزک میں لکھتا ہے "میں شہر کی طرف بڑھا اور جب قلعہ اور حضرت خواجہ کا روضہ نظر آنے لگا تو ایک کوس پہلے ہی پاپیادہ ہو گیا۔ راستے کے دونوں جانب فقرا اور مساکین کو اور حاجتمندوں کو

Marfat.com

روپے دیئے (توزکِ جہانگیری صفحہ ۱۲۵) ۔ ۱۰۲۵ھ میں جہانگیر نے ایک لاکھ دس ہزار روپیہ صرف کر کے مزار کے گرد ایک طلائی کٹہرا بنایا جو اب وہاں نہیں ہے ۔ وُہ درویشوں اَور فقیروں کی بڑی پرورش کرتا تھا اَور ہمیشہ اس بات کا طالب رہتا تھا کہ اُن سے اُس کو کوئی رُوحانی نعمت ملے ۔ چنانچہ وُہ ایک جگہ کی بابت لکھتا ہے کہ یہاں کے قُرب وجوار میں زیارت کی ایک جگہ ہے ۔ مَیں بایں خیال وہاں گیا کہ شائد کوئی ایسا فقیر درویش مُجھے مل جائے جس کی صحبت سے فیض حاصل ہو ۔ لیکن مَیں نے صرف ایسے ہی لوگ پائے جن کو خُود الٰہی معرفت حاصل نہ تھی ۔ ایک دفعہ جب اُس کا عتاب مجددِ سرہندی پر ہُوا تو اُس نے اُن کو نظر بند کر دیا ۔ لیکن پھر رہا کر کے اُس کو عطیات سے سرفراز کیا اَور نذرانے بھی گذارنے ۔ انجمنِ عیسوی کے مبلغین کی صحبت میں رہ کر اُس کے دل کو شگفتگی حاصل ہو جاتی تھی ۔

خسرُو کی بغاوت کے بعد جب جہانگیر کو اپنے تخت وتاج کے استحکام کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو وُہ قرآن وشریعت کے احکام کی جانب سے بے پرواہ ہو گیا ۔ چنانچہ کیترو (Catrou) کہتا ہے کہ مُسلم عُلمآ نے اُس کو کہا کہ بعض قسم کی اشیائے خوردنی اَور نوشیدنی حرام ہیں ۔ جہانگیر اُن کی متواتر ممانعتوں سے "تنگ آگیا اَور اُس نے پُوچھا کہ وُہ کونسا مذہب ہے جس میں ہر قسم کی خوراک کھا پی سکتے ہیں ۔ جواب ملا کہ صرف مسیحیت ہی میں اِس قسم کی آزادی دی گئی ہے کہ کھانے پینے سے حقیقی مذہب کا تعلق نہیں ہے ۔ جہانگیر نے کہا پھر آؤ ۔ ہم سب مسیحی ہو جائیں ۔ درزی بلائے گئے تاکہ وُہ یورپین لباس بنائیں ۔ عُلما اِس حکم کو سُن کر گھبرا اُٹھے اَور اُنہوں نے یہ فتویٰ دیدیا کہ بادشاہ اِن شرعی قیود کا پابند نہیں ہے وُہ جو چاہے آزادی سے کھائے پئے ۔

انگریزی سفیر سرٹامس رَو بیان کرتا ہے کہ ایک رات جہانگیر نے بھری مجلس میں تورات ، انجیل اَور قرآن کا ذکر چھیڑ دیا ۔ شراب کا دَور چل رہا تھا ۔ مُجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا " مَیں بادشاہ ہُوں اَور تُمہارا خیر مقدم کرتا ہُوں ۔ مَیں یہودیوں مُسلمانوں اَور عیسائیوں کے مذاہب میں مداخلت نہیں کرتا ۔ وُہ محبت اَور باہمی صُلح کے ساتھ میرے دربار میں آتے جاتے ہیں اَور مَیں کسی پر نہ ظلم کرتا ہُوں اَور نہ ظلم ہونے دیتا ہُوں ۔ وُہ بڑے چَین سے میرے زیرِ سایہ میری سلطنت میں رہتے ہیں " ۔ اُس نے اپنے اجداد کے نقشِ قدم پر چل کر گائے کا ذبح کرنا منع کر کے اپنی ہندو رعایا کے دلوں کو موہ لیا ۔ اُس نے بھی اکبر کی طرح حکم دیا کہ فلاں فلاں

Marfat.com

روز گوشت نہ کھایا جائے۔ ایک روز وُہ بھیس بدل کر اپنے دو بیٹوں کے ہمراہ قصابوں کی دکانوں کی طرف گیا تاکہ معلوم کرے کہ اُس کے حکم پر عمل ہوتا ہے کہ نہیں۔ وہاں گوشت کو بکتا دیکھ کر واپس چلا آیا۔ اگلے روز اُس نے میر محلہ کو بُلوا بھیجا۔ اُس کو دُرّے لگوائے اَور گدھے پر سوار کر کے تمام شہر میں اُسے تشہیر کیا۔ شہزادگی کے ایام میں جہانگیر نے کرتار پور کی زمین کی معافی کا پٹہ دھرم سالہ کے نام ۱۵۹۸ء میں عنایت کیا۔ اُس زمین کا رقبہ قریباً نو ہزار گھماؤں تھا۔ اُس نے انجمن عیسوی کے مبلغین کو بھی گرجاؤں اَور قبرستانوں کے لئے زمین عطا کی جن کا مفصل حال ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔ جہانگیر کے عہد میں مسلمان، ہندو اَور عیسائی سب سلطنت کے اچھے عہدوں پر ممتاز تھے۔ ہم گذشتہ ابواب میں بتلا چکے ہیں کہ اکبری عہد میں راجہ بھگوانداس۔ راجہ مان سنگھ۔ رائے سنگھ۔ ٹوڈرمل صُوبوں کے گورنر تھے۔ راجہ ٹوڈرمل اُس کا وزیر مالیات تھا جس نے اپنی حسنِ لیاقت سے ایسی خوبی سے امُورِ سلطنت کو چلایا تھا کہ اکبر کی وفات کے وقت شاہی خزانہ میں علاوہ جواہرات وغیرہ کے قریباً ۳۵ کروڑ نقد روپیہ جمع تھے۔ جس رقم کو جہانگیر نے غیر آباد اضلاع کو آباد کرنے اَور نئی سڑکیں بنوانے میں صرف کیا۔ جہانگیر کی یہی پالیسی رہی۔ اگرچہ خسرو کی بغاوت کے بعد (جس میں ہندوؤں نے اُس کا ساتھ دیا تھا) جہانگیر نے عموماً کم ہندوؤں کو اعلیٰ ترین عہدوں پر ممتاز کیا تاہم عام طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جہانگیر مذہبی امُور میں آزاد خیال اَور وسیع النظر فرمانروا تھا جو تمام مذاہب کے لوگوں کو اچھی نظروں سے دیکھتا تھا اَور مذہب کی بنا پر کسی سے تعرض نہیں کرتا تھا۔ اُس نے مذہب اسلام کی اشاعت کی خاطر نہ کوئی جنگ کی اَور نہ کبھی غیر مسلموں کو ایذائیں دیں۔ لیکن اکبر کی مذہبی رواداری اصُولوں پر مبنی تھی۔ جہانگیر کی رواداری کا تعلق نہ اصُول کے ساتھ تھا اَور نہ مذہب کے ساتھ تھا۔ وُہ فطرتاً سہل انگار واقع ہوا تھا اَور اُس کی رواداری اُس کی سہل انگاری اَور آسان پسندی کی وجہ سے تھی۔

Marfat.com

فصل دوم

ہندوستان میں مغربی ممالک کے تاجروں کی آمد

پرتگیزوں کی آمد ہم باب اوّل میں بتلا چکے ہیں کہ ۱۴۹۸ء میں واسکوڈے گاما ہندوستان کے ساحل پر پہنچا اور اُس نے جنوبی ہند کے ہندو راجاؤں کے ساتھ معاہدے کئے۔ البوکرک نے بارہ سالوں کے اندر راس کماری سے لے کر چین تک کے بارہ ہزار میل لمبے ساحل پر تجارتی بندرگاہ قائم کر دیئے، اور گوآ کا حصین قلعہ مستحکم کر لیا۔ اکبر کے عہد میں گوآ صدر اسقف کا صدر مقام ہو گیا اور محکمۂ احتساب کے محتسب بھی اسی سال (۱۵۶۰ء) آ پہنچے۔ ان ایام میں شاہِ سپین و پرتگال دُنیا کے عظیم بادشاہوں میں شمار ہوتا تھا۔ افریقہ اور بحرِ ہند کی تجارت گاہوں کی دولت نے اُس کی شوکت، ثروت اور عظمت کو چار چاند لگا دیئے تھے۔ شاہِ پرتگال و سپین کی دولت کو دیکھ کر دیگر یورپین ممالک کے حرص و آز کے دانت تیز ہو گئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دیگر مغربی ممالک نے (جو یورپین نشاۃ ثانیہ اور اصلاحِ کلیسیا و مذہب کی وجہ سے رُومی کلیسیا اور اُس کے بادشاہوں کے مخالف تھے) کمرِ ہمت باندھی اور پرتگیزی سلطنت کو ہندوستانی تجارت سے محروم کر کے اُس کو اپنے قبضہ میں لانے کی ٹھانی۔ شہنشاہ چارلس پنجم (از ۱۵۲۰ء تا ۱۵۵۶ء) سولہویں صدی میں سپین ہالینڈ اور دیگر ممالک کا بادشاہ تھا۔ اُس نے از حد کوشش کی کہ تحریکِ اصلاح کو کچل ڈالے لیکن ناکام رہا۔ جن ممالک پر وہ حکمران تھا اُنہوں نے بغاوت کر دی۔ اُس کا بیٹا فلپ دوم سپین و پرتگال کا بادشاہ ہوا جس کے زمانہ میں سپین کے زبردست بیڑے کو انگلستان کی ملکہ الزبتھ کے عہد میں ۱۵۸۸ء میں شکستِ فاش ملی۔ اسی بادشاہ کے عہد میں ہالینڈ نے بھی اپنا جوا اُتار پھینکا اور آزاد ہو گیا۔ دونوں ملک یعنی انگلستان اور ہالینڈ رُومی کلیسیا سے بھی آزاد ہو گئے، اور دونوں کے باشندے بحری ڈاکوؤں اور لٹیروں کی طرح شاہِ ہسپانیہ کے تجارتی جہازوں پر حملے کر کے اُن کو لوٹ لیتے اور آگ لگا کر اُن کے خزانوں پر قبضہ کر لیتے تھے۔ ان لٹیروں میں سب سے مشہور فرانسس ڈریک تھا۔ اس لُوٹ کا ایک بڑا حصہ ملکہ الزبتھ کو جاتا تھا

Marfat.com

جو باوجودیکہ سپین اور انگلستان میں صلح تھی، ان لٹیروں کی خفیہ حمایت کرتی تھی۔ یہ لٹیرے ڈاکہ ہر جائز و ناجائز طور پر دولت حاصل کرنے کے درپے تھے۔ انہوں نے مغربی افریقہ کے ہسپانوی مقبوضات کے باشندوں کو بھی غلاموں کی منڈیوں میں فروخت کرنا شروع کیا۔ اس بدترین تجارت میں سب سے مشہور شخص ولیم ہاکنس تھا جس کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے۔

۱۵۸۷ء میں انگریز سر فرانسس ڈریک نے سپین کا ایک بحری جہاز پکڑا جس میں ہندوستان کا مال تھا جو قریباً ایک لاکھ نوے ہزار پونڈ کی مالیت کا تھا۔ اس کے بعد انگریز منچلے لٹیروں نے چار جہاز پکڑے جو گوآ سے چلے تھے۔ دو جہاز غرق ہو گئے اور ایک کو آگ لگ گئی لیکن چوتھے جہاز میں جو انگریزوں کے قابو آیا ڈیڑھ لاکھ پونڈ کی مالیت کا سامان تھا جو ان لٹیروں نے آپس میں تقسیم کر لیا۔ لوٹ کا ایک بڑا حصہ ملکہ الزبتھ کو ملا جو اس میں ساجھی تھی۔

ایسٹ انڈیا کمپنی

۱۵۹۹ء میں لندن کے تاجروں نے ہندوستان کی تجارت کو ہاتھ میں لانے کے لئے ایک انجمن قائم کی لیکن سیاسی وجوہ کی بنا پر ملکہ نے اس معاملہ کو ملتوی کر دیا۔ ۱۶۰۱ء میں جان ملڈن ہال (Milden Hall) دربارِ اکبری میں ملکہ کا سفیر بن کر گیا۔ وہ آرمینیا۔ ایران اور افغانستان کے راستے ۲ برس کے بعد آگرہ پہنچا۔ انجمنِ عیسوی کے مبلغین اس کو دیکھ کر تلملا اٹھے اور انہوں نے اس کی مخالفت پر کمر باندھ لی۔ ملڈن ہال تین سال تک دربار میں رہا۔ اس نے جہانگیر سے تجارت کا وعدہ حاصل کر لیا۔

بالآخر ۱۶۰۹ء میں ولیم ہاکنس جہانگیر کے دربار میں سفیر بن کر آیا۔ وہ ترکی زبان میں جہانگیر سے گفتگو کیا کرتا تھا جس سے مبلغین بالکل ناواقف تھے۔ جہانگیر نے اس کو اپنے دربار میں عہدہ بھی عطا کیا۔ لیکن پرتگیزوں نے سورت کے گورنر مقرب خان کو ہاتھ میں لے لیا اور اس کی پیش نہ چلنے دی پس وہ ۱۶۱۱ء میں واپس چلا گیا۔ پرتگیزوں نے ۱۶۱۵ء میں انگریزوں کے چار جہازوں پر جو سورت میں تھے، حملہ کیا لیکن شکست کھا کر پسپا ہو گئے۔ اسی سال انگریزی کمپنی کا ایجنٹ جہانگیر کے دربار میں آیا اور اس نے سلطنتِ مغلیہ میں تجارت کرنے کا فرمان حاصل کر لیا۔ جیمس اوّل نے اپنا سفیر سر ٹامس رو جہانگیری دربار میں اسی سال بھیجا۔ دو سال کے اندر مغلیہ سلطنت میں انگریزوں کی پانچ کوٹھیاں آگرہ۔ احمد آباد۔ برہان پور۔ بھروچ، اور سورت میں قائم ہو گئیں۔ سر ٹامس رو نے جہانگیر سے فرمان حاصل کر لئے جن کی رو سے پرتگیزوں سے اور ہالینڈ کی کمپنی سے انگریزی کمپنی کو زیادہ سہولتیں مہیا ہو گئیں۔ بادشاہ جیمس اوّل نے

Marfat.com

بھی کمپنی کے افسروں کو اختیارات دیدیئے تاکہ وُہ کمپنی کے ملازموں کو اُن کے جرائم کی سزائیں دے سکیں۔ بالفاظِ دیگر اُن کو حکومت کرنے کے اختیارات بھی مل گئے۔ کمپنی نے رفتہ رفتہ صدیوں کے دَوران میں سلطنتِ برطانیہ کی صورت اختیار کرلی۔

مُلکِ ہالینڈ کی کمپنی

۱۵۹۸ء میں ہالینڈ کے تاجروں نے بڑودہ میں کوٹھی قائم کرلی۔ ۱۶۰۲ء میں چھوٹی چھوٹی کمپنیوں کو ملاکر ایک "ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی" بنائی گئی۔ اس کے اگلے سال کمپنی نے گوآ کی ناکہ بندی کردی اَور دونوں مُلکوں میں جنگ ہوتی رہی جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ والندیزوں نے متعدد پرتگیزی مقبوضات پر قبضہ کرلیا، اَور اُنھوں نے جنوبی ہند میں کوٹھیاں قائم کرلیں۔ اہلِ ہالینڈ یعنی والندیزوں کی طاقت اس قدر بڑھ گئی کہ پرتگیزوں کو چار و ناچار اُن کے تجارتی حقوق کو تسلیم کرنا پڑا۔ ۱۶۲۳ء میں تین انگریزی جہازوں اَور چار ڈچ جہازوں نے گوا کی ناکہ بندی کرکے پرتگیزوں کے ناک میں دم کردیا، اَور ۱۶۲۵ء میں ڈچ کمپنی نے بنگال میں چنسرہ کے مقام پر کوٹھی قائم کرلی۔

مُلکِ ڈنمارک کی کمپنی

۱۶۱۰ء میں اہلِ ڈنمارک نے بھی کوپن ہاگن میں "ڈینش ایسٹ انڈیا کمپنی" کو قائم کرلیا اَور اس کے چار سال بعد اُن کا پہلا جہاز ہندوستان آیا لیکن ٹرنکوبار کے قریب آکر تباہ ہوگیا۔ اہلِ ڈنمارک نے تنجور کے راجہ سے ٹرنکوبار اَور اُس کے مضافات (۵ میل × تین میل) کو چار ہزار روپیہ سالانہ کرایہ پر لے لیا۔

جہانگیر اَور فرنگی

کیترو (Catrou) لکھتا ہے کہ جہانگیر کے زمانہ میں آگرہ کے تمام فرنگیوں کو (خواہ وُہ کسی مُلک کے ہوں) محل میں آنے کی عام اجازت تھی۔ بعض اوقات وُہ اُن کی صحبت میں تمام رات شراب پیتا رہتا تھا۔ ایک انگریز ہنارڈ نام جہانگیر کی حکومت کے آخری سالوں میں اُس کے دربار میں آیا۔ وُہ بڑا قابل طبیب اَور جراح تھا۔ وُہ ایک خوبصورت ناچنے والی لڑکی پر عاشق ہوگیا۔ یہ انگریز جہانگیر کا ہم پیالہ تھا۔ ایک دفعہ اُس نے حرم سرائے کی کسی بیگم کو تندرست کرکے جہانگیر کو خوش کردیا۔ جہانگیر نے ایک بیش بہا قیمتی پتھر اُس کو دیا لیکن اُس نے تحفہ کے عوض ناچنے والی لڑکی مانگی۔ جہانگیر نے ہنس کر کہا کہ لڑکی کو طبیب کے کندھوں پر چڑھا دو تاکہ وُہ اُسے لے جائے۔[1] جب ٹامس رو سے اُس کو معلوم ہُوا کہ انگریز بیئر شراب پیتے ہیں تو اُس نے رو

1. Bernier's Travels. pp. 274—76.

Marfat.com

کو حکم دیا کہ وہ بیئر بنا کر اُس کو پلائے۔ ایک رات رو سو رہا تھا تو ملازموں نے اُس کو جگایا، اور خبر دی کہ جہاں پناہ نے طلب کیا ہے۔ جب وہ گیا تو دیکھا کہ بادشاہ آلتی پالتی مارے ہوئے ہیرے موتی اور جواہرات سے لدا تخت پہ بیٹھا ہے۔ سامنے ایک میز پہ پچاس طلائی طباق پڑے ہیں جو قیمتی پتھروں سے جڑے تھے۔ عمائدینِ سلطنت با ادب کھڑے ہیں۔ ایک طرف شراب کی صراحیاں پڑی ہیں۔ شراب کا دور چل رہا ہے۔ خود پیتا تھا اور دوسروں کو پینے کا حکم دیتا تھا۔ رو کو دیکھکر بادشاہ نے کہا کہ ہم نے تم کو یہ تصویر دکھلانے کے لئے بُلایا ہے۔[1] ان مثالوں سے ظاہر ہے کہ جہانگیر فرنگیوں کے ساتھ بڑی بے تکلفی سے پیش آتا تھا۔

ہم نے ذرا طوالت سے کام لے کر مختلف مغربی کمپنیوں کے ہندوستان میں اپنے قدم جمانے کا ذکر کیا ہے کیونکہ ان کمپنیوں کا اور ان کے ممالک کی تاریخ کا اثر ہندوستان کی کلیسیا کی تاریخ پر مابعد کی صدیوں میں بے اندازہ پڑا ہے۔ بالخصوص انگریزوں کی ایسٹ انڈیا کمپنی نے تو مغلیہ سلطنت کے زمانہ میں ہندوستان پر قبضہ کر لیا اور نہ صرف مُلک پر بلکہ ہندوستانی کلیسیا پر بھی صدیوں تک حکمران رہی۔

دربارِ جہانگیری میں پرتگیز اور انگریز

۱۶ اپریل ۱۶۰۹ء کے روز جہانگیر کے عہد میں ولیم ہاکنس انگلستان کے بادشاہ کا سفیر بن کر آگرہ پہنچا۔ جہانگیر نے انگریزی بادشاہ کا خط پادری زیویئر کو دیا تاکہ وہ پڑھ کر سنائے۔ خط کو پڑھ کر زیویئر نے کہا کہ حضور اِس خط کے الفاظ ناشائستہ ہیں اور جہاں پناہ کی شان کے لائق نہیں ہیں۔ ہاکنس سے رہا نہ گیا کہنے لگا ''حضور، یہ پرتگیز ہمارے مُلک اور بادشاہ کے دشمن ہیں۔ یہ پادری ہذیان بک رہا ہے۔ جب میرا بادشاہ حضور کے الطاف خسروانہ کا اُمیدوار ہے تو وہ کس طرح ایسے الفاظ اپنے خط میں لکھ سکتا ہے جو جہاں پناہ کی شان کے خلاف ہوں۔'' جہانگیر کو اس کا جواب پسند آیا کیونکہ ہاکنس نے بادشاہ سے ترکی زبان میں کلام کیا تھا جو شاہانِ مغلیہ کی خاندانی جدی زبان تھی۔ جہانگیر نے اُس سے اُس کے دین کے مسائل اور بالخصوص عشائے ربانی کے متعلق سوال کئے۔ جن کے جواب میں ہاکنس نے اصلاح یافتہ انگریزی کلیسیا کے عقائد بتلائے۔ پھر اُس نے اپنے آنے کے مقصد کا ذکر چھیڑا اور عرض کی کہ انگریزی جہازوں کو مغلیہ سلطنت کی بندرگاہوں میں تجارت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ بادشاہ

1. S. Lane – Poole, vol. ii, ch. 12.

Marfat.com

نے اُس کی درخواست قبول کرلی اور اُس کے لئے منصبداری عُہدہ تجویز کر کے تیس ہزار روپیہ سالانہ (جو آجکل پینتالیس ہزار روپیہ کے برابر ہے) وظیفہ مقرر کیا۔ اب ہاکنس شاہی ملازم تھا۔ اُس نے یورپین لباس اور خوراک کو چھوڑ کر مسلمانی لباس اور خوراک اختیار کر لی۔ بادشاہ نے اُس کا نام "انگلس خان" رکھ دیا گو اُس نے سب پر واضح کر دیا کہ وہ مسیحی ہے اور مسیحی رہے گا۔ وہ جہانگیر کو ایسا پسند آیا کہ وہ اُس کے ساتھ ترکی زبان میں انگلستان اور غیر ممالک کے متعلق بوقت فرصت کلام کیا کرتا تھا۔ اُس کے قدم دربار میں ایسے جم گئے کہ پرتگیز مبلّغین کی سر توڑ کوششوں کے باوجود کئی سال تک نہ اُکھڑ سکے۔ جہانگیر نے اُس کو یہ حق بھی عطا کر دیا کہ وہ عمائدینِ سلطنت کی قطار میں کھڑا ہُوا کرے۔ وہ اپنے ساتھ ایک انگریز پادری کو بھی لے آیا تھا جو اصلاح یافتہ فرقہ کا تھا۔ بادشاہ نے ہاکنس کی شادی ایک آرمینی مسیحی خاتون سے کر دی۔ یہ خاتون ارمنی مسیحی مقرب شاہ کی بیٹی تھی جو اکبر کے زمانہ میں فوجی افسر رہ چکا تھا۔ وہ شاہی محل میں رہتی تھی۔ شادی کی وجہ یہ تھی کہ ہاکنس کو خدشہ رہتا تھا کہ پرتگیز اُس کو کھانے میں زہر ملا کر اُس کو مروا نہ دیں۔ پس جہانگیر نے اُس کی شادی کر دی تاکہ وہ بے خوف ہو کر کھانا کھا لیا کرے۔ جب شاہزادوں کا بپتسمہ ہُوا تو ہاکنس گھوڑے پر سوار برطانوی جھنڈا ہاتھ میں لئے جلوس میں شریک تھا۔

ہاکنس اپنی رپورٹیں انگلستان بھیجا کرتا تھا۔ ان میں وہ لکھتا ہے کہ جہانگیر کی سالانہ آمدنی ۱½ کروڑ پونڈ ہے۔ آگرہ اور دہلی، لاہور اور اجمیر کے شاہی خزانوں میں دو کروڑ پونڈ جمع ہیں۔

جہانگیر کے پاس سمندری جہازوں کا کوئی بیڑا نہ تھا۔ اُس کی رعایا میں نہ کوئی ملاح تھے اور نہ جہاز ران تھے جو پرتگیزوں کے مقابلے کے ہوتے۔ یہ کمی جہانگیر کو کانٹے کی طرح کھٹکتی رہتی تھی۔ پس پرتگیزوں کی طاقت توڑنے کے لئے اُس نے اپنی سلطنت کی بندرگاہیں انگلستان اور ہالینڈ کی تجارتی کمپنیوں کے لئے کھول دیں اور اُن کو بھی تجارتی حقوق عطا کر دیئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ وہ بیش از بیش محفوظ ہو گیا اور پرتگیز اب پہلے کی طرح جنگی جہازوں سے اُس کی بندرگاہوں کی ناکہ بندی نہیں کر سکتے تھے، اور نہ وہ مغلیہ سلطنت کی رعایا کے اُن لوگوں سے (جو سمندر پار حج کرنے یا کسی اور غرض کی خاطر غیر ممالک کی جانب جانا چاہتے تھے) خراج اور باجگذار وصول کر سکتے تھے۔

پرتگیزوں نے ڈیو (Diu) پر قبضہ کر رکھا تھا۔ ایک روز جہانگیر نے ہاکنس سے پُوچھا کہ ڈیو کا قلعہ کس طریقہ سے فتح ہو سکتا ہے۔ اُس نے جواب دیا "جہاں پناہ۔ اگر چودہ انگریزی جہاز اور بیس ہزار فوج اِس مقام کا محاصرہ کر کے پرتگیزوں کی ناکہ بندی کر لے تو سامانِ رسد کے

Marfat.com

نہ ہونے پر وہ خود بخود قلعہ کو حضور کے ہاتھوں میں دیدیں گے۔ جب پرتگیزوں کو اس امر کی اطلاع ہوئی تو گوآ کی حکومت نے جہانگیر کے سفیر سے ملاقات کرنے سے انکار کر دیا۔ منگبر گورنر نے بحری تجارت کی ناکہ بندی کر کے جہانگیر کو لکھا کہ صلح اور جنگ کے آپ ذمہ دار ہوں گے اس نے یہ خط پادری پن ہیرو کو دیا اور کہا کہ تم حالات کو دیکھ کر جنگ کا اعلان کر سکتے ہو۔ پادری پن ہیرو سورت کے گورنر مقرب خان کے پاس (جو خفیہ بپتسمہ پا چکا تھا) گیا۔ ہاکنس کہتا ہے کہ اس نے مقرب خان کو سمجھا بجھا کر اور بھاری رشوت دے کر اپنی طرف کر لیا۔ اس نے جہانگیر کو لکھا کہ جہاں پناہ۔ بہتر یہی ہے کہ پرتگیزوں سے صلح کر لی جائے اور جنگ نہ کی جائے۔ بادشاہ نے اس صلاح کو منظور کر لیا اور گورنر کو لکھا کہ ہمارے پاس یہاں صرف ایک ہی انگریز ہاکنس ہے جس کی ذات سے آپ کو خدشہ نہیں ہونا چاہیئے اور اس نے سورت میں انگریزوں کی کوٹھی قائم کرنے کی اجازت کو منسوخ کر دیا۔ اب ہاکنس کا دربار میں پہلا سا رسوخ نہ رہا۔ گو ملکہ نور جہاں کی سفارش سے اقبال نے چندے اس کا ساتھ دیا۔ وہ صبر آزما حالات میں پرتگیزوں کا ڈٹ کے مقابلہ کرتا رہا لیکن بالآخر بے نیل و مرام اپنا مقصد حاصل کئے بغیر ناشاد و ناکام ۲۔ نومبر ۱۶۱۱ء کے روز آگرہ سے واپس اپنے وطن چلا گیا۔ اس کی آرمنی بیوی اس کے ہمراہ چلی گئی جس کے باقی رشتہ دار آگرہ ہی میں رہے۔

شاہِ انگلستان جیمس اوّل نے سر ٹامس رو کو ۱۶۱۵ء میں اپنا سفیر مقرر کر کے جہانگیر کے دربار میں بھیجا۔ اس کے ساتھ ایک انگریز پادری بھی آیا۔ جہانگیر رو کی شخصیت سے بہت متاثر ہوا کیونکہ وہ ہاکنس کی طرح کسی تاجر کا بیٹا نہ تھا اور نہ معمولی درجہ کا آدمی تھا بلکہ وہ اُمرائے انگلستان میں سے تھا۔ جب وہ ہندوستان آیا تو پرتگیزوں کے رسوخ کی وجہ سے انگریز ملک سے قریباً خارج ہو چکے تھے۔ دربار میں پرتگیزوں کا بڑا رسوخ تھا اور وہ اُن کو سورت سے نکالنے کی تجویزیں کر رہے تھے۔ لیکن جب بڈلٹن نے بحرِ قلزم کو پرتگیزی جہازوں پر بند کر کے انگریزی طاقت کا مظاہرہ کیا تو جہانگیر انگریزوں کی جانب جھک گیا۔ پرتگیزوں نے سوالی ہول Swally Hole کے قریب دریائے تاپتی کے دہانہ پر ۱۶۱۵ء میں انگریزوں کے ہاتھوں شکست کھائی۔ پرتگیزوں نے اس جنگ کو سلطنتِ مغلیہ پر اپنا سکہ جمانے کی خاطر چھیڑا تھا۔ انہوں نے جہانگیر کو مرعوب کرنے کی خاطر اس معاہدہ کو بھی توڑ دیا جو اکبر کے ساتھ کیا گیا تھا اور حاجیوں کو گرفتار کر لیا۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ دربارِ مغلیہ کی نگاہوں سے گر گئے۔ جہانگیر نے انگریزوں کا سہارا لینا شروع

Marfat.com

کر دیا اور اُن کو چند اور تجارتی حقوق عطا کر دیئے۔ مڈلٹن نے جہانگیر سے ۱۶۱۸ء میں ایک فرمان حاصل کر لیا جس کی رُو سے انگریزوں کو پرتگیزوں اور ولندیزوں سے زیادہ مراعات حاصل ہو گئیں۔ یہ فرمان حاصل کرنے کے بعد رو سورت گیا۔ رو کے وہاں جاتے ہی انگریزی کمپنی کے ملازموں کے مزاج سُدھر گئے۔ اُس نے کمپنی کے شوخ، لڑاکے اور تند خو جہازیوں اور کارخانہ داروں سب کو ڈانٹا اور کہا کہ "تم لڑائی اور تجارت دونوں نہیں کر سکتے۔ اگر تم اپنے ملک اور کمپنی کا بھلا چاہتے ہو تو جنگوں کے خیال سے باز آ جاؤ۔ پرتگیزوں میں یہی خامی ہے کہ وہ تلوار کے ذریعہ اپنی تجارت کے قدم جمانا چاہتے ہیں"۔ اس تجارت سے انگلستان کو بڑا منافع حاصل ہوتا تھا۔ چنانچہ ۱۶۰۳ء اور ۱۶۱۳ء کے درمیانی دس سالوں کا سالانہ اوسط منافع ایک سو اکہتر فیصدی تھا۔ تَرے وَرنی سیاح Travernier ہم کو بتلاتا ہے کہ پرتگیزوں کا منافع پانچسو اور ایک ہزار فی صدی ہوتا تھا۔

مغربی ممالک کی ان کمپنیوں کی دولت اس قدر فراواں تھی کہ اُن کے کارخانوں کے پریذیڈنٹ اور ملازم بڑی شان سے رہتے تھے۔ چنانچہ ولندیزی اور انگریزی پریذیڈنٹ جہانگیری دربار کے اُمرا کی سی شان اور ٹھاٹھ سے عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ جب وہ گھر سے باہر نکلتے تھے تو اُن کے آگے آگے باجے بجتے تھے اور جھنڈے لہراتے تھے۔ اُن کے ہندوستانی ملازم تیر و کمان اور تلوار سے مُسلّح اور آراستہ ہو کر اُن کے ہمراہ ہوتے تھے۔ یہ ہتھیار اُن کی حفاظت کی خاطر نہ تھے بلکہ دولت و صولت، جاہ و جلال اور شان و شکوہ دکھانے کی خاطر ہوتے تھے۔ اُن کے گھروں میں غلاموں کا لشکر ہوتا تھا۔ وہ اپنی امارت کا سکّہ بٹھانے کی خاطر بیسیوں ملازم رکھ لیتے تھے جن کو تین روپیہ ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔

سر ٹامس رو کی کامیابی انگلستان کی شہرت وغیرہ کی وجہ سے نہ تھی بلکہ اس کی زبردست اور جاذب توجہ شخصیت کی وجہ سے تھی۔ حق تو یہ ہے کہ جو تحائف بادشاہ جیمس اوّل کی طرف سے وہ لایا تھا وہ ایسے معمولی قسم کے تھے کہ جہانگیر نے پُوچھا کہ اگر تمہارا یہ کہنا صحیح ہے کہ انگلستان ممالک مغرب میں بڑا زبردست مُلک ہے تو وہاں کے بادشاہ نے ہمارے لئے اس قسم کے ناچیز تُحفے کیوں بھیجے ہیں؟ رو ہم کو بتلاتا ہے کہ ہندوستان کے لوگ تجارت کی بہترین اشیا کے مالک ہیں۔ پرتگیز اور آرمنی اطالوی تاجر یہاں یورپ کی نادر اشیا لاتے ہیں۔ شاہِ انگلستان کے تحائف میں جہانگیر اور ملکہ نور جہاں کے لئے ایک گاڑی تھی جس کی قطع وضع اُن کو بہت پسند

Marfat.com

آئی پس جہانگیر نے حکم دیا کہ اس معمولی گاڑی کو لے جاؤ اور اسی قطع وضع کی سونے اور جواہرات سے مڑھی ہوئی گاڑیاں ہمارے لئے بناؤ۔ اُن پر جہانگیر اور ملکہ نورجہان سوار ہوکر جایا کرتے تھے۔ اس واقعہ سے سرٹامس رو شرما گیا اور اُس کو بڑی خفت ہوئی۔

دربارِ جہانگیری میں مغربی ممالک کی ریشہ دوانیاں

جہانگیر کے عہد میں گوآ ایک خوبصورت شہر تھا جو محلات و باغات سے آراستہ اور پیراستہ تھا۔ اس میں نہایت عالیشان گرجے تھے جن کو دیکھ کر عقل حیران ہوجاتی تھی۔ شہر میں آگسطینی ڈومنکی۔ فرانسکی۔ کارملی اور عیسوی انجمنوں کے قسیس اور بشپ اور صدر بشپ رہتے تھے۔ اُس میں ہندوستانی بھی رہتے تھے لیکن ان کی بڑی تعداد غلام طبقہ کی تھی۔ پرتگیزوں کی سفاکانہ تعداد کم تھی، کیونکہ انگریزوں اور ولندیزوں کی وجہ سے اُن کی زندگی دوبھر ہوگئی تھی۔ ہاں وہ ظاہرا طور پر نہایت خوشحال نظر آتے تھے اور بڑی شان سے رہتے تھے۔ ہر شخص یہی ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ اُس کا خاندان امیر وکبیر ہے۔ ہر شخص تلوار حمائل کئے نظر آتا تھا۔ یہاں تک کہ معمولی درجہ کے لوگ بھی تلوار اور ریشمی کپڑوں کا استعمال کرتے تھے۔ پرتگیز تمباکو نوشی کے از حد شوقین تھے۔ اُنہوں نے گوآ میں اور ہندوستان کے بعض مقامات میں تمباکو پینے کا رواج شروع کر دیا۔ جہانگیر کو تمباکو سے بُو آتی تھی لیکن ایک دفعہ اُس نے اپنی طبیعت پر جبر کرکے جو تمباکو پیا تو اُس کی طبیعت ایسی خراب ہوگئی کہ اُس نے تمباکو نوشی حکماً بند کر دی۔

انجمن عیسوی کے مبلغین میں مختلف مغربی ممالک کے قسیس تھے جو چین۔ جاپان۔ تبت اور دیگر مشرقی ممالک کو بھیجے جاتے تھے۔ یہ مبلغین بڑے عالم اور فاضل ہوتے تھے اور عام طور پر زیوبیر کی سی قابلیت اور لیاقت کے مالک ہوتے تھے۔ وہ مناظرے کرنے میں طاق ہوتے تھے۔ انگریزوں کے پادری ان کے مقابل میں جاہل ہوتے تھے۔ چنانچہ ۱۶۱۵ء میں سورت کی کمپنی کی یہ شکایت تھی کہ اُن کے پادری رُومی کلیسیا کے قسیسوں سے مذہبی گفتگو کرنے کے اہل نہیں ہیں۔

جہانگیر کی تخت نشینی کے ایک سال بعد جہانگیر کو خیال آیا کہ وہ اپنا ایک سفیر پرتگال بھیجے اور ایک دوسرا سفیر پوپ کے پاس بھیجے لیکن اُس کے مشیروں کو یہ تجویز پسند نہ آئی۔ پس اُس نے لاہور میں یہ تجویز کی کہ گوآ کو ایک سفیر بھیجا جائے۔ اس کام کے لئے اُس نے مقرب خان کو منتخب کیا اور پادری پن ہیرو کو اس کے ہمراہ کر دیا۔ سفارت کا ظاہری مقصد یہ تھا کہ دونوں سلطنتوں کے خوشگوار تعلقات استوار ہوجائیں لیکن اسی اثنا میں ہاکنس جہانگیر کے پاس آیا اور

Marfat.com

اُس نے انگریزوں کے لئے مراعات حاصل کر لیں۔ جہانگیر نے مقرب خان کو بلا لیا لیکن پن ہیرو نے گوا جا کر شاہی تحائف گورنر کی نذر کئے۔ گورنر نے پن ہیرو کا شکریہ ادا کر کے کہا کہ اُس نے پرتگال کے لئے شاندار خدمات سرانجام دی ہیں۔

۱۶۱۰ء میں پرتگیزوں نے جہانگیر کو دھمکی دی کہ اگر انگریزوں کو سورت سے نکالا گیا تو وہ شہر کو آگ لگا دیں گے، کیونکہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے کہ جہانگیری دربار میں انگریز سفیروں کا اقتدار دن بدن بڑھتا چلا جا رہا ہے، اور وہ اُس کا مکمل طور پر سدِباب کرنا چاہتے تھے۔ وہ اپنی بحری طاقت پر نازاں تھے اور خیال کرتے تھے کہ جہانگیر جنگ کی دھمکیوں سے خائف ہو جائے گا۔ بالآخر جب اُنہوں نے دیکھا کہ جہانگیر نے ۱۶۱۲ء میں ایک فرمان کی رُو سے انگریزوں کو یہ اجازت دیدی ہے کہ وہ سورت احمد آباد اور کھمبات میں تجارتی کوٹھیاں قائم کر لیں تو اُنہوں نے اگلے سال ۱۶۱۳ء میں عہد شکنی کر کے سورت کی بندرگاہ کے قریب چند شاہی جہازوں کو لوٹ لیا اور سورت کے قلعہ پر قبضہ کرنے کی ناکام کوشش کی۔ ۱۶۱۵ء میں انگریزی کمپنی کے ایجنٹ ایڈورڈس نے جہانگیر سے تمام مغلیہ سلطنت میں تجارت کرنے کی اجازت بھی حاصل کر لی۔

انگریز پرتگیزوں کے خلاف، اور پرتگیز انگریزوں کے خلاف، اور دونوں ولندیزوں کے خلاف جہانگیر کے کان بھرتے رہتے تھے، ایسا کہ جہانگیر تنگ آ گیا۔ پادری کورسی نے ٹامس رو اور اُس کے پادری ٹیری کو بہتیرا سمجھایا کہ باہمی مخالفت کو جہانگیر سے دور رکھا جائے کیونکہ اُس سے مسیحیت کو زک پہنچتی ہے لیکن یہ سب زبانی باتیں تھیں۔ کورسی خود دربار میں پرتگیزی حکومت کا ایجنٹ تھا اور زیویئر ان "بدعتی" ممالک کے لوگوں کا دشمن تھا۔ رو ولندیزوں سے نفرت رکھتا تھا اور اُن کو پرتگیزوں سے بھی بدتر خیال کرتا تھا۔ مغربی ممالک کے تاجروں اور سفیروں کی رقابت و نفرت اور باہمی مخاصمت و عداوت نے مسیحی تعلیم کی تبلیغ واشاعت کے کام کو کھوکھلا کر دیا۔ رومی کلیسیا اور اصلاح یافتہ کلیسیاؤں کے باہمی عناد نے محبت کے مذہب کو جہانگیری عہد میں پھیلنے پھولنے نہ دیا۔ جیسا ہم آگے چل کر بتلائیں گے جب کبھی جہانگیر اور پرتگیزی حکومت میں آویزش ہوتی تو نزلہ عضوِ ضعیف یعنی آگرہ اور لاہور کی مقامی کلیسیاؤں پر گرتا اور بیچارے ہندوستانی مسیحیوں کی شامت آ جاتی تھی۔

Marfat.com

باب ہفتم

جہانگیر بادشاہ اور مسیحیت

فصل اوّل

جہانگیر اور انجمنِ عیسوی کے مبلّغین

مبلّغین اور جہانگیر کے تعلقات

ہم گذشتہ ابواب میں بتلا چکے ہیں کہ جہانگیر شہزادگی کے ایام میں انجمنِ عیسوی کے مبلّغین سے عقیدت رکھتا تھا اور اُن کا بڑا مدّاح تھا۔ جب مبلّغین پہلی بار پادری اکیوا ویوا کی سرکردگی میں دربارِ اکبری میں آئے تھے، اُس وقت جہانگیر ۱۲ سالہ لڑکا تھا۔ اُس پہ اُن کی پُرخلوص، بے ریا، بے لوث درویشانہ زندگی نے بڑا اثر کیا کیونکہ اس عمر میں تاثرات کو جلد ہی اور مستقل پذیرائی حاصل ہوتی ہے اور یہ تاثرات مدت العمر پائدار رہتے ہیں۔ انہی ایام میں وُہ ایک مرتبہ اکیوا ویوا کے کمرے کے پاس سو رہا تھا کہ اچانک اُس کی آنکھ کھل گئی۔ اُس نے کوڑوں کی آواز سُنی۔ وُہ چپکے سے اندر گیا اور کیا دیکھتا ہے کہ پادری اکیوا ویوا کے ہاتھ میں لوہے کی زنجیروں کا تیز پھلوں والا ایک کوڑا ہے جس سے وُہ اپنی پیٹھ کو گھائل کر رہا ہے۔ اس قسم کی ریاضت کو دیکھ کر وُہ ششدر رہ گیا اور وُہ مبلّغین کو سچے دل سے محبت کرنے لگ گیا۔ جب مبلّغین تیسری بار پادری جیروم زیویئر کی زیرِ سرکردگی دربارِ اکبری میں آئے تو اُن کی پاکیزہ زندگی اور علم و فضل نے اُس کے دل کو موہ لیا۔

جب سلیم نے اکبر سے بغاوت کی تو اُن ایام میں سیاسی چالبازی سے کام لے کر اُس نے مُبلّغین کو کئی مرتبہ کہا کہ وُہ مسیحی تعلیم کا شیدائی ہے اور خُداوند یسوع مسیح پر اعتقاد رکھتا ہے۔

Marfat.com

قدرتاً اُن کے دِل میں یہ خیال جڑ پکڑ گیا تھا کہ اکبر مسیحی ہو یا نہ ہوا جہانگیر ضرور مسیحی ہو جائے گا اور اُس کے ساتھ اُس کی تمام رعایا بھی مسیحی ہو جائے گی اور ہند کی تمام مملکت کے لوگ منجی جہان کے قدموں میں آ جائیں گے لیکن جب جہانگیر تخت نشین ہوا تو اُس نے مبلغین کی طرف نظر بھی نہ اٹھائی اور اُن سے کنارہ کش رہا تاکہ اُس کا تخت و تاج خطرے میں نہ پڑ جائے۔ جب یہ خدشہ جاتا رہا تو اُس نے مبلغین کے ساتھ پہلے سے تعلقات پھر تازہ کر لئے۔

جب جہانگیر خسرو کی بغاوت کو فرو کرنے کے لئے لاہور گیا تو وہاں دو مُبلّغین اُس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُس نے اُن سے خندہ پیشانی سے ملاقات کی۔ جب ایک درباری نے عرض کی کہ جہاں پناہ۔ عرش آشیانی (اکبر) نے حکم دیا تھا کہ ان مبلغین کے ماہواری وظیفہ میں تخفیف کی جائے تو جہانگیر نے حکم صادر کیا کہ نہیں، مبلغین کو پُورا وظیفہ (پچاس روپیہ ماہوار) حسبِ دستور دیا جائے۔ یہ دیکھ کر مُبلّغین کے دلوں میں حوصلہ پیدا ہوا اور انہوں نے عرض کی کہ حضور نے بھی مساکین اور غُربا کی پرورش کے لئے روپیہ عطا کرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ یہ سُن کر جہانگیر نے حکم دیا کہ اُن کو مزید پچاس ہزار روپیہ دیدیئے جائیں۔ اُس نے گرجا کی مرمت کے لئے بھی تین روپے عطا کئے۔ غُربا کی امداد کے لئے اُس نے ہر مُبلّغ کے لئے روزانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔ چنانچہ پادری زیویئیر کو دس روپیہ روزانہ ملتا تھا۔ دیگر مبلغین میں سے کسی کو سات روپیہ اور کسی کو پانچ روپیہ اور کسی کو تین روپیہ روزانہ ملتا تھا۔

ہم گذشتہ باب میں ذکر کر آئے ہیں کہ تخت نشینی کے وقت رعایا کی دلجوئی کے لئے جہانگیر نے حکم دیا تھا کہ جو ضبط شدہ جائدادیں دستورِ سابق کے مُطابق بادشاہ کی وفات کے بعد اُس کے جانشین کے قبضہ میں آتی ہیں وہ اُن پر قبضہ نہیں کرے گا۔ وہ اُن کے سابق مالکوں کو واپس کر دی جائیں۔ اِس رعایت کا اثر مُبلّغین کی رہائش گاہ اور گرجا پر جو آگرہ میں تھے پڑتا تھا۔ کیونکہ اکبر نے اُن کو ایسی زمین کا قطعہ عطا کیا تھا جو کسی ہندو کے مرنے پر قانون کے مطابق اکبر کے قبضہ میں آئی تھی۔ اس ہندو کے ورثا مبلغین سے اُن کی رہائش گاہ اور وہ زمین طلب کرنے لگے جن پر گرجا تعمیر کیا گیا تھا۔ جب جہانگیر کو اس حالت کی اطلاع ہوئی تو اُس نے حکم صادر کیا کہ مبلغین سے رہائش گاہ اور گرجا نہ چھینا جائے اور مبلغین بدستور گرجا میں بے روک ٹوک عبادت کرتے رہیں۔ عوام الناس اُن کو اچھی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ شہر کے بچے تک اُن کو پیار کرتے تھے۔ وہ جدھر سے گذرتے تھے بچے اُن کو "پادری جی سلامت" کہہ کر سلام کیا کرتے تھے۔

۱۶۰۶ء کے شروع میں چار مبلغین لاہور میں مقیم تھے جہاں جہانگیر تھا اور پادری

زیویئیر روزانہ دربارِ جہانگیری میں حاضر ہوتا تھا۔ وہ ان ایام میں فارسی زبان کی تحصیل کرنے میں مصروف تھا اور تمام وقت کتابیں لکھنے میں گذارتا تھا۔ اُس کی تصنیفات کا ذکر ہم انشاءاللہ آگے چل کر کریں گے۔ دسمبر ۱۶۰۷ء میں پادری پن ہیرو گجرات چلا گیا جہاں سے وہ اُس سفارت کے ساتھ گیا جو جہانگیر نے گوآ کی جانب بھیجی تھی جس کا ذکر ہم گذشتہ باب میں کر آئے ہیں۔

جب ۱۶۰۷ء میں جہانگیر کابل کی جانب گیا تو اُس نے مُبلّغین کو شرفِ ملاقات بخشا اور اُن سے کہا کہ ہمارے لئے دُعا کرتے رہا کرو۔ اُنہوں نے اُس کو تُحفہ کے طور پر اناجیل کی ایک جلد دی جو فارسی زبان میں تھیں۔ جہانگیر نے اِس تُحفہ کو بڑی خوشی سے قبول کیا۔ مُبلّغین اس مرتبہ بادشاہ کے ہمراہ کابل نہ گئے بلکہ چاروں کے چاروں لاہور میں ہی رہے اور اپنے منصبی اور تبلیغی فرائض سلامتی اور امن کی فضا میں سرانجام دیتے رہے۔ جب بادشاہ کابل سے واپس آیا تو مُبلّغین اُس کے استقبال کو تین کوس گئے۔ جہانگیر اُن سے بڑے خلوصِ دل اور تپاک سے ملا اور از راہِ شفقت و محبّت اُن کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اُن کے احوال دریافت کرتا رہا۔ مبلّغین نے اُس کو واپسی کے وقت پادری زیویئیر کی کتاب "وقائع حواریانِ دوازدگان" تُحفہ کے طور پر پیش کی جو فارسی زبان میں لکھی گئی تھی۔ یہ کتاب نہایت خوبصورت مسیحی تصاویر سے مُزیّن تھی۔ جہانگیر نے بڑی خوشی سے اِس نادر تُحفہ کو قبول کیا اور تصویروں کو دیکھ کر نہایت محظوظ ہُوا۔ جب جہانگیر ۱۶۰۸ء میں آگرہ گیا تو وہ پادری زیویئیر اور پادری کورسی کو اپنے ہمراہ لے گیا۔ پادری مچادو لاہور میں ہی رہا جہاں وہ مسیحیت کی تبلیغ و اشاعت کا کام بے کھٹکے کرتا رہا۔

آگرہ کا قبرستان

۱۶۰۹ء میں جہانگیر نے ایک فرمان کی رُو سے مبلّغین کو آگرہ میں قبرستان اور باغ کے لئے چھ بیگھہ زمین عطا کی۔ یہ قبرستان شمالی ہند میں قدیم ترین ہے۔ آجکل اس کو "پرانا رومن کیتھلک قبرستان" کہتے ہیں۔ یہ قبرستان لشکر پور کے گاؤں میں دیوانی کچہری کے قریب غرب کی جانب واقع ہے۔ جہانگیر کا فرمان حسبِ ذیل ہے:-

(طغرا) فرمان ابوالمظفر نورالدین محمد جہانگیر بادشاہ غازی

دریں وقت فرمانِ عالیشان مرحمت عنوان شرفِ صدور و عزِ وُرُود یافت کہ موازی شش بیگھہ زمین از آنجملہ سہ بیگھہ از موضع آگرہ برائے خرابے تحتانوی پل

Marfat.com

در وجہ انعام فرنگیاں بجہت باغ و گورستان مقرر و مفوض باشد۔ می باید کہ جاگیرداران و کروریان حال و مستقبل در استمرار و استقرار ایں حکم اقدس اعلےٰ کاربستہ بتصرف ایشاں بازگذاشتہ اصلاً تغیر و تبدیل بداں راہ ندہند۔ و بعلت مال و جہات و اخراجات مثلاً قنلفہ و پیشکش و جریبانہ[1] و ضابطانہ و مہرانہ و داروغگانہ و محصلانہ و صد دوی قانونگوئی و ضبط ہر سالہ تشخیص و تکرار زراعت و کل تکالیف دیوانی مزاحمتے نرسانند و مطالبے نکنند و از جمیع جہات معاف و مسلم شمارند و دریں باب ہر سالہ فرمان و پروانچہ مجدد نطلبند و اگر در محلی دیگر زمین داشتہ باشند آنرا اعتبار نکنند۔ در عہدہ دانند۔ تحریر فی التاریخ ۲ ماہ آبان[2] سنہ ۴۔

اس قبرستان کی قبروں کے کتبوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۶۱۱ء سے ۱۸۰۰ء تک تمام ممالک یورپ کے عیسائی یہاں دفن ہوتے رہے۔ ان اقوام میں انگریز۔ فرانسیسی۔ پرتگیز، اطالوی، جرمن۔ فلیمش اور سوئٹزرلینڈ کے عیسائی تھے۔ یہ اشخاص کون تھے۔ ہندوستان میں کس مقصد کے لئے آئے تھے۔ انہوں نے کیا کارہائے نمایاں کئے؟ ان سوالات کا ہمیں جواب نہیں ملتا۔ اسی جگہ رومی کلیسیا کے پردیسی مبلغین بھی دفن ہیں۔ قبرستان کے نام ظاہر کرتے ہیں کہ وہ مختلف ممالک و اقوام کے لوگ تھے۔ بعض چینی تھے۔ بعض زرتشتی نو مرید تھے۔ بعض ہندوستانی مسیحی تھے۔ بعض فوجی سپاہی تھے۔ بعض جرمنی کے باشندے تھے۔ بعض فرانسیسی اُمرا تھے۔ بعض آرمینی مسیحی تھے۔ بعض اطالوی کاریگر اور صناع تھے۔ اس قبرستان میں مختلف پیشوں کے لوگ دفن ہیں۔ مثلاً یرونی مو ویرونیو Yeronimo Veronio جس نے روضہ تاج محل کا نقشہ بنایا تھا۔ اطالیہ کے شہر وینس کا قیمتی پتھروں کو جڑنے والا Lapidary جس کا نام ہورٹینسو برونزونی (Hortenzio Bronzoni) تھا۔ دربار مغلیہ کا شاہی طبیب بیرنرڈینو مفئی (Bernardino Maffei) بھی یہاں مدفون ہے۔ گابل سپرگر راؤ، (Gabelsperger Rao) اور سٹروبل (Strobl) جیسے سائنس دان یہاں دفن ہیں۔

---

[1] جریبانہ:- جریب ناپنے کے عوض جو روپیہ دیا جائے، ضابطانہ:- پولیس کی فیس، مہرانہ:- قاضی کی فیس، داروغگانہ:- مجسٹریٹ کی فیس، محصلانہ:- محصول اکٹھا کرنے والے کی فیس، قانونگوئی:- قانونگو کی فیس۔ [2] اکتوبر ۱۶۰۹ء۔

Marfat.com

ٹفن ٹیلیر ڈور ول (Tieffentaller Dorville) اور وینڈل جیسے سیاح اور جغرافیہ دان یہاں مدفون ہیں۔ لارڈ بیلوموں (Bellomont) جیسے رکن سفارت یہاں آرام کر رہے ہیں۔ کرنیل جان ہیسنگ (John Hessing) اور والٹر رائی نارڈٹ (Walter Reinhardt) جنھوں نے تاریخ میں نام پایا ہے، یہاں دفن کئے گئے ہیں۔

احمد آباد کا گرجا ستمبر ۱۶۱۲ء میں جہانگیر نے ایک فرمان کی رُو سے احمد آباد میں ایک گرجا تعمیر کرنے کی اجازت دی۔ فرمان حسبِ ذیل ہے:-

اللہ اکبر

(مہر)۔ ابوالمظفر نورالدین جہانگیر بادشاہ غازی ابنِ اکبر بادشاہ ابن ہمایوں بادشاہ ابن بابر بادشاہ ابن عمر شیخ مرزا[1] ابن سلطان ابوسعید ابن سلطان محمد مرزا ابن میران شاہ ابن تیمور مرزا صاحبقران۔

حکام کرام و عمالِ کفایت فرجام و متصدیانِ مہمات صوبۂ گجرات بعنایات و التفاتِ بادشاہانہ مخصوص و سیاہی گشتہ بدانند کہ فرمانِ عالی شان واجب الاذعان شرف اصدار و عزِ ایراد یافتہ کہ پادریانِ فرنگی در احمد آباد یک انگریز[2] کہ عبارت از عبادت خانۂ آنہا است از برائے خود بسازند و آنجا بطور و روشِ خود عبادت بیکردہ باشند۔ می باید کہ چوں برمضمونِ حکمِ جہاں مطاع گردوں ارتفاعِ جہانگیری اطلاع حاصل نمایند مانع و مزاحم آنہا نگشتہ بگذارند کہ از برائے عبادتِ خود انگریز[2] بسازند۔ می باید کہ از فرمودہ تخلف نورزند۔ در عہدہ شناسند۔ تحریراً فی التاریخ ۲۰ ماہ مہرالٰہی سنہ ۷۔

بر سالۂ کمترین مریدانِ باخلاص اعتماد الدولہ و نوبت واقعہ بندۂ درگاہ محمد حسین شکر اللہ۔

ہم گذشتہ باب میں ذکر کر چکے ہیں کہ ۱۶۰۷ء میں جہانگیر نے ارادہ کیا تھا کہ شاہ سپین اور پوپ کے پاس سفیر بھیجے لیکن ارکانِ دولت نے اس کے خلاف مشورہ دیا تھا۔ آخر یہ طے پایا

[1] مرزا درحقیقت امیرزادہ کا مخفف ہے۔ پہلے یہ خطاب سلاطین اور شہزادگان کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ ۹۱۳ھ میں بابر نے اس خطاب کی جگہ اپنے لئے پادشاہ تجویز کیا۔ پھر مرزا شاہزادوں اور ان کی اولاد کے لئے استعمال ہونے لگا۔

[2] گرجا، پرتگیزی لفظ ہے۔ ابرکت اللہ

کہ گوآ کے پرتگیزی وایسرائے کے پاس سفیر بھیجا جائے۔ اس غرض کے لئے مقرب خان جو کھمبات کی بندرگاہ کا افسرِ اعلیٰ تھا منتخب ہُوا اور اُس کے ساتھ پادری عمانوئیل پن ہیرو بھیجا گیا۔ یہ دونوں لاہور سے ۱۲ ستمبر ۱۶۰۸ء کے روز چلے اور اپریل ۱۶۰۹ء میں کھمبائت پہنچے۔ وہاں جا کر مقرب خان کو اطلاع ملی کہ گوا کا نیا وایسرائے ابھی تک نہیں آیا۔ وُہ دونوں کھمبائت میں ٹھہر گئے اور پادری پن ہیرو احمد آباد کی کلیسیا کے پرتگیزی اور آرمینی مسیحیوں میں کام کرتا رہا۔ انہی ایام میں پادری جان الوارِیز (John Alvarez) نے "یسوع مسیح بطور طفل" کی ایک نہایت خوبصورت تصویر جہانگیر کے لئے بھیجی جو گرجا کی قربان گاہ پر رکھی گئی۔ ہزاروں ہندو اور مسلمان اس تصویر کو دیکھنے کے لئے ہر روز جوق در جوق آیا کرتے تھے۔ نواب مقرب خان بھی اس کو دیکھنے کے لئے آیا۔ انہی ایام میں نواب کا لے پالک بیٹا بیمار ہو گیا۔ اُس نے پن ہیرو کو بُلوایا اور منّت مانی کہ اگر بچہ تندرست ہو گیا تو وُہ اُس کو بپتسمہ دلوا دے گا۔ خدا نے اُس کو شفا دی اور پن ہیرو نے اُس کو بپتسمہ دے دیا اور اُس کا نام سعد اللہ رکھا گیا۔ بڑا ہو کر وُہ اچھے شعر کہنے لگ گیا چنانچہ اُس نے رام اور سیتا کے قصہ کو منظوم کیا تھا۔ بعد میں سعد اللہ مرتد ہو کر پھر مسلمان ہو گیا اور ایسا کٹر مسلمان ہُوا کہ گردن میں ہمیشہ حمائل قرآن لٹکائے رکھتا تھا۔

پادری نکولس پی مینٹا (Pimenta) نے مقرب خان کو بھی بپتسمہ دے کر اُس کا نام یُوحنا رکھا۔ ۱۶۱۲ء میں پادری سیبسٹین بریٹو (Sebastian Barreto) نواب مقرب خان کا چیپلین مقرر ہو کر سُورت آیا۔ ان ایام میں وُہ سُورت کا گورنر تھا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد ایک اَور پادری فرانسس ڈا پی ایڈاڈے Francis da Piedade بھی وہاں بھیجا گیا کیونکہ عبد اللہ خان فیروز جنگ نے بھی (جو مسلمان تھا) انجمن کے مبلّغین کو احمد آباد آنے کی دعوت دی تھی۔

جہانگیر نے مذکورہ بالا فرمان کی رُو سے احمد آباد میں ایک گرجا تعمیر کرنے کی اجازت دے دی۔

معاہدہ توڑنے کا نتیجہ ہم گذشتہ باب میں بتلا آئے ہیں کہ ۱۶۱۳ء میں پرتگیزوں نے معاہدہ کی شرائط کو توڑ کر ایک شاہی جہاز کو جو مکّہ سے آ رہا تھا پکڑ لیا حالانکہ اُس کے پاس آنے جانے کا اجازت نامہ تھا۔ اُنہوں نے سات سو حاجیوں کو گرفتار کر لیا۔ جہاز کی مالیت ایک لاکھ پونڈ تھی۔ پرتگیزوں نے آدمیوں کو غلام اور عورتوں اور بچوں کو

Marfat.com

عیسائی بنالیا۔ جب جہانگیر نے یہ خبر سُنی تو وُہ طیش میں آگیا۔ اُس نے حُکم دیا کہ پرتگیزی علاقہ دمآیوں کا محاصرہ کیا جائے اور پرتگیزوں کو گرفتار کر کے اُن کا مال ضبط کر لیا جائے۔ مختلف مقامات کے گرجے مقفّل کر دیئے گئے۔ عبادتیں بند کر دی گئیں۔ مُبلّغین قید کر لئے گئے۔ پادری زیوئیر کو بھی قید کر لیا گیا۔ آگرہ کے گرجا میں مغل افسر مسلّح ہو کر آ گئے۔ اُنہوں نے گرجا کے دروازہ کو اینٹوں سے چُن دیا۔ حُکم ہُوا کہ احمد آباد میں پرتگیزوں کے رہائشی مکانات انگریزوں کو دے دیئے جائیں۔ چنانچہ حُکم کے مطابق مقرب خان نے انجمنِ عیسوی کے مُبلّغین کے مکانات انگریزوں کو دیدیئے۔ جب پرتگیزوں نے ذلیل و خوار ہو کر صلح کر لی تو جہانگیر نے ذیل کا فرمان صادر کیا۔ جس کی رُو سے مُبلّغین کو اُن کے رہائشی مکانات واپس مل گئے اور حُکم ہُوا کہ انگریزوں کو دُوسرے مکانات دیئے جائیں۔

اللہ اکبر

(مہر) ابو المظفر نُورالدین جہانگیر بادشاہ غازی ابن اکبر بادشاہ ابن ہمایوں بادشاہ ابن بابر بادشاہ ابنِ عمر شیخ مرزا ابنِ سلطان ابوسعید ابنِ سلطان محمد مرزا ابنِ میران شاہ ابن تیمور مرزا صاحبقران۔

(طغرا) فرمانِ ابو المظفر نُورالدین محمد جہانگیر بادشاہ غازی

متصدیانِ مہماتِ صوبہ احمد آباد بعنایتِ بادشاہانہ مخصوص و اُمیدوار گشتہ بدانند کہ چناں بعرضِ ایستادگانِ پایۂ سریرِ سلطنت و اقبال رسید کہ انگریزاں دخانۂ پادریان کہ در محلۂ جواہری وارہ است۔ برضائے آنہا فرود آمدہ اند۔ چوں ابوابِ خانۂ نزول در کُل ممالکِ محروسہ مسدود است حکم جہاں مطاع گردوں ارتفاع جہانگیری شرفِ اصدار و عزِ ایراد یافت کہ آنہا را در محلے دیگر جائے دادہ خانۂ پادریان را خالی کردہ بتصرفِ ایشاں بازگذارند و من بعد نگذارند کہ احدی در آں خانہ دخل بے تقریب کند و مزاحمت بحالِ آنہا رساند۔ می باید کہ از فرمودہ تخلف و انحراف نورزند۔ درعہدہ شناسند۔ تحریر فی التاریخ ۱۹ ماہ مہر ماہ الٰہی سنہ ۱۰۔

ماہ فارسی کا ساتواں شمسی مہینہ۔ ۱۶۱۵ء

مغل شاہزادوں کا بپتسمہ پانا

جہانگیر کے بھائی دانیال کے تین بیٹے اور چار بیٹیاں تقیں طہمورث سب سے بڑا بیٹا تھا جس کو جہانگیر بہت چاہتا تھا اور اپنے پاس رکھتا تھا۔ باقی دو لڑکے بادشاہ نے اپنی بہنوں کی نگرانی میں رکھے تھے۔ جب طہمورث بیس برس کا ہوا تو جہانگیر نے اُس کی شادی اپنی بیٹی بہار بانو بیگم کے ساتھ کر دی اور اُس کے بھائی ہوشنگ کی شادی خسرو کی بیٹی ہوشمند بانو بیگم کے ساتھ ہوگئی۔

جہانگیر خود نڈر انسان تھا اور چاہتا تھا کہ شاہی خاندان کا ہر فرد بھی نڈر ہو۔ مَنّرسُنّی ذکر کرتا ہے کہ ایک دن بادشاہ کے سامنے ایک شیر لایا گیا۔ جہانگیر نے اپنے ایک بھتیجے کو حکم دیا کہ شیر کے سر پر ہاتھ پھیرے، لیکن لڑکا ڈر کے مارے پیچھے ہٹ گیا۔ بادشاہ کو غصّہ آیا اور اُس نے اپنے سب سے چھوٹے بیٹے کو شیر کے سر پر ہاتھ پھیرنے کا حکم دیا جس نے بے تامل اپنا ہاتھ شیر پر رکھ دیا۔

۱۸ جولائی ۱۶۱۰ء کے روز جہانگیر نے زیویئر کو بلوا بھیجا۔ وہ پادری پن ہیرو کے (جو ۹ جولائی کے روز گوآ سے واپس آگیا تھا) ہمراہ جہانگیر کے دربار میں حاضر ہوا۔ بادشاہ نے شاہزادہ طہمورث اور اُس کے دونوں بھائیوں کو بھی بلوا بھیجا۔ جب وہ آئے تو بادشاہ نے مبلّغین سے مخاطب ہو کر پوچھا کیا تم ان شاہزادوں کو مسیحیت کا حلقہ بگوش کرنا چاہتے ہو؟ یہ سن کر مبلّغین خوشی کے مارے اُچھل پڑے اور اُنھوں نے بڑی شکر گذاری کا اظہار کیا۔ جہانگیر نے اُن کو حکم دیا کہ یہ خبر شاہِ پرتگال اور گوآ کے وائسرائے کو بھیجدو۔ اہلِ دربار اور مسلم علما یہ باتیں سُن کر بہت سٹ پٹائے۔ جہانگیر نے اُن کو مخاطب کر کے کہا کہ اگر مَیں بھی مسیحی ہو جاؤں تو تم کیا کرو گے؟ تمام دربار میں سنّاٹا چھا گیا۔ پادری زیویئر دوزانو ہو گیا۔ خوشی کے مارے اُس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ جہانگیر نے اُس کے کندھے پر شفقت سے ہاتھ رکھا۔

شاہزادوں کو مسیحی بنانے میں جہانگیر نے سیاسی چال چلی۔ ان ایام میں ایک سفارت گوآ جانے والی تھی اور جہانگیر پرتگیزی حکّام کی آنکھوں میں دھول ڈالنا چاہتا تھا۔ لیکن سادہ لوح مبلّغین نے جہانگیر کے شاہزادگی کے ایام کو یاد کر کے خیال کیا کہ وہ خلوصِ دل سے یہ حکم دے رہا ہے اور ممکن ہے کہ بعد میں وہ خود بھی مسیحیت کو اختیار کرلے۔

شاہزادوں کی تعلیم کا انتظام پادری کورسی کے سپرد ہوا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ ان کا بپتسمہ پادری کورسی کے گوآ جانے سے پہلے عمل میں آجائے۔ شاہزادوں کے بپتسمہ کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ بپتسمہ کا روز ۵ ستمبر کا دن بڑی شان و شوکت سے شروع ہوا۔ شاہزادے

Marfat.com

پرتگیزی لباس زیبِ تن کئے، گردنوں میں سونے کی صلیبیں لٹکائے ہاتھیوں پر سوار ہو کر محل سے بڑی کرّوفر کے ساتھ گرجا کی جانب چلے۔ سڑکوں کی دونوں طرف تماشائیوں کا ہجوم تھا۔ سب اہلِ دربار اور ملکِ پولینڈ۔ وینس اور آرمینیا کے صاحبِ دولت و ثروت مسیحی مع ساتھ دیگر عیسائیوں کے گھوڑوں پر سوار، ہاتھیوں کے پیچھے پیچھے چلتے تھے۔ ولیم ہاکنس "انگلس خان" بھی برطانوی جھنڈا لہرائے گھوڑے پر سوار جلوس میں تھا۔ شاہزادوں کا بپتسمہ ہوا اور اُن کے پرتگیزی نام رکھے گئے۔ اس واقعہ کی خبر بادشاہ کے حکم کے مطابق شاہِ پرتگال کو بھیجی گئی جس نے گوآ کے وائسرائے کو حکم دیا کہ وُہ مبلّغین اور شاہزادوں کو مُبارکبادی کا پیغام دے اور ہر ممکن کوشش کرے کہ جہانگیر بادشاہ بھی مسیحیّت کو قبول کرلے۔ اُس نے جہانگیر کو بھی مُبارکبادی کا خط لکھا اور کہا کہ شاہزادے میرے دھرم بیٹے ہوں گے اور مَیں خود دھرم باپ کے فرائض ادا کروں گا۔

شاہزادوں کے بپتسمہ سے دو ماہ پہلے ایک ہندو امیر کبیر (جو گجرات کا وائسرائے رہ چُکا تھا) کا پوتا مسیحی ہوگیا تھا، اور پندرہ روز پہلے اکبر بادشاہ کے بھائی مرزا محمد حکیم کا پوتا بھی مسیحی ہوگیا تھا۔ بپتسمہ حاصل کرنے کے بعد بھی یہ پانچوں لڑکے زیرِ تعلیم رہے تاکہ وُہ مسیحیت کے اصُول سے کما حقہٗ واقف ہوجائیں کیونکہ مسلم عُلماً اس واقعہ سے بہت ناخوش تھے اور محلات کی بیگمات سخت ناراض تھیں پس مبلّغین کو یہ خدشہ تھا کہ مبادا یہ لڑکے واپس اسلام میں نہ لوٹ جائیں۔

یہ پانچوں لڑکے بڑی خُوشی سے مسیحی اصُول کی تعلیم پاتے تھے۔ وُہ باقاعدہ گرجا کی عبادتوں میں شامل ہوتے تھے اور اُن کے ہمراہ ایک بڑی بھیڑ گرجا آتی تھی۔ عبادت کے بعد وُہ مبلّغین کے ہاتھوں کو بوسہ دے کر واپس اپنی رہائش گاہوں کو جاتے تھے۔

شاہزادوں کے بپتسمہ حاصل کرنے سے اور اُمرا کے بچوں کے مسیحی ہوجانے سے مبلّغین کے حوصلے بلند ہوگئے۔ ایک اور مبلّغ پادری جوزف ڈے کاسترو Joseph de Castro مُبلّغین کی مدد کے لئے بھیجا گیا اور انجیل کی تبلیغ واشاعت کا کام بڑے زور شور سے ہونے لگا۔

شاہزادے تعلیم پاکر ایمان میں مستحکم اور مضبُوط ہوتے گئے۔ چنانچہ جب اُن کے فارسی کے اُستاد نے کوشش کی کہ اُن کو پھر دائرہ اسلام میں لوٹا لائے تو وُہ بڑے جوش سے اور بعض اَوقات سخت کلمات استعمال کر کے اُس کے سوالات کا جواب دیتے تھے۔ اسلام کے

Marfat.com

متعلق وُہ ایسے الفاظ استعمال کرتے کہ اُستاد اپنی اُنگلیاں کانوں میں ڈال لیتا تھا۔ ایک دفعہ اُستاد نے اُن کو کہا کہ آپ دیکھتے ہیں کہ صرف رذیل طبقہ کے لوگ ہی مسیحیت قبول کر رہے ہیں تو طھورث بڑا ناراض ہوگیا۔ تب اُستاد نے کہا کہ آپ تو بادشاہ کے حکم سے جبراً مسیحی کئے گئے ہیں۔ اُس نے جواب دیا کہ کیا آپ کو یہ معلوم نہیں کہ مبلغین صرف ایسوں کو ہی قبول کرتے ہیں جو خود اپنی رضا و رغبت سے بپتسمہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ جب اُستاد اُن پر اسلامی تعلیم کی خوبی اور حضرت محمدؐ کی فضیلت ظاہر کرنے لگا تو طھورث نے اسلام و بانیٔ اسلام کے حق میں ایسے سخت الفاظ کہے کہ اُستاد نے کلام کرنا بند کر دیا۔ جب وُہ خاموش ہوگیا تو طھورث نے کہا کہ تُم اَور تمام مسلمان آتشِ جہنم کا ایندھن ہوگے۔ لیکن ہم کو خُداوند مسیح نے اِس جہان میں شیطان سے نجات بخشی ہے اَور اُس جہان میں ابدی زندگی اَور خُوشی عطا کی ہے۔ یہ ۱۶۱۲ء کا واقعہ ہے۔

جب ۱۶۱۳ء میں پرتگیزوں نے عہد شکنی کرکے جہانگیر سے جنگ کی تو بادشاہ نے شاہزادوں کو حکم دیا کہ مسیحیت کو ترک کر دیں۔ پس شاہزادے بادلِ ناخواستہ مُبلغین کے پاس آئے۔ اُنہوں نے صلیبیں واپس کر دیں اَور دائرۂ اسلام میں واپس لوٹ گئے۔

فصل دوم

تبلیغ و اشاعتِ مسیحیت کے وسائل

۱۔ اناجیل کے ترجمے اَور زیویئر کی تصنیفات

چُونکہ مغلیہ سلطنت کی سرکاری زبان فارسی تھی پس جب انجمنِ عیسوی کے مُبلغین اکبری دربار میں آئے تو اُن کے لئے یہ لازم ہوگیا کہ وُہ فارسی زبان کی تحصیل کریں۔ اُن کے آتے ہی اُن کو مسلم عُلما کے ساتھ مباحثے اَور مناظرے کرنے پڑے جن کا ہم مختصر ذکر گذشتہ ابواب میں کر آئے ہیں۔ اِن مباحثوں میں ایرانی مسیحی پادری ہنریق (Henriquez) اُن کا ترجمان ہوتا تھا۔ لیکن اس طریقہ سے طرفین میں سے کسی کی بھی تسلّی نہ ہوتی تھی اَور نہ ہو

Marfat.com

سکتی تھی۔ پادری ایکواویوا نے بڑی کوشش سے محنت کر کے کچھ شُدبُد حاصل کر لی لیکن وُہ ناکافی ثابت ہُوئی پس اکبر نے شاہِ ہسپانیہ سے درخواست کی کہ کسی ایسے مُبلّغ کو بھیجا جائے جو "ہم کو مسیحیّت کے آسمانی حقائق ہماری زبان میں بتلا سکے جس کو ہم سمجھ سکیں"۔ اِسی خط میں اکبر نے توریت و زبُور اَور اناجیل کی نقلوں اَور عربی فارسی ترجموں کے لئے بھی درخواست کی تھی۔ جب مُبلّغین تیسری بار دربارِ اکبری میں آئے تو پادری زیویئر نے شب و روز کی محنتِ شاقہ کر کے فارسی زبان کو حاصل کیا اَور اناجیل اَور زبُور کے ترجموں کے علاوہ متعدد تصنیفات فارسی میں لکھیں جن کا مفصل ذکر ہم آگے چل کر کریں گے۔ لکھنے کے بعد یہ تصنیفات اکبر اَور جہانگیر کی نذر کی جاتیں اَور دونوں بادشاہ اُن کا بڑے غور سے مطالعہ کرتے تھے۔ سنہ ۱۶۰۷ء میں مبلّغین نے بادشاہ جہانگیر کو اناجیل کا عربی ترجمہ دیا جس کو دیکھ کر وُہ بہت خُوش ہُوا۔ لیکن اُس نے کہا کہ اگر یہ ترجمہ فارسی میں ہوتا تو میرے لئے زیادہ بہتر ہوتا۔ مبلّغین نے اُس کو کہا کہ اُن کے پاس فارسی ترجمہ بھی ہے۔ جہانگیر نے کہا مجھے انجیل کا ایسا ترجمہ درکار ہے جو اصل متن کا لفظی ترجمہ ہو اَور جس میں اصل کتاب کے ایک حرف کی بھی کمی بیشی نہ ہو پس اُنہوں نے اُس کے حسبِ دلخواہ فارسی ترجمہ کی نظرِ ثانی کر کے ایک نقل جہانگیر کو تحفہ کے طور پر پیش کی جس کو پا کر جہانگیر نہایت خُوش ہُوا۔

۲۔ مباحثے اَور مناظرے

مُبلّغین نے عربی کا علم حاصل کرنے کی کوئی خاص کوشش نہ کی۔ جب مُبلّغین پہلی دفعہ دربارِ اکبری میں آئے تو وُہ قرآن کے مضامین سے بخُوبی آگاہ تھے کیونکہ اُن کے پاس قرآن کا لاطینی ترجمہ تھا۔ یہ ترجمہ ایک انگریز نے سنہ ۱۱۴۳ء میں کیا تھا اَور بڑے اعلیٰ پایہ کا تھا۔ چار سال بعد قرآن کے اس لاطینی ترجمہ کا اطالوی زبان میں ترجمہ کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ مُبلّغین کے پاس قرآن کا پرتگیزی ترجمہ بھی موجُود تھا۔ زیویئر نے قرآن کا فارسی میں ترجمہ کروایا۔ لیکن عربی زبان سے ناواقف ہونے کی وجہ سے وُہ مسلم عُلمار کے ساتھ بوجہ احسن مناظرہ نہ کر سکتا تھا۔

اکبر کی طرح جہانگیر کو بھی مذہبی مباحثوں کا شوق تھا۔ صاحبِ دبستان مذاہب لکھتا ہے کہ اکبر نے پنڈتوں سے حلول کے عقیدہ کے متعلق مناظرہ کیا تھا۔ جہانگیر کو باپ کا اعتراض یاد تھا۔ چنانچہ توزکِ جہانگیری میں ہے کہ اُس نے بھی ایک روز ہندو پنڈتوں سے اوتاروں کے عقیدہ کے متعلق سوال کیا اَور اُن سے کہا "اگر منتہائے دینِ شما بر فرود آمدنِ ذاتِ

Marfat.com

مقدس حق تعالیٰ است در وہ پیکر مختنف بطریق حلول - آن خود نزد ارباب عقل مردود است -
واین مفسدہ لازم دارد کہ واجب تعالیٰ کہ مجرد از جمیع تعینات است، صاحب طول وعرض و
عمق بودہ باشد - واگر مراد ظہور نور الٰہی است، دریں صورت ہم تخصیص درست نہ، زیراکہ در
ہر دین و آئین صاحبان معجزات وکرامات ہستند کہ از دیگر مردمان خود بدانش و فراست
ممتاز بودہ اند - بعد از گفت و شنود بسیار و رد و بدل بے شمار، بجدائی خدائے منزہ از
جسم وچون وچگون معترف گشتند" مطبوعہ نولکشور ص ۱۵

مبلغین بہت خواہشمند تھے کہ وہ بھی پادری ایکوا ویوا کی طرح جہانگیر کے سامنے علما سے مناظرے
کریں تاکہ مسیحیت کی صداقت اور عقائد اسلام و مسیحیت کا موازنہ سب پر عیاں ہو جائے - بارے جہانگیر کی
تخت نشینی کے تین سال بعد ۱۶۰۸ء کے قریب اُن کی مراد بر آئی - اُن دنوں میں جہانگیر آگرہ
میں تھا - اُس کے سامنے ایک ماہ تک قریباً ہر رات مبلغین اور مسلم علما کے مباحثے ہوتے رہے -
بحث کا موقع یوں ہاتھ آیا کہ مبلغین نے چند نہایت خوبصورت تصاویر جہانگیر کو بطور تحفہ دیں،
کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جہانگیر تصاویر اور فنون لطیفہ کا بڑا شوقین اور ماہر ہے - اتفاق ایسا ہوا کہ
پہلی تصویر میں داؤد ناتن نبی کے آگے گھٹنے ٹیکے اپنے گناہوں کا اقرار کر رہا تھا - جب پادری زیویئر
نے داؤد کا بت سبع کے ساتھ زنا کرنے کا واقعہ بیان کیا تو علما سیخ پا ہو گئے اور کہنے لگے کہ انبیاء
معصوم ہوتے ہیں اور وہ گناہ نہیں کر سکتے - تم ہذیان بک رہے ہو جو کہتے ہو کہ حضرت داؤد نبی نے
بت سبع کے ساتھ زنا کیا تھا - زیویئر نے اُن کو مخاطب کر کے کہا :- کیا تم اِس حقیقت کا انکار
کر سکتے ہو کہ حضرت داؤد نے ندامت اور پشیمانی کے آنسو بہائے تھے - اُنہوں نے جواب دیا
کہ وہ زنا کے گناہ کے لئے نہیں رویا تھا بلکہ ایک انسان کو قتل کرنے کی وجہ سے پچھتایا تھا -
زیویئر نے پوچھا "کیا کسی بے گناہ شخص کا قتل کروا دینا گناہِ عظیم نہیں ہے ؟ جب اُس سے
ایسا خوفناک گناہ سرزد ہوا تو تم کس طرح یہ کہہ سکتے ہو کہ انبیا گناہ نہیں کر سکتے ؟" جب
وہ جواب نہ دے سکے تو زیویئر نے اُن سے پوچھا "کیا انبیاء اِس درجہ تک معصوم ہوتے
ہیں کہ وہ گناہ کر ہی نہیں سکتے اور اُن میں گناہ کرنے کی خواہش ہی مفقود ہو جاتی ہے ؟
اُنہوں نے جواب دیا کہ گناہ کی خواہش تو انبیا میں ہوتی ہے لیکن اُن سے فعل سرزد نہیں ہوتا -
زیویئر نے کہا کہ گناہ کی خواہش ہی تو درحقیقت گناہ ہوتا ہے خواہ اُس خواہش کا نتیجہ فعل ہو
یا نہ ہو - پھر زیویئر نے پوچھا کہ کیا فرشتوں سے گناہ سرزد نہیں ہوتا ؟ کیا عزازیل کبر کر کے
اپنے درجہ سے نہیں گرا تھا ؟ اگر فرشتے گناہ کر سکتے ہیں تو انبیاء جو آخر انسان ہوتے ہیں
کیوں گناہ نہیں کر سکتے ؟ اور پھر داؤد تو خود اپنی زبور کی کتاب میں بار بار اپنے گناہوں کا اقرار

Marfat.com

کرتا ہے اور خدا سے اُن کے لئے مغفرت کا طلبگار رہوتا ہے۔ عُلماء ان دلائل کا جواب نہ دے سکے۔

عُلما میں غیاث الدین علی تھا جس کو اکبر نے نقیب خان کا خطاب دیا تھا۔ وُہ اکبر کے اُستاد عبداللطیف خان کا بیٹا تھا اور اکبر کے سامنے کتابیں پڑھنے کے کام پر مامور تھا، اور فاضل عُلما میں شمار ہوتا تھا۔ اُس نے عُلما کی طرف سے کہا کہ عیسائیوں کی انجیل اور توراۃ و زبُور سب محرّف ہو چُکے ہیں پس وُہ قابلِ اعتبار کتابیں نہیں ہیں۔ اُن کو محرّف کرنے والے خُود عیسائیوں کے بادشاہ تھے۔ زیویئر نے جواب دیا کہ جس طرح اسلامی دُنیا کے بادشاہ قرآن کی عزّت کرتے ہیں اسی طرح عیسائی دُنیا کے بادشاہ بھی مسیحی کُتبِ مُقدّسہ کی عزّت و تکریم کرتے ہیں اور جس طرح کسی مسلمان بادشاہ کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آتی کہ وُہ قرآن میں تحریف کرے اُسی طرح کسی عیسائی بادشاہ کے دل میں یہ کبھی خیال بھی نہ آیا کہ وُہ کُتبِ مُقدّسہ میں اُدل بدل کرنے کا ارتکاب بھی کرے۔

اکبر کی طرح جہانگیر بھی اب مُسلم عُلما کو دِق کرنے اور اُن کو چھیڑنے کی خاطر سوال کرتا اور اُن کی تضحیک کرتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ جہانگیر نے سوال کیا کہ عیسائی آنحضرت کی نبوّت کے متعلق کیا خیال کرتے ہیں؟ زیویئر نے جواب دیا کہ وُہ کہتے ہیں کہ محمدِ عربی نے نبوّت کا دعویٰ کیا تھا۔ جہانگیر نے پُوچھا تو کیا وُہ نبی نہ تھے؟ زیویئر نے جواب دیا کہ حضُور درست فرماتے ہیں۔ جہانگیر نے کہا "تُمہارا یہ مطلب ہے کہ وُہ نعوذ باللہ کاذب نبی تھے"؟ عُلماء کا طبقہ اور درباری سب استغفِرن پڑھنے لگے اور اگر اُن کا بس چلتا تو اُن کو کچا چبا جاتے۔ نقیب خان سے نہ رہا گیا۔ وُہ کہنے لگا "جہاں پناہ۔ یہ پادری بکواس کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا اسمِ شریف اِن کی انجیل میں خُود موجُود ہے۔ انجیل کے ایک مقام میں لکھا ہے کہ سرورِ عالم دوبارہ اس جہان میں تشریف فرما ہوں گے"۔ جہانگیر نے پُوچھا کیا یہ بات سچ ہے؟ زیویئر نے جواب دیا کہ حضُور یہ بات غلط ہے۔ انجیل میں اِس قسم کی کوئی آیت نہیں پائی جاتی، ہاں یہ ضرور لکھا ہے کہ میرے بعد جھُوٹے نبی برپا ہوں گے۔ بادشاہ کے اصرار پر اُس نے یہ جواب دوبارہ اور پھر سہ بارہ دُہرایا۔ نقیب خاں نے اپنے کانوں میں اُنگلیاں ڈال کر کہا کہ اِس قسم کے کلمات کا سُننا بھی کُفر ہے۔ یہ شخص گردن زدنی ہے اور طیش میں آکر وُہ مجلس سے اُٹھ کر باہر چلا گیا۔

Marfat.com

اگلی شام جہانگیر نے مبلّغین سے پھر رسُولِ عربی کی رسالت کی صداقت کی نسبت سوال کیا اُور کہا تم نے دیکھا تھا کہ نقیب خان تمہارے جواب سے غضب میں آگیا تھا لیکن مجھے تمہاری باتوں میں کچھ کچھ صداقت نظر آتی ہے۔ پھر اُس نے نقیب خان کو آواز دی اُور کہا تم سُنتے ہو کہ یہ پادری حضرت کو نبی صادق نہیں مانتے۔ مُبلّغین نے کہا حضُور اِس قسم کے سوالوں کا فیصلہ عقلِ سلیم ہی کر سکتی ہے۔ نقیب خان کا غصّہ اُور غیظ و غضب اُور اُس کی مُغلّظ گالیاں اِن کا فیصلہ نہیں کر سکتیں۔ جہانگیر نے کہا۔ تُم سچ کہتے ہو اُور نقیب خان کو مخاطب کر کے کہا کیا تُم حضرت رسُول کی نبوّت کی صداقت ثابت کر سکتے ہو؟ نقیب خان نے حضرت کی زندگی کی چند باتیں سنائیں جو اُس کے زعم میں نبوّتِ محمدیہ کو ثابت کرتی تھیں۔ زیویئر نے جواب دیا کہ حضُور۔ یہ سب باتیں غلط اُور ناقابلِ اعتبار ہیں کیونکہ یہ سب کی سب عقل کے منافی ہیں۔ ایک اُور عالم بول اُٹھا۔ جہاں پناہ۔ مسیحی ہماری کتابوں پر ایمان نہیں رکھتے۔ اِس واسطے وُہ اِن باتوں کو غلط کہتے ہیں۔ ورنہ کیا ان کو شق القمر کے مُعجزے کا علم نہیں۔ پس یہی ایک مُعجزہ حضرت صلعم کی نبوّت کو ثابت کرنے کے لئے کافی اُور وافی ہے۔

زیویئر نے جواب دیا حضُور اگر چاند ٹُوٹ کر آسمان سے زمین پر گرتا تو تمام مشرقی اُور ممالکِ دُنیا چاند کے ٹکڑے گرنے سے تباہ و برباد ہو جاتے اُور خُود ہندوستان بھی جو عرب کے نزدیک ہے ختم ہو گیا ہوتا۔ لیکن ممالکِ عالم میں سے کسی ملک کی تاریخ میں بھی آپ کو کہیں یہ لکھا نہ ملے گا کہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا تھا۔ بادشاہ کو مُبلّغین کا جواب معقول نظر آیا اُور اُس نے اُن کے اس قول کو کئی بار دُہرایا۔ مسلم مُلّا نے پادری زیویئر کے اعتراض کے جواب میں چند باتیں کہیں جس پر جہانگیر نے اُن کو کہا کہ یہ غیر متعلق باتیں ہیں اُور پادری کے دلائل کا جواب نہیں ہیں۔ اِس پر ایک عالم نے کہا جہاں پناہ۔ اصل دِقّت یہ ہے کہ ہم اُن کی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں لیکن یہ ہماری کتابوں کو نہیں مانتے۔ پس ہمارے اُور اِن کے درمیان کوئی مشترکہ شے نہیں جس کی بنیاد پر ہم اِن سے گفتگو اُور بحث کر سکیں۔

ایک شام کا ذکر ہے کہ بادشاہ اُن تصاویر کو دیکھ رہا تھا جو مُبلّغین نے اُس کی نذر کی تھیں۔ مُبلّغین اُن میں سے ہر ایک کا مطلب بتلا رہے تھے۔ بادشاہ کے پاس ایک عالم کھڑا تھا۔ وُہ مسیح مصلُوب کی تصویر دیکھ کر کہنے لگا کہ حیرت کی بات ہے کہ تُم اُس شخص کی ایسی تصویر بناتے ہو جس کی تُم عبادت کرتے ہو۔ زیویئر نے جواب دیا کہ اِس تصویر سے مسیح مصلُوب کی تضحیک

نہیں ہوتی بلکہ جہان کے منجی کی عزت کرنا مقصود ہے کیونکہ وُہ ہمارے گناہوں کی خاطر اور بنی نوع انسان کو شیطان کی غلامی سے آزاد کرنے کی خاطر مصلوب کیئے گئے تھے۔ اگر حضور کا کوئی غلام حضور کی جان بچانے کی خاطر اپنی جان قربان کر دے اور ہر قسم کے عذاب کی برداشت کرے تو کیا آپ اُس کے دُکھ اور عذاب کو نگاہ میں رکھ کر ہمیشہ اُس کو یاد نہ کریں گے اور اُس کی عزت نہ کریں گے اور اُس کے پسماندوں کا خیال نہ رکھیں گے؟ ہم بھی اِسی طرح خُداوند مسیح کا شکر کرتے ہیں کہ اگرچہ وُہ خُدا کی صُورت پر تھا لیکن اُس نے ہماری نجات کی خاطر اپنی جان دینے سے بھی دریغ نہ کیا۔ ہمارے دل اُس کی محبّت کو یاد کر کے شُکر گذاری سے اِس قدر بھر جاتے ہیں کہ ہم اپنی جانوں کو بھی اُس پر فدا کرنے کو تیار ہیں۔ مولوی نے اعتراض کیا کہ تُم تو ان تصویروں کو پُوجتے ہو، زیوبیئر نے جواب دیا کہ ہم اِن تصویروں کو پُوجتے نہیں بلکہ اُن کو قابلِ عزت تصوّر کرتے ہیں۔ تُم مُجھے یہ بتاؤ کہ اگر جہاں پناہ کا کوئی فرمان تُمہارے پاس آئے تو تم اُس فرمان کو سر اور آنکھوں پر رکھتے ہو یا کہ نہیں؟ حالانکہ وُہ محض ایک کاغذ کا ٹکڑا ہوتا ہے لیکن تُم ایسا کرتے ہو کیونکہ اُس میں شاہی حکم اور فرمان ہوتا ہے جہانگیر نے یہ جواب سُن کر کہا کہ تُمہاری دلیل بہت خُوب ہے۔ عالم نے پھر زیوبیئر سے پُوچھا کہ اگر حضرت عیسیٰ مسیح خُدا تھا تو اُس کے مصلوب کیئے جانے کے کیا معنی؟ اس پر بادشاہ از خُود کہنے لگا کہ اصل بات یہ ہے کہ پادری حضرت عیسیٰ کو استعارہ کے طور پر خُدا کہتے ہیں اور خُدا کا بیٹا مانتے ہیں جس طرح ہم کسی کو پیار کی رُو سے " بھائی " یا " میری جان " وغیرہ کہتے ہیں اگرچہ وُہ جسمانی طور پر ایسا نہیں ہوتا۔ جہانگیر اپنے اس نکتہ پر ایک طویل اور جوشیلی تقریر کرتا گیا ایسا کہ زیوبیئر کو بیچ میں بولنے کا موقع نہ ملا۔ بادشاہ نے اچانک مبلغین کی طرف نظر کی تو دیکھا کہ وُہ کچھ کہنا چاہتے ہیں تو اُن سے کہنے لگا تُم ایسے مسائل کا مطلب بیان کرنا ہم پر چھوڑ دو۔ ہم تُمہاری بات کو سمجھتے ہیں اور پسند کرتے ہیں۔ زیوبیئر نے جواب دیا۔ خُدا جہاں پناہ کو سلامت رکھے۔ حضور بہترین وکیل ہیں۔ پھر بادشاہ اپنی تقریر کو جاری رکھتے ہُوئے کہنے لگا کہ یہ پادری جو حضرت عیسیٰ کو ابن اللہ کہتے ہیں تو اُس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت کا کوئی دُنیاوی باپ نہ تھا اور وُہ باکرہ سے پیدا ہُوئے تھے۔ ایک درباری نے کہا کہ جہاں پناہ اِس طرح تو سڑے ہُوئے گوشت سے جو کیڑے پیدا ہوتے ہیں وُہ بھی خُدا کے بیٹے ہُوئے۔ جہانگیر نے جواب دیا کہ تُمہاری دلیل خلافِ عقل ہے کیونکہ یہ کیڑے چند روزہ ہوتے ہیں اور تمام صفات سے معرّیٰ ہوتے ہیں پس وُہ خُدا کے بیٹے کی صفات نہیں رکھتے اور نہ وُہ خُدا کے بیٹے کہلاتے

Marfat.com

جا سکتے ہیں۔ وہ پھر زیویئر کو مخاطب کر کے کہنے لگا "کہو۔ ہم نے تمہارے مسائل کی صحیح تشریح صاف اور عام فہم زبان میں کر دی ہے کہ نہیں ؟" زیویئر نے عرض کی کہ حضور کی تشریح صحیح نہیں ہے اس پر جہانگیر ناراض ہو کر کہنے لگا کہ شاید تم نے ہماری تقریر کو سمجھا ہی نہیں۔ زیویئر نے کہا جہاں پناہ میں سب کچھ سمجھ گیا ہوں۔ آپ نے یہ یہ فرمایا تھا۔ بادشاہ نے بگڑ کر کہا کہ اچھا اگر ہم نے غلط سمجھا اور سمجھایا ہے تو تم ہی ان مسائل کا مطلب بیان کر دو۔ زیویئر نے جواب دیا۔ جہاں پناہ حضور نے لفظ خدا اور ابن اللہ کو استعارہ بیان فرمایا ہے لیکن ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ خداوند یسوع مسیح خود فی الحقیقت خدا تھے۔ جہانگیر نے پوچھا "کیا یہ انجیل میں لکھا ہے؟" زیویئر نے جواب دیا "جہاں پناہ! انجیل میں ایسا ہی لکھا ہے"۔ بادشاہ کے پاس جو عالم کھڑا تھا، کہنے لگا کہ اگر حضرت عیسیٰ مسیح سے ایسے معجزات صادر ہوتے جو کسی اور نبی نے نہ کئے ہوں تو وہ خدا ہو سکتے تھے۔ لیکن جو معجزات حضرت نے کئے ویسے ہی معجزات دیگر انبیاء نے بھی کئے تھے پس تم حضرت عیسیٰ مسیح کے لئے خدائی کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ اس کے جواب میں مبلغین نے اُن معجزات کا ذکر کیا جو صرف خداوند مسیح نے ہی کئے تھے اور جو کسی دُوسرے نبی سے ظہور میں نہ آئے تھے۔ جہانگیر نے پھر پوچھا کہ کیا اناجیل میں کہیں آیا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے خود اپنی زبان سے خدائی کا دعویٰ کیا تھا۔ زیویئر نے جواب دیا "ہاں حضور، بہت دفعہ"۔ اس پر جہانگیر نے دوبارہ اپنی پہلی تقریر کو دُہرایا۔ ایک درباری نے کہا۔ جہاں پناہ حضور تو عقل کی باتیں فرماتے ہیں لیکن یہ پادری ماننے والے آدمی نہیں۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ یہ لوگ مانیں یا نہ مانیں۔ اصل بات وہی ہے جو ہم نے کہی ہے۔ یہ لوگ حضرت عیسیٰ مسیح سے بے پناہ محبت رکھتے ہیں، اور اسی وجہ سے حضرت کو خدا کہتے ہیں جس طرح ہمارے ملک کے پہاڑوں اور غاروں میں درویش اور فقیر رہتے ہیں جو دو پیالے بھنگ پی کر از خود رفتہ ہو جاتے ہیں اور عوام الناس اُس کو خدا رسیدہ سمجھ کر اُن کے عقیدتمند ہو جاتے ہیں۔ اگر اُن میں سے کوئی مُردوں کو زندہ کر دے تو اُن کے مُرید اُن کو خدا سمجھ لیں۔ جب میرا اپنا یہ حال ہے کہ گو میں نے حضرت عیسیٰ کو یا اُن کے معجزات کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا لیکن اُن کی بابت فقط سُنا ہی ہے اور میں اُن سے والہانہ محبت اور عقیدت رکھتا ہوں کہ جب کسی کام کو شروع کرتا ہوں تو پہلے میں اُن کا نام وردِ زبان کرتا ہوں۔ جب میری عقیدت کا یہ حال ہے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ جن لوگوں نے اُن کو یا اُن کے معجزات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اُن کے کلام کو اپنے کانوں سے سنا وہ اُن کو خدا

Marfat.com

کہنے لگ گئے۔

پادری جوآؤ الوارِیس (Joao Aluares) نے رُوم سے جہانگیر کو مقدسہ مریم اَور مجوُسیوں کی ایک ایسی خُوبصُورت تصویر بھیجی کہ بادشاہ اُس کو دیکھ کر وارفتہ سا ہوگیا۔ پھر اپنے درباریوں کو مخاطب کرکے اُس واقعہ کو ایسی خُوبی سے بتلایا کہ مُبلّغین خُود عش عش کرنے لگ گئے۔ اِن باتوں سے ظاہر ہَے کہ جہانگیر مسیحی تعلیم اَور رسُوم سے بخُوبی واقف ہوگیا تھا۔ وُہ اکثر اوقات فخریہ اپنے علم کو سب پر جتاتا تھا۔ چنانچہ ایک شام کا ذکر ہَے کہ اُس نے مسیح خُداوند کے ختنہ کروانے کی ایک تصویر لی اَور مبلّغین کو خاموش رہنے کا حکم دے کر اہلِ دربار سے کہنے لگا ”کیا تُم میں سے کوئی شخص اِس تصویر کا مطلب جانتا ہَے؟“ جب سب نے نفی میں جواب دیا تو بادشاہ نے تصویر کا مطلب بڑی خُوش اسلُوبی سے بیان کرکے مبلّغین سے کہا ”کہو۔ کیا ہم نے دُرست بیان کیا ہَے؟“ جب مبلّغین نے اثبات میں جواب دیا تو جہانگیر نہایت خُوش ہُوا اَور کہنے لگا۔ ”دیکھا۔ ہم اِن باتوں کو کس خُوبی سے جانتے ہیں!“

اِس قسم کی باتوں سے مبلّغین کے حوصلے بڑھ جاتے اَور وُہ سوچتے کہ بادشاہ اپنے ارادہ کا ایسا پکا ہَے کہ اگر وُہ ایک دفعہ یہ قصد کرے کہ مَیں مسیحی ہوجاؤں گا تو وُہ ذرا بھی نہ ہچکچائے گا۔ لیکن مسیحیت کے بعض مسائل اُس کی راہ میں حائل تھے۔ مثلاً جیسا ہم سطُورِ بالا میں ذکر کرچکے ہیں وُہ یہ نہیں مان سکتا تھا کہ اَوتاروں کا مسئلہ صحیح ہَے اَور ایک لامحدُود ہستی محدُود انسان کی شکل اختیار کر سکتی ہَے پس وُہ تجسّمِ مسیح کا قائل نہ تھا اگرچہ وُہ مسیح کی عظمت کا قائل تھا اَور اُس کو محبُوب ربّانی مانتا تھا۔ مسیحیت کی سخت قیود بھی اُس کے مسیحیت اختیار کرنے کی راہ میں حائل تھیں بالخصُوص وحدتِ ازدواج کا حکم نہ صرف اُس کے لئے بلکہ دیگر مسلمانوں اَور ہندوؤں کے لئے بھی سدِ راہ تھا چنانچہ ایک شام کا ذکر ہَے کہ مذہبی بحث کے دَوران میں جہانگیر نے کثرتِ ازدواج کا سوال چھیڑ دیا۔ مُبلّغین نے کہا ”حضُور کثرتِ ازدواجی نہ صرف حرام ہَے بلکہ خاندانی زندگی اَور گھریلو مصیبتوں کا سرچشمہ ہَے۔ پاس ایک عالم کھڑا تھا۔ وُہ بول اُٹھا ”جہاں پناہ۔ اب یہ مبلّغین کثرتِ ازواجی کو حرام بتلا رہے ہیں اَور ابھی کل کی بات ہَے کہ حضُور کے سامنے یہ اقبال کرتے تھے کہ حضرت داؤد کی ازواج بہت تھیں اَور پھر یہ کہ حضرت نے گُناہ کیا تھا۔“ زیو نیر نے جواب دیا کہ حضرت داؤد کا گُناہ انسانی کمزوری کا بیّن ثبُوت ہَے یہ دُرست ہَے کہ حضرت داؤد نے ایک سے زیادہ بیویاں کی تھیں لیکن وُہ مُوسوی شریعت کے تحت تھا پس مسیحی حکم نکاح (جو اُس کے صدیوں بعد ملا،

Marfat.com

اس پر پابند نہیں ہو سکتا۔ دُنیا میں لاکھوں کروڑوں مسیحی ایسے ہیں جو خُدا کے فضل سے ایک ہی بیوی پر اکتفا کرتے ہیں۔ جہانگیر نے کہا "تمہاری بات درُست ہی سہی لیکن یہ تو بتاؤ کہ میرے جیسا بادشاہ کیا کرے جس کی ازواج زیادہ ہیں۔ اگر مَیں عیسائی ہونا چاہوں تو مجھے کیا کرنا ہوگا؟ زیویئر نے جواب دیا کہ بادشاہ کو اپنی تمام ازواج میں سے صرف ایک کو پسند کرکے اُس کو رکھنا ہوگا اَور باقی سب کو چھوڑنا ہوگا۔"

زیویئر کا یہ جواب شریعت اسلامی کے مطابق بھی تھا۔ چنانچہ ابو داؤد (جلد اوّل صفحہ ۳۰۴) اَور ابنِ ماجہ (صفحہ ۳۴۷) میں ہے کہ جب قیس ابنِ الحرث مسلمان ہُوا تو اُس کے پاس آٹھ بیویاں تھیں جب اُس نے حضرت محمدؐ سے یہ بات کہی تو آپ نے اُس کو حکم دیا کہ چار سے جو زیادہ ہیں، اُن کو علیحدہ کر دو۔ اَور صرف چار ہی رکھو۔ علیٰ ہذا القیاس، ابن ماجہ (ص۳۴۷) میں اَور ترمذی (ص۱۹۰) میں ہے کہ جب غیلان الثقفی مسلمان ہُوا تو اُس کے پاس دس عورتیں تھیں اَور وُہ سب کی سب اُس کے ساتھ مسلمان ہوگئی تھیں۔ پھر بھی آنحضرت نے اُس کو حکم دیا کہ اُن میں سے چار کو چُن لو اَور باقیوں کو چھوڑ دو۔ یہ واقعہ بخاری میں بھی مرقوم ہے۔ صحیح بخاری میں ایک اَور ایسے واقعہ کا ذکر ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ "کعب کہتے ہیں کہ معاویہ کے بیٹے نوفل کے پاس پانچ بیویاں تھیں۔ رسُول اللہ صلعم نے اُس کو کہا کہ چار کو رکھ لے اَور ایک کو چھوڑ دے۔" (الہات الامہ ص۲۲)

بادشاہ نے کہا کہ یہ کوئی آسان بات تھوڑی ہے۔ یہ فرض کرو کہ بادشاہ ایک ہی بیوی کو رکھ کر باقیوں سے قطع تعلق کرلے تو اگر وُہ ایک بیوی اندھی ہو جائے تو پھر وُہ غریب کیا کرے؟ زیویئر نے کہا کہ وُہ اندھی بیوی کو چھوڑ دے اَور آنکھوں والی کو رکھ لے۔ بادشاہ نے پُوچھا کہ اگر وُہ نکاح کے بعد اندھی ہو جائے تو؟ زیویئر نے جواب دیا کہ اندھے پن سے مجامعت میں رکاوٹ نہیں ہوتی۔ جہانگیر نے کہا کہ یہ تو ٹھیک ہے لیکن اندھی عورت سے مجامعت کرنے کو کس کا دل کرتا ہے؟ ایک مولوی نے کہا کہ فرض کرو کہ نکاح کے بعد بیوی کوڑھی ہو جائے تو پھر خاوند کیا کرے؟ زیویئر نے جواب دیا کہ پھر واجب ہے کہ خاوند صبر کرے اَور راضی برضائے الٰہی ہو۔ جہانگیر نے کہا کہ تم ناممکن باتیں کر رہے ہو۔ زیویئر نے کہا کہ جہاں پناہ۔ اگر خاوند اَندھا اَور کوڑھی ہو جائے تو عورت کے لئے یہ درُست ہوگا کہ دُوسرا، تیسرا اَور چوتھا خاوند کرتی پھرے؟ اگر عورت کے لئے یہ بات ناروا ہے کہ وُہ نکاح کے بعد مرد کی بیماری کی وجہ سے

Marfat.com

اس کو چھوڑ کر دوسرا نکاح کرنے تو مرد کے لئے یہ بات ناجائز کیوں نہیں ہے ؟ یہ تو عورتوں کے ساتھ محض بے انصافی ہے۔ عورت اور مرد دونوں پر لازم ہے کہ ایسے موقعہ پر راضی برضائے الٰہی ہوں حضور۔ یہ بات ناممکن نہیں ہے۔ خدا کے فضل سے سب کچھ ہو سکتا ہے۔ خدا مشکل کشا ہے جو تمام مشکلات کو آسان کر دیتا ہے۔ بادشاہ نے کہا " یہ بات تمہارے لئے آسان ہے جو کبھی عورت کے نزدیک نہیں گئے لیکن باقی انسان کیا کریں ؟ مبلغین نے نفس امارہ کے ساتھ جنگ کرنے، اُس کو مارنے اور شہوانی خواہشوں کو زیر رکھنے کی ضرورت اور اہمیت جتلائی اور مسیحی وسائل فضل کا ذکر کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اگرچہ بادشاہ اور علما نے مسیحی دلائل کا وزن مان لیا لیکن وہ اپنی بات پر اڑے رہے۔

ایک موقعہ پر جہانگیر نے پوچھا کہ قیامت کے روز مسلمانوں کا کیا حشر ہوگا ؟ زیویر نے جواب دیا حضور جو فرد بشر خدا کے بیٹے پر ایمان نہیں لائے گا وہ جہنم میں جائے گا۔ پاس ایک عالم کھڑا تھا اُس نے کہا کہ ہم مسلمان حضرت محمد صلعم کی طفیل دوزخ کی آگ سے محفوظ رہ کر جنت میں جائیں گے۔ زیویر نے کہا کہ میں تمہارے مذہب پر حیران ہوں۔ کیا تمام مسلمان جو چور۔ حرامکار۔ زانی۔ قاتل بدمعاش ہوں وہ سب توبہ اور سزا پائے بغیر داخلِ جنت ہو جائیں گے ؟

زیویر ہم کو بتلاتا ہے کہ ۱۶۰۹ء میں جہانگیر کے سامنے ایک مسلم عالم کے ساتھ پانچ مضامین پر اُس کی بحث ہوئی یعنی۔ (۱) مسئلہ تثلیث اور ابنیتِ مسیح (۲) تعددِ ازدواج۔ (۳) حلال و حرام خوراک (۴) اسلامی وضو اور مسیحی بپتسمہ (۵) مسیحی فضل کے وسائل۔

ایک دفعہ جہانگیر نے مبلغین کو اپنے دسترخوان سے لذیذ گوشت بھیجا لیکن چونکہ یہ دن ایامِ روزہ کے تھے انہوں نے نہ کھایا۔ اس موقعہ پر اسلامی احکامِ روزہ اور کلیسیائی دستور، انجیلی احکامِ روزہ پر ایک دلچسپ بحث ہوئی اور اہلِ دربار انجیلی اور کلیسیائی دستورات سے واقف ہو گئے۔

سرٹامس رو، ٹیری وغیرہ ہم کو بتلاتے ہیں کہ ایک دفعہ پادری کورسی کے گھر کو آگ لگ گئی تو سوائے مسیح مصلوب کے بت اور تصاویر کے سب چیزیں راکھ ہو گئیں۔ مبلغین اس کو ایک معجزہ سمجھ کر مسیحیت کی صداقت کے ثبوت میں پیش کرنے لگے۔ اس پر جہانگیر نے پادری کورسی کو بلوایا اور اس سے کہا کہ وہ تصاویر اور بت لاؤ اور ہمارے روبرو اُن کو آگ میں ڈال دو۔

Marfat.com

اگر اُن پر آگ کا اثر نہ ہو تو ہم مسیحیت کو قبول کر لیں گے۔ لیکن کورسی نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ نہ صرف اُن کی بیحُرمتی ہوگی بلکہ خُدا کی آزمائش ہوگی۔ پھر اُس نے کہا۔ "جہاں پناہ۔ مَیں خُود کسی مسلمان عالم کے ساتھ آگ میں کُودنے کو تیار ہُوں۔ اگر مولوی کو نقصان نہ پہنچا تو اسلام کا خُدا برحق اور اگر وُہ جل گیا اور مَیں سلامت رہا تو خُداوند مسیح اور مسیحیت برحق ہوگی"۔ بادشاہ کو یہ تجویز پسند آئی کیونکہ دونوں میں سے ایک مذہب کی سچائی معجزہ کے ذریعہ سے ثابت ہوتی تھی۔ لیکن کوئی مولوی کورسی کے ساتھ آگ میں کُودنے کو تیار نہ ہُوا۔ اس پر بادشاہ نے پادری کورسی کا نام "پادری آتش" رکھ دیا اور معاملہ ختم ہوگیا۔

زیویئر کے خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ مبلّغین اور مسلم عُلما کے مابین جو مباحثے جہانگیر کے رُو برُو تخلیہ میں یا برسرِ عام ہوتے تھے وُہ نہ صرف ایوانات اور محلّات میں مشہور ہو جاتے تھے بلکہ عوام الناس بھی بازاروں اور کُوچوں میں اُن کا ذکر کرتے تھے۔ مبلّغین کے دلائل زبان زدِ خاص و عام ہو گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ کئی مسلمان مبلّغین کے جان لیوا ہو گئے لیکن جہانگیر کے خوف کے مارے کوئی اُن کو کچھ نہ کہتا تھا۔ ۱۶۰۹ء کے بعد جہانگیر نے مناظروں کے سلسلہ کو بند کر دیا۔

بعض اوقات مسلم عُلما مبلّغین کے رہائشی مکانات پر خود آتے اور اُن کے ساتھ مباحثے کرتے تھے۔ بعض اوقات پادری زیویئر مساجد میں چلا جاتا جہاں اُس کے اور مسلم عُلما اور شرفا کے درمیان مناظرے ہوتے تھے۔ پادری پن ہیرو لکھتا ہے کہ اکثر اوقات مناظرے برسرِ بازار یا عام گذرگاہوں میں ہوتے تھے۔ چنانچہ وُہ بتلاتا ہے کہ ۱۶۱۳ء میں یہ مناظرے نہ صرف مبلّغین کے رہائشی مکان پر بلکہ اکثر بازاروں اور کوچوں میں ہوتے تھے، جس سے پتہ لگتا ہے کہ گو جہانگیر نے اپنے دربار میں مناظروں کا سلسلہ بند کر دیا تھا لیکن شہر میں مناظرے جاری رہتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مناظرے پادری پن ہیرو کے ساتھ ہوتے تھے اور زیویئر ان دنوں میں کتابیں لکھنے میں مشغول رہتا تھا۔ ہم انشاء اللہ آگے چل کر اُس کی تصنیفات کا ذکر کریں گے۔

۳۔ تصاویر ہم گذشتہ باب میں بتلا چکے ہیں کہ سلطنتِ مغلیہ کے بادشاہ فنونِ لطیفہ کے ماہر اور مُربّی تھے۔ بالخصوص اکبر، جہانگیر اور شاہجہان کے عہد میں یہ فنون اپنے اَوجِ کمال پر پہنچ گئے تھے۔ ہم جلدِ سوم میں بتلا چکے ہیں کہ خُلفائے عباسیہ بالخصوص ہارون اور مامون ان علوم و فنونِ لطیفہ کے بڑے قدردان تھے۔ سلطنتِ دہلی کے زمانہ میں امیر خسرو

Marfat.com

جیسے مجتہدِ فنِ موسیقی کا وجود ثابت کرتا ہے کہ اِن ایّام میں یہ فنون بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور عوام الناس اُن کے شوقین تھے۔ ہم گذشتہ ابواب میں بتلا آئے ہیں کہ اکبر کو ہر قسم کے فنونِ لطیفہ سے شغف تھا اور اُس نے مختلف فنون کے باکمال اشخاص کو مختلف ممالک سے فتحپور اور آگرہ میں جمع کر لیا تھا۔ جب انجمنِ عیسوی کے مبلغین اپنے ساتھ یورپ کے ممالک کی خوبصورت تصاویر لاتے تو نہ صرف بادشاہ اکبر اور اُس کے اُمرا بلکہ عوام بھی ہزاروں کی تعداد میں اُن کو دیکھنے کے لئے گرجا آتے تھے۔ عام مسلمانوں کی بے پناہ ہجوم اُن کو دیکھنے کے لئے ٹوٹ پڑتی، ایسا کہ مبلغین کو کھانا کھانے کی بھی فرصت نہ ملتی اور وہ باری باری عوام کو اُن تصاویر کا مطلب سمجھاتے اور یوں اپنے عقائد و رسوم کی تبلیغ و اشاعت کرتے رہتے تھے۔ جہانگیر اپنی تزک میں جا بجا فنونِ لطیفہ کا ایسے الفاظ میں ذکر کرتا ہے جن سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ اُس کو فنونِ لطیفہ کا حد درجہ شوق تھا۔ بالخصوص وہ شاعری، مصوری اور موسیقی کا دلدادہ اور اعلیٰ درجہ کا فن شناس تھا۔ جس درجہ کے شاعر، مصور اور گویے جہانگیر کے دربار میں تھے اُس قسم اور وضع کے صاحبِ کمال اشخاص اُس کے بعد کسی بادشاہ کے عہد میں جمع نہ ہوئے۔

جہانگیر کی حکومت کے پہلے نصف حصّہ (یعنی قریباً ۱۶۱۴ء تک) کے دو مرقع موجود ہیں جو نہایت دلکش اور لاجواب تصاویر پر مشتمل ہیں۔ پہلا مرقع دوسری عالمگیر جنگ سے پہلے برلن کے شاہی کتب خانہ میں تھا اور اب ٹیوبن گن (Tiibingen) میں محفوظ ہے۔ دوسرا مرقع "مرقعِ گلشن" طہران کے شاہی کتب خانہ میں موجود ہے۔ جس میں ۱۶۰۹ء اور ۱۶۱۴ء کے درمیانی عرصہ کی تصاویر ہیں۔ جہانگیری طرزِ مصوری نے ہندوستان کی مصوری اور نقاشی کو دو صد سال سے زائد مدت تک متاثر کر رکھا۔ بادشاہِ وقت کا مذاق مصوروں کا راہنما ہوتا تھا۔ جہانگیر کا طرز اُس کے باپ اکبر کے طرز سے مختلف تھا اور زیادہ تر راجپوتی مصوری سے متعلق تھا۔ ۱۵۸۳ء میں اُس کی شادی جودھ بائی سے ہوئی تھی جس کے بطن سے شاہزادہ خرم (شاہجہان) پیدا ہوا۔ اُس وقت سے شاہی محلات میں راجپوتی مصوری کا طرز عام رواج پا گیا اور جہانگیر کے عہد میں اپنے اوجِ کمال پہ پہنچ گیا۔

مشہور ایرانی مصور آقا رضا جہانگیر کے دربار کی زینت تھا۔ لیکن جہانگیر خود ایسا باکمال مصور تھا کہ آقا رضا اپنے آپ کو "مرید بادشاہ" اور "مرید با اخلاص" کہتا تھا۔ اُس کے بیٹے ابوالحسن کو جہانگیر نے "نادر الزمان" کا خطاب عنایت کیا تھا اور وہ بادشاہ کا مصاحب

Marfat.com

بھی تھا۔ ان کے علاوہ ہاشم۔ بال چند۔ گوردھن۔ منوہر۔ بشن داس۔ نتھا وغیرہ سب اُستادِ زمانہ تھے اور جہانگیر کے ملازم تھے۔ یہ مصوّر صفوی مصوّری سے متاثر تھے۔ جہانگیر کی ماں "مریم زمانی" اور اُس کی ملکہ جودھ بائی کے مصوّر مذکورہ بالا مصوّروں کے علاوہ تھے۔ جب راجہ مان سنگھ خسرو کی بغاوت کی وجہ سے زیرِ عتاب جہانگیری ہُوا تو اُس کے بعض مصوّر بھی بادشاہ کے دربار میں آگئے۔ جب نور جہاں ملکہ ہُوئی تو یہ راجپوتی عنصر زائل ہونے لگا اور نئی قسم اور طرز کی تصاویر وجود میں آگئیں۔ جہانگیری عہد کی خصوصی مصوّری اور نقاشی نے اکبری عہد کی مصوّری اور نقاشی کی جگہ لے لی۔

جب انجمنِ عیسوی کے مبلّغین پہلی دفعہ دربارِ اکبری میں آئے اور اپنے ساتھ مسیحی تصاویر لائے تو مغلیہ سلطنت کے بادشاہ، اُمراء اور عوام پہلی دفعہ یورپ کی مصوّری سے رُوشناس ہُوئے۔ ہر خاص و عام اِن تصاویر سے آگہی حاصل کرنا چاہتے تھے پس وُہ ہزاروں کی تعداد میں روزمرّہ آتے تھے۔ تصاویر محلّات میں بھی جاتی تھیں۔ بیچارے سادہ لوح مبلّغین غلط فہمی کا شکار ہوکر یہ خیال کرتے کہ اکبر اور جہانگیر معہ اپنی رعایا کے مسیحیّت اختیار کرلیں گے۔ مبلّغین کو زک پہنچانے اور جہانگیر کو خوش کرنے کے لئے سرٹامس رو نے بھی مغربی تصاویر بطور تحفہ پیش کیں، اور ۲۷ نومبر ۱۶۱۵ء کے خط میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو لکھا کہ صرف بہترین تصاویر ہی بھیجی جائیں کیونکہ جہانگیر اور اُس کے مصوّر اور نقاش اِس فن کے اُستادِ عصر ہیں[1] اور جو تصویریں انگلستان سے آتی ہیں وُہ اُن کی نظروں میں جنچتے نہیں پاتیں۔ مسیحی تصاویر شاہی محلّات میں بھی ہوتی تھیں[2]۔ اس زمانہ سے مغربی مصوّری نے ہندوستان کی مصوّری کو متاثر کرنا شروع کیا۔

جہانگیر کی شہزادگی کے ایّام میں جب انجمنِ عیسوی کے مبلّغ تیسری دفعہ دربارِ اکبری میں آئے تو وُہ اپنے ساتھ نہایت خوبصورت تصاویر لائے، جو اُنہوں نے اکبر کی نذر کیں جب شاہزادہ نے گرجا میں طفولیّتِ مسیح اور مسیح مصلوب کی کئی تصاویر دیکھیں تو اُس نے اپنے فنکاروں سے اُسی قسم کی تصاویر ہاتھی دانت کی بنوائیں۔ اِن تصاویر کو وُہ اپنے کمرۂ خاص میں رکھتا تھا۔ جب کبھی کوئی پرتگیز یا کوئی اور مسیحی شاہزادہ کے پاس آتا تو وُہ اعلیٰ ترین قسم کی تصاویر بطور تحفہ اُس کو دیتا تھا۔ ایک دفعہ اُس کے ایک مصوّر نے مبلّغین کی ایک تصویر کی ایسی اعلےٰ

1. Maurice Dimand, Indian Miniature Painting (Milan. The Uffici Press)
2. Archaeological Department Exhibition, Delhi Coronation Durbar, 1911.

Marfat.com



'THE ADORATION OF THE CHRIST-CHILD.'

(An Indian painting of the seventeenth century A.D., in the Freer Gallery of Art, Washington, D.C.)

Marfat.com

Marfat.com

نقل کی کر پرتگیزی معتقد خود اصل کو نقل سے پہچان نہ سکا۔ شاہزادہ لے حیاتِ مسیح کی تصاویر بنانے کا حکم دیا اَور طفولیتِ مسیح اَور تصلیبِ مسیح کی تصویروں سے ایک کتاب کو مزین کروایا۔ ایک دفعہ اُس نے ایک گوآ کو جانے والے شخص سے تاکیداً کہا کہ وہاں سے ہمارے لئے مقدسہ مریم کی خوبصورت ترین تصویر لانا۔ شاہزادہ کی خوابگاہ میں خداوند مسیح کی تصویریں اَور مقدسہ مریم کی تصویریں آویزاں رہتی تھیں۔ تخت نشینی کے بعد جب جہانگیر لاہور سے آگرہ آیا تو اُس نے دیکھا کہ محلوں کی آرائش مسیحی تصاویر سے کی گئی ہے وُہ نہایت خوش ہُوا کیونکہ یہ تصاویر محل کے اندر اَور باہر دیواروں پر ہر جانب منقوش تھیں۔ جہانگیر کے کمرۂ خاص کی سقف کے درمیان خداوند مسیح کی مبارک تصویر نقش تھی جو نہایت اعلیٰ پایہ کی تھی۔ جب کبھی مبلغین بادشاہ کی ملاقات کو جاتے تو وُہ ان تصاویر کے سامنے دو زانو ہو کر تسبیح پر وظیفہ پڑھتے تھے کیونکہ ان تصاویر کو دیکھ کر اُن کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وُہ کسی مسیحی بادشاہ کے محل میں کھڑے ہیں۔ جہانگیر نے ان تصاویر کو خود منتخب کیا تھا اَور حکم دیا تھا کہ اس کے نقاش اَور مصوّر ان تصاویر کی تفصیلی باتیں معلوم کرنے کے لئے مبلغین کے پاس جائیں اَور اُن کی ہدایات کے مطابق عمل کریں۔ جہانگیر نے خاص حکم دے کر مسیح مصلوب کی ایک تصویر بنوائی جو مسلمان عُلما کو ایک آنکھ نہ بھاتی تھی کیونکہ وُہ واقعۂ صلیب کے قائل نہ تھے ایک اَور تصویر اُس کے خاص حکم سے بنوائی گئی جس میں خداوند مسیح ستون سے بندھے کوڑے کھا رہے تھے۔ اِن تصاویر کو کچھ تو شاہجہان نے اَور باقی ماندہ کو اورنگزیب نے مٹا دیا اَور اب ان تصویروں کا نام ونشان بھی محو ہوگیا ہے۔

انجمنِ عیسوی کے مبلغین ان تصاویر کو نہ صرف جہانگیر کی نوازشات حاصل کرنے کے لئے استعمال کرتے تھے بلکہ اُن کا مقصد یہ بھی ہوتا تھا کہ بادشاہ اَور اُمرائے دربار مسیحی عقائد و رسوم سے واقف ہو جائیں۔ علاوہ ازیں چونکہ عوام میں بھی مصوری کا ذوق چاروں طرف تھا وُہ ان میں تصاویر کے ذریعہ مسیحیت کی تبلیغ و اشاعت کا کام بھی لیتے تھے۔ یُوں ہر خاص و عام میں انجیلی واقعات اَور کلیسیائی رسُوم کا علم پھیلتا چلا گیا، کیونکہ عوام جوق درجوق ہزاروں کی تعداد میں تصویریں دیکھنے آتے تھے۔ مبلغین ہر تصویر پہ دن رات متواتر باری باری درس دیتے رہتے تھے تاکہ کوئی شخص نجات کا پیغام سُنے بغیر صرف تصویر کی خوبصورتی دیکھ کر نہ چلا جائے۔ مسلمان ناظرین کا ردِعمل ہر ایک کے اپنے خیالات و تصوّرات کے مطابق ہوتا تھا۔ چنانچہ بعض کہتے کہ ان تصاویر کو دیکھتے ہی اُنھوں نے اپنی بیماریوں سے شفا پائی۔ ایک کٹر مسلمان نے کعبہ کی طرف رُخ کرکے اذان دینی شروع کردی۔ یہ تصاویر عوام الناس کے لئے جیتی جاگتی بولتی زبانیں تھیں جن کے ذریعہ وُہ انجیل کا پیغام

Marfat.com

نہایت آسانی سے سمجھ سکتے تھے۔

ہم سطورِ بالا میں ذکر کر آئے ہیں کہ اکثر اوقات دربارِ جہانگیری میں ان تصاویر کو دکھانے کے وقت مبلغین میں اور مسلم علما میں تصویر کے موضوع پر بحث چھڑ جاتی تھی جس میں بادشاہ خود حصہ لیتا تھا اور حسبِ موقعہ تصویر کا مطلب بھی سمجھاتا تھا۔ پس دربار میں بھی تصاویر مسیحی عقائد کی تبلیغ و اشاعت کا کام دیتی تھیں۔

۴۔ کلیسیائی رسوم و دستورات

ابتدا ہی سے مبلغین بڑے امن و چین سے اپنے دن گذارتے تھے اور نہایت سکون کے ساتھ مسیحی عبادت۔ رسوم اور دستورات کو آزادی سے ادا کرتے تھے۔ مبلغین ان عبادتوں اور کلیسیائی دستوروں اور رسموں کو علانیہ برسرِ عام پورا کرتے تھے ایسا کہ یہ بھی تبلیغ و اشاعتِ مسیحیت کے ذرائع اور وسائل ہو گئے۔ چونکہ عام طور پر ان اوقات پر مبلغین جلوس نکالا کرتے تھے جو بازاروں اور گلیوں میں سے ہو کر جاتا تھا پس ہزاروں ہندوؤں اور مسلمانوں کو ان جلوسوں کے ذریعہ مسیحی عقائد و رسوم کے ساتھ واقفیت پیدا کرنے کا موقعہ مل جاتا تھا۔ یہ جلوس جگہ جگہ ٹھہرتے اور مبلغین جلوس کی تقریب موقعہ محل اور سبب پر تقریریں کرتے تھے اور عوام الناس میں مسیحیت کی تبلیغ ہو جاتی تھی۔

(۱) خداوند مسیح کی ولادت کا روز بڑی شان اور دھوم دھام سے منایا جاتا تھا۔ جب ۱۵۹۷ء میں اکبر کے عہد میں لاہور میں گرجا تعمیر کیا گیا تو اُس سال کے بعد یہ روزِ سعید ہر سال بڑی تزک و احتشام سے منایا جانے لگا۔ اُسی سال فارسی زبان میں ایک ڈراما بھی کیا گیا جس کو دیکھنے کے لئے اُمرا اور غربا بڑے اور چھوٹے سب آئے۔ بہتوں نے چرنی کے آگے سجدہ بھی کیا۔ اُس کے اگلے سال بیس روز تک ہزاروں لوگ چرنی دیکھنے کے لئے آتے رہے اور مبلغین منجی کی پیدائش کے واقعات اور آپ کی آمد کے مقصد پر تقریریں کرتے رہے۔ ۱۶۰۱ء کے عیدِ ولادت کے موقعہ پر چرنی کے اردگرد انبیائے سلف کی مورتیاں تھیں جن کے ہاتھوں میں مسیح کی پیشین گوئیاں رکھی گئی تھیں جو اُنہوں نے کی تھیں۔ جب آگرہ میں گرجا بنا تو وہاں بھی ہر سال چرنی کی نمائش ہوتی رہی۔ چنانچہ ۱۶۱۰ء (عہدِ جہانگیر) میں زیویئر لکھتا ہے کہ اِس سال گرجا کو بڑی خوبی سے آراستہ کیا گیا۔ گرجا کی قربان گاہ پر چرنی ہر خاص و عام کے لئے کشش کا باعث تھی۔ جہانگیر نے اِس موقعہ کے لئے موم کی شمعیں دیں اور خوبصورت تصاویر بھی بھیجیں جو اُس

Marfat.com

کی ملکیتِ خاص تھیں گو کٹر مسلمان اِس بات سے ناخوش ہو گئے۔ عبادت سے پہلے گیت طنبوروں اور باجوں کے ساتھ گائے گئے۔ گرجا کے احاطہ میں آتشبازی کا نظارہ ہُوا۔ ہندو اور مسلمان ہزاروں کی تعداد میں دیکھنے کے لئے آئے اور بعض تمام رات وہیں رہے۔ بعض مسلمانوں نے مسیحیت کے عقائد کی تعلیم حاصل کرنے کا ارادہ بھی ظاہر کیا۔ ۱۶۱۰ء کے یومِ ولادت کے موقعہ پر گرجا کے گھنٹے بجائے گئے۔ باجوں کی دلنواز صداؤں اور نغموں اور گیتوں کی آواز سے شہر گونج اُٹھا۔ گرجا کے باہر جہانگیر کی قد آدم تصویر تھی۔ گرجا کی چوکھٹ پر جبرئیل فرشتہ کی مورتی تھی۔ جس کے ہاتھ میں فارسی زبان میں فرشتہ کے اُس پیغام کے الفاظ تھے جو اُس نے خُدا کی طرف سے مقدسہ بی بی مریم کو دیا تھا۔ خُداوند مسیح اور آپ کی والدہ مقدسہ کی خوبصورت تصاویر آویزاں تھیں۔ ہر روز ہندوؤں اور مسلمانوں کا بے پناہ ہجوم زیارت کی خاطر آتا تھا۔ چنانچہ ایک روز زیویئر کے شمار کے مطابق چودہ ہزار مرد اور عورتیں آئی تھیں۔ عورتیں چرنی کے بھوسہ کے تنکوں کو تبرک کے طور پر لے جاتی تھیں۔ مبلغین اس تقریب پر تقریریں کرتے رہے۔ اُمراء و رؤسائے سلطنت کی بیویاں معہ اپنی کنیزوں کے رات کو آتیں جب مردوں کے ہجوم رخصت ہو جاتے تھے۔ چرنی کی نمائش عیدِ ظہورِ مسیح کے ہفتہ تک ہوتی رہی۔ چرنی کی نمائش ہر سال بیس روز تک ہوتی تھی۔

۱۶۱۰ء کے تہوار کے موقعہ پر پادری زیویئر نے خُداوند مسیح کی نجات پر تقریر کرتے ہُوئے رسُولِ عربی کا ذکر کیا اور کہا "حضرات آپ کے رسُول سے مجھے کوئی ذاتی پرخاش نہیں ہے۔ اُس نے نہ میرے باپ کو قتل کیا ہے اور نہ میری ماں کو مارا ہے لیکن مَیں خُدا کی طرف سے آپ کے پاس حق کا پیغام لے کر آیا ہوں۔ جب ایک نے پوچھا کہ خُدا چرنی میں ہے؟ تو اُس نے کہا "دیکھئے صاحب۔ عورت برقعہ پہن کر باہر جاتی ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ وُہ کون ہے لیکن اُس کے بچے اور غلام جانتے ہیں کہ عورت جو سامنے برقعہ پوش ہے، وُہ کون ہے۔ اسی طرح خُدا دُنیا میں انسانیت کا جامہ پہن کر آیا۔ ہندو مسلمان کہتے ہیں کہ حضرت عیسٰی ایک نیک پاکباز انسان اور معصوم نبی تھے پر وُہ اِس سے زیادہ نہیں جانتے۔ لیکن انجیل خواں جانتے ہیں کہ اس جامہ میں الُوہیت پنہاں ہے۔

(۲) ایامِ روزہ اور مقدس ہفتہ:۔ عیدِ ولادت کے تہوار کے علاوہ دیگر مسیحی دستورات اور رسُوم کی تقریبات پر بھی مبلغین جلُوس نکالتے اور جلُوس کے دوران میں اِن تقریبوں کے مطالب و معانی پر تقریریں کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایامِ روزہ مقدس ہفتہ کے ایام۔ عیدِ قیامت

Marfat.com

کا تہوار۔ بپتسمہ کی تقریب۔ جنازہ وغیرہ دستورات و رسوم کے موقعہ پر جلوس نکالے جاتے تھے۔ ایسے اوقات پر پولیس کا پہرہ ساتھ ہوتا تاکہ ہجوم کے جمع ہونے سے راستے اور ناکے نہ رک جائیں اور امن قائم رہے۔

ایک سال بادشاہ آگرہ کے باہر شکار کرنے گیا۔ دو مبلّغین اُس کے ہمراہ تھے شکار کے بعد اُس نے مبلّغین کو شکار کا گوشت بھیجا لیکن اُنہوں نے نہ لیا۔ بادشاہ نے جب اُن سے انکار کا سبب پوچھا تو اُنہوں نے جواب دیا "حضور ہمارا روزہ شام کے وقت ختم نہیں ہو جاتا بلکہ ہم ایّام روزہ میں ہر وقت اُن اشیا کو کھانے اور پینے سے پرہیز کرتے ہیں جو جسم کو مرغوب ہوتی ہیں۔ جہانگیر کے سوالوں پر اُنہوں ماہِ رمضان کے دنوں میں اور مسیحی ایّامِ روزہ میں فرق بتلایا اور دونوں کا موازنہ اور مقابلہ کیا۔

ایّامِ روزہ میں اور بالخصوص جمعہ کی شام کے وقت مسیحی اپنے گناہوں پر ندامت کے اظہار کے لئے اپنی پیٹھ پر خود کوڑے مارتے تھے۔ ہر اتوار کے روز خداوند کی اذیت پر درس دیا جاتا تھا۔ ہفتۂ مقدسہ کے آخری تین روز صبح تڑکے اور آدھی رات کے وقت شمعیں گل کی جاتیں اور دعائیں اور مناجاتیں ہوتیں جن کو دیکھنے اور سننے کے لئے غیر مسیحی اکثر آتے تھے۔ پاؤں دھونے کی رسم بھی عمل میں آتی۔ جہانگیر کے عہد میں ۱۶۰۷ء میں جمعرات کی رات کو پاؤں دھونے کی رسم کے بعد تائب گنہگاروں کا جلوس لاہور میں نکالا گیا۔ سب سے پہلے صلیب ہوتی۔ تائب گنہگاروں کی لہولہان پیٹھیں سب ہندوؤں اور مسلمانوں کو متاثر کرتیں۔ آخر میں بچے توبہ اور مغفرت کے گیت گاتے نکلتے۔ اِس جلوس کا اثر ایسا اچھا ہوا کہ مبلّغین نے ارادہ کیا کہ ہر سال اس قسم کا جلوس نکالا جائے۔ پس اگلے سال ۱۶۰۸ء میں جب جہانگیر آگرہ میں آیا تو یہ جلوس آگرہ کے شہر میں نکلا۔ راستہ میں فوج کا ایک افسر ہاتھی پر سوار آ رہا تھا۔ اُس نے جلوس کی خاطر اپنے ہاتھی کو روک لیا اور جلوس کے نظارہ سے حیرت زدہ ہو گیا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اِس جلوس کو دیکھنے کے لئے دو رویہ کھڑی تھی۔ جلوس میں سب سے آگے مسیحِ مصلوب کی صلیب بلند تھی۔ اُس کے بعد خورد سال بچے لطانیہ (مناجات) گاتے ہوئے نکلے۔ پھر وہ لوگ آئے جو کلیسیا کی تادیبی سزا کے ماتحت اور تزکیۂ نفس کی خاطر اپنے آپ کو کوڑوں سے لہولہان کر رہے تھے۔ اُن کو دیکھ کر ہندو مسلمان (اور فوجی افسر) حیرت زدہ ہو گئے۔ افسرِ فوج کلیسیائی تادیب کو دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا۔ اور ہر خاص و عام نو مریدوں

Marfat.com

کے قلبی خلوص کے معترف ہو گئے۔

مبارک جمعہ کا روز نہایت سنجیدگی سے منایا جاتا تھا۔ مبلغین خاص دیتے تھے اور ہر چھوٹے بڑے رتبہ کے انسانوں کو اور خورد وکلاں کو بتلاتے گناہ کی غلامی سے آزاد ہو سکتے ہیں اگر وہ مسیح مصلوب پر ایمان لے آئیں۔

۳۔ عید قیامت سے پہلی شام کو مبلغین چراغاں کرتے۔ آتشبازی چلائی جاتی۔ باجے۔ طبلے ڈھول بجتے۔ ۱۶۰۰ء میں لاہور شہر میں جلوس نکالا گیا جس میں صلیب سب سے آگے تھی جو قسم قسم کے پھولوں سے آراستہ تھی۔ اس کے بعد موسیقی کے سازوں سے دلنواز صدائیں نکلتی تھیں۔ تمام مسیحی قیمتی خوبصورت ستھرے لباس پہنے ہاتھوں میں قندیلیں لئے گیت گاتے نکلے۔ ان کے بعد مبلغین اپنے شاندار جبوں میں ملبوس ہو کر نکلے۔ ایک مبلغ کے ہاتھ میں طفولیت مسیح کی ایک نہایت خوبصورت تصویر تھی جو حال ہی میں پرتگال سے آئی تھی۔ ہزاروں ہندوؤں اور مسلمانوں نے اس جلوس کو دیکھا اور اس کا مطلب سنا۔ مبلغین نے مسیحیت کے زندہ مسیح اور دیگر ادیان کے مردہ ہادیوں پر بصیرت افروز درس دیئے۔

۴۔ دیگر مسیحی تہوار اور دستورات۔ ۱۶۰۱ء میں عید تثلیث کے بعد کی جمعرات کے روز مبلغین نے بڑی شان کے ساتھ عید جسد مسیح کو منایا[1]۔ یہ عید خداوند مسیح کی قیامت کی عید کے بعد نویں ہفتے کی جمعرات کو منائی جاتی ہے۔ اس تہوار کے جلوس کا تزک واحتشام کے ساتھ اہتمام کیا گیا۔ مبلغین نے جلوس کے دوران میں جگہ جگہ تقریریں کیں تاکہ غیر مسیحی ان عیدوں کے مطالب ومعانی کو اچھی طرح سمجھ جائیں۔ لاہور کی کلیسیا کے حوصلے ان جلوسوں کی طفیل بلند ہو گئے۔ جب ۱۶۱۱ء میں شہر آگرہ میں جلوس نکالا گیا تو اس کے ساتھ نقارے بھی تھے۔ اس خاص موقعہ کو منانے کی خاطر گرجا کے احاطہ میں چار قربان گاہیں بھی بنائی گئیں۔ جلوس گرجا کے احاطہ کے باہر نہ گیا، کیونکہ عام طور پر اس تہوار کے موقع پر جلوس شہر میں نہیں نکالا جاتا تھا۔

جب جہانگیر نے قبرستان کے لئے زمین دی تو اس کے احاطہ میں ایک چھوٹا سا گرجا یا نماز گاہ بنائی گئی۔ اس جگہ "تمام ارواح کے روز" (All Souls Day) عبادت کی جاتی تھی اور ہندو مسلمان فقرا اور غربا کو خیرات دی جاتی تھی۔

جب کوئی مسیحی رحلت کر جاتا تھا تو مقامی کلیسیا کے تمام مسیحی جنازہ کے جلوس

1. Corpus Christ.

Marfat.com

میں شریک ہوتے تھے ۔ میت کے آگے آگے چھوٹے لڑکے جُبوں میں ملبوس ہو کر گیت گاتے نکلتے ۔ اُن کے آگے پیتل کی صلیب ہوتی جس پر مسیح مصلوب کے نقش کندہ ہوتے تھے ۔ مسیحی جنازوں کو اپنے کندھوں پر اُٹھا کر قبرستان لے جایا کرتے تھے ۔ بعض اوقات غیر مسیحی بھی جنازہ کو کندھا دیتے تھے ۔ ایسے موقعوں پر مبلغین مسیحیت اور دیگر ادیان کی تعلیم کا موازنہ کرتے اور غیر مسیحیوں کو مسیحی اُمید اور نجات کی بشارت دیتے تھے ۔

مُبلّغین کی یہ خواہش تھی کہ مسیحی عیدوں اور تہواروں اور جنازوں کے اوقات کے علاوہ جب کبھی کوئی شخص علانیہ مسیحیت کو قبول کرے تو اُس کے بپتسمہ کے دن بھی جلوس بڑی دھوم دھام سے نکالا جائے کیونکہ یہ دن ہر نو مُرید کی زندگی میں خاص دن ہوتا ہے ۔ مغلیہ سلطنت میں عام دستور تھا کہ جب کوئی غیر مُسلم اسلام کو قبول کرتا تھا تو مُسلمان اُس کو ایک ہاتھی پر بٹھلا کر اُس کا جلوس نکالا کرتے تھے اور شہر کے گلی کوچوں اور بازاروں میں لے جاتے تھے ۔ چنانچہ جب ۱۶۰۹ء میں ایک آرمینی مسیحی نے اسلام کو اختیار کیا تو جہانگیر کے حکم سے مُسلمان اُس کو ہاتھی پر سوار کر کے لے گئے اور جلوس تمام شہر میں گھوما ۔ اُس موقعہ پر پادری زیویئر نے بادشاہ سے عرض کی کہ حضور ۔ ہم کو بھی یہ اجازت ہونی چاہیئے کہ جب کوئی شخص علانیہ اپنے مذہب کو چھوڑ کر مسیحیت کو قبول کرے تو ہم بھی اُس کا جلوس تمام شہر میں نکالا کریں ۔ جہانگیر نے اُن کی درخواست کو منظور کر لیا اور حکم دیا کہ پادری زیویئر کو اِس مضمون کا ایک فرمان دے دو ۔ اِس کے بعد جب کبھی کوئی شخص علانیہ اپنے مذہب کو ترک کر کے خُداوند مسیح کو قبول کر لیتا تھا تو اُس کو ایک ہاتھی پر سوار کیا جاتا اور اُس کا جلوس تمام شہر میں نکالا جاتا تھا ۔ اِس سے پہلے اکبری عہد میں جیسا ہم ذکر کر چکے ہیں جب ۱۵۹۹ء میں قریباً چالیس اشخاص کو بپتسمہ دیا گیا تھا تو اُن کا جلوس بھی دارالسلطنت لاہور کے شہر میں نکالا گیا تھا ۔ لیکن ۱۶۰۹ء کے فرمان کے مطابق ہر نو مُرید کو یہ حق دیا گیا کہ وہ ہاتھی پر سوار ہو اور اُس کا جلوس شہر کے کوچوں اور بازاروں میں نکلے ۔ ہم فصلِ اوّل میں بتلا چکے ہیں کہ جب ۱۶۱۰ء میں شاہزادہ طہمورث اور اُس کے دونوں بھائیوں کو بپتسمہ ملا تو اُن کو ہاتھیوں پر سوار کیا گیا اور اُن کا جلوس بڑی شان سے شہر کے عام راستوں اور شاہراہوں میں نکلا تھا ۔

Marfat.com

فصل سوم
جہانگیری عہد کی مسیحی کلیسیائیں

آگرہ کی کلیسیا ہم باب پنجم کی فصل چہارم میں ذکر کر آئے ہیں، کہ اکبر کے زمانہ میں شاہی فرمان کی رُو سے ۱۵۹۹ء میں پہلے ایک گرجا آگرہ میں بنایا گیا جو مختصر سا تھا۔ کلیسیا کے شرکا میں اضافہ ہونے کی وجہ سے یہ گرجا گھر ناکافی ثابت ہُوا پس اکبر نے ایک بڑا گرجا تعمیر کرنے کی اجازت دیدی جو غالباً اُس کی وفات سے پہلے ۱۶۰۴ء میں مکمل ہو گیا تھا۔ جہانگیر نے اپنی ولی عہدی کے زمانہ میں اس گرجا کے اخراجات میں بڑی فیاضی سے مدد کی۔ تخت نشینی کے بعد جب غیر مسیحیوں نے دیکھا کہ جہانگیر مُبلغین سے بے اعتنائی سے پیش آ رہا ہے تو ۱۶۰۶ء میں اُن میں سے بعض نے گرجا کے احاطہ کے اچھے خاصے حصہ پر قبضہ کر لیا۔ لیکن اس کے دو سال بعد اُن کو خالی کرنا پڑا۔

بادشاہ کی بے اعتنائی کا اثر یہ ہُوا کہ ۱۶۰۶ء میں صرف بیس اشخاص نے آگرہ میں بپتسمہ پایا، حالانکہ اُس سے دو سال پہلے اکبر کے عہد کے آخر میں آگرہ کے چالیس اشخاص اسلام کو ترک کر کے کلیسیا میں شامل ہو گئے تھے۔ ۱۶۰۰ء میں کلیسیا کے شرکا کی کُل تعداد دو ہزار تھی۔ آگرہ کے مسیحیوں کی زیادہ تعداد فوج میں ملازم تھی۔

۱۶۱۳ء میں جب پرتگیزوں نے وعدہ خلافی کر کے شاہی جہازوں کو پکڑ لیا تو جہانگیر کا غضب بھڑکا۔ اُس نے مُبلغین میں سے بعض کو قید کر لیا۔ پن ہیرو آگرہ سے نکال دیا گیا۔ زیویر پہلے قید ہُوا۔ پھر اُس کو حکم ہُوا کہ مغلیہ سلطنت سے چلا جائے اور وہ گوآ واپس بھیج دیا گیا۔ جولائی ۱۶۱۴ء کے روز حکام گرجا پر چڑھ آئے اور اُنہوں نے گرجا کے دروازہ کو اینٹوں سے چُن دیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب دارالسلطنت سے مسیحیت اور مسیحیوں کا نشان مٹ جائے گا۔ خدا خدا کر کے صلح ہو گئی۔ اور اٹھارہ ماہ کے بعد کلیسیا اور مُبلغین کو چین نصیب ہُوا۔ اور اُن کے کُتب اور مکانات اُن کو واپس ملے۔

آگرہ میں انجمنِ عیسوی کے مُبلغین کی بدولت متعدد آدمیوں نے علانیہ یا خُفیہ بپتسمہ حاصل

Marfat.com

کر لیا تھا۔ ان نو مریدوں کے علاوہ بیرونی ممالک کے مسیحیوں کی ایک اچھی خاصی تعداد تھی جن کی مبلغین پاسبانی کرتے تھے اگرچہ وہ رومی کلیسیا کے شرکا نہیں تھے۔ ان میں زیادہ تعداد آرمینی مسیحیوں کی تھی۔ اگرچہ یونانی۔ نسطوری یعقوبی وغیرہ فرقوں کے مسیحی بھی آگرہ میں تھے چنانچہ ۱۶۰۲ء میں مبلغین نے جارجیا کی کلیسیا کے ایرانی سفیر منوچہر بیگ کے دو بیٹوں کو بپتسمہ دیا۔ دیگر کلیسیاؤں کے شرکا کے علاوہ پرتگیزوں فرانسیسیوں اور اطالوی وغیرہ باشندوں کی مغلیہ سلطنت میں اچھی خاصی تعداد تھی جن کی نگہبانی مبلغین کے فرائض میں داخل تھی۔ مشرقی ممالک کے مسیحیوں میں ممتاز ترین ہستی مرزا ذوالقرنین کی تھی۔

جہانگیر اور ذوالقرنین

ہم گذشتہ باب میں ذکر کر آئے ہیں کہ اکبری دربار میں ایک آرمینی مسیحی ملازم تھا جس کا نام مرزا سکندر تھا بعض کہتے ہیں کہ وہ کلدی مسیحی (نسطوری مسیحی) تھا۔ یہ شخص ایلیپو کا تاجر تھا جو اپنے حسن لیاقت سے اکبر کے دربار تک پہنچ گیا تھا۔ اکبر نے اس کی شادی جولیانا سے کر دی جو قوم کی آرمینی تھی اور حرم سرا میں کام کرتی تھی۔ وہ آرمینی مسیحی عبدالحی کی بیٹی تھی۔ اس کے بطن سے دو بیٹے پیدا ہوئے۔ بڑے بیٹے کا نام ذوالقرنین رکھا گیا۔ یہ بی بی ۱۵۹۸ء کے قریب فوت ہو گئی۔ اکبر نے سکندر کی شادی اس کی سالی سے مبلغین کی مخالفت کے باوجود کر دی۔ سکندر نے ۱۶۱۳ء میں وفات پائی۔ جب تک وہ زندہ رہا وہ آگرہ کے گرجا کے اخراجات کا بڑا حصہ دیتا رہا، اور مبلغین اور کلیسیا کے غربا کی دامے درمے مدد کرتا رہا۔ ۱۶۱۰ء میں وہ پرتگیزی قیدیوں کے اخراجات کا بھی ذمہ دار رہا۔ اس کے علاوہ اس نے لاہور کے گرجا کی آرائش و زیبائش میں بھی مدد دی۔ اکبر سکندر کے خاندان پر کرم کی نظر رکھتا تھا اور اس نے سکندر کے دونوں بیٹوں کی پرورش اپنے پوتوں کے ساتھ کی۔ چنانچہ ذوالقرنین اور اس کا بھائی شہزادوں کے ساتھ محلوں میں رہتے تھے اور شاہزادہ خورم وغیرہ کے ساتھ کھیلا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے لوگ سکندر اور اس کے بیٹوں کو "مرزا" کے خطاب سے مخاطب کرتے تھے۔ وہ اکبر کو "باپ" اور اس کی رانی کو "ماں" کہہ کر بلاتے تھے۔ اکبر کی محبت و شفقت کو دیکھ کر بعض متاخرین کو یہ گمان ہو گیا ہے کہ ذوالقرنین اور اس کا بھائی اکبر کے بیٹے تھے اور کہ اکبر کی ایک بیوی مسیحی بھی تھی۔

جب جہانگیر تخت نشین ہوا تو جیسا کہ ہم فصل اول میں ذکر کر چکے ہیں اس نے اپنے تخت و تاج کے قیام کی خاطر یہ مصلحت اختیار کی کہ علما اسلام کے شکوک و شبہات رفع کرنے کے لئے

Marfat.com

اسلام کی حمایت ظاہر کی ہے۔ پس اُس نے یہ کوشش کی مرزا سکندر کو دائرۂ اسلام میں لائے لیکن وُہ ناکام رہا اَور سکندر اپنے صُوبہ کی طرف بھاگ گیا۔ اس پر جہانگیر نے اُس کے دونوں نابالغ بیٹوں کو دعوت دی کہ وُہ اسلام قبُول کر لیں۔ لیکن ذوالقرنین اَور اُس کے بھائی نے صاف انکار کر دیا۔ بادشاہ نے اُن کو بہتیرا سمجھایا، پھسلایا اَور دھمکایا لیکن کوئی چال کارگر نہ ہُوئی۔ اُنہوں نے اسلام قبول کرنے سے صاف لفظوں میں قطعی انکار کر دیا اَور کہا کہ ہم مسیحی خاندان میں پیدا ہُوئے ہیں خُدا کے فضل سے ہم مسیحی ہیں اَور انشاء اللہ ہمیشہ مسیحی رہیں گے۔ جہانگیر نے کہا کہ اگر یہ بات سچ ہے تو سؤر کا گوشت کھاؤ اَور ثابت کرو کہ تُم عیسائی ہو۔ دونوں بچوں نے ایسے ماحول میں پرورش پائی تھی جس میں خنزیر کے گوشت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ پس اُنہوں نے جواب دیا کہ ہمارے مذہب میں سؤر کا گوشت نہ حرام ہے اَور نہ اُس کے کھانے کا حکم دیا گیا ہے[1]۔ ہم نے تمام عمر سؤر کا گوشت نہیں کھایا اَور نہ ہم اب اس کو کھائیں گے۔ جہانگیر نے حکم دیا کہ اُن کو محل سے باہر نہ جانے دو اَور ہر ممکن طریقہ سے کوشش کرو کہ وُہ اسلام قبُول کریں۔ چند دنوں کے بعد اُس نے اُن کو بُلا بھیجا اَور حُکم دیا کہ تُم دونوں اسلام قبُول کرو اَور کلمہ پڑھو۔ لیکن دونوں لڑکے خاموش کھڑے رہے۔ اس پر جہانگیر نے حُکم دیا کہ ان کو دُرّے لگاؤ تاکہ ہوش میں آ جائیں۔ آخر وُہ بچے تھے۔ دُرّوں کا نام سُن کر خوف کے مارے کانپنے لگ گئے اَور اُنہوں نے کلمہ پڑھ لیا۔ اگلے روز جب حجام اُن کے ختنے کرنے کے لئے گیا تو وُہ رونے لگے اَور ختنہ کرانے سے انکار کر دیا۔ اِس پر بادشاہ نے اُن کو طلب کیا اَور زجر و توبیخ کی لیکن اُنہوں نے پھر وُہی جواب دیا کہ ہم مسیحی ہیں اَور مسیحی رہیں گے اَور ختنہ نہیں کرائیں گے۔ بادشاہ نے اُن کو بہتیرا سمجھایا بُجھایا۔ الطافِ شاہانہ سے سرفراز کرنے کا وعدہ کیا۔ لیکن اُنہوں نے ایک نہ مانی اَور منت کر کے کہا "جہاں پناہ۔ ہم کو ختنہ کرانے پر مجبُور نہ کیا جائے۔ حضُور ہمارا سر کاٹ لیں لیکن ہمارے عضو کی کھلڑی کو نہ کاٹیں۔ ہم آپ کو خُداوند مسیح کا واسطہ دیکر کہتے ہیں ہم کو ہمارے حال پر ہی چھوڑ دیں"۔ جہانگیر غضب میں آگیا اَور حُکم دیا کہ اُن کے ہاتھ پاؤں باندھ دیے جائیں اَور اُن کا ختنہ کر دیا جائے۔ جب حجام اپنا کام کر چکا تو جہانگیر نے کہا اب تُم پکے مسلمان بن گئے ہو۔ ہم کو کلمہ سناؤ۔ لیکن دونوں نے کلمہ پڑھنے سے انکار کر دیا۔ اس پر بادشاہ نے حُکم

---

[1] انجمن یسوعی کے مبلغین بھی انجیلی حکم کے مطابق (رومیوں ۱۴ باب وغیرہ) سؤر کا گوشت نہیں کھاتے تھے (برکت اللہ)

Marfat.com

دیا کہ ان کو دُرّے مارو۔ بچارے کمزور کمسن بچوں پر دُرّے اِس زور سے برسنے لگے کہ لہُولہان ہو گئے۔ ذوالقرنین کی عمر چودہ سال اور اُس کے چھوٹے بھائی کی عمر گیارہ سال کی تھی۔ بڑے بھائی نے چودہ دُرّے کھا کر آہستہ سے کلمہ پڑھ دیا لیکن چھوٹا بھائی دُرّے کھاتا گیا۔ ہر دُرّے کی مار پر وُہ چیخ کر پکارتا "ہائے خُداوند مسیح"۔ تمام حاضرینِ دربار پر حیرت چھا گئی۔ جب وُہ تیس دُرّے کھا چکا تو اُس کی طاقتِ برداشت نے جواب دے دیا اور اُس نے بھی کلمہ پڑھ کر اپنی خلاصی کروالی۔ جہانگیر نے حکم دیا کہ اُن کے زخموں کی دیکھ بھال کی جائے۔

چند دنوں کے بعد جب بادشاہ نے مُلّا کو اُن کے پاس نماز سکھلانے کے لئے بھیجا تو اُنہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ ہم عیسائی ہیں اور اسلامی نماز نہ سیکھیں گے نہ پڑھیں گے صحتیاب ہونے کے بعد وُہ سب کو علی الاعلان کہتے کہ ہم عیسائی ہیں اور انشاء اللہ مسیحیت پر قائم رہیں گے۔ وُہ مسلمانوں کو بھی خُداوند مسیح پر ایمان لانے کی دعوت دیتے اور قرآن و اسلام کے خلاف دلیری سے کلام کرتے تھے۔ بڑے لڑکے ذُوالقرنین نے اپنے بائیں بازو پر ایک بالشت لمبی صلیب خنجر سے اِس طرح کھود دی کہ وُہ سب کو کلائی سے صاف نظر آئے۔ اب جو جہانگیر نے مسلم عُلماء کو اپنے اسلامی جوش کا ثبوت دکھا دیا تھا اُس نے ذوالقرنین اور اُس کے بھائی کو ایک روز طلب کیا اور اُن سے پُوچھا کہ تُمہارا مذہب کیا ہے؟ اُنہوں نے دلیری سے پھر وُہی جواب دیا کہ جہاں پناہ ہم دونوں مسیحی ہیں۔ بادشاہ اپنی حمایتِ اسلام کا مظاہرہ کر چکا تھا اُس نے اُن کو کہا "اچھا۔ تُم مسیحی رہ سکتے ہو"۔ یہ الفاظ سُن کر دونوں لڑکوں کو اِس قدر خُوشی ہُوئی کہ وُہ جہانگیر کے حضُور سے باہر جا کر خُوشی کے مارے اُچھلنے کُودنے لگے۔ وُہ ہر شخص کو اپنا قصّہ سُنا کر کہتے تھے کہ ہم مسیحی ہیں۔ تمام غیر مسیحیوں کے دلوں پر دونوں لڑکوں کی ہمّت، دلیری، صبر اور ثباتِ ایمان کا سِکّہ بیٹھ گیا۔

جب باپ کو اِس واقعہ کی خبر ہُوئی تو اُس نے کہا کہ اگر جہانگیر نے دوبارہ مجھ کو جبراً مسلمان بنانا چاہا تو انشاء اللہ مَیں اپنے ایمان پر ایسا ثابت قدم رہُوں گا کہ خلقت انگشت بدنداں رہ جائے گی۔ لیکن اب جہانگیر کو ایسا کرنے کی ضرُورت باقی نہ رہی تھی۔ اُس نے پھر ایسا رویّہ کبھی اختیار نہ کیا اور مرزا سکندر اور اُس کے دونوں بیٹوں سے مثلِ سابق شفقت اور محبّت سے پیش آتا رہا۔ مُتلعقین سے بھی وُہ اب خندہ پیشانی سے ملتا تھا اب سے اُس نے سلطنت کے استحکام کی خاطر باپ کی آزادہ رَوی اور وسیع الخیالی کو ہی ہمیشہ پیشِ نظر رکھا۔

Marfat.com

مرزا ذوالقرنین کا باپ مرزا سکندر ۱۶۱۳ء میں آگرہ میں فوت ہوگیا۔ اُس نے اپنی وصیت میں انجمنِ عیسوی کے مُبلّغین کے نام بہت روپیہ چھوڑا تاکہ وُہ اِن مبلغات کو کلیسیا کے کام میں خرچ کریں۔ اس کے علاوہ اُس نے مبلغ چھ سو روپیہ لاہور کی کلیسیا کے لئے چھوڑا تاکہ لاہور میں قبرستان کے لئے زمین خریدی جائے۔ ۱۶۱۳ء میں پادری جوزف ڈے کاسٹرو نے اس رقم سے ۱۲ بیگھہ زمین خریدی۔ جب سلطنتِ مغلیہ اور گوا کی پرتگیزی حکومت میں آویزش ہُوئی اور پرتگیزوں نے چار جہازوں کو جو مکہ سے آرہے تھے پکڑ لیا تو جہانگیر نے ۱۶۱۴ء میں حکم صادر کیا کہ لاہور کا گرجا بند کر دیا جائے اور مُبلّغین کا مال ضبط کر لیا جائے۔ اٹھارہ ماہ کے بعد جب حالات درست ہُوئے تو جہانگیر کے حکم سے گرجا اور مال جائداد واپس کر دیئے گئے۔ ۱۶۲۶ء میں جہانگیر نے اپنی وفات سے ایک سال پہلے حکم صادر کیا کہ ۱۲ بیگھہ زمین بھی واپس کر دی جائے۔ ذیل میں جہانگیر کے اُس فرمان کی نقل ہے جس پر آصف خان وزیرِ اعظم کے دستخط ہیں:۔

نقل

فرمانِ حضرت جنت[۱] مکانی عرش آشیانی از قضایا[۲] سی ۲۹ ماہ فروردین الٰہی سنہ ۲۱ آنکہ

چوں بعرضِ مقدس رسید کہ پادری یوسف وغیرہ پادریانِ فرنگی موازی دوازدہ بیگھہ زمینِ مزروعہ بایک چاہ پختہ و چند درخت از موضع جماعہ مہرنگ ہری پھلواری خریدہ اند حکمِ جہاں مطاع گردوں ارتفاع جہانگیری شرفِ اصدار وعزِ ایراد[۳] یافت کہ اراضی مذکورہ در وجہ انعامِ آنہا بجہتِ گورخانہ و باغ با چاہ و درختاں حسب الضمن[۴] مقرر و مفوض باشد۔ می باید کہ حکام و عمال و جاگیرداراں و کرداریانِ حال و استقبال اراضی مذبورہ را بیمودہ با چاہ و درختاں بتصرفِ آنہا باز گذاشتہ اصلاً و مطلقاً تغیر و تبدیل بداں راہ ندہند و بعلت مالوجہات و اخراجات مثلاً فتلفہ[۵] و شلیش و جریانہ و ضابطانہ و محصلانہ و مہرانہ و دارو غگانہ و بیگارہ و شبکارہ و دہ[۶] نیمی و مقدمی[۷] و صدوئی[۸] قانونگوئی و کُل تکالیفِ دیوانی و مطالباتِ سُلطانی مزاحمت نرسانند۔ واز جمیع وجوہات و تعلقات معاف و مرفوع القلم شمرند و دریں باب ہر سال حکم و فرمان مجدّد نطلبند۔ از فرمودہ تخلف و انحراف نورزند۔

تحریر فی التاریخ صدر سن الٰہی

---

۱ یعنی جہانگیر ۲ حکم ۳ لانا ۴ تصدیق کے مطابق ۵ ایک قدیم محصول ۶ پیش کرنا ۷ ترک جانا۔

Marfat.com

اس فرمان کی نقل کی پُشت پر لکھا ہے :-

انعام باسمِ پادری یُوسف موافق یادداشت واقعہ بتاریخ روز اشتاد ۲۶ ماہ اسفندار[1] الٰہی سنہ ۵ مطابق دوشنبہ تاریخ شہر جمادی الثانی سن ۱۰۳۵[2] برسالہ[3] وزارت وکالت پناہ اقبال وجلال دستگاہ عمدۃُ الملک رکن السلطنت القاہرہ موتمن الدولہ الباہرہ اعتضاد الممالک العظمٰی واعتماد الخلافہ الکبریٰ جملۃ الملکی مدار المہامی خواجہ ابوالحسن ونوبتِ واقعہ[4] نویسی کمترین بندگان سری رام آنکہ[5]۔ چون پادری یُوسف و پادریانِ دیگر فرنگی موازی دوازدہ بیگھہ زمینِ مزروع معہ یک چاہ پختہ وچند درخت از موضع جماعہ مہرنگ ہری پھلواری خرید نمودہ اند۔ حُکمِ جہاں مطاع آفتاب شعاع گردون ارتفاع صادر شد کہ اراضی وچاہ ودرخت ہائے مذکور بجہت گورخانہ و باغ در وجہ انعام مشارٌ الیہ و پادریانِ دیگر مقرر ومسلم باشد۔ شرح[6] بخطِ جملۃ الملکی مدار المہامی آنکہ[5]۔ در واقعہ داخل نمایند شرح بخطِ اقبال و اجلال پناہ عمدۃ الملک اعتضادِ خلافہ و فرمانروائے اعتماد سلطنت وکشورکشائے قدوہ خوانینِ بلندمکان نظام الدولہ والدین آصف جاہی آصف خان آنکہ۔ برسالہ[3] جملۃ الملکی داخلِ واقعہ نمایند۔ شرحِ حاشیہ بخطِ واقعہ نویس موافقِ واقعہ[4] است۔ شرح[6] بخطِ جملۃ الملکی مدار المہامی بعرض مکرر رسانند۔ شرح بخطِ لایق العنایت والاحسان معز الملک بتاریخ روز آسمان ۲۷ ماہ اسفندار الٰہی سنہ ۲۰ مطابق سنہ ۱۸ شہر جمادی الثانی سنہ ۱۰۳۵ھ[5] مکرر بعرضِ اقدس ارفع اعلیٰ رسید۔ شرح[6] بخطِ جملۃ الملکی مدار المہامی فرمان قلمی نمایند ۱۲ بیگھہ زمین مزروع۔

(مہر) - جوہرمل بن چھبیلداس سہائے دیوی سنہ نقل مطابق اصل است واصل نزدِ جوہرمل است۔ ہرگاہ درکار خواہد شد۔

برسالہ مختار الدولہ العلیہ العالیہ مستناد الخلافۃ البہیہ الخاقانیہ رکن السلطنت الوعرا اسپہر اعظم الوزرا ناظمِ نظمِ ملک ومال مانح صالح دولت واقبال کافل مصالح المحمود الکمال جملۃ الملکی مدار المہامی خواجہ ابوالحسن و نوبتِ واقعہ نویسی سری رام -

جب ذوالقرنین کا باپ مرزا سکندر ۱۶۱۳ء کے قریب آگرہ میں وفات پاگیا تو جہانگیر نے ازراہِ کرم اُس کے مال وجائداد پر قبضہ نہ کیا، کیونکہ شاہانِ مغلیہ کا یہ دستور تھا کہ جب کوئی امیر کبیر مرجاتا تھا تو اُس کی جائداد بادشاہِ وقت کی ملکیت ہوجاتی تھی ۔ اُس کی لاش آگرہ سے

---

[1] فارسی کا بارہواں شمسی مہینہ۔ [2] ۱۶۱۶ء [3] نامہ [4] روزنامچہ [5] حسبِ ذیل [6] نوٹ [7] ۱۶۱۶ء

لاہور لائی گئی جہاں وُہ دفنایا گیا۔ اُس نے اپنی وصیت میں لاہور کے گرجا اَور کلیسیا کے لئے دو ہزار روپیہ اَور آگرہ کے گرجا اَور کلیسیا کے لئے چار ہزار روپیہ چھوڑا۔

باپ کی وفات کے بعد جہانگیر نے ذوالقرنین کو راجپوتانہ میں سانبھر کی نمک کی کان کے محصُول کا کلکٹر بنا دیا۔ ۱۶۱۹ء میں وُہ وہاں کا گورنر مقرر کر دیا گیا۔ دو سو سے زیادہ مسیحی اُس کی سرکار میں ملازم تھے۔ جب شاہزادہ خرّم نے اپنے باپ جہانگیر کے خلاف عَلمِ بغاوت بلند کیا اَور سانبھر آیا تاکہ اُس کے بچپن کا ساتھی اُس کی مدد کرے تو ذوالقرنین ایک بڑی فوج کے ساتھ جہانگیر کی مدد کو چلا گیا جس کا خمیازہ اُس کو بعد کے زمانہ میں بھگتنا پڑا جب شاہزادہ خرّم تخت نشین ہُوا۔ انجمنِ عیسوی کے دو مبلغین ہمیشہ ذوالقرنین کے پاس رہتے تھے جو اُس کے خاندانی پادری تھے اَور اُس کے بچّوں کو مذہبی تعلیم دیتے تھے۔ ذوالقرنین باقاعدہ روزانہ عبادتوں میں حاضر ہوتا تھا۔ جب وُہ بادشاہ کے ساتھ سفر وحضر میں ہوتا تب بھی ایک خیمہ میں روزانہ عشائے ربانی کی رسم عمل میں آتی تھی۔ وُہ روزانہ اپنے وظائف پڑھتا اَور اناجیل و زبور (جن کا فارسی میں ترجمہ ہو چکا تھا) کی تلاوت کرتا تھا۔ ایّامِ روزہ میں وُہ صوم وصلوٰۃ کا پابند ہوتا تھا اَور اپنے گناہوں کو اقرار کرنے کی خاطر اُن کو باقاعدہ لکھتا رہتا تھا۔ اُس نے اپنے ہاتھ سے فارسی اناجیل کی نقل لکھی۔ جو لڑکے دینی سوال وجواب کو حفظ سُناتے تھے اُس سے انعامات پاتے تھے۔ وُہ ہر ممکن طور پر کوشش کرتا تھا کہ وُہ خود اعلیٰ پایہ کی مسیحی زندگی بسر کرے۔ مسلم عُلما اَور شاہی دربار کے اراکین نے ہزار کوشش کی کہ وُہ اسلام اختیار کر لے بلکہ اُنہوں نے خُفیہ ریشہ دوانیاں اَور سازشیں بھی کیں تاکہ کسی نہ کسی طور پر وُہ اپنے مُنجی کا انکار کر دے لیکن اُس کے ایمان کی پختگی کے سامنے اُن کی پیش نہ گئی۔

ذوالقرنین اپنی سخاوت اَور فیاضی کے لئے مشہور تھا۔ وُہ بخوشی تمام اُن نو مُریدوں کی ہر ممکن مدد فیاضی سے کرتا تھا جو اسلام اَور ہندومت کو ترک کر کے مُنجی کے قدموں میں آ جاتے تھے۔ یتیم بچوں اَور بالخصوص یتیم لڑکیوں کی وُہ ہر دم نگرانی کرتا تھا اَور اُن کو جہیز بھی عطا کیا کرتا تھا۔ اُس نے یروشلیم کو تحائف بھیجے اَور وہاں کے ارمنی قسیسوں کے لئے چھ ہزار روپیہ، فرانسسکی قسیسوں کے لئے ایک ہزار روپیہ بھیجا۔ اس زرِ خطیر کے علاوہ اُس نے تباہ شُدہ گرجاؤں کے لئے چھ ہزار روپیہ روانہ کیا۔ جب ۱۶۱۴ء میں پرتگیزوں کی وعدہ شکنی کے سبب جہانگیر کا غضب مُبلغین پر نازل ہُوا تو ذوالقرنین نے نہ صرف مُبلغین کی دامے درمے مدد

Marfat.com

کی بلکہ غریب مسیحیوں کی نگہداشت کا بھی ذمہ دار رہا۔ وہ مبلغین کے ذریعہ تمام محتاج مسیحیوں کی مدد کیا کرتا تھا۔ ۱۶۱۶ء میں جب طوفان نے بمبئی کے ساحل کو تباہ کر دیا تو اس نے گرجا کی مرمت کے لئے چھ ہزار روپیہ بھیجے۔ ۱۶۲۰ء میں جب قحط نے تباہی مچائی تو اس نے قحط زدوں کی مدد کے لئے ہزاروں روپیہ خرچ کر دیئے۔ انجمن یسوعی کے مبلغین کی پرورش کے لئے وہ دو صد روپیہ ماہوار کئی سالوں تک دیتا رہا۔ آگرہ کی مشن کے لئے اس نے بیس ہزار روپیہ وقف کے طور پر دیدیئے۔ ۱۶۲۳ء میں جب حساب کیا گیا تو معلوم ہوا کہ اس نے انجمن کی تبلیغی اور کلیسیائی مقاصد کی خاطر چالیس ہزار روپیہ دیئے تھے۔ جب پرتگیزوں کی عہد شکنی کے بعد جہانگیر کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو ۱۶۱۹ء میں پادری کورسی نے اس کو صلاح دی کہ زمانہ مستقبل کی نیرنگیوں کو پیشِ نظر رکھ کر وہ سلطنت مغلیہ کے باہر پرتگیزی علاقہ میں بمبئی کے قریب دو گاؤں وڈالہ (Vadala) اور پریل (Parel) خرید کر ان کی آمدنی آگرہ کے مشن کے لئے وقف کر دے۔ اس آمدنی سے آگرہ کے مسیحی غربا کی پرورش ہوتی رہی۔

ذوالقرنین ایک اعلیٰ پایہ کا شاعر اور موسیقار تھا۔ جہانگیر لکھتا ہے کہ وہ اچھے ہندی شعر کہا کرتا تھا اور اس کے شعر اکثر میرے سامنے پڑھے جاتے تھے جن کو میں بہت پسند کرتا تھا۔ چنانچہ تزک جہانگیری میں ہے " ذوالقرنین بفوجداری سانبھر دستوری یافت۔ او پسرِ سکندر ارمنی است۔ پدرش درخدمتِ عرش آشیانی سعادت پذیر بود۔ اعلحضرت صبیۂ عبدالحی ارمنی را کہ در شبستانِ اقبال سعادت پذیر بود با و نسبت فرمودند۔ ازو دو پسر بوجود آمد۔ یکے ذوالقرنین کہ خدمت طلبی داشت و در عہدِ دولتِ من دیوانیانِ عظام خدمتِ خالصہ نمکسار را بہ عہدۂ او مقرر نمودند و آں خدمت را نقدک سرو سامان میکرد۔ در نیولا بفوجداری آں حدود سرفراز گشت۔ بہ نغمۂ ہندی سری دارد۔ سلیقہ اش دریں فن درست رفتہ۔ و تصنیفاتِ او مکرر بعرض رسیدہ و پسند افتادہ"۔ مرزا ذوالقرنین نہ صرف ہندی میں اشعار کہتا تھا بلکہ فارسی میں بھی اعلیٰ قسم کے اشعار کہتا تھا، اور جیسا جہانگیر نے لکھا ہے وہ ایک بڑا زبردست گویا تھا چنانچہ صاحبِ اعمالِ صالح لکھتا ہے کہ اس کے نغمے نہایت شیریں اور دلکش ہوتے تھے اور وہ ان کے فلم میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔

ذوالقرنین نے قریباً پینسٹھ سال کی عمر پائی اور شاہجہان کے عہد کے اواخر میں فوت ہوگیا۔ مرزا ذوالقرنین کے علاوہ چند اور ارمنی مسیحی بھی تھے جو رومی کلیسیا کے شریک ہوگئے تھے۔

Marfat.com

سلطنتِ مغلیہ میں جو پردیسی مسیحی آگرہ سے دُور اسلامی ماحول میں رہتے تھے وُہ مسلمانوں سے اِس درجہ خائف رہتے تھے کہ اپنے مسیحی ایمان کو ظاہر کرنے سے ڈرتے تھے۔ چنانچہ ایک آرمینی خاندان تھا جو مسلمان عوام سے اس قدر خوفزدہ تھا کہ اُس نے دُوسرے آرمینی مسیحیوں کی معرفت کہلا بھیجا تھا کہ اگر پادری زیویئیر ہمارے پاس آنا چاہے تو وُہ ایسا ظاہر کرے کہ وُہ ہم کو جانتا بھی نہیں۔ چند سالوں کے بعد مُبلّغین کے سمجھانے کا یہ اثر ہُوا کہ یہ خاندان آگرہ میں آگیا اَور اُس کے افراد کو بپتسمہ دیا گیا۔ یہ خاندان اٹھارہ سال تک مسلمانوں میں اُن کی ہی طرح رہتا سہتا تھا۔ ایک اَور شخص کو بھی خُفیہ طور پر بپتسمہ دیا گیا۔

عام طور پر مسلمان (اَور ہندُو بھی) علانیہ خُداوند مسیح پر ایمان لانے سے ڈرتے تھے۔ وُہ مُبلّغین کی منت سماجت کر کے اُن سے خُفیہ بپتسمے حاصل کر لیتے تھے۔ چنانچہ ۱۶۱۱ء میں ایک راجہ کی بیٹی کو آگرہ میں بپتسمہ دیا گیا۔ جہانگیر کی شاہزادگی کے ایّام میں اُس کے طبیب نے خُفیہ طور پر بپتسمہ حاصل کیا تھا۔ ایک اَور امیر کبیر مقرّب خان کو (جس کا ذکر گذشتہ باب میں ہو چکا ہے) ۱۶۱۰ء میں بپتسمہ دیا گیا۔ ایک قیدی ملکِ ہنگری کا رہنے والا غلام کر لیا گیا تھا۔ جب اُس کی مَوت کا وقت نزدیک آیا تو اُس نے اپنے بیٹوں اَور پوتوں کو بُلوا کر تمام گھرانے کو بپتسمہ دلوایا۔ جب وُہ مر گیا تو اُس کا جنازہ بڑی دُھوم دھام سے اُٹھایا گیا جس کو بعض مسلمانوں نے بھی کندھا دیا۔ اُمرائے دربار میں سے ایک کے گھر ایک مسیحی خاتون ملازم تھی۔ جب اُس نے دیکھا کہ اُس کا آخری وقت آ پہنچا ہے تو اُس نے مبلّغین کو بلوا بھیجا اَور اُن کو کفن دکھلایا جو اُس نے خود اپنے ہاتھ سے سیا تھا۔ پھر اُس نے اپنے بچّوں کا ہاتھ مُبلّغین کے ہاتھوں میں دیکر کہا کہ مَیں اِن بچّوں کو اپنے بھائی بہنوں کے سپُرد نہیں کرتی کیونکہ وُہ سب مسلمان ہیں لیکن مَیں اِن کو آپ کے سپُرد کرتی ہُوں اَور اپنا زر اَور جائداد بھی آپ کے سپُرد کرتی ہُوں تاکہ اِن کے اخراجات سے آپ زیر بار نہ ہوں۔ ۱۶۰۸ء میں ایک درباری کا چشم و چراغ مسیحی ہونا چاہتا تھا۔ جب وُہ بیمار ہو گیا تو اُس نے ایک عیسائی کو مرض کی تشخیص کرنے کے بہانے بلوا بھیجا اَور اُس سے مسیحی تعلیم حاصل کرتا رہا۔ جب وُہ اچھا ہو گیا تو اُس نے بپتسمہ پا لیا۔ اس سے قبل اُس کے دو بھائی بپتسمہ حاصل کر چکے تھے۔

مذکورہ بالا بیان سے ظاہر ہو گیا ہو گا کہ انجیلِ جلیل کی تبلیغ و اشاعت اُمرا کے طبقہ کے علاوہ متوسط طبقہ کے لوگوں اَور غُربا کے طبقہ میں ہو گئی تھی۔ گو بعض شُرکائے کلیسیا اپنا ایمان خفیہ رکھتے تھے اَور ظاہر کرنے سے ڈرتے تھے لیکن عام طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مسیحی اپنے

Marfat.com

ایمان سے شرماتے نہیں تھے بلکہ دلیرانہ اُس کا اقرار کرتے تھے۔ جہاں نواب مقرب خان جیسے خُفیہ مسیحی تھے وہاں ذوالقرنین مرزا جیسے دلیر مسیحی بھی جہانگیر کے عہد میں رہتے تھے۔ پادری بوٹیل ہو (Botelho) درُست کہتا ہے کہ "مغلیہ سلطنت کے مسیحی ایمان کے پکے ہیں اور خلوصِ قلب سے منجیٔ عالمین پر ایمان رکھتے ہیں۔ تاجروں کا طبقہ ارمنی، انگریز، ولندیز اور پرتگیزوں پر مشتمل ہے جو دولتمند ہیں لیکن عام مسیحی غریب طبقہ کے ہیں۔ وُہ نادار ہیں لیکن افلاس کے باوجُود وُہ قاضی کے پاس جاکر اسلام قبوُل نہیں کرتے اور مسلمان ہوکر روزینہ اور عزت و مرتبہ حاصل کرنا نہیں چاہتے۔ گو بعض آزمائش میں گر جاتے ہیں، لیکن ایسے اشخاص عموماً صرف وُہی ہوتے ہیں جو کسی جُرم کی سزا سے بچنے کی خاطر اسلام قبوُل کر لیتے ہیں۔ اُن کی بھی اچھی خاصی تعداد چند دنوں تک مسلمان رہ کر واپس مسیحیت میں لوٹ آنے کے موقعہ کی تاک میں رہتی ہے اور جب اُن کو موقعہ ملتا ہے وُہ کلیسیا میں توبہ کرکے واپس آجاتے ہیں۔"

خواجہ مرتینس

اکبر اور جہانگیر کے عہد میں ایک اور ارمنی تاجر تھا جس کا نام خواجہ مرتینس تھا۔ اس کا مقبرہ شمالی ہندوستان میں قدیم ترین ارمنی عمارت ہے کیونکہ وُہ ۱۶۱۱ء میں تعمیر ہُوا تھا۔ یہ ارمنی نام مرتینس لفظ "مارٹن" کی لاطینی شکل ہے اور عمارت "مارٹروس چیپل Martyrose Chapel" کے نام سے مشہوُر ہے۔ چُونکہ لفظ "مارٹر" کے معنی "شہید" کے ہیں اس لئے غلط فہمی سے اس کو شہیدوں کا گرجا کہتے ہیں۔ اس میں داخل ہونے کے دروازے کی دہنی طرف کے کونے میں ایک کتبہ ارمنی زبان میں اور دُوسرا فارسی زبان میں کندہ ہے۔ فارسی کتبہ کی عبارت یہ ہے "این جا مدفون است خواجہ مرتینس ارمنی مُقدسیؔ کہ خوُد را غلامِ کرستس می گفت وچوں صاحبِ خیر بود ہرچہ باخود داشت بہ نذرِ آنحضرت بفقرا ایثار کرد۔ یک ہزار و شش صد و یازدہ از تولدِ حضرت عیسیٰ"۔ ارمنی کتبہ پر سال ۱۰۶۰ لکھا ہے کیونکہ ارمنی سن ۵۵۱ء عیسوی سے شروع ہوتا ہے۔ پس دونوں کتبوں کے مطابق خواجہ مرتینس ۱۶۱۱ء میں فوت ہُوا تھا۔

خواجہ مرتینس بڑا زبردست تاجر تھا اور ساتھ ہی زبردست پیمانہ پر خیرات کیا کرتا تھا۔ جب اُس کی پہلی بیوی فوت ہوگئی تو وُہ ارضِ مُقدس گیا تاکہ اپنے منجی کی قبر کی زیارت کرے۔ وہاں سے وُہ اپنے وطنِ مالوف کو گیا اور اپنی جائداد کا ایک حِصہ اپنے دو بیٹوں میں تقسیم کرکے اُس نے بقایا رقم فقرا، غربا، یتامیٰ اور مساکین میں بانٹ دی۔ پھر اُس نے

لہ جس نے بیت المقدس میں جاکر خُداوند مسیح کی قبر کی زیارت کی تھی۔ (برکت اللہ)

Marfat.com

اپنا نام "غلام مسیح" رکھ لیا۔ وُہ اپنی تجارت کی آمدنی غُربا کو دے دیتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ مال میرا نہیں ہے بلکہ میرے آقا مسیح کا ہے جس کا مَیں اَدنیٰ ترین غلام ہُوں۔ ایک دفعہ اُس نے مُقدمہ لڑ کر سونے کی پانچہزار اشرفیاں عدالت سے لیں اَور عدالت کے باہر جا کر سب غُربا اَور مساکین میں تقسیم کر دیں۔ اُس نے اپنے مال سے متعدد قیدیوں کو رہا کروایا اَور مرتے وقت پادری زیونیر کو وصیّت کر گیا کہ مُجھے اِس مقبرہ میں جو مَیں نے بنوایا ہے، دفن کرنا اَور میرا تمام مال غُربا اَور مساکین کی پرورش میں صرف کرنا۔

اس مقبرہ میں جس کو "مارٹروس چیپل" کہتے ہیں چھبّیس مبلغینِ انجمنِ عیسوی بھی مدفون ہیں جو ۱۶۳۳ء اَور ۱۷۶۷ء کے درمیان آگرہ میں فوت ہُوئے تھے۔

جنوری ۱۹۱۷ء کا واقعہ ہے کہ آگرہ کے سنٹرل جیل کے قیدی باغیچہ کی زمین کھود رہے تھے۔ وہاں سے ایک چار فٹ اُونچا مستطیل شکل کا پتّھر برآمد ہُوا جس کے سرے پر صلیب تھی۔ اس پر ارمنی زبان میں یہ کتبہ لکھا تھا:۔

"یہ مقدس صلیب ۱۱۰۶ء (۱۶۵۷ء) میں پادری زکریاہ اَور اُس کے والدین یُوسف اَور مریم کی یادگار میں نصب کی گئی ہے"۔ مرحوم مسٹر سمیتھ لکھتے ہیں کہ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ پتّھر اصطباغ کے حوض پر نصب تھا جس سے ظاہر ہے کہ اِس مقام پر کسی زمانہ میں ایک ارمنی گرجا کھڑا ہوگا"۔ یہ پتّھر اب سینٹ پیٹرز کیتھیڈرل میں پڑا ہے۔ اِسی "چیپل" کے ایک ارمنی کتبہ پر لکھا ہے "مَیں جس کا نام پادری زکریاہ ہے تبریز سے یہاں سن ۱۱۰۵ھ (۱۶۵۶ء عیسوی) میں آیا تھا۔

مذکورہ بالا بیان سے ظاہر ہے کہ اکبر کے زمانہ اَور اُس کے بعد کے بادشاہوں کے عہد میں ارمنی مسیحوں کی ایک اچھی خاصی تعداد آگرہ میں مقیم تھی جن کا بقول سمتھ مرحوم اپنا گرجا تھا جس میں ارمنی پادری تھے اَور اُن کا اپنا قبرستان بھی تھا۔

پٹنہ کا گرجا جہانگیر کے عہد کے چودھویں سال میں نواب مقرب خان نے (جو بپتسمہ پا چکا تھا) ۱۶۲۰ء کے قریب پٹنہ کے شہر میں ایک گرجا بنوایا اَور یہ شہر بھی انجمنِ عیسوی کے مبلغین کا ایک صدر مقام ہوگیا۔ اِسی سال چار اشخاص کو بپتسمہ بھی دیا گیا، لیکن یہ صدر مقام نامعلوم حالات کی وجہ سے دیر پا نہ رہا۔ گرجا اَور رہائشی مکان دونوں دریا کے کنارے تعمیر کئے گئے تھے لیکن اب اُن کے نشان بھی مٹ گئے ہیں۔ مابعد کے زمانہ

Marfat.com

میں کیپیوچن (Capuchin) (فرانسسکی پادریوں کی نئی جماعت) شہر کے اندر رہتے تھے۔ ہم دُوسری جلد کے باب چہارم میں بتلا چکے ہیں کہ مذکورہ بالا تاریخ سے چار صدیاں پہلے پٹنہ کا شہر ایک نسطوری میٹروپولی ٹن کا صدر مقام ہوتا تھا۔

لاہور کی کلیسیا ہم باب پنجم کی فصل چہارم میں بتلا چکے ہیں کہ جب انجمنِ عیسوی کے مُبلّغین کا تیسرا وفد مئی ۱۵۹۵ء میں لاہور آیا تو جہانگیر کی شاہزادگی کے ایام تھے۔ اکبر اَور سلیم دونوں نے گرجا کی تعمیر کا خیال ظاہر کیا۔ اس مقصد کے لئے اکبر نے زمین عطا کی اَور شاہزادہ نے بھی مدد کی۔ ۷ ستمبر ۱۵۹۷ء کے روز اس گرجا میں پہلی عبادت کی گئی جس میں لاہور کا گورنر بھی آیا۔ لیکن یہ گرجا اُس قطعۂ زمین پر تعمیر کیا گیا تھا جو اکبر نے بحقِ سرکار ضبط کیا ہُوا تھا۔ جب اکبر فوت ہوگیا اَور جہانگیر نے تخت نشینی کے بعد حکم دیا کہ تمام ضبط شُدہ اراضی اُن کے مالکان کو واپس دی جائیں تو گرجا کی زمین کے مالک نے اُس پر قبضہ کرنا چاہا۔ لیکن جب جہانگیر کو معلُوم ہُوا کہ یہ قطعۂ زمین قرض کی وجہ سے بحقِ سرکار ضبط کیا گیا تھا تو اُس نے حکم دیا کہ گرجا مُبلّغین کے قبضہ میں رہے۔ گرجا کے ساتھ مُبلّغین کے گھر بھی مُلحق تھے اَور اس کے احاطہ میں غریب مسیحی بستے تھے۔ جب ۱۶۱۴ء میں پرتگیزوں نے شرارت کر کے شاہی جہازوں کو پکڑ لیا تو جہانگیر نے طیش میں آکر پادری بچادو کو حکم دیا کہ نکل جاؤ اَور گرجا کو مُقفّل کر دیا گیا۔ لیکن آصف خان کی مدد سے دس برس کے بعد گرجا، اراضی، مکانات اَور سامان سب مُبلّغین کو واپس مل گئے۔ ہمیں یہ معلُوم نہیں ہو سکا کہ یہ گرجا کس جگہ تعمیر کیا گیا تھا۔ لیکن قرائن سے معلُوم ہوتا ہے کہ وُہ شہر کے اندر تھا۔ کیونکہ جب خسرو نے باپ کے خلاف بغاوت کی تو اُس فساد کے زمانہ میں آرمینی مسیحی تاجروں نے اپنا مال مُبلّغین کے احاطہ کے مکانات میں رکھ دیا تھا۔

مغلیہ سلطنت کے ہر بڑے شہر میں یورپ اَور ایشیا کے ممالک کے مسیحی رہتے تھے۔ لاہور میں بھی متعدد پردیسی مسیحی رہتے تھے جو رُومی کلیسیا کے نہیں تھے۔ مشرقی کلیسیاؤں کے مسیحی بھی لاہور میں تجارت وغیرہ کرتے تھے۔ انجمنِ عیسوی کے مُبلّغین ان کو "آرمینی" مسیحی بتلاتے ہیں لیکن وُہ لفظ "آرمینی" کو اُسی طرح استعمال کرتے ہیں جس طرح ہمارے مُلک میں لفظ "فرنگی" تمام یورپ کے باشندوں کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ غیر ممالک کے مسلمان بھی لاہور اَور دیگر بڑے شہروں میں رہتے تھے۔ اُن میں سے بعض مقابلۂ مذاہب میں دلچسپی رکھتے تھے۔ چنانچہ لاہور میں ایک مسلمان بُخارا سے آکر پناہ گزیں ہوگیا تھا جب تُرکوں نے بخارا پر قبضہ کر لیا تھا۔ اکبر نے

Marfat.com

اس کو لاہور میں جاگیر عطا کر دی تھی۔ اس مسلمان نے اسلامی اور مسیحی تعلیم کا موازنہ کر کے مسیحی ہونے کی خواہش ظاہر کی لیکن مبلغین اُس کو بپتسمہ دینے سے ہچکچاتے رہے۔ اُس نے اُن کو کہا کہ اب میری عمر کا آخری زمانہ ہے۔ آپ مجھ کو ضرور بپتسمہ دیدیں تاکہ میں نجات سے محروم نہ رہوں۔ اِس پر اُس کو بپتسمہ دیا گیا لیکن اُس نے مسیحیت کو قبول کرنے کا راز کسی پر افشا نہ کیا کیونکہ وہ مسلمانوں سے خائف و ہراساں رہتا تھا۔ بالآخر جب اُس کی موت کا وقت قریب آیا تو اُس نے اپنے ایک دوست کو راز دار بنا کر اُس سے قسم لے لی کہ وفات کے بعد اُس کا جنازہ مسیحی رسُوم کے مطابق عمل میں آئے گا۔ ایک اَور برہمن تھا جس کا بیٹا مسیحی ہو گیا تھا۔ جب اُس کی بہن بستر مرگ پر تھی تو اُس نے بھی بپتسمہ حاصل کر لیا۔ ایک مسلمان افسر کے دو حبشی غلام تھے جو مسیحی تھے۔ اُن کے آقا نے اُن کو اسلام قبول کرنے کو کہا اَور اُن کی شادی مسلمان لڑکیوں سے کرنی چاہی لیکن وہ اسلام قبول کرنا نہیں چاہتے تھے۔ پس وہ نکاح سے ایک روز پہلے آقا کے گھر سے بھاگ گئے۔ لیکن جب ایک شخص نے اُن کو پہچان کر پکڑنا چاہا تو وہ ایک پرتگیز مسیحی کے گھر میں چھُپ گئے۔ اِس پرتگیز کے ایک ملازم نے جو گوا کا رہنے والا تھا جہانگیر کے پاس (جو اُن دنوں لاہور میں مقیم تھا) مخبری کر دی اَور کہا کہ جہاں پناہ دونوں حبشی مسیحی ذہن رسا کے مالک ہیں اَور اُن میں سے ایک پرتگیزی موسیقی کا فن کار ہے۔ جہانگیر نے اُن دونوں غلاموں کو بُلوا بھیجا پر اسلام قبول کرنے کو نہ کہا بلکہ اُن کو اچھی تنخواہ پہ ملازم رکھ لیا۔ اگلے روز بادشاہ نے مبلغین کو تخلیہ میں بُلوا کر اُن سے کلیسیا کے لوگوں کی تعداد اَور اُن کی حالت کی نسبت استفسار کیا۔ جب اُس کو اُن کی مفلسی کا علم ہُوا تو اُس نے فیاضی کو کام میں لا کر اُن کی مدد کے لئے روپے عنایت کئے اَور گرجا کی مرمت کے لئے بھی زر دیا۔

مبلغین مرزا ذوالقرنین اَور مرزا سکندر جیسے فیاض مسیحیوں کی مدد سے حاجتمندوں کی ضروریات کو پُورا کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ یورپ کے ممالک کے قریباً نصف درجن مسیحیوں کو جو مسلمانوں کی قید میں تھے اُنہوں نے اپنے رسُوخ سے آزاد کروا کر خواجہ مرتینس نے اُن کو روپیہ لوا کر اُن کے گھروں کو واپس بھیجدیا۔ ایک اَور اطالوی لڑکا تھا جو سندھ سے اپنے آقا کے گھر سے بھاگ کر دربدر مارا پھرتا تھا اَور اسلام قبول کر کے ٹکڑوں سے اپنا پیٹ پالتا تھا۔ جب مبلغین کو اس بات کا پتہ چلا تو اُنہوں نے اُس کو واپس مسیحی گلہ میں شامل کر کے اُس کے گھر اٹلی میں بھیجدیا۔ چونکہ ہندو اَور مسلمان مسیحیت کو قبول کرنے سے ڈرتے تھے اَور بعض مسیحیت کو قبول

Marfat.com

کرنے کے بعد اپنے مذہب کی تبدیلی کا اظہار نہیں کرتے تھے پس مبلغین ہمیشہ یہ کوشش کرتے تھے کہ جن لوگوں کو بپتسمہ ملے وہ اپنے ایمان میں مستحکم اور مضبوط ہوں۔ وہ بپتسمہ دینے سے پہلے نو مریدوں کو مسیحی اصول کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ اور اُن کو "سوال وجواب" کی کتاب حفظ کرواتے تھے لیکن یہ سوال وجواب کی کتاب پرتگیزی زبان میں تھی۔ نو مرید یہ خیال کرتے تھے کہ جس طرح عربی قرآن کی الہامی زبان ہے اور سنسکرت ویدوں کی زبان ہے اُسی طرح پرتگیزی انجیل کی الہامی زبان ہے۔ ۱۶۱۰ء میں مبلغین نے عورتوں اور بچوں کو ہندی زبان میں تعلیم دینی شروع کی اور ۱۶۱۱ء میں اُنھوں نے فارسی اور ہندوستانی زبانوں کا اسی غرض کے لئے استعمال شروع کیا، لیکن چونکہ عام طور پر نو مرید ناخواندہ ہوتے تھے مسیحی تعلیم زبانی دی جاتی تھی۔ مبلغین کوشش کرکے اُن کو مسیحی اصول میں پکا کر دیتے تھے، کیونکہ وہ چاروں طرف سے مخالفوں سے گھرے ہوتے تھے۔ یہ تعلیم مدت تک جاری رکھی جاتی اور تب اُن کو بپتسمہ دیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ جب وہ عبادت میں آتے تو وہ مبلغین کے وعظ سنتے تھے لیکن یہ وعظ عموماً فارسی میں ہوتے تھے اور جب پرتگیز عبادت میں شریک ہوتے تو یہ وعظ پرتگیزی زبان میں ہوا کرتے تھے۔ ان عبادتوں میں گیت بھی گائے جاتے تھے جو نو مریدوں کے حسب حال ہوتے تھے اور اُن کے ایمان کو تقویت دیتے تھے۔ گیتوں کے وقت دف، ڈھول اور باجا سے کام لیا جاتا تھا۔ خوش گلو لڑکوں کو بمبئی کے نزدیک کے گاؤں باندرہ (Bandra) میں موسیقی کا علم حاصل کرنے کے لئے بھیجا جاتا اور وہ واپس آکر مسیحیوں کو مسیحی گیت سکھلایا کرتے تھے۔ عبادت میں گیت اونچی آواز سے گائے جاتے تھے اور گرجا کے باہر غیر مسیحیوں کی ایک بڑی تعداد اُن کو سُن کر محظوظ ہوتی تھی۔

لاہور کے مبلغین کی مساعی جمیلہ کے باوجود جہانگیر کے زمانہ میں مسیحی نو مرید مختلف اقسام کی آزمائشوں میں گر کر اپنے ایمان کا انکار کر دیتے تھے۔ اِن نو مریدوں کے علاوہ مغربی ممالک کے مسیحی بھی اسلام کو قبول کر لیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک فرانسیسی توپچی نے مسیحیت کو ترک کرکے اسلام قبول کر لیا لیکن جب ۱۶۰۸ء میں اُس کو ایک حادثہ پیش آیا اور وہ مرنے لگا تو اُس نے مبلغین کو بلوایا اور اپنے گناہ سے توبہ کرکے مغفرت حاصل کرلی۔ بعض مسیحی ڈر کے مارے اسلام قبول کر لیتے تھے۔ بعض ملازمت اور زر کے لالچ اور روزینہ کی خاطر مسلمان ہوجاتے تھے۔ بعض کا نکاح مسلمان عورتوں سے کر دیا جاتا تھا اور وہ مسیحیت کو ترک

Marfat.com

کردیتے تھے بعض مسیحیت پر قائم رہتے تھے لیکن خوف کے مارے اپنے مسیحی ایمان کا اقرار علانیہ نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ جہانگیر کا ایک ملازم مسیحی تھا جو اُس کے اصطبل میں کام کرتا تھا۔ ایک روز جہانگیر نے اُس سے پُوچھا کہ تمہارا کیا مذہب ہے ؟۔ اُس نے بادشاہ کو خوش کرنے کی غرض سے جواب دیا کہ حضُور میں مُسلمان ہُوں۔ یہ سُن کر بادشاہ نہایت خفا ہُوا کیونکہ وُہ جانتا تھا کہ ملازم مسیحی ہے۔ اُس نے اُس کو ملازمت سے برخاست کردیا۔ جہانگیر نے مُبلّغین کو کہا کہ مجھے اِس ناہنجار پر اتنا غصّہ آیا کہ میرا جی کرتا تھا کہ اِس کی زبان نکلوا دُوں جس سے اُس نے اپنے ایمان کا انکار کیا ہے۔

لیکن جہاں اِس قسم کے دورُخے مسیحی تھے وہاں سلطنتِ مُغلیہ کی کلیسیاؤں میں ایسے ایماندار بھی تھے جو مخالف حالات کا مقابلہ نہایت دلیری سے کرکے اپنے ایمان پر ثابت قدمی سے قائم رہتے تھے۔ ہم سطورِ بالا میں آگرہ کے مرزا اسکندر اور اُس کے دونوں بیٹوں کے ایمان کی پُختگی کا ذکر آئے ہیں۔ ایک اَور موقعہ پر جہانگیر نے ایک مسیحی سے پُوچھا کہ تمہارا کیا مذہب ہے ؟ اُس نے جواب دیا کہ مَیں خُدا کے فضل سے مسیحی ہُوں۔ جہانگیر نے پُوچھا کیا تُم لالچ کے مارے یا جبر کی وجہ سے مسیحی ہُوئے ہو ؟۔ اُس نے جواب دیا کہ جہاں پناہ مَیں نے اپنی رضا و رغبت سے اِس دین کو اختیار کیا ہے کیونکہ مُجھے یہ علم ہو گیا ہے کہ مسیح کے بغیر نجات ناممکن ہے۔ مُبلّغین کی بےلَوث زندگی مجھے مسیحیت کی جانب کھینچ لائی ہے۔ جہانگیر نے اُسے دُعائے ربّانی، عقیدہ سنانے کو اَور صلیب کا نشان بنانے کو کہا۔ جب اُس نے یہ سب کیا تو جہانگیر خُوش ہو کر کہنے لگا کہ تُم نے جو کیا ہے اچھا کیا ہے۔ ایک اَور موقعہ پر جہانگیر نے مبلّغین کے ایک ملازم کو کہا کہ اگر تُم مسیحیت کو ترک کر دو تو میں تُم کو ملازم رکھ لُوں گا اَور تُم میری خوشنودی بھی حاصل کر لو گے۔ اُس نے جواب دیا کہ حضُور کی خوشنودی حاصل کرنے سے خُداوند مسیح کی خوشنودی حاصل کرنی ہزار درجہ بہتر ہے۔ جہانگیر اُس کے جواب سے خُوش ہو گیا۔ لاہور میں ایک پندرہ سالہ لڑکی مسیحی ہونا چاہتی تھی لیکن مُبلّغین لیت ولعل سے کئی ماہ کام لیتے رہے لیکن اس پس وپیش کے باوجُود وُہ اپنے ارادہ پر قائم رہی اَور غمگین و رنجیدہ رہی جب تک اُس نے بپتسمہ حاصل نہ کر لیا۔ ایک حبشی مسیحی بادشاہ کے حُکم سے ایک مسلمان کو غلامی میں دیا گیا تھا۔ مُسلمان نے ازحد کوشش کی کہ وُہ اسلام کو قبُول کرلے۔ اُس نے پہلے انعام واکرام اَور زر کا لالچ دیا۔ پھر دھمکیوں سے کام لیا۔ جب اُس نے دیکھا کہ وُہ نہیں مانتا تو اُس نے آگ جلوائی اَور کہا کہ اگر تُم مسیحیت کو ترک

Marfat.com

کرکے اسلام اختیار نہ کروگے تو مَیں تم کو زندہ آگ میں جلادُوں گا، لیکن وُہ بدستُور اپنے ایمان پر قائم رہا۔ تماشائیوں کو اُس کے حال پر ایسا رحم آیا کہ ایک مسلمان سقہ نے اپنی مشک سے آگ کو بُجھا دیا۔ اِس پر مسلمان آقا نے اُس کو زنجیروں میں جکڑ کر زندان میں ڈال دیا۔ بعد میں اُس کو خیال آیا کہ اگر یہ بات جہانگیر کے کانوں تک پہنچی تو آفت آ جائے گی اَور اُس نے غلام کو آزاد کر دیا۔ سلطنتِ مغلیہ میں اس قسم کی ثابت قدمی کی بہُت مثالیں ملتی ہیں۔ ایک دفعہ ایک آرمینی مسیحی نے ایک ہندُو لڑکی کو جان سے مار ڈالا۔ کوتوال نے اُس کو قید کر دیا اَور کہا کہ اگر تم اسلام قبوُل کر لو تو تم کو ہندُو لڑکی کے قتل کی سزا نہیں دی جائے گی۔ قاضی نے بھی اُس کو یہی کہا لیکن سب بے سُود ثابت ہُوا۔ اُس نے سب کو صاف صاف کہہ دیا کہ مَیں اسلام ہرگز قبوُل نہ کروں گا اَور نہ اپنے مُنجی کا انکار کرُوں گا جس نے میری خاطر اپنی جان دے دی ہے۔ اس پر قاضی نے حکم دیا کہ جس ہاتھ سے اُس شخص نے لڑکی کو قتل کیا ہے وُہ کاٹ ڈالا جائے۔ اَور ساتھ ہی پھر کہا کہ اگر تُم کلمہ پڑھ لو تو تم کو اِس جُرم کی سزا نہیں ملے گی۔ اُس نے جواب دیا کہ میری جان جائے تو جائے لیکن آپ دیکھیں گے کہ انشاءاللہ میرا ایمان ہرگز متزلزل نہ ہوگا پس اُس کا داہنا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ اُس کو زندان میں پھینکا گیا اَور اُس کی جائداد ضبط کر لی گئی۔ اُس کے زخم کے اِندمال کے لئے کسی جراح کو بھی نہ بھیجا گیا۔ مُبلّغین اس واقعہ کو سُن کر قید خانہ گئے اَور اُنھوں نے اُس کا علاج معالجہ کیا۔

ہم حالات کا جائزہ لے کر یہ کہہ سکتے ہیں کہ لاہور کے نَومُریدوں کی اکثریت مخالف فضا میں سانس لینے کے باوجُود اپنے مسیحی ایمان پر قائم تھی۔ مُبلّغین کی بے لَوث اَور بے ریا، پاکیزہ زندگی اُن کے لئے شمعِ ہدایت تھی۔ اُنکی بے مثال دلیری اَور اُنکی تعلیم نَومُریدوں کو جادۂ مستقیم سے منحرف نہ ہونے دیتی تھی۔ اُنکی زندگی کی کشش ہندوؤں اَور مُسلمانوں کو مسیحی اصُول کا علم جاننے کی جانب کھینچ لاتی تھی کیونکہ وُہ عام عُلما اَور پنڈتوں کی زندگیوں سے ارفع اَور بلند و بالا تھی۔ جو لوگ مسیحی اصُول کو معلوُم کرنے کے لئے آتے تھے اُن کو مسیحیت اَور اسلام اَور ہندومت میں فرق نظر آنے لگ جاتا تھا۔ اُن کی آنکھوں پر سے تعصب کا پردہ ہٹ جاتا اَور اُن کی بصیرت کی روشنی اُن کو دُنیا کے نُور اَور نجات دہندہ کے قدموں میں لے آتی تھی۔

Marfat.com

اکبرؔ و جہانگیر کے عہد کے مسیحیوں کی کم تعداد اور اس کے اسباب

جب ہم مغلیہ سلطنت کے شہروں کی کلیسیاؤں کی تعداد پر نظر کرتے ہیں تو ہم پر ظاہر ہو جاتا ہے کہ مسیحیوں کی تعداد نسبتاً بہت کم تھی۔ ہم سطورِ بالا میں ضمناً اُن وجوہ کا ذکر کر آئے ہیں جن کے سبب ہندو اور مسلمان بپتسمہ نہیں پاتے تھے اور بعض اپنے ایمان کو خفیہ رکھتے تھے۔

(۲) مسیحیوں کی تعداد کی کمی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ جب مبلغین دربارِ اکبری میں آئے تو اُنہوں نے کئی سالوں تک اپنی توجہ بادشاہ کی تبدیلیٔ مذہب پر ہی مرکوز رکھی۔ جب اُن کو نااُمیدی کے آثار صاف نظر آنے لگے تب اُنہوں نے عوام میں تبلیغ و اشاعتِ انجیل کا کام شروع کیا۔

(۳) اس کے علاوہ مغلیہ سلطنت میں یورپ کے ممالک کے مسیحی بڑے شہروں میں رہتے تھے۔ اُن کی ایک بڑی تعداد رُومی کلیسیا کے شرکا کی تھی پس مبلغین کو اُن کی نگہبانی کا کام بھی سرانجام دینا ہوتا تھا۔ رُومی کلیسیا کے یہ شرکا زیادہ تر بنگال اور گجرات کے صوبوں کے ساحلی مقامات پر تجارت، طبابت اور دیگر صنعت و حرفت کے کاموں میں مشغول تھے۔ مغلیہ فوج کے توپچی بھی مسیحی ہوتے تھے۔ جب اکبر نے ۱۵۸۱ء میں کابل کی طرف فوج کشی کی تو مغربی ممالک کے مسیحی اس کی فوج میں ملازم تھے۔ جہانگیر کے زمانہ میں سلطنتِ مغلیہ میں ایرانی۔ تاتاری۔ حبشی۔ یہودی اور آرمینی وغیرہ مسیحی بھی بود و باش کرتے تھے اور مبلغین اُن کی بھی دیکھ بھال کرتے تھے۔

(۴) بدقسمتی سے اِن پردیسی مسیحیوں کی رُوحانی زندگی ایسی گھنونی تھی کہ اُن سے ہندو مسلمان نفرت کرتے تھے۔ اس کی بجائے کہ مبلغین کی زندگیوں کی طرح ان کے افعال و اعمال غیر مسیحیوں کو مسیحیت کی جانب لاتے وُہ اُن کو اُلٹا مسیحیت کی طرف سے برگشتہ کر دیتے تھے۔ قدرتی طور پر اس کا اثر بپتسموں کی تعداد پر پڑا۔ ایسے مسیحیوں کے ہوتے ہُوئے انجیل کی تبلیغ و اشاعت کی عمارت کو کھڑا کرنا بالکل ایسا ہی تھا جس طرح گھن سے کھائی ہُوئی لکڑی سے کسی پختہ عمارت کو تعمیر کرنا۔ پس ہم کو نو مریدوں کی تعداد کی کمی کو دیکھ کر حیرت نہیں ہوتی۔

(۵) مغلیہ سلطنت کا مذہب اسلام تھا اور قرآن و شریعت کے قوانین جاری تھے۔ پس عام طور پر بہت کم مسلمان اسلام کو ترک کر کے مسیحیت کو علانیہ قبول کرنے کی جرأت کرتے تھے۔

(۶) بعض اپنی لاچاریوں کا ذکر کر کے خفیہ بپتسمہ حاصل کر کے ایذاؤں اور مصیبتوں سے بچے رہنے کو غنیمت سمجھتے تھے۔

(۷) اعلیٰ ذاتوں کے ہندو بھی بہت کم بپتسمے پاتے تھے کیونکہ بپتسمہ کے بعد وُہ اپنی ذات

Marfat.com

برادری سے خارج کیے جاتے اور ملیچھ سمجھے جاتے تھے۔

(۸) اس کے علاوہ اُن کو اچھوت ذات کے بپتسمہ یافتوں سے مُساوات اور اخوت کا سلوک کرنا پڑتا تھا۔

(۹) بعض لوگوں کے دلوں میں مسیحیت اور بپتسمہ کے متعلق عجیب قسم کے وسوسے تھے۔ مثلاً ۱۶۲۳ء میں ایک معزز ہندو خاندان کے آدمی نے بپتسمہ پایا لیکن اُس کی بیوی کے چہرے پر بپتسمہ کے نام سے ہوائیاں اڑنے لگ جاتی تھیں کیونکہ اُس کو کسی برہمن نے یہ کہہ دیا تھا کہ جب کوئی ہندو عورت عیسائی ہوتی ہے تو تمام مسیحی جو گرجا میں حاضر ہوتے ہیں، اُس کے مُنہ میں تھوکتے ہیں! خُدا خُدا کرکے یہ وہم اُس کے دل سے نکلا اور اُس نے اور خاندان کے دیگر افراد نے بھی بپتسمہ پا لیا۔

(۱۰) ہندو نومُریدوں کی زیادہ تعداد ادنیٰ طبقوں اور غریب ذاتوں سے مسیحیت قبول کرتی تھی۔ جب کوئی ہندو یا مسلمان غریب طبقہ سے بپتسمہ پاتا تھا تو وہ اپنے گھر بار سے نکال دیا جاتا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ مُبلّغین کو اُس کی پرورش اور رہائش کا انتظام کرنا پڑتا تھا۔ ان مفلس مسیحیوں کے لئے مرزا ذوالقرنین اور دیگر خوشحال مسیحی فیاضی سے مُبلّغین کی دامے درمے مدد کرتے تھے اور بعض اوقات جہانگیر بھی ان کے لئے روپیہ دیا کرتا تھا۔ اِس بنا پر انگریز مسیحی جو جہانگیر کے دربار میں تھے مُبلّغین کو طعنے دیا کرتے تھے۔ مثلاً وِدِانگٹن (Withington) اور ٹیری (Terry) وغیرہ کہتے تھے کہ مُبلّغین کے نومُرید "روپیہ کی خاطر" بپتسمہ پاتے ہیں لیکن وہ سیاسی تعصّبات کی وجہ سے بھُول جاتے تھے کہ مُبلّغین کے سوا اِن نومُریدوں کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ تھا اور کہ جہاں مُبلّغین ان فلاکت زدوں کی مدد صرف چند آنے دیکر ہی کرتے تھے وہاں لاتعداد مسلمان اُمراء اُن کو کئی گناہ زیادہ روزینہ دے کہ مسیحیت سے رُوگرداں کر سکتے تھے۔ حق تو یہ ہے کہ باوجود تلاشِ بسیار کسی مورخ کو ایک ایسی مثال بھی نہیں ملی جس سے یہ ثابت ہو کہ مُبلّغین صرف روپیہ کا طمع دے کر ہی ہندوؤں اور مسلمانوں کو مسیحیت کے دام میں پھنساتے تھے۔

ہم ذکر کر چکے ہیں کہ اکبر کے عہد میں مُبلّغین نے ۱۵۹۹ء میں لاہور میں تقریباً چالیس اشخاص کو بپتسمہ دیا تھا اور ۱۶۰۰ء میں اُنہوں نے ۱۰۶ لوگوں کو بپتسمہ دیا۔ ۱۶۰۱ء کی دکن کی مہم کے بعد اُنہوں نے ستّر کو بپتسمہ دیا جن میں اکثریت ایسے بچوں کی تھی جن کے باپ پرتگیز

Marfat.com

اور مائیں ہندوستانی تھیں یا جو ولد الزنا تھے ۱۶۰۴-۱۶۰۵ء کے پُر آشوب زمانہ میں کسی شخص نے بپتسمہ حاصل نہ کیا۔ جب جہانگیر تخت نشین ہوا اور اُس کی حمایتِ اسلام کی پالیسی کا ہر جگہ چرچا ہو گیا تو اس کا اثر قدرتی طور پر مسیحیت کی تبلیغ و اشاعت پر پڑا۔ چنانچہ اُس سال آگرہ میں صرف بیس اشخاص مسیحی ہوئے اور دو سال تک صرف ایک قلیل تعداد نے ہی مسیحیت کو اختیار کیا۔ جب ۱۶۰۸ء میں جہانگیر نے وسیع المشربی اور آزاد خیالی کی پالیسی کو پھر اختیار کر لیا تو مسیحیوں کی تعداد بڑھنی شروع ہوئی۔ ۱۶۱۰ء اور ۱۶۴۶ء کے درمیان پادری ڈے کاسترو نے بہت ہندوؤں کو بپتسمہ دے کر کلیسیا میں شامل کر لیا۔ ۱۶۱۸ء میں چالیس بالغوں نے ساتھ میں بپتسمہ پایا۔ ۱۶۱۹ء میں جب طاعون کی وبا کا دور دورہ ہوا اور کسی کو انسان کا خوف دہراس نہ رہا بلکہ ہر شخص کا خیال آئندہ جہان کی طرف لگا تھا تو اُن ایام میں بہت لوگوں نے بپتسمہ پایا لیکن بپتسمہ یافتوں کی ایک اچھی خاصی تعداد اِس دُنیا سے کوچ کر گئی۔ جہانگیر کی وفات سے چار سال پہلے مُبلغین نے ایک سَو لوگوں کو بپتسمے دے کر کلیسیا میں شامل کر لیا، اور بادشاہ کی وفات سے ایک سال پہلے کشمیر کے صُوبہ کے گاؤں کے گاؤں مسیحی ہونے کے خواہشمند تھے۔

جہانگیر کی تخت نشینی کے چند سال بعد مُبلغین کی یہ اُمید جاتی رہی کہ جہانگیر اور اُس کے ساتھ ہندوستان کی تمام رعایا کے لوگ مسیحی مذہب اختیار کر لیں گے۔ پس وُہ اِن سالوں میں اب عوام الناس میں انجیل کا پیغام اور مسیحی نجات کی تبلیغ و اشاعت میں کوشش کرنے لگے۔ جہانگیر کی پالیسی کے بدلنے کے بعد اُنھوں نے بھی اپنی پالیسی بدل لی۔ اَب وُہ نہ صرف فارسی زبان میں بادشاہ اور اُمرائے دربار کو انجیل کا پیغام دیتے تھے بلکہ عوام الناس کے لئے "ہندوستانی" زبان استعمال کرنے لگ گئے۔ وُہ اب اپنے آپ کو انجیل کے پیغام کے بیج بونے والے تصوّر کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمارے جانشین اِس بیج کی فصل کاٹیں گے اور اُن کی تبلیغی مساعی سے تمام ہندوستان مُنجیٔ عالمین کے قدموں میں آ جائے گا۔ لیکن اُن کا یہ خواب بھی شرمندۂ تعبیر نہ ہُوا کیونکہ جیسا ہم آگے چل کر دیکھیں گے جہانگیر کے جانشین بادشاہ کٹر مسلمان اور حامیٔ اسلام تھے۔ اکبر کی وسیع المشربی اُس کی موت کے ساتھ ختم ہو گئی تھی اور جہانگیر کی آزادہ رَو اور نرم پالیسی بھی اُس کی وفات کے ساتھ ختم ہو گئی۔

اکبر اور جہانگیر کے عہد میں مسیحی مُبلغین کے کام کا جائزہ

ہم گزشتہ ابواب میں بتلا چکے ہیں کہ مُبلغین کے اکبری دربار میں جانے کے دو مقصد تھے۔ ایک مذہبی اور دُوسرا سیاسی۔ اُن

Marfat.com

کے مذہبی مقصد کے بھی دو پہلو تھے۔ اوّل یہ کہ اکبر بادشاہ مسیحیت کو قبول کر لے اور دوسرا پہلو یہ تھا کہ مغلیہ سلطنت میں مسیحیت کی اشاعت ہو۔ مبلّغین باوجود کوشش کے اکبر بادشاہ کو مسیحی کرنے میں ناکام رہے۔ اکبر دل سے خداوند مسیح کا مداح تھا اور انجیل کی روحانی تعلیم کی عظمت کا قائل تھا۔ وہ انجیل کو بڑے شوق سے سنتا تھا اور اسلام اور مسیحیت کے مقابلہ اور موازنہ اور مناظروں کو بڑے غور سے سنا کرتا تھا۔ لیکن وہ تثلیث کے عقیدہ کو قبول نہیں کر سکتا تھا اور آخری دم تک اپنے ایمان پر ہی قائم رہا۔

جب مبلّغین اکبر کی طرف سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے عوام الناس کو انجیل کا پیغام دینے کی طرف توجہ کی۔ اُن کو تبلیغ و اشاعت کے کام میں قدرے کامیابی حاصل ہوئی اور متعدد ہندو اور مسلمان مسیحی کلیسیا میں بپتسمہ پاکر شامل ہو گئے۔ اُن کی تعداد گو کم تھی لیکن جن لوگوں نے مسیحیت کو قبول کیا وہ اپنے اعتقاد میں راسخ تھے کیونکہ مبلّغین عموماً صرف ایسے لوگوں کو ہی بپتسمہ دیتے تھے جن کی طرف سے اُن کو کامل یقین ہوتا کہ وہ اپنے ایمان کا انکار نہیں کریں گے۔ جہانگیر کی تخت نشینی کے وقت آگرہ اور لاہور میں چھوٹی چھوٹی کلیسیائیں وجود میں آگئیں تھیں۔ ان کلیسیاؤں کے استحکام کے لئے یہ لازم ہو گیا کہ مبلّغین مغلیہ دربار میں رہیں۔

جہانگیر نے اپنی شاہزادگی کے ایام میں حتی المقدور یہ کوشش کی کہ وہ مبلّغین کا منظور نظر ہو جائے پس وہ اکثر یہ ظاہر کرتا تھا کہ وہ مبلّغین اور مسیحیت سے محبت رکھتا ہے۔ شاہزادہ سلیم کو یہ علم تھا کہ خسرو کی وجہ سے اُس کا تخت و تاج کا وارث ہونا کوئی یقینی بات نہیں ہے۔ اُس کو یہ بھی نظر آتا تھا کہ اگر اکبر کی وفات کے بعد تخت کے وارثوں میں جنگ ہوئی تو پرتگیزی حکومت کی زبردست طاقت اُس کی پشت پر تب ہی ہو گی اگر وہ مبلّغین کو اپنے ہاتھ میں رکھے گا پس وہ ہر ممکن طور پر کوشش کرتا تھا کہ مبلّغین اُس کے دوست اور ہوا خواہ بنے رہیں۔ بیچارے سادہ لوح مبلّغین اُس کے جھانسے میں آکر یہ سمجھنے لگے کہ اگر اکبر عیسائی نہ ہوا تو جہانگیر تخت نشین ہو کر ضرور مسیحی ہو جائے گا۔

اکبر ایک دیندار مذہبی شخص تھا جو تقلیدی اسلام کے بندوں سے نکل کر سچے مذہب اور حق کی تلاش میں سرگرداں رہتا تھا۔ لیکن جہانگیر مذہب کا ویسا دلدادہ نہ تھا۔ وہ مسیحی مسائل و عقائد سے اچھی واقفیت رکھتا تھا لیکن اکبر کی طرح حق کا طالب نہ تھا۔ مذہبی مناظرے اور دینی امور اُس کی تفریح کا ہی موجب تھے۔ وہ علمائے اسلام اور مبلّغین کے مناظروں کو اُسی شوق سے سنتا تھا جس طرح وہ ہاتھیوں کی لڑائی یا تلوار کے کھیلوں اور دیگر تماشوں کو دیکھتا تھا۔ یہ سب

Marfat.com

اُس کے مشغلوں میں شامل تھے اور اُس کی تفریح کا باعث تھے۔ جب کبھی وہ مناظروں کو سنتا اور علماء مبلّغین کا معقول جواب نہ دے سکتے تو وہ علماء کو چڑانے کے لئے کھلکھلا کر ہنس پڑتا اور اکثر مناظروں میں مبلّغین کا طرفدار ہوکر بولتا تھا۔ اُس نے کبھی یہ چھپانے کی کوشش بھی نہ کی کہ وہ اسلام کو کس نظر سے دیکھتا ہے اگرچہ مصلحتاً تخت نشینی کے بعد وہ اپنے تخت و تاج کے قیام کی خاطر حامیٔ دینِ اسلام ہو گیا تھا۔ غریب مبلّغین اسی مغالطہ میں رہے کہ جہانگیر کسی نہ کسی وقت ضرور مسیحی ہو جائے گا۔ جب وہ دیکھتے تھے، کہ جہانگیر مسیحی تصاویر پر فدا ہے تو اُن کی اس خام خیال کو اور بھی تقویت ملتی۔ وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ اکبر کی طرح جہانگیر بھی خوبصورت تصاویر کا عاشق تھا۔ اُس کو مصوّری اور نقاشی کا شوق تھا۔ اعلیٰ ترین تصاویر اور نادر اشیا کو جمع کرنے کا اُسے جنون تھا اور وہ ان فنون کا بہترین نقّاد تھا۔ جہانگیر ایک واحد خدا پر ایمان رکھتا تھا اور کسی مذہب کے عقائد و رسوم سے وابستگی نہ رکھتا تھا۔ پس اُس نے ہندوؤں، زرتشتیوں یا مسیحیوں کے عقائد و رسوم یا دستورات کو کبھی پسندیدگی کی نگاہ سے نہ دیکھا۔

اب رہا سیاسی پہلو۔ اکبر کی حکومت کے آخری دو سالوں تک یہ پہلو پوشیدہ رہا گو مبلّغین ابتدا ہی سے مغلیہ سلطنت کی ایک ایک بات گوا کی پرتگیزی حکومت تک پہنچا دیتے تھے۔ جہانگیر کی تخت نشینی کے بعد جب انگلستان اور ہالینڈ کے تاجر اور سفیر مغلیہ دربار میں آ ملے گئے تو مبلّغین اچھے خاصے پرتگیزی سفیر بن گئے۔ اُن کے قومی تعصبات اور سیاسی مشاغل نے اُن کے تبلیغی کام پر پانی پھیر دیا۔ مبلّغین پولٹیکل ایجنٹ بن گئے اور سیاسی چالوں میں اُلجھ گئے جن کی اُن کو سوجھ بوجھ نہ تھی۔ اِن بیچاروں کو یہ پتہ نہ لگا کہ پرتگیزی حکومت خود دم توڑ رہی تھی اور چند دنوں کی مہمان تھی، کیونکہ انگلستان اور ہالینڈ کے ممالک کی طاقت روز افزوں ترقی پر تھی اور پرتگال و سپین کی سلطنت کا دیوالہ نکل رہا تھا۔ جب ۱۵۸۰ء میں پرتگال اور سپین کا الحاق ہوگیا تو جو زر پرتگال اپنی نو آبادیوں پر خرچ کرتا تھا وہ اب دوسری مدّوں پر خرچ ہونے لگ گیا تھا۔ پرتگیزی طاقت کے زوال کا ایک بڑا سبب اُن کا غرور اور تکبر تھا۔ واسکوڈے گاما کے نزول سے ہی پرتگیزوں نے کبھی یہ کوشش نہ کی کہ اپنے مشرقی مقبوضات کے باشندوں سے رابطہ محبت قائم کریں۔ اُن ایام میں مغرب و مشرق کے ممالک پرتگیزوں کی بری اور بحری طاقت اور جنگی ہنر کا لوہا مانتے تھے اور اُن کے اتحادی بنا چاہتے تھے لیکن پرتگیزوں کے قومی افتخار، غرور اور تکبر نے اُن کو کہیں کا نہ رہنے دیا۔ وہ سب مشرق و مغرب کے ممالک کو حقارت و نفرت

Marfat.com

کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ وہ سمندروں کے مالک بنے ہوئے تھے اور اُن کو اس بات پر ناز تھا۔ لیکن یہی کانٹا سب کی آنکھوں میں کھٹک رہا تھا۔ پس جب اُن کو زک ملی تو اُن کا کوئی یار و مددگار نہ رہا۔ یہ مُبلّغین تو نرے مذہبی آدمی تھے، لیکن جہانگیر سیاسی چالوں کا شاطر تھا۔ اُس نے انگلستان اور ہالینڈ کی بڑھتی ہوئی طاقت کا صحیح اندازہ کر کے اُن کی باہمی پھوٹ سے فائدہ اُٹھایا اور گوآ کی حکومت کو مات دینے لگا۔ جب ۱۶۱۳ء میں پرتگیزوں نے عہد شکنی کر کے مغلیہ سلطنت کے جہازوں کو پکڑ لیا تو جہانگیر نے ریا کا پردہ چاک کر دیا اور وہ اپنے اصلی رُوپ میں مُبلّغین کو نظر آنے لگا۔ اُس نے لاہور اور آگرہ کے گرجاؤں کو مُقفّل کرنے کا حکم دے دیا۔ مُبلّغین کو اُن کے مکانوں سے نکال دیا۔ پادری جیروم زیویئر کو حکم دیا کہ گوآ واپس چلا جائے۔ اُس کی بیس سالہ تبلیغی محنت خاک میں مل گئی اور وہ ناشاد و نامُراد گوآ چلا گیا۔ اُس کی کمر ہمت ٹوٹ گئی۔ جب ایک مغل افسر نے ۱۶۱۷ء کے شروع میں اُس کو واپس آگرہ آنے کے لئے لکھا تو اُس نے جواب دیا کہ میرا جسم گوآ میں ہے لیکن میرا دل آگرہ میں ہی ہے۔ اگر میں وہاں شہید بھی کر دیا جاؤں تو میں اس کو اپنی خوش قسمتی خیال کروں گا۔ وہ ۲۷ جون ۱۶۱۷ء کے روز اپنے کمرہ میں آگ سے جلا ہوا مُردہ پایا گیا۔ پرتگیزی سلطنت نے مُبلّغین کو اپنی سیاسی اغراض کا آلہ کار بنا رکھا تھا۔ اُن کے سیاسی مقصد نے اُن کی تبلیغی مساعی کو بھی اُجاگر نہ ہونے دیا، اور زیویئر جیسا زبردست مبلّغ، عالم اور مصنف (جس کے ثانی تاریخِ کلیسیا میں بہت کم نظر آتے ہیں) ہندوستان کو مسیح کے قدموں میں لانے میں ناکام رہا۔

فصل چہارم

پادری جیروم زیویئر کی تصنیفات

پادری جیروم زیویئر ایک زبردست جیّد اور عالم متبحر جوشیلا مبلّغ، مسیحی دینیات کا ماہر اور قابل مناظر تھا۔ اُس کی کتابوں سے اُس کے علم کی وُسعت اور تبلیغی جذبہ کی تَوجہ بخوبی عیاں ہے۔ حُسنِ اتفاق سے اُس کو مترجم بھی ایسا ملا جو ذہن رسا رکھتا تھا۔ اکبر

Marfat.com

نے عبدالستار بن قاسم لاہوری کو حکم دیا تھا کہ وہ پرتگیزی زبان پادری زیویئر سے سیکھے۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب ثمرۃ الفلاسفہ (جس کا ایک قلمی نسخہ رامپور کے کتب خانہ میں موجود ہے) کے دیباچہ میں لکھتا ہے: "شاہنشاہِ غیب دان این گمنام راطلب فرمود۔ فرمان شد کہ زبانِ فرنگی آموزد۔ و اسرار این ملت و احوالِ سلاطینِ این گروہ و حکمائے یونان زمین و ملتین[1] از رُوئے کتبِ ایشان بفارسی گذارش دہد کہ این گروہِ نصاریٰ کہ پیوستہ پیشانی نیاز صندل بر آستانِ مقدس دارند از درگاہِ ہمایوں کام دل برگیرند۔" اُس نے زیویئر سے پرتگیزی زبان سیکھی۔ اس قابل زباندان کی مدد سے زیویئر نے اکبر اور جہانگیر کے لئے ذیل کی کتابیں لکھیں:-

۱۔ مراۃ القدس یعنی داستانِ حضرت عیسیٰ۔

یہ کتاب پہلے پہل پرتگیزی زبان میں لکھی گئی اور بعد میں عبدالستار کی مدد سے اس کا ترجمہ فارسی میں کیا گیا۔ یہ کتاب اناجیل کے اقتباسات پر اور چند روایات و قصص پر مشتمل ہے۔ اس کے چار باب ہیں۔ پہلے باب میں خداوند مسیح کی پیدائش اور طفولیت کا ذکر ہے۔ دوسرے باب میں آپ کے معجزات اور تعلیمات کا خلاصہ ہے۔ تیسرے باب میں منجی جہان کی صلیبی موت کا اور چوتھے باب میں ابن اللہ کی ظفریاب قیامت اور صعودِ آسمانی کا ذکر ہے۔

اکبر نے حکم دیا کہ یہ کتاب اُس کے سامنے پڑھی جائے۔ وہ اس کتاب کی بڑی قدر کرتا تھا۔ جہانگیر نے بھی شاہزادگی کے زمانہ میں اس کو پڑھا اور حکم دیا کہ اس کی ایک نقل کی جائے۔ اکبر نے خود اس کتاب کا نام "مراۃ القدس" تجویز کیا۔ جو نسخہ جہانگیر کے لئے نقل کیا گیا اُس میں نو عدد تصویریں شامل کی گئیں۔ تیسرے باب کے شروع میں مسیح مصلوب کی تصویر تھی۔ طفولیت کے باب میں خداوند مسیح کی طفولیت اور مقدسہ مریم خاتون کی تصویر تھی علیٰ ہٰذا القیاس دیگر ابواب میں بیانات کے مطابق موزوں تصاویر تھیں۔

اس کتاب کا دیباچہ ۱۶۰۲ء میں بمقام آگرہ لکھا گیا۔ اس کا ایک نسخہ لاہور کے عجائب خانہ میں موجود ہے جس میں گیارہ تصویریں ہیں۔ اس پر اکبر کی مُہر بھی درج ہے۔ لیکن نسخہ خستہ حالت میں ہے اور غیر مکمل بھی ہے۔ ایک اور نسخہ پٹنہ کی اورینٹل پبلک لائبریری میں ہے، جو مکمل ہے اور ۱۶۲۷ء میں لکھا گیا تھا۔

(۲) چشمۂ حیات یعنی آئینۂ حق نما۔ پادری زیویئر کی تمام کتابوں میں اس کتاب کو

---

[1] دیکھو المعارف جنوری ۱۹۲۶ء [2] یونانی اور لاطینی حکما۔

Marfat.com

ایک خاص جگہ حاصل ہے۔ یہ کتاب پہلے پہل ۱۵۹۷ء میں پرتگیزی زبان میں لکھی گئی اور اس کا عنوان (Fuente de Vida) یعنی چشمۂ حیات تھا۔ اس کا فارسی ترجمہ بھی عبدالستار کی مدد سے ۱۶۰۹ء میں مکمل کیا گیا اور اس کا نام "آئینۂ حق نما" رکھا گیا۔ دیباچہ میں زیویئر لکھتا ہے کہ بارہ سالوں سے مجھے سلطنت کی آستانہ بوسی کا فخر حاصل رہا ہے اور یہ کتاب شہنشاہ جہانگیر کے نام بطور شکر گذاری کے نہایت انکساری کے ساتھ معنون کی جاتی ہے۔

اِس کتاب کے مطالعہ سے ہم پر ظاہر ہو جاتا ہے کہ زیویئر اسلام سے کس قدر روا قف تھا۔ یہ کتاب پانچ حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصہ (جس میں پانچ باب ہیں) میں اِس امر پر بحث کی گئی ہے کہ خُدا نے کس مذہب کے ذریعہ اپنا مکاشفہ عالم و عالمیان پر ظاہر فرمایا ہے۔ دُوسرے حصہ میں آٹھ باب ہیں۔ ان میں بحث کا موضوع خُدا کی وُہ ذات و صفات ہیں جن کا ذکر کتابِ مُقدّس میں آیا ہے۔ اس میں توحید فی التثلیث پر مفصل بحث کی گئی ہے اور بتلایا گیا ہے کہ بائبل خُدائے واحد کی تعلیم دیتی ہے اور عیسائی نہ تین خُدا مانتے ہیں اور نہ اس قسم کی تثلیث کے قائل ہیں جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔ تیسرے حصے میں نو باب ہیں جن میں اُلوہیتِ مسیح پر مفصل اور سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ مسیح کے قرآنی خطابات کلمۃ اللہ اور رُوح اللہ کی انجیلی تشریح کی گئی ہے۔ چوتھے حصے کے آٹھ باب ہیں جن میں اِسلام اور مسیحیت کی تعلیم کا موازنہ کرکے انجیلی تعلیم کو برتر اور افضل ثابت کیا گیا ہے۔ آخری حصے میں بھی آٹھ باب ہیں جن میں مسیحیت کو مذاہبِ عالم سے برتر و بالا اور افضل و اعلیٰ ثابت کیا گیا ہے۔

یہ کتاب مُکالمات کی صُورت میں لکھی گئی ہے جس میں ایک قسیس ایک روشن خیال فلاسفر (جو درحقیقت اکبر بادشاہ ہے) سے گُفتگو کرتا ہے۔ مُسلم اعتراضات کو ایک عالم پیش کرتا ہے جب اسلامی تعلیم کا ذکر آتا ہے تو قسیس کا رُوئے سُخن اِسی مُسلم فاضل کی جانب ہوتا ہے۔ اِس کتاب میں مسیحیت کی حمایت اور تائید میں وُہ تمام دلائل پیش کئے گئے ہیں جو یورپ کے ممالک میں قرونِ وُسطیٰ میں مسیحی متکلّمین پیش کیا کرتے تھے۔ اسلام اور مسیحیت کے مابین مشکل کوئی ایسا متنازعہ فیہ مسئلہ ہوگا جس کا ذکر زیویئر نے نہ کیا ہو۔

۳۔ انتخاب آئینۂ حق نما۔ چُونکہ "آئینۂ حق نما" ایک نہایت طویل اور ضخیم کتاب تھی اور اکبر کو علمی مشاغل کے علاوہ سلطنت کے اُمور کی جانب بھی توجہ دینی ہوتی تھی اور اُس کو اتنی فرُصت نہ تھی کہ تمام کتاب پڑھوائے پس پادری زیویئر نے اِس کتاب کا ایک خلاصہ تیار کیا جس

Marfat.com

میں اُس نے مختصر طور پر، بغیر کلام کو طول دیئے وُہ سب کچھ درج کر دیا جو "آئینۂ حق نما" میں تھا۔ عبارت آرائی اور مکالمات کی صُورت کو حذف کر کے کتاب کو چار ابواب پر ختم کر دیا گیا۔

اِس کتاب کو بڑی شہرت حاصل ہُوئی۔ اُس کی ایک نقل ایران میں جا پہنچی جہاں ایک مسلمان عالم احمد بن زین العابدین نے اِس کا جواب لکھا اور جواب کا نام "مصقلِ صفا در تجلیہ و تصفیۂ آئینۂ حق نما در ردِّ مذہب نصاریٰ" رکھا۔ یہ جواب ۱۶۲۳ء شائع ہُوا جس کا جواب الجواب عربی میں شہر رُوم سے ۱۶۲۸ء میں شائع کیا گیا۔ ایک اَور جواب الجواب ایک فرانسسکی پادری فلپ گوادانیولی Guadagnoli نے عربی میں ۱۶۴۹ء میں لکھا جو شاہجہان کے عہد میں ہندوستانی بشپ میتھیوس Matheus کے پاس تھا۔ رُومی کلیسیا کے مُبلغین بیجاپور وغیرہ مقامات میں دورانِ مناظرہ اِس کتاب سے مدد لیا کرتے تھے۔ یہ دُوسرا جواب الجواب ایسا مدلل تھا کہ اس کو پڑھ کر احمد بن زین العابدین عیسائی ہو گیا۔ موجُودہ زمانہ کا مشہور ترکی مسیحی مصنف لطفی لیوونیان کی کتاب[1] سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مُسلم مناظرین احمد بن زین العابدین کے دلائل کو اب بھی استعمال کرتے رہیں۔

۴۔ داستانِ احوالِ حواریانِ حضرت عیسیٰ و ذکرِ مناقب ایشاں:

جب ۱۶۰۲ء میں زیویئر نے اپنی تصنیف "داستانِ حضرت عیسیٰ" اکبر کے حضور پیش کی تو اُس نے زیویئر سے فرمائش کی کہ وُہ خُداوند مسیح کے حواریوں اور رسُولوں کی زندگی پر بھی ایک کتاب لکھے۔ اس کے تین سال بعد اکبر فوت ہو گیا لیکن زیویئر نے اُس کے حکم کے مطابق اُس کی وفات سے پہلے چار رسُولوں کے تذکرے لکھ کر اُس کے حضور پیش کئے۔ اس کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ یہ کتاب "بدستیاری مولانا عبدالستار" پرتگیزی زبان سے فارسی میں ترجمہ کی گئی۔ اِس مخطوط کتاب کا ایک نُسخہ لُووین (Louvain) کی جیسوئٹ لائبریری میں موجُود ہے جس پر اکبر بادشاہ کی مُہر درج ہے۔

اکبر کی وفات کے بعد اِس نامکمل کتاب میں اضافہ کیا گیا اور نیا نُسخہ زیویئر نے جہانگیر کے حضور ۱۶۰۶ء میں (جیسا ہم سطورِ بالا میں ذکر کر آئے ہیں) پیش کیا۔ اس فارسی نُسخہ میں رسُولوں کی شہادتوں کی تصویریں بنی تھیں۔ جہانگیر ان تصویروں کو دیکھ کر اور رسُولوں کی زندگیوں کے وقائع کو پڑھ کر اس قدر متاثر ہُوا کہ اُس نے حکم دیا کہ اُس کے آگرہ کے محل کی دیواروں پر ان تصاویر کو منقوش کیا جائے۔

1. Muslim Mentality By Prof. L. Levonian, 1928 p. 190.

Marfat.com

زیویر نے اِس کتاب کو ۱۶۰۹ء میں مکمل کیا اور اس کا نام "وقائع حواریانِ دلنوازگان" رکھا۔ اس نسخہ کی دو نقلیں کلکتہ کی بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کی لائبریری میں موجود ہیں۔ مکمل کتاب انجیلی مجموعہ کی کتاب اعمال الرسل پر اور کلیسیائی روایات پر مبنی ہے۔ اس میں مقدس پطرس۔ پولس، اندریاس، یعقوب۔ یوحنا۔ توما۔ یعقوب ثانی۔ فلپس۔ برتلمائی۔ متی۔ شمعون۔ یہوداہ، اور متھیاس کے سوانح حیات درج ہیں۔

اِس کتاب کو لکھنے کا اصل مقصد یہ تھا کہ سب خاص و عام پر ظاہر ہو جائے کہ مسیحی مذہب جبر اور تلوار کے بغیر امن اور سلامتی کے ساتھ ہر طرف پھیلتا چلا گیا تھا۔

۱۸۹۴ء میں سیر دھنہ کے فرانسسکی کیپیوچن قسیسوں نے اس کتاب کا اُردو میں ترجمہ کیا اور اس کا نام "نسخہ کتاب بارہ آپاسل" رکھا۔

۵ - زبُور کی کتاب کا فارسی ترجمہ :-

زبُور کی کتاب کا ایک قدیم فارسی ترجمہ تیرھویں یا چودھویں صدی میں کیا گیا تھا۔ زیویر نے اِس قدیم ترجمہ کی مدد سے مزامیر کا از سرِ نو فارسی میں ترجمہ کیا۔

اِس قدیم فارسی ترجمہ کی کہانی بڑی دلچسپ ہے۔ شہر فلورنس (Florence) کا ایک سیّاح جام باتستا ویکیئے ٹی (Giambattista Vechietti) ایران کے راستہ سے ہندوستان آیا۔ یہ سیّاح ایک عالم زباندان تھا۔ وُہ مارچ ۱۶۰۴ء میں آگرہ پہنچا، جہاں پادری زیویر اور پادری مچادو مقیم تھے۔ پادری زیویر ایک خط میں لکھتا ہے :- "وُہ ہم سے دوستانہ تعلّقات رکھتا ہے۔ اُس نے ہم کو عربی انجیل کا ایک نسخہ دیا ہے جس کے حاشیہ پر لاطینی میں نوٹ لکھے ہیں۔ اُس کے پاس فارسی زبان میں داؤد کے زبُور کی کتاب ہے جو اُس نے بصد مشکل زرِ خطیر دے کر ایک یہودی سے حاصل کی تھی۔ یہ ترجمہ فارسی زبان میں ہے جس کے حرُوف عبرانی میں لکھے ہیں۔ دو سَو سال کے قریب ہُوئے کہ اس کو ایران کے ایک یہودی فاضل نے ترجمہ کیا تھا۔ اِس سیّاح کے پاس سلیمان کے امثال۔ غزل الغزلات۔ واعظ کی کتاب۔ جوڈِتھ کی کتاب اور آستر کی کتاب کے فارسی ترجمے ہیں جو عبرانی حروف میں لکھے ہیں۔ اُس نے بڑی محنت کر کے اِن عبرانی حروف کو فارسی حرُوف میں منتقل کیا اور اب یہ کُتب فارسی زبان اور فارسی حروف میں ہمارے پاس ہیں"۔

۶ - اناجیل کا ترجمہ :- اناجیل کے ترجمے بھی پادری زیویر سے منسُوب کئے جاتے ہیں۔

Marfat.com

چنانچہ آگرہ کے فرانسسکی کیپوچین قسیسوں کی لائبریری میں اناجیل کا ایک فارسی ترجمہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ زیویئر کے فارسی ترجمہ کی نقل ہے۔ مُلا عبدالقادر بدایونی لکھتا ہے کہ ابوالفضل تورات و انجیل سے واقف تھا اور اکبر نے اُس کو انجیل کا ترجمہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ ہم وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ ابوالفضل نے مبلغین کی مدد سے اس کام کو سرانجام دیا تھا لیکن یہ امر یقینی ہے کہ مُبلغین کے پاس اناجیل کے ایک سے زیادہ ترجمے تھے اور کہ یہ ترجمے اُنہوں نے خود نہیں کئے تھے۔ ہم اپنی تاریخِ کلیسیائے ہند کی جلدِ سوم میں ذکر کر آئے ہیں کہ نسطوری کلیسیا کے فاضلوں نے انجیل جلیل کا ترجمہ فارسی زبان میں کر دیا تھا۔ یہ ترجمے بہت تھے جن کو متعدد مسیحی عُلمائے یُونانی اور سُریانی زبانوں سے فارسی میں صدیوں پہلے کئے تھے۔ اِن ترجموں کے بعض نُسخے زیویئر اور دیگر مُبلغین کے ہاتھوں میں پڑ گئے۔ یہ نُسخے اُن کو کس طرح ہاتھ آئے؟ یہ ایک خُونی داستان ہے جس کا مفصل ذکر ہم انشاء اللہ کسی آئندہ جلد میں کریں گے۔ یہاں مختصر طور پر یہ لکھنا کافی ہے کہ ان ایام میں رُومی کلیسیا جنوبی ہند کی کلیسیاؤں کو اپنے جُوتے تلے لانے کی ازحد کوشش کر رہی تھی اِس کشمکش کے زمانہ میں ۱۶۰۰ء کے قریب نسطوری کلیسیا کا آرچ بشپ یروشلیم سے ہندوستان کی جانب آیا۔ اُرمز پہنچ کر اُس کو معلوم ہُوا کہ پرتگیزی سلطنت نے حُکم بھیجا ہے کہ اُس کو ہندوستان آنے نہ دیا جائے۔ پس وہ ایران کے راستہ لاہور کی جانب چل پڑا لیکن وہ اِس خشکی کے راستہ میں شہید کر دیا گیا اور اُس کا مال و اسباب اور کتابیں سب کی سب لُوٹی گئیں۔ اِن کتابوں کا ایک بڑا حصہ پادری پن ہیرو کے ہاتھ آ گیا۔ جب اکبر کے دربار کے آرمینی مسیحیوں کو یہ علم ہُوا کہ کتابیں رُومی کلیسیا کے مُبلغین کے پاس ہیں تو وہ غم و غُصہ سے بھر گئے کیونکہ وہ اُن کتابوں کو اور بالخصوص اناجیل کو اکبر کے حضور خود پیش کرنا چاہتے تھے۔ اِن ترجموں میں سے ایک ترجمہ ۷۶۰ھ (۱۳۵۹ء) میں کیا گیا تھا۔ ایک اَور ترجمہ ۴۲۸ھ سنِ عیسوی میں کیا گیا تھا۔ بالفاظِ دیگر یہ فارسی ترجمہ خلفائے عباسیہ کی حکومت کے زمانہ میں خلیفہ منصور کے عہد میں کیا گیا تھا۔ انجمن عیسوی کے مُبلغین نے اناجیل اربعہ کے ترجمہ کا ایک نُسخہ مذکورہ بالا سیاح کو دیا۔ ۱۳۵۹ء کا قدیم نسخہ ۱۶۰۵ء میں پوپ کو بھیجا گیا جس میں زیویئر اور پن ہیرو کے ہاتھوں کے لکھے ہُوئے نوٹ ہیں جو اب اسکول آف اورینٹل سٹڈیز لندن میں موجود ہے۔ فارسی اناجیلِ اربعہ کا ۴۲۸ھ کا نسخہ مُبلغین نے شاہِ سپین کو ۱۶۰۷ء میں بھیجا۔ جب جہانگیر ۱۶۰۷ء میں کابل کی مہم پر لاہور سے روانہ ہُوا تو اُس نے مُبلغین کو کہا کہ فارسی زبان میں کتابوں کو چھاپنا نہایت مشکل ہے۔ زیویئر نے اُس کو اناجیل اربعہ

Marfat.com

کا عربی ترجمہ دکھایا جو ۱۵۹۱ء میں ویٹی کن میں چھپا تھا۔ اُس نے کہا کہ مجھے اناجیل کا فارسی ترجمہ درکار ہے۔ اس پر زیویئر نے ایک اور فارسی ترجمہ کا لاطینی ولگیٹ ترجمہ کے ساتھ مقابلہ کر کے ایک ترمیم شدہ ترجمہ تیار کیا اور جہانگیر کی نذر کیا۔

۷۔ **بیانِ ایمانِ عیسویان**:۔ اِس فارسی رسالہ میں "رسُولوں کے عقیدہ" اور مُوسوی احکامِ عشرہ کی تشریح کی گئی ہے جس کے بعد رُومی کلیسیا کے احکامِ خمسہ کا بیان ہے۔ اس کتاب کا نُسخہ شکستہ حالت میں ہے اور پہلا حِصّہ ضائع ہو گیا ہے۔ رسُولوں کے عقیدہ کے پہلے لفظ جو اِس نسخہ میں پائے جاتے ہیں، یہ ہیں " و در عیسیٰ پسرِ اُوئے یگانہ صاحبِ ما"۔ دُعائے ربّانی کے الفاظ ملاحظہ ہوں:۔ "اے پدرِ ما یاں کہ در آسمان ہستی۔ نامِ شما پاک است۔ بیِن یدٰ[1] پادشاہی تو بشود۔ خواہشِ تو چنانچہ در آسمان و زمین است۔ اَے نوش دہندہ علی الدوام قُوت بدہ بمایاں امروز۔ بگذار گناہانِ مایاں ہمچناں مایاں بگذاریم از گناہ کنندگانِ خُود ہا۔ و مایاں را مبر درمیانِ صعوبت ہا۔ و نگاہ دار مایاں را از بدی عیون[2] زیرا کہ توانائی تُست و قدر تُست و پادشاہی تُست تا روزگاراں۔ آمین کام[3]۔

یہ رسالہ" روزِ دوشنبہ رجب المرجب ۱۸ سنہ الف وسبعہ" (۱۰۰۷ھ مطابق ۱۵۹۹ء) کے روز ختم ہُوا۔ اِس رسالہ کی مسیحی اصطلاحات قابلِ غور ہیں کیونکہ وُہ ایسے شخص نے اختراع کی ہیں جس نے اِس میدان میں پہلے پہل قدم رکھا تھا۔

۸۔ **تاریخ شہداء و مقدسین**:۔

اِس رسالہ میں مسیحی کلیسیا کے بعض شہیدوں اور مُقدّسوں کا ذکر ہے۔ اکبر نے فرمائش کی تھی کہ زیویئر انجمنِ عیسوی کے بانی اِگنیشیس لوئلا (Ignatius Loyala) کے سوانحِ حیات فارسی میں لکھے پس اُس نے اس رسالہ میں مُقدّس لوئلا اور دیگر شہیدوں اور مُقدّسوں کی سوانحِ حیات لکھے۔

۹۔ **القرآن**:۔ چونکہ زیویئر عربی زبان سے ناواقف تھا اُس نے بار بار اپنے یورپین احباب سے فرمائش کی کہ اُس کو قرآن کا لاطینی یا اطالوی یا ہسپانوی یا پرتگیزی ترجمہ بھیجیں۔ اُس نے کوشش کر کے قرآن کا ۱۶۱۵ء میں فارسی ترجمہ کروایا اور پھر اُس فارسی ترجمہ کو پرتگیزی زبان میں منتقل کیا تاکہ وُہ اہلِ اسلام سے احسن طور پر بحث و مناظرہ کر سکے۔

---

[1] تیری بادشاہی ہاتھ میں ہو۔ [2] جس پر نظر پڑے [3] (میری) مُراد ایسی ہی ہو۔

Marfat.com

۱۰۔ **انتخاب عقائدِ دینِ عیسویان:۔**
یہ رسالہ مذکورہ بالا ساتویں رسالہ سے مختلف تھا اور غالباً سوال وجواب کی صورت میں لکھا گیا تھا۔

۱۱۔ **آداب السلطنت:۔** اس کتاب کا مضمون نام سے ظاہر ہے۔ یہ کتاب ۱۶۰۹ء میں لکھی گئی۔

۱۲۔ **سوال وجواب کی کتاب:۔** یہ رسالہ ہندوستانی مسیحیوں کے لئے ۱۶۱۱ء میں لکھا گیا۔ اس سال سے پہلے ہندوستانیوں کو مسیحی عقائد کی تعلیم پرتگیزی زبان میں دی جاتی تھی کیونکہ ہندوستانی مسیحی یہ خیال کرتے تھے کہ انجیل جلیل کی زبان پرتگیزی ہے۔ جس طرح اکبر کی مسلمان رعایا عربی قرآن کو فخریہ حفظ کرتی تھی کیونکہ وہ عربی کو الہامی زبان تصور کرتی تھی اور ہندو سنسکرت کو ویدوں کی الہامی زبان سمجھتے تھے۔ ہندوستانی مسیحی غیر مسیحیوں کے سامنے فخریہ پرتگیزی زبان میں مسیحی عقائد سنایا کرتے تھے۔ یہ رسالہ "ہندوستانی" یعنی ہندی زبان میں تھا کیونکہ عربی اور فارسی زبانیں علم وفضل کی زبانیں تھیں جن کو امرا اور درباری استعمال کرتے تھے لیکن ہندی عوام الناس کی زبان تھی۔ ۱۶۱۱ء کے بعد مبلغین نے عوام الناس میں انجیل کی تبلیغ واشاعت کی طرف زیادہ توجہ دی۔ اس رسالہ کو مبلغین نے زیویئر کی مدد سے لکھا۔

مندرجہ بالا کتب کے علاوہ زیویئر نے متعدد کتابچے اور کتابیں مذہب، مغربی فلسفہ اور ادب کے متعلق تصنیف وتالیف کیں۔ مثلاً ایک کتاب فارسی زبان میں حکمائے مغرب کے اقوال پر اکبر کی فرمائش کے مطابق زیویئر نے ۱۶۰۴ء میں لکھی۔ ایک رسالہ مقدسہ مریم کی زندگی پر لکھا۔ ایک اور رسالے میں دعائیں اور مناجاتیں جمع کی گئیں۔ ایک کتاب میں سسرو (Cicero) کی تصنیف De Officiis کو فارسی میں منتقل کیا گیا۔ ان کے علاوہ زیویئر نے "مقولاتِ پلوٹارک"، "شرح بنائے روما و ذکرِ پادشاہان" اور "صحاف مقدمات ناسفہ" "ترجمۂ پلوٹارک"، "کتاب پلوٹارک درباب تسکین مرگ پسر"، "بعض مقدمات مرقس تولیس" وغیرہ رسالے اور کتابیں فارسی میں لکھیں۔

دیگر مبلغین نے بھی تصنیف وترجمہ کے کام میں حصہ لیا۔ مثلاً لاہور کے مبلغین نے کارڈینل بلرمینو (Bellar Mino) کی کتاب کا ترجمہ کیا اور اس کا نام "انتخاب عقائد واعمالیاتِ دینِ عیسویان" رکھا۔ یہ ترجمہ ۱۶۱۹ء سے پہلے کیا گیا۔ مسیحی اصطلاحات کو

Marfat.com

وضع کرنے اور دیگر الفاظ کو سمجھنے کے لئے مبلغین نے ایک ضخیم لغات تیار کی جو پرتگیزی فارسی اور ہندوستانی الفاظ پر مشتمل تھی۔ دو اور ڈکشنریاں تیار کی گئیں جن کا تعلق ان تینوں زبانوں کے الفاظ سے تھا۔ انھوں نے مسیحی اخلاقیات پر ایک کتاب لکھی جس کا نام "سراج المنیر" رکھا گیا۔ فارسی زبان کی تحصیل کی خاطر ایک فارسی کی صرف و نحو لکھی گئی۔ ایک اور رسالہ میں فارسی کی گرامر لاطینی زبان میں لکھی گئی۔

باب ہشتم

ابوالمظفر شہاب الدین محمد صاحبقران ثانی شاہجہان بادشاہ غازی

فصل اوّل

شاہجہان کا عہدِ سلطنت

جہانگیر کی وفات

۱۶۲۷ء میں جہانگیر کشمیر گیا۔ وہاں وہ مرض الموت میں گرفتار ہوگیا۔ جب وہ آسان منزلیں طے کرکے لاہور کی جانب آرہا تھا تو ۲۸ اکتوبر (۲۸ ماہ صفر ۱۰۳۷ھ) کے روز راہ میں راہئ ملکِ عدم ہوگیا۔ موت کے وقت اُس کی عمر ۵۹ سال کی تھی۔ برنیئے اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ "مجھے یہ بتلایا گیا ہے کہ جب جہانگیر موت کے قریب تھا تو اُس نے مبلغین کو بلوا بھیجا لیکن کسی نے اُن کو پیغام نہ پہنچایا۔ لیکن بعض کہتے ہیں کہ یہ بات غلط ہے۔ جہانگیر مذہب اور دین کی طرف سے اپنی زندگی اور موت دونوں میں لاپرواہ تھا۔" (صفحہ ۲۸۸) اُس کی موت کے بعد شاہزادہ خرم تخت نشین ہوا۔

Marfat.com

پیدائش اور اوائل عُمر کے واقعات

شاہزادہ خرّم (جیسا ہم ذکر کر چکے ہیں) راجہ اُودے سنگھ کی بیٹی راجہ مالدیو فرمانروائے جودھپور کی پوتی کے شکم سے ۱۰۰۰ھ میں شہر لاہور میں پیدا ہُوا۔ پس اُس کی رگوں میں مغلیہ خُون سے زیادہ ہندوستان کا خُون تھا۔ اکبر اُس کو بہُت پیار کرتا تھا اور وُہ ہر وقت دادا کی خدمت میں حاضر رہتا تھا۔ دادا بھی اُس کی ذات سے بڑی اُمیدیں رکھتا تھا۔ جہانگیر اُس کو بہت پیار کرتا تھا اور اُس کو "بابا" یا "بابا خرّم" کہا کرتا تھا۔ وُہ بھی ایک رشید اور سعادت مند بیٹا تھا، جو اپنے علم اور تلوار کے کارناموں سے اپنی قابلیت کی داد لیتا تھا۔ اُس نے راجپوتانہ اور دکن میں کارہائے نمایاں کئے۔ جہانگیر نے نہایت خُوش ہو کر اُس کو "شاہِ جہان" کا خطاب عطا کیا۔ اِس قسم کا شاہی خطاب آلِ تیمور میں سے کسی کو بھی عطا نہ ہُوا تھا۔ اُس کے ملازموں اور مقرّبوں کو عالی مرتبے دیئے گئے۔ خانخاناں کے بیٹوں نے دکن میں جان نثاریاں کی تھیں پس جہانگیر نے اُنہی دِنوں شاہ نواز خان کی بیٹی (خانِ خاناں کی پوتی) سے شاہجہان کی شادی کر دی۔ نُور جہاں کا بھائی آصف خاں وزیرِ کُل بھی اُس کا خُسر تھا جس کی بیٹی شاہجہان کی چہیتی بیگم ارجمند بانو (ممتاز محل) تھی۔

اِن ایّام کی نسبت انگریز سفیر سر ٹامس رو لکھتا ہے "مَیں نے شاہجہان کا سا پُر سکون چہرہ کہیں نہیں دیکھا۔ وُہ ہمیشہ سنجیدہ رہتا ہے، حتیٰ کہ وُہ مسکراتا تک نہیں۔ وُہ خاص و عام کے درمیان خُودداری اور تکبّر سے رہتا ہے، اور اِس بات میں وُہ کسی کے لئے فرق سلوک نہیں کرتا۔ بعض اُس کو حسد کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، بعض اس کی خُوشامد کرتے ہیں، لیکن اُس سے محبت کوئی نہیں کرتا"۔ پچیس سال کی عُمر میں شاہجہان ایک خاموش، قابل، ... مہر اور تمکنت سے پُر منتظم شخص تھا۔

ہم ناظرین کو بتا چکے ہیں کہ قندھار کا علاقہ شاہانِ مغلیہ اور شاہانِ ایران کے درمیان متنازعہ فیہ تھا۔ شاہِ ایران شاہ عباس (از ۱۵۸۷ء تا ۱۶۲۹ء) نے ۱۶۲۲ء میں اُس پر قبضہ کر لیا۔ اس پر جہانگیر نے شاہجہان کو قندھار پر فوج کشی کرنے کا حکم دیا۔ لیکن شاہجہان کی سوتیلی ماں نُور جہان نے یہ مہم اپنے داماد عیش پسند شہزادہ شہر یار کے نام منتقل کروا دی۔ وُہ جہانگیر کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا۔ لیکن نُور جہان چاہتی تھی کہ شہر یار ولیعہد بن جائے پس وُہ جہانگیر کو شاہجہان کے خلاف بھڑکاتی رہتی تھی۔ نُور جہان درحقیقت کُل سلطنت کی مالک تھی۔ جہانگیر

Marfat.com

کے سکوں پر ضرب اور فرمانوں پر مُہر نور جہان بیگم کی ہوتی تھی۔ دُنیائے اسلام میں اس بات کی نظیر نہیں پائی جاتی۔ فقط خُطبہ میں بیگم کا نام نہیں ہوتا تھا پس شاہجہان نے مجبور ہو کر بغاوت اختیار کر لی۔ بیگم نے شاہزادہ مُراد کو لشکر جرار دے کر بھائی کے مُقابلہ پر بھیجا۔ اِس چال میں بھید یہ تھا کہ دونوں بھائیوں میں جو ہارا جائے گا شہریار کی ولی عہدی کے لئے میدان صاف ہو جائیگا۔ شاہجہان کی فوج کو شکست ہُوئی اور وُہ اپنا لشکر لے کر دریائے نربدا کے کنارے ہٹ گیا۔ جہانگیر نے شاہزادہ پرویز کو اُس کے خلاف بھیجا۔ غرض باپ بیٹوں کے بگاڑ اور سوتیلی ماں کی غرض پرستی سے خانہ جنگی شروع ہو گئی جس کی وجہ سے فوج کے جانباز دلاور اور پشتوں کے جانثار اور وفادار مَوت کے گھاٹ اُتر گئے اور قندھار کی مہم جُوں کی تُوں رہ گئی۔ جب نُور جہان بیگم نے دیکھا کہ اُس کا اپنا بھائی وزیر کُل بھی اُس کے خلاف ہے اور اپنے داماد شاہجہان کو ولی عہد بنانا چاہتا ہے تو اُس کی کمرِ ہمت ٹُوٹ گئی۔ بالآخر ۱۶۲۵ء میں جہانگیر اور شاہجہان کی باہمی صفائی ہو گئی۔

شاہجہان کی تخت نشینی

جہانگیر کی وفات اکتوبر ۱۶۲۷ء میں ہُوئی۔ شاہجہان دکن میں تھا۔ آصف خان نے اُس کو بلوا بھیجا۔ اِدھر نُورجہان کے ایما پر شہریار (جو تمام شاہزادوں میں سب سے خُوبصورت تھا) لاہور میں بادشاہ بن بیٹھا۔ آصف خان نے شہریار کو شکست دے کر اُس کو گرفتار کر کے اندھا کر دیا۔ شہریار میں عقل، لیاقت اور ہمت کی اس قدر کمی تھی کہ اُس کا نام ہی "ناشدنی" پڑ گیا تھا! نُورجہان کو دو لاکھ سالانہ وظیفہ دیا گیا۔ شاہجہان آگرہ پہنچکر ۸ جمادی الثانی مُطابق ۶ فروری ۱۶۲۸ء کے روز تخت نشین ہو گیا اور اُس نے اپنا نام اور القاب "ابوالمظفر شہاب الدین محمد صاحبقرانِ ثانی شاہجہان پادشاہِ غازی" اختیار کئے۔ اُس نے تاج و تخت کے تمام دعویداران کا خاتمہ کر دیا۔ چنانچہ شاہزادہ داور بخش بن شاہزادہ خسرو (جس کو آصف خان نے عارضی طور شاہجہان کے آگرہ آنے تک تخت پر بٹھایا تھا) تخت سے دستبردار ہو گیا۔ خسرو اور پرویز پہلے ہی راہیٔ مُلکِ عدم ہو چکے تھے۔ شاہزادہ شہریار اندھا کر دیا گیا تھا۔ شاہجہان نے شاہزادہ داور بخش اور شہریار اور شاہزادہ دانیال کے بیٹوں طہمورث اور ہوشنگ کی نسبت (جو جہانگیر کے حُکم کے مطابق عیسائی ہونے کے بعد واپس دائرہ اسلام میں چلے گئے تھے) اپنے دستِ خاص سے فرمانِ قتل بایں الفاظ لکھا "دریں ہنگام کہ آسمان آشوب طلب، و زمین فتنہ جُو است۔ اگر داور بخش پسرِ خُورد و برادرِ او۔ و شہریار۔ و پسرانِ شاہزادہ دانیال را آوارۂ صحرائے عدم ساختہ، دولت خواہاں را از توزع خاطر و

شورشِ دل فارغ سازند۔ بہ صلاح و صوابدید قریب تر خواہد بود"۔ (خاتمہ تزکِ جہانگیری مطبوعہ علیگڑھ صفحہ ۴۳۵) چنانچہ ۲۲ رجادی الاولی ۱۰۳۷ھ کو اس حکم کی پوری تعمیل ہوگئی اور خاندان مغلیہ کی اولادِ ذکور لاہور میں قتل کر دی گئی۔ اب شاہجہان سب طرف سے بے کھٹکا ہوگیا۔

شاہجہان کی اولاد

تخت نشینی کے وقت شاہجہان کی اولاد یہ تھی:۔

(۱) سب سے بڑی بیٹی جہاں آرا بیگم (ولادت ۱۶۱۴ء۔ وفات ۱۶۸۱ء) تھی۔ (۲) دارا شکوہ (ولادت ۱۶۱۵ء۔ وفات ۱۶۵۹ء)۔ (۳) شجاع (ولادت ۱۶۱۶ء۔ وفات ۱۶۶۰ء) (۴) روشن آرا بیگم (ولادت ۱۶۱۷ء۔ وفات ۱۶۷۱ء) (۵) اورنگزیب (ولادت ۴ر نومبر ۱۶۱۸ء وفات ۳ر مارچ ۱۷۰۷ء) (۶) مراد بخش (ولادت ۱۶۲۴ء۔ وفات ۱۶۶۱ء)۔ (۷) تخت نشینی کے دو سال بعد قدسیہ بیگم پیدا ہوئی۔ (ولادت ۱۶۳۰ء۔ وفات ۱۷۰۶ء)۔

مغلیہ سلطنت میں علوم و فنون کے باکمال اشخاص

شاہجہان کے دربار میں ہر علم و فن کے باکمال موجود تھے۔ اُس کے مشیروں میں اُس کا خسر آصف خان۔ مہابت خان اور علی مردان خان جیسے جنگجو اور تجربہ کار افسر اُس کے جان نثار خادم تھے۔ سعد اللہ خان جیسا دُور اندیش اور دانشمند شخص اُس کا وزیر باتدبیر تھا جو ہندومت ترک کر کے دائرۂ اسلام میں آیا تھا۔ وُہ ایک عالم شخص تھا جس کو شاہجہان نے "علامہ" کا خطاب عطا کیا تھا۔ ابوالفضل کے بعد سلاطینِ مغلیہ نے "علامہ" کا خطاب سعد اللہ خان کے سوا کسی کو نہ دیا۔ ابوالفضل کا شاگرد عبدالحمید شاہجہان کے واقعات لکھنے پر مامور تھا۔ وُہ ایک قابل انشا پرداز اور قادر الکلام شخص تھا۔ شاہجہان کی فوج کے متعدد جرنیل ہندو تھے جو اُس کے وفادار نمک خوار تھے۔

ہم گذشتہ ابواب میں لکھ آئے ہیں کہ اکبر علوم و فنون کا دلدادہ تھا۔ ابوالفضل نے اُن تمام باکمالوں کا ذکر کیا ہے جو فتحپور اور آگرہ میں جمع تھے۔ شیخ مُبارک کے حالاتِ زندگی سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اکبر نے اُسے تان سین کا گانا سنوایا تو شیخ نے صرف یہ داد دی کہ "ہاں۔ گا لیتا ہے"۔ ملا عبدالقادر بدایونی جیسا متشرع اور متعصب شخص بین بجانے میں مشاق تھا۔ جہانگیر شاعری، مصوری، نقاشی اور موسیقی کا نہ صرف دلدادہ تھا بلکہ اعلیٰ درجہ کا کمال شناس تھا۔ اُس کے عہد میں فنِ موسیقی بھی فنونِ لطیفہ میں داخل ہوگیا جس کی تحصیل کے بغیر علم اور تہذیب دونوں ناقص

Marfat.com

خیال کئے جاتے تھے۔ اُمرا اور شرفا کی اولاد کے لئے اِن تمام فنون کی تحصیل کا انتظام تھا۔ شاہجہان بھی اِن علوم و فنون کا ماہر تھا۔ چنانچہ علاء الملک تونی جو جلوسِ شاہجہانی کے ساتویں سال ہندوستان آیا جس کو بادشاہ نے "فاضل خان" کا خطاب عطا کیا، وہ اورنگزیب کے عہد میں عہدۂ وزارت پر فائز ہوا تھا۔ یہ شخص ہندوستانی موسیقی کا ایسا ماہر تھا کہ اُس کے زمانہ کے بڑے بڑے اُستاد اُس سے استفادہ کرتے تھے۔ بربنیے مُلا شفیعائے یزدی مخاطب بہ دانشمند خان کا ملازم تھا، جو سر آمدِ عُلمائے زمانہ تھا۔ اُس نے ہندوستان آتے ہی موسیقی میں کمال حاصل کر لیا۔ جب شاہجہان کی ماں دُلہن بن کر جہانگیر کے محل میں آئی تھی تو اُس کے گانے کا تمام محل میں شہرہ ہو گیا۔ جہانگیر نے خُوش گلو خواصوں کا ایک گروہ اُس کے سپُرد کر دیا، تاکہ اُن کی تعلیم و تربیت کرے۔ خود شاہجہان کا یہ حال تھا کہ تان سین کا جانشین لال خان تک اُس کا معترف تھا۔ مؤرخوں نے شاہجہان کے "دھرپد" میں ذوق کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا ہے (غبارِ خاطر مُصنّفہ مولانا ابوالکلام آزاد صفحہ ۳۲۶)۔

ہم گذشتہ ابواب میں بتلا آئے ہیں کہ اکبر کے عہد میں سنسکرت، عربی اور ترکی کتابوں کے ترجمے فارسی میں کئے گئے تھے۔ اُس کے عہد میں ہندی زبان کو بھی فروغ حاصل ہوا چنانچہ تُلسی داس۔ سُور داس اور خانخاناں ہندی کے مشہور شاعر تھے۔ فیضی کے علاوہ مُلّا ظہوری اُس کے عہد کا بڑا شاعر گذرا ہے۔ جہانگیر عُرفی کا بڑا مدّاح تھا۔ اُس کے عہد میں طالب آملی اور کلیم فارسی کے شاعر تھے۔ شاہجہان کے دربار میں (جیسا ہم سطورِ بالا میں بتلا چکے ہیں) اعلیٰ درجہ کے انشاپرداز، مصوّر، نقاش اور فنونِ لطیفہ کے ماہر موجود تھے۔

مُغلوں کے فنِ تعمیر کا آغاز ہمایوں کے مقبرہ سے ہوا اور اُس کا کمال تاج محل پر ختم ہو گیا۔ اکبری عہد میں فتحپور سیکری میں نئی عمارتیں پندرہ سال تک بنتی رہیں۔ جہانگیر کے عہد سے سنگِ مرمر کا استعمال ہونا شروع ہوا اور پچی کاری کو فروغ ہوا۔ عمارتوں کی آرائش کے لئے باغوں اور نہروں کا اضافہ کیا گیا۔ گنبد، مینار و محراب میں ایسی اصلاح کی گئی کہ وہ بیش از بیش متناسب اور موزوں ہو گئے۔ شاہجہان کے عہد میں بڑے بڑے اور نامور ہندوستانی مصوّر تھے۔ فنِ تعمیر نے اِنتہائی ترقی کی۔ چنانچہ تاج محل اس کی زندہ مثال ہے۔ اس کو فنِ تعمیر سے

۱؎ ارجمند بانو (ممتاز محل) ۱۵۹۲ء میں پیدا ہوئی۔ ۱۶۱۲ء میں اُس کی شادی شاہزادہ خرم سے ہوئی اور وہ چودہ بچوں کی ماں بنی۔ وہ ۱۷؍ ذیقعدہ ۱۰۴۰ھ کے روز فوت ہو گئی۔ شاہجہان کو اس قدر صدمہ پہنچا کہ اُس کی اپنی زندگی معرضِ خطر میں پڑ گئی، کیونکہ وہ قریباً اُنیس برس تک موافق اور ناموافق حالات میں اُس کی دانا صلاحکار، اور (باقی اگلے پر)

Marfat.com

ثبت لگا ہُوا تھا۔ چنانچہ اُس نے دہلی کا شہر بسایا۔ قلعہ معلّٰی، جامع مسجد وغیرہ کو تعمیر کیا۔ یہ عالی شان مسجد ۱۶۵۰ء میں تعمیر ہونی شروع ہوئی اور چھ سال کے بعد ختم ہوئی۔ ان عمارتوں کے لئے شاہجہان نے بخارا سے شیخ احمد کو بلوایا۔ یہ وہی شیخ احمد ہے جس کے پوتے شیخ کلیم اللہ دہلوی کا مزار جامع مسجد کے سامنے واقع ہے۔ لاہور کے قلعہ کی اکبری اور جہانگیری عہد کی متعدد عمارتوں کو گرا کر شاہجہان نے اُن کو پھر سے بنوایا۔ لاہور کے شالامار باغ کو بھی شاہجہان نے تعمیر کیا۔ جہانگیر نے سری نگر کا شالامار باغ بنوایا تھا۔

سلاطینِ مغلیہ کی بیگمات اور شہزادیوں کے فنِ تعمیر کے نمونے حوادثِ زمانہ کے ہاتھوں سے بچے رہے ہیں۔ چنانچہ اکبر کے عہد میں ماہم انگہ نے خاص عورتوں کے نماز پڑھنے کے لئے مسجد "خیر المنزل" بنائی۔ جہانگیر کے عہد میں نورجہان نے اپنے باپ کا مقبرہ "اعتماد الدولہ" آگرہ میں جمنا کے کنارے پر بنوایا جو "تاج محل" کے بعد مغلیہ سلطنت کی بہترین یادگار شمار کی جاتی ہے۔ دہلی کے روشن آرا باغ میں شاہجہان کی چھوٹی بیٹی کا مقبرہ ہے۔ یہ باغ روشن آرا اور سرہندی بیگم (جو شاہجہان کی ازواج میں سے تھی) نے لگایا تھا۔ "پرانی دہلی" کے موجودہ ریلوے سٹیشن اور ٹاؤن ہال کے درمیان جہان آرا بیگم نے ایک باغ لگایا تھا۔ سرہندی بیگم نے دہلی کے لاہوری دروازہ کے قریب ایک مسجد بنوائی۔ شاہجہان کی ایک بیوی فتحپوری بیگم نے دہلی کی مشہور فتحپوری مسجد تعمیر کی جو چاندنی چوک کے آخر میں واقع ہے۔

شاہ جہان نے دہلی کا لال قلعہ بنوایا جو ملک بھر میں آپ ہی اپنی نظیر ہے۔ فرانسیسی جوہری سیاح ژاں بپٹسٹ ٹیورنیئر (Jean Baptiste Tavernier) (جو فرانس کے بادشاہ لوئی چہاردہم کا جوہری تھا) ہم کو بتلاتا ہے[1] کہ شاہجہان کے جواہرات کو دیکھکر

(بقیہ حاشیہ) زندگی کی رفیقہ رہ چکی تھی شاہجہان نے اس مقبرہ کو (جو عجائباتِ روزگار میں سے ہے) اپنی چہیتی بیوی کے لئے بنوایا۔ پادری فے کا سترو کے مطابق تاج محل کا نقشہ کش اور معمارِ وینس کا باشندہ رہنے والا ایک عیسائی جیرونیمو ویرونیو Jeronimo Veronio تھا جو آگرہ کے قدیم قبرستان میں کچہری کے متصل مدفون ہے۔ اس شخص نے ہگلی کے بعض قیدیوں کا زرِ فدیہ دے کر آزاد کروایا کیونکہ کسی زمانہ میں پرتگیزوں نے اس کو بھی آزاد کروایا تھا۔ برنیئر کہتا ہے کہ "اس کے مقبرہ کے اندر کسی عیسائی کو جانے کی اجازت نہ تھی لیکن میں اس کے اندر نہ جا سکا" (سفرنامہ ص۲۹۰) جب شاہجہاں ۲۲ جنوری ۱۶۶۶ء کے روز مر گیا تو وہ بھی اسی مقبرہ میں ممتاز محل کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

1. Travels in India, by Jean-Baptiste Tavernier-2 Vols. (Oxford University Press).

Marfat.com

اُس کی آنکھیں خیرہ ہوگئیں۔ اُن میں ایک قیمتی پتھر تھا (جو غالباً "کوہِ نور" تھا) جس کی قیمت سے "دُنیا بھر کے تمام انسان ایک دن کا پیٹ بھر کر کھانا کھا سکتے تھے"۔ اُس نے تختِ طاؤس کو دیکھا جو لعلوں ہیروں اور موتیوں سے مرصع تھا۔ تخت کا چتر ہیروں اور موتیوں سے جڑا تھا۔ اس چتر کے اُوپر سونے کا طاؤس تھا جس کی دُم میں یاقوت چمک رہے تھے۔ وہ کہتا ہے کہ تختِ طاؤس کی قیمت پندرہ کروڑ روپیہ سے کم نہ تھی۔ وہ ہمیں بتلاتا ہے کہ بادشاہ اور اُمرا کی بیگمات کے لئے (Sirønj) میں ایسی باریک ململ تیار کی جاتی تھی جس میں سے اُن کا بدن تک نظر آتا تھا۔ محل کی بیگمات اِس ململ کے لباس کو گرمیوں کے موسم میں پہنتی تھیں۔

شاہجہان کی فتوحات

شاہجہان نے دکن کی طرف اپنی افواج کو بھیجا۔ اکبر صرف خاندیش اور برار کے ایک حصّہ کو مغلیہ سلطنت میں شامل کر سکا تھا۔ جہانگیر نے احمد نگر کو فتح کرنے کی کوشش کی لیکن ملک عنبر نے اُس کی پیش نہ چلنے دی۔ بیجاپور اور گولکنڈہ حسبِ سابق آزاد اور خود مختار بادشاہتیں تھیں۔ احمد نگر کی نظام شاہی مغلیہ سلطنت کی جنوبی سرحد کے قریب تھی اُس کو ۱۶۳۳ء میں فتح کر لیا گیا۔ بیجاپور اور گولکنڈہ کی ریاستیں شیعہ تھیں۔ پس شاہجہان ۱۶۳۶ء میں دکن پہنچا۔ سُلطانِ گولکنڈہ عبداللہ شاہ نے مرعوب ہو کر خراج دینا منظور کر لیا۔ بیجاپور کے بادشاہ عادل شاہ نے بھی شکست کھا کر اطاعت منظور کر لی۔ چالیس سال کی متواتر جنگوں کے بعد (از ۱۵۹۵ء تا ۱۶۳۶ء) دکن بالآخر فتح کر لیا گیا۔ شاہجہان نے اورنگزیب کو (جس کی عُمر اُس وقت ۱۸ سال کی تھی) دکن کا وائسرائے مقرر کیا۔ اب جنوبی ہند کی چار بادشاہیاں، خاندیش، برار، تلنگانہ اور دولت آباد سلطنتِ مغلیہ کا حصّہ ہوگئیں۔ اُن کی سالانہ آمدنی پانچ کروڑ روپیہ تھی۔ شاہجہان کے زمانہ کا آدھا دام موجودہ ایک پیسہ کے برابر تھا۔ اس سے ہم اُس کی باقی سلطنت کی سالانہ آمدنی کا بھی اندازہ کر سکتے ہیں۔

شاہجہان اور سکھ گورو

جب جہانگیر نے گورو ارجن کو خسرو کی بغاوت کی وجہ سے قید کر دیا تو اُس کا بیٹا گورو ہرگوبند (از ۱۶۰۶ء تا ۱۶۴۵ء) گورو بنا۔ لیکن چونکہ اُس نے اپنے باپ کا جرمانہ ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا وہ بارہ سال تک گوالیار کے قلعہ میں قید رہا۔ یہ گورو ایک جنگجو اور جوشیلا شخص تھا جس نے

Marfat.com

ایک مختصر سی فوج اکٹھی کر رکھی تھی۔ اُس نے شاہجہان کے خلاف ۱۶۲۸ء میں امرتسر کے نزدیک سنگرام کے مقام پر فوج کشی کی لیکن اُس نے شکست کھا کر کشمیر کی پہاڑیوں میں کرت پور میں جا پناہ لی۔ وُہ ۱۶۴۵ء میں فوت ہو گیا۔ وفات سے پہلے اُس نے اپنے پوتے ہر رائے کو گورو نامزد کیا۔

شاہجہان کے خصائل و عادات

ہم سطورِ بالا میں ذکر کر چکے ہیں کہ تخت نشین ہونے کے بعد شاہجہان نے آلِ تیمور کے تمام شاہزادوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا تاکہ سلطنت کو کسی حریف کی طرف سے خدشہ نہ رہے۔ لیکن وُہ طبعاً ستم شعار اور ظالم شخص نہ تھا، بلکہ وُہ انصاف پسند رعایا پرور بادشاہ اور اعلیٰ درجہ کا منتظم تھا۔ تخت نشینی سے پہلے وُہ سب سے الگ تھلگ تمکنت کے ساتھ رہتا تھا لیکن تخت حاصل کرنے کے بعد اُس نے رُکھا پن ترک کر دیا اور گو وُہ اَب بھی پُر شکوہ اور پُر تکلف بادشاہ تھا لیکن اَب ہر شخص کی بادشاہ تک رسائی تھی۔ پس وُہ تمام رعایا کو عزیز ہو گیا۔ اُس کی حکومت میں ملک کو خوشحالی نصیب ہوئی۔ چنانچہ برنیئر لکھتا ہے کہ اُس کی حکومت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ باپ بچوں پر حکومت کرتا ہے۔ ملک میں انصاف اور امن کا دَور دَورہ تھا۔ ہندو مورخ اُس کے مداح ہیں۔ وُہ ترکی۔ فارسی اور ہندی زبانیں آسانی تمام بول سکتا تھا۔

شاہجہان کا روزانہ معمول تھا کہ طلوعِ آفتاب کے بعد وُہ قلعہ کے جھروکہ "درشن" میں جاتا تھا۔ قلعہ کے نیچے ہجوم بادشاہ کو دیکھ کر سلام کرتا اور ہر شخص آزادی سے اپنی عرض گذارتا تھا۔ بادشاہ عرائض پر اُسی وقت مناسب احکام لکھواتا تھا۔ جھروکے پر ہندوؤں کا گروہ حاضر ہوتا جن کو "درشنی" کہتے تھے کیونکہ جب تک وُہ بادشاہ کا چہرہ نہ دیکھ لیں نہ کچھ کھاتے تھے اور نہ کوئی کام کرتے تھے۔ اُس کے بعد اُمرا و ارکین صف بستہ حاضر ہوتے افواجِ شاہی کا معائنہ ہوتا۔ مست ہاتھیوں کی جنگ کا نظارہ کیا جاتا تھا۔ پھر بادشاہ دیوانِ عام کی عمارت میں آتا جو اس غرض کے لئے سنگِ سُرخ سے بنائی گئی تھی اور ۶۰ گز لمبی اور ۲۲ گز چوڑی تھی جس میں شہزادے، اُمراء اور ارکینِ دربار وغیرہ اپنے مناصب اور درجہ کے مطابق کھڑے ہوتے تھے۔ "منصبداروں" (فوجی افسروں)، "میر آتش" (افسر توپخانہ)، تفنگ برداروں، خزانہ کے افسروں، شہزادوں، دیوانوں، بخشیوں۔ گوندوں وغیرہ کے

Marfat.com

کا غذات پیش ہوتے اور مناسب احکام صادر کیئے جاتے تھے۔ دیوانِ عام کے بعد بادشاہ دیوانِ خاص میں جاتا (جس کو عموماً غسل خانہ کہتے تھے کیونکہ اکبر کا غسل خانہ اُس کے قریب تھا)۔ بادشاہ تخت پر بیٹھتا اور فرامین صادر کیئے جاتے تھے جو "اُزکِ شاہی" یعنی مُہر ثبت ہونے کے لیئے بھیجے جاتے تھے۔ مُہر ممتاز محل کے پاس محفوظ رہتی تھی۔ اس کے بعد محکمہ مال، عمارات کے نقشے، شکاری جانوروں وغیرہ کا معائنہ ہوتا جس کے بعد بادشاہ حرم میں چلا جاتا تھا۔ مغرب کے بعد جواہر کار فانوس دیوانِ خاص میں روشن کیئے جاتے اور بادشاہ گانا سُنتا تھا۔ جمعہ کے روز تعطیل ہوتی جب کوئی دربار منعقد نہ ہوتا تھا۔ بُدھ کا روز "یوم الفاف" تھا جب فریادی آکر جمع ہو جاتے اور وُہ سب کی شکایات سُن کر مناسب احکام صادر کرتا تھا۔

اِن معمولات سے ظاہر ہے کہ شاہجہان ہمیشہ صرف عیش و عشرت کی زندگی بسر نہیں کیا کرتا تھا جس طرح بعض یورپین مصنف لکھتے ہیں۔ چنانچہ برنیئے لکھتا ہے کہ "شاہجہان کو عورتوں کی طرف بہت رغبت تھی۔ وُہ ہر تہوار کے روز مینا بازار منعقد کرتا تھا۔ ناچنے گانے والی عورتیں محل میں آتیں اور تمام رات اِسی شغل میں تمام ہو جاتی۔ یہ عورتیں زنانِ بازاری نہ تھیں بلکہ بے حد خوبصورت ہوتیں جن کا گانے میں کوئی ثانی نہ ہوتا تھا۔ اُن کے اعضا نہایت سڈول ہوتے اور اُن کا ناچ لُطف انگیز ہوتا تھا۔ یہ عورتیں نہ صرف تہواروں کے موقعہ پر آتیں بلکہ بُدھ کا روز قدیم رسم کے مطابق اُن کے لیئے مخصوص تھا۔ وُہ اُس روز حاضر ہوتیں اور تمام رات شاہجہان اُن کے گانے سُنتا اور ناچ دیکھتا رہتا تھا۔" شاہجہان کی یہ تصویر (جیسا کہ ہم آگے چل کر بتلائیں گے) اُس کے عہد کے آخری نصف حصّہ کی کم و بیش صحیح تصویر ہے، لیکن حکومت کے پہلے نصف میں وُہ عیش و عشرت میں ہی منہمک نہیں رہتا تھا۔

ہم بتلا چکے ہیں کہ جہانگیر نے شراب خوری میں کسر نہ کی لیکن شاہجہان اس امر میں بڑا محتاط تھا۔ چنانچہ جہانگیر تُوزک میں لکھتا ہے کہ شاہزادہ خُرّم کی چوبیس سال کی عُمر ہو گئی ہے اور کئی شادیاں بھی کی ہیں لیکن اب تک اُس نے شراب نہیں پی۔ پس میں نے اُس کو کہا کہ بابا شراب تو وُہ چیز ہے جو بادشاہ اور شہزادے پیتے ہیں۔ تو بچوں والا ہو گیا ہے اور تو نے اس کو نہیں پیا۔ آج تیرا تلا کا جشن ہے۔ آؤ ہم تجھے پلاتے ہیں اور اجازت دیتے ہیں کہ جشن کے دنوں میں اور نوروز کے ایّام میں اور بڑی بڑی مجلسوں میں شراب پیا کر۔ لیکن اعتدال کو مدِّنظر رکھو۔ غرض اُس نے بڑے اصرار سے شاہجہان کو شراب پلائی، لیکن شاہجہان باپ کی طرح میخوار نہ تھا۔

Marfat.com

وُہ شراب نہیں پیتا تھا اور نہ چاہتا تھا کہ اور میخواری کریں پس اُس نے حکم دیا کہ تمام عیسائی جو میخوار ہیں، سوائے طبیبوں اور ڈاکٹروں کے شہر سے تین میل دُور توپخانہ کے نزدیک رہائش اختیار کریں لیکن اُن کو مے کشی کی اجازت نہ تھی۔ اُس نے کوتوال کو حکم دیا کہ جو مسلمان یا ہندو شہر میں شراب کشی کرے اُس کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کاٹ ڈالا جائے اس حکم پر شروع شروع میں سختی سے عمل کیا گیا، لیکن درباری اُمرا و رؤسا شراب کے عادی تھے۔ اُن کے گھروں میں خُفیہ شراب کشی ہوتی تھی (منوچی جلد اوّل ص۲۰۵)

سلطنت کے انتظامی امور میں شاہجہان منصف مزاج، انصاف پرور بادشاہ اور زبردست منتظم تھا۔ وُہ ڈاکوؤں، رہزنوں اور چوروں کا جانی دشمن تھا۔ اگر کسی جگہ چوری کی واردات ہوتی اور چور گرفتار نہ ہوتا تو بادشاہ حکم دیتا کہ وہاں کے مقامی حُکّام سے چوری کے مال کی قیمت وصُول کی جائے اور مالک کو ادا کی جائے۔ چنانچہ ۱۶۴۵ء کا واقعہ ہے کہ سُورت کی بندرگاہ میں ہالینڈ کے ولندیز تاجروں کا مال چوری ہو گیا۔ اُنہوں نے گورنر سے شکایت کی لیکن بے سُود ثابت ہُوئی۔ جب شاہجہان کو اس واقعہ کی خبر ہُوئی تو اُس نے حکم دیا کہ ولندیزوں کو اُن کے مال کے عوض خزانہ سے روپیہ دیا جائے اور گورنر اس روپیہ کو ادا کرے (ایضاً ص۲۰۴)

شاہجہان کا عہد سلطنتِ مغلیہ کا زرّیں زمانہ ہے سلطنت اپنے عروجِ کمال کو پہنچ گئی۔ رعایا خوشحال تھی۔ تجارت ترقی پر تھی اور ہر قسم کا علم و فن سلطنتِ مغلیہ میں اور ارکانِ سلطنت میں فروغ پاتا گیا۔

شاہجہانی عہد میں ممالکِ یورپ کی تجارتی کمپنیاں

ہم گذشتہ باب میں ذکر کر چکے ہیں کہ پرتگیزوں کے علاوہ اہلِ ہالینڈ اور اہلِ انگلستان نے جہانگیر سے مراعات حاصل کر کے اپنی تجارتی کمپنیوں کے لئے مختلف مقامات میں کوٹھیاں قائم کر لیں۔ قدرتی طور پر اُن کے تجارتی اغراض و مقاصد ایک دُوسرے سے ٹکرانے لگے۔ پس ابتدا ہی سے تجارت اور مذہب و قومیت کی بنا پر یورپین ممالک ایک دُوسرے کے دشمن تھے اور اُن میں سے ہر ایک دُوسروں کی جڑوں پر کلہاڑا رکھے تھا اور اس تاک میں رہتا تھا کہ دوسروں کی بیخکنی کر دے تاکہ صرف اُس کو ہی قیام دبقا نصیب ہو۔ چنانچہ جب شاہزادہ مراد بخش نے سُورت پر حملہ کیا تھا اور پندرہ روز تک اُس کو فتح نہ کر سکا تب ہالینڈ والوں نے اُس کو پہلے پہل زمین دوز سرنگ کی ترکیب سمجھائی جس پر عمل کر کے اُس نے شہر کو فتح کر لیا۔

Marfat.com

۱۶۲۰ء میں ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی کا وان ڈن بریک Van den Broecke سُورت میں ایک تجارتی منڈی قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا جس کا وُہ پریذیڈنٹ مقرر کیا گیا۔ ۱۶۲۱ء کے شروع میں اُن کی ایک تجارتی منڈی آگرہ میں قائم ہو گئی جس میں گرم مصالحہ جات کی تجارت ہوتی تھی۔ پرتگیزی تجارت کا بڑا مرکز صوبۂ بنگال تھا جن پرتگیزوں، مخلوط النسل عیسائیوں اور ہندوستان کی نیچ اقوام کے عیسائیوں کو اہلِ ہالینڈ اپنی بستیوں سے نکال دیتے تھے وُہ سب پرتگیزوں کے پاس بنگال میں آکر پناہ گزیں ہو جاتے تھے۔ بنگال میں چاروں طرف سے لوگ اِس کثرت سے آتے تھے اور اتنے تھوڑے اس صُوبہ سے باہر جاتے تھے کہ یہ ضرب المثل مشہور ہو گئی کہ بنگال میں آنے کے ایک سَو دروازے ہیں لیکن باہر جانے کا ایک بھی دروازہ نہیں ہے۔ جو بھی وہاں جاتا ہے وہیں کا ہو رہتا تھا اور جانے کا نام نہیں لیتا تھا۔

برنیئے لکھتا ہے کہ اِن دنوں بنگال میں اشیائے خُوردنی بہت سستی ہیں۔ عوام تین چار قسم کی سبزیاں کھاتے ہیں جو نہایت سستے داموں مل جاتی ہیں۔ ایک روپیہ میں بیس مُرغیاں ملتی ہیں۔ بھیڑ بکریاں بکثرت ہوتی ہیں۔ خنزیر تعداد میں اِس قدر ہیں کہ پرتگیز جنھوں نے اِس مُلک میں رہائش اختیار کر رکھی ہے، سب یہی جانور کھاتے ہیں۔ ہالینڈ اور انگلستان کے لوگ اُن کا نمکین گوشت بنا لیتے ہیں اور یہ گوشت کثرت سے بکتا ہے۔ بنگال میں ہر قسم کا سُوتی اور ریشمی کپڑا اِس افراط سے ہوتا ہے کہ یہ صُوبہ گویا کپڑے کا بیش قیمت خزانہ ہے جہاں سے سُوتی اور ریشمی پارچہ جات نہ صرف سلطنتِ مُغلیہ میں بلکہ ایشیا کے دُور و نزدیک کے ممالک میں اور ممالک یُورپ میں جاتے ہیں۔ اہلِ ہالینڈ کپڑے کو جاپان اور یورپ میں فروخت کرتے ہیں۔ پرتگیز اور انگریز اُس کی تجارت کثرت سے کرتے ہیں۔ ہم سُوتی اور ریشمی پارچہ جات کی تجارت کی مقدار کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ اہلِ ہالینڈ فقط اپنی ایک کوٹھی میں جو قاسم بازار میں واقع ہے آٹھ سو ہندوستانیوں کو ملازم رکھتے ہیں۔ انگلستان اور ہالینڈ کی تجارتی کمپنیاں شورے کی تجارت بھی کرتی ہیں جو وُہ پٹنہ سے برآمد کرتی ہیں۔ اس شے کو بھی مغلیہ سلطنت اور یورپ کے ممالک میں فروخت کرنے کے لئے باہر بھیجا جاتا ہے۔ اِسی صُوبہ میں افیم۔ موم۔ لاکھ۔ مشک بلاؤ۔ سُرخ مرچ۔ گھی وغیرہ کی بے شمار جنگلوں میں برآمد ہوتی ہے۔" (صفحہ ۴۳۸ - ۴۴۰)

پس شاہجہان کے عہدِ حکومت میں ہندوستان اور مغربی ایشیا، جاپان اور ممالکِ یورپ کے درمیان اچھّی خاصی تجارت تھی جس کی وجہ سے ملک خُوشحال تھا اور مغلیہ سلطنت کی

Marfat.com

آمدنی اور محصول وغیرہ میں اضافہ ہوگیا تھا، اور اس کی شان و شوکت اور دولت و ثروت دیگر ممالک پر سبقت لے گئی تھی۔

شاہجہان کے عہد میں مبلّغینِ انجمنِ عیسوی کا دربار میں رسوخ نہ رہا۔ اس کا ایک فائدہ یہ ضرور ہوا کہ اب وہ مغلیہ سلطنت میں پرتگیزی حکومت کی حمایت نہیں کرسکتے تھے اور تبلیغ واشاعتِ انجیل کی طرف پوری توجہ دے سکتے تھے۔ اُنہوں نے سیاسیات میں حصّہ لینا ترک کر دیا۔ اب وہ انگریزی کمپنی کے خلاف پرتگیزوں کی طرفداری نہیں کرتے تھے بلکہ وہ انگریزوں کے ساتھ رابطۂ اتّحاد بڑھاتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ انگریز بھی اِن مُبلّغین کے پہلے کی طرح مخالف نہ رہے بلکہ اس عہد میں جب مُبلّغ اپنا رہائشی مکان آگرہ میں وسیع کرنا چاہتے تھے تو وہاں کے انگریز اور ولندیز تاجروں نے فراخدلی سے اُن کو روپیہ عطا کیا۔

فصلِ دوم

شاہجہان کے مذہبی خیالات

شاہجہان کا مذہب ہم گذشتہ ابواب میں اکبر اور جہانگیر کے مذہبی نظریئے اور اندازِ خیال بتلا چکے ہیں۔ شاہجہان کا مذہبی نکتۂ نگاہ اِن دونوں سے مختلف تھا۔ اکبر خلوصِ قلب سے حق کی تلاش میں تھا۔ اُس کی یہ پیاس ایسی تھی جو تسکین پذیر نہ تھی۔ جہانگیر کو تحقیقِ حق کا سوال ستاتا نہ تھا۔ وہ خدائے واحد کو مانتا تھا اور گو وہ مختلف مذاہب کے عقائد سے واقف تھا لیکن وہ اس کے لئے باعثِ کشش نہ تھے۔ وہ ہندوؤں مسلمانوں، مسیحیوں وغیرہ سب سے کشادہ دلی سے ملتا لیکن کسی کی طرف جھکتا نہ تھا بلکہ وہ اُن کے عقائد کی طرف سے لاپرواہ تھا۔ وہ بظاہر مسلمان تھا لیکن کٹر قسم کا نہ تھا۔ جب خسرو نے بغاوت کی تو اس نے سیاسی وجُوہ کی بناء پر گُرو ارجن کو قتل کر دیا۔ اس بغاوت کی وجہ سے جین مت والوں پر بھی آفت نازل ہوگئی، کیونکہ اس کے ایک فرقہ کے لیڈر مان سنگھ سُوری نے راجہ بیکانیر کو خسرو کا ساتھ دینے کی صلاح دی تھی۔ بغاوت کے فرو ہونے کے بعد جہانگیر نے تمام جینیوں کو

Marfat.com

مُغلیہ سلطنت سے ملک بدر کر دیا[1]۔ پس جہانگیر مختلف مذاہب کو سیاسی نکتۂ نگاہ سے دیکھتا تھا۔ اکبر کی مذہبی رواداری دینی اصُول پر مبنی تھی لیکن جہانگیر کی مذہبی رواداری کا اصُول سیاسی تھا۔ اکبر مذہبی رواداری کا حامی تھا کیونکہ وُہ تمام مذاہب کو برحق سمجھتا تھا۔ جہانگیر مذہبی رواداری کا حامی تھا کیونکہ یہ اُس کی جہانبانی پالیسی کا جزو تھی۔ چنانچہ جب کوٹ[2] کانگڑہ فتح ہوُا تو ہندوؤں کو مرعوب کرنے کے لئے اُس نے گاؤکشی کی رسم کو (جو بابر کے زمانہ سے منع تھی) تازہ کر کے خُوشی منائی۔

شاہجہان دین و مذہب کو سیاسی نکتۂ نگاہ سے نہیں دیکھتا تھا۔ وُہ پکا مسلمان تھا۔ جو قرآن اَور شریعت اسلام کا حامی تھی۔ وُہ اپنی سلطنت میں شعارِ اسلام قائم پائیدار کرنا چاہتا تھا۔ اکبر اَور جہانگیر کے عہد میں رواداری کی پالیسی کی وجہ سے بعض کوتاہ بین ہندُو دلیر ہوگئے تھے، شاہجہان اُن کو دبانا چاہتا تھا۔ چنانچہ عبدالحمید لاہوری شاہجہان نامہ میں لکھتا ہے کہ "چوں رایاتِ جلال بہ حوالیٔ گجرات پنجاب رسید جمعے از سادات و مشائخ آں قصبہ استغاثہ نمودند کہ برخے از کفارِ نابکار حرائر و آمائے مومنہ (یعنی مسلمان آزاد عورتوں اَور لونڈیوں کو) در تصرف دارند و چندے ازیناں مساجد بہ تعدی در عمارات خود آوردہ۔ بنابرآں شیخ محمود گجراتی کہ از رسمی دانش بہرہ وراست و دار دغگیٔ مردمِ جدید الاسلام بر و مقرر است، رخصت یافت تا بعد از ثبوت نساء مسلمہ را (مسلمان عورتوں کو) از تصرفِ کفار برآرد و مساجد و عماراتِ آں ملاعین جدا سازد۔ او مطابقِ حکم بہ عمل آوردہ، ہفتاد حرہ و جاریۂ مومنہ از تصرفِ کفر و فجر برآورد۔ و ہر جا کہ مسجدے در زیرِ عمارتِ ہنود در آمدہ بود، بعد از تحقیق، آں را افراز نمود و زر آزاں جا بطریقِ جرمانہ گرفتہ بدستورِ سابق مسجد ساخت۔ پس از انکہ ایں ماجرا بہ مسامع جلال رسید حکم صادر شد کہ بدستورِ قدیم ہر کہ مسلمان شد و مسلمہ را بہ عقدِ مجدد باو بانہ گذارند۔ پس از ورُودِ فرمان جمعے از سعادتِ یاوری بہ پایۂ اسلام رسیدہ زنانِ مُسلمہ را بنکاحِ جدید متصرف گشتند و حکم شد کہ در کُل ممالکِ محروسہ ہر جا چنیں واقع شدہ باشد، بدیں دستور عمل نمایند۔ چنانچہ اناثِ بسیار از دستِ کفار برآمدہ، در نکاحِ مسلمانان در آمدند۔ و گروہے از کفار بہ قبُولِ دینِ متین از آتشِ دوزخ رہائی یافتند و بتخانہ ہا منہدم گردید۔ و بجائے آں مساجد بنا یافت" (شاہجہان نامہ مطبُوعہ کلکتہ جلد دوم ص ۵۷-۵۸)

یہ واقعہ ۱۰۴۲ھ جلوس کا ہے۔ اس سے ایک سال پہلے یعنی اپنے عہد کے چھٹویں سال

1. R. Sharma, Mognul Government and Administration. (Bombay 1951) p. 177

2. اورنگزیب عالمگیر پر ایک نظر۔ مصنف شبلی ص ۴۲

میں شاہجہان نے بنارس کے جدید تعمیر شدہ ۷۶ بتخانے مسمار کروا دیئے تھے۔ چنانچہ عبدالحمید اسی کتاب میں (جو خود شاہجہان کی زیرِ نگرانی لکھی گئی تھی) اس واقعہ کو ان الفاظ میں لکھتا ہے۔

"چوں پیشتر بہ غرضِ اقدس رسیدہ بود کہ در ایامِ دولتِ حضرت جنت مکانی (جہانگیر) در بنارس بتخانہ بسیار احداث یافتہ، ناتمام ماندہ است۔ و برخے از متمولانِ کفر و فجر می خواہند کہ بہ اتمام رسانند، شہنشاہِ دین پناہ حکم فرمودہ بودند کہ چہ بنارس وچہ دیگر عمالِ ممالکِ محروسہ ہر جا بتخانہ احداث یافتہ باشد آنرا بر اندازند۔ دریں ولا از عرضداشتِ وقائع نگارِ صوبۂ الٰہ آباد معروض گشت کہ ہفتاد و شش بتخانہ در خطۂ بنارس بہ خاک برابر گردید" (ایضاً جلد اوّل ص ۴۵۲ حالات ۶ھ جلوسِ شاہجہانی)۔ مذکورہ بالا اقتباسات سے ظاہر ہے، کہ شاہجہان "دین پناہ" تھا اور چاہتا تھا کہ اسلام کا بول بالا ہو اور مغلیہ سلطنت کے دیگر ادیان پر غالب رہے۔ وہ چاہتا تھا کہ جہاں تک حالات سلطنت اجازت دیں وہ قرآن و شریعتِ اسلام کے احکام کو سلطنت کی بنیاد بنائے۔ اُس کی کوشش یہی تھی کہ غیر مسلم مذاہب کے پیرو حلقۂ اسلام میں داخل ہو جائیں اور مسلمان کوئی دوسرا مذہب اختیار کرنے نہ پائیں۔ پس اُس نے غیر مسلم زیارت گاہوں اور استھانوں کے یاتریوں پر دوبارہ ٹیکس لگا دیا۔ یوں سلطنت کی آمدنی میں کروڑوں کا اضافہ بھی ہو گیا لیکن حالات کو مدِنظر کر اُس نے بنارس کے بڑے پجاری کا وظیفہ دو ہزار روپیہ مقرر کر دیا۔

آدابِ دربار اسی اسلامی جذبہ کے ماتحت شاہجہان نے اپنے باپ دادا کے آدابِ کورنش کو تبدیل کر دیا۔ ناظرین کو یاد ہو گا کہ اکبر کے زمانہ میں بادشاہ کو سجدہ کیا جاتا تھا۔ جب عُلماء نے شور مچایا تو جواز کے طرفداروں نے کہا تھا کہ جس طرح ملائکہ کا آدم کو سجدہ کرنا تعظیم کا نشان تھا اور یوسُف کے بھائیوں کا اُس کو سجدہ کرنا پرستش نہیں تھا اُسی طرح بادشاہ کو تعظیمی سجدہ کرنا جائز ہے۔ جہانگیر کے عہد میں بھی یہ رسم جاری رہی لیکن شاہجہان نے تخت نشینی کے بعد پہلا حکم یہ دیا کہ سجدہ موقوف ہو کیونکہ سجدہ ذاتِ الٰہی کے بغیر کسی دوسرے کے لئے روا نہیں۔ اِس کی بجائے زمین بوسی کا حکم ہُوا۔ لیکن حکومت کے دسویں سال میں یہ رسم بھی موقوف کر دی گئی، کیونکہ بعض عُلمائے اسلام کہتے تھے کہ اس رسم میں بھی سجدہ کی صورت نکلتی ہے۔ اس کی جگہ مروجہ تین تسلیموں پر چوتھی تسلیم مزید بڑھا دی گئی۔ لیکن سید، عُلما اور مشائخ صرف سلامِ شرعی ادا کرتے تھے اور رخصت کے وقت فاتحہ پڑھ کر دُعا

ے بعض مقامات

Marfat.com

کرتے تھے۔

شاہجہان۔جہان آرا بیگم اور صوفیہ

گذشتہ ابواب میں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ اکبر اور جہانگیر کو خواجہ معین الدین چشتی کی درگاہ واقع اجمیر سے خاص عقیدت تھی۔ یہ عقیدت شاہجہان اور اُس کے خاندان میں بھی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ شاہجہان کئی دفعہ اجمیر گیا اور اُس نے روضہ کے پاس سنگِ مرمر کی مسجد بھی بنوائی۔ اُس کی لاڈلی بڑی بیٹی جہاں آرا بیگم کو بھی خواجہ سے والہانہ عقیدت تھی۔ چنانچہ اُس نے خواجگان چشت پر کتاب "مونس الارواح" لکھی ہے۔ ایک دفعہ جب وُہ شاہجہان کے ساتھ اجمیر گئی تو وُہ لکھتی ہے "اِس سفر پر مَیں ہر روز ہر منزل پر دو رکعت نماز نفل ادا کرتی۔ ایک پارہ سورہ یٰسین اور سورۂ فاتحہ اخلاص و عقیدت سے پڑھ کر پیرِ دستگیر خواجہ معین الحق والدین رضی اللہ عنہ کی رُوحِ پُر فتوح کو ایصال کیا۔ وہاں پہنچ کر بنہایت ادب مَیں رات کو پلنگ پر نہ سوئی، اور نہ روضۂ مبارک کی طرف پاؤں پھیلائے اور نہ اُس کی طرف پیٹھ کی سدن کو درختوں کے نیچے رہتی۔ مجھے اُن کی برکت سے اطمینان اور ذوق ہوا۔ ایک رات مولود اور چراغاں کیا . . . میں روضۂ اقدس میں گئی اور اپنے زرد چہرے پر آستانہ کی خاک ملی۔ دروازہ سے گنبد تک برہنہ پا زمین چومتی گئی . . . عطر اور مفطّرات کو معطر قبہ پر اپنے ہاتھ سے ملا . . . اگر اختیار ہوتا تو ہمیشہ حضرت کے روضہ کے پاس رہتی کیونکہ یہ گوشۂ عافیت ہے . . . . بالآخر مجبوراً بچشمِ گریان و دلِ بریان اور لاکھوں افسوس کے ساتھ درگاہ سے رخصت ہو کر گھر آئی اور تمام رات بیقرار رہی۔" (بزمِ صوفیہ مرتبہ سید صباح الدین عبدالرحمٰن ایم۔اے۔ مطبع معارف۔ اعظم گڈھ ۱۹۴۹ء صفحہ ۵۰ تا ۵۳ -

مذکورہ بالا اقتباس کے پیشِ نظر ہولڈن کا نظریہ[1] کہ جہان آرا بیگم خُداوند مسیح پر ایمان رکھتی تھی غلط ثابت ہوتا ہے۔ اسی پر اکتفا نہ کر کے یہ مغربی مصنّف یہ اختراع کرتا ہے کہ بیگم کی قبر کے کتبہ پر لکھا ہے کہ :-

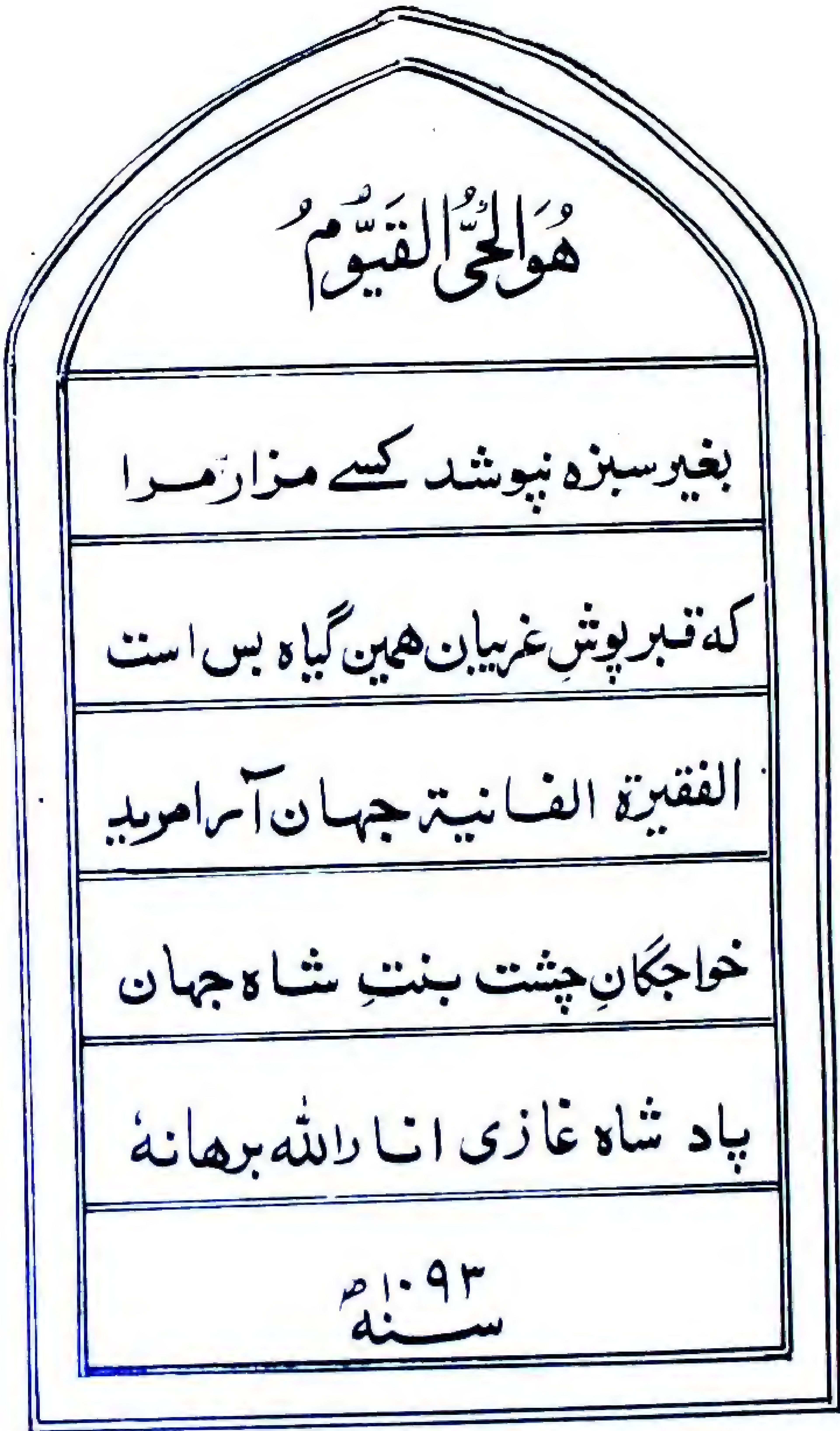
"یہی گھاس ایک خاکسار دِل کے لئے بہترین پوشاک ہے۔ یہ بندی شاہجہان کی بیٹی اور مسیحِ پاک کی پیرو ہے۔"

---

1. Edward, S. Holden, The Moghul Emperors of Hindustan. (1895) p. 314

Marfat.com

حالانکہ کتبہ کے اصل الفاظ یہ ہیں :-



شاہجہان اور سرمد

شاہجہان کے زمانہ میں ارمنی صوفی گذرا ہے جس نے اُس کے عہد کی مذہبی زندگی پر زبردست اثر ڈالا۔ بعض مسلمان اس کا نام سعید سرمد کاشانی بتلاتے ہیں جس کا تخلص سرمد یعنی (دائم) تھا اور کہتے ہیں کہ وہ ایک یہودی تاجر تھا جو اپنے وطن کاشان کو چھوڑ کر اور یہودیت کو ترک کر کے ۱۶۵۴ء میں مُغلیہ

Marfat.com

دارالسلطنت میں آیا تھا لیکن رباعیاتِ سرمد مطبوعہ لاہور میں ہے کہ نظامی گنجوی کی طرح سرمد بھی گنجہ کا رہنے والا تھا جو کوہ قاف کے جنوب میں قراباغ ضلع کا ایک شہر تھا جہاں ارمنی مسیحی بڑی تعداد میں بستے تھے۔ مشرقی آرمینیا کا یہ علاقہ ۱۶۲۰ء میں شاہ عباس صفوی کے قبضہ میں آگیا تھا۔ مشہور مورخ اور مستشرق ہنری جارج کین (Keene) (جس نے ۱۸۹۴ء میں ٹامس ولیم بیل (Beale) کی کتاب کی نظرِ ثانی کی تھی) لکھتا ہے کہ "سرمد ایک ارمنی تاجر کا تخلص تھا جو شاہجہان بادشاہ کے عہد میں ہندوستان آیا تھا"[1] بعض مسلمان اقبال کرتے ہیں، کہ سرمد ارمنی تھا۔ چنانچہ سیٹھ مرحوم لکھتا ہے کہ "جب میں نے ۱۹۳۰ء کے قریب کلکتہ کے مشہور عالم حضرت مؤیدالاسلام سید آغا جلال الدین الحسینی کاشانی سے سرمد کا ذکر چھیڑا، تو انہوں نے فرمایا کہ سرمد ایران کا ارمنی مسیحی تھا۔ جب میں اُن سے رخصت ہونے لگا تو آپ نے کہا "برو۔ بنویس کہ موید الاسلام می گوید کہ سرمد ارمنی بُود از ایران"۔ پس حقیقتہ بھی نظر آتی ہے کہ سرمد ایران کا رہنے والا ارمنی مسیحی تھا۔

سرمد دیگر ارمنی تاجروں کی طرح تجارت کی خاطر ہندوستان آیا۔ جب وہ ٹھٹھہ (سندھ) آیا تو وہ ایک ہندو لڑکے ابھے چند پر عاشق ہوگیا، اور اُس کی زندگی نے پلٹا کھایا۔ اُس نے تجارت ترک کردی اور ہندو فقیروں کی طرح مادر زاد ننگا پھرنے لگ گیا۔ اس کے خیالات نے بھی پلٹا کھا کر صوفیانہ رنگ اختیار کرلیا اور وہ وحدتِ ادیان کی طرف راغب ہوگیا۔

سرمد نے ملا صدرالدین شیرازی اور مرزا ابوالقاسم جیسے وحید العصر علماء سے فلسفہ کی تعلیم حاصل کی تھی۔ سرمد نے تمام اصنافِ سخن کو چھوڑ کر ابوسعید ابوالخیر، خیام اور سحابی کی طرح رباعی کو اپنے خیالات کے اظہار کا ذریعہ بنایا۔ یہ رباعیات عقائد، اخلاق اور تصوف کے باریک نکتوں اور مسئلوں سے بھری ہیں۔ اُن کی زبان ایسی ہے کہ مولوی نجیب اللہ کہتے ہیں کہ "یہ کہنا شاید مبالغہ سے خالی ہوگا کہ فارسی میں اقلیم رباعیات کا آخری تاجدار سرمد ہے"۔ (معارف مئی ۱۹۴۶ء صفحہ ۳۴۱)۔

سرمد کو عبرانی زبان اور ادب پر عبور حاصل تھا۔ عربی زبان اور علوم عربیہ کا بھی اُس نے مطالعہ کیا تھا۔ جب اُس کی زندگی نے پلٹا کھایا تو وہ ننگا پھرتا اور جہاں جاتا صوفیانہ اور عارفانہ

1. Oriental Biographical Dictionary. (1894 edition)

Marfat.com

کلام کہتا تھا۔ ہندو لڑکا ابھے چند اُس کا مرید ہوکر توریت اَور زبور کا مطالعہ کرنے لگ گیا۔ اَور عبرانی میں ایسا کامل ہوگیا کہ اُس نے سرمد کی امداد سے تورات کی کتاب پیدائش کے پہلے چھ باب کا ترجمہ فارسی میں کیا۔ سرمد نے کتاب "دبستانِ مذاہب" کے مصنّف کو یہودیوں کے عقائد بتلائے اَور مصنّف نے پیدائش کے چھ ابواب کا ترجمہ دبستانِ مذاہب میں شامل کر لیا۔ ابھے چند بھی فارسی میں شعر کہتا تھا۔ چنانچہ دبستانِ مذاہب میں اس کا ایک شعر ہے:۔

ہم مطیعِ فرقانم، ہم کشیش و رہبانم
ربِّ یہودانم، کافرم، مُسلمانم

برٹش میوزیم میں سرمد کی چار صد سے زائد رباعیات محفوظ ہیں۔ دیوانِ سرمد کا ایک نسخہ رامپور میں ہے۔

سرمد کے آگرہ جانے سے پہلے اُس کی شہرت وہاں پہنچ چکی تھی۔ داراشکوہ کو درویشوں اَور مجذوبوں سے لگاؤ تھا پس اُس کی اَور سرمد کی ملاقات ہوگئی جس سے وُہ ایسا محظوظ ہُوا کہ اُس نے شاہجہان سے اُس کی تعریف کی۔ بادشاہ نے اُس کو قلعہ میں بُلوایا۔ منوچی کہتا ہے کہ داراشکوہ نے اُس کو سمجھا بجھا کہ اِس بات پر راضی کر لیا تھا کہ وُہ شاہجہان کے حضور ننگا نہ جائے، بلکہ کم از کم لنگوٹی پہن کر جائے۔ شاہجہان اُس کے خیالات، اشعار اَور علمی گفتگو سُن کر بڑا خُوش ہُوا لیکن اُس کو سرمد کا برہنہ پھرنا پسند نہ آیا۔ پھر بھی بادشاہ کے اخلاص میں فرق نہ آیا۔ اس کے بعد جب کبھی سرمد بادشاہ یا داراشکوہ کے حضور جاتا تو وُہ لنگوٹی پہن لیا کرتا تھا۔

داراشکوہ کا مذہب

ہم سطورِ بالا میں بتلا چکے ہیں کہ شاہجہان پکا سُنّی مسلمان تھا اَور کہ جہانگیر کی موت کے ساتھ اکبر و جہانگیر کے عہد کی مذہبی رواداری ختم ہو چکی تھی۔ لیکن داراشکوہ کٹر مسلمان نہ تھا۔ وُہ ایک صُوفی منش شخص تھا جس کی اُفتادِ طبیعت اکبر کی سی تھی۔ وُہ مسلم عُلما اَور غیر مسلم فضلا دونوں کا مداح اَور قدردان تھا۔ وُہ اسلامی شریعت اَور نماز روزہ وغیرہ کا بہت پابند نہ تھا۔ اُس کا بھائی اَورنگزیب صوم وصلوٰۃ اَور شریعت کا سخت پابند تھا۔ پس وُہ قدرتی طور پر دارا کا سخت مخالف تھا۔ داراشکوہ کہا کرتا تھا کہ مجھے سب سے زیادہ اندیشہ "اُس ریاکار نمازی" سے ہے۔ خافی خان لکھتا ہے کہ "داراشکوہ صُوفیہ کی بدعت میں مُبتلا ہوگیا تھا جس کی وجہ سے بعض لوگ اُس سے بدگمان تھے۔ وُہ کہتا تھا کہ اسلام اَور کُفر دونوں ہمزاد توام بھائی ہیں اَور وُہ برہمنوں اَور گوسائیوں کے ساتھ بر ملا ملتا جلتا

Marfat.com

تھا۔"

ہندو مت کے پنڈت اور عالم دارا کی صحبت میں اکثر رہتے تھے اور اس نے اُن کے وظائف مقرر کر رکھے تھے۔ جب دارا ۱۶۵۶ء میں بنارس کا وائسرائے تھا تو اُس نے اُن سے ہندو دھرم کی پُستکوں کا فارسی میں ترجمہ کروایا۔ علاوہ دیگر کتب کے اُس نے اُن سے اپنشدوں کا سنسکرت سے فارسی میں ترجمہ کروا کر ترجمہ کا نام "سِر الاسرار" رکھا۔ اس میں دارا لکھتا ہے کہ قرآن دراصل اُپنشدوں میں موجود ہے۔ ناظرین اس کی عبارت کو توجہ سے پڑھیں:۔

"از ایں خلاصہ کتابِ قدیم کہ بے شک و شبہ اوّلین کتبِ سماوی و سرچشمہ بحرِ توحید است و قدیم است کہ إنه القرآن كريم في كتاب مكنون لا يمسه الا المطهرون تنزيل من رب العالمين، یعنی قرآنِ کریم در کتاب است کہ آن کتاب پنہاں است۔ و درا درک نمی کند مگر وے کہ مطہر باشد و نازل شدہ از پروردگار عالم مشخص و معلوم می شود کہ ایں آیت درحقِ زبور و توریت و انجیل نیست ... چوں اپنکہت کہ سِر پوشیدنی است، اصلِ ایں کتاب است و آیت ہائے قرآنِ مجید بعینہ درآں یافتہ می شود۔ پس تحقیق کہ "کتاب مکنون" ایں کتاب قدیم باشد۔"

اِس ترجمہ سے اور داراشکوہ کی کتاب مجمع البحرین وغیرہ سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ اُس نے اسلام اور ہندو مت کو ایک دوسرے کے زیادہ قریب لانے کی کوشش کی تھی۔ حال ہی میں دارا کے اِس ترجمہ کو ایرانی عالم الیس۔ ایم۔ جلالی نینی نے مدون کیا ہے اور ڈاکٹر تارا چند نے اِس ایڈیشن کا مقدمہ لکھا ہے[1]۔ دارا کا فارسی ترجمہ اٹھارھویں صدی کے اواخر میں لاطینی زبان میں منتقل کیا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ کے فضلاء پہلی دفعہ ۱۸۰۱ء میں اپنشدوں کی تعلیم اور فلسفہ سے روشناس ہوئے۔

مرزا محمد کاظم اپنی تاریخ "عالمگیر نامہ" میں لکھتا ہے کہ داراشکوہ آزاد خیالی اور تصوف کی بدعت میں مبتلا ہو گیا۔ وہ ہندوؤں کے مذہب اور اُن کے اداروں کی طرف بہت مائل تھا اور ہمیشہ پنڈتوں، برہمنوں، جوگیوں اور سنیاسیوں کی صحبت میں رہتا تھا اور انہی کم مایہ لوگوں کو علم و فضل کا منبع تصور کرتا تھا۔ وہ اُن کی کتاب وید کو الہامی اور قدیم مانتا تھا اور اپنا تمام وقت اسی ناپاک کام میں صرف کرتا تھا اور اُن کی لایعنی کتابوں کا مطالعہ کرتا رہتا تھا۔ دارا نے ملک کے ہر گوشہ سے برہمنوں اور سنیاسیوں کو جمع کر کے ویدوں کا ترجمہ کروایا۔ اِن گمراہ کن خیالات کے زیرِ اثر اس

1. Times of India, March 25, 1962.

Marfat.com

نے نماز، روزہ اور دیگر شرعی احکام پر عمل کرنا ترک کر دیا۔ اگر دارا سر بر آرائے سلطنت ہو جاتا اور اس کا زور چلتا تو اسلام کی جگہ کفر اور یہود و ترسا (مسیحیت) کے مذاہب کا دور دورہ ہو جاتا۔[1]

دارا شکوہ سرمد کے وسیلے مسیحیت اور یہودیت کے اصولوں سے بھی واقف ہو گیا۔ اس نے جب دیکھا کہ سرمد کو نہ صرف عربی میں دسترس ہے بلکہ وہ عبرانی کا بھی عالم ہے تو اس نے مسیحیت اور اہلِ یہود کے عقائد کی نسبت اس سے سوال پوچھے۔ دارا کو سرمد سے یہاں تک عقیدت ہو گئی کہ اس نے اپنے ایک خط میں سرمد میں سرمد کے لئے مرشد اور مولا کے القاب لکھے ہیں۔

شاہجہان اور مبلغین

شاہجہان کا عہد اکبر اور جہانگیر کا عہد نہیں تھا جب مبلغین کی بلاواسطہ بادشاہ تک رسائی تھی اور دربار میں اُن کا رسوخ ایسا تھا کہ لوگ اُن کے ذریعہ اپنی عرضیں بادشاہ تک پہنچایا کرتے تھے۔ اب مبلغین خود کسی بارسوخ متقدر ہستی کو ڈھونڈتے تھے جس کے وسیلے وہ بادشاہ تک اپنی عرضیں گذار سکیں۔ اس غرض کے لئے وہ شاہجہان کے خسر آصف خان اور شاہجہان کے بچپن کے ساتھی مرزا ذوالقرنین کی مدد لیتے تھے۔ بادشاہ مبلغین کو مطلق قابلِ التفات خیال نہیں کرتا تھا، بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہو گا کہ وہ اُن کے مذہبی عقائد کا دشمن تھا۔ اور مبلغین اُس کے نزدیک پھٹکتے ڈرتے تھے۔

دارا شکوہ اور مسیحیت

دارا شکوہ میں اکبر کی سی وسعت نظر اور تلاشِ حق کی تڑپ تھی۔ وہ اکبر کی طرح وسیع المشرب اور آزاد خیال تھا۔ اس لحاظ سے وہ اپنے پڑدادا کا حقیقی طور پر روحانی وارث تھا۔ وہ اکبر کی طرح مختلف مذاہب کی یکجائی اور وحدتِ ادیان کا قائل تھا اور یہ مانتا تھا کہ تمام مذاہب عالم خدا کی طرف سے ہیں اور کوئی مذہب ایسا نہیں جو حق نہ ہو۔ اکبر کی طرح وہ تمام ادیان کے پیشواؤں سے ملاقات کرتا تھا اور اُن کے مذاہب کی نسبت استفسار کیا کرتا تھا۔ جہاں وہ میاں میر اور سرمد جیسے صوفیہ سے ملتا تھا اور ہندوؤں سے ہندومت اور فلسفہ کی نسبت واقفیت پیدا کرتا تھا وہاں وہ انجمن عیسوی کے مبلغین کے ذریعہ انجیلِ جلیل اور مسیحی عقائد کا پتہ لگاتا تھا۔ منوچی ہم کو بتلاتا ہے کہ دارا کو ملنے کے لئے پادری

1- Bernier's Travels. p. 345 (note)

ہنری بوسی[1]۔ پادری اسٹینسلاس ماپلکا[2]۔ پادری پیڈرو جزارتے[3] پادری ہائنرخ روتھ[4] جو مبلغین انجمن تھے، جایا کرتے تھے۔ انجمن عیسوی کا ایک اور مبلغ پادری انتونیو چیسکی[5] بڑا قابل شخص تھا جس کو علومِ ریاضی اور سنسکرت میں بڑا دسترس تھا۔ یہ مبلغ ۱۶۴۸ء میں آگرہ بھیجا گیا تھا اور وہاں سے نئے دارالسلطنت دہلی کو ۱۶۵۲ء میں بھیجا گیا۔ اُس کے علم و فضل کی وجہ سے دارا نے ایک دفعہ اُس کو خلعت بھی عنایت کیا تھا۔ لیکن ان تمام مبلغین میں پادری بوسی حسنِ لیاقت، آدابِ گفتگو اور علم و فضل اور قرآن و اسلام کی واقفیت کے لحاظ سے افضل تھا۔ وہ ۱۶۵۰ء میں دہلی آیا۔ داراشکوہ اُس کا بڑا معتقد تھا، اور اکبر و جہانگیر کی طرح پادری بوسی اور مسلم علماء میں مناظرے کرواکر اُن کے دلائل کو بڑے غور سے سُنا کرتا تھا جب کبھی مسلم فضلا پادری بوسی کے اعتراضات کا جواب نہ دے سکتے یا بوسی علماء کے اعتراضات کا دندان شکن جواب دیتا، تو داراشکوہ بڑا خوش ہوتا۔ ایک دفعہ بوسی نے مسلم علماء کے ساتھ انجیل کے منسوخ ہونے اور الوہیت مسیح کے مسئلوں پر بڑی زبردست اور معرکۃ الآرا بحث کی جو متواتر چار گھنٹوں تک جاری رہی۔ اِس بحث کو سُن کر نہ صرف دارا بلکہ اُس کے تمام مصاحب بھی اُس کے علم و فضل کے معترف ہو گئے۔ اُس کی قابلیت کی شہرت شاہی دربار کے ارکین میں پھیل گئی جس کی وجہ سے سب اُمرائے دربار اُس کو عزت اور وقعت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ داراشکوہ اس سے اکثر مسیحی دین کے مسائل و تعلیم اور اخلاق کی نسبت مستفسر ہوتا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دارا دل سے انجیلی تعلیم کی عظمت کا قائل ہو گیا اور وہ مسیحی تعلیم و اخلاق کو قرآن اور شرعی احکام سے افضل شمار کرتا تھا۔ دارا بھی اپنے آبا و اجداد کی طرح مصوری کا عاشق تھا پس پادری بوسی نے اُس کو مسیحی تصاویر کا ایک مرقع دیا جس کو پاکر وہ ایسا خوش ہُوا کہ اُس نے مرقع کو اپنی بیگم نادرہ کو بطور تحفہ دے دیا۔

داراشکوہ کے الطاف کی بناء پر کترو[6] کہتا ہے کہ "پادری ہنری بوسی کو دارا کے مزاج میں بڑا دخل تھا۔ اگر اُس کا بس چلتا تو داراشکوہ مسیحی ہو کر سریر آرائے سلطنت ہوجاتا۔" اور برنیئے کہتا ہے کہ دارا مسیحیت کی صداقت کا قائل تھا۔ منوچی تو یہاں تک کہتا ہے کہ وہ در حقیقت مسیحی تھا اگرچہ اُس نے بپتسمہ نہیں پایا تھا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ جب داراشکوہ

1. Henry Busi. 2. Estanilas Mapilca. 3. Pedro Juzarte. 4. Heinrich Roth. 5. Antanio Ceschi. 6. Catrou.

Marfat.com

نے ٹھٹھہ میں ایک کابلی درویش سے ملاقات کی تو اُس کو صاف اور واضح الفاظ میں دارا نے کہا کہ اگر کوئی مذہب برحق ہے تو وہ مسیحیت ہے۔ پھر منوچی لکھتا ہے کہ قتل ہونے سے پہلے دارا پکار پکار کر کہتا تھا "محمدؐ مارا می کشد۔ ابن اللہ مارا جان می بخشد"[1]

لیکن ان مغربی سیاحوں کے خیالات غلط اور بے بنیاد نظر آتے ہیں۔ اُپنشدوں کے فارسی ترجمہ کتاب سر الاسرار کے مذکورہ بالا اقتباس سے صاف ظاہر ہے کہ داراشکوہ اُپنشدوں کے مقابلہ میں "زبور و توریت و انجیل" کا درجہ کمتر تصور کرتا تھا۔ دارا کی اپنی تصنیفات سے بھی اس نظریہ کی تصدیق نہیں ہوتی۔ دارا کے قتل نامہ میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ اگر دارا تخت پر بیٹھتا تو اسلام کی جگہ ہندو مت کے کفر کو غلبہ حاصل ہو جاتا۔ جب دارا پر کفر کا فتویٰ دیا گیا تو صاف اور واضح الفاظ میں کتبِ ہنود کو صادق ماننے کا ذکر کیا گیا، اور اسی بنا پر وہ واجب القتل قرار دیا گیا تھا۔ فتویٰ میں اُس کے مفروضہ مسیحی معتقدات کا ذکر نہیں ملتا۔ اس سے ظاہر ہے کہ داراشکوہ نے کبھی مسیحیت کو اختیار کرنے کا خیال بھی نہ کیا تھا۔ اُسی کی رواداری اور وسعت خیالی سے مغرب کے مسیحی سیاحوں کو دھوکا ہوا کہ وہ نہ صرف مسیحیت کی جانب جھک گیا تھا بلکہ وہ مسیحی ہو گیا تھا۔ صرف ایک بپتسمہ کی کسر باقی رہ گئی تھی۔

فصل سوم

شاہجہان کے عہد کے چند کلیسیائی واقعات

ہم گذشتہ فصل میں لکھ چکے ہیں کہ شاہجہان کٹر اور راسخ العقیدہ مسلمان تھا جو دین پناہ بادشاہ تھا اور شعارِ اسلام کو مغلیہ سلطنت میں جاری رکھنا چاہتا تھا۔ وہ غیر مسلموں کو اسلام کا حلقہ بگوش بنانے کا خواہاں تھا اور اسلامی شریعتِ ارتداد پر عمل کر کے مسلمانوں کو غیر مسلم مذاہب اختیار کر لینے کے جرم کی سزائیں دیتا تھا۔ تخت نشینی سے پہلے بھی مسیحیت اُس کو ایک آنکھ نہیں

1. History of Moghul Dynasty in India. This is quoted in Bernier's Travels. p. 7 (Note) Also see Manuchi Vol. I p. 357.

Marfat.com

بھاتی تھی۔[1] اُس کے معاصر مُبلغینِ انجمن عیسوی اُس کو "مسیحیت کا جانی دشمن" اور "پرتگیزوں کا اور مسیحی نام کا" "دشمن بتلاتے ہیں۔ غالباً شاہجہان کی دشمنی نہ صرف مذہب کی بنا پر تھی بلکہ پرتگیزی حکّام کے غیر مسیحی سیاسی وطیروں کے باعث بھی تھی۔ پس بمصداق "ایک کریلا دوسرا نیم چڑھا" وُہ مسیحیت کا "جانی دشمن" ہوگیا۔

واقعۂ ہُگلی

ہم اکبر کے حالات میں ناظرین کا تیوارِیس[2] سے تعارف کرا چکے ہیں، جو ۱۵۷۸ء میں اکبر کے دربار میں آیا تھا۔ اُس شخص نے ہُگلی میں تاجروں کی ایک بستی قائم کی تھی جو مغلیہ سلطنت کے باہر تھی اور جس پر پرتگیزی وائسرائے کا بھی کوئی اختیار نہ تھا۔ یہ بستی سولھویں صدی کے اواخر میں قائم ہُوئی اور یہاں کے رہنے والے مرفع الحال تھے۔ یہ جگہ اشیائے درآمد و برآمد کی منڈی تھی اور اس تجارتی مرکز کی وجہ سے قدیم مغلیہ بندرگاہ ستگاؤں کو ضعف پہنچتا تھا۔ مقامی جہازی مال پر بار بار حملے کئے جاتے تھے۔ اس جگہ کے "فرنگی" بڑے وسیع پیمانہ پر غلاموں کی تجارت کرتے تھے۔ ہُگلی کے فرعون مزاج حکّام مغلیہ سلطنت کے خلاف شاہ اراکان کی امداد کیا کرتے تھے، اور یہاں کے پرتگیز چٹاگانگ کے "فرنگیوں" کو جو درحقیقت بحری ڈاکو تھے، مغلیہ سلطنت کے خلاف نہ صرف شہ دیا کرتے تھے بلکہ اُن کی امداد بھی کیا کرتے تھے۔ وُہ مغل عورتوں کو اغوا کر کے اُن کو فروخت کر دیتے تھے۔ وُہ ایسے دلیر ہو گئے تھے کہ وُہ بادشاہ بیگم ارجمند بانو ممتاز محل کی دو باندیوں کو بھی اغوا کرنے سے نہ چُوکے۔ ملکہ اپنی باندیوں کے اغوا ہونے کی واردات سُن کر سخت برافروختہ ہوگئی۔ وُہ پہلے ہی متعصب قسم کی مسلمان تھی جس کے تعصب کا اثر شاہجہان کے مزاج کو متاثر کئے بغیر نہ رہا تھا۔ اس واقعہ نے اُس کی چہیتی ملکہ کے تن بدن میں آگ لگا دی۔

علاوہ ازیں جب شاہجہان نے شہزادگی کے ایّام میں اپنے باپ کے خلاف بغاوت کی تھی تو ہُگلی کے حکّام نے اُس کی مدد کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ خیر یہ تو اُنھوں نے ٹھیک کیا لیکن اُنھوں نے یہ ستم کیا کہ جب شاہجہان تخت نشین ہُوا تو ان حکّام کی فرعونیت نے اُن کو یہ اجازت بھی نہ دی کہ وُہ بادشاہِ وقت کو مُبارکبادی دیں اور نذرانے پیش کریں۔ اندریں حالات ہم کو شاہجہان کی برافروختگی پر تعجب نہیں آتا۔ وُہ اپنی امارت وحکومت اور تجارت پر مغرور تھے۔ اُنھوں نے ہُگلی کے چاروں طرف عالیشان عمارتیں کھڑی کر دی تھیں اور ہندوستانی تاجروں سے اشیاء پر

1. See William Foster, The Embassy of Sir Thomas Roe (London 1926) 327 2. Tavares.

Marfat.com

اور بالخصوص تمباکو پر محصول کی بڑی بڑی رقمیں وصول کر لیا کرتے تھے جس سے مغلیہ سلطنت کو خسارہ پڑتا تھا۔

اس پر اکتفا نہ کر کے وہ سلطنت مغلیہ کے ہندو مسلمان مردوں عورتوں اور بچوں کو اغوا کر کے اُن کو مسیحی بنا لیا کرتے تھے۔ گو اس میں کلام نہیں کہ مبلغین کی کوششوں سے بالغ عورتیں اور مرد برضا و رغبتِ خود بپتسمہ پا کر مسیحیت کے حلقہ بگوش ہو گئے تھے۔ برنیئے لکھتا ہے کہ وہ فخریہ کہا کرتے تھے کہ ہم ایک سال میں اتنے لوگوں کو مسیحی بناتے ہیں کہ ہندوستان کے تمام مبلغین مل کر دس سال میں نہیں بنا سکتے۔ اُنہوں نے اپنی بستی میں غیر مسیحیوں پر سخت پابندیاں لگا رکھی تھیں۔ کوئی فقیر، درویش یا سادھو اُن کے علاقہ کی حدود میں نہیں رہ سکتا تھا۔ مسلمانوں کو اذان دینے کی ممانعت تھی۔ جب متمول غیر مسیحی فوت ہو جاتے تو اُن کے نابالغ وارثوں کو مسیحی کر لیا جاتا تھا۔

مؤرخ محمد ہاشم خافی خان لکھتا ہے: "فرنگیوں نے ہگلی میں (جو بنگالہ میں راج محل سے بیس کوس کے فاصلہ پر ہے) اپنا مال رکھنے کے گودام اور رہائشی مکان بنانے کے لئے زمین حاصل کرنے کی اجازت پائی۔ لیکن رفتہ رفتہ اُنہوں نے اجازت نامہ کے باہر قدم رکھنے شروع کر دیئے۔ اُنہوں نے حصین قلعہ بنا لیا اور فصیلیں برج وغیرہ قائم کر لئے۔ قلعہ کے اندر توپیں لگائیں۔ ایک گرجا بھی بنا لیا۔... جب کبھی کوئی شخص نابالغ بچے چھوڑ کر مر جاتا تو وہ جائداد اور بچوں پر قبضہ کر لیتے خواہ وہ بچے سیّدوں یا برہمنوں کی اولاد ہی ہوتے۔ وہ اُن کو نصرانی عیسائی بنا لیتے بلکہ اُن کو مملوک غلام بنا لیتے تھے۔ اِن لوگوں کا یہی دستور رکوکن (واقع دکن) میں ہے جو اُن کے ساحلی مقبوضات میں سے ہے... جب مسافر اُن کے علاقہ میں سے گذرتے تو محصول کی چوکیوں پر اُن کے مال کی تلاشی لی جاتی۔ اگر کسی کے پاس تمباکو نکل آتا۔ تو اُس کی کمبختی آجاتی کیونکہ مسافر صرف اپنی ضرورت کی خاطر تمباکو تھوڑی مقدار میں لے جا سکتے تھے۔ اس کو فروخت کرنے کے لئے باقاعدہ اجازت حاصل کرنی پڑتی تھی... اُنہوں نے اپنے سکّے بھی مسکوک کر رکھے تھے"۔ منوچی لکھتا ہے[1] کہ "یہ نام نہاد مسیحی بدنام کنندۂ نکونامے چند" کشتیوں میں ہر طرف جا کر مَردوں عورتوں اور بچوں کو اُٹھا لاتے تھے اور اُن کے زر و دولت سے مالا مال ہو جاتے تھے۔ جب کبھی یہ بچے رات کے وقت روتے تو وہ اُن کو

1. Storia do Mogor : Vol. 1. p. 370

Marfat.com

ماؤں کی گود سے چھین کر بے دریغ سمندر میں پھینک دیتے تھے"۔

ان تنگ مسیحیت لوگوں کی کرتوتیں شاہ جہان بادشاہ کی برداشت سے باہر تھیں۔ پس تخت نشینی کے بعد اُس نے قاسم خان کو جو ممتاز محل کا رشتہ دار تھا بنگال کا گورنر مقرر کر کے بھیجا اور اُس کو خُفیہ حکم دیا کہ پرتگیزوں کی بیخکنی کر دے۔ وُہ پانچسو جہازوں اور ستر ہزار کا لشکر جرّار لے کر ہُگلی پر اچانک چڑھ آیا اور ۲۴ رجون ۱۶۳۲ء کے روز جنگ شروع کر دی۔ ادھر پرتگیز بے خبر بیٹھے تھے۔ اُن کی تعداد تین صد سے زیادہ نہ تھی لیکن پھر بھی وُہ اپنے ہندوستانی غلاموں کی مدد سے تین ماہ تک مقابلہ کرتے رہے۔ اس کے بعد انہوں نے دریا کے راستہ بھاگنے کی کوشش کی لیکن دریا پایاب تھا اور صرف تین چار جہاز بھاگنے میں کامیاب ہو گئے۔ مغلوں کی بری اور بحری افواج نے تعاقب کر کے پرتگیزوں کو شکستِ فاش دی۔ جنگ کے دَوران میں ایک گرجا[1] شہید کر دیا گیا۔ بُتوں کو درختوں پہ ٹنگا دیا گیا گویا کہ اُن کو پھانسی دی گئی ہے۔ خانقاہوں کو آگ لگا دی گئی۔ درویشوں اور راہبوں کو نہایت بے دردی سے ایذائیں دی گئیں۔ وہاں کے قسیسوں کو زخمی اور قتل کر دیا گیا۔ ان میں پادری کبرال Cabral تھا جس کو دَورانِ عبادت میں گولی سے زخمی کر دیا گیا، مگر اُس کی جان بچ گئی۔ اُس نے ہُگلی کے جانکاہ واقعہ کو بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔ شاہجہان نے خُوش ہو کر فتح کی خبر شاہ بلخ کو بھیجی اور لکھا کہ اسلام کفر و شرک پر غالب آیا ہے۔ جہاں پہلے نصاریٰ کے گرجے تھے وُہ اب مساجد بنا دیئے گئے ہیں اور جہاں ناقوس بجتے تھے وہاں اب اذان کی آوازیں بلند ہیں۔ برنیئے لکھتا ہے کہ شکست خوردہ شہر کے باشندوں کی مُصیبت دیکھی نہیں جاتی۔ ایک جہاز جس میں دو ہزار مردوں عورتوں اور بچوں نے پناہ لی تھی، غرق کر دیا گیا۔ دس ہزار کو توپ و تفنگ کا نشانہ بنا دیا گیا۔ بے شمار پناہ ڈھونڈنے والے پانی میں ڈوب مرے اور ہزاروں جل کر مر گئے۔ منوچی لکھتا ہے کہ پانچہزار باشندے قید کر لئے گئے جن میں ڈیڑھ ہزار پرتگیز تھے۔ تمام قیدیوں کو جن میں پرتگیز، مخلوط النسل عیسائی اور ہندوستانی عیسائی تھے، ہُگلی سے آگرہ تک نو سو میل پیادہ پا بزنجیر لایا گیا۔ ان میں مرد عورتیں اور بچے بھی تھے۔ برنیئے اُن کی تباہ حالت کا ذکر کر کے لکھتا ہے کہ "ان بد نصیبوں کی ناگفتہ بہ حالتِ زار کی مثال موجودہ زمانہ میں نہیں ملتی۔ وُہ قدیم زمانہ کی قیدِ بابل کی مانند تھی"۔ بد بخت قیدی نو ماہ تک پا بزنجیر سفر کر کے بالآخر آگرہ پہنچے۔ اُن کے

1. The Church of our Lady of Mercies.

Marfat.com

وہاں پہنچنے سے پہلے ارجمند بانو ممتاز محل فوت ہو چکی تھی۔

قیدیوں میں ایک ہزار کے قریب راہ کی صعوبتیں برداشت نہ کر سکے اور راستہ میں ہی مر گئے۔ آگرہ پہنچنے کے بعد ۱۱ محرم ۱۰۴۳ھ کے روز لقایا قیدیوں میں سے چار سو قیدی مرد اور عورتیں چن کر شاہجہان کے حضور لائے گئے۔ ان کے پاؤں میں زنجیریں اور گردنوں میں لوہے کے کڑے تھے۔ بادشاہ نے ان کے افسروں اور حاکموں کو غلام خاص بنا لیا۔ قیدی عورتوں میں جو حسین ترین تھیں، اُن کو اپنی حرم سرا میں بھیج دیا۔ باقی عورتیں اُمرائے کبار اور ارکین دربار میں تقسیم کی گئیں۔ چنانچہ لیڈی ٹوماٹسیا مارٹینس (Lady Thomazia Martins) کو شاہی دسترخوان کا چارج دیا گیا۔ اِس خاتون کو شاہجہان کی چھوٹی بیٹی روشن آرا بیگم بے حد پسند کرتی تھی۔ ایک اور قیدی خاتون مریا ڈاٹائیڈے (Maria d'Ataide) قندھار کے گورنر علی مردان خان کو عقد میں دے دی گئی۔ نابالغ لڑکوں کا ختنہ کر دیا گیا اور مسلمان بنا لئے گئے۔ وُہ اُمرا کے غلام اور خدمتگار ہو گئے۔ جو مرد بالغ تھے، اُن کو اسلام قبول کرنے یا بصورتِ انکار ہاتھیوں کے پاؤں تلے روندے جانے کا اختیار دیدیا گیا۔ ایک اچھی خاصی تعداد نے اسلام قبول کر لیا جن میں پرتگیزوں کے اعلیٰ ترین خاندانوں کے چشم و چراغ بھی تھے۔ بحکم شاہ اُن کا ختنہ کر دیا گیا جس کو انہوں نے موت اور شکنجہ پر ترجیح دے کر قبول کر لیا۔ ان نومسلموں کا حسبِ دستور روزینہ مقرر کر دیا گیا۔ جن مسیحیوں نے اپنا ایمان ترک کرنے سے صاف انکار کر دیا وُہ اُمرا میں تقسیم ہو گئے، جن کی قید میں ہی وُہ مر گئے۔ حکومت گوآ نے بعض قیدیوں کو زرِ فدیہ دے کر چھڑا لیا۔ جو قیدی آزاد ہو گئے اُنہوں نے آگرہ میں رہائش اختیار کر لی۔ اُن کی بڑی تعداد بیکاروں کی تھی کیونکہ کوئی شخص ان کو کام پر نہیں لگاتا تھا۔ ان کو محنت مشقت سے روزی کمانے کی عادت بھی نہ تھی۔ اب مبلغین بھی اس قابل نہ رہے تھے کہ کسی کی مالی امداد کر سکیں۔ پس ان آزاد مسیحیوں کی ایک بڑی تعداد اسلام کی حلقہ بگوش ہو گئی۔

ہگلی کے گرجا کے جو بُت اور مورتیاں آگرہ لائی گئیں وُہ یا تو دریائے جمنا کی بھینٹ کر دی گئیں اور یا توڑ ڈالی گئیں۔ قسیسوں میں سے پادری انٹونیو قید کر لیا گیا جس کو بعد کے زمانہ میں پادری منریق[1] نے آزادی دلوائی۔ اس کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے۔ پادری انٹونیو ڈے کرسٹو[2]، پادری فرانسسکو ڈے لا انیکارنسیوں[3]، پادری مینوئیل ڈنیایا[4]، اور ایک بنگالی پادری

1. Manrique. 2, Antanio de Christo 3-Francisco de la Encarnacion 4. Mannuel Danhaya.

Marfat.com

بینوئیل گارسیا[1] کو قید کیا گیا۔ دُرّے لگائے گئے۔ چابکیں ماری گئیں۔ زنجیروں سے لادا گیا اور اسی حالت میں اُن کو شہر کے بازاروں میں تشہیر کیا گیا۔ جہاں مسلمان اُن پر گندگی اور غلاظت پھینکتے اور گالی گلوچ دیتے تھے۔ پھر شاہجہان نے حکم دیا کہ اُن کو ہاتھیوں کے پاؤں تلے روندا جائے لیکن اُس کے خسر آصف خان کی سفارش پر اُن کو زندان میں پھینک دیا گیا جہاں وُہ اذیتوں سے جانبر نہ ہو سکے۔ اُن کی قبریں آگرہ کے مسیحی قبرستان میں موجود ہیں۔

شاہجہانی عہد کے چند مبلّغین

ہم سطورِ بالا میں تبلا چکے ہیں کہ جہانگیر کی وفات کے بعد مغلیہ بادشاہوں کا سلوک مُبلّغین انجمنِ عیسوی کے ساتھ پہلا سا نہ رہا۔ اُن کو کسی قسم کی مراعات بھی نہ دی گئیں۔ اِس سلوک کو دیکھ کر پرتگیزی حکومت اور مبلّغین دونوں نے اپنا وطیرہ بدل لیا۔

پرتگیزوں نے گوآ کے ساحلی مقامات اور دیگر مقامات کے انگریزوں سے سیاسی اور تجارتی امور پر براہِ راست گفت وشنید کرنی شروع کر دی اور دونوں قوموں میں اپنے معاملات کو بظاہر صُلح کے ساتھ طے کرنے لگ گئے۔ انجمنِ عیسوی کے مبلّغین بھی اب انگریزوں کے ساتھ خوشگوار تعلّقات رکھنے لگ گئے۔ چنانچہ ۱۶۳۷ء کا ذکر ہے کہ ایک رہزن نے ایک انگریز ڈریک کو گولی مار کر زخمی کر دیا۔ پادری جوزف ڈے کاسترو نے آگرہ سے اس کے لئے پالکی، طبیب اور جرّاح بھیجے تاکہ اُس کی جان بچ جائے لیکن وُہ مر گیا۔ پادری جوزف نے اُس کی موت کی خبر سورت کے انگریزوں کو بھیجی۔ مابعد کے زمانہ میں جب مُبلّغین کو آگرہ کا گھر وسیع کرنے کے لئے روپیہ کی ضرورت پڑی تو وہاں کے انگریزوں اور ولندیزوں نے فراخدلی سے اُن کی مدد کی۔

شاہجہان کے عہد میں پادری کورسی ۱۶۳۵ء میں اور پادری ڈے کاسترو ۱۶۴۵ء میں فوت ہو گئے۔ اب آگرہ میں تین مبلّغین رہائش گزین تھے اور ایک مرزا ذوالقرنین کے پاس رہتا تھا۔ جب ۱۶۵۰ء میں دہلی دارالسلطنت بنا تو ایک مبلّغ وہاں رہنے لگا۔ لیکن ان مبلّغین میں کوئی ایسا سربرآوردہ عالم نہ تھا جو پادری اکوآویوا یا پادری زیویئر کے پایہ کا ہوتا۔ ان مبلّغین میں سے تین قابلِ ذکر ہیں۔

پادری انطونیو چیسکی

پادری انطونیو چیسکی[2] ۱۶۱۸ء میں پیدا ہوا اور ۱۶۴۵ء میں ہندوستان آیا۔ وُہ ایک اعلیٰ خاندان کا چشم وچراغ تھا۔ گو اُ

1. Manuel Garcia. 2. Antonio Ceschi.

Marfat.com

میں آنے کے تین سال بعد وُہ آگرہ بھیجا گیا۔ وہاں سے ایک سال بعد لاہور بھیجا گیا۔ اپریل ۱۶۵۲ء میں وُہ مغلیہ سلطنت کے نئے دارالسلطنت دہلی بھیجا گیا۔ دہلی اُس کا صدر مقام مقرر ہُوا، جہاں سے وُہ نہ صرف دہلی بلکہ آگرہ کی کلیسیا کی بھی دیکھ بھال کیا کرتا تھا۔ وُہ اِس جانفشانی سے اپنی رُوحانی خدمات سرانجام دیا کرتا تھا کہ مغل اُمرا نے اس کی محنت و مشقت کو دیکھ کر اُس کا نام پادری "شش مرد" رکھ دیا تھا۔ وُہ ریاضیات کا ماہر تھا اَور سنسکرت زبان اَور ہندو فلسفہ اَور علوم میں دسترس رکھتا تھا۔ بالآخر وُہ ۲۸ جون ۱۶۵۶ء کے روز آگرہ میں وفات پا گیا اَور آگرہ کے گرجا چرچ آف آور لیڈی[1] میں دفن کیا گیا۔

پادری ہنری رُوتھ

پادری ہنری رُوتھ[2] ۱۶۲۰ء میں ملک بویریا میں پیدا ہوا۔ وُہ ۱۶۵۳ء میں براہِ کابل آگرہ پہنچا۔ وُہ لکھتا ہے کہ اُس کی ملاقات کابل میں مسیحیوں کے ایک گروہ سے ہُوئی جو اپنے آپ کو "مُقدّس تُوما کے مسیحی[3]" کہتے تھے۔ یہ نکتہ کلیسیائے ہند کے مؤرخ کے لئے نہایت معنی خیز ہے کیونکہ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ سترھویں صدی کے نصف میں کابل میں کم از کم ایک مسیحی کلیسیا ضرور موجود تھی جو جہانگیر اَور شاہجہان کے عہد کی کلیسیاؤں کی ہم عصر تھی۔ ممکن ہے کہ اِس کلیسیا کے شُرکا کا تعلق ہندوستان کے شمال مغربی سرحدی صُوبہ کی قدیم ترین پہلی صدی کی کلیسیاؤں میں سے کسی کلیسیا کے ساتھ ہو جس کو مقدس تُوما رسُولِ ہند نے قائم کیا تھا اَور جن کا ذکر ہم جلد اوّل کے بابِ چہارم میں کر آئے ہیں۔ یا یہ بھی عین ممکن ہے کہ اِن کابل کے مسیحیوں کے آباؤ اجداد شمالی ہند کی قدیم نسطوری کلیسیا سے متعلق ہوں۔ جو (جیسا ہم جلد دوم کے باب چہارم کی فصل اوّل میں بتلا چکے ہیں) اپنے آپ کو "مُقدّس تُوما کے مسیحی" کہتے تھے۔ اُمید ہے کہ مستقبل کے زمانہ میں کوئی مؤرخ اِس نکتہ پر مزید روشنی ڈالیگا۔

پادری ہنری رُوتھ ایک اچھا ادیب تھا جو ہندوستان کی رسُوم اَور ہندوؤں کی مذہبی کُتب سے واقف تھا۔ جب اُس نے دیکھا کہ ہندوستان کی اکثریت ہندوؤں پر مشتمل ہے تو اُس نے سنسکرت زبان کی تحصیل شروع کر دی اَور چھ سالوں میں اس قابل ہو گیا کہ سنسکرت کی صرف و نحو کی کتاب تصنیف کرے۔ اُس سے برنیئے سیّاح نے ہمارے مُلک کی نسبت بہت سی معلُومات فراہم کیں۔ وُہ ۱۶۶۴ء میں براہِ لاہور، ملتان، سندھ اور اصفہان رُوم کو گیا جہاں سے وُہ واپس مشرقی یورپ کے ممالک اَور ترکی میں سے ہوتا ہُوا ۱۶۶۷ء میں آگرہ آ گیا۔

---

1. Church of our Lady. 2. Henry Roth.
3. St. Thomas Christians.

Marfat.com

اس کے اگلے سال وُہ فوت ہوگیا۔ اُس کی وفات کے فوراً بعد جب اُس کی لاش ابھی گھر میں پڑی تھی، شہر کا کوتوال گھر میں آگھسا تاکہ متوفی کے مال پر قبضہ کر لے۔ مُبلغین نے بصد مشکل گرجا کے سامان اور تصویروں کو لُٹ جانے سے بچا لیا۔

مُسلم عوام اور مسیحیت

مذکورہ بالا حسرتناک واقعہ خفیف معلوم دیتا ہے لیکن اس قسم کی خفیف تفاصیل سے ہم کو علم ہو جاتا ہے کہ شاہجہان کے عہد میں مُبلغین کی کیا قدر و وُقعت رہ گئی تھی۔ جب بادشاہِ وقت خود اُن کو ناپسند کرتا تھا اور اُن کے مذہب کو حقارت و نفرت کی نگاہوں سے دیکھتا تھا تو ہم عُلما اور اُمرا کے رُخ اور عوام کے جذبات اور رُجحانِ طبع کا اندازہ قیاس کر سکتے ہیں۔ بالخصوص ہُگلی کے واقعہ کے بعد ان کی خصومت بڑھتی ہی چلی گئی۔ بعض اوقات مسلمان فساد کر کے مسیحیوں کے ساتھ ایسی بدسلوکی کرتے تھے کہ توبہ ہی بھلی! ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ عید قیامت کے تہوار کے موقعہ پر پرتگیزی مسیحیوں نے (جو قید سے زرِ فدیہ دے کر رہا ہوئے تھے) یہوداہ اسکریوتی کی ایک بڑی سُورت کھڑی کی جس کو اُنہوں نے برسرِ عام پھانسی پر لٹکایا تھا۔ (متی ۲۷: ۵)۔ یہ مُورت اُسی قسم کی تھی جیسی ہندو راون کی مورت دسہرہ کے موقعہ پر بناتے ہیں۔ لیکن مقامی حُکام نے یہ افواہ اڑا دی کہ اُنہوں نے رسُولِ عربی کی مورتی کھڑی کر دی ہے۔ اس پر آگرہ کی مسیحی کلیسیا کی آفت آ گئی۔ مسیحیوں پر وُہ مظالم توڑے گئے کہ خُدا کی پناہ۔ ایک اور موقعہ پر کسی نے ہُگلی کے ایک قیدی کی بیوی کو مُبلغین کے پاس جاتے دیکھ لیا۔ یہ قیدی مسلمان ہوگیا تھا لیکن غلام بنا لیا گیا تھا۔ اس کا اسلامی نام سعادت خان تھا۔ جب مخبری کی گئی تو قاضی نے مُبلغین کو بُلایا، دھمکایا اور اُن کو سختی سے فہمائش کی۔ سعادت کی بیوی نے تسبیں کے پاس آنا جانا بند کر دیا۔ کشمیر کے منصبداروں میں ایک محمد زمان تھا وُہ ایک ایرانی تھا جس کو شاہِ عباس نے رُوم بھیجا تھا۔ وہاں وُہ مسیحی عُلما سے دینی مسائل پر بحث کرنے کے بعد مسیحیت کو برحق مان کر عیسائی ہوگیا اور اُس کا نام پال زمان رکھا گیا۔ جب وُہ ایران واپس گیا تو گو اُس نے اپنے ایمان کو خُفیہ رکھا تھا لیکن یہ بات چھپی نہ رہی اور مسلمان اُس کی جان لینے کے درپے ہو گئے۔ وُہ ایران سے بھاگ آیا اور شاہجہان کے پاس آ پناہ گزیں ہوا لیکن اُس نے اصل حقیقت کو چھپائے رکھا۔ پس بادشاہ نے اُس کو منصبدار کے عہدہ پر فائز کر کے کشمیر بھیج دیا، جہاں وُہ در پردہ عیسائی رہا۔ اُس نے اپنا رہن سہن مسلمانوں کا سا رکھا۔ اُس کے پاس بہُت سی قیمتی کتابیں لاطینی زبان میں تھیں جن کا مطالعہ پادری بُوسی اور دیگر مُبلغین کیا کرتے تھے۔

Marfat.com

(منوچی جلد دوم ص۱۷-۱۸) جب اس پایہ کے عالم اور صاحبِ جاہ مسیحی کو مریدوں کو اپنا مذہب مجبوراً خفیہ رکھنا پڑتا تھا تو ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ شاہجہان کے عہد میں عام مسیحیوں کو کیا حال ہوگا جب شریعت ارتداد کا ازسرِ نو نفاذ ہوگیا تھا۔

پادری ہنری بُوسی

عہدِ شاہجہان میں انجمنِ عیسوی کا ایک اور مبلغ ہنری بُوسی تھا جو جرمنی میں ۱۶۱۸ء میں پیدا ہوا اور ۱۶۳۴ء میں انجمنِ عیسوی میں شامل ہو کر ۱۶۴۷ء میں گوا آیا۔ اس کے اگلے سال وہ گوا سے براہِ سورت آگرہ پہنچا۔ وہ مغلیہ سلطنت میں اُنیس سال کام کرنے کے بعد ۱۶۶۷ء میں آگرہ میں فوت ہوگیا اور وہیں دفن ہوا۔

ہم گذشتہ فصل میں اس فاضل مبلغ کا ذکر کر چکے ہیں۔ وہ ایک زبردست عالم تھا اور ساتھ ہی اچھا ادیب، مقرر، اور مناظر تھا۔ وہ علومِ ریاضی کا ماہر تھا اور ہندوستان کی زبانوں سے واقف تھا۔ اُس نے سنسکرت زبان کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور ہندومت کی مذہبی کتابوں اور فلسفہ کے اصولوں سے کماحقہ واقف تھا۔ تمام ہندو پنڈت اور فاضل اُس کے علم و فضل کا لوہا مانتے تھے اور سب اُس کو ایک مستند عالم تسلیم کرتے تھے۔ شاہجہان کے عہد میں بقول برنیئے "سنسکرت زبان مدت سے مردہ ہو چکی تھی جس سے صرف ہندو عالموں اور پنڈتوں کا طبقہ ہی واقف تھا۔" (ص۳۴۱) وہ اسلام سے بھی بخوبی واقف تھا۔ ہم گذشتہ فصل میں بتلا چکے ہیں کہ داراشکوہ کے حضور وہ مسلم علما سے بحث و مناظرہ کر کے اُن کے دانت کھٹے کر دیا کرتا تھا اور شہزادہ اُس کے جوابات اور سوالات سُن کر نہایت محظوظ ہوا کرتا تھا۔ وہ نہ صرف شہزادہ سے آزادانہ ملاقات کیا کرتا تھا بلکہ اُمرائے دربار سے بھی دوستانہ تعلقات رکھتا تھا۔ اُس کی یہ بڑی کوشش تھی کہ داراشکوہ مسیحی ہو جائے۔

منوچی ہم کو بتلاتا ہے جب دارا کے قتل کا وقت آیا تو اُس نے قید خانہ کے دربانوں سے بصد منت و سماجت کہا کہ پادری بُوسی کو میرے پاس یہاں لے آؤ۔ منوچی کا یہ بیان ناممکن نہیں کیونکہ گو دارا جیتے جی ہندو خیالات سے متاثر تھا تاہم یہ عین ممکن ہے کہ جب اُس کے سامنے موت آئی تو لاچاری کی حالت میں اس بے یار و مددگار انسان نے انجیل کے زندگی بخش کلام کو یاد کیا ہو اور آخری دم خداوند مسیح کی محبت اور معافی کا پیغام سننے کا خواستگار ہوا ہو۔ لیکن سنگدل دربانوں کا صاف انکار سُن کر دارا نے باوازِ بلند کہا کہ "محمد مارا می کشند۔ ابن اللہ مارا جان می بخشد۔" منوچی کہتا ہے کہ میں نے خود اُن دربانوں سے ملاقات کی اور اُن سے استفسار کیا اور سب باتوں

کا مفصل حال معلوم کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ دارا شکوہ مسیحی ہونا چاہتا تھا (جلد اوّل ص ۳۲۴ و ص ۳۵۶)

پادری منریق پادری فرے سیبسٹین منریق (Fray Sebastian Manrique) اگسٹینی جماعت کا راہب تھا۔ وہ ۱۶۲۸ء میں ہگلی آیا جہاں اس نے بنگالی اور ہندوستانی زبانوں کی تحصیل کی۔ ۱۶۲۹ء میں وہ اراکان گیا اور ۱۶۳۷ء تک اس نے اراکان اور بنگال میں خدمت کی۔ وہاں وہ انجمنِ عیسوی کے مبلغین کے ہاں مہمان رہا۔ ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ ہگلی کی فتح کے بعد پادری انٹونیو دے کرسٹو جو اگسٹینی جماعت کا راہب تھا اسیر کر لیا گیا تھا اور اس وقت سے آگرہ کے زندان میں تھا۔ منریق اس کو آزاد کرانے کی غرض سے جنوری ۱۶۴۱ء کو آگرہ گیا۔ لیکن شاہجہان ان دنوں لاہور[1] گیا ہوا تھا پس وہ بھی اکیس روز کی مسافت طے کر کے لاہور پہنچا۔ وہ اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے[2] کہ "لاہور کے راستہ میں ہم نے بہت شہر اور قصبے بر لبِ سڑک دیکھے جن میں اشیائے خوردنی کی کمی نہ تھی اور اگرچہ سرائیں اعلیٰ قسم کی تھیں لیکن چونکہ بادشاہ لاہور میں مقیم تھا ان جگہوں میں تل رکھنے کو بھی جگہ نہ تھی سڑک پر آمد و رفت برابر جاری رہتی تھی پس بعض راتیں ہم درختوں کے نیچے سوئے اور بعض ستاروں بھرے آسمان کے نیچے کاٹیں۔ لاہور میں اشیائے خوردنی اس کثرت سے تھیں اور اتنی سستی تھیں کہ چار آنے دونوں وقت کی اعلیٰ خوراک کے لئے کافی تھے۔ میں شہر کے گلی کوچوں کی صفائی اور لوگوں کی پرسکون زندگی دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ رات کے لئے چوکیدار اور دن کے لئے نگہبان مقرر ہیں۔ مجرم کو فوراً جرم کے موقعہ پر سزا دی جاتی ہے اور خفیہ مقدمے نہیں ہوتے۔ لاہور پہنچ کر میں نے فرنگیوں کی سرائے[3] کا پتہ پوچھا لیکن اچانک ادھر سے پادری جوزف ڈے کاسترو گھوڑے پر سوار ہو کر جا رہا تھا۔ میرے ہمراہیوں نے اس کو پہچان لیا اور مجھے اس کا نام بتلایا۔ میں نے لاطینی زبان میں اس کو سلام کیا وہ چونک پڑا۔ میں نے اسی زبان میں کہا کہ میرے پاس اس کے لئے تعارفی خطوط ہیں۔ وہ گھوڑے سے نیچے اتر آیا۔ میری گاڑی میں بیٹھ کر اس نے گاڑیبان کو حکم دیا کہ گھر کی طرف چلو۔ وہاں اس نے میری خاطر تواضع کی جب اس کو یہ علم ہوا کہ میں پادری انٹونیو کو آزاد

---

[1] شاہجہان نے ہگلی کی فتح کے بعد لاہور کے گرجا کو شہید کر دیا تھا [2] یہ سفرنامہ ہسپانوی زبان میں لکھا گیا تھا۔ اس کی دو جلدیں برٹش میوزیم میں محفوظ ہیں [3] یہ سرائے ارمنی تاجروں کی تھی جہاں ارمنی تاجر ٹھہرتے تھے۔

Marfat.com

کروانے آیا ہوں تو وُہ بہت خُوش ہُوا ۔۔۔۔ لاہور کے بازاروں کی رونق اَور خاص کر "چوک بازار" کی رونق دیکھ کر مَیں حیران رہ گیا ۔ یہاں کے لوگ یورپ کے طاقتور اَور دولتمند لوگوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر شان سے رہتے ہیں ۔ بادشاہ بھی یہیں تھا ۔ نوروز کی عید بھی تھی اَور حُسنِ اتفاق سے اُسی روز عیدالفطر بھی تھی ۔ بادشاہ ترازو کے ایک پلڑے میں بیٹھ گیا اَور خُدام نے دُوسرے پلڑے میں روپوں کی تھیلیاں رکھیں ۔ اس کے بعد بادشاہ سونے اَور قیمتی جواہرات اَور پھر گیہوں کی روٹیوں ۔ آٹے ۔ چینی ۔ گھی اَور رُوئی کے کپڑوں کے تھانوں وغیرہ سے تولا گیا ۔ یہ آخری اشیا غُربا ۔ مساکین اَور برہمنوں میں پوشیدہ طَور پر تقسیم کی گئیں ۔ مَیں یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ یہ غیر مسیحی وحشی گو ہمارے خُداوند مسیح کی پیروی نہیں کرتے لیکن اتنا تو جانتے ہیں کہ خیرات خُدا کی محبت کی خاطر دینی چاہیئے اَور خُداوند کے اس حکم کو مانتے ہیں کہ خیرات دیتے وقت تیرا بایاں ہاتھ نہ جانے کہ دہنا کیا دیتا ہے ۔ ان کا یہ طرزِ عمل ان لوگوں کے واسطے جو اپنے آپ کو مسیحی کہتے ہیں، نہایت سبق آموز ہے ۔ جب عید کی خُوشی ختم ہو چُکی تو پادری جوزف نے نواب آصف خان کو میری آمد کی اطلاع دی ۔ مَیں اس شش و پنج میں تھا کہ مَیں نواب صاحب کے حضُور سوداگر کے لباس میں جو مَیں نے پہن رکھا تھا جاؤں یا قسیسی لباس میں جاؤں ۔ بالآخر یہ فیصلہ ہُوا کہ چُونکہ نواب آصف خان کو معلوم ہے کہ مَیں ایک قسیس ہُوں مَیں قسیسی لباس میں ملبُوس ہو کر جاؤں گا تاکہ وُہ میری واجبی عزّت و تکریم کرے اَور میرے آنے کا مُدعا بھی جلدی پُورا ہو جائے ۔ لیکن مَیں تمام شہر میں سے قسیسی لباس میں نہیں جانا چاہتا تھا تاکہ لوگوں کے لئے ایک عجُوبہ نہ بن جاؤں ۔ پس اگلے روز نماز کے بعد مَیں نے خُدا سے دُعا کی کہ میرا مُدعا پُورا ہو جائے ۔ مَیں نے نواب صاحب کے لئے ہدیئے اَور تحائف لئے ۔ اتنے میں ایک شخص چار سواروں کے ساتھ آیا اَور اُس نے کہا کہ نواب عالیجاہ نے یاد فرمایا ہے ۔ یہ ارشاد سنتے ہی مَیں نے سرِ تسلیم خم کیا اَور ملک کے دستُور کے مُطابق کہا کہ حضُور نواب کی ذرّہ نوازی کے لئے شکر گذار ہُوں ۔ ہم سب گھوڑوں پر سوار ہو کر نواب آصف خان کے محل گئے ۔ جہاں پادری جوزف میری انتظاری کر رہا تھا ۔ وُہ مجھے چند لمحوں کے لئے ایک کمرے میں لے گیا جہاں مَیں نے لباس تبدیل کر کے قسیسی لباس پہنا ۔ محل کے دروازے سے نکل کر ہم ایک باغ میں آئے جس میں نہایت اعلیٰ اَور خوشبودار درخت اَور پھُول تھے ۔ اس میں چشمے بہہ رہے تھے جن میں شیریں شفاف پانی تھا ۔ بعض چشموں کے گرد دیواریں تھیں جن پر تصویریں منقُوش تھیں ۔ بعض دیواروں پر مقدس یُوحنّا بپتسمہ دینے والے کی زندگی کے واقعات کی تصاویر

منقوش تھیں جس بیابان میں وہ رہتا تھا، اُس کی اور اُونٹ کے چمڑے کی اور جنگلی شہد اور ٹڈیوں کی تصاویر تھیں۔ خُداوند مسیح کے بپتسمہ پانے کی تصویر تھی۔ طُوفانِ نوح اور کشتی اور دیگر واقعات کی تصویریں بھی دیواروں پر منقوش تھیں۔ وہاں سے ہم ایک کمرہ میں گئے جہاں نواب بستر پر علیل پڑا تھا۔ مَیں نے دستُور کے مطابق ہدیئے گذرانے۔ اُس نے نہایت خوش خلقی سے مجھے اپنے قریب بلایا... مَیں نے موقعہ پا کر پادری انٹونیو کا ذکر چھیڑ دیا اور کہا کہ وہ بیچارہ پچھلے نو سال سے بے قصُور زندان میں پڑا سڑ رہا ہے۔ نواب نے تمام حالات کو بڑے غور سے سُن کر پادری انٹونیو کی حالت پر اظہارِ تاسف فرمایا اور وعدہ کیا کہ وہ اُس کو زندان سے آزادی دلوانے کی کوشش کرے گا۔ مَیں نے اظہارِ تشکّر کیا۔ اس کے بعد اُس کا طبیب آگیا اور مَیں نے رُخصت لی۔ میری درخواست بھی قبُول ہوگئی اور پادری انٹونیو کی رہائی کا شاہی فرمان بھی مل گیا اور اُس کو واپس بنگال جانے کی اجازت بھی دے دی گئی... مَیں نے موقعہ پا کر ایک اور شاہی فرمان حاصل کر لیا جس کی رُو سے اُن تمام عمارتوں اور گرجاؤں کو از سرِ نو تعمیر کرنے کی اجازت ہوگئی جس کو شاہجہاں کے احکام کے مُطابق گذشتہ سالوں میں سندھ کے صُوبہ میں منہدم کر دیا گیا تھا... لاہور سے رُخصت ہونے سے چند روز پہلے ہم کو پتہ لگا کہ بادشاہ اپنے خُسر نواب آصف خاں کے ہاں اُس کی صحت یابی کی مُبارک بادی دینے جائے گا۔ اس موقعہ پر مَیں بھی طعام کے وقت حاضر ہو گیا۔ بادشاہ کے ایک طرف اُس کی ساس بیٹھی تھی اور دُوسری طرف اُس کی بیٹی تھی۔ اُس کے پیچھے سلطان دارا شکوہ اور اُس کا نانا نواب آصف خان تھے۔ مَیں شاہی آداب و دستورات دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا۔ کھانے کی چیزیں نہایت اعلیٰ پایہ کی اور لذیذ تھیں۔ ان میں کیک، پیسٹری اور مختلف قسم کی یورپین مٹھائیاں بھی تھیں جن کو دیکھ کر بادشاہ نے اپنے خُسر سے پُوچھا کہ ان کو کس نے بنایا ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ جہاں پناہ۔ ان کو پرتگیز غلاموں نے تیار کیا ہے۔ اس پر بادشاہ نے بلند آواز سے کہا کہ یہ فرنگی اچھے لوگ ہوتے اگر ان میں تین بُرائیاں نہ ہوتیں۔ اوّل یہ لوگ کافر ہیں دوم۔ وہ سوّر کا گوشت کھاتے ہیں[1] اور سوم قضائے حاجت کے اپنی مقعد کو نہیں دھوتے... لاہور سے مَیں سندھ کی بندرگاہ دیول آیا، جہاں اگسطینی جماعت کے مبلّغین کا مشن تھا۔ وہاں مَیں نے پادری جارج ڈے لا نیٹویڈیڈ[2] کو شاہی

---

[1] اِس زمانہ میں انجمن عیسوی کے مبلّغین نے ملک کی مذہبی فضا کو دیکھ کر سُور کا گوشت کھانا ترک کر دیا تھا۔ (برکت اللہ)

[2] Jorge de la Natividad.

Marfat.com

فرمان دیا جس کی رُو سے گرجا کو از سرِ نو تعمیر کرنے کی اجازت دی گئی تھی ... "

برنیئے کا مُبلّغین کے کام کا جائزہ

مغربی کلیسیا کے مُبلّغین کی نسبت برنیئے لکھتا ہے "دو مُغلیہ سلطنت میں فرانسسکی کیپیوچن[۱] (Capuchins) مبلّغین اور انجمنِ عیسوی کے مبلّغین ہر قسم اور ہر درجہ اور طبقہ کے لوگوں میں انجیلِ جلیل کا پرچار کرتے ہیں۔ مَیں ان مُبلّغین کو داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ وُہ بغیر کسی تعصّب یا فرقہ کے جوش یا بدتمیزی کے اپنے فرائض کو تندہی سے انجام دیتے ہیں۔ وُہ نہایت محنت سے ہر فرقہ کے مسیحیوں کو خواہ وُہ رُومی کلیسیا کے ہوں خواہ یُونانی، آرمینی، نسطُوری کلیسیاؤں کے ہوں یا ڈوینگی ہوں، سب سے نہایت خُلق اور ملنساری سے پیش آتے ہیں۔ وُہ مسافروں کی مدد کرتے ہیں اور اجنبی انسانوں کی تکالیف کو دُور کرتے ہیں۔ وُہ عالم باعمل ہیں جن کی زندگیاں غیر مسیحیوں کی جہالت اور ریاکاری کو شرمندہ کرتی ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اُن میں بعض ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو بدنام ہیں اور جن کو مُبلّغ ہونے کی بجائے اپنی خانقاہوں کی چار دیواری کے باہر قدم رکھنا نہیں چاہیئے تھا۔ ایسے لوگوں کا مذہب محض نقلی ہوتا ہے جس سے مسیحیّت کو تقویت ملنے کی بجائے اُلٹا نقصان پہنچتا ہے۔ لیکن اس قماش کے انسان خال خال ہی نظر آتے ہیں۔ .... موجُودہ زمانہ کی تبلیغ سے اُس قسم کے شاندار نتائج پیدا نہیں ہوتے جیسے رسُولی زمانہ میں چاروں طرف نظر آتے تھے۔ مَیں غیر مسیحیوں کے درمیان رہائش رکھتا ہُوں اور اُن کے دلوں کے اندھے پن سے بخوبی واقف ہُوں۔ مجھے اس بات کا بھی احساس ہے کہ ایک ہی دن میں دو تین ہزار نفوس کا مسیحی ہو جانا ناممکنات میں سے ہے۔ بالخصُوص مَیں مسلمان بادشاہوں اور مسلمانوں میں تبلیغ و اشاعتِ انجیل کے کام کی طرف سے نااُمید ہُوں۔ مَیں نے مشرقی ممالک کے تمام تبلیغی مرکز دیکھے ہیں اور مَیں اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر یہ کہہ سکتا ہُوں کہ اہلِ ہنُود میں انجیل کی تبلیغ و اشاعت کی اُمید ہو سکتی ہے لیکن دس سال میں ایک مسلمان بھی مسیحی نہیں ہوتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مُسلمان خُداوند مسیح اور انجیل کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں اور "حضرت" کہے بغیر عیسے کا نام نہیں لیتے۔ وُہ ہماری طرح مسیح کی اعجازی پیدائش کے بھی قائل ہیں اور یہ بھی مانتے ہیں کہ حضرت عیسے رُوح اللہ اور کلمۃ اللہ تھے۔ لیکن اُن سے یہ اُمید رکھنی فضول ہے کہ وُہ

---

[۱] ۱۵۲۸ء کے نئے قاعدہ کے موجب فرانسسکی پادریوں کا نام۔

Marfat.com

اپنے پیدائشی مذہب اسلام کو ترک کر کے مسیحیت کے حلقہ بگوش ہو جائیں گے یا اپنے نبی محمد پر ایمان رکھنا چھوڑ دیں گے۔ اس ملک میں صرف ایسے مبلغین بھیجنے چاہئیں جو اپنی لیاقت، قابلیت و ذہانت کے ساتھ روحانیت اور پاکیزگی بھی رکھتے ہوں اور انجیل کی خدمت کرنے میں ایسے جوشیلے ہوں کہ ہمیشہ اشاعتِ دین کے موقعے تلاش کرتے رہیں اور اپنے خداوند کے انگورستان میں دل و جان سے سخت مشقت و محنت کرنے والے ہوں۔ ہم کو اپنے دلوں سے یہ خام خیال دور کر دینا چاہیئے کہ کسی شخص کو خداوند مسیح کے قدموں میں لانا آسان کام ہے۔ ہم کو اسلام کی اس گرفت کا صحیح اندازہ کرنا چاہیئے جس کی وجہ سے اہلِ اسلام اپنی اُن نفسانی خواہشات پر بے خوف ہو کر عمل کرتے ہیں جو ہمارے مقدس مذہب میں منع ہیں۔ اسلامی شریعت تلوار کے زور سے قائم ہوتی ہے اور تلوار کا زور ہی اُس کو قائم بھی رکھتا ہے۔ صرف خدائے قادر کا فضل ہی کسی مسلمان کو اُس کی آہنی گرفت سے چھٹکارا عطا کر سکتا ہے۔ . . . ایک اور بات جو مسیحیت کی اشاعت میں رکاوٹ کا باعث ہے وہ مسیحیوں کا طرزِ عمل ہے جو وہ گرجاؤں میں دکھاتے ہیں۔ وہ یہ مانتے ہیں کہ خدا خود اُن کی قربانگاہ پر حاضر ہوتا ہے لیکن اُن کا وطیرہ اُن کے قول کی تردید کرتا ہے۔ مسلمانوں کا وطیرہ اس کے عین نقیض ہے۔ وہ خدا کی حضوری کو مسجدوں میں نگاہ میں رکھتے ہیں۔ کیا مجال کہ زبان تو زبان، وہ کبھی اپنا سر بھی ہلائیں۔ اُن کا طرزِ عمل ہر غیر مسلم پر ظاہر کر دیتا ہے کہ وہ اپنی مسجد کو خانۂ خدا سمجھ کر اُس کی عزت و حرمت کرتے ہیں۔" (صفحہ ۲۸۹ تا ۲۹۲)

پھر آگے چل کر بر نیئے مغربی درویشوں کا ہندو جوگیوں اور مشرقی کلیساؤں کے رہبانوں سے مقابلہ کر کے لکھتا ہے " حق تو یہ ہے کہ ہندوؤں کے جوگیوں کی تپسیا اور مشرق کی آرمینی، قبطی، یونانی، نسطوری اور مارونی (Moronite) کلیساؤں کی ریاضت اس قدر سخت ہوتی ہے کہ ہمارے مغربی رہبان اور گوشہ نشین اُن کے سامنے نوآموز مبتدی نظر آتے ہیں" (صفحہ ۳۲۱)۔

بشپ متھیوس

انجمنِ عیسوی کے مبلغین کے علاوہ شاہجہان کے عہد میں اور مبلغ بھی آئے۔ اُن میں ایک بشپ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ بشپ ڈوم متھیوس ڈے کاسٹرو میلو Dom Matheus de Castro Melo گوآ کا باشندہ تھا۔ سولھویں صدی کے اواخر میں گوآ کی انجمنِ عیسوی کے مبلغین نے ایک برہمن اور اُس کی بیوی بچے کو بپتسمہ دیا۔ اس نیچے لے کاشتکاری کا پیشہ ترک کر کے ایک پرتگیزی کی ملازمت اختیار کر لی

Marfat.com

اور اُس کے ساتھ پرتگال گیا اور وہاں سے رُوم جاکر قسیس بن گیا۔ ہوتے ہوتے ۱۶۳۷ء میں وُہ رُومی کلیسیا کی اصطلاح میں "دارالشرک" کا بشپ بنا دیا گیا۔ ۱۶۳۹ء کے آخر میں وُہ گوآ آیا جہاں اُس کی وائسرائے اور آرچ بشپ سے اَن بن ہوگئی کیونکہ وُہ انجمنِ عیسوی کا اور فرانسسکی پالیسی کا مخالف تھا اور مسیحی برہمنوں کو پریسٹ کے عُہدہ پر مقرر کرنے پر مُصر تھا۔ ۱۶۴۵ء میں وُہ حبشہ کا صدر مُبلّغ بشپ (Vicar Apostolic) مقرر ہُوا۔ ۱۶۵۰ء میں وُہ بیجاپور اور گولکنڈہ اور مغلیہ سلطنت کا صدر مبلّغ بشپ ہُوا اور یکم فروری ۱۶۵۱ء کے روز آگرہ پہنچا۔ جہاں پادری بوتیلہو Botelho تبلیغی مشن کا بڑا قسیس تھا۔ اُس نے مُبلّغین کے کام کو تسلّی بخش نہ پایا اور چند باتوں کی اصلاح کرنی چاہی۔ اُن کا رُخ اور انداز دیکھ کر اُس نے ولندیزی اور انگریز تاجروں کو علانیہ کہا کہ یہ مُبلّغین نالائق ہیں۔ نہ وُہ خُود کوئی قابلیت رکھتے ہیں اور نہ وُہ قابل برہمن ہندوستانی مسیحیوں کو اِس پاک عُہدہ پر فائز ہونے دیتے ہیں۔ بعض پرتگیز مرتد نومُسلم اُس کے حضُور فریادی بن کر آئے اور انہوں نے مُبلّغین پر بے دھڑک الزامات لگائے۔ بشپ میتھیوس نے اُن کو تسلّی دی اور کہا کہ ہم ایسے مُبلّغین کو یہاں رہنے نہیں دیں گے اور اُن کو نکال دیں گے۔ بشپ آگرہ سے دہلی اور لاہور گیا اور وہاں کی کلیسیاؤں کے حالات اور مُبلّغین کے کام کو دیکھ کر کشمیر گیا جہاں اُن ایام میں شاہجہان مقیم تھا۔

شاہجہان نے بشپ میتھیوس کے علم و فضل کی شُہرت سُنی ہُوئی تھی۔ جب وُہ شاہجہان کے دربار میں آیا تو بادشاہ نے عُلمائے اسلام کو حکم دیا کہ بشپ کے ساتھ مناظرہ کریں۔ ایک مباحثہ منعقد کیا گیا جس میں طرفین کے سوال و جواب ہُوئے۔ بشپ نے عُلما سے سوال کیا اور کہا ایک مسافر راستہ بھُول گیا۔ اُس کی نظر دو آدمیوں پر پڑی جن میں سے ایک مرا پڑا تھا اور دُوسرا اُس کے پاس کے پاس کھڑا تھا۔ اب آپ یہ بتلائیں کہ وُہ مسافر دونوں آدمیوں میں سے کس شخص سے صحیح راہ دریافت کرے گا؟ اِس سوال سے اُس کا مطلب یہ ثابت کرنا تھا کہ خُداوند مسیح زندہ ہے اور رسُول عربی وفات پا چکا ہے۔ بادشاہ اور اُس کا وزیر سعداللہ خان، دونوں بشپ کا اصل مطلب جانپ گئے کہ وُہ اِس سادہ سوال سے مسیح اور انجیل کی برتری ثابت کرنا چاہتا ہے۔ پہلے تو شاہجہان نے عُلما کو جواب باصواب دینے کو کہا لیکن جب اُس نے دیکھا کہ وُہ خاطر خواہ جواب نہیں دیتے تو اُس نے اپنے وزیر کی طرف دیکھا سعداللہ خان

Marfat.com

نے جواب دینے کی اجازت چاہی لیکن شاہجہان نے جلسہ برخاست کر دیا اور سب کو رخصت کر دیا۔
(منوچی جلد ا۔ ص ۲۱۱-۲۱۲)

بشپ میتھیوس بادشاہ کے علاوہ وزیر سلطنت سعد اللہ خان سے ملاقات کرنے کو گیا، اور اپنے ساتھ پادری زیویئر کی کتاب آئینہ حق نما کے جواب الجواب کی ایک جلد لے گیا جو سید احمد بن زین العابدین کی کتاب کے جواب میں عربی زبان میں لکھی گئی تھی۔ سعد اللہ خان نے کتاب کو ہاتھ نہ لگایا۔ بشپ میتھیوس ایک درباری میراں سید سبحان سے بھی ملا۔ کشمیر میں وہ ایک مسیحی طبیب سکندر بیگ اور مرزا ذوالقرنین سے بھی ملا۔ لیکن جب ذوالقرنین نے دیکھا کہ وہ مبلغین کا مخالف ہے تو اس نے اس کو منہ نہ لگایا۔

بشپ میتھیوس نے مغلیہ سلطنت کے حکام کو بر ملا کہا کہ مسیحیوں نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ ہم میں سے جب کوئی مرجاتا ہے تو مبلغین انجمن عیسوی اس کی جائداد پر غاصبانہ قبضہ کر لیتے ہیں۔ اس نے مبلغین پر یہ الزام بھی لگایا کہ وہ گوا کی حکومت کے در پردہ ایجنٹ اور جاسوس ہیں۔ وہ ہالینڈ کے توپچیوں کو بھی شاہجہان کی فوج میں بھرتی ہونے سے روکتے ہیں۔ جب یہ شکایات شاہجہان کے کانوں تک پہنچیں تو اس نے پادری ٹوسی کی گرفتاری کا حکم صادر کر دیا۔ ذوالقرنین نے یہ سن کر بڑا پیچ وتاب کھایا۔ اور جب بادشاہ نے واپس جانے کے لئے لاہور کی جانب کوچ کیا تو وہ بھی اس کے ساتھ ہو لیا۔ راستہ میں وہ پادری ٹوسی کی رہائی کا مطالبہ کرنے کے لئے بادشاہ کی طرف بڑھا۔ شاہجہان نے اس کو دیکھ کر تخت رواں کو جس پر وہ سوار تھا ٹھہرا لیا۔ اس نے دیکھا کہ ذوالقرنین کا چہرہ غصہ کے مارے لال ہو رہا ہے۔ آگے بڑھ کر اس نے عرض کی کہ جہاں پناہ۔ آپ نے بے سروپا الزامات کو سن کر میرے پادری کو زندان میں بھیج دیا ہے۔ اگر یہ الزامات سچ ثابت ہوں تو میرا سر حاضر ہے اس کو کاٹ دیں۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ تم کشمیر واپس جاؤ اور سعد اللہ خان سے کہو کہ جب وہ لاہور آئے تو پادری ٹوسی کو ہمارے سامنے حاضر کرے۔ جب ذوالقرنین سلام کر کے واپس لوٹا تو شاہجہان نے امرا سے جو اس کے ہمراہ تھے کہا "تم نے دیکھا تھا کہ ہم سے بات کرتے وقت مرزا کا منہ غصے کے مارے لال ہو رہا تھا۔ ہم اس کے مزاج سے خوب واقف ہیں اور تادم زیست اس کی باتوں کو برداشت کرتے رہیں گے کیونکہ ہم دونوں اکٹھے کھیلا کرتے تھے۔

پادری ٹوسی قریباً دو ماہ کی قید کے بعد ۳۔ دسمبر ۱۶۵۱ء کے روز آزاد کر دیا گیا۔ پادری بوئل ہو بھی ٹوسی کو آزاد کرانے کی خاطر نومبر میں لاہور پہنچا لیکن جونہی اس نے سنا کہ بشپ

یتھیوس لاہور میں ہے وہ فوراً روپوش ہوگیا۔ مسیحی کلیسیا کے لوگ بھی بشپ سے دور ہی رہتے تھے کیونکہ وہ اُن کی نسبت اچھی رائے نہیں رکھتا تھا، اور علانیہ اُن کو نالائق سست اور نکمے لوگ کہا کرتا تھا۔

جب بشپ یتھیوس جنوبی ہند کی جانب چلا گیا تو انجمن کے حواس باختہ مبلغین کی جان میں جان آئی۔ اس بشپ کے بعد ایک اور برہمن ذات کا مسیحی کُس ٹوڈی اُس ڈے پینھو (Custodius de Pinho) اُس کا جانشین بنا اور "دارالشرک" کا بشپ مقرر ہوا۔ وہ بیجاپور، گولکنڈہ اور مغلیہ سلطنت کا صدر مبلغ بشپ تھا، لیکن چونکہ وہ سلطنتِ مغلیہ میں نہ آیا ہم اُس کا ذکر یہاں نہیں کرتے۔

رومی کلیسیا کے تمام فرنگی مبلغ اور بشپ صدر مبلغ اُسقف یتھیوس کے ہاتھوں نالاں تھے۔ چنانچہ حبشہ کی رومی کلیسیا کے بشپ نے (جو بشپ یتھیوس کے ماتحت تھا) اُس کے خلاف شکایات کا ایک طُولانی دفتر روم کی جانب بھیجا جس میں لکھا تھا کہ اب یہ بنڈیلا سوٹر" مغلیہ سلطنت میں گیا ہے۔ اُس کا وہاں جانا نہ صرف رومی کلیسیا کے مسیحیوں بلکہ انگریزوں اور ولندیزیوں تک کے حق میں بُرا ثابت ہو رہا ہے۔ وہ مبلغین انجمن عیسوی کو پرتگیزی حکومت کا جاسوس بتلاتا ہے۔ اُس کا وجود مسیح کے نام پر دھبہ ہے۔ اگر مبلغین ایسے ہیں تو اُس کے لئے یہ مناسب تھا کہ وہ روم میں اُن پر الزامات لگاتا۔ لیکن ایسا کرنے کی بجائے اُس نے ایک مسلمان بادشاہ کے پاس جاکر بدترین الزامات عائد کئے ہیں۔

حقیقت یہ تھی کہ بشپ یتھیوس کے الزامات گو مبالغہ سے خالی نہ تھے مگر صحیح تھے۔ اِن الزامات اور اُن کے نتائج نے مشرق و مغرب کی کلیسیاؤں پر گہرا اثر ڈالا۔ یورپ کے ممالک میں یہ اثر ہوا کہ وہاں کے حکام کی نظروں سے انجمن گر گئی اور مبلغین کا پہلا سا وقار نہ رہا۔ مغلیہ سلطنت کے مقبوضات میں تو اِس انجمن کی وقعت آگے سے بھی کم ہوگئی۔ شاہجہان پہلے ہی مبلغین کی طرف سے لاپرواہ تھا۔ اب وہ اُن کی شکل دیکھنے کا بھی روادار نہ رہا۔ اس کے بعد اُس نے انگریزوں کا سہارا لینا شروع کر دیا اور اُس نے اُن کو تجارتی حقوق عطا کر دیئے۔

Marfat.com

فصل چہارم

آگرہ، لاہور اور دہلی کی کلیسیائیں

(۱) آگرہ کی کلیسیا

آگرہ کے گرجے مورخ بدایونی لکھتا ہے کہ ۱۵۹۴ء میں اکبر نے حکم دیا تھا کہ اگر کوئی غیر مسلم اپنا عبادت خانہ بنانا چاہے تو اس نیک کام میں کوئی مزاحم نہ ہو۔ پس مبلغین نے آگرہ میں ۱۵۹۹ء کے قریب ایک چھوٹا سا گرجا بنا لیا جو بڑھتی ہوئی کلیسیا کے لئے ناکافی ثابت ہوا۔ ۱۶۰۴ء کے قریب ایک اور گرجا تعمیر کیا گیا جس کو عموماً "اکبر بادشاہ کا گرجا" کہتے ہیں۔ پادری زیویئر کے خطوط اور برنیئے سیاح کے سفرنامہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ گرجا نہایت عالی شان اور خوبصورت تھا، جس کا منارہ بہت بلند تھا۔ اس منارہ کے برج میں ایک گھنٹہ تھا جس کے بجنے کی زبردست لیکن سریلی آواز تمام شہر میں سنائی دیتی تھی۔ اور ہر جانب اور ہر مذہب کے لوگوں کو گرجا میں آکر عبادت کرنے کی دعوت دیتی تھی۔ برنیئے لکھتا ہے کہ اس کی آواز گو سریلی تھی لیکن اس سے مومن بیزار تھے۔ لیکن وہ زمانہ اکبر کا تھا جو اب ختم ہو چکا تھا۔ مبلغین کا رہائشی مکان بھی گرجا سے ملحق تھا جس کو جہانگیر کے عہد میں ۱۶۲۱ء میں مرزا ذوالقرنین کی فیاضی نے وسیع کر دیا تھا۔ اب اس میں آٹھ کمرے تھے اور یہ مکان "کالج" کے طور پر بھی استعمال ہوتا تھا۔

آگرہ کے مسیحی مبلغین کو آئے ہوئے اب پچاس سال سے زائد عرصہ ہو گیا تھا۔ جیسا ہم گذشتہ ابواب میں بتلا چکے ہیں۔ ان کی پہلی کوششیں اکبر اور جہانگیر کو مسیحی بنانے پر مرکوز تھیں لیکن جب ان کی امیدوں پر پانی پھر گیا تو انہوں نے بادشاہ کی بجائے رعایا کی جانب اپنی توجہ منعطف کی۔ جہانگیر کی بے التفاتی اور شاہجہانی کی کھلی مخالفت کا اثر مسیحی کلیسیا کی اشاعت پر قدرتاً پڑا۔ اب مسیحی جماعت کی اکثریت ایسے مسیحیوں کی تھی جو فرنگیوں اور آرمینی مسیحیوں کے ملازم تھے یا سوزن کاری، زردوزی، کارچوبی، گل کاری اور کشیدہ کاری

کے کام کرتے تھے یا حجام وغیرہ تھے اور سب کے سب غریب طبقہ کے تھے۔ بشپ میتھیوس کا یہ اندازہ تھا کہ یہ مبلغین اس غریب طبقہ کی بہت پرواہ نہیں کرتے تھے اور ان سے مربیانہ اور تحکمانہ انداز سے پیش آتے تھے اگرچہ وہ بروقت اُن کی سرپرستانہ امداد بھی کرتے تھے۔

ہنگلی کے واقعہ کے بعد آگرہ کے مسیحیوں کی ایذا رسانی کے دنوں میں (جس کا ذکر بعد میں کیا جائے گا) مبلغین ۱۶۴۸ء کی رپورٹ میں اُن کی بابت لکھتے ہیں کہ اسلامی نفرت اور دشمنی کی لہروں کے سخت طوفانوں میں خداوند کے یہ جان نثار پیرو اپنی عبادتیں کرتے ہیں۔ روزے رکھتے اور کلیسیائی دستورات پر عمل کرتے ہیں۔ عشائے ربانی کی نماز میں شامل ہونے سے پہلے وہ نہ صرف نسیبسوں کے سامنے اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں بلکہ وہ خود اُن لوگوں کے پاس جاتے ہیں جن کو انہوں نے خیال، قول اور فعل سے نقصان پہنچایا ہو اور اُن سے معافی حاصل کرتے ہیں۔ شاذ و نادر ہی کوئی ایسا شخص ہوگا جو اُن خاص دنوں میں عشائے ربانی میں شامل نہیں ہوتا جو کلیسیا نے مقرر کئے ہوئے ہیں۔" مسیحی تعداد میں کم تھے لیکن اُن کی مذہبی تعلیم و تربیت اعلیٰ پیمانہ کی تھی۔ غالباً مشرق کے ممالک کے مسیحیوں سے وہ دینی اصُول کے علم میں کم نہ تھے۔ وہ اسلامی روزہ کی تقلید کر کے ایام روزہ میں فاقہ کرتے تھے اور ان ایام میں ہر جمعہ کے روز وہ اپنے گناہوں کو یاد کر کے اپنی پیٹھوں کو گھائل کرتے تھے۔ مقدس ہفتہ کی تمام رسُوم نہایت سنجیدگی سے ادا کی جاتی تھیں۔ اتوار کے روز کو مقدس جان کر وہ دُنیاوی کاموں سے باز رہتے تھے۔

جب آگرہ کی بجائے دہلی دارالسلطنت بن گیا تو آگرہ کی رونق دہلی کے مقابلہ میں پھیکی پڑ گئی۔ ہر چند کہ آگرہ بابر اور اکبر کا دارالسلطنت رہ چکا تھا اور اس کو شاہجہان نے بھی ہر طرح سے رونق دار بنا دیا تھا اور اب اُس میں تاج محل کا روضہ بھی تھا پھر بھی دارالسلطنت کی تبدیلی سے اُس کی پہلی سی اہمیت نہ رہی۔ اس وقت آگرہ چھ میل لمبا تھا اور اس کی آبادی چھ لاکھ کے قریب تھی۔

دارالسلطنت کی تبدیلی کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ آگرہ کی کلیسیا کے جو افراد مقابلتہً خوشحال تھے وہ نقل مکانی کر کے دہلی چلے آئے۔ آگرہ کی کلیسیا کے سامنے بیکاری کا زمانہ آیا۔ جن اشیاء کو وہ بنایا کرتے تھے اُن کی قیمتیں گر گئیں اور وہ مفلس و نادار ہو گئے۔ جب تک جہانگیر زندہ رہا وہ غربا اور مساکین کے لئے انجمن کو ماہانہ رقم دیتا رہا۔ اُس کی وفات کے بعد شاہجہان نے مسیحی غربا کی امداد کے لئے مبلغین کو یہ رقم دینی بند کر دی اور مرزا ذوالقرنین کے عطیہ جات اس

Marfat.com

کمی کو پُورا کرتے رہے۔

بپتسمہ یافتگان کی تعداد

ہم گذشتہ ابواب میں بتلا چکے ہیں کہ اکبر کے زمانہ میں بپتسمہ پانے والوں کی تعداد اچھی تھی، کیونکہ اُس نے کھُلی اجازت دے دی تھی کہ جو شخص جس مذہب کو اختیار کرنا چاہے کرلے۔ چنانچہ ۱۶۰۴ء میں جو مسلمان بپتسمہ پاکر عشائے ربّانی کی رسم میں شامل ہُوئے، اُن کی تعداد چالیس سے زیادہ تھی۔ جب جہانگیر اپنے عہد کے شروع میں اپنی اسلام پروری دکھلانا چاہتا تھا اور مُبلّغین سے کلام بھی نہ کرتا تھا، بپتسموں کی تعداد کم ہوگئی۔ لیکن جب جہانگیر نے اپنی ظاہرداری چھوڑ دی تو بپتسموں کی تعداد پھر بڑھنے لگی۔ چنانچہ ۱۶۲۳ء میں ایک سَو اشخاص کو بپتسمہ دیا گیا۔ جب شاہجہان تخت نشین ہُوا تو آگرہ کے نو مُریدوں کی تعداد پھر کم ہوگئی۔ چنانچہ ۱۶۴۸ء میں آگرہ میں صرف ۴۹ اشخاص کو بپتسمہ دیا گیا۔ اِس سال کی رپورٹ میں مُبلّغین لکھتے ہیں "جو لوگ ہماری مشکلات سے واقف ہیں وُہ اس تھوڑی تعداد کو ہرگز کم نہ سمجھیں گے"۔ ۱۶۵۰ء میں آگرہ میں اکیس ۲۱ اشخاص کو بپتسمہ دیا گیا جن میں سے نو بسترِ مرگ پر تھے اور اس کے تین سال بعد تمام مُغلیہ سلطنت میں صرف تیس اشخاص نے بپتسمہ پایا۔ اِس قلیل تعداد کو دیکھ کر پادری بُوسی نے کہا کہ ہندوستان کے لوگ صرف تلوار ہی کے ذریعہ اپنا مذہب تبدیل کرتے ہیں۔

اکبر کے عہد میں پادری زیویئر کہا کرتا تھا کہ ہندوستان میں انجیل کا بیج ہندو مت کی خاردار زمین اور اسلام کی پتھریلی زمین میں بویا جاتا ہے۔ مُبلّغین کہتے تھے کہ مسلمانوں کو مسیحیت کی حقانیت کا یقین دِلانا آسان ہے لیکن اُن کو مسیحیت کا حلقہ بگوش کرنا نہایت مشکل ہے۔ جب کبھی کوئی مسلمان مسیحی ہوجاتا تھا تو وُہ ایسے غیر مسیحی ماحول میں رہتا تھا جو اُس کے مسیحیت پر قائم رہنے میں سدِّراہ ہوتے تھے۔ اکبر اور جہانگیر کے عہد کے بعد شریعتِ ارتداد کے نفاذ کی وجہ سے شاہجہان کے عہد میں بہت کم مسلمان ایسے دلیر تھے جو علانیہ اسلام کو ترک کرکے مسیحیت کو اختیار کرلیتے تھے، بلکہ پادری بوشل ہرو نے ایک دفعہ یہاں تک کہہ دیا کہ شاہجہان کا شریعتِ ارتداد کو نفاذ کرنے کا حکم ہی غیر ضروری تھا کیونکہ اس سے پہلے بھی انجیل کی تبلیغ کی اجازت کے باوجود مسلمان مسیحی کلیسیا میں شریک نہیں ہوتے تھے۔

مُبلّغین نے بعد کے زمانہ میں فارسی کے ساتھ ساتھ سنسکرت اور ہندی زبانوں کی بھی تحصیل کی تاکہ ہندو پنڈتوں اور عوام الناس میں مسیحیت کی اشاعت ہو لیکن بعض مقامات میں جہاں

Marfat.com

ہندو راجے تھے، ہندوؤں کو مسیحیت کے حلقہ بگوش کرنے پر بھی پابندیاں لگا دی گئی تھیں۔

اندریں حالات مُبلّغین نے تلخ تجربہ کے بعد جہانگیر اور شاہجہان کے عہد میں نومُریدوں کو فارسی اور ہندی زبانوں میں مسیحیت کی تعلیم و تربیت دینی شروع کی۔ وہ پہلے اُن کو پرتگیزی زبان میں مسیحی عقائد سکھلایا کرتے تھے، اور یہ نومُرید خیال کیا کرتے تھے کہ جس طرح اہلِ اسلام کی مُقدّس زبان عربی ہے اسی طرح مسیحیت کی مقدس زبان پرتگیزی زبان ہے۔ چُونکہ یہ نومُرید بالعموم ناخواندہ اشخاص ہوتے تھے اُن کو مسیحی عقائد دستُورات سوال وجواب کے طور پر زبانی حِفظ کرائے جاتے تھے۔ شاہجہان کے عہد میں جاکر اُن کے بچوّں کو لکھنا پڑھنا سکھانا شروع کیا گیا تاکہ وُہ ایمان میں مستحکم ہوں اور اپنی روزی کمانے کے لائق ہو جائیں۔ بپتسمہ دینے سے پہلے مدت تک اُن کو تعلیم دی جاتی تھی تاکہ مخالفینِ مسیحیت کے اعتراضات کے جواب دے سکیں اور ایمان میں مضبُوط ہو کر مسیحیت سے رُوگردانی نہ کریں۔

شاہجہان کے عہد کے اوائل میں آگرہ کی کلیسیا قریباً چار سو اشخاص پر مشتمل تھی۔ اس تعداد میں آرمینی اور ممالک یورپ کے مسیحی بھی شامل تھے۔ ۱۶۴۹ء میں آگرہ کی کلیسیا کی حالت "آندھیرے کے طُوفان میں ایک ٹمٹماتے چراغ" کی سی تھی اور اس کے سات سال بعد وُہ "ایک چھوٹے سے گلہ" کی طرح ہو گئی۔ اِس سال سات سو اشخاص عشائے ربانی کی رسم میں شریک ہُوئے تھے۔ غالباً یہ اضافہ غیر ملکی مسیحیوں کی زیادہ تعداد کی وجہ سے ہُوا۔

ہندوستانی قسیس

انجمنِ عیسوی کے مبلّغ روز افزوں مشکلات کے باوجُود ہندوستانی عیسائیوں کو قسیس کے پاک عُہدہ پر مقرر نہیں کرتے تھے۔ ہم سطورِ بالا میں لکھ آئے ہیں کہ بشپ پنتیفیوس کو بھی یہی شکایت تھی۔ یہ مُبلّغین صرف خالص نژاد یورپینوں کو ہی اپنی انجمن میں شامل کرکے اُن کو قسیسی عُہدہ پر مُمتاز کرتے تھے۔ دیگر فرقوں اور گروہوں کے مُبلّغین مخلوط النسل عیسائیوں کو بھی اپنی انجمنوں میں شامل کرکے اُن کو قسیس بنا لیتے تھے لیکن کوئی فرقہ یا گروہ یا انجمن ہندوستانی مسیحیوں کو اس پاک عُہدہ کے قابل نہیں سمجھتی تھی۔ ہاں اُن کو "سیکیولر پریسٹ" Secular Priest یعنی بے قاعدہ پادری بنا لیا جاتا تھا۔ چنانچہ پادری مینوئیل گارسیا (جس کا ذکر ہم واقعہ ہُگلی کے تحت کر چکے ہیں) بنگال کا ایک سیکیولر پریسٹ تھا جس کو سخت ایذائیں دے کر شہید کر دیا گیا تھا۔

Marfat.com

تبلیغ اور اشاعت کا کام

اکبر اور جہانگیر کے عہدِ سلطنت میں جیسا کہ گذشتہ ابواب میں ذکر کر چکے ہیں مُبلّغین مسیحی تہواروں اور دیگر موقعوں پر جلوس نکال کر بازاروں اور کوچوں میں سے گذرتے تھے اور شارع عام میں جلوسوں کو ٹھہرا کر انجیل کی تبلیغ کیا کرتے تھے لیکن اب وُہ زمانہ ختم ہو چکا تھا۔ ہگلی کے واقعہ کے بعد گرجاؤں میں آلاتِ موسیقی کا بجانا بھی بند کر دیا گیا۔ اِس امتناعی حکم کی وجہ یہ تھی کہ مومنین کی سمع خراشی نہ ہو۔ لیکن گرجاؤں میں بدستورِ سابق مُورتیاں اور تصاویر موجود تھیں جو مسیحی نَو مریدوں کے مذہبی جذبات کو جگائے رکھتی تھیں۔ چونکہ شاہجہان کے زمانہ میں انجیل کی تبلیغ و اشاعت آزادی کے ساتھ نہ ہو سکتی تھی پس مُبلّغین اِسی بات پر اکتفا کرتے تھے کہ غیر مسیحیوں کے گھروں میں جا کر شیاطین اور ارواحِ بد کو نکالیں۔ منوچی ہم کو بتلاتا ہے کہ مسیحی عورتیں بھی جادُو منتر اور جھاڑ پھونک کا کام کرتی تھیں۔ جب ہم اِس امر کو مدِ نظر رکھتے ہیں کہ مُبلّغین تک ایسے کام کرتے تھے کام کرتے تھے تو ہم کو ہندو اور مسلمان نَو مریدوں پر تعجب نہیں آتا۔ کیونکہ وُہ اپنے پہلے مذاہب میں ایسے باطل توہمات و عقائد کو مانتے تھے۔

مسیحیت کی تبلیغ و اشاعت میں "فرنگی" مسیحیوں کی زندگی اور اُن کے بد اخلاق کچھ کم رکاوٹ کا باعث نہ تھے۔ مغلیہ سلطنت کے ہر بڑے شہر میں یورپین مسیحیوں کی تعداد پائی جاتی تھی۔ بنگال اور گجرات کے ساحلی شہروں میں وُہ تجارت کرتے تھے۔ چنانچہ ۱۵۹۸ء میں صرف کھمبایت میں کئی سو پرتگیز تھے۔ یہ یورپین تاجر، نگینہ ساز، مینا کار، حکیم، جراح، سنّار اور اہلِ حرفہ تھے۔ اُن کی ایک اچھی خاصی تعداد مغلیہ افواج میں بطور توپچی ملازم تھی۔ چنانچہ جب اکبر نے کابل کے خلاف ۱۵۸۱ء میں فوج کشی کی تھی تو یورپ کے مسیحیوں کی اچھی خاصی تعداد اس کی فوج میں ملازم تھی جب شاہجہان نے ۱۶۲۴ء میں جہانگیر کے خلاف بغاوت کی تو اُس کی فوج میں دو صد پرتگیز تھے ۱۶۵۳ء میں میر جملہ کی فوج میں اسّی ۸۰ یورپین توپچی تھے۔ دارا شکوہ کی فوج میں ۱۶۵۸ء میں دو صد سے اُوپر یورپین توپچی تھے۔ جہانگیر کے زمانہ میں پادری ڈے کاسترو کی کلیسیا میں کشمیر کے علاقہ میں وینس (اطالیہ) کے دو مسیحی اور متعدد فرانسیسی اور پرتگیز تھے۔ لیکن یہ بھی حق ہے کہ سلطنتِ مغلیہ کے ممالک محروسہ کے ہر بڑے شہر میں رُومی کلیسیا کے یورپین شُرکا رہتے تھے جو مُبلّغین کی آمد کے وقت دُور دُور سے عبادت اور عشائے ربّانی میں شریک ہونے کے لئے سفر کر کے مُبلّغین کے پاس پہنچ جایا کرتے تھے۔

Marfat.com

لیکن افسوسناک حقیقت یہ تھی کہ عام طور پر ان فرنگی عیسائیوں کی زندگی مسیحیت پر بدنما دھبہ تھی بلکہ بعض اوقات اُن میں ایسے اشخاص بھی ہوتے تھے جو دُوسرے مسیحیوں کو اسلام اختیار کرنے کے لئے ورغلایا کرتے تھے۔ داراشکوہ کے فرنگی توپچی کہنے کو مسیحی تھے لیکن اُن میں ہر قسم کے عیب تھے۔ وُہ جُوئے باز، دغاباز، فریبی، شرابی، زانی وغیرہ سب کُچھ تھے۔ بہتیروں نے داشتہ عورتیں گھر میں رکھی ہوئی تھیں۔ دریں حالات انجیل جلیل کی اشاعت اور کلیسیا کی ترقی ایک مہمل بات ہوگئی تھی۔ شاہجہان کے عہد میں اُنکی اخلاقی حالت اس قدر گرگئی تھی کہ انجمن کے ایک مبلغ نے خُود نواب آصف خان سے شکایت کی کہ ایک اطالوی مسیحی نے ایک مُسلمان عورت سے چوری شادی کر رکھی ہے اور اُس نے نواب مذکور سے درخواست کی کہ اُس کو ملک بدر کر دیا جائے۔ یورپین مسیحیوں کی بداعمالیوں کا یہ حال تھا کہ بہتوں نے ہندو مسلمان عورتوں کو اپنے گھروں میں ڈال رکھا تھا اور اُن کے مخلوط النسل بچوں کی نگرانی بچارے مُبلغین کیا کرتے تھے۔ ان مسیحیوں کی ایک اچھی خاصی تعداد نے اسلام قبول کر لیا تھا تاکہ وُہ مسلمان عورتوں سے بیاہ کر سکیں اور بادشاہِ وقت سے روزینہ بھی حاصل کر لیں۔ مُبلغین ہر ممکن کوشش کر کے ان مُرتدوں کو واپس کلیسیا میں آنے کی ترغیب دیتے تھے۔ ان مُرتدوں میں سے اکثر غلام اور قیدی ہوتے تھے جن کا مُبلغین زرِ فدیہ ادا کر دیا کرتے تھے یا کسی اور طریقہ سے ان کو آزاد کرا لیتے تھے۔ شاہجہان کے عہد میں واقعہ ہُگلی کے بعد اُنہوں نے بعض غلام آزاد کرا لیے لیکن بعض مسیحی قیدیوں کے آقاؤں نے اُن کو آزاد کرنے سے انکار کر دیا۔ ہم ان مُبلغین کی مشکلات کا اندازہ کر سکتے ہیں اور اس حقیقت پر بھی روشنی پڑجاتی ہے کہ شاہجہان کے زمانہ میں کیا کیا اُمور مسیحیت کی اشاعت کی راہ میں رکاوٹ کا باعث تھے۔

اس سلسلہ میں ایک اور امر کا ذکر کرنا بھی ضروری معلوم دیتا ہے۔ شاہجہان کے عہد کے مُبلغینِ انجمنِ عیسوی پادری زیویئر کی سی قابلیت، ذہانت، علم و عقل اور پایہ کے آدمی نہ تھے۔ ان میں زیویئر کا سا تبلیغی جوش بھی نظر نہیں آتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سیاسی حالات کی تبدیلی نے اُن کے تبلیغی جوش کو بھی ٹھنڈا کر دیا تھا۔ لیکن پھر بھی وُہ آخر مُبلغ تھے اور گو وُہ کم علم تھے لیکن زیویئر کی کُتب (جنہوں نے عالمِ اسلام میں ایک سرے سے دُوسرے سرے تک ہلچل مچا دی تھی) اُن کے ہاتھوں میں تھیں جن کا وُہ مطالعہ کر کے اہلِ اسلام سے بحث کر سکتے تھے۔ چنانچہ جب بشپ پیٹرس ۱۶۵۱ء میں شاہجہان کے وزیر سعداللہ خان سے ملاقات کرنے گیا تو وُہ اپنے ساتھ زیویئر کی کتاب "آئینۂ حق نما" کا جواب الجواب بطورِ تحفہ لے گیا جو فرانسسکی پادری تلپ گوردانولی[1] نے

1. Guardanoli.

Marfat.com

نے سید احمد بن زین العابدین کی کتاب کے جواب میں عربی زبان میں ۱۶۲۹ء میں زیویئر کی کتاب کی تائید میں لکھا تھا۔ لیکن نواب مذکور نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ یہ جواب الجواب پہلے پہل لاطینی زبان میں لکھا گیا تھا۔ انجمن کے مُبلّغین اِسی لاطینی اصل کا مطالعہ کر کے ایک صدی تک اہلِ اسلام کے اعتراضات کے جواب دیتے رہے۔

آگرہ کی کلیسیا کی ایذا رسانی

ہم گذشتہ باب میں ذکر کر آئے ہیں کہ جب ۱۶۱۴ء میں جہانگیر کو مرعُوب کرنے کی خاطر پرتگیزوں نے عہد شکنی کر کے سلطنتِ مغلیہ سے جنگ چھیڑ دی تو بادشاہ نے غضب میں آکر آگرہ کے گرجا کو بند کر دیا تھا اور بیچارے مسیحی نومُریدوں کی شامت آگئی تھی۔

شاہجہان کے عہد میں ہُگلی کے واقعہ کے بعد (۱۶۳۳-۱۶۳۵ء) دو سال تک آگرہ میں ہُگلی کے پرتگیزی قیدیوں اور ان کے قسیسوں کو عذاب دے کر مارا گیا، قید میں ڈالا گیا، یا غلام بنا لیا گیا۔ لیکن آگرہ کے بے گُناہ ہندوستانی مسیحی بھی زیرِ عتاب آگئے۔ مسلمان عوام اُن کو نہ صرف حقیر و ذلیل خیال کرتے تھے بلکہ اکثر اوقات اِن دو سالوں میں اُن پر اینٹوں اور پتھروں کی بارش ہر جگہ ہوتی تھی۔ ہر ممکن ذریعہ سے اُن کو حلقۂ اسلام میں لانے کی کوشش کی جاتی تھی۔ جب کبھی کوئی شخص مسیحی ہونے کی جرأت کرتا تو رپورٹ کی جاتی کہ اس کو جبر سے مسیحی بنا لیا گیا ہے۔ مُسلم عوام مسیحیوں کے جانی دشمن ہو گئے۔ ان حالات میں چند کمزور ایمان والے مسیحی اسلام کو قبول کر کے اپنی جان چھڑا لیتے تھے لیکن عام طور پر آگرہ کے مسیحیوں نے حیرت انگیز طور پر اپنے ایمان پر قائم رہ کر ثابت قدمی کا ثبوت دیا۔ چنانچہ منوچی لکھتا ہے کہ شاہجہان نے ایک پرتگیز قیدی عورت جو ہُگلی سے آئی تھی اپنے ایک غلام سعادت خاں کو دیدی، لیکن وُہ پھر بھی اپنے مسیحی ایمان پر ثابت قدم رہی۔

یہ ایذا رسانی صرف دو یا تین سال تک ہی نہیں بلکہ شاہجہان کے تمام عہد میں جاری رہی چنانچہ ۱۶۳۹ء کی رپورٹ میں ایک نومُرید مسیحی عورت کی ثابت قدمی کا ذکر ہے جس کے مسلمان والدین اور نام نہاد عیسائی خاوند کے سلوک نے اُس کی زندگی دوبھر کر دی تھی۔ ایک اور نومُرید مسیحی عورت نے اپنی کنیز کو جو مسلمان تھی عیسائی بنا لیا تھا۔ گورنر نے اس کو گرفتار کر لیا۔ قاضی کے رُوبرُو اُسی نے اِس الزام کا اقبال کر کے کہا کہ مجھے اپنی لونڈی کو اپنے مُنجی کے قدموں میں لانے کی سعادت نصیب ہُوئی ہے۔ اُس پر قتل کا فتویٰ دیا گیا۔ وُہ خوشی خوشی مقتل کی جانب چلی گئی اور اُس نے اپنے خون سے اپنے ایمان پر مُہر کر دی۔

Marfat.com

واقعہ ہنگلی کے بعد ایک اتوار کا ذکر ہے کہ رہائی یافتہ قیدیوں نے گرجا میں جمع ہو کر خدا کی حمد و شکر گزاری کے گیت با آوازِ بلند گائے۔ مسلم عوام نے اس بات کو بُرا منایا اور ہر طرف چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ جب یہ خبر شاہجہان کے کانوں تک پہنچی تو اس نے غضب میں آکر مسلح فوج کو بھیجا جس نے گرجا پر دورانِ عبادت حملہ کر دیا۔ گرجا کا گنبد مینارہ مسمار کر دیا گیا۔ اس میں تین گھنٹے لٹکتے تھے جن کی شیریں آواز مسیحیوں کو عبادت کے لئے بلایا کرتی تھی۔ ان میں سے ایک جہانگیر نے بطورِ تحفہ عنایت کیا تھا۔ یہ گھنٹے صبح چار بجے عبادت کے لئے بجائے جاتے تھے۔ تینوں گھنٹے اُتار لئے گئے تاکہ اُن کے بجنے سے مومنین کے کانوں کو تکلیف نہ پہنچے۔ ان کو اتار کر کوتوالی میں پہنچا دیا گیا۔ مبلّغین کو قید کر لیا گیا۔ ان کے گھر کو ایسا تباہ کر دیا گیا کہ جب وہ چار دن کے بعد خدا خدا کر کے قید سے چھوٹ کر آئے تو اُن کو گھر درست کرنے میں آٹھ روز لگے۔ یہ واقعہ جنوری ۱۶۳۳ء کا ہے۔

مارچ میں حکّام پھر گرجا میں گھس آئے۔ اس وقت عبادت ہو رہی تھی۔ انہوں نے قسیسوں کو گرفتار کر کے زندان میں پھینک دیا۔ اُن سے یہ پوچھا گیا کہ تم نے اپنا مال خزانہ کہاں چھپایا ہے۔ پادری ڈے کاسترو کو تین مرتبہ پچاس پچاس بید مارے اور اس کا تمام بدن لہو لہان ہو گیا۔

اس کے اگلے سال ۱۶۳۴ء کے آخری دن کا واقعہ ہے کہ گرجا میں عبادت ہو رہی تھی کہ حکام پھر یکایک گرجا میں گھس آئے۔ عشائے ربانی کی نماز ہو رہی تھی۔ انہوں نے قسیسوں کو پکڑ لیا۔ اُن کے ہاتھوں سے مقدس پیالے چھین کر تقدیس شدہ مے کو قربان گاہ پر پھینک دیا۔ عبادت گذاروں کو عبادت کرنے سے منع کر کے اُن کو گرفتار کر لیا اور کشاں کشاں گورنر کی عدالت میں لے گئے۔ کلیسیا کے شرکا سے پوچھا گیا کہ آیا وہ برضا و رغبت خود مسیحی ہوئے تھے یا مبلّغین میں سے کسی نے اُن کو مکر اور حیلہ سے مسیحی بنا لیا تھا۔ سب نے یہی کہا کہ ہم نے اپنا پہلا مذہب برضا و رغبتِ خود چھوڑا تھا اور کسی نے ہم کو نہ ورغلایا تھا اور نہ زر کا طمع دیا تھا۔ جب گورنر نے یہ اطمینان کر لیا کہ ان عیسائیوں میں کوئی شخص پہلے مسلمان نہ تھا تو اُس نے اُن کی ضمانتیں لے کر رہا کر دیا۔ رہا کرتے وقت اُن کو حکم دیا کہ کوئی مسیحی گرجا کے نزدیک نہ پھٹکے۔ حکام کے حکم سے گرجا کی قربان گاہ کو توڑ دیا گیا۔ انہوں نے مورتیوں پر تھوک کر اُن کو پہلے پاؤں تلے پامال کیا اور پھر اُن کو توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا۔

۱۶۳۵ء میں شاہجہان نے ایک فرمان صادر کیا کہ گرجا کو مسمار کر دیا جائے۔ لیکن یہ

Marfat.com

رعایت دی کہ اگر مبلغین تباہ شدہ گرجا کی اینٹوں، پتھروں سے کوئی گھر یا حویلی بنانا چاہیں تو وہ بنا سکتے ہیں۔ بادشاہ کے فرمان کی نقل حسب ذیل ہے :۔

اللہ اکبر

دریں وقت فرمانِ عالی شان سعادت نشان شرفِ صدور و عزِّ ورود یافت کہ منازل و حویلی و گورستانِ پادریانِ فرنگی کہ در دارالخلافہ اکبرآباد عرف آگرہ واقع است و آنچہ بموجب فرمانِ عالیشانِ حضرت در وجہِ انعامِ آنہا مقرر شدہ وہرچہ خود بموجبِ قبالہ شرعی خریدہ عمارت نمودہ اند بدستورِ سابق بہ پادریانِ مذکور بموجبِ ضمن مقرر و مفوض باشد۔ می باید کہ حکام کرام و متصدیان کفائت فرجام و کوتوالانِ دارالخلافہ مذکور حسب الحکم اشرف اقدس اعلیٰ عمل نمودہ تحالِ مسطورہ صدر را بتصرفِ آنہا بازگذاشتہ اصلاً[1] و مطلقاً تغییر و تبدیل بداں راہ ندہند۔ و نیز حکم شد کہ عمارتِ[2] کلیسیائے کہ دراں جا ساختہ اند تا پایہ غلطانیدہ خراب سازند۔ اما مصالح براں ہا و اگذارند تا اگر می خواستہ باشند حویلی از برائے خود بسازند۔ و ہم چنیں اگر جمعے از مردمِ عیسوی بوقتِ تولدِ فرزند یا کدخدائی یا بیماری یا بجہتِ عبادت بخانۂ پادریاں می خواستہ باشند بروند۔ مانع و مزاحم نگر دند و نیز نگذارند کہ مُردۂ خود را بطورِ خود برداشتہ و زمین کہ بایشاں مرحمت شدہ دفن کنند۔ از فرمودہ تخلف نورزند۔

تحریراً فی التاریخ ۲ دے ماہ الٰہی سن ۸

آخر نواب آصف خان کی سفارش سے مبلغین نے اپنے احاطہ میں ایک مکان تعمیر کیا جو دو منزلہ تھا۔ ۱۶۳۶ء سے اس مکان کی نچلی منزل میں عبادت عمل میں آنے لگی۔ لیکن حکم ملا کہ شہید شدہ گرجا کی طرح اس پر کوئی مینارہ نہ بنایا جائے اور کوئی گھنٹہ لٹکایا نہ جائے۔ یہ عبادت پوشیدگی میں کی جاتی تھی کیونکہ مبلغین کو اور مسیحیوں کو حکام کا خوف ہمیشہ دامنگیر رہتا تھا پس عبادت کے بعد تمام سامانِ عبادت وہاں سے ہٹا لیا جاتا تھا۔ بعد کے زمانہ میں جب مبلغین کو حکام کی طرف سے ذرا اطمینان ہوا تو عمارت کو گرجا نما بنا دیا گیا۔

---

[1] یعنی مذکورہ بالا جگہوں کو ان کے قبضہ میں پھر دے دیں۔"

[2] یعنی "گرجا کی عمارت جو اس جگہ بنائی گئی ہے اس کو بنیاد تک گرا کر خراب کر دیں۔"

شاہجہان نے یہ بھی حکم صادر کیا کہ آگرہ کے مبلّغین کے کتب خانہ کی تمام ایسی کتابیں جن کا تعلق انجیل یا مسیحیت سے ہو، سب جلا دی جائیں۔ یہ بھی خبر ہوئی کہ مبلّغین کو اس حکم کا بروقت پتہ چل گیا اور انہوں نے دوڑ دھوپ کر کے کتب خانہ سے متعدد قیمتی کتابوں کو بچا کر چھپا لیا۔ جب حکام حکم کو پورا کرنے کے لئے آئے تو انہوں نے سب کتابوں کو نذرِ آتش کر دیا جو مبلّغین چھپا نہ سکے تھے۔

اس ایذا رسانی میں قسیسوں کو بھی دھر لیا گیا۔ مرزا ذوالقرنین (جس کو اکبر نے شاہجہان کے ساتھ پالا پوسا تھا) بھی قید کر لیا گیا۔ حکام نے مرزا ذوالقرنین کے خزانہ کا پتہ لگانے کے لئے پادری کورسی کو ایذائیں دیں اور پادری ڈےکاسترو کو اس قدر پیٹا اور زدوکوب کیا کہ اس کے تمام جسم پر سر سے پاؤں تک زخم ہی زخم نظر آتے تھے۔ انجمنِ عیسوی کے باقی ماندہ چاروں مبلّغوں کو قید خانہ میں ڈال دیا گیا۔ جب ذوالقرنین نے چھ لاکھ کی گراں قدر رقم کا جرمانہ ادا کیا تب اُن کی بھی خلاصی ہوئی۔ لیکن ان کو رہا کرتے وقت یہ حکم دیا گیا کہ وہ کبھی کسی مسلمان کو مسیحی نہ کریں۔

جب گرجا کو شہید کر دیا گیا تو مبلّغین کو بھی ان کی رہائش گاہ سے نکال دیا گیا۔ بادشاہ نے یہ بھی حکم جاری کیا کہ شاہی خزانہ سے جو رقمیں مبلغین کو غربا اور مساکین کے لئے جہانگیر کے وقت سے ملتی تھیں وہ قطعاً بند کر دی جائیں۔

جب مبلّغین کو اُن کے رہائشی مکان سے نکال دیا گیا تو انہوں نے ایک سرائے میں جا پناہ لی جو غالباً ارمنی مسیحیوں کی سرائے تھی۔[1] وہ چند مہینوں تک اسی سرائے میں رہائش کرتے رہے۔ عدالت نے یہ حکم دیا کہ مبلّغین کو سلطنتِ مغلیہ کے ممالکِ محروسہ سے نکال دیا جائے، اور ملک بدر کر کے اُن کو واپس گوآ بھیج دیا جائے۔ لیکن نواب آصف خان نے بیچ بچاؤ کر کے اس حکم کو منسوخ کروا دیا۔ پادری ڈےکاسترو پانچ ماہ تک بادشاہ کے پیچھے پیچھے جا بجا پھرتا رہا تاکہ انجمنِ عیسوی کو بحال کر دیا جائے۔ بالآخر اس نے بصد مشکل ۹ دسمبر ۱۶۳۵ء کے روز حسب دلخواہ فرمان حاصل کر لیا۔ مبلّغین نے واپس آ کر اپنے مکان کو دوبارہ درست کر لیا اور وہ مسیحیوں کو مسیحی عقائد کی تعلیم اور ایمان پر ثابت قدم رہنے کی تلقین کرتے رہے۔ انہوں نے مکان کی نچلی منزل میں ایک لمبا سا کمرہ بنا کر اُس کو عبادت کے لئے مخصوص کر دیا۔ اس کمرہ میں جماعت کے لوگ دو رویہ بیٹھتے تھے۔ ایک طرف مرد اور دوسری طرف عورتیں بیٹھ کر عبادت کرتی تھیں ایسا کہ کوئی مرد اُن کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ یہاں ۸ ستمبر ۱۶۳۶ء

[1] پادری مینریق کے سفرنامہ (از ۱۶۲۹ء تا ۱۶۴۳ء) سے معلوم ہوتا ہے کہ آگرہ میں ارمنی تاجر مسیحیوں کی ایک اپنی کاروان سرائے تھی جہاں وہ ٹھہرا تھا۔

Marfat.com

کے روز پہلی دفعہ عبادت کی گئی۔ یہ جگہ غالباً وہی ہے جس کو اب "نیٹو چیپل" کہتے ہیں۔ شاہی عطیہ بند ہونے کے بعد مبلغین مرزا ذوالقرنین کے عطیہ جات سے غربا کی امداد اور پرورش کرنے لگے۔

اس ایذا رسانی کے زمانہ میں نہ صرف پرتگیز اور دیگر فرنگی مسیحی قتل کئے گئے بلکہ ۲۶ ارمنی مسیحی بھی شہید ہو گئے اور "مارٹرس چیپل" میں دفن کئے گئے۔ چنانچہ ارمنی کارڈینل[1] اگا گیانیان سولہ بشپوں کے ہمراہ اکتوبر ۱۹۶۰ء میں ان شہیدوں کی قبروں کی زیارت کرنے آگرہ آیا تھا۔ اس مسیحی قبرستان میں ایک چھوٹا گرجا ہے جس کو "مارٹرس چیپل" (شہدا کا گرجا) کہتے ہیں گو اس کا تعلق شہدا کے ساتھ نہیں ہے بلکہ جیسا ہم اوپر بتلا چکے ہیں اس کا یہ نام خواجہ مارٹینس کے نام پر رکھا گیا جس کی یادگاری میں یہ قبرستان بنا تھا۔ یہ چھبیس ارمنی شہدا اُن ساٹھ سے زیادہ ارمنی تاجروں میں سے تھے جو شاہجہان کے زمانہ میں آگرہ میں رہتے تھے۔ جنہوں نے اپنے خون سے اپنے ایمان پر مہر ثبت کی۔

مرزا ذوالقرنین

ہم گذشتہ ابواب میں مرزا ذوالقرنین کی اوائل عمر اور اُس کے باپ مرزا سکندر کے حالات بتلا چکے ہیں۔ اکبر نے اُس کے باپ کی شادی کر دی تھی اور اُس کو بہت پیار کرتا تھا۔ وہ شاہی محل میں ہی پلا پوسا اور بڑا ہوا۔ ناظرین کو یاد ہوگا کہ جب جہانگیر بادشاہ ہوا تو اُس نے اُس کو اور اُس کے بھائی کو حکم دیا تھا کہ وہ اسلام قبول کریں لیکن دونوں نے جرأت اور دلیری سے کام لے کر صاف انکار کر دیا تھا۔ گو تازیانے مار کر اُن سے کلمۂ شہادت پڑھوا لیا گیا تھا اور اُن کا ختنہ جبریہ کیا گیا تھا تاہم وہ ہمیشہ اپنے منجی سے کبھی منحرف نہ ہوتے اور کھلے طور پر اپنے آپ کو عیسائی کہتے رہے۔ جہانگیر متلون مزاج شخص تھا وہ ذوالقرنین کی ثابت قدمی سے خوش ہو گیا اور اُس نے اُس کو سانبھر کے نمک کی کانوں کا محصول حاصل کرنے پر مقرر کر دیا۔ ۱۶۲۱ء کے قریب وہ سانبھر کے ضلع کا افسر اعلیٰ مقرر کر دیا گیا۔

سانبھر میں مرزا امیرانہ ٹھاٹھ سے رہتا تھا۔ اُس کے پاس ایک ہزار گھوڑے اور پندرہ ہاتھی تھے جو اُس کی ذاتی ملکیت تھے۔ وہ بے شمار لوگوں کی اور بالخصوص مسیحیوں کی دامے درمے

1. Cardinal Agagianian.

Marfat.com

مدد کیا کرتا تھا۔ وہ ایسا ادب پرور تھا کہ ایک دفعہ اُس نے ایک ادیب اور موسیقار کو ایک ہاتھی عطا کر دیا۔ جب پادری مورانڈو Morando نے حیرت کا اظہار کیا تو مرزا نے جواب دیا کہ آپ کچھ خیال نہ فرمایئں۔ میرے لئے ایک ہاتھی عطا کرنا ایک گھوڑا دیدینے کے برابر ہے اور ایک گھوڑا عطا کر دینا ایک بکری دے دینے کے برابر ہے۔

جب شاہجہان نے باپ سے بغاوت کی تو چُونکہ وُہ اور ذوالقرنین لڑکپن میں ایک دُوسرے کے ساتھی رہ چکے تھے اُس نے خیال کیا کہ مرزا اُس کی مدد کرے گا۔ لیکن مرزا نے شاہجہان کا ساتھ دینے کی بجائے جہانگیر سے وفاداری کا اظہار کیا اور ہر طرح سے بغاوت کو فرو کرنے میں بادشاہ کی مدد کی۔ جہانگیر نے خُوش ہو کر اُس کا مشاہرہ اور رُتبہ بڑھا دیا۔

جب شاہجہان تخت نشین ہُوا تو مرزا ذوالقرنین مبارکبادی دینے کے لئے آگرہ آیا۔ چنانچہ بادشاہ نامہ اور اعمال صالح میں لکھا ہے کہ مرزا ذوالقرنین نے مبارکبادی کا قصیدہ پڑھا اور ہاتھی نذر کئے۔ شاہجہان نے خُوش ہو کر اُس کو چار ہزار روپیہ انعام دیئے۔ شاہجہان نے بہت کوشش کی کہ مرزا اسلام کو قبول کرلے۔ اُس نے الطافِ خسروانہ اور مرتبہ کی سرفرازی کے بہتیرے سبز باغ دکھلائے لیکن مرزا ان آزمائشوں پر غالب آ کر اپنے ایمان پر ثابت قدم رہا۔

واقعہ ہگلی کے بعد جب شاہجہان نے مسیحی کلیسیاؤں کی ایذا رسانی شروع کی تو اُس نے ذوالقرنین کو اُس کے عہدے سے معزول کر دیا۔ اُس کو بلا کر اسلام کی دعوت دی اور بصورتِ انکار جاگیر وغیرہ کی ضبطی کی دھمکی دی لیکن مرزا نے اپنے مُنجی کا انکار نہ کیا۔ اس پر شاہجہان نے اُس کو قید کر دیا۔ اُس کی سوتیلی ماں اور دونوں سوتیلے بھائی گرفتار کر لئے گئے۔ اُن کو اس قدر ایذائیں دی گئیں کہ وُہ اپنے دونوں بیٹوں سمیت مسیحیت کو ترک کر کے مسلمان ہونے پر آمادہ ہو گئی۔ لیکن مرزا کے ایمان میں ایذاؤں سے سرِ مُو فرق نہ آیا اور وُہ ثابت قدم رہا۔ بالآخر اُس کو چھ لکھ روپیہ جرمانہ کی سزا دی گئی جس کو اُس نے ادا کر دیا۔ گو اس رقم کی ادائیگی نے اُس کو تباہ کر دیا۔

شاہجہان کے تیور دیکھ کر اُس کے درباری بھی ذوالقرنین سے طوطا چشمی کرنے لگے۔ چنانچہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مرزا دربار گیا اور باریابی کی اجازت مانگی۔ ایک درباری نے کہہ دیا کہ جہاں پناہ۔ اس نے شراب پی ہے اور اسکے مُنہ سے شراب کی بُو آرہی ہے۔ بادشاہ نے دربان کو حکم بھیجا کہ مرزا کو مت آنے دو۔ مرزا اُلٹے پاؤں واپس چلا گیا۔ خُدا کا کرنا ایسا ہُوا کہ ایک روز جب مرزا شاہجہان کے حضُور دربار میں دست بستہ کھڑا تھا تو وہی درباری آیا۔ جو

Marfat.com

شراب کی وجہ سے لڑکھڑا رہا تھا۔ ایک نے مرزا کو کہا کہ آج تم کو بدلہ لینے کا موقعہ مل گیا ہے لیکن مرزا نے جواب دیا کہ تم انجیلِ جلیل کی تعلیم سے ناواقف ہو۔ ہمارے خداوند مسیح کا حکم ہے کہ "اگر کوئی تمہارے ایک گال پر طمانچہ مارے تو دُوسرا بھی اُس کی طرف پھیر دو۔ انتقام نہ لو۔ بلکہ بدی کے عوض اپنے دشمن سے نیکی کرو۔"

ایک دفعہ مرزا ذوالقرنین نے وزیرِ سلطنت سعد اللہ خان کو (جو پہلے ہندو تھا)، کہاکہ بادشاہ سے میرے بیٹوں کی سفارش کرکے اُن کو منصبدار کا عُہدہ دلوا دو۔ وزیر نے جواب دیا کہ منصبدار چھوڑ، میں اُن کو اُمرائے کبار میں کرادوں بشرطیکہ وُہ اسلام قبول کریں۔ مرزا نے کہا کہ یہ نہیں ہو سکتا۔ میرا مذہب ایسا ہے کہ اُس پر دُنیا کے تمام خزانے اور رتبے قربان کردوں۔

بالآخر شاہجہان نے ذوالقرنین کو پھر سانبھر کا صوبہ دار مقرر کر دیا لیکن یہ شرط کی کہ وُہ ہر سال بادشاہ کو چھ لاکھ روپیہ بطور محصولِ نمک ادا کیا کرے۔ ۱۶۴۵ء میں مرزا شاہزادہ شاہ شجاع کے ساتھ بنگال بھیجا گیا۔ اُس نے شاہزادہ کو کہہ سُن کر ۱۶۴۶ء میں ہگلی کے کیسطینی مُبلّغین کو اُن کے پرانے حقوق پھر دلوا دیئے جو اُن کو واقعہ ہگلی سے پہلے حاصل تھے۔ برنیئے لکھتا ہے کہ جب سلطان شجاع راج محل میں تھا تو اُس نے پرتگیز مُبلّغین کے ساتھ نہایت اچھا سلوک کیا۔ بنگال میں اُس وقت فرنگیوں، پرتگیزوں اور ہندوستانی مسیحیوں کے قریباً دس ہزار خاندان آباد تھے۔ شاہ شجاع نے اُن پر نظرِ عنایت رکھی اور اُن سے وعدہ کیا کہ وُہ اُن کے لئے ایک گرجا بنوا دیگا۔

۱۶۴۸ء میں جب شاہجہان اپنے نئے دار السلطنت دہلی کو جانے لگا تو ذوالقرنین نے ایک تہنیت نامہ پیش کیا جس کو سُن کر بادشاہ نہایت محظوظ ہوا۔ اور اگلے سال وُہ پھر تیسری دفعہ سانبھر کا افسرِ اعلیٰ مقرر کر دیا گیا۔ اُس کے دو سال بعد ۱۶۵۱ء میں وُہ بادشاہ کے ساتھ کشمیر گیا اور وہاں سے اگلے سال اُس کے ساتھ لاہور آیا۔

سانبھر واپس پہنچ کر اُس نے بادشاہ سے عرض کی کہ اب میں معمّر ہو گیا ہُوں اور اپنی بقایا زندگی اپنے مولا اور مُنجی کی یاد میں گذارنا چاہتا ہُوں۔ جہاں پناہ مجھے میرے فرائض سے سبکدوش کر دیا جائے۔ شاہجہان نے اُس کو دہلی اپنے پاس بُلوایا اور خسروانہ شفقت سے پیش آیا۔ مبلغ یکصد روپیہ روزانہ اُس کی پنشن مقرر کر دی اور اُس کے بڑے بیٹے کا سات روپیہ روزانہ اور چھوٹے بیٹے کا پانچ روپیہ روزانہ وظیفہ مقرر کر دیا اور کہلا بھیجا کہ اگر تم اسلام قبول کرلو تو ہم تم کو تاعمر سانبھر کا صوبہ دار بنا دیں گے جس کی سالانہ آمدنی آٹھ لاکھ ہے۔ مرزا نے جواب دیا، کہ

Marfat.com

مجھے میرا انجات دہندہ آٹھ لاکھ سے کہیں زیادہ عزیز ہے۔

مرزا مستعفی ہو کر دہلی چلا گیا اور ۱۶۵۶ء کے قریب اُس کی رُوح اپنے مُنجی کے پاس پرواز کر گئی اُس کی بیوی اُس کی وفات سے اٹھارہ سال پہلے فوت ہو چکی تھی۔ اُس کی لاش لاہور کے قبرستان میں مدفون ہے، لیکن تاحال مرزا ذوالقرنین کی اپنی قبر کا پتہ نہیں چلا۔

جب تک مرزا ذوالقرنین زندہ رہا وہ سلطنتِ مغلیہ کی مسیحی کلیسیاؤں کے استحکام کا باعث رہا۔ اُس کی وفات سے کلیسیا یتیم ہو گئی اور اُس کو ایسا صدمہ پہنچا کہ اُس کی بُنیادیں ہل گئیں۔ اُس کی موت سے مُبلغین کے بازو کٹ گئے اور وُہ بے یار و مددگار رہ گئے۔ مرزا تمام شمالی ہندوستان کے مسیحیوں اور بالخصوص ارمنی مسیحیوں میں سے عظیم ترین ہستی تھا۔ وُہ اکبر جہانگیر اور شاہجہان یعنی شاہانِ مغلیہ کے تین عظیم ترین بادشاہوں کے عہد میں زندہ تھا۔ اُس کی دیانت، ذہانت، جوشِ ایمانی ایمانداری اور انتظامی قابلیت نے جہانگیر اور شاہجہان کے عہد کی کلیسیاؤں کو چار چاند لگا دیئے۔

مرزا ذوالقرنین بڑے پایہ کا شاعر تھا۔ وُہ فارسی اور ہندی زبانوں میں شعر کہتا تھا۔ مُغلیہ سلطنت کے زمانہ میں برج بھاشا کی ترقی اکبر اور جہانگیر کی زیرِ سرپرستی ہوئی۔[1] مسلمانوں نے ہندی زبان کی ترقی میں نمایاں حصہ لیا۔ اِن عظیم الشان بادشاہوں کے عہد میں عبدالجلیل بلگرامی اور خانخاناں جیسے زبردست مصنّف اور شاعر تھے۔ جہانگیر اور شاہجہان کے عہد کے شعرا ذوالقرنین کو شعر و سخن کا اُستاد مانتے تھے۔ ہم سطورِ بالا میں تُوزکِ جہانگیری کے حوالہ سے بتلا آئے ہیں کہ ذوالقرنین کے ہندی اشعار جہانگیر کے سامنے پڑھے جاتے تھے۔ شاہجہان کی تختِ نشینی پر اُس نے فارسی قصیدہ پڑھ کر انعام حاصل کیا۔ جب شہرِ دہلی نیا دارالسلطنت بنا تو اُس نے ایک قصیدہ دربار میں پڑھ کر شاہجہان کو محظوظ کیا اور انعام حاصل کیا۔ ایک دفعہ جب شاہجہان لاہور سے واپس آ رہا تھا تو راستہ میں اُس نے ذوالقرنین سے فرمائش کی اور کہا "بھائی میرے۔ جہاں پناہ لاہور سے آ رہے ہیں اُس تقریب پر ایک دُھرپد تو لکھ دو۔" مرزا نے جواب دیا کہ صاحبِ عالم اگر آپ کا باپ عیسائی ہوتا تو میں ایسا دُھرپد اُن کی شان میں لکھتا جو سب شعرا کے قصائد کو مات کر دیتا۔

اعمالِ صالح کا مصنّف ذوالقرنین کے متعلق لکھتا ہے کہ ذوالقرنین ہندوستانی موسیقی اور نغموں میں اُستادِ زمانہ تھا وُہ فنونِ لطیفہ کا ماہر تھا اور ایک زبردست ادیب اور ادب پرور

1. Speeohes of Maulana Azad. 1947-1955 p. 81

Marfat.com

شخص تھا۔

اگرچہ ذوالقرنین آرمنی مسیحی تھا لیکن وہ انجمنِ عیسوی کے مُبلّغین کی تعلیم اور زندگی سے متاثر ہوکر رُومی کلیسیا میں داخل ہوگیا۔ سانبھرِ میں انجمن کے مُبلّغین اُس کے پاس رہتے تھے اور اُس کے بچوں کے اتالیق بھی تھے۔ وہ کُتبِ مقدّسہ کے حصص کا (جن کا فارسی میں ترجمہ ہوگیا تھا)، بڑے ذوق سے مطالعہ کیا کرتا تھا۔ فارسی اناجیلِ اربعہ کو اُس نے اپنے ہاتھوں سے نقل کیا۔ وہ اپنے اقوال و افعال سے مسیحی زندگی کا نمونہ تمام مسیحیوں اور غیر مسیحیوں کے لئے بنا۔ اُس کی خیرات کی کوئی حد نہ تھی، اور کوئی شخص اپنی مراد حاصل کئے بغیر اُس کے در سے نہ گیا۔ ۱۶۱۴ء میں جب جہانگیر نے اور بعد کے زمانہ میں شاہجہان نے مسیحی غُربا اور مساکین کے لئے مُبلّغین کو روپیہ دینا بند کر دیا تو ذوالقرنین اُن کی امداد کرتا رہا۔ جب ۱۶۱۶ء میں آندھیوں کے مسلسل طوفانوں نے بمبئی کے ساحلی علاقہ کو تباہ کر دیا تو اُس نے وہاں کے گرجاؤں کی مرمت کے لئے چھ ہزار روپے بھیجے۔ جب ہُگلی کے رُوح فرسا واقعہ کے بعد قیدی آگرہ لائے گئے تو اُس نے پانچ ہزار زرِ فدیہ ادا کر کے بعض کو رہائی دلوائی۔ اُس کی خیرات یروشلیم۔ ایلپو۔ گوآ۔ وغیرہ مقامات میں بھی بھیجی جاتی تھی۔ اُس نے صرف ایک سال یعنی ۱۶۴۸ء میں انجمنِ عیسوی کے مُبلّغین کی چالیس ہزار روپیہ سے امداد کی۔ اُس نے ہر ہندوستانی مسیحی کی حتی المقدور مدد کی۔ مُبلّغین اُس کو "سلطنتِ مغلیہ کے مسیحیوں کا باپ کہتے تھے"۔ پادری کورسی کے کہنے سُننے سے اُس نے بمبئی کے قریب کے دو گاؤں یعنی پریل اور وڈالہ (جو اَب بمبئی کا حصہ ہیں) خرید کر انجمن کو بطورِ وقف جائداد عنایت کر دیئے۔ یہ گاؤں ۱۶۶۱ء میں پرتگیزی سلطنت نے انگریزوں کو کیتھرین براگنزا کے جہیز میں دے دیئے۔ جو گرجا پریل میں بنایا گیا تھا وہ برطانوی کمپنی کے گورنر کا گھر ہوگیا۔ اُس کے بعد برطانوی سلطنت کے ایام میں وہ علمِ جراثیم کا تجربہ گاہ بنا دیا گیا۔

(۲) لاہور کی کلیسیا

شاہجہان کے عہد میں لاہور کی حالت

شاہجہان نے اپنے باپ اور دادا کی طرح کشمیر اور لاہور سے اُنس رکھتا تھا۔ تینوں فراغت پا کر ان مقامات میں خیمے نصب کر لیا کرتے تھے۔ انہی بادشاہوں کی طفیل وادیٔ کشمیر فردوس کا نمونہ بن گئی ہے۔ اکبر نے ۱۵۸۵ء میں کشمیر کو فتح کر کے قلعہ ہری پربت کی فصیل بنائی اور ایرانی

Marfat.com

درختانِ چنار لگائے ۔ جہانگیر نے ویری ناگ کے چشموں کو کھولا اور شالیمار کے چشموں کو نورجہان کی خاطر بنایا ۔ آصف خان نے نشاط باغ اور شاہجہان نے چشمۂ شاہی کو بنایا جو آگرہ کی گرمی اور تکان کے وقت اُن بادشاہوں کی راحت کا باعث ہوتے تھے ۔

انہی تینوں بادشاہوں کے زمانہ میں لاہور کا شہر اپنے اوجِ کمال تک پہنچ گیا ۔ اکبر نے ۱۵۸۴ء سے ۱۵۹۸ء تک اس کو اپنا صدر مقام بنایا جہاں ممالکِ غیر کے علماء و فضلاء اور مشاہیرِ عصر اُس کے دربار میں آ جمع ہوئے ۔ اسی شہر میں جہانگیر کی شادی راجپوت راجہ بھگوانداس کی بیٹی سے ہوئی ۔ ان چودہ سالوں میں لاہور میں ہر جگہ باغات ، محلات اور عالی شان عمارات نظر آنے لگ گئیں ۔ اسی شہر میں جہانگیر اور انارکلی کا رومانی عشق ہوا جس کی پاداش میں وہ زندہ درگور کی گئی ۔ اُس کی قبر ۱۸۵۱ء سے ۱۸۸۷ء تک چرچ آف سینٹ جیمس (Church of St. James) بنی رہی اور اس کے بعد پنجاب گورنمنٹ کا ریکارڈ دفتر بن گئی ۔ جہانگیر کے زمانہ میں سر ٹامس رو فروری ۱۶۱۷ء میں لاہور کی شان و عظمت اور تجارت کا ذکر کرتا ہے ۔ شاہجہان نے یہاں شالیمار باغ اور بادشاہی مسجد بنا کر شہر کی رونق کو دوبالا کر دیا ۔ ہم گذشتہ فصل میں پادری مسز آیتی کے الفاظ کا اقتباس کر آئے ہیں جن میں وہ لاہور کی رونق کا ذکر کرتا ہے ۔

لاہور کا گرجا ہم اکبر کے حالات میں ذکر کر آئے ہیں کہ اُس کے زمانہ میں لاہور کا گرجا تعمیر ہوا جس کی افتتاحی رسم ، ستمبر ۱۵۹۷ء کے روز ہوئی ۔ لاہور کا گورنر اس رسم کے وقت موجود تھا ۔ ہگلی کے واقعہ کے بعد یہ گرجا شاہجہان کے حکم سے شہید کر دیا گیا اور عبادتیں مبلغین کے مکان کی نچلی منزل میں ہوتی رہیں ۔ مسیحیوں کی ایک اچھی خاصی تعداد اُن کے مکان کے احاطہ میں رہائش گزین تھی ۔ ناظرین کو یاد ہوگا کہ اس واقعہ ہائلہ سے پہلے ۱۶۱۴ء میں جہانگیر نے گرجا کو مقفل کر دیا تھا ، جب پرتگیزوں نے اُس سے جنگ چھیڑ دی تھی ۔ اُس نے مبلغین کو یہ حکم بھی دیا تھا کہ وہ عبادتوں کو علانیہ نہ کریں ۔ اُس نے اُن کی ماہواری رقم کو بھی بند کر دیا جو بیچی غربا میں تقسیم ہوتی تھی ، لیکن اُن کے مال و اسباب کو ضبط نہ کیا گیا ۔

اکبر نے مبلغین کو لاہور میں رہائشی مکانات اور زمین بھی عطا کر دیئے تھے ۔ ان عطیہ جات میں محلہ تلواراں کے بعض مکانات شامل تھے جو اکبر نے ضبط کر لئے تھے جن میں شادی شدہ مسیحی رہنے لگ گئے ۔ واقعہ ہگلی کے بعد نواب آصف خان کی سفارش سے مبلغین کو مکانات واپس مل گئے ۔

Marfat.com

بپتسمہ یافتگان کی تعداد اکبر کے زمانہ میں ہر شخص کو یہ آزادی دی گئی تھی کہ وہ جس مذہب کو چاہے اختیار کرے۔ پس مبلغین نے ۱۶۰۰ء میں لاہور شہر میں ایک سو چھ اشخاص کو بپتسمہ دیا۔ ۱۶۰۵ء کے ایام میں جب کلیسیا کو ہر طرف سے تکالیف مل رہی تھیں کسی شخص نے بپتسمہ نہ پایا۔ شاہجہان کے عہد میں پادری ڈے کاسترو ۱۶۲۷ء میں لکھتا ہے کہ کشمیر میں بعض گاؤں کے گاؤں مسیحی ہونے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن بعض نامعلوم وجوہ کے باعث یہ لوگ جو نہ ہندو تھے اور نہ مسلم اور غالباً کسی اور مذہب کے تھے مشرف بہ مسیحیت نہ ہوئے۔ غالباً شاہجہان کا اسلام پرور اور مسلم نواز رویہ اس کا ایک بڑا سبب تھا جس کی وجہ سے اس عہد میں بپتسمہ یافتوں کی تعداد کم ہوتی گئی۔

کلیسیا کی ایذا رسانی ہم گذشتہ باب میں بتلا آئے ہیں کہ ۱۶۰۴ء میں جب قلیچ خان لاہور کا گورنر تھا تو کلیسیا کو برے دنوں کا سامنا کرنا پڑا۔ قلیچ خان نے خفیہ حکم جاری کیا کہ فلاں روز سب عیسائیوں کو گرفتار کر لیا جائے اور اُن کے اہل و عیال کو بھی پکڑ کر عدالتوں کے رُوبرو پیش کیا جائے۔ لیکن یہ حالات دیرپا ثابت نہ ہوئے اور صرف ایک ماہ تک رہے۔ ۱۶۱۴ء میں جہانگیر نے گرجا کو مقفل کرنے کا حکم صادر کیا اور مبلغین اور مسیحی نومریدوں پر چند پابندیاں لگا دیں۔ خیر یہ تکالیف عارضی اور چند روزہ تھیں۔ لیکن واقعہ ہگلی کے بعد شاہجہان کے عہد میں تین سال تک (از ۱۶۳۳ء تا ۱۶۳۵ء) ایذا رسانی جاری رہی اور جیسا ہم بتلا چکے ہیں مغلیہ سلطنت کے ہر صوبہ میں ہوئی جس میں بعض یورپین مسیحیوں کو بھی اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے کے باعث شہید کر دیا گیا۔ گو یہ ایذا رسانی کہنے کو تو تین سال تک رہی لیکن اس کے بعد بھی کلیسیا، مبلغین اور نومرید مسیحیوں پر عرصۂ حیات اس قدر تنگ کر دیا گیا کہ پادری ڈے کاسترو ۱۶۴۱ء میں لاہور کی جائداد کو فروخت کرنے کی فکر میں ہوا تاکہ لاہور کے تبلیغی مرکز کو بند کر دیا جائے اور صرف ایک گھر رہنے دیا جائے جس میں مبلغین کبھی کبھار آ کر رہ سکیں۔ لاہور کی کلیسیا اس قدر زبوں حال ہو گئی کہ مغلیہ فوج میں جو ملازم مسیحی تھے وہ موقعہ پا کر اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ چنانچہ ۱۶۴۸ء میں آگرہ سے ایک خاص مبلغ ان مرتدوں اور نام کے مسیحیوں کی طرف بھیجا گیا تاکہ وہ ان برگشتہ لوگوں کو واپس کلیسیا میں لائے۔

پنجاب کے مسیحی اور قسیسی عہدہ ہم سطورِ بالا میں ذکر کر آئے ہیں کہ انجمنِ عیسوی کے مبلغین کسی نومرید کو انجمن میں قسیسی عہدہ پر ممتاز ہونے کے خلاف

Marfat.com

تھے۔ پنجاب کی کلیسیا اس قاعدۂ کلیہ سے مستثنیٰ نہ تھی۔ اس بات کے لئے گوآ کے برہمن نومرید بشپ میتھیوس نے اُن کو ملامت بھی کی تھی۔ انجمن کے مبلغین چند نو مریدوں کو تیار کرتے تھے تاکہ وہ دوسروں کو تعلیم دیا کریں۔ پادری ایکوا ویوا کی یہ بڑی خواہش تھی کہ ایسے معلموں کو تربیت دینے کے لئے گوآ میں ایک کالج کھولا جائے جس میں طلبا اپنی اپنی زبان میں تربیت پا سکیں لیکن یہ تجویز تشنۂ تکمیل ہی رہی۔ گو ایک پنجابی مسیحی سنہ ۱۶۱۰ء میں لاہور سے گوآ تربیت حاصل کرنے کی غرض سے بھیجا گیا تھا۔ لاہور کا ایک شیخ بھی جو مسیحی ہو گیا تھا آگرہ بھیجا گیا تاکہ مبلغین اُس کو اہل اسلام میں تبلیغ کا کام کرنے کے لئے تیار کریں۔

(۳) دہلی کی کلیسیا

جب شاہجہان نے سنہ ۱۶۴۸ء میں دہلی کو اپنا دارالسلطنت بنایا تو انجمنِ عیسوی کے مبلغین نے وہاں ایامِ روزہ میں ہر سال ایک مبلغ بھیجا تاکہ وہ مسیحی کلیسیا میں خدمت کرے۔ آگرہ انجمن کا صدر مقام رہا۔ بعد کے زمانہ میں دہلی میں دو مبلغ مستقل طور پر رہائش کرنے لگے، اور دو گرجا گھر بھی تعمیر کئے گئے۔ انجمن کے مبلغین نئے شہر شاہجہان آباد کی شہر پناہ کے باہر رہتے تھے۔ یہ دونوں گرجے اُن کے رہائشی مکانوں سے متصل تھے۔ سنہ ۱۶۵۰ء میں دہلی میں ایک سو بیس مسیحی رہتے تھے۔ دارالسلطنت ہونے کی وجہ سے مسیحی زیادہ تعداد میں دہلی آنے لگ گئے ایسا کہ چار سالوں میں یہ تعداد اس قدر بڑھ گئی کہ دو مبلغین کافی نہ سمجھے گئے کیونکہ جیسا ہم سطورِ بالا میں لکھ آئے ہیں آگرہ کے غریب طبقہ کے مسیحی جو دستکار معمار وغیرہ تھے وہ نقل مکانی کر کے دہلی آ گئے تھے۔ سلطنت کے دیگر مقامات کے مسیحیوں نے بھی دہلی کا رُخ کر لیا تھا۔ سنہ ۱۶۵۲ء میں ۳۲ ہندو مسیحیت کے حلقہ بگوش ہوئے اور کلیسیا ترقی کرنے لگی۔

(۴) دیگر مقامات کی کلیسیائیں

جب مرزا ذوالقرنین سانبھر میں تعینات ہوا تو اُس وقت مسیحیوں کی خاص تعداد سانبھر چلی گئی۔ چنانچہ سنہ ۱۶۱۹ء میں وہاں دو سو مسیحی تھے اور دو مبلغین رہائش گزیں تھے جو ہمیشہ ذوالقرنین کے ساتھ رہتے تھے۔ اُس کی نیاضی اور کلیسیا پروری نے جلدی اِس تعداد کو دُگنا کر دیا۔ سنہ ۱۶۲۰ء میں مرزا نے وہاں ایک مسیحی گرجا بھی تعمیر کر دیا اور مقامی کلیسیا دینی اور دُنیوی اُمور میں ترقی کرتی

Marfat.com

گئی۔ چنانچہ ۱۶۱۹ء میں چالیس بالغوں نے بپتسمہ پایا۔ یہ نومرید ہندوؤں میں سے مسیحی ہوئے تھے۔ ۱۶۴۹ء کی رپورٹ میں لکھا ہے کہ دس ہندوؤں کو بپتسمہ دیا گیا۔

بنگال اور گجرات کے صوبوں میں مسیحیوں کی اچھی خاصی تعداد بڑے شہروں اور قصبوں میں پائی جاتی تھی۔ ہم جلد دوم کے باب ۴ کی فصل اول میں ذکر کر آئے ہیں کہ تیرھویں صدی میں پٹنہ ایک میٹرو پولیٹن کا صدر مقام تھا۔ یہاں جہانگیر کے عہد میں مقرب خان نے انجمن عیسوی کے مبلغین کی درخواست پر ۱۶۲۰ء میں ایک گرجا تعمیر کر دیا تھا اور اُن کی رہائش کے لئے مکان بھی بنوا دیئے تھے جن کا نام و نشان بھی اب مٹ گیا ہے۔ اُسی سال چار نو مریدوں کو اس گرجا میں بپتسمہ دیا گیا۔

شری نگر واقع گڑھوال میں پادری ملپیکا (Malpica) نے ۱۶۵۲ء میں چار اشخاص کو مسیحیت کا حلقہ بگوش کیا۔ یہ صوبہ اُن ایام میں تبت کا حصہ ہوتا تھا، اور انجمن عیسوی کے مبلغین کا صدر مقام تھا۔

فصل پنجم

شاہجہان کے آخری ایام

جنگ برائے حصولِ تاج و تخت

شاہجہان کے بیٹے

شاہجہان ۱۶۵۷ء میں بیمار ہو گیا۔ اس وقت اُس کے چار بیٹے تھے۔ (۱) داراشکوہ عمر ۴۳ سال (۲) شجاع عمر ۴۱ سال (۳) اورنگزیب عمر ۳۹ سال (۴) مراد بخش عمر ۳۳ سال، اُس کی بڑی بیٹی جہاں آرا بیگم داراشکوہ کی طرفدار تھی اور چھوٹی بیٹی روشن آرا بیگم اورنگزیب کی پاسداری کرتی تھی۔

اس وقت تک چاروں بھائیوں نے حکومت کے تجربہ کے ساتھ ساتھ جنگوں کا تجربہ بھی حاصل کر لیا تھا، کیونکہ وہ سب صوبوں کے وائسرائے اور افواج کے جرنیل رہ چکے تھے۔ لیکن اُن کی عادات و خصائل میں عظیم فرق تھا اور سب اپنے آپ کو تاج و تخت کے وارث ہونے کے

Marfat.com

قابل اُور حقدار سمجھتے تھے۔

بھائیوں کی جنگ

دارا شکوہ باپ کا لاڈلا بیٹا تھا اُور جہاں آرا بیگم کا نازوں پلا بھائی تھا کیونکہ وُہ اُس سے ایک سال چھوٹا تھا۔ پس دارا اپنے بھائیوں کے مقابلہ میں مشکلات کا سامنا کرنے اُور اُن پر عزم و استقلال سے غالب آنے کا عادی نہ تھا۔ شاہجہان چاہتا تھا کہ دارا تخت و تاج کا وارث ہو اگرچہ وُہ اُس کی خامیوں سے بخوبی واقف تھا۔ چنانچہ شاہجہان کی رائے اپنے بیٹوں کی نسبت یہ تھی "....مہین پور خلافت اگرچہ اسبابِ شان و شوکت و سامانِ تجمل و صولت ہمہ دارد لیکن عدوئے نیکاں و دوستِ بداں واقع شدہ۔ شجاع غیر از سیر چشمی وصفے ندارد و مرادبخش مجہول الکیفیت باکل و شرب ساختہ دائم الخمر است۔ اُورنگزیب ذی عزم و مآل اندیش بنظر می آید۔ اغلب کہ متحملِ امرِ خطیر ریاست تواند شد" (ماخوذ از عالمگیر مصنفہ محمد اکمل ص۱۶)

جب شاہجہان ستمبر ۱۶۵۷ء میں سخت بیمار ہوگیا تو دارا نے باپ کو چراغِ سحری سمجھ کر تینوں بھائیوں کے وکلا سے جو شاہجہان کے دربار میں رہتے تھے مچلکے لے لئے تاکہ وُہ بادشاہ اُور دربار کے حالات کی اپنے شہزادوں کو اطلاع نہ دینے پائیں۔ اُس نے اپنے آپ کو وارثِ تخت خیال کر کے بنگال، گجرات اُور دکن کے راستے (جہاں یہ بھائی وائسرائے کے عُہدہ پر تھے) بند کر دیئے تاکہ مسافروں اُور تاجروں کے ذریعہ بھی کسی کو شاہجہان کی علالت کی خبر ہونے نہ پائے۔ اُس نے اُورنگزیب کے وکیل کو قید کر لیا اُور اُس کا گھر ضبط کر لیا۔ فوج کے جو افسر اورنگزیب کے ماتحت دکن کے محاصرہ میں مشغول تھے اُن کو واپس بلوا لیا تاکہ اورنگزیب کے ہاتھ مضبوط ہونے نہ پائیں۔ ان باتوں کے علاوہ بغیر اس کے کہ کسی شاہزادے کی طرف سے جنگ کی پیش قدمی ہو، اُس نے مراد، شجاع اُور اورنگزیب کے مقابلے کرنے کے لئے لشکر روانہ کر دیئے۔

بیماری کی افواہوں کو اُور پیش بندیوں کو سُن کر تینوں کو یقین ہوگیا کہ شاہجہان فوت ہو چکا ہے۔ شجاع نے راج محل میں (جو اُن دنوں بنگال کا دارالحکومت تھا) بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا اُور یہ کہہ کر کہ "یا تابوت یا تخت" ایک لشکر جرار لے کر چل پڑا۔ مرادبخش نے بھی احمد آباد میں اپنے بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ دونوں بھائیوں نے اپنے اپنے سکے مسکوک کرا دیئے۔ اُور اپنے اپنے نام کے خُطبے پڑھوائے۔ مراد نے اورنگزیب کے ساتھ (جو دکن میں تھا) تقسیم سلطنت کی نسبت سمجھوتہ کر لیا اُور اُس کے ساتھ مل گیا۔ دونوں کے لشکر شمال کی جانب بڑھے

Marfat.com

اور شاہی لشکر سے مقابلہ ہوا۔ دونوں بھائیوں نے دارا کے لشکر کو شکست دی۔ اس جنگ میں مراد نے تیروں کی بوچھاڑوں میں دادِ مردانگی حاصل کی۔ اورنگزیب نے اب تک سلطنت کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ لیکن اُس کی فوج کا توپخانہ نہایت اعلیٰ تھا اور اُس کے یورپین توپچی بڑے ماہر تھے جن کی مدد سے وہ آگرہ پر قابض ہو گیا۔ اُس نے شاہجہان کو ایک عرضی بھیجی اور شاہجہان نے ایک تسلی آمیز خط لکھا۔ اُس کو ایک بیش قیمت تلوار بھی عنایت کی جس پر لفظ "عالمگیر" کندہ تھا اور اُس کو ملاقات کے لئے بلایا۔ یہ تلوار امیر تیمور کے وقت سے مُغلیہ خاندان کے قبضہ میں چلی آتی تھی۔ اورنگزیب نے تلوار کے نام "عالمگیر" کو نیک فال سمجھ کر اپنے نام میں شامل کر لیا۔ اس کے مصاحب اُمرا نے بھی اس کو نیک شگون سمجھا اور مبارکباد دی۔ اُس نے آصف خان کے بیٹے کو امیرالاُمرا کا خطاب عطا کیا۔

خافی خان لکھتا ہے کہ اورنگزیب خود اپنے باپ سے ملاقات کرنے کا خواہش مند تھا تاکہ اپنی تقصیروں کی مُعافی حاصل کرے لیکن "آخر چوں دانستند کہ مرضیٔ اعلیٰحضرت (شاہجہان) طرفِ رعایت و اعانتِ داراشکوہ غالب و راغب است .... مصلحت در فسخ عزیمتِ ملاقاتِ پدرِ نامدار دانست" (جلد اوّل صـ۳۴)۔ اُس نے شاہ جہان کو لکھا کہ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ "آنحضرت ایں مرید رانمی خواہند .... ناگزیر بہ مراعات لوازمِ حزم و احتیاط پرداختہ از حدوثِ مفسدہ ہائے ممتنع التدارک اندیشہ مندگشتہ آنچہ بہ خاطر داشت نتوانست از قوت بفعل آورد و بر صدقِ ایں دعوئے خدائے توانا شاہد است" (خافی خان جلد ۲ صـ۱۰۲)

شاہجہان نے ایک اور خط اورنگزیب کو لکھا اور داراشکوہ کے جواہرات جو محل میں رہ گئے تھے بھیج دیئے۔ یہ موتی اور جواہرات ۲۷ لاکھ کی مالیت کے تھے جن کو اورنگزیب نے بإصرار منگوا بھیجا تھا۔

اورنگزیب نے اپنے ماموں شائستہ خان کو آگرے کا گورنر مقرر کر دیا اور اپنے بیٹے شہزادہ محمد سلطان کو ۱۸ رجون کے روز قلعہ میں بھیج دیا جس نے جا بجا چوکی اور پہرے لگا دیئے۔ جمنا کا پانی بند کر دیا۔ قلعہ کے متعدد دروازے اینٹوں سے چُن دیئے اور دارا کو نظر بند کر دیا۔ منوچی کہتا ہے کہ "اورنگزیب نے اپنے ایک معتمد خواجہ اعتبار خان کو قلعہ میں

لہ نکولاؤ منوچی (Nicolao Mannucci) شہر وینس کا باشندہ تھا۔ وہ ہندوستان میں ۱۶۵۶ء سے ۱۷۱۷ء تک تھا جب اُس کی وفات ہو گئی۔ ولیم اروائن

(باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

قلعہ دار بنا کر بھیجدیا۔ یہ غلام شاہجہان نے اُس کو دیا تھا۔ اعتبار خان نے شاہجہان کو حرم میں قید کر دیا۔ بادشاہ کے پاس اب صرف بیگم صاحبہ (جہاں آرا) اَور عورتیں ہی رہ گئیں۔ روشن آرا بیگم قلعہ سے بڑے تزک و احتشام کے ساتھ اَورنگزیب کے پاس چلی گئی۔ اعتبار خان نے ایسا انتظام کیا اَور ایسی عورتوں کو دربان بنا دیا کہ شاہجہان کسی آدمی سے بات تک نہ کرنے پاتا تھا اَور نہ خط لکھ سکتا تھا۔ حتیٰ کہ وُہ بغیر اجازت حرم کے دروازہ کے باہر قدم نہ رکھ سکتا تھا اَور نہ باغ کی سیر کر سکتا تھا۔" (جلد اوّل ص۲۹۶)

مراد بخش کا قتل

مراد آگرہ میں آکر خود بادشاہ بننے کے خواب دیکھنے لگا۔ وُہ دلبری اَور شجاعت کا پُتلا تھا لیکن عاقل، ہوشیار اَور بیدار مغز نہ تھا۔ اس کے برعکس اَورنگزیب چوکنّا انسان تھا جس کو چاروں طرف کی خبریں پہنچتی رہتی تھیں۔ اُس نے دردِ شکم کے بہانہ سے مُراد کو بُلوایا۔ مراد کے صلاحکاروں نے اُس کو بہتیرا سمجھایا کہ وُہ اَورنگزیب کے پاس نہ جائے، لیکن اُس نے کسی کی بات نہ مانی اور کہا "ازما کسے بہادر نیست"۔ اَورنگزیب نے اُس کو ضیافت دی اَور وُہ شیراز اَور کابل کی لذیذ شراب کے جام پر جام لنڈھاتا گیا۔ جب وُہ دوپہر کے وقت سونے کے لئے خواب گاہ میں گیا تو اَورنگزیب نے ایک لونڈی اُس کے ہمراہ کر دی۔ جو خدمت سے فارغ ہو کر اُس کی تلوار اَور خنجر لے کر واپس چلی گئی۔ مراد گرفتار کر لیا گیا۔ اُس کے خزانہ اَور فوج پر بھی قبضہ کر لیا گیا اور اُس کو ہاتھی پر سوار کرا کے سلیم گڑھ کے قلعہ میں بھیجدیا گیا۔ منوچی کہتا ہے کہ اَورنگزیب نے حکم دیا کہ جب دہلی نزدیک آئے تو ہاتھی کا پردہ اُٹھا دیا جائے تاکہ ہر کس و ناکس مراد قیدی کو دیکھ سکیں۔ جلاد ننگی تلوار لئے اُس کے سر پر کھڑا تھا جس کو حکم تھا کہ اگر کوئی شخص شورش برپا کرے تو مراد کو فوراً قتل کر دیا جائے۔ مسلح فوج ساتھ تھی۔ ایسا دکھائی دیتا تھا کہ وُہ کسی مُجرم کو قتل گاہ

بقیہ سے William Irvine نے اِس کی کتاب ستوریا دُو موگر کا ترجمہ کیا ہے۔ مترجم مقدمہ کتاب میں لکھتا ہے کہ "شاہجہان کے عہد کے آخری سالوں اَور اورنگزیب کے عہد کے پچاس سالوں کی بابت منوچی نے جو لکھا ہے وُہ بالعموم حقیقت پر مبنی ہے" ہم نے ان سالوں کے واقعات کا ذکر بعض اوقات اُس کی کتاب سے اخذ کیا ہے کیونکہ وُہ ۱۶۵۶ء سے ۱۷۰۶ء تک شاہی طبیب تھا اور دربار میں حاضر رہتا تھا۔ پس وُہ ایک چشمدید گواہ ہے۔ (برکت اللہ)

Marfat.com

لے جا رہے ہیں۔ جب وُہ قلعہ میں پہنچایا گیا تو حکم ہُوا کہ اُس کو افیم کا پانی روزانہ پلایا جائے۔ (ص۳۰۶) ماہ ربیع الثانی ۱۰۷۰ھ کے روز عُلمائے شریعت نے فتویٰ دے دیا کہ مراد قصاص میں قتل کا مستوجب ہے۔ پس یہ شہزادہ جو اَورنگزیب کا دستِ وبازو اَور جانباز بھائی تھا قتل کر دیا گیا۔ کسی نے اُس کی موت کی معنی خیز تاریخ یہ کہی ہے "اَے وائے بہر بہانہ کُشتند"۔

دارا کا تعاقب

اَورنگزیب نے ہر طرف اعلان کر دیا کہ داراشکوہ اسلام سے مُرتد ہو گیا ہے اَور مَیں بادشاہ کو اَور سلطنت کو ایسے بیدین شخص کے پنجہ سے آزاد کرانا چاہتا ہُوں اَور سلطنت کو غیر اسلامی رسُوم وعقائدِ باطلہ سے پاک کرنا چاہتا ہُوں۔ جنگ میں داراشکوہ شکست کھا کر آگرہ سے لاہور اَور لاہور سے مُلتان گیا۔ ہر جگہ اَورنگزیب اَور اُس کے ہوا خواہوں نے دارا کا تعاقب کیا۔ اُس نے بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے لیکن اُس کی ناتجربہ کاری، شتاب زدگی اَور طبیعت کی اُفتاد نے اُس کو کسی جگہ بھی کامیاب نہ ہونے دیا۔ ایک دفعہ بھاگتا بھاگتا ٹھٹھہ پہنچا۔ وہاں اُس نے پُوچھا کہ کیا یہاں کوئی فرنگی پادری ہے۔ وہاں ایک کارملی راہب ملک فلانڈرس کا باشندہ فری پیٹرو ڈے سانٹا ٹیری سا (Frei Petro de Santa Teresa) نام تھا جو بڑا عابد، پارسا اَور فاضل شخص تھا۔ وُہ عربی، فارسی اَور ہندوستان کی دیگر زبانوں سے بھی واقف تھا۔ دارا نے اُس کو بلوایا اَور اُس کے ساتھ دینی اُمور پر اَور انجیلی تعلیم اَور مسیحی ایمان پر گفتگو کی۔ اُس مُبلّغ کی باتیں سُن کر دارا خاموشی کے عالم میں آ گیا۔ پھر آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر اُس نے کہا "حق تو یہ ہے کہ اگر دُنیا میں کوئی مذہب برحق ہو سکتا ہے تو وُہ مسیحی مذہب ہے۔ مَیں نے مختلف موقعوں پر مسیحی عالموں سے دینی گفتگو کی ہے اَور مَیں اِسی نتیجہ پر پہنچا ہُوں"۔ پھر اُس نے راہب کو مخاطب کر کے کہا "مَیں ابن اللہ یسُوع مسیح سے منّت مانتا ہُوں کہ اگر وُہ مجھے بادشاہ بنا دے تو مَیں آگرہ میں حضرت بی بی مریم کے لئے ایک گرجا بنوا دُوں گا اَور سب مبلّغین کو عام اجازت دے دُوں گا کہ وُہ تمام سلطنت میں انجیل کا آزادنہ پرچار کریں اَور گرجے تعمیر کریں"۔ (منوچی۔ جلد اوّل ص۳۲۴)

شجاع کا قتل

شجاع فہیم وعقیل اَور دلیر شخص تھا لیکن وُہ پرلے درجے کا عیّاش تھا۔ جب اربابِ نشاط اَور اُس کی بے شمار حرموں کے جلسے ہوتے تو تمام رات مغلوب العیش ہو کر رقص وسرود اَور میخواری میں تمام کر دیتا تھا۔ چنانچہ منوچی لکھتا ہے کہ "شجاع بھی اپنے باپ کی طرح عورتوں کا شوقین اَور گانا بجانا سننے اَور ناچ رنگ کا مشتاق تھا۔ وُہ کثرت

Marfat.com

سے شراب پیتا تھا اور کنچنیوں کو فراخدلی سے انعام واکرام دیا کرتا تھا۔ اُس کو یہ وہم تھا کہ شجاعت میں میرا کوئی ثانی نہیں ہے۔" (ص ۲۲۷-۲۲۸) اورنگزیب اور شجاع میں جنگ ہوئی جس میں شجاع کو شکست نصیب ہوئی اور وہ بھاگ گیا۔ شجاع کا ہر جگہ پیچھا کیا گیا۔ منوچی کہتا ہے کہ ایک دفعہ اورنگزیب کی فوج اُس کا پیچھا کرتے کرتے اکتا گئی تو میر جملہ نے اُس کو صلاح دی کہ فوج کا دل بڑھانے کی خاطر حکم صادر کیا جائے کہ لشکری ہندوؤں کو لُوٹ لیں اور اُن کو جہاں دیکھیں قتل کر دیں۔ اورنگزیب کی اجازت پاتے ہی ایک گھنٹہ سے زیادہ قتل و غارت کا بازار گرم رہا اور فوج کے حوصلے بلند ہو گئے (جلد اوّل ص ۳۲۹)۔ شجاع اراکان میں قتل ہو گیا۔ جب اورنگزیب کو ولندیزوں کی معرفت معلوم ہوا کہ شجاع مقتول ہو گیا ہے اور اُس کا تمام خاندان بھی تباہ ہو گیا ہے تو اُس نے خبر کی تصدیق کی خاطر آگرہ کے انگریز اور ولندیز تاجروں کو اور دیگر مسیحیوں اور مسلمانوں کو بلوایا۔ اُنہوں نے اُس کو اراکان کے ولندیز گماشتہ کا خط دکھایا جس میں شجاع کی موت کا حال لکھا تھا۔ اورنگزیب نے اس خط کا فارسی میں ترجمہ کروایا اور اس کی نقل کو خود پڑھا۔ پھر آسمان کی جانب ہاتھ اُٹھا کر اُس نے کہا "تکبر چناں است کہ آخرِ او پشیمانی است۔ تواضع چیزے است کہ بر عرش بریں ہم عزیز است۔" اُس نے حکم دیا کہ تمام سلطنت میں شجاع کی نمازِ میت پڑھی جائے تاکہ ممالکِ محروسہ کی تمام رعایا کو اُس کی موت کا علم ہو جائے۔" (جلد اوّل ص ۳۸۱)

نظر بند شاہ جہاں

محمد طاہر بن ظفر خان (جس کو شاہ جہان نے عنایت خان کا خطاب عطا کیا تھا) مصنفِ "شاہجہان نامہ" لکھتا ہے کہ نظر بند ہونے سے چھ سات سال پہلے جب شاہجہان کی عمر ساٹھ سال سے تجاوز کر گئی تو عُلمائے شریعت نے ۱۰۶۰ھ (۱۶۵۰ء) میں فتویٰ دیا کہ بادشاہ جسم کی کمزوری اور عوارض کے باعث ماہِ رمضان کے روزے نہ رکھا کرے بلکہ ان کے عوض خیرات دے دیا کرے۔ پس بادشاہ نے حکم دیا کہ ہر سال ماہِ رمضان میں غُربا اور مساکین میں ساٹھ ہزار روپیہ تقسیم ہوں اور اس کے علاوہ دیوانِ عام کے سامنے بھی بھوکوں کو لذیذ کھانے اور مٹھائیاں دی جایا کریں۔ اس سے ہم شاہجہان کی نقاہت کا اندازہ کر سکتے ہیں جس کا اصلی سبب عُمر کا تقاضا نہ تھا بلکہ عیش و عشرت کی زندگی تھی۔ چنانچہ منوچی لکھتا ہے کہ شاہجہان نے ایک بڑا کمرہ بنوا رکھا تھا جس کے ہر طرف آئینے ہی آئینے تھے۔ اس کو پچاس لاکھ روپیہ کی لاگت کے سونے اور قیمتی پتھروں سے آراستہ کیا گیا تھا۔ اس کے کونوں میں موتی، یشب اور قسم قسم کے پتھر لٹکتے تھے۔ یہاں وہ عورتوں کے ساتھ عیش کیا کرتا تھا۔ اُس نے ہر سال مینا بازار

کا بھی انتظام کر رکھا تھا جو آٹھ روز تک رہتا تھا جس میں صرف عورتیں ہی آکر خرید و فروخت کرتی تھیں۔ اِس بازار کا سب سے بڑا متاع حُسن کا تھا۔ شاہ جہان اِس بازار میں دو دفعہ جایا کرتا تھا اور جس عورت کا حسن اُس کو پسند آتا تھا وُہ شاہی محل میں پہنچا دی جاتی تھی۔ ان میں سے بعض سیم و زر سے لدی اپنے گھروں کو واپس چلی جاتیں اور بعض محل میں مدخولہ خواص ہو جاتی تھیں۔ محل میں یہ آٹھ روز عیش و عشرت، گانے، بجانے، رقص و سرود اور کھیل تماشوں میں صرف ہو جاتے تھے۔ ایک دفعہ جب اُن عورتوں کا شمار کیا گیا جو مینا بازار جاتی تھیں تو اُن کی تعداد تیس ہزار نکلی۔ ان عشرتوں کے علاوہ بازاری عورتیں بھی شاہجہان کے کام آتیں۔ کنچنیاں حکماً ہفتہ میں دو بار حاضر ہوتیں جو حُسن میں بے نظیر ہوتی تھیں۔ ایسی عورتیں شمار میں پانچسو کے قریب تھیں۔ اگر شاہ جہان اُن میں سے کسی پر عاشق ہو جاتا تو وُہ اُس کی مدخولہ بن کر محل میں رہنے لگتی۔ ایک دفعہ کسی درباری نے جُرأت کر کے کہا کہ اس طائفہ کی عورتیں بادشاہوں کی شان کے شایاں نہیں۔ شاہجہان نے جواب دیا "متاعِ نیک ہر دکان کہ باشد" (جلد اوّل ص ۱۹۴-۱۹۶)۔

عیاشی کی کثرت کی وجہ سے اب پینسٹھ سال کا بڈھا شاہجہان بقول منوچی "جوانی کے ایام کے سے عیش ڈھونڈتا تھا اور اس غرض کے لئے قوّتِ باہ اور امساک وغیرہ کی ادویات کا استعمال کرتا تھا۔" ان بداعتدالیوں کا نتیجہ یہ ہُوا کہ اس کا پیشاب بند ہو گیا (ص ۲۴۰)۔ منوچی اس کی تفصیل یُوں بیان کرتا ہے کہ شاہجہان کی ایک بیوی اورنگ آبادی نے اُس کو دو پری چہرہ کنیزیں بطور تحفہ دیں۔ ایک روز جب شاہجہان آئینہ کے سامنے اپنے مُنہ اور چہرے کو سنوار رہا تھا یہ دونوں کنیزیں حاضر تھیں۔ انھوں نے یہ دیکھ کر آپس میں اشاروں میں باتیں کیں کہ بادشاہ اِس عُمر میں بھی اپنے آپ کو جوان تصور کرتا ہے اور سنوارتا ہے۔ شاہجہان نے ان کو آئینہ میں اشاروں سے باتیں کرتے دیکھ لیا۔ اُس نے مقویّات ادویات کا استعمال شروع کر دیا تاکہ اُس کی طاقتِ باہ بیش از پیش ہو جائے جن کی وجہ سے اُس کو آخری عُمر میں قبض البول کی خطرناک بیماری لگ گئی۔ اور ۱۰۶۸ھ (۱۶۵۷ء) میں وُہ قریب المرگ ہو گیا اور جیسا ہم سطورِ بالا میں بتلا چکے ہیں اُس کے بیٹوں میں حقِ جانشینی کے حصُول کی خاطر جنگیں شروع ہو گئیں اور سلطنت اور رعایا میں بدنظمی پھیلتی چلی گئی۔ جب اورنگزیب نے باپ کو قلعہ میں نظر بند کر دیا، تب جہاں آرا بیگم قید میں باپ کی خدمت کرتی تھی۔ محل کی کل متعلقہ عورتیں اور ناچنے گانے والیاں سب حاضرِ خدمت رہتیں۔ اورنگزیب کے حکم سے ایسے معاملات میں اُس کی خواہش کبھی ردّ نہ کی جاتی تھی۔ شاہجہان گو قید تھا لیکن اُس کو ہر طرح کا آرام اور سامانِ عیش

Marfat.com

میسّر تھے۔ عورتیں اور کنیزیں اُس کی ہر خواہش کو پُورا کرتی تھیں۔ بہترین مقوی غذائیں اور لذیذ کھانے اس کے لئے مہیّا کئے جاتے تھے۔ حکومت کے سوا اُس کو سب عشرتیں میسّر تھیں بعض اوقات جب اُس کا دل نہایت بے چین ہو جاتا تھا تو قرآن خوان اُس کو قرآن و حدیث سُنا کر اُس کی رُوح کی بیچینی کو رفع کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

جب ہم شاہجہان کے آخری سات سالوں پر نظر کرتے ہیں تو قدرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ شاہجہان جیسے عظیم بادشاہ کے اُمرائے سلطنت نے کیوں جان توڑ کر اُس کی اور داراشکوہ کی امداد نہ کی؟ منوچی اس سوال کا یُوں جواب دیتا ہے۔ "شاہجہان نے نہ صرف عورتیں اپنے محل میں ڈال رکھی تھیں بلکہ وُہ اپنے اُمرا کی بیویوں سے بھی ناجائز تعلق پیدا کر لیتا تھا اور یہی اُس کی تباہی کا باعث بھی ہُوا۔ ان میں سے ایک جعفر خان تھا جو آصف خان کی بہن کا بیٹا تھا۔ شاہجہان کو اُس کی بیوی فرزانہ بیگم سے عشق ہو گیا جو اُس کی ملکہ ممتاز محل کی بہن تھی۔ پس اُس نے جعفر خان کو پٹنہ کا گورنر مقرر کر کے اُس کو بیوی سے جُدا کر دیا۔ ایک اور بی بی خلیل اللہ خان کی زوجہ تھی۔ جو آصف خان کی پوتی یا نواسی تھی۔ خلیل اللہ نے اس بے عزّتی کا بدلہ تب لیا جب دارا کی اورنگزیب سے جنگ ہُوئی۔ اُس نے شائستہ خان کی بیوی کو بھی نہ چھوڑا حالانکہ وُہ اُس سے تعلق رکھنا نہیں چاہتی تھی .... اس واقعہ کے بعد اس بی بی نے کھانا پینا ترک کر دیا اور اسی رنج میں مر گئی شائستہ خان نے بھی اپنا بدلہ بعد میں لے لیا۔" (جلد اوّل ص ١٩٢-١٩٤) ان اُمرا کے بدلہ کی نسبت منوچی لکھتا ہے کہ جب شاہجہان نے بیٹوں کی جنگی تیاریوں کی خبریں سُنیں تو اُس نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھائے اور کہا۔ "یا اللہ۔ تیری رضا۔ یہ میرے گناہوں کی سزا ہے۔ اے میرے اللہ... شاہجہان کے اُمرا ہرگز اس بات کے خواہاں نہیں تھے کہ شاہی افواج کی فتح ہو کیونکہ شاہجہان اپنے اُمرا کی بیویوں کی طرف بُری نظر سے دیکھتا تھا... دارا بھی اُمرا سے حقارت سے پیش آتا تھا پس اُمرا کو ان دونوں باپ بیٹوں سے بدلہ اور انتقام لینے کا موقع مل گیا۔" (جلد اوّل صفحہ ٢٦٢-٢٦٦)

داراشکوہ لشکرِ جرار لے کر اورنگزیب کے خلاف نکلا لیکن اُس نے ہر جگہ اور ہر موقع پر شکست کھائی کیونکہ بیشتر اُمرا اُس کے مذہبی خیالات کی وجہ سے اُس سے بدظن تھے اور بعض اُس کی طبیعت کے ہاتھوں نالاں تھے۔ چنانچہ برنیئے داراشکوہ کی ذاتی خوبیاں بیان کرنے کے بعد لکھتا ہے "بایں ہمہ وُہ بڑا ہی خودپسند اور خودرائے تھا۔ اُس کو یہ گھمنڈ تھا کہ وُہ عقل و تدبر سے ہر امر کو بطورِ احسن سُلجھا سکتا ہے اور دُنیا کا کوئی بشر اِس قابل نہیں کہ اُس کو مشورہ دے سکے۔

Marfat.com

وہ اُن لوگوں سے جو اُس کو صلاح دیتے تھے تحقیر اور اہانت سے پیش آتا تھا۔۔۔ وہ ڈرانے اور دھمکانے میں بڑا تیز تھا یہاں تک کہ بڑے بڑے اُمرا کو بُرا بھلا کہہ بیٹھتا تھا، اور اُن کی عزت خاک میں ملا دیتا تھا۔ لیکن اُس کا غصہ آن کی آن میں جاتا رہتا تھا۔" (جلد اوّل ص۱۱) منوچی بھی لکھتا ہے کہ دارا کسی کی صلاح نہیں مانتا تھا۔ اُس کو یہ وہم تھا کہ وہ ایسا عاقل ہے کہ اُس کو کسی کے مشورہ کی ضرورت ہی نہیں اور کہ ہر شخص اُس سے محبت کرتا ہے۔ وہ اُمرائے دربار سے متکبرانہ پیش آتا تھا۔ اُس نے راجہ جے سنگھ کو بے عزت کیا۔ اُس نے میر جملہ کو بھی اپنا دشمن بنا لیا۔ یہ دونوں اُس سے بدلہ لینے کی غرض سے اورنگزیب سے مل گئے۔ اگر وہ یہ حرکات نہ کرتا تو ہندوستان کا بادشاہ ہو جاتا۔" (جلد اوّل صفحہ ۲۲۱، ۲۲۵، ۲۲۷)۔

ہم سطورِ بالا میں بتلا چکے ہیں کہ خود شاہجہان کی بھی یہی رائے تھی کہ "دارا عدو شدہ نیکاں و دوستِ بداں واقع شدہ، با بداں نیک و با نیکاں بد است۔" بہرحال شاہجہان کی حسن پرستی اور عیش پسندی نے اُس کو کہیں کا نہ رکھا۔ ع

شامتِ اعمالِ ما صورتِ نادر گرفت

ہمیں اس حقیقت کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ مشرق و مغرب کے ممالک کے مطلق العنان بادشاہ جو سترھویں صدی میں حکومت کرتے تھے، سب کے سب باستثنائے چند حُسن و عشق کے غلام تھے۔ چنانچہ سر تھیوڈور موریسن[1] جنرل آف انڈین ہسٹری بابت اگست ۱۹۲۶ء میں مغلیہ بادشاہوں اور انگلستان و فرانس کے بادشاہوں کے اور اُن کے درباریوں کے اخلاق کا مقابلہ کر کے لکھتا ہے کہ سترھویں صدی میں "مغلیہ سلطنت کا دربار جنسی اخلاق کے لحاظ سے شاہان فرانس اور انگلستان کے درباروں سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھا۔ ایک لحاظ سے ہندوستان اور فرانس و انگلستان کے درباروں میں بڑا نمایاں فرق یہ تھا کہ فرانس و انگلستان کے اُمرا اپنی بہو بیٹیوں کی عزت و آبرو کو اپنے بادشاہوں کی نذر کر دینے پر فخر کرتے تھے اور خوشی سے اس بات میں پیش قدمی کرنے کے موقعوں کی تلاش میں رہتے تھے۔ لیکن گو مغلیہ بادشاہ عیاش تھے لیکن اُن کے اُمرا کبھی اپنی بیویوں اور بہو بیٹیوں کو عصمت دری کے لئے اُن کو نذر نہیں کرتے تھے، اور جہاں تک اُن کا بس چلتا وہ حتی المقدور ایسا ہونے نہیں دیتے تھے۔ ہندوستان میں اس قسم کی حرکت کو نفرت و حقارت کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا لیکن فرانس اور انگلستان

1. Sir Theodore Morrison, Quoted in the Indian Social Reformer, Bombay, November 13, 1926

Marfat.com

میں درباری اس قسم کی گھنونی حرکت میں پیش پیش تھے۔ اورنگزیب کے زمانہ میں تو بادشاہ اور اُمرا دونوں کے اخلاق بلند پایہ کے تھے۔

دارا کا قتل ہونا داراشکوہ مختلف مقامات سے بھاگ کر دکن جانے کی بجائے شمال مغربی سرحد کے سردار ملک جیون کے پاس جون ۱۶۵۹ء میں چلا گیا جس کو اُس نے سزائے موت سے بچا کر الطافِ خسروانہ سے نوازا تھا۔ وہاں دارا کی بیوی نادرہ[1] بیگم پیچش کی مرض میں مبتلا ہو کر فوت ہو گئی اور دارا پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ بیگم کا تابوت لاہور بھیجا گیا تاکہ اُس کے پیرو مرشد میاں میرؒ کے مقبرہ میں دفن کیا جائے۔ اس جانکاہ واقعہ کے صدمہ سے دارا پاگل ہو گیا۔ افغان سردار ملک جیون نمک حرام نکلا۔ اُس نے دارا اور اُس کے دوسرے بیٹے سپہر شکوہ اور دو بیٹیوں کو ساتھیوں سمیت قید کر لیا اور اورنگزیب کو گرفتاری کی اطلاع دی جس نے ملک جیون کو خلعت اور منصب عطا کیا۔ سلیمان شکوہ نے سری نگر کے راجہ کے ہاں پناہ لی تھی اُس نے بھی دغا کر کے اُس کو اورنگزیب کے پاس بھیجدیا۔ ماہ ذی الحجہ کے درمیان میں داراشکوہ اور سپہر شکوہ دہلی لائے گئے۔ اورنگزیب نے حکم دیا کہ دونوں کو زنجیروں سے باندھ کر ایک نحیف ولاغر ہاتھی پر دہلی کے چاندنی چوک میں پھرایا جائے۔ اسی جگہ ان شاہزادوں کی سواری بڑے کر و فر سے شہر میں نکلا کرتی تھی، اور خود دارا روپے برساتا جایا کرتا تھا۔ اب وُہ میلے کچیلے کپڑے پہنے شکستہ حال پابہ زنجیر، بیکس، بے یار و مددگار رعین دوپہر کی گرمی میں اسی بازار میں سے نکلا۔ ہر جانب زن و مرد دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ ہجوم بے پناہ تھا۔ ہر طرف آہ و بکا کی آوازیں اور عورتوں بچوں کی چیخیں سنائی دیتی تھیں۔ دارا وہاں سے پرانی دہلی میں خضرآباد میں قید کیا گیا۔

دو روز کے بعد ۳۰ اگست کے دن ملک جیون خاں (جس کو بختیار خان کا خطاب عطا کیا گیا تھا) دہلی آیا جب وُہ دہلی کے بازاروں میں سے گذرا تو لوگوں نے غم و غصہ کے جذبات سے مغلوب ہو کر اُس پر حملہ کر دیا۔ ہر طرف سے لعنت دھتکار کی آوازیں بلند ہوئیں اور اُس پر پتھروں کی بارش چاروں طرف سے کی گئی۔ گھروں کی چھتوں پر سے گندگی اور غلاظت اُس کے اُوپر پھینکے گئے ایسا کہ عفونت اور بدبو کے مارے دماغ پھٹے جاتے تھے۔ پتھروں اور اینٹوں کی بارش سے ملک جیون اور اُس کے بہت سے ساتھی زخمی ہو گئے اور بعض مر گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فساد نہیں بلکہ بغاوت ہو رہی ہے اور اگر کوتوال بروقت اُس کی امداد کو نہ پہنچتا تو ملک جیون بھی مارا جاتا۔ منوچی لکھتا

[1] وُہ جہانگیر کے بیٹے سلطان پرویز کی بیٹی تھی۔

Marfat.com

ہے کہ "مَیں سرہند پہنچا۔ یہ شہر پنجاب کی حد کے خاتمہ اَور ہندوستان کے سرے پر واقع ہے۔ اسی لئے اس کا نام "سرہند" پڑ گیا ہے۔ وہاں پہنچکر کیا دیکھتا ہُوں کہ شہر کے باہر پندرہ لاشیں پڑی ہیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہُوا کہ یہ لاشیں ملک جیون خان اَور اُس کے ہمراہیوں کی ہیں جن کو سرہند کے قلعہ دار نے اورنگزیب کے حکم سے حملہ کر کے مار ڈالا تھا، جب جیون خان پایہ تخت سے واپس اپنے علاقہ کو جا رہا تھا۔" (ص ۳۶۸)

عوام کا ردِ عمل دیکھ کر اورنگزیب نے خیال کیا کہ جب تک دارا زندہ رہے گا اُس کو کبھی چین نصیب نہ ہو گا۔ اُس نے اپنے اُمراء سے مشورہ لیا کہ آیا اُس کو قلعہ گوالیار میں قید کر دیا جائے یا اُس کو قتل کر دیا جائے۔ منوچی لکھتا ہے کہ "چونکہ اُمراء اُس کے اصل منشا سے واقف تھے اُنہوں نے کہا کہ اگر دارا زندہ رہا تو سلطنت کو کبھی چین نصیب نہ ہو گا۔ ان میں شائستہ خان کی آواز سب سے بلند تھی۔ اَور نگزیب اُن کی صلاح سُن کر خوش ہو گیا۔ علمائے اسلام نے فتویٰ دے دیا کہ دارا شکوہ کافر اَور کُفر نواز ہے لہٰذا ازروئے شریعت وُہ قتل کا مستوجب ہے۔ ۲۶ ر اکتوبر ۱۶۵۹ء کے روز قتل حکم دے دیا گیا۔" Çatrou کترو کا بیان[1] ہے کہ جب دارا کو معلوم ہُوا کہ اُس کا آخری وقت آ پہنچا ہے تو اُس کو وُہ باتیں یاد آئیں جو مُبلّغین اُس کو کہا کرتے تھے۔ اُس نے درخواست کی کہ پادری بوسی کو اُس سے ملاقات کرنے کی اجازت دی جائے لیکن اس قسم کی اجازت نہ ملنی تھی اَور نہ ملی۔ منوچی لکھتا ہے کہ "اُس نے بار بار اپنے دربانوں سے منت سماجت کر کے کہا کہ وُہ پادری بوسی کو بلا دیں لیکن کسی نے پرواہ نہ کی۔ اُس نے پھر زاری سے کہا کہ اگر تم پادری بوسی کو نہیں لا سکتے تو کسی اَور پادری کو ہی بلا لاؤ لیکن اُس کی درخواست کو ٹھکرا دیا گیا۔ اس پر دارا نے دلوں کو پاش پاش کر دینے والی آواز سے پُکار کر کہا "محمد مارا می کُشد۔ ابن اللہ مارا جان می بخشد۔" جو باتیں مَیں نے اُس کے دربانوں سے سوال کر کے معلوم کیں اُن سے مجھے یہی معلوم ہوتا ہے کہ دارا کی بڑی خواہش تھی کہ وُہ مرنے سے پہلے مسیحی ہو جائے ..... اُس کے قاتل اَور جلاد رات کے آٹھ بجے اُس کے کمرے میں گئے۔ اُنہوں نے اُس کو پکڑ کر زمین پر پٹک دیا اَور اُس کو قتل کر دیا۔ دارا کی عُمر ابھی ۴۶ سال سے کم تھی.... اورنگزیب نے دارا کا سر دیکھ کر کہا "اب مجھ میں سے تخت کا سودا نکل گیا ہے۔ جس کو تُو حقیر شمار کرتا تھا وُہ اب سلطنت کا مالک ہے۔ باپ کا لاڈلا بیٹا

1. The Bernier's Travels in the Moghul Empire, revised by Vincent Smith. (pp. 101-2 Note)

Marfat.com

اجل کا لقمہ ہو گیا ہے۔" اُس نے دارا کی لاش کو ہمایوں کے مقبرہ میں مدفون کر دیا اور سر کو ایک صندوقچہ میں بند کر کے باپ کے پاس بھیج دیا۔ جب شاہجہان کھانا تناول کر رہا تھا، تو اعتبار خان نے صندوقچہ پیش کر کے کہا کہ شاہ اورنگزیب نے یہ تحفہ شاہنشاہ کی خدمت میں بھیجا ہے تاکہ حضور یہ خیال نہ فرمائیں کہ شاہ آپ کو بھول گئے ہیں۔ شاہجہان نے جواب دیا الحمد للہ۔ میرا بیٹا مجھے اب بھی یاد کرتا ہے اور حکم دیا کہ صندوقچہ فوراً کھولا جائے۔ لیکن جب اُس نے دارا کے سر کو دیکھا تو غش کے مارے گر پڑا اور اُس کا سر سونے کے برتن سے ٹکرایا جس سے اُس کے دانت ٹوٹ گئے۔ بیگم صاحبہ کو بھی غش آ گیا۔ عورتیں اپنی چھاتیاں پیٹنے بال نوچنے اور کپڑے پھاڑنے لگ گئیں۔ جب بصد مشکل شاہجہان کو ہوش آیا تو اُس نے اپنا منہ پیٹ لیا، داڑھی کے بال نوچ ڈالے اور آہ و بکا اور گریہ و زاری کرنے لگ گیا۔ اُس کے منہ سے یہی نکلتا تھا "یا خدا۔ تیری رضا۔" دارا کا سر تاج محل کے روضہ میں دفن کیا گیا۔ اعتبار خان نے جا کر اورنگزیب کو تمام حالات کی اطلاع دی جس کو سُن کر وہ اور روشن آرا بیگم نہایت خوش ہوئے اور اُس رات دونوں نے خوب جشن منایا۔" (جلد اول صفحہ ۳۵۰ تا ۳۶۰)

مغلوں میں قانونِ وراثت کی عدم موجودگی

یہ خانہ جنگیاں ۱۶۵۸ء میں شروع ہوئیں اور ۱۶۵۹ء میں ختم ہو گئیں۔ اس سال اورنگزیب عالمگیر شہنشاہِ ہندوستان ہو گیا۔ ناظرین نے ابوابِ بالا میں دیکھا ہے کہ تیموری خاندان کے ہر مغلیہ بادشاہ کے بیٹوں نے اپنے باپ سے بغاوت کی اور اپنے بھائیوں کے قتل پر آمادہ رہے۔ چنانچہ بابر کے بیٹے اپنے بھائی ہمایوں کے خلاف خفیہ اور علانیہ جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ اُس کی وفات کے بعد انہوں نے اور اُن کی اولاد نے اکبر کو بھی چین نہ لینے دیا۔ جہانگیر نے اکبر کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا۔ شاہجہان نے جہانگیر کے خلاف بغاوت کی اور تخت نشینی کے بعد آلِ تیمور کو قتل کر کے اپنا راہ صاف کر لیا۔ شاہجہان کے تمام بیٹوں نے باپ کے خلاف لشکر کشی کی اور فاتح اورنگزیب نے اپنے تمام بھائیوں کو قتل کر کے چین لیا۔ جب شاہجہان نے اپنے بیٹوں کے قتل پر اُس کو ملامت کی تو اورنگزیب نے اُس کو طعنہ دیا اور لکھا کہ "آپ نے بھی اپنے بھائیوں خسرو اور پرویز کو تخت نشینی سے قبل قتل کروا دیا تھا حالانکہ انہوں نے آپ سے کوئی تعرض نہ کیا تھا۔ کیا آپ کو اُن مقتولوں کی یاد کبھی ستایا کرتی ہے[1] مغلیہ سلطنت

1. The Empire of the Great Moghul, by Joannes De Laet. Trans. by J. S. Hoyland (Taraporewala Sons and Co., Bombay, 1928) p. 196 Note.

Marfat.com

کی تاریخ سے ظاہر ہے کہ مدعیانِ سلطنت قید اور نظربند ہوکر بھی سلطنت کرنے کے خواب دیکھتے رہتے تھے اور ان کے طرفداروں کے گروہ ہمیشہ موجود رہتے جو اس وقت تک چپکے نہیں بیٹھتے تھے جب تک دعویداران تخت زندہ رہتے تھے۔ غالباً انہی نتائج کو مدنظر رکھ کر اکبر نے یہ قاعدہ مقرر کردیا تھا کہ بادشاہ کی بیٹیاں امرا میں سے کسی کو شادی میں نردی جائیں اور وہ مدت العمر کنواری رہیں (منوچی، جلد اول ص۲۱۸) ان تمام فتنہ فسادوں اور بغاوتوں کی اصل جڑ یہ تھی کہ مغلیہ خاندان میں ازروئے قانون باپ کی موت کے بعد کسی ایک کو جانشین ہونے کا حق حاصل نہ تھا پس بادشاہ کے تمام بیٹے اور لواحقین اپنے آپ کو تخت کا جانشین حقدار تصور کرکے ایک دوسرے کو فنا کردینے کی کوشش کرتے تھے۔ اگر مغلیہ بادشاہوں میں تخت و تاج کے وارث ہونے کا کوئی قانون ہوتا تو ان کو برے دن دیکھنے نصیب نہ ہوتے اور باپ کی موت کے بعد سلطنت کا وارث چین سے حکومت کرسکتا۔ ملک اور رعایا میں بھی آئے دن ابتری نہ پھیلتی۔ چنانچہ منوچی لکھتا ہے کہ ''ان بدامنی کے ایام میں کوئی اکیلا دکیلا مسافر شارع عام پر سفر کرنے کی جرأت نہیں کرتا تھا، کیونکہ نہ صرف لٹیرے اور رہزن بلکہ گاؤں کے لوگ بھی جس مسافر کو دیکھتے اس کو لوٹ کر بے تامل قتل کر ڈالتے (جلد اول ص۳۰۷)۔

شاہ جہاں کی وفات

بالآخر بدنصیب شاہجہان کو موت نے اس کی ناشاد زندگی کے تمام صدموں اور دکھوں سے رہائی دی اور وہ ۲۶ رجب ۱۰۷۶ھ (مطابق ۲۲ جنوری ۱۶۶۶ء) کے دن آگرہ کے قلعہ میں اورنگزیب کی حکومت کے آٹھویں سال میں ۷۵ سال کی عمر پاکر راہیٔ ملکِ عدم ہوگیا۔ اس کی وفات کی تاریخ ''شاہ جہان کرد وفات'' ہے۔ اورنگزیب باپ کی وفات کی خبر پاتے ہی آگرہ پہنچ گیا اور اس نے باپ کو روضۂ تاج محل میں اپنی ماں کے پہلو میں دفن کیا۔

Marfat.com

باب نہم

ابو مظفر محی الدّین محمّد اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ غازی

فصل اوّل

حکومتِ الٰہی کے اصول اور اورنگزیب

اورنگزیب کی مذہبی پالیسی اِس سے پہلے کہ ہم اورنگزیب کی حکومت اور مذہبی پالیسی کا بیان کریں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ناظرین کا تعارف حکومتِ الٰہی کے قوانین سے کرا دیں جو تمام رُوئے زمین کی گذشتہ اور موجودہ اسلامی سلطنتوں کی بناد قیام اور بقا کا موجب ہیں۔ ہم نے اُن کا مفصل ذکر جلد سوم کے حصّۂ اوّل کے بابِ دوم میں کیا ہے لہٰذا ہم یہاں مختصر طور پر ہی اُن کا اعادہ کرتے ہیں تاکہ ناظرین اورنگزیب کی مذہبی پالیسی کو بخوبی سمجھ سکیں اور اُس کے نکتۂ نگاہ سے واقف ہو کر اُس کے عہد کے واقعات کو صحیح زاویۂ نگاہ سے دیکھ سکیں کیونکہ مغلیہ بادشاہوں میں وُہ اکیلا بادشاہ تھا جس نے نڈر ہو کر اسلامی حکومتِ الٰہی کے اصُول کو برحق جان کر اور جرأت سے کام لے کر صحیح منطقی نتیجہ نکالا اور اُن کے نتائج پر استقلال و عزم کے ساتھ عمل کیا۔

حکومتِ الٰہی کے اصول اِن اصُولوں کے مُطابق ہر اسلامی ملک حکومتِ الٰہی کے ماتحت ہوتا ہے جس پر وحیِ الٰہی کے مطابق حکومت کی جاتی ہے۔ ملک کا حقیقی بادشاہ خُود اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔ دُنیوی بادشاہ کی حیثیت نائبِ الٰہی کی ہوتی ہے جو خُدا کے احکام ملک میں نافذ کرتا ہے۔ وُہ "ظلِّ سُبحانی" ہوتا ہے جس کے احکام میں چون و چرا کی گنجائش نہیں ہوتی۔ اُس کا دربار گویا الٰہی دربار کا نمونہ ہوتا ہے۔ ملک کے تمام شعبے اور قوانین

Marfat.com

احکامِ دین کے ماتحت ہوتے ہیں حکام کے وجود کی غرض صرف یہ ہے کہ ان احکامِ دین کا نفاذ کر کے رعایا سے اُن پر عمل کرائیں تاکہ دینِ حق کی اشاعت ہو اور اُس کو استحکام حاصل ہوتا جائے۔ پس ہر ایماندار کا فرض ہے کہ کفار اور مشرکین سے جنگ کرے تاوقتیکہ "دارالحرب"، "دارالسلام" نہ بن جائے۔ اگر غیر مسلم اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان نہ لائیں تو اُن کا درجہ غلاموں کا ہوتا ہے۔ اگر ہتھیار بند قیدی اسلام قبول نہ کریں تو وہ یا تو قتل کر دیئے جائیں اور یا غلام بنا کر فروخت کر دیئے جائیں اور اُن کے بیوی بچے مسلمانوں کے غلام ہو کر رہیں۔ جن لوگوں نے اسلامی افواج کے خلاف ہتھیار نہیں اُٹھائے وہ شافعی مذہب کے مطابق مستوجب قتل ہیں اور اگر شافعی مذہب کے اصول کے مطابق وہ قتل نہ کئے گئے ہوں تو اُن کو غلام بنا لیا جائے تاکہ اُن کا وجود اور اُن کی ملکیت وغیرہ اسلام کے کام آئیں۔ اصل مقصد فقط ایک ہی ہے کہ مفتوحہ ممالک کے تمام باشندے اسلام کے حلقہ بگوش ہو جائیں۔ اگر وہ اسلام قبول کرنے میں تامل کریں تو اُن کی تالیفِ قلوب کی خاطر ان کو انعام واکرام عطا کئے جائیں، اور ان کو روزینہ دیا جائے تاکہ وہ ایمان لے آئیں۔ لیکن اگر دعوتِ اسلام کے بعد وہ مسلمان ہونے سے انکار پر اصرار کریں تو یا اُن کو قتل کر دیا جائے اور یا اُن پر سیاسی، سماجی اور اقتصادی قیود اور پابندیاں لگا دی جائیں۔ اگر غیر مسلم ایک دوسرے سے جنگ کریں تو واجب ہے کہ مسلمان بادشاہ مداخلت نہ کرے کیونکہ "ہر طرف کہ کُشتہ شود، سُودِ اسلام است"۔ اگر کوئی اسلام قبول کرنے کے بعد برگشتہ ہو جائے تو وہ قتل کر دیا جائے کیونکہ اسلامی ملک میں اسلام سے برگشتگی ملک اور قوم سے غداری کے مترادف ہے اور مرتد حکومتِ الٰہی اور اللہ سے جو اُس کا حقیقی بادشاہ ہے رُوگردانی کر کے اللہ کے سوائے کسی غیر اللہ کی پیروی کرتا ہے اور غیر قوم ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی ملک میں غیر مسلموں کو قومیت کے شہری حقوق حاصل نہیں ہوتے۔ وہ ایک خستہ حال، ذلیل اور پست جماعت کے افراد ہوتے ہیں جن کا اصلی درجہ ایک قسم کی غلامی کا ہے۔ وہ "ذِمّی" ہوتے ہیں یعنی مسلمان حکومت کے غیر مسلم شہری جن کے جان و مال کی حفاظت کی ذمہ دار سلطنت ہوتی ہے بشرطیکہ وہ اس درجہ میں رہیں اور جزیہ ادا کریں۔ اگر وہ جائیداد کے مالک ہیں تو لازم ہے کہ وہ اُن کے لئے خراج بھی ادا کریں۔ اُن کے لئے یہ بھی لازم ہے کہ فوج اور اُس کے قیام اور اخراجات کے لئے ٹیکس ادا کریں، کیونکہ وہ اسلامی افواج میں

Marfat.com

جو اللہ کے لشکر میں بھرتی نہیں کئے جا سکتے۔ ذمیوں کا لباس، اُن کی نشست و برخاست اور رہائش و مکانات ایسے ہونے چاہئیں جن سے ہر شخص پر عیاں ہو جائے کہ وہ پسماندہ غیر مسلم قوم کے افراد ہیں پس وہ قیمتی لباس زیب تن نہیں کر سکتے۔ گھوڑے یا ہاتھی کی سواری نہیں کر سکتے۔ ہتھیار بند نہیں ہو سکتے۔ اُن پر لازم ہے کہ فاتح قوم کے ہر فرد کی عزت و تکریم کریں اور اُن سے عجز و انکساری کے ساتھ پیش آئیں۔ اُن کی جائیدادیں تمام مسلم قوم کے لئے وقف ہوتی ہیں۔ اُن کو صرف اُن کے استعمال کا ہی حق حاصل ہے جس کے لئے اُن کو ان جائیدادوں کے لئے خراج ادا کرنا لازم ہے۔ لیکن اگر اُن کی جائیداد کسی مسلمان کی ہو جائے تو اُن کو خراج ادا کرنا نہیں پڑتا۔ عدالتوں میں غیر مسلموں کی شہادتوں اور فوجداری مقدمات میں اور شادی نکاح کے معاملات میں بھی اُن پر پابندیاں لگائی گئی ہیں۔ وہ اپنی مذہبی عبادتوں کو علانیہ بر سرِ عام ادا نہیں کر سکتے۔ اگر اُن کے عبادت خانے تباہ کر دیئے گئے ہوں تو وہ اُن کو از سرِ نو تعمیر نہیں کر سکتے اور نہ نئے عبادت خانے بنا سکتے ہیں۔ پرانے عبادتخانوں کی مرمت پر بھی پابندیاں تھیں اور اکثر اوقات اُن کو مرمت کی اجازت بھی نہ دی جاتی تھی۔

مسلمان بادشاہ اور ہندوستان کے غیر مسلم باشندے

ہم جلد سوم میں سلطنتِ دہلی کے مسلمان بادشاہوں کا ذکر کر چکے ہیں اور اُس سلوک کا ذکر کر آئے ہیں جو شریعتِ اسلام کے مطابق اُنھوں نے غیر مسلموں سے روا رکھا۔ اورنگزیب سے قریباً ساڑھے نو سو سال پہلے مسلمان فرمانروا ہندوستان کے مختلف حصوں پر حکومت کرتے چلے آئے تھے۔ ان میں سے اکثر شریعتِ اسلام کے پابند تھے۔ اگرچہ کوئی زیادہ پابند تھا اور کوئی کم۔ لیکن کافرکشی خود مسلمانوں کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ کا باعث ثابت ہوتی۔ اُن کا ایک ہی پیشہ تھا یعنی جنگ کرنا، اور اُن کی زندگی کا مقصد یہ تھا کہ جنگیں کر کے ہندو راجاؤں اور صوبوں کو فتح کر کے مالِ غنیمت کی دولت سے عیش کریں۔ پس سلاطینِ دہلی کی سلطنت کی طرح مغلیہ سلطنت کی بھی کوئی مضبوط اقتصادی بنیاد نہ تھی اور علوم و فنون کی ترقی کی بھی گنجائش نہ تھی۔ مسلمان عموماً سلاطین اور حکومت کی فیاضی اور انعامات اور روزینہ پر اپنی اوقات بسر کیا کرتے تھے، اور کاہل الوجود ہوتے جا رہے تھے۔ اُن کی اولاد پشت در پشت کے نازوں میں پل کر فوجی ملازمت کے قابل بھی نہ رہی تھی۔ سلاطین اور بادشاہوں کی جاگیروں اور اوقاف کی وجہ سے مسلمان آرام کی زندگی کے عادی ہو گئے تھے۔ عیش و عشرت

Marfat.com

کے ساتھ فضول خرچیوں میں بھی اضافہ ہوتا گیا اور وہ پست ہمّت ہو کر مفلس ہوتے گئے۔ اورنگزیب قریباً ڈیڑھ لاکھ روپیہ ہر رمضان کے مہینے میں فقرا اور مساکین میں بانٹا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ اپنے دونوں شمسی اور قمری جنم دنوں کے موقعہ پر اور دیگر تقریبوں پر شاہانہ فیاضی کیا کرتا تھا۔ عیش وعشرت کا نتیجہ گناہ بھری زندگی ہوتی ہے جس کا نتیجہ ملک و قوم کی بربادی ہوتا ہے۔

اورنگزیب کے عہد میں خصوصاً اور مغلیہ بادشاہوں (باستثنائے اکبر) کے عہد میں عموماً غیر مسلم رعایا کے لئے اقتصادی حالت کو بہتر بنانے کا کوئی محرک نہ تھا۔ وہ صرف محنت کش غلام تھے۔ پس ان میں بھی ذہنی، اخلاقی اور روحانی انحطاط آگیا تھا۔ علاوہ ازیں جب حکومت کی ملازمت وغیرہ کی بنیاد لیاقت، قابلیت اور اخلاقی فضیلت پر نہ ہو بلکہ محض مذہبی عقیدہ پر ہی ہو تو غیر مسلم خود بخود یہ احساس کرنے لگ جاتے ہیں کہ ان کا ایسی سلطنت سے کوئی تعلق یا واسطہ نہیں اور وہ اپنے ہی ملک میں غیر ہو کر رہنے لگ جاتے ہیں۔ اُدھر مسلمان ہندوستان میں رہ کر عرب کی قدیم روایات کو ہی اپنی روایات تصوّر کرتے تھے۔ وہ خود ہندی نژاد تھے لیکن اپنے ہی ملک میں رہ کر اپنے آپ کو غیر ملکی بنا لیتے تھے اور عربی کتب درس و تدریس کا استعمال کرتے تھے یا فارسی کا استعمال کرتے تھے جو انھوں نے اپنا لی تھی۔ ہندی مسلمانوں کا کوئی اپنا علم ادب نہ تھا۔ ان کی مذہبی کتب بھی ان کی اپنی دماغی کاوش کا نتیجہ نہ تھیں۔ وہ دینی امور کے لئے بھی مکہ، بغداد اور قاہرہ سے فتوے حاصل کرتے تھے۔ اس کا قدرتی نتیجہ ذہنی انحطاط ہوا۔ وہ اسلامی شریعت کی قیود میں جکڑے تھے جو صدیوں پیشتر کے زمانوں کے حالات کے لئے وضع کی گئی تھیں۔ مسلمان اپنی روحانی بھوک اور پیاس کو صرف قرآن و حدیث حفظ کرنے سے مٹا لیتے تھے یا پنجوقتی نماز با جماعت ادا کر لیتے تھے اور فقط قدیم رسوم و روایات کو انجام دینا کافی سمجھتے تھے جس کا نتیجہ روحانی انحطاط ہو گیا۔ پس اورنگزیب کا زمانہ دراصل مسلمانوں کی اقتصادی، ذہنی، اخلاقی اور روحانی حالت کے انحطاط و زوال کا زمانہ ہے۔ اگرچہ اس نے کل ہندوستان کو زیرِ نگین کر لیا تھا پر اس کے عہد کی ترقی صرف ظاہری اور نمائشی تھی۔ اس کی آنکھیں بند ہونے کی دیر تھی کہ اس کی سلطنت تیس سالوں کے اندر پارہ پارہ ہو گئی اور پچاس سال بھی گذرنے نہ پائے تھے کہ صرف دہلی کے ضلعے تک ہی محدود رہ گئی! فاعتبروا یا اولی الابصار۔

Marfat.com

فصلِ دوم

اورنگزیب کے سوانحِ حیات اور خصائل و عادات

ولادت جہانگیر کے عہد میں جب شہزادہ خورم (شاہجہان) دکن کا صوبہ دار تھا اورنگزیب ۱۵ ماہ ذیقعد ۱۰۲۷ھ (۴ نومبر ۱۶۱۸ء) کی رات کو ممتاز محل (ملکہ نور جہان کی بھتیجی اور دخترِ آصف خان) کے بطن سے پیدا ہوا۔ جہانگیر نے "اورنگزیب" نام رکھا۔ ایک شاعر نے تاریخ کہی۔ ع "گوہرِ تاجِ ملوک اورنگ زیب"۔

خصائل اورنگزیب لڑکپن ہی سے شریعتِ اسلام کا بڑا پابند تھا جس کی وجہ سے اُس کے بھائی اُس کو "نمازی" کہا کرتے تھے۔ وہ قرآن کا حافظ تھا۔ بڑے ہو کر اُس نے ملا احمد بن ابی سعید بن عبداللہ کے علم و فضل اور زہد و ورع کا شہرہ سن کر اُس کو اپنا اُستاد بنایا اور وہ آخری وقت تک اِس خدمت پر مامور رہا۔ نماز کی پابندی کا یہ حال تھا کہ شاہِ بخارا عبدالعزیز کے ساتھ جنگ کرتے وقت جب گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی تو نمازِ مغرب کا وقت ہو گیا۔ اورنگزیب ہاتھی پر سے نماز ادا کرنے کے لئے اُتر آیا۔ جنگی افسر بہتیرا سمجھاتے رہے لیکن اُس نے کسی کی نہ مانی اور اطمینان کے ساتھ نماز اِس استغراق سے ادا کی کہ گویا آگرہ کی مسجد میں بیٹھا ہے۔ دونوں لشکر اس نظارہ کو دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ عبدالعزیز بھی عش عش کرنے لگ گیا اور اُس نے جنگ کو ملتوی کر دیا۔ اورنگزیب قرآن کا حافظ تھا اور خود اپنے ہاتھ سے اُس کی نقلیں کرتا تھا۔

اورنگزیب کو قدرت نے فکرِ رسا اور روشن دماغ عطا کیا تھا۔ لڑکپن ہی سے اُس کو لہو و لعب سے نفرت تھی۔ اُس میں متانت، احتیاط، اور ہوشیاری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ طبیعت میں ہلکا پن اور خامی نہ تھی۔ وہ بڑا معاملہ فہم اور دُور اندیش تھا، اور مردانگی، شجاعت اور دلاوری میں شہرۂ آفاق تھا۔ سپاہگری کے فنون میں طاق تھا۔ قدرت نے اُس کو مردم شناسی کے ملکہ کے ساتھ مصمم ارادہ اور محکم استقلال ودیعت کر رکھا تھا۔ وہ حکمتِ عملی، موقعہ شناسی اور زمانہ سازی میں یکتا تھا۔ تدبیرِ ملکی میں نہایت ہوشیار اور مدبر

Marfat.com

شخص تھا جس کام کو ہاتھ لگاتا تھا نہایت بیدار مغزی سے چوکنا ہو کر اور سب زاویوں سے نگاہ کر کے اُس کو سرانجام دیتا تھا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ شاہجہان کے تمام بیٹوں میں سے وُہ تاج وتخت کا وارث ہونے کے لائق تھا۔ اگر وُہ اُمورِ سلطنت کو صرف شرعی زاویۂ نگاہ ہی سے نہ دیکھتا تو اپنے جدِ امجد اکبر کا صحیح معنوں میں جانشین ہوتا۔ حق تو یہ ہے کہ عقل و دانش، ہمت و شجاعت، عزم و استقلال، سادہ اور نیک زندگی کے لحاظ سے اورنگزیب ایشیا بھر کے بہترین بادشاہوں میں سے تھا۔

تاجپوشی اورنگزیب کی تاجپوشی دو دفعہ عمل میں آئی۔ پہلی دفعہ ۲۱ جولائی ۱۶۵۸ء کے روز ہُوئی جب اُس نے آگرہ پر قبضہ کر لیا تھا تاج پوشی کے بعد اُسی روز وُہ مراد کی گرفتاری کے بعد دہلی چلا گیا۔ دُوسری تاجپوشی جُون ۱۶۵۹ء میں بڑی شان وشوکت کے ساتھ دہلی میں ہُوئی۔ ۹ دن جشن ہوتا رہا۔ اُس کے نام کا خُطبہ پڑھا گیا اور سِکّے مسکوک ہُوئے۔ اب تخت کے تمام دعویدار ختم ہو گئے تھے اور وُہ ہندوستان کا واحد فرمانروا بن گیا شاہجہان داراشکوہ، سلیمان شکوہ، شجاع اور مُراد کی افواج کے افسر اُس کی فوج میں ملازم ہو گئے اور اُس نے سب کو الطافِ خسروانہ سے سرفراز کیا۔ لیکن اُس نے تمام پُرانے حُکام اور اعمال کو موقُوف کر دیا جن کی وفاداری پر اُس کو شُبہ تھا۔ بلکہ قاضی القضاۃ تک کو موقوف کر دیا گیا اور اُن کی جگہ نئے گورنر، عامل اور قاضی وغیرہ مقرر ہُوئے۔ دارا کے تمام مسیحی یورپین ملازم بھی جو تعداد میں ۲۲ تھے اور مغربی ممالک کی مختلف اقوام کے تھے، سب کے سب اُس کے ملازم ہو گئے اور ہر شخص کی ۳۳۰ روپیہ ماہوار تنخواہ مقرر ہُوئی۔

یہ عجب حسنِ اتفاق ہے کہ ۱۶۵۸ء کے موسمِ گرما میں جب انگلستان کا زاہدِ خشک پیوریٹن فرمانروا کرامویل (Puritan Cromwall) مر گیا، انہی ایام میں ہندوستان کا زاہدِ خشک فرمانروا اورنگزیب پہلی دفعہ آگرہ میں تاجپوش ہُوا۔

ازواج واولاد منوچی لکھتا ہے کہ داراشکوہ کی موت کے بعد اورنگزیب نے اُس کی باقیماندہ دونوں بیویوں کو بلوا بھیجا تا کہ اُن کو اپنے حرم میں داخل کرے۔ ایک کا نام اُودے پوری تھا۔ وُہ ملکِ جارجیا کی مسیحی خاتون تھی[1]۔ دُوسری ہندو تھی

---

[1] ہم تاریخِ کلیسیائے ہند کی جلد سوم میں اس مسیحی ملک کی کلیسیا کا مختصر ذکر کر چکے ہیں۔ (برکت اللہ)

Marfat.com

جس کا نام رعنا دل تھا۔ اودے پوری حاملہ ہوگئی اور اُس سے شاہزادہ کام بخش پیدا ہوا لیکن رعنا دل نہ گئی۔ اُس نے بادشاہ سے پچھوا بھیجا کہ بادشاہ کی کیا خواہش ہے؟ مجھے کیوں طلب کیا جا رہا ہے؟ جواب ملا کہ بادشاہ کو تم سے محبت ہوگئی ہے اور وہ تم سے بیاہ کرنا چاہتا ہے۔ اُس نے سوال کیا کہ مجھ میں کیا چیز ہے جس سے بادشاہ عشق کرتے ہیں؟ جواب ملا کہ تمہارے لمبے اور خوبصورت بالوں نے بادشاہ کو اپنے دام میں پھنسا لیا ہے۔ یہ سنکر رعنا دل نے اپنے بال کاٹ کر اورنگزیب کو بھیجدیئے اور کہلا بھیجا کہ جس چیز کو حضور پیار کرتے ہیں وہ ارسال خدمت ہے اِس بندی کو اپنے گوشہ میں ہی پڑا رہنے دیں۔ اورنگزیب نے کہلا بھیجا کہ تمہارے رُخِ زیبا کے حُسن نے ہم کو دیوانہ کر رکھا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اِس خوبرو چہرے کی روشنی ہمارے تاریک گھر کو منوّر کردے۔ ہم تم سے نکاح کرکے زوجگی کے تمام حقوق عطا کریں گے۔ یہ پیغام پاکر رعنا دل نے ایک چھری سے اپنے دونوں گالوں کو گھائل کردیا اور لہو کے قطروں کو اکٹھا کرکے اورنگزیب کے پاس بھیجدیا اور کہلا بھیجا کہ جس حُسن نے حضور کو متوالا بنا دیا تھا، وہ اب نہیں رہا۔ اگر بادشاہ کو میرا خُون درکار ہے تو وہ بھی حاضر ہے (جلد اوّل صفحہ ٣٦١) رعنا دل رقص و موسیقی میں یکتائے زمانہ تھی وہ ایک کنچنی تھی جس پر دارا شکوہ فریفتہ ہوگیا تھا۔ اُس نے اُس کو خرید لیا اور اُس سے نکاح کرلیا تھا (ایضاً صفحہ ٢٢١-٢٢٢)۔

اس واقعہ سے پہلے ١٦٣٧ء میں اورنگزیب نے ایران کے شاہی خاندان کے منسل افسر شاہ نواز خان صفوی کی بیٹی دل رس بانو سے نکاح کیا تھا۔ اُس کے بطن سے زیب النساء اور اکبر پیدا ہوئے۔ اُس کی دُوسری بیوی نواب بائی ایک راجپوت شہزادی تھی جس سے سلطان اور معظم پیدا ہوئے۔ ان کے علاوہ اُس کی تین پرستاریں تھیں۔ پہلی ہیرا بائی جو عام طور پر "زین آبادی" کہلاتی تھی جس سے اورنگزیب کو عشق تھا جس کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے۔ دوسری اورنگ آبادی تھی۔ تیسری اودے پوری تھی جس کا ذکر ہم سطورِ بالا میں کرچکے ہیں۔

اورنگزیب کی اولاد حسبِ ذیل تھی:۔

(١) زیب النسا (ولادت ١٦٣٩ء)۔ (٢) محمد (ولادت ١٦٣٩ء)۔ (٣) معظم شاہ عالم بہادر شاہ (جو اورنگزیب کے بعد تخت نشین ہوا) سن ولادت ١٦٤٣ء تخت نشینی ١٧٠٧ء۔ وفات ١٧١٢ء) (٤) زینت النسا (ولادت ١٦٤٣ء) (٥) بدر النسا (ولادت ١٦٤٧ء) (٦) زبدۃ النسا (ولادت ١٦٥١ء) (٧) اعظم (ولادت ١٦٥٣ء)۔ (٨) اکبر (ولادت ١٦٥٧ء)

Marfat.com

(۹) مہر النساء (ولادت ۱۶۶۱ء)۔ (۱۰) کام بخش (ولادت ۱۶۶۷ء)۔

اورنگزیب ایک شکی مزاج انسان تھا جو کسی پر بھروسا نہیں کرتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس کے بیٹے، بیٹیاں، وزیر، جرنیل اور ملکی اور فوجی افسر سب اُس سے ڈرتے تھے۔ جو لوگ اُس کے پاس رہتے تھے وہ ہر وقت خائف و ترساں رہتے تھے۔ وہ نہ تو بابر کی مانند صاف باطن اور اولاد سے محبت کرنے والا شخص تھا اور نہ اکبر کی طرح اپنے دشمنوں کو معاف کرنے والا انسان تھا۔ وہ صرف بدلہ اور انتقام کو ہی جانتا تھا۔ وہ اپنے بیٹوں تک سے سختی سے پیش آتا تھا اور اُن کے اقوال و افعال کو شک کی نگاہوں سے دیکھا کرتا تھا اور اُن پر اعتماد بھی نہ کرتا تھا۔ وہ اُن کو کہا کرتا تھا کہ "تم ہم سے اُس قسم کا سلوک نہیں کر سکتے جو ہم نے اپنے باپ سے کیا تھا"۔ اُس نے اپنے بڑے بیٹے کو عمر قید کی سزا دی اور اُس سے چھوٹے معظم کو متنبہ کر کے کہتا تھا کہ خیال رکھو کہیں تمہارا حشر بھی تمہارے بھائی کا سا نہ ہو۔ شک کی بنا پر اُس نے اُسے سات سال قید رکھا۔ شہزادہ اعظم کی شجاعت کا تمام ملک میں سکّہ بیٹھا ہوا تھا، لیکن وہ اپنے باپ سے اس قدر خائف رہتا تھا کہ جب کبھی اُس کو باپ کا خط پہنچتا تو نامہ بر کی شکل دیکھتے ہی اُس کا رنگ فق ہو جاتا اور وہ کانپ اٹھتا تھا۔ ایک دفعہ جب اُس نے سنا کہ ۸۸ سالہ بوڑھا باپ بیمار ہے تو تاج و تخت کی ہوس سے مغلوب ہو کر اُس نے باپ کو لکھا کہ یہاں کی آب و ہوا میرے موافق نہیں ہے میں آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ اورنگزیب خط پڑھ کر سخت ناراض ہوا۔ اُس نے جواب میں لکھا کہ جب میرا باپ شاہجہان بیمار تھا تو میں نے بھی اُس کو یہی لکھا تھا کہ مجھے یہاں کی آب ہوا موافق نہیں آتی اور اعلیٰحضرت نے جواب دیا تھا کہ ہر جگہ کی ہوا اُس شخص کو موافق آتی ہے جس میں ہوائے نفس نہیں ہوتی۔ جب اورنگزیب کی بیٹی زیب النسا نے اپنے بھائی شاہزادہ اکبر کی بغاوت میں مدد کی تو وہ دہلی کے قلعہ سلیم گڈھ میں قید کر دی گئی۔ اُس کا چار لاکھ سالانہ وظیفہ بند کر دیا گیا اور جائداد ضبط کر لی گئی (مآثر عالمگیری ص ۲۰۴) وہ تمام عمر وہیں قید رہی اور قید خانہ میں ہی فوت ہو گئی۔ اورنگ زیب کو اگر کسی بیٹے سے کچھ محبت تھی تو کام بخش سے تھی کیونکہ وہ اُس کی ماں اودے پوری سے ایک حد تک محبت کرتا تھا۔ اودے پوری بھی آخری دم تک اُس کی مونس و غمگسار رہی۔ حق تو یہ ہے کہ عورتوں کو اُس کی زندگی میں بہت کم دخل تھا۔ قرآن نے چار نکاحوں کی اجازت دے رکھی ہے لیکن اُس کے نکاح اس حد تک بھی نہ پہنچے۔ کہاں اُس کے آبا و اجداد کا طرزِ عمل

Marfat.com

اور کہاں اورنگ زیب کا۔

سرمد کا قتل

ہم گذشتہ باب میں ننگے مسیحی درویش سرمد کا دارا شکوہ کے مذہب کے سلسلہ میں ذکر کر چکے ہیں۔ دارا سرمد کا بڑا مداح تھا۔ سرمد نے کہا تھا کہ شاہجہان کے بعد دارا تخت و تاج کا مالک ہوگا۔ پس اورنگزیب نے تخت نشینی کے بعد سرمد کو بلوا بھیجا اور اس سے کہا کہ تم نے دارا شکوہ کو تخت و تاج کی خوشخبری دی تھی؟ سرمد نے جواب دیا کہ وہ مژدہ صحیح نکلا کیونکہ اب اس کو ابدی سلطنت میں تاجپوشی نصیب ہوگئی ہے۔ ملا عبدالقوی سرمد سے کینہ رکھتا تھا کیونکہ وہ نہ صرف علم میں اس سے افضل تھا اور دارا اس کا عقیدت مند تھا بلکہ تمام شاہجہان آباد اس کا معتقد تھا (ریاض العارفین صفحہ ۱۴۰)۔ قاضی نے اس کی برہنگی پر اعتراض کیا کیونکہ عریانی خلافِ رسمِ شرع ہے۔ سرمد نے جواب میں یہ رباعی پڑھی:-

خوش بالائے کردہ چنیں پست مرا   چشمے بدو جام بُردہ از دستِ مرا

او در بغلِ من است و من در طلبش   دُزدِ عجبے برہنہ کردہ است مرا

اور کہا کہ شیطان قوی است۔ چونکہ قاضی کا نام بھی قوی تھا اس نے اورنگزیب کو مشورہ دیا کہ سرمد کو عریانی کے جرم کی وجہ سے قتل کر دیا جائے۔ اورنگزیب نے علما کو جمع کیا اور سرمد کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ اس نے جواب میں کہا:ے

شاہِ شاہاں نیم زاہد چوں تو عریاں نیستم
شوق و ذوقِ شورشم لیکن پریشاں نیستم
بت پرستم کافرم از اہلِ ایماں نیستم
سوئے مسجد می روم اما مسلماں نیستم

علما نے سرمد کو اسلامی کلمہ پڑھنے کو کہا۔ لیکن سرمد مسیحی تھا۔ اس نے کلمۂ توحید کا صرف پہلا حصہ پڑھا۔ علما نے مطالبہ کر کے کہا کہ پورا کلمہ پڑھو۔ سرمد نے جواب دیا کہ میں اثبات کے مرتبہ پر نہیں پہنچا کیونکہ نفی میں ہی مستغرق ہوں۔ علما نے فتویٰ دیا کہ وہ کفر بولتا ہے اور کافر ہے، اور واجب القتل ہے۔ فتویٰ سن کر سرمد نے یہ شعر پڑھا:ے

عمریست کہ آوازۂ منصور کہن شد
من از سرِ نو جلوہ دہم دار و رسن را

Marfat.com

مرحوم مولانا آزاد سرمد کے مداح تھے۔ وہ اپنے مضمون "سوانح سرمد" میں لکھتے ہیں کہ سرمد کا قتل مذہبی اسباب سے زیادہ سیاسی وجوہ کے باعث واقع ہوا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ سرمد کے قتل کی اصل وجہ دارا کی مصاحبت تھی۔ لیکن ہم کو یہ امر بھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ سرمد کا تصوف اس قسم کا تھا جو ہندو اور مسیحی اور اسلامی خیالات کا معجونِ مرکب تھا جس کا ذکر ہم جلد سوم کے دوسرے حصّہ کے باب چہارم کی فصل دوم میں کر آئے ہیں۔ اس کے تصوّف میں یوگ اور ہندو فلسفہ کے دیگر عناصر بھی شامل تھے جن سے اورنگزیب جیسا پابند شریعت انسان متنفّر تھا۔

جب سرمد کو قتل گاہ کی طرف لے چلے تو اس قدر ہجوم ساتھ تھا کہ راہ چلنا دشوار ہو گیا۔ راہ میں اس نے متعدد رباعیاں کہہ ڈالیں اور بڑے اطمینان سے مقتل پہنچا۔ جب جلّاد نے تلوار ہاتھ میں لی تو اس نے مسکرا کر آخری شعر کہا ؎

رسیدہ یار عریاں تیغ ایں دم
بہر رنگے کہ آئی می شناسم

سرمد قتل گاہ میں ہی دفن کیا گیا۔ قبر جامع مسجد دہلی کے شمال مشرقی کونہ کی طرف ہے اور ہر خاص و عام کی زیارت گاہ ہے۔ قبر کے سرہانے ذیل کا کتبہ لکھا ہے ؎

شاہ سرمد در عہدِ عالمگیر — چو سفر ساختہ بخلدِ بریں
گفت تاریخ اکبرِ مسکین — لحد مرقد شہید سرمد ایں

مرحوم مولانا ابوالکلام آزاد کا مزار سرمد کی قبر کے پاس ہے۔

گو اورنگزیب ہندی تصوّف سے بیزار تھا لیکن وہ صوفیہ کے سلسلوں کا معتقد تھا۔ چنانچہ وہ کئی دفعہ اجمیر خواجہ معین الدین چشتی کے روضہ کی زیارت کرنے گیا اور جائے رہائش سے پاپیادہ جاتا تھا۔ ایک دفعہ اس نے پانچہزار روپیہ بطور نذر پیش بھی کئے (ماثرِ عالمگیری اردو صفحہ ۱۲۶ و ۱۴۴)

اس کے عہد میں مرزا مظہر جانجاناں بڑا صوفی اور شاعر گذرا ہے۔ اس کا ترک باپ مرزا جان اچھے عہدہ پر تھا۔ بیٹے کی پیدائش کی خبر سن کر اورنگزیب نے کہا کہ مرزا جان کے بیٹے کا نام جانِ جاناں ہونا چاہیئے۔ اس کا تعلق نقشبندی خاندان اور قادریہ سلسلہ سے تھا۔

Marfat.com

سلطنت کی وُسعت اَور خوشحالی

جب شاہجہان تخت نشین ہوا تو اورنگزیب دس سال کا بھی نہ تھا، لیکن اُس نے شہزادگی کے ایّام میں سترہ بیس سال کی عمر میں دکن کی گولکنڈہ اَور بیجاپور کی شیعہ ریاستوں کو فتح کر لیا تھا۔

اوّل الذکر ریاست کو محمد سعید "میر جملہ" نے اُس کے ہاتھ میں دے دیا۔ یہ شخص ایک ایرانی تاجر تھا جو ہیروں اَور دیگر قیمتی جواہرات کی تجارت کیا کرتا تھا، اَور اپنی قابلیت کی وجہ سے گولکنڈہ کا وزیرِاعظم ہوگیا تھا۔ اُس نے کرناٹک میں اپنی ریاست قائم کر لی جس سے اُس کو چالیس لاکھ روپیہ کی سالانہ آمدنی آتی تھی۔ اُس کا اپنا لشکر اَور توپخانہ تھا۔ کہنے کو وُہ وزیر تھا لیکن درحقیقت حکمران تھا۔ اورنگزیب نے سازباز کر کے اُس کو اپنا طرفدار بنا لیا۔ وُہ بھی اورنگزیب کی طرح ہندوؤں سے اَور اُن کی بُت پرستی سے نفرت رکھتا تھا۔ اِسی شخص نے "کوہِ نور" کا تحفہ شاہجہان کو پیش کیا تھا۔ اورنگزیب کی سازباز کا نتیجہ یہ ہُوا کہ سلطانِ گولکنڈہ کو شکست ہوئی اَور اُس نے صلح کر لی۔ میر جملہ کی مدد سے اورنگزیب نے اگست ۱۶۵۷ء میں سلطانِ بیجاپور کو بھی شکست دے دی۔

انہی ایّام میں اورنگزیب کو اپنے باپ کی علالت کی خبر ملی اَور وُہ آگرہ کی جانب روانہ ہو گیا۔ اپنی تخت نشینی کے تئیس سال بعد اُس نے دکن کو مسخر کرنے کے لئے فوجیں روانہ کیں۔ جنگوں کا یہ سلسلہ برابر ۲۶ سال تک اورنگزیب کی وفات تک جاری رہا۔ دکن کو فتح کرنے میں اورنگزیب خاندانِ تُغلق کے بادشاہ محمد تغلق کا (جس کا ذکر ہم جلد سوم کے دُوسرے حصّہ کے باب سوم کی فصل سوم میں کر آئے ہیں) صحیح جانشین ثابت ہُوا۔ ۱۶۸۶ء میں اُس نے بیجاپور اَور ۱۶۸۷ء میں عادل شاہی اَور قطب شاہی خاندانوں کو بھی ختم کر دیا۔ دکن میں اُس نے صوبہ بہار کے جیّد عالم محب اللہ بن عبدالشکور کو قاضی مقرر کیا تاکہ دکن کی شیعہ ریاستوں میں سُنّی مذہب کی ترویج ہو جائے۔

اِسی دوران میں دکن کے مرہٹوں نے سر اُٹھایا۔ اورنگزیب نے عرصہ تک اُن کو اُلجھائے رکھا لیکن اُن کی بیخ کنی نہ کر سکا۔ جس وقت اورنگزیب کا انتقال ہُوا، اُس کی سلطنت کابل سے ہُگلی تک اَور سُورت سے مدارس تک پھیلی ہوئی تھی اَور تمام ہندوستان اُس کے قبضہ میں آگیا تھا۔

جیسا ہم آگے چل کر بتلائیں گے وُہ ایک بڑا زبردست منتظم تھا جس کو اپنے وقائع

Marfat.com

نویسوں اور خفیہ نویسوں کے روزنامچوں سے (جن کو وہ خود غور سے پڑھا کرتا تھا) اپنی وسیع سلطنت کے گوشہ گوشہ کی خبر ملتی رہتی تھی۔ سلطنت کی شان و شوکت کے متعلق منوچی لکھتا ہے کہ بادشاہ، اُمراء اور ارکین سلطنت اِس شان سے رہتے ہیں کہ ممالک یورپ کے درباروں کی رونق اُن کے سامنے ماند پڑجاتی ہے اور ہیچ نظر آتی ہے۔ بایں ہمہ وہ لکھتا ہے کہ "مجھے پورا یقین ہے کہ اِس عظمت و دولت و شوکت کے باوجود اگر تیس ہزار تربیت یافتہ شجاع اور دلیر یورپین، قابل افسروں کے ماتحت ہندوستان پر حملہ کر دیں تو وہ اُس کو بآسانی فتح کر سکیں گے" (صفحہ ۲۳۰ و ۲۴۴)۔ منوچی کا اندازہ ہے کہ شاہی محل کے اخراجات بایں ہمہ سادگی ایک کروڑ روپیہ سے کم نہ تھے۔ بادشاہ کے سات ہزار غلام تھے جو روس۔ کوہ قاف۔ جارجیا۔ حبشہ وغیرہ ممالک اور مختلف قوموں اور نسلوں کے تھے۔ جب بلخ کے سفیر آئے تو وہ اپنے ساتھ بہت سی تاتاری اور ازبیک عورتیں لائے جو خرید لی گئیں۔ یہ عورتیں نہایت زبردست اور جنگجو ہوتی تھیں۔ وہ نیزہ بازی میں اور تیر و تلوار چلانے میں طاق تھیں۔ وہ حرموں میں رکھی جاتی تھیں۔ رات کے وقت جب بادشاہ اور شہزادے اپنی حرموں میں ہوتے تھے تو وہ پہرہ دیا کرتی تھی۔ یہ عورتیں شہزادیوں کی پالکیاں اُٹھاتی تھیں اور بڑی شہ زور ہوتی تھیں۔ اِن تاتاری عورتوں میں سے ایک نہایت خوبرو عورت تھی جس کا نام کیشتی تھا۔ وہ اورنگزیب کو تحفہ کے طور پر دی گئی۔ چند ماہ کے بعد وہ حاملہ ہوگئی اور اُس کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کو بادشاہ نے اپنا متبنٰی بنا لیا، اور التمش بہادر نام دیا۔ حکومت کے چودھویں سال میں اورنگزیب نے اِس لڑکے کو تلوار، خنجر اور بھالا عطا کیا۔ اُس کے گیارہ سال بعد اُس کو اسلاح خانہ کا مہتمم بنا دیا اور اُس کو "پلنگ توش بہادر" (چیتا کی طاقت رکھنے والا) کا خطاب عطا کیا (منوچی جلد ۲ صفحہ ۴۳) اورنگزیب کے سات ہزار غلاموں کی جماعت پر خواجہ سرائے متعین تھے جو "ناظر" کہلاتے تھے۔ وہ شاہی خاندان کے افراد کے معتمد ہوتے تھے اور شاہزادوں اور شاہزادیوں کے راز دان اور رازدار ہوتے تھے۔

اورنگزیب کے عہد میں دکن میں گیہوں اور دالوں کا نرخ اڑھائی من فی روپیہ تھا۔ جوار اور باجرہ کا نرخ ۳½ من فی روپیہ تھا۔ شکر کا شیرہ ½ من اور گھی ۴ سیر فی روپیہ فروخت ہوتا تھا۔ بنگال میں ایک سیر چاول فی پیسہ ملتے تھے۔ اُن ایام میں ایک روپیہ موجودہ

Jadu Nath Sarkar, History of Aurangzeb. Vol. 1, p. 173.

Marfat.com

وقت کے دو دو پیسے کے برابر تھا۔ اشیا اس قدر ارزاں تھیں کہ ایک روپیہ سے آج کل کے زمانہ سے بیس گناہ زیادہ چیزیں خریدی جا سکتی تھیں[1]۔ منوچی ہم کو بتلاتا ہے کہ تمباکو اس قدر عام تھا کہ صرف ایک شہر دہلی سے تمباکو سے پانچہزار روپیہ یومیہ وصول ہوتا تھا[2]۔ اس سے ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ سلطنت کے طول و عرض میں صرف ایک شے یعنی تمباکو سے کس قدر آمدنی ہوتی ہوگی۔ سلطنت کی کل آمدنی ۸۰ کروڑ تھی۔

مسلمان سلاطین کی سفارتیں

اورنگزیب کی تخت نشینی کے سات سالوں کے اندر دُنیائے اسلام کے مختلف سلاطین نے اُس کے دربار میں اپنی سفارتیں بھیجکر سلطنتِ مغلیہ کے ساتھ اپنے تعلقات قائم کر لئے۔ چنانچہ شریفِ مکہ اور شاہانِ ایران۔ بلخ و بخارا۔ کاشغر۔ خیوہ۔ یمن و حبش وغیرہ کی سفارتیں آئیں۔ ایک سفارت قسطنطنیہ سے بھی آئی۔ فاضل مورخ جادو ناتھ سرکار مرحوم لکھتا ہے کہ اورنگ زیب نے ان بادشاہوں کو بیش بہا تحائف اور ان کے سفیروں کو بے اندازہ نذرانے دیئے تاکہ اُن کو دیکھ کر اُن کی آنکھیں خیرہ ہو جائیں اور وہ مغلیہ شان و شوکت، دولت و امارت اور تزک و احتشام سے مرعُوب بھی ہو جائیں۔ اس سے اورنگ زیب کا یہ مقصد تھا کہ وُہ سب ہندوستان جیسے وسیع ملک اور اُس کے عظیم الشان بادشاہ کی قوت اور طاقت کا حال سفیروں سے سُن کر اُس کے ساتھ اتحاد اور یگانگت میں رہنے میں ہی اپنی سلامتی سمجھیں۔ وُہ یہ بھی چاہتا تھا کہ مُسلم دُنیا کے بادشاہ اسکے بیش بہا تحائف کو دیکھ کر اُس سلُوک کو نظر انداز کر دیں جو اُس نے اپنے باپ اور بھائیوں سے کیا تھا۔ اسلامی دُنیا میں اورنگزیب کی دینداری کی شہرت پھیل گئی چنانچہ جب شاہ عباس صفوی نے عراق پر حملہ کر کے بغداد کو فتح کر لیا تو متعدد علما وہاں سے دہلی چلے آئے اور اُس نے سب کا خیر مقدم کیا۔

اورنگزیب کا دستورالعمل

اورنگزیب کبھی اپنے معمولات میں تساہل نہیں کرتا تھا۔ وُہ طلوعِ آفتاب سے پہلے ایوانِ خاص کی مسجد میں ذکر و شغل کرتا اور نمازِ فجر کے بعد چاشت تک قرآن کی تلاوت کرتا رہتا تھا۔ اس کے بعد وُہ خلوت گاہ میں جاتا تھا جہاں خاص خاص سردار حاضر ہوتے تھے۔ اُن سے فارغ ہو کر وُہ فوج کا معائنہ کرتا تھا اور سلطنت کے دیگر امُور کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ ان فرائض کو ادا کر کے وُہ دوپہر سے پہلے

1. Jadu Nath Sarkar, Studies in Moghul India (1919 p. 16
2. Vol. II p. 175

Marfat.com

دیوانِ خاص میں جاکر معاملات کو طے کرتا۔ گورنروں کے خطوط اور دیگر رپورٹیں پڑھتا یا سنتا اور فرمان جاری کرتا تھا۔ دوپہر کو کھانے کے بعد وُہ خوابگاہ میں آرام کرتا اور پھر بیدار ہو کر تسبیح کرتا اور نمازِ ظہر با جماعت پڑھتا۔ اس کے بعد وُہ قرآن پڑھتا تھا، اس کی نقل کرتا اور کتبِ احادیث و فقہ کا مطالعہ کر کے امورِ سلطنت کی طرف متوجّہ ہو جاتا۔ پھر نمازِ عصر با جماعت ادا کر کے انتظامی امور میں مشغول ہو جاتا تھا۔ غروبِ آفتاب سے پہلے وُہ دیوانِ خاص میں اُمرا اور ارکینِ سلطنت سے ملتا تھا۔ پھر مغرب کی نماز با جماعت ادا کر کے وُہ پھر دیوانِ خاص میں آتا تھا۔ اور عشا کے وقت تک امورِ سلطنت طے کر کے نمازِ عشا پڑھنے کے لیے مسجد جاتا اور تسبیح و تہلیل کے بعد حرم میں چلا جاتا تھا۔ جمعہ کے روز دربار نہیں ہوتا تھا لیکن بُدھ کے روز عام دربارِ عدالت قائم ہوتا تھا جب تمام فریادی حاضر ہو سکتے تھے۔ جمعرات کے روز وُہ صرف دوپہر تک کام کیا کرتا تھا اور اُس کے بعد وُہ شام تک عبادت میں مشغول رہتا تھا۔ اُس کے دورِ حکومت کے اڑتیس ۳۸ سال میں جو اخبارات دس ماہ کے ہیں، اُن سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں فرصت کا ذکر گیارہ دن کا ہے۔ اُس کا درباری مورّخ لکھتا ہے کہ اورنگ زیب صرف تین گھنٹے سویا کرتا تھا۔ پھر بھی مرتے دم تک اُس کے جسمانی قویٰ کام کرتے رہے۔ انتہا نے پیری میں بھی وُہ دربار میں کھڑے ہو کر "رعایا کی عرضیاں خُود اُن سے لیتا تھا اور عینک کے بغیر پڑھتا تھا اور فیصلہ پر اپنے ہاتھ سے دستخط کیا کرتا تھا۔"

امورِ سلطنت

اورنگ زیب نے مالگذاری کے علاوہ ٹیکس اور محصول معاف کر دیے۔ مثلاً مکان کا ٹیکس، سرشماری ٹیکس، چُنگی، راہداری وغیرہ جن سے کروڑوں کی آمدنی ہوتی تھی۔ اس کے باوجود اُس کے حُسنِ انتظام کی وجہ سے محاصلِ سلطنت میں اکبر کے عہد سے چار گنا اور شاہجہان کے عہد سے دوگنا اضافہ ہو گیا۔ شاہانِ مغلیہ کا قاعدہ تھا کہ عمدہ داروں کی موت کے بعد اُن کا مال و جائداد ضبط کر لیتے تھے۔ اورنگزیب نے یہ ضبطی بھی موقوف کر دی۔ سنِ جلوس کے بارھویں سال میں اُس نے سونے اور چاندی اور اجناس وغیرہ میں بادشاہ کو تولنے کی رسم موقوف کر دی۔ رعایا اور مُلک کی اصلی حالت کو معلوم کرنے کے لیے اُس نے دیانتدار پرچہ نویس اور واقعہ نگار مقرر کر دیتے۔ اس کا ایک نتیجہ یہ ہُوا کہ شہزادوں، صُوبہ داروں اور عاملوں وغیرہ کی ایک ایک فردگذاشت کا اُس کو علم ہو جاتا تھا۔ اُس نے اپنے بیٹوں کو جو اُس کے وائسرائے ہو جاتے تھے یہی حکم دیتا تھا کہ معتبر

Marfat.com

وقائع نگار اور ہرکارے رکھو اور روزمرہ اپنے ماتحت حکام کے فیصلوں اور احکام کو خود پڑھو"۔
حیرت کی بات یہ ہے کہ جب وہ اپنی وسیع سلطنت کی بڑی مہمات میں مصروف ہوتا تھا، ان اوقات میں بھی وہ مملکت کے کونہ کونہ کے خفیف واقعات کی بھی خبر رکھتا تھا۔ چنانچہ انگریز مورخ الفنسٹن (Elphinstone)۔ اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ "اورنگ زیب حکومت کی ہر شاخ کے جزوی کاموں کی دیکھ بھال رکھتا تھا۔ لشکر کشیوں اور میدانِ جنگ کے نقشوں پر اس کی نگاہ ہوتی اور وہ حملوں کے مقاموں کو مقرر کرتا تھا، فوج کے حصوں، باربرداری کی رسدوں کے احکام خود جاری کیا کرتا تھا اور سلطنت کے تمام شعبوں اور کارگذاروں کے کام کی نگرانی جاسوسوں اور مسافروں کے ذریعہ معلوم کرتا اور خفیف جزوی امور کی طرف خاص توجہ دیتا تھا"۔ ۱۰۸۳ھ میں اس نے عمالوں اور عہدہ داروں سے نذرانے اور تحائف و پیشکش لینے کی رسم موقوف کر دی تاکہ رشوت ستانی کا انسداد ہو جائے۔ فریادی ماتحت حکام کو رشوت دیئے بغیر سیدھے بادشاہ کے حضور اپنی درخواستیں گذار دیا کرتے تھے۔ ہر قسم کے مقدمات کے واسطے الگ الگ عدالتیں قائم تھیں۔ اورنگزیب نے سخت احکام جاری کر رکھے تھے کہ کسی شخص کو اس کی منظوری حاصل کئے بغیر موت کی سزا نہ دی جائے۔ جب اس کے پاس مقدمات کی اپیل کی جاتی اور وہ ماتحت عدالت کا فیصلہ منسوخی کے قابل سمجھتا تو حاکم عدالت کو برطرف کر دیتا اور کہتا کہ یا تو وہ ناقابل شخص ہے اور یا وہ بدنیت ہے۔ اس طرز سے ماتحتوں کے کان کھڑے ہو گئے اور برطرفی کا اور بادشاہ کی ناراضگی کا خیال ان کو مجبور کر دیتا کہ وہ مقدمات کا صحیح فیصلہ کریں۔ اورنگ زیب خود شاذونادر سزائے موت کا حکم دیتا تھا۔ بعض اوقات بادشاہ کے یا امرا کے فیلبان شرارت سے ہاتھیوں کو چھیڑ دیتے اور وہ بازاروں میں بے تحاشا دوڑ کر ان دکانداروں کی دکانوں کو تباہ کر دیتے جن سے فیلبانوں کو دشمنی اور پرخاش ہوتی۔ اورنگزیب نے حکم دیا کہ اگر کوئی ہاتھی کسی کو روند ڈالے تو اس کے فیلبان کو قتل کر دیا جائے اور دکان کے نقصان کا معاوضہ فیلبان سے لے لیا جائے۔ عدل و انصاف کے معاملہ میں وہ اپنے اور پرائے چھوٹے اور بڑے میں تمیز نہیں کرتا تھا۔ اس نے یہ حکم دے رکھا تھا کہ اگر کوئی فریادی آئے تو اس کی عرضی رسی سے باندھ کر اوپر پہنچا دی جائے۔

اورنگزیب نے کوشش کر کے دربار میں جس قدر تکلف کا ساز و سامان تھا وہ ایک حد تک موقوف کر دیا۔ اس نے اپنے جیبِ خاص کے مصارف کو بھی کم کر دیا۔ اس کی اپنی زندگی

Marfat.com

بالکل سادی اور زاہدانہ تھی۔ بیت المال میں اب وُہ سب روپیہ جمع کیا جاتا جو مغلیہ بادشاہ اپنے اُوپر فضول عیاشی وغیرہ میں صرف کرتے تھے۔ لیکن وُہ کنجوس بھی نہ تھا۔ اُس نے تمام سلطنت میں سرائیں اور مسافر خانے بنوائے۔ قحط کے ایام میں بعض مقامات میں غربا کو غلہ مفت دیا جاتا تھا۔ وُہ کثرت سے انعام واکرام بھی دیا کرتا تھا۔ بالخصوص ایسے لوگوں کو فیاضی سے روپیہ دیتا تھا جن کی رضا مندی مطلوب ہوتی یا جن کو ترغیب دے کر حلقۂ اسلام میں لانا منظور ہوتا تھا۔ غیر مسلموں کی تالیفِ قلوب کے لئے وُہ نہایت فراخدلی سے انعام واکرام بخشتا جس کا مسیحی کلیسیا کی تعداد پر بڑا اثر پڑا، اور غریب مسیحی جوق در جوق حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔

اورنگزیب اَور فنونِ لطیفہ ناظرین پر ظاہر ہو گیا ہو گا کہ اورنگزیب رُوکھا پھیکا خشک زاہد تھا۔ اُس کو ناچ رنگ، گانے بجانے، شراب و کباب وغیرہ سے سخت نفرت تھی۔ اُس نے اپنے باپ بھائیوں اور دادا کی زندگیوں کو دیکھ کر تخت نشین ہوتے ہی ان سب کو یک قلم موقوف کر دیا۔ مغلیہ دربار میں جو رقاصہ عورتیں، گویئے مشہور شعرا، منجم وغیرہ تھے، وُہ بھی موقُوف ہو گئے۔ ملک الشعرائی کا عہدہ ختم کر دیا گیا اور اس صیغہ کو بند کر دیا گیا۔ تمام میلے بند ہو گئے۔ ممانعت کی وجہ یہ تھی کہ گانا بجانا شرعاً ممنوع ہے اور بادشاہ کی شان کے خلاف ہے۔

جہانگیر کے عہد میں جب شیخ سلیم چشتی کا پوتا بنگال کا صُوبہ دار مقرر ہوا تھا تو اُس کی سرکار میں اَسّی ہزار روپیہ ماہوار راگ و رقص کے طائفوں پر خرچ کیا جاتا تھا۔ صاحبِ ماثرالامرا لکھتا ہے کہ اُس کے دستر خوان پر ایک ہزار لنگریاں کمال تکلف کے ساتھ دونوں وقت چُنی جاتی تھیں اگرچہ وُہ خُود جوار کی روٹی اور ساٹھی کا خُشکہ ساگ کے ساتھ کھاتا تھا اور کسی دُوسرے کھانے میں ہاتھ نہ ڈالتا تھا اور عُمر بھر جامۂ خاصہ کے نیچے گاڑھے کا کرتہ پہنتا رہا۔

اورنگزیب کے احکام اور طرزِ عمل سے فنونِ لطیفہ کی گرم بازاری سرد پڑ گئی۔ پھر بھی یہ سب باتیں شاہی دربار تک ہی محدُود رہیں۔ دربار کے باہر ان احکام پر نہ عمل ہوا اور نہ ہو سکتا تھا۔ چنانچہ برنیئے لکھتا ہے کہ داراشکوہ کی موت کے بعد اُس کے موسیقار اور گویئے نواب دانشمند خان کے ملازم ہو گئے۔ سرس بائی جو شہزادہ مراد کی محبوبہ تھی، "خیال" گانے میں اپنا ثانی نہ رکھتی تھی لیکن مراد کا فنونِ لطیفہ میں مرتبہ اس قدر بلند تھا کہ وُہ اُس کی شاگردی پہ ناز کرتی تھی۔ شاہجہان کے ذوق کا یہ حال تھا کہ خُود تان سین کا جانشین لال خان اُس کے کمال کا معترف تھا۔

Marfat.com

مورّخوں نے لکھا ہے کہ شاہجہان کو دھر پد کا خصوصیت کے ساتھ شوق تھا۔ صرف اورنگزیب ہی زاہدِ خشک تھا۔ جہانگیر اور شاہجہان کے عہد میں کنچنیاں اور ناچنے والیاں دربار کے جشن اور چہل پہل کی رونق ہوا کرتی تھیں اور نیم شب تک بادشاہوں کو اپنے فن سے محظوظ کرتی تھیں۔

خود اورنگزیب بھی اپنی جوانی کے زمانہ میں ایسا زاہدِ خشک نہ تھا۔ چنانچہ مولانا ابوالکلام آزاد "غبارِ خاطر" کے تیسرے ایڈیشن میں ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہیں کہ برہان پور کے حوالی میں ایک بستی زین آباد کے نام سے تھی جس جگہ کی رہنے والی ایک مغنیہ ہیرا بائی تھی جو "زین آبادی" کے نام سے مشہور تھی۔ "اُس کے نغمہ و حُسن کی تیر افگنیوں نے اورنگزیب کو زمانہ شہزادگی میں زخمی کیا۔ صاحب ماثر الامرا نے اِس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ اورنگزیب ایک زمانہ میں گوشت و پوست کا آدمی رہ چکا تھا۔ اگرچہ اولوالعزمیوں کی طلب نے اُسے لوہے اور پتھر کا بنا دیا تھا۔ ایک دن اورنگزیب برہان پور کے باغ آہو خانہ میں چہل قدمی کر رہا تھا۔ اُس کی خالہ بھی اپنی خواصوں کے ساتھ سیر کے لئے آئی ہوئی تھی۔ ایک خواص زین آبادی نغمہ سنجی میں سحر کار اور شیوۂ دلربائی و عشاقی میں اپنا جواب نہیں رکھتی تھی۔ جُونہی مجمع ایک آم کے درخت کے نیچے پہنچا، زین آبادی نے نہ تو شہزادہ کی موجودگی کا کچھ پاس کیا اور نہ اُس کی خالہ کا لحاظ کیا۔ وہ بے باکانہ اچھلی اور ایک شاخِ بلند سے ایک پھل توڑ لیا، اور ایک غلط انداز نظر شہزادہ پر ڈال کر آگے نکل گئی۔ اِس نظر نے شاہزادہ کا کام تمام کر دیا اور صبر و قرار نے خدا حافظ کہا۔ صاحبِ ماثر الامرا نے لکھا ہے "بکمال ابرام و سماجت زین آبادی را از خالۂ خود گرفته با آں ہمہ زہدِ خشک و تقدس بحت شیفته و دلدادۂ او شد۔ قدحِ شراب بدستِ خود پُر کرده میداد۔ گویند۔ روزے زین آبادی ہم قدحِ باده پُر کرده بدستِ خود شہزاده داد و تکلیفِ شرب نمود" شاہزادہ نے ہر چند عجز و نیاز کے ساتھ التجائیں کیں لیکن وہ نہ مانی۔ ناچار شہزادہ نے ارادہ کیا کہ پیالہ منہ سے لگائے کہ زین آبادی نے فوراً پیالہ اُس کے لبوں سے چھین لیا اور کہا "غرض امتحانِ عشق بود نہ کہ تلخ کامی شما" یہ معاملہ شاہجہان تک پہنچا۔ دارا شکوہ نے کہا "ببینید ایں مزوّرِ ریائی چہ صلاح و تقویٰ ساختہ است" عین عروجِ شباب میں زین آبادی کا انتقال ہو گیا۔ اورنگ آباد میں بڑے تالاب کے کنارے اُس کا مقبرہ آج تک موجود ہے۔

اورنگزیب کے تمام منصوبوں کی طرح سلطنت کا یہ پرہیزی مزاج بھی زیادہ دنوں تک نہ چل سکا اور اس کی زندگی کے ساتھ ہی ختم ہو گیا۔ اس کی آنکھ بند ہوتے ہی سلطنت کا مزاج پھر لوٹ آیا۔ فرخ سیر اور محمد شاہ کی تردماغیاں دراصل عالمگیری خشک مزاجیوں کا ردِ عمل

Marfat.com

تھیں۔" (ملخص از صفحہ ۴۲۶ تا ۴۳۲) ۔

ہم گذشتہ ابواب میں ذکر کر چکے ہیں کہ شاہانِ مغلیہ مصوّری اور نقّاشی کے نہ صرف دلدادہ تھے بلکہ ان فنون کے ماہر تھے۔ شاہجہان کے عہد میں گوردھن ۔ میر ہاشم ۔ انوپ چتر۔ ابوالحسن ۔ بال چند وغیرہ جیسے مصوّر اور نقاش اس کے دربار کی زینت تھے۔ مگر شاہجہان کو مغربی مصوّری اور مسیحی تصاویر کا اکبر و جہانگیر کا سا شوق نہ تھا۔ تاہم اُس کے عہد میں بھی مصوّر مسیحی تصاویر اور فرشتوں اور کروبیوں کی تصویریں اور نقش بنایا کرتے تھے۔ دارا شکوہ کی ملازمت میں منوہر جیسے نقاش تھے۔ دارا نے نادرہ بیگم کو ۱۶۴۱ء میں ایک مرقع تحفہ کے طور پر دیا جس میں منقش اور مستقلا تصاویر ہیں۔ یہ مرقع انڈیا آفس لائبریری لندن میں محفوظ ہے۔

اورنگزیب زاہدِ خشک تھا جو پابندِ شریعت تھا۔ صحیح بخاری کے چوبیسویں پارہ کتاب اللباس میں چودہ حدیثیں بیان کی گئی ہیں جن میں تصویروں کی مذمت اور مصوّروں کی سزائے عذاب کا ذکر ہے جس کو پڑھ کر بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پس یہ پارسا بادشاہ تصاویر کو ناپسند کرتا تھا۔ بلکہ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ اُس نے مصوّروں اور نقاشوں کے کمالات کو تباہ کر دیا[1]۔

مرحوم مولانا ابوالکلام آزاد اسلام اور فنونِ لطیفہ کی حمایت میں فرماتے ہیں "۔ عام طور مشہور رہے کہ اسلام فنونِ لطیفہ کے خلاف ہے اور موسیقی محرماتِ شرعیہ میں داخل ہے لیکن فقہا کا یہ روک بابِ قضا سے تھا نہ کہ بابِ تشریع سے قضاً کا میدان نہایت وسیع ہے۔ ہر چیز جو سوءِ استعمال سے کسی مفسدہ کا وسیلہ بن جائے قضاً روکی جا سکتی ہے لیکن اس سے تشریع کا حکم اصلی جگہ سے نہیں ہل سکتا۔" (غبارِ خاطر۔ سوم ایڈیشن۔ ص ۳۴۷) ۔ لیکن صحیح بخاری کی احادیث مولانائے مرحوم کے نظریہ کی تائید نہیں کرتیں۔

جلوس کے گیارھویں سال میں جب اورنگزیب نے گانے بجانے اور رقص و سرود کو بند کر دیا تو موسیقی کے تقریباً ایک ہزار مطرب ، مغنّی ، سازنواز اور دیگر فن کار دہلی جمع ہوئے۔ اُنھوں نے بیس جنازے تیار کئے اور جلوس بنا کر روتے پیٹتے ، فغان و نالہ کرتے قلعہ کے درشنی جھروکہ کے نیچے سے گذرے۔ اورنگزیب نے بکا و نالہ کی آواز سُن کر باہر دیکھا اور پوچھا کہ

1. M. Dimand, Indian Miniature Painting (Milan. The Uffici Press. p. II)

Marfat.com

یہ جنازے کس کے ہیں۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ جہاں پناہ۔ موسیقی کا علم مرگیا ہے۔ ہم اُس کی موت کا ماتم کر رہے ہیں اور اُس کو دفن کرنے جا رہے ہیں۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ اس کو زیرِ زمین اتنا دفن کرنا کہ پھر کبھی اس کی آواز سُنائی دینے نہ پائے اور نہ یہ پھر کبھی اُٹھ سکے۔ اورنگزیب کے نمونہ اور احکام کا نتیجہ یہ ہُوا کہ درباری از سرِ نو نمازیں پڑھنے لگ گئے اور حرم سراؤں سے قرآن خوانی کی آوازیں پھر بلند ہونے لگیں۔

اورنگ زیب کا اسلامی جوش اُس کے تُرکی خُون کی وجہ سے نہ تھا کیونکہ اُس کی رگوں میں ترکی خُون بہت کم تھا۔ چنانچہ بابر سے وُہ چھٹی پُشت میں تھا جو باپ کی طرف سے تو خالص ترک تھا لیکن ماں چنگیز خان کی نسل سے مونگل (مغل) تھی۔ پس بابر میں ترک اور مغل خُون تھا۔ ہمایوں کی ماں ماہم بیگم ہرات کے سلطان حسین مرزا کی بیٹی تھی جس میں خالص ترکی خُون تھا۔ اکبر کی ماں شیخ علی اکبر جامی کی بیٹی حمیدہ بیگم "مریم مکانی" تھی جو خراسانی تھا۔ جہانگیر کی ماں، "مریم زمانی" ایک راجپوت شہزادی تھی۔ شاہجہان کی ماں بھی راجپوت شہزادی تھی۔ اورنگزیب کی ماں "ممتاز محل" نورجہاں کے بھائی آصف خان کی بیٹی تھی جو ایرانی تھا۔ پس اورنگزیب کی رگوں میں بہت کم ترکی خُون تھا اور اُس کا اسلامی جوش اُس کے خُون کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اُس کا راسخ ایمان اُس کے ہر کام کا محرّک تھا۔ حج کے سوائے اُس نے تمام اسلامی فریضے نہایت خلوصِ قلب سے ادا کئے تھے۔

اورنگزیب کے زمانہ میں اکبر، جہانگیر اور شاہجہان کے عہد کی سی عمارتیں تعمیر نہ کی گئیں۔ اعلیٰ ترین قسم کے قلمی نسخوں اور تصویروں کا وجُود بھی شاذ ہو گیا۔[1] اکبر نے سکندرہ میں اپنے لئے ایک مقبرہ تیار کروایا تھا جہاں وُہ دفن کیا جائے۔ اس مقبرہ کی دیواروں پر انسانوں کی تصاویر منقوش تھیں۔ منوچی لکھتا ہے کہ مَیں نے خود اپنی آنکھوں سے اُن کو دیکھا ہے۔ روضہ کے باغ کے بڑے دروازے پر مسیحِ مصلُوب کی اور مقدسہ مریم کی تصاویر تھیں۔ مقدسہ کی تصویر صلیب کی داہنی طرف تھی اور آپ کی گود میں آپ کا مُبارک طفل تھا۔ گنبد کی چھت پر فرشتوں اور کروبیوں کی تصویریں تھیں۔ یہ تصویریں اکبر کے مذہبی جذبات اور عقیدت کا آئینہ نہیں تھیں بلکہ اس لئے

1. Jadu Nath Sarkar, Studies in Moghu India. (1919) p. 51

Marfat.com

منقوش کی گئی تھیں کیونکہ وہ عہدِ اکبر میں عجوبۂ روزگار تصور کی جاتی تھیں۔ اورنگزیب نے اُن سب کو مٹا دیا[1]۔ منوچی یہ بھی لکھتا ہے کہ جہانگیر نے بھی اکبر کی طرح اپنے لئے ایک مقبرہ لاہور میں بنوایا۔ جس میں اُس نے بہت سے قیمتی پتھر مختلف پھولوں کی شکلوں میں جڑے تھے۔ اورنگزیب نے اُن کو نکلوا کر اُن کی بجائے معمولی قسم کے عقیق، یاقوت اور فیروزہ پتھر جڑوا دیئے[2]۔

فصل سوم

اورنگزیب کی اسلامی مملکت کے آئین

اورنگزیب پکا راسخ الاعتقاد سُنّی مسلمان بادشاہ تھا جو اپنی سلطنت میں اسلامی اصولِ شریعت کی ترویج کرنا چاہتا تھا۔ وہ لودھی خاندان کے سُلطان سکندر، (جس کا ذکر ہم جلدِ سوم کے حصہ دوم کے بابِ سوم میں کر چکے ہیں) کی طرح ہر بات میں قرآن و شریعت پر عمل پیرا ہونا چاہتا تھا۔ قرآن، حدیث اور فقہ اُس کے دل و دماغ میں بسا ہوا تھا۔ اُس کی دلی خواہش یہی تھی کہ اُس کی سلطنت کے اصول اسلامی حکومتِ الٰہی کے اصول ہوں۔ اسلامی شریعت اور فقہ اُس کے تمام شعبوں پر حاوی ہوں۔ گو اُس کو خلافت کا دعویٰ نہ تھا، لیکن حتی الوسع اُس کی یہی کوشش رہی کہ اُس کے عہد میں حضرت عمرؓ کی طرح کاروبارِ سلطنت چلائے جائیں۔ چنانچہ جو قدم بھی اُس نے اُٹھایا اور جو حکم بھی صادر کیا، وہ سب کے سب اِسی ایک مطمحِ نظر کے ماتحت تھے کہ خالص عربی اسلام کا بول بالا ہو۔

تبدیلِ سن:۔ تاریخ جلوس کے پہلے برس کے بعد اورنگزیب نے شمسی سن کو (جو پارسیوں کی تقلید کر کے قائم کیا گیا تھا) قمری سن اور سن ہجری سے بدل دیا۔

بادشاہ پرستی:۔ سلطنتِ مغلیہ کی بنیاد بادشاہ پرستی پر قائم تھی۔ بادشاہ کا وجود قریب قریب مافوق الفطرت تصور کیا جاتا تھا۔ امیر تیمور کہا کرتا تھا کہ جس طرح آسمان پر ایک خُدا ہے زمین پر بھی

1. Manucci, Vol. 1. pp. 140-42. 2. Ibid, p. 176.

Marfat.com

ایک بادشاہ ہے اَور بادشاہ دُنیا میں خُدا ہے۔ پس بادشاہ مظہرِ خُدا اَور ظِلّ اللہ تصوّر کیا جاتا تھا۔ چنانچہ اکبر کا درشن عبادت میں داخل تھا، اَور ہندو مسلمان ہر روز صبح کے وقت بادشاہ کا درشن کرکے یہ عبادت کیا کرتے تھے۔ جب تک وُہ بادشاہ کا مُنہ نہیں دیکھ لیتے تھے وُہ نہ کُچھ کھاتے تھے اَور نہ پیتے تھے۔ جہانگیر اَور شاہجہان نے یہ طریقہ جاری رکھا، لیکن اورنگزیب نے اپنے سنِ جلُوس کے گیارہویں سال میں (۱۰۷۹ھ) میں درشن کی رسم کو قطعی طور پر بند کر دیا، کیونکہ یہ ہندوؤں کی ایک رسم تھی کہ جب تک وُہ اپنے دیوتاؤں کا درشن نہیں کر لیتے تھے وُہ نہ کُچھ کھاتے تھے اَور نہ پیتے تھے۔

اکبر اَور جہانگیر کے عہد میں بادشاہ کو علانیہ سجدہ کیا جاتا تھا۔ شاہجہان نے سجدہ بند کر دیا تھا اَور اس کی بجائے زمین بوسی کی رسم قائم کر دی تھی۔ اورنگزیب نے ۱۰۷۲ھ میں سلامِ مسنُون کا طریقہ جاری کیا اَور حکم دیا کہ مسلمان بھی آپس میں ملاقات کے وقت السّلامُ علیک یا السّلام علیکم کہیں اَور ہندوؤں کی طرح اپنے ہاتھ سر کی جانب نہ اُٹھائیں۔

جیبِ خاص:۔ پچھلے بادشاہوں کے مصارفِ خورد و نوش پر لاکھوں روپیہ خرچ ہوتے تھے۔ بادشاہ کا یہ حق تھا کہ جتنا چاہے اَور جس مقصد کے لئے چاہے بیت المال کا روپیہ خرچ کر ڈالے؛ اورنگزیب خلیفہ عمرؓ کی سی سادہ زندگی بسر کرتا تھا اَور باقی تمام روپیہ بیت المال میں محفُوظ رہتا اَور شرع کے مطابق خرچ کیا جانے لگا۔

جشن:۔ نوروز کے جشن کو ۲۱ سنِ جلُوس (۱۰۸۰ھ) میں موقُوف کر دیا گیا کیونکہ وُہ اسلامی عید نہ تھی۔ اس سے پہلے سلطنتِ دہلی اَور سلطنتِ مغلیہ کے بادشاہ زرتشتی تقویم کے سالِ نو کے روز (جب آفتاب برجِ حمل میں داخل ہوتا ہے) جشن منایا کرتے تھے۔ اس روز تمام اُمراء (جیسا کہ اکبر کے حالات میں بتلا چکے ہیں) بڑی بڑی نذریں پیش کیا کرتے تھے۔ اب جشن ماہِ رمضان کے آخر میں عید الفطر کے روز شروع ہونے لگا۔ اورنگزیب نے اس کے ساتھ ہی سلطنت کے تمام تکلّفات کو بھی مٹا دیا۔

محکمۂ احتساب:۔ اورنگزیب نے محکمۂ احتساب کو مستقل طور پر قائم کر دیا۔ ممالکِ محروسہ کے تمام اضلاع میں محتسب مقرر کر دیئے گئے جن کا فرض یہ تھا کہ تمام غیر شرعی امُور کے ارتکاب کرنے والوں، مے اَور بھنگ پینے والوں، زناکاروں، بے نمازیوں اَور روزے نہ رکھنے والوں کو سزائیں دلوائیں۔ لیکن موسیقی اَور مُسکرات کے احکام صرف کاغذی احکام ہی

Marfat.com

رہے، کیونکہ منوچی لکھتا ہے کہ ممانعت کے باوجود اُمرا اِن احکام کی خلاف ورزی کرتے تھے یہاں تک کہ ایک دفعہ اورنگزیب نے غضب ناک ہو کر کہا کہ میری سلطنت میں سوائے میرے اور قاضی القضاۃ کے سب مَیخوار ہیں۔ اُس نے کوتوال کو حکم دیا کہ جو ہندو یا مسلمان شراب بنائے یا فروخت کرے اُس کا ایک بازو اور ایک ٹانگ کاٹ دی جائے۔ لیکن ایسی سخت سزائیں بھی بے سُود ثابت ہُوئیں۔ منوچی لکھتا ہے کہ عام مسلمان بھی نشہ آور اشیا کے اس حد تک عادی ہو چکے تھے کہ جو کسی وجہ سے شراب نہیں پی سکتے تھے وُہ بھنگ کا استعمال کر لیا کرتے تھے۔

شاہجہان کے عہد میں طوائف اور کنچنیاں آزادانہ اپنا پیشہ کرتی تھیں اور سلطنت کے تمام شہروں میں زنانِ بازاری کی اچھی خاصی تعداد تھی۔ اورنگزیب نے حکم دیا کہ یا اُن کا شرعی نکاح کر دیا جائے اور یا وُہ مملکت سے خارج کر دی جائیں[1]۔

مغل لمبی داڑھیاں رکھنے کے شوقین تھے جن کو وُہ عطر اور خوشبودار تیل سے معطّر رکھتے تھے۔ اورنگزیب نے حکم دیا کہ داڑھی چار انگلیوں سے زائد نہ ہو۔ اس شرعی سنّت پر عمل کروانے کے لئے ایک شخص سپاہیوں کے ہمراہ بازار جاتا اور سب کی لمبی داڑھیوں کو کتر ڈالتا تھا۔ منوچی کہتا ہے کہ ہم یہ تماشا دیکھ دیکھ کر ہنسا کرتے تھے[2]۔

اورنگزیب نے فحش گانوں کی ممانعت کر دی اور محتسبوں کو حکم دیا کہ وُہ لوگوں کے اخلاق کی نگرانی کریں تاکہ تمام مسلمان اُن امور سے باز رہیں جو اسلامی شرع نے منع کر رکھے ہیں اور اُن احکام پر عمل کریں جن کا قرآن و شریعت نے حکم دیا ہے۔ اُس نے تمام صُوبوں کے صُوبہ داروں کو محکمۂ احتساب کی امداد کرنے کی سخت تاکید کی۔

فتاویٰ عالمگیری:- شرعی مقدمات کے فیصلہ کرنے کے لئے کوئی جامع کتاب موجود نہ تھی جو عدالتوں کی رہنمائی کر سکتی۔ پس اورنگزیب نے عُلماء اور فُضلائے مملکت کو جمع کر کے حکم دیا کہ اِس موضوع پر ایک جامع کتاب مرتب کی جائے۔ اس کتاب کی تصنیف کے لئے ایک مستقل محکمہ قائم کیا گیا۔ برسوں کی محنتِ شاقہ کے بعد ایک کتاب تیار کی گئی جس کو "فتاویٰ عالمگیری" کا نام دیا گیا۔ اِسلامی ممالک میں اس کتاب کا نام "فتاویٰ ہندیہ" ہے۔ اس کتاب کی تالیف پر دو لاکھ روپیہ صرف ہو گئے۔ یہ کتاب مستند شمار کی جاتی ہے۔

1. Manucci, Vol. 2. p. 9 2. Ibid, p. 7.

Marfat.com

دینیات کی تعلیم:- اورنگزیب نے سلطنت کے تمام ممالکِ محروسہ کے ایک ایک قصبے میں عُلماء مقرر کر دیئے تاکہ وُہ قرآن و حدیث اور فقہ کے درس دیں۔ تمام عُلما و فضلاء کو حکومت کی طرف سے تنخواہیں اور وظیفے دیئے جاتے تھے۔ طالب علموں کے لئے بھی اُن کی حالت اور استعداد کے مطابق وظیفے مقرر تھے۔

مسجدوں کا انتظام:- اورنگزیب نے سلطنت کے کونہ کونہ میں تمام پُرانی مسجدوں کی مرمت اور نئی مسجدوں کی تعمیر پر کروڑوں روپیہ خزانۂ عامرہ سے صرف کر دیئے۔ اکثر مسجدیں کھنڈرات کا ڈھیر ہوگئی تھیں۔ اُن کی مرمت ہر سال کی جاتی تھی۔ چنانچہ صرف دہلی شہر میں چھ سَو مسجدوں کی مرمت پر ایک لاکھ روپیہ سالانہ خرچ کیا جاتا تھا۔ تمام مسجدوں میں امام، مؤذن اور خطیب مقرر کئے گئے جن کو شاہی خزانے سے تنخواہیں دی جاتی تھیں۔

جب حبشہ کے بادشاہ کا وفد آیا تو اورنگزیب نے حبشہ کی مسجد کی مرمت کے لئے دو ہزار روپیہ وفد کے ہاتھ بھیجے۔

قرآن کی نقلیں:- تخت نشینی کے بعد اورنگزیب نے اپنے ہاتھ سے قرآن کی دو نقلیں کیں اور اُن کو مکہ اور مدینہ بھیجا۔

سِکّے:- اورنگزیب سے پہلے سِکّوں پر کلمہ کندہ کیا جاتا تھا۔ اُس نے اعتراض کیا کہ یہ سکّے غیر مسلموں کے ہاتھوں میں جاتے ہیں پس مناسب نہیں کہ اِن سکّوں پر کلمہ کندہ ہو۔ اس کی بجائے اُس نے تجویز کیا کہ سکّوں پر یہ کندہ کیا جائے:-

سِکّہ زد در جہاں چو بدر منیر
شاہ اورنگزیب عالمگیر

خطابات کی رسم:- پچھلے مغلیہ بادشاہ جب کسی کو راجہ کا خطاب عطا کرتے تھے تو وُہ اپنے ہاتھ سے خطاب پانے والے کے ماتھے پر ٹیکہ لگایا کرتے تھے۔ اورنگزیب نے یہ رسم بند کر دی اور کہا کہ یہ اسلامی رسم نہیں بلکہ ہندوانہ رسم ہے۔ راجے صرف تسلیم ہی کرتے تھے۔

قبروں کے قبّے:- اورنگزیب نے حکم دیا کہ قبروں پر قبّے نہ بنائے جائیں اور نہ اُن پر سفیدی کی جائے۔ اُس نے حکم صادر کیا کہ عورتیں مزاروں اور قبروں پر نہ جایا کریں۔

اورنگزیب اور شیعہ مذہب:- اورنگزیب کو شیعہ مذہب اور اہل تشیّع سے سخت نفرت تھی حالانکہ اُس کی فوج کے بہترین جرنیل اور سلطنت کے اچھے اچھے حکام شیعہ تھے۔ اُس کے

Marfat.com

خیال میں شیعہ رافضی تھے۔ اُس کے خطوط میں ایک سُنّی کا ذکر ہے جس نے اصفہان میں ایک شیعہ کو قتل کر کے ترکی میں بھاگ کر پناہ حاصل کر لی تھی۔ اورنگزیب اِس قاتل کی تعریف میں رطب اللسان ہو کر لکھتا ہے کہ "جو شخص حق کی خاطر ایسا کرتا ہے خدا بھی اُس کا معاون و مددگار ہوتا ہے"۔ ایک اَور خط میں وُہ لکھتا ہے کہ اُس نے ایک خنجر کا نام "رافضی کُش" رکھا ہے اَور حکم صادر کیا ہے کہ اِس خاص قسم کے جو خنجر آئندہ بنائے جائیں، سب کو یہی نام دیا جائے۔ وُہ جب کبھی شیعوں کا ذکر کرتا ہے اُن کو "غول بیابانی" اَور "باطل مذہبان" وغیرہ لکھتا ہے۔ اُس کے شیعہ فوجی افسر اَور حکّام اُس کو خوش کرنے کی خاطر شیعہ مذہب کے اصُولِ تقیہ سے کام لے کر اپنے مذہب کو چھپاتے تھے۔ گولکنڈہ اَور بیجاپور کے بادشاہ شیعہ تھے۔ پس اُن کے علاقوں کو فتح کرنے کا اُس کو اچھّا بہانہ مل گیا۔ شیخ الاسلام نے ہزار کوشش کی کہ بادشاہ کو اِس مُسلم کُش اَور دل آزار رویّہ سے باز رکھے لیکن اورنگزیب اُس سے سخت ناراض ہوا، اَور وُہ اپنے عہدے سے دستبردار ہو گیا[1]۔ اورنگزیب شریعت کا اس قدر پابند تھا کہ اُس کے درباری اُس کو "عالمگیر زندہ پیر" کہتے تھے۔

گجرات کے بوہرے:۔ اورنگزیب کی مذہبی تعذیب نے گجرات میں قیامت برپا کر دی۔ اسمٰعیلیہ فرقہ کی بوہرہ شاخ کے پیرو مغلیہ سلطنت کے مغربی حِصّہ میں رہتے تھے۔ وُہ اچھّے تاجر اَور بڑے مالدار تھے۔ اورنگزیب نے اُن کے قائد قطب کو قتل کروا دیا۔ جب اُس کے پیرو اپنے فرقہ کی رسُوم خُفیہ طور پر ادا کرنے لگے تو اُس نے فرقہ کے پیشواؤں کو بدعتی ہونے کے جرم میں گرفتار کر لیا اَور حکم دیا کہ کوئی شخص اس بدعت کی تعلیم نہ دے۔ فرقہ کے صدر نے قیدیوں کی رہائی کے لئے ایک لاکھ چودہ ہزار روپیہ جمع کئے۔ جب اورنگزیب کو خبر ہُوئی تو اُس نے اُن کی گرفتاری کے لئے خُفیہ احکام صادر کئے اَور حکم بھیجا کہ اُن کی تمام کتابوں پر جن کو وُہ مُقدّس قرار دیتے ہیں قبضہ کر لیا جائے۔ تمام مُسلمات اَور کتابیں دہلی بھیجی گئیں۔ اورنگزیب نے اہلِ سنت کے راسخ الاعتقاد کٹر عُلما کو وہاں بھیجا تاکہ گاؤں گاؤں جا کر آدمیوں، عورتوں اَور بچّوں کو سچّے اَور خالص اسلام کی تعلیم دیں[2]۔

کاٹھیاواڑ کی خوجہ جماعت:۔ کاٹھیاواڑ کی خوجہ جماعت اَور گجرات کی مومن جماعت

---

1. Jadu Nath Sarkar, Studies in Moghul India. (1919) p. 48
2. Jadu Nath Sarkar, History of Aurangzeb. Vol. 5. pp. 432-436.

Marfat.com

ہندوؤں میں سے سید امام الدین کی تبلیغی کوششوں کی طفیل اسلام کی حلقہ بگوش ہوگئی تھی لیکن وہ لوگ سید کے آگے سجدہ کیا کرتے تھے اور اس کے پاؤں چومتے اور اس کو سیم وزر کے تحائف نذر کیا کرتے تھے اور اپنی سالانہ آمدنی کا دسواں حصہ سید کو ادا کیا کرتے تھے۔ اورنگزیب نے حکم دیا کہ سید کو گرفتار کرکے اس کے پاس روانہ کیا جائے۔ پس سید گرفتار ہوکر دہلی بھیجا گیا لیکن اس نے راہ میں خودکشی کرلی۔ اس پر اس کے پیروؤں کو بری طرح قتل کیا گیا تاکہ اس بدعت کا سدباب ہوجائے۔[1]

کشمیر کے عبادتخانے کی تباہی ہم اکبر بادشاہ کے تذکرے میں لکھ آئے ہیں کہ اس نے کشمیر میں ایک عالیشان عمارت بنوائی تھی تاکہ ہندو اور مسلمان اس جگہ اکٹھے عبادت کیا کریں۔ اورنگزیب نے اس عبادت خانہ کو مسمار کردیا کیونکہ وہ دونوں مذاہب میں رواداری برداشت نہیں کرسکتا تھا۔

آرنلڈ لکھتا ہے کہ کشمیر کا پہلا مسلمان بادشاہ صدرالدین تھا جو ایک مسلمان درویش بلبل شاہ کی کوششوں سے چودھویں صدی کے شروع میں مسلمان ہوگیا تھا۔ اسی صدی کے اواخر میں سید علی ہمدانی امیر تیمور کے غضب سے سہم کر ہمدان سے بھاگ آیا تھا اور کشمیر میں پناہ گزین ہوگیا تھا۔ اس کے ساتھ سات سو سید آئے جنہوں نے ملک کے مختلف حصوں میں خانقاہیں جا لیں۔ لودھی خاندان کے سلطان سکندر نے (از ۱۳۹۳ء تا ۱۴۱۷ء) ہندوؤں کے مندر تباہ کردیئے اور اس کے نومسلم وزیر نے بھی ہندوؤں کو لگاتار ایذائیں دیں۔ پندرھویں صدی کے آخر میں ایک صوفی مبلغ میر شمس الدین ملک عراق سے آیا۔ وہ شیعہ تھا اور اس کی کوششوں سے کشمیر کے ہندوؤں کی ایک بڑی تعداد اسلام لے آئی۔

اکبر کے زمانہ میں کشمیر سلطنتِ مغلیہ کا حصہ ہوگیا تھا۔ اس وقت سے اسلام کا ہر جگہ بول بالا ہونے لگا۔ اورنگزیب کے زمانہ میں سید شاہ فرید الدین کی کوششوں سے کشمیر کا راجہ بھی مسلمان ہوگیا اور اس کے ساتھ اس کی رعیت کے اکثر راجپوت بھی اسلام کے حلقہ بگوش ہوگئے مغل بادشاہ اکثر کشمیر جایا کرتے تھے جس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے راستہ میں جو قصبے اور گاؤں پڑتے تھے، ان کے رہنے والے بھی اسلام قبول کرتے چلے گئے۔[2]

اشاعتِ اسلام :- اورنگزیب نہایت جوشیلا مسلمان تھا۔ شہزادگی کے ایام ہی سے وہ

1. Jadu Nath Sarkar, History of Aurangzeb.
Vol. 5. pp. 432-436.
2. T. W. Arnold, The Preaching of Islam. Chapter IX.

Marfat.com

اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں کوشاں تھا۔ چنانچہ منوچی لکھتا ہے کہ "جب اورنگزیب اورنگ آباد میں تھا تو وُہ دربار کے ایک ہندو راجپوت شہزادہ سے مذہبی سوال و جواب کرتا تھا اور اس کوشش میں لگا رہتا تھا کہ اُس کو دائرۂ اسلام میں لے آئے۔ جب وُہ نہ مانا تو اورنگزیب نے اُس کو کہا کہ اگر ہندومت سچا ہے تو تُم اپنے ہاتھ میں ایسا لوہا لو جو گرم ہو کر سُرخ انگارہ بن گیا ہو۔ اگر تمہارے ہاتھ کو نقصان نہ پہنچا تو ہم بھی ہندو مذہب اختیار کرلیں گے۔ راجپوت نے اس شرط کو قبول کر لیا لیکن جب اُس نے گرم لوہے کو ہاتھ میں لیا تو اُس کو ہاتھ میں رکھنا اُس کی برداشت سے باہر ہو گیا اور اُس نے جلدی سے لوہا پھینک دیا جو اورنگزیب کے خیمہ میں جا گرا۔ خیمہ کو آگ لگ گئی۔ تب اُس نے شہزادہ کو کہا کہ حضور! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم دونوں کے مذہب باطل ہیں۔ اگر اسلام سچا ہوتا تو آپ کے خیمہ کو آگ نہ لگتی جس میں قرآن رکھا ہے۔ اورنگزیب کی عادت تھی کہ وُہ ہندوؤں اور عیسائیوں سے مذہبی بحث کیا کرتا تھا تاکہ وُہ اسلام قبول کریں۔ اُن میں سے بعض ملازمت اور دُنیاوی ترقی اور مرتبہ اور زر کے طمع سے اسلام کے حلقہ بگوش ہو جاتے تھے"[1]

جب اورنگزیب سلطنتِ مغلیہ کا تاجدار ہو گیا تو اُس نے ہر ممکن طریقہ سے بڑے جوش و خروش کے ساتھ اسلام کی اشاعت و تبلیغ میں حصّہ لیا۔ چنانچہ مشہور مستشرق ٹی۔ ڈبلیو آرنلڈ (جو علی گڑھ جامعہ کے پروفیسر تھے) اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ مغلیہ اسلامی سلطنت کی تلوار اور احکامِ مملکت کے دباؤ کے علاوہ انعام و اکرام اور الطافِ خسروانہ کا لالچ۔ سرکاری ملازمت اور عہدوں کا طمع۔ امیرانہ ٹھاٹھ اور شان و شوکت، عزّت و جاہ کی محبّت وغیرہ بے شمار غیر مسلموں کو دائرہ اسلام میں لے آئی[2] جو غیر مُسلم اسلام کے حلقہ بگوش ہو جاتے تھے اُن کے تالیفِ قلوب کی خاطر اُن کو ملازمت، سیم و زر اور روزینہ اُن کی حیثیت کے مطابق عطا کیا جاتا تھا۔ وہ اکثریت کی ٹیکسوں سے جو روپیہ وصول ہوتا تھا اُس کا اچھا خاصہ حصّہ نومسلموں پر خرچ کیا جاتا تھا۔ نومسلموں کو خلعت عطا ہوتے۔ قیدیوں کو آزاد کر دیا جاتا اور جب کبھی جائداد کے جھگڑے برپا ہوتے تو فیصلہ نومسلموں کے حق میں دیا جاتا تھا۔ اگر وُہ ہندو جو محکمۂ مال میں ملازم تھے اسلام قبول کر لیتے تو اُن کو قانونگو بنا دیا جاتا ورنہ اُن کو ملازمت سے نکال دیا جاتا تھا۔ پنجاب میں اب تک ایسے بہت خاندان آباد ہیں، جن کے آباؤ اجداد کو اسلام قبول کرنے پر ملازمت کا پروانہ عطا کیا گیا ... بعض نومسلموں کا ہاتھیوں پر سوار کر کے شہر کے بازاروں اور کوچوں میں جلوس نکالا جاتا تھا۔[3]

---

1. Manucci, Vol. I. p. 231 2. Arnold, Ch. IX.
3. Sarkar, History of Aurangzeb. Vol. 3. pp. 264-279.

Marfat.com

اورنگ زیب اسلام کی اشاعت کی خاطر ہر ممکن طریقہ استعمال کر لیا کرتا تھا۔ وُہ خُود "کافروں کو کلمہ پڑھایا کرتا تھا اور اُن کو انعام و اکرام دیا کرتا تھا" منوچی لکھتا ہے کہ اورنگزیب طرح طرح کے وعدے کر کے تین ہندو راجاؤں کو مسلمان کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ جب اُن کا ختنہ ہو گیا تو اُس نے "بیک کرشمہ دو کار" ایک تو اُن کو مسلمان کر لیا اور دُوسری بات یہ کی کہ اُن کی ریاستیں اُن سے چھین لیں اور اُن کو اپنے مصاحب اور درباری بنا لیا۔ اور حکومت کے بعض شعبے اُن کے سپرد کر دیئے۔ لیکن اُن کو کوئی حقیقی اختیار حاصل نہ تھا۔ کیونکہ اُس کو یہ خدشہ لاحق تھا کہ شاید وُہ مُرتد ہو کر باغی ہو جائیں۔ بچارے تینوں راجے مصداق "ٹک ٹک دیدم، دم نہ کشیدم" لاچار و مجبُور تھے اور کُچھ نہ کر سکتے تھے۔ وُہ ہمیشہ اپنی تبدیلیٔ مذہب پر اظہارِ تاسف کرتے رہتے تھے۔

لاہور کے گورنر فدائی خان نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا۔ اُس نے ایک ہندو راجہ کو سبز باغ دکھا کر اُس سے بڑے بڑے وعدے کئے اور اسلام کی دعوت دی۔ جب اُس نے یہ دعوت قبُول نہ کی تو وُہ گرفتار کر کے لاہور لایا گیا۔ وہاں اُس کو روزانہ دُرّے لگائے جانے لگے یہاں تک کہ اُس کی پیٹھ قیمہ قیمہ ہو گئی۔ جب اُس نے دیکھا کہ اُس کے رویّہ کا انجام موت ہے تو اُس نے مصداق "مرتا کیا نہ کرتا" مسلمان ہونا منظور کر لیا۔ اُس کی قبولیتِ اسلام کے بعد اُس کے زخموں کا علاج کیا گیا۔ جب وُہ تندرست و توانا ہو گیا تو وُہ لاہور سے فرار ہو گیا اور اُس نے اسلام کو ترک کر کے پھر ہندو مذہب کو اختیار کر لیا۔ (جلد دوم صفحہ ۴۳۶)

آرنلڈ لکھتا ہے کہ بعض ہندو مرد اور عورتیں مسلمانوں کے مزاروں پر جا کر منت مانتی تھیں کہ اگر اُن کے ہاں کوئی نرینہ اولاد ہوگی تو وہ اُس کو مسلمان کر دیں گی۔ خصوصاً عرس کے روز ہزاروں مرد و زن وہاں جاتے تھے اور جب اُن کے ہاں اولاد ہوتی یا کوئی اور منت پُوری ہو جاتی تو وُہ اُس کو ولی کا اعجاز سمجھ کر خود بھی اسلام اختیار کر لیتے تھے[1]۔

جیسا ہم جلد سوم میں ذکر کر آئے ہیں سلطنتِ دہلی کے ہر چھوٹے بڑے شہر میں صوفیہ اور اُن کے مُریدوں کا حلقہ موجود تھا۔ اورنگزیب کے عہد میں صوفیہ کا گروہ ایک زبردست تبلیغی جماعت بن گیا۔ اُن کی کوششوں سے ہزاروں غیر مُسلم ہر سال مسلمان ہو جاتے تھے۔ چنانچہ

1. T. W. Arnold, The Preaching of Islam. Ch. IX.

Marfat.com

بنگال اور جنوبی ہند میں جہاں جہاں مغلیہ سلطنت کی طاقت کم تھی، وہاں صوفیہ کی جماعت کے ذریعہ غیر مسلم اسلام کے حلقہ بگوش ہو جاتے تھے۔

آرنلڈ لکھتا ہے کہ اورنگ زیب کے زمانہ میں تلوار کے علاوہ دیگر وسائل سے بھی غیر مسلموں کو اسلام کا حلقہ بگوش کیا جاتا تھا۔ مندرجہ بالا سطور سے ظاہر ہے کہ غیر مسلموں کو حلقۂ اسلام میں لانے کے لئے ہر ممکن دباؤ اور جبر سے کام لیا جاتا تھا اور کلمہ گو مسلمانوں کو حلقۂ اسلام کے اندر رکھنے کے لئے تلوار شریعتِ ارتداد کے مطابق استعمال کی جاتی تھی۔

جزیہ اور ٹیکس کو بھی، جیسا ہم آگے چل کر ذکر کریں گے، اسی غرض کے لئے دوبارہ جاری کیا گیا۔

اکثر اوقات جب کوئی ہندو کسی مسلمان لڑکی پر عاشق ہو جاتا تو عشق کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ اسلام قبول کر لیتا تھا کیونکہ اسلام کی شریعت کے مطابق کوئی مومنہ کسی کافر سے نکاح نہیں کر سکتی تھی اور اگر کوئی مسلمان کسی ہندو لڑکی پر عاشق ہو جاتا تو لڑکی عشق سے مجبور ہو کر اپنے مذہب کو چھوڑ کر دائرۂ اسلام میں چلی جاتی تھی۔ پس دونوں صورتوں میں اسلام کی تعداد میں اضافہ ہو جاتا تھا۔

بعض اوقات صاحبِ حیثیت اور دولتمند مسلمان ہندو بچوں کو لے پالک بیٹے بیٹیاں بنا کر ان کو مسلمان کر لیتے تھے۔ اکثر اوقات غریب و نادار ہندو کسی مخیر اور فیاض مسلمان کی فیاضی کی وجہ سے مسلمان ہو جاتے تھے۔ ان کو انعام و اکرام ملتے اور ان کے لئے روزینہ مقرر ہو جاتا تھا۔

بعض اوقات وہ ہندو جو کسی مسلمان کے نوکر یا غلام ہوتے تھے اور ہندو مت کی قیود کی وجہ سے بغیر طعن و تشنیع ان کی خدمت نہیں کر سکتے تھے، وہ اسلام قبول کر کے ان پابندیوں سے آزاد ہو کر اپنے لئے آسانیاں پیدا کر لیتے تھے۔ بالخصوص مسلمان زمینداروں کے ہندو کاشتکار مذہب کی تبدیلی میں ہی اپنا فائدہ دیکھتے تھے۔

بعض اوقات جب ہندو کسی صاحبِ حیثیت مسلمان کے مقروض ہوتے اور ان کو مسلمانوں کا غلام ہو کر زندگی بسر کرنے کا مستقبل بھیانک نظر آتا تو وہ غلام ہونے کی بجائے مسلمان ہو کر آزاد رہنے کو ترجیح دیتے تھے اور یوں غلامی سے آزادی حاصل کر لیتے تھے۔

کاشتکاروں کے علاوہ نیچ ذات کے ہندو مثلاً جولاہے، چمرنگ، چمار وغیرہ جو اپنے

Marfat.com

پیشے اور ذات کی وجہ سے درحقیقت ہندوؤں کے غلام ہوتے تھے۔ وہ ہندوؤں کی غلامی پر مسلمانوں کی غلامی کو ترجیح دے کر اسلام قبول کر کے مقابلتہً آزاد ہو جاتے تھے۔ اُونچی ذاتوں نے ہندو اور برہمن اچھوت ذاتوں کے ہندوؤں کے ساتھ ناگفتہ بہ سلوک کرتے تھے۔ اب یہ اچھوت ذات کے نومسلم ہندوؤں کے نفرتی سلوک سے چھوٹ کر مقابلتہً باعزت زندگی بسر کرتے تھے۔ مثال کے طور پر ہندوستان کے مغربی ساحل کی اچھوت ذاتوں کے لوگ کسی برہمن کے نزدیک ۵۰ قدم کے فاصلے سے کم پھٹک نہیں سکتے تھے۔ ان کو حکم تھا کہ جب وہ کسی برہمن کو دُور سے دیکھ پائیں تو پکار کر اُس کو اپنی موجودگی کی اطلاع دیں۔ لیکن چونکہ اسلام میں اس قسم کی تمیز نہیں تھی پس سلطنتِ مغلیہ اور بالخصوص اورنگزیب کے عہد میں ہندوستان کے ہر حصّہ کے اچھوت جوق درجوق دائرۂ اسلام میں داخل ہو جاتے تھے۔ اسی زمانہ میں بنگال کے اچھوت جولاہے بھی اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے اور یہی حال سلطنت کے دیگر صوبوں کا تھا۔ یہ نومسلم اسلام قبول کر کے بہتر زندگی بسر کرتے تھے۔ وہ "شیخ" کہلانے لگ گئے تھے۔ پس مسلم نو مریدوں کی تعداد میں ہر سال اضافہ ہوتا گیا۔

ہندو عوام کا زندگی کے ہر شعبہ میں روزانہ مسلمان حکام اور رعایا سے واسطہ پڑتا تھا۔ یہ قدرتی بات تھی کہ اسلام کے عقائد و رسوم کا اثر ہندو اکثریت پر پڑتا۔ اور جن لوگوں کے دل پہلے ہی اسلام کی طرف مائل ہوتے یہ روز کی مانوسی اُن میں سرایت کر کے اپنا کام کر جاتی تھی۔ ہمیں اس امر کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ اورنگزیب کے عہد میں سلطنت کے ہر شہر اور قصبہ میں علما اور صُوفی رہتے تھے جن کا کام تبلیغ و اشاعت اسلام تھا۔ پس بعض ہندو اُن کی تحریروں اور تقریروں سے متأثر ہو کر خلوصِ دل سے شرک اور بُت پرستی سے تائب ہو کر اسلام قبول کر لیتے تھے۔[1]

مذکورہ بالا وجوہ کے باعث مسلم نو مریدوں کی تعداد میں ہر سال اضافہ ہوتا گیا۔ جس طرح چھوٹی چھوٹی نہروں سے ایک بڑا دریا بن جاتا ہے، اسی طرح ان اور دیگر مختلف چھوٹے چھوٹے اسباب کی وجہ سے سلطنت کے مختلف علاقوں کی چھوٹی چھوٹی جماعتیں مسلمان ہو کر اسلام کی روز افزوں تعداد میں اضافہ کرتی گئیں اور اسلامی اقلیت کا شمار و اقتدار بڑھتا چلا گیا۔ شریعتِ اسلام کی رُو سے جو شخص ایک دفعہ حلقۂ اسلام میں داخل ہو جاتا، وہ اور اس کی اولاد پشت در پشت اسلام کو ترک کر کے کسی دُوسرے مذہب کی آغوش میں نہیں جا سکتی تھی۔ یُوں نومسلموں کی آئندہ نسلیں بھی مسلمانوں کی تعداد کو بڑھاتی چلی گئیں۔ اور ان آئندہ نسلوں کی

1. T. W. Arnold, Ch. IX.

Marfat.com

آگے آنے والی نسلوں سے زمانہ کی رفتار کے ساتھ اُن کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

اس میں شک نہیں کہ اورنگ زیب کے عہد میں بہت لوگ تلوار کے ذریعہ حلقۂ اسلام میں لائے جاتے تھے۔ بعض غیر مسلم ایسے بھی ہوتے تھے جو قید ہوکر یا بطور یرغمال یا جنگ کے قیدی ہوکر دہلی لائے جاتے تھے جہاں اُن کا ختنہ زبردستی کیا جاتا اور اُن سے جبراً کلمہ پڑھوایا جاتا تھا۔ بہت لوگ (اور بالخصوص عورتیں) اپنی جان ومال اور آبرو کی حفاظت کی خاطر مسلمان ہو جاتے تھے۔ تاہم چنانچہ فرشتہ لکھتا ہے کہ اورنگزیب بادشاہ اسلامی غیرت اور جوش کی وجہ سے نومسلموں کو نہایت فیاضی سے وظیفے اور جاگیریں عطا کیا کرتا تھا۔ لیکن اُس کی تمام کوششوں کے باوجود اُس کی رعایا کی اکثریت غیر مسلم ہی رہی۔ مؤرخ جادو ناتھ سرکار کا اندازہ ہے کہ اورنگزیب کے زمانہ میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی تعداد نسبتاً ۳ : ۱ تھی[1]۔ گو فرانسیسی سیاح تیورنیئے (Tavernier) کے مطابق یہ نسبت ۶ : ۱ کی تھی[2] دیگر سیاح کہتے ہیں کہ یہ نسبت ۱۰ : ۱ کی تھی اور بعض ۱۲ : ۱ کی نسبت کا اندازہ کرتے ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ جس تبدیلی کا تعلق دلی خلوص کے ساتھ نہ ہو وہ دیرپا نہیں ہوتی اور اس کا اثر عارضی قسم کا ہی ہوتا ہے۔

مسلمانوں کو مالیہ کی معافی:- منوچی لکھتا ہے[3] کہ اورنگزیب اپنی حکومت کے پانچویں سال میں ایسا بیمار ہوا کہ اُس کو زندگی کی اُمید نہ رہی۔ تمام شہر میں کھلبلی مچ گئی کیونکہ شاہجہان ابھی قید میں زندہ تھا۔ جب ۳۔ اگست ۱۶۶۲ء کے روز خدا نے اُس کو شفا بخشی تو اُس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ خدا نے یہ بیماری مجھ پر اس لئے بھیجی تھی کیونکہ میں مسلمانوں سے مالیہ وصول کرتا رہا ہوں جس طرح میرے آباواجداد وصول کرتے چلے آئے ہیں۔ پس شفایابی کے بعد اُس نے حکم صادر کیا کہ مسلمانوں کو مالیہ معاف ہے۔ اس حکم کو سُن کر بہت غیر مسلم مسلمان ہونے شروع ہو گئے۔ مسلمانوں کو سوائے تمباکو کے ٹیکس کے تمام ٹیکس معاف کر دیئے گئے اور بعد میں تمباکو کا ٹیکس بھی معاف کر دیا گیا۔ اورنگزیب کے دل میں یہ خیال بھی پیدا ہوا کہ اس بیماری کا ایک دُوسرا سبب یہ تھا کہ میں مندروں سے ٹیکس وصول کرتا رہا ہوں جس کا یہ نتیجہ ہو گیا ہے کہ اب ہندو مندروں میں نہایت بے باکی سے آزادانہ بُت پرستی کر سکتے ہیں۔ گویا میں بُت و بُت پرستی کرنے کے عوض ٹیکس کے ذریعہ اُن سے روپیہ وصول کر رہا ہوں۔ پس اُس نے حکم دیا کہ آئندہ مندروں

1. Jadu Nath Sarkar, History of Aurangzeb. Vol. V.
2. Tavernier, p. 385. 3-Manucci, Vol. 2, p. 61.

Marfat.com

سے ٹیکس وصول کرنا بند کر دیا جائے۔

جب یہ شاہی حکم صادر ہوا کہ مسلمانوں کے تجارتی مال و اسباب پر ٹیکس نہ لگایا جائے تو اورنگزیب کے تجربہ کار افسرانِ مال بہت سٹ پٹائے کیونکہ اس حکم کی رُو سے سلطنت کی آمدنی میں بہت خسارہ پڑتا تھا۔ بادشاہ نے اُن کے کہنے سُننے سے اپنے حکم میں ترمیم کر دی اور کہا کہ مسلمانوں کا جو مال بہت قیمت کا ہو صرف اُس پر ٹیکس لگایا جائے اور کم قیمت مال پر ٹیکس وصول نہ کیا جائے۔ اس حکم کے سنتے ہی مسلمان تاجروں نے اپنے قیمتی اسباب کو چھوٹی چھوٹی گٹھڑیوں میں بھیجنا شروع کر دیا تاکہ اُن پر ٹیکس نہ لگے۔ بلکہ وہ ہندوؤں کے مال کو بھی (جس پر ٹیکس بدستورِ سابق قائم تھا) اپنے نام سے بھیجنے لگے۔ پس ۱۶۶۵ء میں احکام صادر کئے گئے کہ اسلامی شریعت کے مطابق غیر مسلموں سے پانچ فیصدی اور مسلمانوں سے اس کا نصف ۲½ فیصدی مالیہ وصول کیا جائے۔

جزیہ کا لگانا:۔ اورنگزیب نے ۱۶۷۹ء میں غیر مسلموں پر از سرِ نو پھر جزیہ لگا دیا۔ ہم جلد سوم کے پہلے حصّہ کے باب دوم کی دوسری فصل میں جزیہ کے قرآنی حکم کا مفصل ذکر کر آئے ہیں اور حصّہ دوم کے باب سوم کی دوسری فصل میں بتلا آئے ہیں کہ سلطنتِ دہلی کے زمانہ میں مختلف سلاطین کے عہد میں غیر مسلموں سے جزیہ اصُولِ فقہ کے مطابق کن طریقوں سے وصول کیا جاتا تھا۔ ہم اس جلد میں لکھ چکے ہیں کہ اورنگزیب کے پڑدادا اکبر نے بڑے غور و فکر کے بعد اپنے سنِ جلوس کے نویں سال (۱۵۶۵ء) میں قرآنی احکام کی خلاف ورزی کر کے جزیہ لینا بند کر دیا تھا۔ اب ایک صدی سے زائد عرصہ کے بعد جزیہ کا لینا دوبارہ جاری کر دیا گیا۔ احکام صادر ہوئے کہ ذمّی خود پیدل چل کر حاضر ہو اور کھڑا ہو کر جزیہ ادا کرے۔ جزیہ وصول کرنے والا بیٹھا رہے اور اپنا ہاتھ ذمّی کے سر کے اُوپر رکھ کر بلند آواز سے کہے کہ اے ذمّی اپنا زرِ جزیہ ادا کر۔ عورتوں اور چودہ سال سے کم عمر بچّوں اور غلاموں کو جزیہ سے مستثنےٰ کیا گیا۔ لیکن اگر کسی پاگل کے پاس دولت ہوتی تو اُس سے بھی جزیہ وصول کر لیا جاتا۔

جزیہ وصول کرنے کے لئے غیر مسلم رعایا کو تین حصّوں میں تقسیم کیا گیا:۔ (۱) غریب طبقہ جس کی جائداد دو صد درہم سے زائد نہ تھی۔ یہ طبقہ ۱۲ درہم ادا کرتا تھا (۲) متوسط طبقہ کے لوگ جن کی جائداد دو سو اور دس ہزار درہم کے درمیان تھی، ۲۴ درہم دیتے تھے۔ (۳) دولتمند طبقہ ۴۸ درہم ادا کرتا تھا۔ جس کا مطلب یہ ہُوا کہ غربا اپنی آمدنی کا کم از کم

Marfat.com

چھ فیصدی اُور متوسط طبقہ کے لوگ ۶ فیصدی سے ۱/۲ ۴ فیصدی اُور دولتمند طبقہ سب سے کم یعنی ۱/۲ ۲ فی ہزار دیتا تھا۔ یعنی غربا پر (جن میں مسیحیوں کی اکثریت تھی) جزیہ کا سب سے زیادہ بوجھ تھا۔ اُور وُہ ۱/۳ ۳ روپیہ فی شخص ادا کرتے تھے۔ بالفاظِ دیگر یہ غریب طبقہ سلطنت کو ہر سال اُتنا روپیہ دیتا تھا جتنا اُن کی خوراک پر خرچ ہوتا تھا[1]۔ یوانیس ڈے لائٹ De Laet بھی لکھتا ہے کہ "ہندوستان کے عوام کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ اُن کی روزانہ کمائی پانچ یا چھ ٹکے ہے اُور تیس ٹکے ایک روپیہ کے برابر ہوتے ہیں۔ اسلامی شرع کے مطابق جزیہ کفار کی سزا ہے جو موت کے عوض دی جاتی ہے۔ پس جزیہ کی رقم اِس قدر بھاری ہوتی ہے کہ غیر مسلم اُس کی ادائیگی سے جہاں تک ہو سکے موت کے قریب ہو جائیں"[2]۔

اورنگزیب کی نظر میں قرآنی اُور شرعی احکام کے مقابلہ میں تخت و تاج کا قیام اُور غیر مسلموں کی زندگی کی وُقعت ہیچ تھی۔ چنانچہ خافی خان لکھتا ہے کہ کفر کو مٹانے اُور ہندوستان کو اسلامی ملک بنانے کی خاطر بادشاہ نے اپنی حکومت کے بائیسویں سال میں ۲۲ ماہ صفر ۱۰۹۰ھ کے روز حکم دیا کہ تمام سلطنت کے ہندوؤں سے جزیہ وصُول کیا جائے۔ اس اعلان کو سُنتے ہی اُن کی ایک بڑی بھیڑ جھروکہ کے نیچے جمع ہو گئی "تاکہ بادشاہ کی منت سماجت کریں کہ وُہ اس حکم کو نافذ نہ کرے۔ لیکن بادشاہ نے اُن کی شکایت کی جانب مُطلق توجہ نہ کی۔ پھر جُمعہ کے روز جب بادشاہ جامع مسجد کی جانب نماز پڑھنے جا رہا تھا تو غیر مسلموں کا ایک بڑا مجمع راہ میں جمع ہو گیا، تاکہ جزیہ کی مُعافی کے لئے عرض معروض کریں۔ ہندُو صرّاف۔ پارچہ فروش۔ اُردُو بازار کے تمام دکاندار۔ کاریگر اُور ہر حرفہ اُور پیشہ کے لوگ اپنا اپنا کام چھوڑ کر وہاں جمع تھے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ راہ صاف کیا جائے اُور ہجُوم ایک طرف ہو جائے لیکن وُہ لوگ شہنشاہ کے حضور فریاد کرتے چلے گئے اُور ہجُوم بڑھتا چلا گیا ایسا کہ شاہی جلُوس آگے نہ بڑھ سکے۔ بالآخر بادشاہ نے حکم دیا کہ ہاتھی لاتے جائیں اُور اُن کو ہجوم پر چھوڑ دیا جائے۔ ہاتھیوں نے آ کر لوگوں کو پاؤں تلے روند ڈالا۔ بہتوں کو گھوڑوں نے کچل ڈالا۔ لیکن پھر بھی غیر مسلم چند دنوں تک بڑی تعداد میں جمع ہو کر فریاد کرتے رہے لیکن کسی نے اُن کی شنوائی نہ کی۔ پس وُہ مجبُور ہو کر جزیہ ادا کرنے لگ گئے۔

1. Jadu Nath Sarkar, History of Aurangzeb, Vol. III (Calcutta 1928) 2. De Laet, The Empire of the Great Moghul. p. 88.

Marfat.com

سواری :- ۱۶۹۵ء میں حکم ہوا کہ غیر مسلم بغیر خاص اجازت لئے ہاتھیوں کی یا تازی گھوڑوں کی سواری نہیں کر سکتے۔ اُن کو پالکیوں کو استعمال کرنے کی بھی ممانعت ہو گئی۔

یاترا اور تہوار :- اورنگ زیب نے جلوس کے گیارھویں سال میں (۱۰۷۸ھ) شرعی قوانین پر عمل کرنے کے لئے چند احکام نافذ کئے جن میں سے چند احکام کا ذکر ہم سطورِ بالا میں کر آئے ہیں۔ بادشاہ نے یاتریوں کا جاترا کے لئے جانا بھی بند کر دیا گو اِس بندش سے سلطنت کو لاکھوں روپیہ کا خسارہ ہوتا تھا۔ خافی خاں لکھتا ہے کہ ان مختلف ٹیکسوں سے مملکت کو کروڑوں کی آمدنی ہوتی تھی۔ جب اورنگزیب کے مشیروں نے یاترا اور تہواروں وغیرہ پر سے ٹیکس ہٹانے پر اعتراض کرنے کی جرأت کی تو اُس نے ناراض ہو کر کہا کہ شرک وکفر کی آمدنی حرام ہے جس کو امورِ سلطنت کے اخراجات کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں۔

اورنگزیب نے ہندوؤں کے میلے ٹھیلے بھی بند کر دیئے اور اُن کو منانے پر پابندیاں لگا دیں۔ چنانچہ تہواروں کے موقعہ پر جلوس نکالنے کی بھی ممانعت کر دی گئی۔ اس حکم میں یہ مصلحت تھی کہ غیر مسلموں میں اتحاد اور یگانگت ہونے نہ پائے۔ دیوالی اور ہولی کے تہواروں پر بھی پابندیاں لگا دی گئیں اور حکم صادر کیا گیا کہ یہ تہوار بر سرِ عام نہ منائے جائیں۔

مندروں کو مسمار کرنا :- جب شاہزادگی کے زمانہ میں اورنگزیب گجرات کا وائسرائے تھا تو اُس نے احمد آباد کے مندر چنتامن میں پہلے گائے کو ذبح کروا دیا۔ پھر اُس کو مسمار کروا کے اُس کی جگہ ایک عالی شان مسجد بنوائی۔ تخت نشینی کے بعد ۱۰۸۰ھ میں بنارس کا بُت خانہ کاشی ناتھ، اجودھیا میں رام جنم کا مندر اور سمبھل میں پرتھوی راج کا مندر منہدم کر دیئے گئے۔ اس کے بعد اودے پور، جودھپور وغیرہ کے مندروں کو مسمار کیا گیا۔ بائیسویں سنِ جلوس (۱۰۹۰ھ) میں کھنڈیلہ کا بتخانہ تباہ کر دیا گیا، کیونکہ وہاں کے راجپوتوں نے شورش کی تھی۔ اِسی طرح جس مقام میں بھی بغاوت اور شورش برپا ہوئی وہاں کے بُت و بتخانے تباہ و برباد کر دیئے گئے۔ سومناتھ کے مندر کو بھی پھر مسمار کر دیا گیا۔ بنگال اور اوڑیسہ کے مندر منہدم کر دیئے گئے۔ حتیٰ کہ جے پور کے جان نثار اور وفادار راجہ کی راجدھانی اجمیر کے مندر بھی نہ بچے اور وہ بھی مسمار کر دیئے گئے۔ محتسبوں کے فرائض میں یہ بھی داخل تھا کہ ہندوؤں کے مندروں کو گرا دیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بے شمار غیر معروف چھوٹے چھوٹے مندر تباہ کر دیئے گئے۔ صرف میواڑ میں دو سو چالیس مندر برباد کر دیئے گئے۔ اِن مندروں میں سومیشور کا مشہور مندر اور اودے پور کے تین عالیشان مندر بھی شامل تھے۔ جہانگیر نے

ابوالفضل کے قاتل نرسنگھ دیو بندیلہ کو اجازت دی تھی کہ وہ اُس مال سے جو قتل کے وقت لوٹا گیا تھا اور شاہی خزانہ کے ۳۳ لاکھ روپیہ سے (جس پر لوٹ کے مال کے علاوہ قبضہ کر لیا گیا تھا) متھرا میں ایک عالیشان مندر بنالے۔ اورنگزیب کے حکم سے یہ مندر بھی مسمار کر دیا گیا۔ اور اس کی جگہ ایک عظیم الشان مسجد بنائی گئی۔ اِن مندروں کے بُت آگرہ لائے گئے اور "جہان آرا" مسجد کی سیڑھیوں تلے دبا دیئے گئے تاکہ مومنین کے پاؤں ان کو روندتے رہیں۔ متھرا کا نام بدل کر اسلام آباد رکھا گیا۔

غیر مسلموں کو سرکاری ملازمت سے نکالنا:۔ ہم جلد سوم کے حصّہ دوم میں بتلا چکے ہیں کہ پندرھویں صدی کے آخر میں سلطان سکندر لودھی کے عہد میں ہندوؤں نے فارسی زبان کی اِس خوبی سے تحصیل کر لی تھی کہ وہ فارسی ادب میں طاق ہوکر مسلمانوں پر بھی سبقت لے گئے تھے اور اُن کو سرکاری ملازمتیں دی گئی تھیں، اور وہ صدیوں تک حکومت کی ملازمت کرتے رہے۔ اورنگزیب نے ۱۰۸۲ھ میں حکم دیا کہ صوبہ دار اور تعلقدار اِس امر کا خاص خیال رکھیں کہ تمام ہندو پیشکار اور دیوان ملازمت سے برطرف کر دیئے جائیں اور اُن کی جگہ مسلمان ملازم رکھے جائیں۔ یہ بھی حکم صادر ہُوا کہ شاہی مالگذاری کے محکمہ میں ہندو مقرر نہ ہوں بلکہ اس میں مسلمان ملازم رکھے جائیں۔ چنانچہ خافی خان لکھتا ہے "صوبہ داران و تعلقہ داران پیش کاران و دیوانیان ہنود را برطرف نمودہ مسلمانان مقرر نمایند ۔ وکروری محالات خالصہ ہم مسلمانان می نمودہ باشند"۔ جب صوبہ داروں اور تعلقہ داروں نے عرض کی کہ ہندو ملازموں کو برخاست کر دینے سے سلطنت کے انتظام اور اُمور میں خلل واقع ہوجائے گا تو " بعد چناں قرار یافت کہ از جملہ پیش کاران دفترِ دیوانی و بخشیانِ سرکار یک پیشکار مسلمان و یک ہندو مقرری نمودہ باشند" (حالاتِ عالمگیری ص۲۵۲)۔ مقصد یہ تھا کہ مسلمان اس دفتر کے کام کو سیکھ لیں اور اس کے بعد ہندوؤں کو ملازمت سے علیحدہ کیا جائے۔

مغلیہ سلطنت میں ملکی اور فوجی محکموں میں ہندو اور مسلمان دونوں ہوتے تھے اور بڑے بڑے منصبوں پر فائز تھے۔ معرکوں میں دونوں دلاوری سے جانفشانی کرتے تھے۔ فوجوں کی افسری قلعوں کی قلعہ داری اور ضلعوں کے بندوبست وغیرہ کے عہدوں پر ہندو بھی ممتاز تھے۔ بالخصوص راجپوت اکبر اور جہانگیر کے وقت سے مغلیہ سلطنت کے فدائی تھے۔ شاہجہان کے عہد میں بھی ہندو اس کے نمک حلال خادم تھے گو اُن کی تعداد پہلے سے بہت کم تھی۔ لیکن اورنگزیب کے عہد میں

Marfat.com

یہ تعداد بہت کم ہوگئی۔ چنانچہ مولانا شبلی مرحوم کو صرف چھبیس ایسے نام ماثرِ عالمگیری میں ملے (اورنگزیب عالمگیر پر ایک نظر مصنفہ شبلی۔ ص ۶۹ تا ۷۳)۔ اس فہرست میں زیادہ تعداد ایسے ہندوؤں کی ہے جو قدیمی نمکخوار تھے اور اورنگزیب کے کام کے تھے کیونکہ راجپوت راجا نہ صرف خود شجاع اور جنگجو تھے بلکہ بوقتِ ضرورت کسی روز بھی بیس ہزار سے زیادہ جنگجو، آزمودہ کار لشکری میدانِ جنگ میں حاضر کر سکتے تھے۔ یہ راجا ایسے راجاؤں کو بھی سلطنتِ مغلیہ کا مطیع کر لیتے تھے جو حکومت سے رُوگردانی کرتے تھے۔ علاوہ ازیں وہ باغی صوبہ داروں، اُمرائے سلطنت اور پٹھانوں کے خلاف بھی استعمال کیے جاتے تھے۔ بالخصوص وہ سلطنتِ ایران کے خلاف جنگ کے محاذ پر بھیجے جا سکتے تھے کیونکہ مغلیہ فوج کے متعدد افسر ایرانی شیعہ تھے جن کو اورنگزیب ایران کے خلاف جنگ میں بھیجنا خلافِ مصلحت سمجھتا تھا۔ پس وہ ان راجاؤں کو ایسی جگہوں میں بھیج دیتا تھا جہاں مسلمانوں سے کام نہ نکل سکتا تھا۔ ان قدیمی نمک خوار راجپوتوں کی تعداد بھی کم ہوتی گئی۔ اُن کی موت کے بعد جو سلوک اُن کے خاندانوں سے کیا جاتا تھا اس کا اندازہ راجہ جے سنگھ کے خاندان کی مثال سے کیا جا سکتا ہے۔[1]

ہندو مدرسوں کا بند کرنا :۔ ہم سطورِ بالا میں بتلا چکے ہیں کہ ہندو علم و فضل میں مسلمانوں پر سبقت رکھتے تھے۔ مغلیہ سلطنت میں اکبر کے زمانہ سے مسلمان بچے ہندوؤں کے مدرسوں میں پڑھتے تھے۔ یہ حالت شاہجہان کے عہد میں بھی جاری رہی۔ ہندو اُستاد ایسے قابل اور مشہور تھے کہ ماثرِ عالمگیری میں ہے کہ ان کے پاس "ہندو اور مسلمان طالبان مسافت ہائے بعید طے نمودہ جہت تحصیل علوم" آتے تھے۔ ان مدرسوں میں ہندو مت کی بھی تعلیم دی جاتی تھی۔ پس اورنگزیب نے جلوس کے بارہویں سال (۱۶۶۹ء) میں حکم دیا کہ تمام ہندو مدرسوں کو بند کر کے اُن کو منہدم کیا جائے۔ چنانچہ ماثرِ عالمگیری کا مصنف لکھتا ہے کہ "بعرضِ خداوندِ دین پرور رسید کہ در صوبہ ملتان و ٹھٹھہ، خصوص بنارس، برہمنانِ بطالت نشان در مدارس مقررہ بہ تدریسِ کتبِ باطلہ اشتغال دارند و راغبان و طالبان از ہنود و مسلمان مسافت ہائے بعید طے نمودہ جہتِ تحصیل علومِ شوم نزدِ آں جماعتِ گمراہ می آیند۔ احکامِ اسلام نظام بہ ناظمانِ کُل صوبہ جات صادر شد کہ مدارس و معابدِ بے دینانِ دستخوش[2] انہدام سازند۔ و بتاکیدِ اکید درس و تدریس و رسم شیوع[3] مذاہبِ

1 Jadu Nath Sarkar, Studies in Moghul India. (1919) pp. 43-47 etc.

[2] یعنی عاجز [3] یعنی خبر لگنا۔

کفر انباں بر اندازند" (ایضاً شبلی ص۵۳)۔ اِس حکم کے مطابق تمام سلطنت کے ہندو مدرسے مسمار کر دیئے گئے۔ ہم سطورِ بالا میں بتلا چکے ہیں کہ اورنگزیب کے حکم سے ممالکِ محروسہ کے ہر صوبے کے ہر شہر اور قصبے میں اسلامی مدرسے قائم کئے گئے اور مسلمان اُستاد مقرر کئے گئے جن کو حکومت کی طرف سے تنخواہیں ملتی تھیں۔

رسمِ ستی کا بند کرنا۔ منوچی لکھتا ہے کہ ۱۶۶۳ء میں ایک روز میں ایک ارمنی مسیحی کے ساتھ آگرہ کی نواحی میں گھوڑوں پر سوار جا رہا تھا۔ راستہ میں ہم کو ایک عورت نظر آئی جو ستی ہونے کے لئے تیار ہو کر چتا کے پاس بیٹھی تھی۔ ہم دونوں سے رہا نہ گیا۔ ہم اپنی تلواریں کھینچ کر ہندوؤں کے ہجوم پر جا پڑے۔ برہمن ہم کو آتے دیکھ کر بھاگ گئے لیکن عورت کو وہیں چھوڑ گئے۔ ارمنی مسیحی نے اس غریب عورت کو اپنے پیچھے گھوڑے پر بٹھا لیا۔ وُہ عورت اُس کی ایسی شکرگذار ہوئی کہ وُہ بپتسمہ پا کر عیسائی ہوگئی اور اُس کا نکاح ارمنی مسیحی سے ہوگیا۔ اورنگ زیب بادشاہ اُن ایام میں کشمیر گیا ہوا تھا۔ جب وُہ واپس آیا تو برہمنوں نے اُس کے حضور میری اور ارمنی مسیحی کی شکایت کی۔ بادشاہ نے ہم کو بُلا بھیجا اور طرفین کے بیانات سُن کر حکم صادر کیا کہ سلطنت کے ممالکِ محروسہ میں کسی جگہ بھی کوئی عورت ستی ہونے نہ پائے اور اِس حکم پر آج تک عمل ہو رہا ہے[1]۔ لیکن مدتوں کی پُرانی رسمیں شاہی فرمانوں سے فوراً ختم نہیں ہو جاتیں۔ چنانچہ مغربی ممالک کے بعض سیّاح لکھتے ہیں کہ اورنگ زیب کے حکم پر بہت کم اور وُہ بھی کہیں کہیں عمل ہوتا ہے۔ مثلاً تیوتیر نے لکھا ہے کہ اورنگزیب کی سلطنت میں کوئی عورت گورنر کی اجازت کے بغیر ستی نہیں ہو سکتی۔ یہ مسلمان گورنر بصد مشکل ستی ہونے کی اجازت دیتا ہے لیکن میں نے اپنی آنکھوں سے تین عورتوں کو تین مختلف مقامات میں ستی ہوتے دیکھا ہے[2]۔

اِس فصل کے مطالعہ نے ناظرین پر ظاہر کر دیا ہوگا کہ اورنگزیب نے قرآن و شریعتِ اسلام کے احکام و قوانین کے مطابق اپنی سلطنت کی تشکیل کی۔ اُس نے اپنی سلطنت کے تمام اُمور کو صرف ایک زاویہ سے یعنی اسلامی نقطۂ نگاہ سے ہی دیکھا اور اپنی مملکت اور ممالکِ محروسہ کے انتظام کو حکومتِ الٰہی کے اصُول پر چلایا۔ اُس نے اپنی غیر مُسلم رعایا کے لئے ایسے قوانین کا نفاذ کیا جو عُلما اور فقہائے اسلام نے سینکڑوں سال پہلے دیگر حالات میں مرتب کئے تھے۔

1- Manucci, Vol. 2. p. 97.

2. Travernier, Travels. pp. 47-48.

Marfat.com

لیکن جن پر اسلامی دُنیا کے دیگر ممالک کے مسلمان فرمانروا عمل پیرا تھے۔ اورنگزیب کی حکومت خالص عربی اسلامی حکومت تھی اور اُس کی مُلکی اور فوجی حکومت درحقیقت ایک اسلامی عسکری حکومت تھی۔ اُس کی فوج ملک پر قبضہ کرنے والی مخالفانہ فوج تھی۔ چنانچہ برنیئے لکھتا ہے: "شہنشاہ اورنگزیب ہندوستان کے مُلک میں ایک پردیسی ہے جس نے اپنے دشمنوں کے مُلک پر قبضہ کر رکھا ہے۔ اس مُلک میں اگر سو ہندو ہیں تو صرف ایک مسلمان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُس نے ایک زبردست فوج رکھی ہوئی ہے۔ اُس کے گورنر حکام اور افسر اپنی ملازمت کی خیر اسی میں دیکھتے ہیں کہ وہ بلا چون و چرا اُس کی مرضی اور احکام پر عمل کرتے جائیں۔ وہ جدھر اُس کا رُخ دیکھتے ہیں، خود اُدھر چل پڑتے ہیں پس اورنگزیب کو عوام الناس کی مرفہ الحالی کی اتنی پرواہ نہیں ہے جتنی اُس کو اپنے مسلمان مسلح آدمیوں کی ہے۔"[3]

اورنگزیب اپنے اسلامی جوش میں اس حقیقت کو فراموش کر گیا کہ ہندوستان میں (جس کا وہ بادشاہ تھا) مختلف مذاہب کے لوگ بستے ہیں اور کہ وہ جس طرح مسلمانوں کا بادشاہ ہے اُسی طرح اور انہی معنوں میں وہ کثیر غیر مسلم آبادی کا بھی بادشاہ ہے۔ اُس نے ایران کے بادشاہ کی اُس نصیحت کو بالائے طاق رکھ دیا جو اُس کے جدِ امجد ہمایوں کو دی گئی تھی اور جس کو اکبر نے ہمیشہ اپنی نظروں کے سامنے رکھا تھا اور ہندوستان کو اپنا وطن سمجھ کر عیسائیوں، ہندوؤں اور مسلمانوں وغیرہ کو ایک ہی نگاہ سے دیکھا تھا۔

اس فصل میں ہم نے جن قیود اور پابندیوں کا ذکر کیا ہے وہ سب غیر مسلم مذاہب کے پیروؤں پر عائد تھیں۔ ان میں نہ صرف ہندو تھے بلکہ مسیحی بھی تھے۔ دیگر غیر مسلموں کی طرح مسیحی بھی محکمۂ احتساب کے شکار رہتے تھے اور اُن کی حرکات و سکنات کی کڑی نگرانی کی جاتی تھی۔ اُن کی عبادتوں، جلوسوں، مذہبی رسوم وغیرہ پر پابندیاں تھیں۔ اُن کے گرجے شہید کئے جاتے تھے مسیحیت کی اشاعت و تبلیغ کی ممانعت تھی۔ سخت احکام جاری کئے گئے تھے کہ اہلِ اسلام میں سے کسی کو مسیحیت کا حلقہ بگوش نہ کیا جائے۔ مسیحی غلام نہیں رکھ سکتے تھے اور نہ وہ مسلمان عورتوں سے بیاہ کر سکتے تھے گو مسلمان عیسائی غلام رکھتے تھے اور عیسائی عورتوں کو اپنے گھروں میں ڈال لیتے تھے۔ چھوٹے چھوٹے مسیحی تاجروں کو پورا مالیہ اور ٹیکس ادا کرنے پڑتے تھے۔ ہر مسیحی سے جزیہ وصول کیا جاتا تھا۔ جو اس غریب طبقہ کی استطاعت سے باہر تھا۔ اُن کو سرکاری ملازمت نہیں

3. Bernier, p. 256.

Marfat.com

دی جاتی تھی۔ اُن کو اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے مدرسے کھولنے کی اجازت نہ تھی اُور اُنہیں بچوں کو اسلامی مدرسوں میں بھیجنا پڑتا تھا جہاں اُن کو قرآن و اسلام کی تعلیم دیجاتی تھی۔ غرض وُہ قرآنی اُور شرعی احکام کی تمام پابندیوں میں جکڑے ہُوئے تھے جن سے وُہ اسلام قبول کرکے ہی آزاد ہو سکتے تھے۔ جائے تعجب نہیں کہ اورنگزیب کے عہد کی کلیسیائیں روز بروز کمزور ہوتی چلی گئیں اُور اُن کے شُرکا اسلام قبول کرکے پابندیوں سے چھوٹ کر عزت، ملازمت اُور روزینہ وغیرہ حاصل کرتے چلے گئے۔ اب مسیحی کلیسیاؤں میں نہ نامور تاجر تھے اُور نہ جاہ و اقتدار اُور دولت و رسُوخ رکھنے والے اشخاص رہ گئے تھے۔ چُونکہ وُہ کسی شمار و قطار میں نہ تھے مسلمان مُورّخ بھی مسیحی کلیسیاؤں کا اُور اُن کے شُرکا کا بمشکل ذکر کرتے ہیں۔ انشاءاللہ ہم آگے چل کر ان کلیسیاؤں کا ذکر کریں گے۔

فصلِ چہارم

اورنگزیب اُور سکھ جماعت

ہم باب اوّل میں گُورو نانک (از ۱۴۶۹ء تا ۱۵۳۸ء) کا ذکر کر چکے ہیں۔ بابر کے عہد میں اُس نے کبیر کی طرح ہندومت کی بُت پرستی اُور رسُوم بد کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی اُور بھگتی کے طریق پر خدائے واحد کی عبادت کرنے کی تعلیم دی وُہ وحدتِ ادیان کے نظریہ کا قائل تھا اور ہندوؤں اُور مسلمانوں کو اتحاد اُور یگانگت کا سبق دیتا تھا۔

گُورو انگد وفات سے پہلے گرو نانک نے اپنے ۳۴ سالہ چیلے انگد کو اپنا جانشین مقرر کیا جس کا نام پہلے لہنا تھا۔ وُہ ایک تاجر کا بیٹا تھا اُور دُرگا کا پجاری ہوتا تھا۔ گرو نانک نے اپنے بیٹوں کو نظر انداز کرکے اُس کو اپنا جانشین نامزد کیا۔ وُہ ہمایوں بادشاہ کے زمانہ میں چودہ سال تک (از ۱۵۳۸ء تا ۱۵۵۲ء) گدی نشین رہا۔ اُس نے گُورمکھی زبان کے حرُوف تہجی کو ایجاد کرکے اُس کی عوام میں اشاعت کی، جس کا نتیجہ زمانہ میں یہ نتیجہ ہُوا کہ سکھوں کی اُور ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں (جو دیوناگری حروف میں لکھی جاتی تھیں)، تمیز

Marfat.com

ہو گئی۔ گورمکھی کے رواج سے برہمنوں کے رُعب وحشمت اور اقتدار وسطوت میں فرق آنے لگا۔

گورو امرداس تیسرا گورو امرداس (از ۱۵۵۲ء تا ۱۵۷۴ء) ۷۳ سال کی عمر میں گدی پر بیٹھا۔ اُس نے سکھوں کی تنظیم کی اور اُن کو بائیس علاقوں میں مختلف اُستادوں اور واعظوں کے ماتحت (جن میں ایک عورت بھی تھی) منتظم کر دیا۔ اُس نے گوئندوال کے گوردوارہ میں ایک لنگر خانہ قائم کیا تاکہ اس میں سب کھایا کریں اور ذات پات کی تمیز مٹ جائے۔ جو شخص گورو کے درشن کرنا چاہتا تھا اُس کے لئے یہ امر لازم قرار دیا گیا تھا کہ وُہ پہلے لنگر خانہ کا کھانا کھائے۔ یہ زمانہ اکبر کا تھا۔ کہتے ہیں کہ جب اکبر اُس سے مُلاقات کرنے کو گیا تو اُس نے بھی ملاقات سے پہلے لنگر سے کھانا کھایا۔ گورو امرداس نے ستی کی قبیح رسم کی ممانعت کر دی۔

گورو رامداس چوتھا گورو رامداس چالیس سال کا تھا جب وُہ گدی نشین ہُوا۔ وُہ اکبر کے عہد میں سات سال (از ۱۵۷۴ء تا ۱۵۸۱ء) گورو رہا۔ وُہ گورو امرداس کا داماد تھا۔ اُس کے بعد سکھوں کے گورو یکے بعد دیگرے اِسی ایک خاندان سے گدی پر بیٹھے۔ گورو نانک کا جدی پیشہ کاشتکاری تھا اور وُہ خود ملازم پیشہ تھا۔ دُوسرے اور تیسرے گورو کا آبائی پیشہ تجارت تھا لیکن اب چوتھے گورو رام داس سے گوروپائی موروثی عہدہ بن گیا۔ یہ چار اول گورو بڑے زاہد عابد تھے جن کی رُوحانی زندگیاں بادشاہِ وقت تک کو اُن کے پاس کھینچ لاتی تھیں۔

اکبر نے گورو رامداس کو ایک قطعۂ زمین عطا کیا جس میں اُس نے رامداس پور (موجودہ امرتسر) بسایا۔ اِس قطعۂ زمین میں ایک تالاب تھا جہاں اب "دربار صاحب" واقع ہے۔ رامداس نے اپنی گوروپائی کے شروع میں امرتسر کو اپنی جائے رہائش بنا لیا۔

گورو ارجن پانچویں گورو ارجن مل اٹھارہ سال کی عمر میں گدی پر بیٹھا۔ اور ۱۵۸۱ء سے ۱۶۰۶ء تک گورو رہا۔ وُہ بھی اکبر کے عہد میں تھا۔ ہم بتلا چکے ہیں کہ جہانگیر نے تخت نشینی کے بعد شاہزادہ خسرو کی بغاوت کے بعد اُس کو ۱۶۰۶ء میں سزائے موت دی۔

اِس گورو کا زمانہ چند پہلوؤں سے قابلِ یادگار زمانہ ہُوا ہے۔ اُس کے زمانہ میں "دربار صاحب" تعمیر ہُوا جس کا سنگِ بُنیاد لاہور کے مشہور مسلمان صُوفی میاں میر نے رکھا۔

Marfat.com

اُس لے ۱۵۹۰ء میں ترنتارن کا گورودوارہ بھی بنایا۔ گورو ارجن نے امرتسر کے گردونواح کی دو سو پچاس ایکڑ زمین خریدی اور اپنے سکھوں کو جو ہندوستان اور افغانستان میں پھیلے ہوئے تھے حکم دیا کہ امرتسر میں اپنے گھر بنائیں اور وہاں آکر آباد ہو جائیں۔ چونکہ وہ زیادہ تر تجارت پیشہ لوگ تھے پس امرتسر کا قصبہ تجارت کی منڈی بن گیا اور دو صدیوں سے زیادہ مدت تک شمالی ہند کا تجارتی مرکز رہا جہاں افغانستان۔ مغربی ایشیا کے ممالک۔ چین اور تبت بلکہ افریقہ کے بعض ممالک کے تاجر اشیا کی خرید و فروخت کے لئے آتے تھے۔

گورو ارجن کے زمانہ میں سکھوں کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی۔ اُس نے ان کو باقاعدہ طور پر منظم کیا۔ تعداد کے ساتھ چندوں میں بھی اضافہ ہوتا گیا جن کو جمع کرنے کے لئے "مسند"[1] مقرر ہوئے۔ وہ کابل سے ڈھاکہ تک سکھوں کی آمدنی کا دسواں حصہ اور اُن کے چڑھاوے اور نذرانے وصول کرتے تھے، اور تمام زر امرتسر کے مرکزی خزانہ میں جمع کیا جاتا تھا۔ اب گورو کا اقتدار اس قدر بڑھ گیا تھا کہ وہ ایک دُنیاوی راجہ کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ لوگوں کی نظروں میں اُس کا رُتبہ اِس قدر بُلند تھا کہ ایک دفعہ مُغلیہ سلطنت کے ایک دیوان نے اُس کے بیٹے کے ساتھ اپنی بیٹی کا بیاہ کرنا چاہا تو اُس نے اِس پیشکش کو رد کر دیا۔ یہ مسند گورو کے گویا درباری ہوتے تھے۔

گورو ارجن کے زمانہ میں ۱۶۰۴ء ایک تاریخی سال ہے کیونکہ اِس سال اُس نے آدگرنتھ کو جمع کیا تھا۔ گرنتھ کو گورودوارہ دربار صاحب میں رکھا گیا۔ اب سکھوں کی اپنی زبان گورمکھی تھی۔ گرنتھ صاحب اُن کی اپنی مُقدّس کتاب تھی۔ ان کی جماعت منظم ہو گئی تھی جس کا گورو ایک زبردست با اختیار شخص تھا اور امرتسر اِس گورو کا گویا دارالسلطنت تھا۔

گورو ہرگوبند موت سے پہلے گورو ارجن نے اپنے بیٹے ہرگوبند کو کہا کہ تخت پر ہتھیار بند ہو کر بیٹھا کرو اور بھائی بڈھا کو حکم دیا کہ ہرگوبند کو سپاہیانہ مشق کرائے اور ہتھیاروں کا استعمال سکھلائے۔ ہرگوبند گیارہ سال کی عمر میں گدی پر بیٹھا اور ۱۶۰۶ء سے ۱۶۴۵ء تک جہانگیر اور شاہجہان کے عہد میں گورو رہا۔ اس کے وقت سے سکھوں کی تاریخ میں ایک

---

[1] لفظ "مسند" درحقیقت "مسندِ اعلیٰ" کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ یہ عہدہ دہلی کے پٹھان سُلطانوں کے زمانہ میں ہوتا تھا۔

Marfat.com

نیا باب شروع ہوتا ہے۔ اس کو ابتدا ہی سے سپاہگری اور شکار کا شوق تھا۔ اُس نے ایک مختصر سی فوج اکٹھی کر لی۔ وُہ کہا کرتا تھا کہ "مَیں دو تلواریں لگاتا ہُوں۔ ایک رُوحانی اور دُوسری دُنیاوی۔ گورُو کے گھر میں دین و دُنیا دونوں ہوں گے"۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ شاہجہان اپنے جلُوس کے دُوسرے سال (۱۶۲۸ء) میں امرتسر کے قریب باز سے شکار کھیل رہا تھا۔ ہرگوبند بھی شکار کھیلنے اُسی جگہ پہنچ گیا۔ اُس کے سکھوں اور مغلیہ سپاہیوں میں ایک پرندے پر جھگڑا شروع ہُوا۔ بات بڑھ گئی اور بادشاہی فوج کے کُچھ آدمی مارے گئے۔ شاہجہان یہ سنکر طیش میں آگیا۔ اُس کی فوج نے سکھوں پر دھاوا بول دیا۔ لیکن سکھوں نے سنگرانہ پر شاہی فوج کو شکستِ فاش دی جس سے اُن کے حوصلے بلند ہو گئے۔ شاہجہان نے ہرگوبند کے خلاف لشکر کشی کی لیکن وُہ مقابلہ کی طاقت نہ پا کر گُودہ پڑ کے بالائی حِصّہ میں سوالک پہاڑیوں کے قصبہ کرت پُور میں بھاگ گیا، اور وُہیں فوت ہو گیا۔

ہرگوبند نے اپنی گورُویائی کے زمانہ میں امرتسر کے گوردوارہ میں "اکال تخت" قائم کیا اور سری ہرگوبند پور کے قصبہ کو آباد کیا جو دریائے بیاس سے قریباً بیس میل کے فاصلہ پر ہے۔ وفات سے پہلے اُس نے اپنے چودہ سالہ چھوٹے پوتے ہررائے کو گدی کے لئے نامزد کیا۔

گورُو ہررائے گورُو ہررائے (از ۱۶۴۵ء تا ۱۶۶۱ء) شاہجہان اور اورنگزیب کے عہد میں گورو تھا۔ اُس کے پاس دو ہزار دو سَو سواروں کی فوج ہر وقت لڑنے مرنے کو تیار رہتی تھی۔ ایک دفعہ چند عُلمائے اسلام نے گرنتھ کے ایک مقام کی نسبت شکایت کی۔ اورنگزیب نے گورُو ہررائے کو طلب کیا۔ ہررائے نے اپنی جگہ رام رائے کو بھیجا تاکہ عُلماء کے اعتراض کو رفع کرے۔ رام رائے نے اورنگزیب کے دربار میں اس مقام کو پڑھا جس پر اعتراض کیا گیا تھا لیکن پڑھتے وقت تحریفِ لفظی سے کام لے کر لفظ "مسلمان" کی بجائے لفظ "بے ایمان" پڑھ گیا اور بادشاہ کی تسلی کر کے چلا آیا۔ جب ہررائے کو اس تحریف کا پتہ لگا تو اُس نے رام رائے کو جماعت سے خارج کر دیا۔ اورنگزیب نے اُس کو ڈیرہ دُون میں جاگیر عنایت کر دی جہاں اُس نے اپنا الگ گوُردوارہ بنا لیا۔ ڈیرہ دُون کا شہر اب بھی رام رائے کے پَیرووں کا گڑھ ہے۔

شہزادہ دارا شکوہ نے ایک دفعہ گوُرو ہررائے سے مُلاقات کی کیونکر جیسا ہم بتلا چکے

Marfat.com

ہیں اُس کو بھی اپنے پڑدادا اکبر کی طرح ہر فرقہ اَور مذہب کے اصُول کا علم حاصل کرنے کا شوق تھا۔ گوُرو ہررائے نے مغلیہ بادشاہوں کی نقل کر کے متعدد شادیاں کیں چنانچہ اُس نے ایک سِکھ دیا رلم کی تمام بیٹیوں کے ساتھ نکاح کئے [1]

گورو ہرکشن گورو ہررائے کی وفات کے بعد اُس کا پانچسالہ بیٹا ہرکشن گدی پر بیٹھا۔ لیکن وُہ صرف تین سال (از ۱۶۶۱ء تا ۱۶۶۴ء) تک اورنگزیب کے عہد میں گدی پر رہا۔ اس کے بعد وُہ مرضِ چیچک میں مُبتلا ہو کر فوت ہو گیا۔ اُس کے باپ کے اَور اس کے زمانہ میں کوئی خاص قابلِ ذکر واقعہ رُونما نہ ہُوا۔ گورو ارجن کے قائم کردہ مالگذاری کے اصُولوں اَور طریقوں پر عمل ہوتا رہا۔ آمدنی بڑھتی گئی اَور گورُو کی فوج کا شمار بھی بڑھتا گیا، جس کی تنظیم زیادہ اعلیٰ پیمانہ پر ہوتی گئی۔

گورو تیغ بہادر گورو ہرکشن کی وفات کے بعد گوُرُیائی کی گدی کی نسبت تنازعہ اُٹھا کیونکہ رام رائے کو جماعت سے خارج کر دیا گیا تھا۔ لیکن سکھوں کی اکثریت نے چھٹے گوُرو ہرگوبند کے دُوسرے بیٹے تیغ بہادر کو جس کی عُمر اب بیالیس سال کی تھی، گوُرو تسلیم کر لیا۔ وُہ ۱۶۶۴ء سے ۱۶۷۵ء تک گدی نشین رہا۔ اس تمام عرصہ میں اُس کے رقیبوں نے اُس کو کبھی چین لینے نہ دیا۔ وُہ ہر ممکن طور پر گدی کو چھیننے کی اَور تنگ کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ چنانچہ جب وُہ امرتسر گیا تو وہاں بھی اُس کو ہری مندر میں جانے نہ دیا گیا۔ سوڈھی خاندان کے لوگ ہمیشہ اُس کے بدخواہ رہے۔ وُہ اپنے تجربہ کی بنا پر کہا کرتا تھا کہ انسان کی زندگی دُکھ اَور غم، رنج و محن سے بھری ہے۔ لیکن اگر ہم خُدا سے محبت رکھیں اَور اُس کے نام کو جپتے رہیں تو دُنیا کے آلام، راحت میں بدل جاتے ہیں۔ وُہ اپنے سکھوں کو نصیحت کرتا تھا کہ اپنے آنسوؤں کے قطروں سے ہری نام کی مالا بناؤ۔

گوُرو تیغ بہادر عالم شخص نہ تھا لیکن وُہ زبردست مُبلّغ تھا۔ اُس نے بنگال اَور آسام میں دو سال سکھ مت کے اصُول کی تبلیغ و اشاعت کی اَور ان صوبوں میں گوُرو دوارے بھی تعمیر کئے۔ اُس کے زمانہ سے سکھ اپنے گوُرُوؤں کو "سچا بادشاہ" کہنے لگ گئے۔ اُدھر اورنگزیب بھی اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں کوشاں تھا اَور اسلام کی غیرت سے مجبور ہو کر چاہتا تھا کہ اسلامی شریعت کے شعار ہر صُوبہ میں نظر آئیں۔ انہی ایام میں شمال مغربی قبائل نے شورش برپا کر دی۔ ۱۶۷۲ء میں اُنہوں نے

1. Jadu Nath Sarkar, History of Aurangzeb. Vol. 3.

Marfat.com

مغلیہ افواج کو شکست فاش دیکر دس ہزار لشکریوں کو قتل کر دیا۔ بیس ہزار مردوں، عورتوں اور بچوں کو قید کر کے وسط ایشیا میں بطور غلام فروخت کر دیا اور دو کروڑ روپیہ لوٹ کر لے گئے۔ اُن کے آگے اورنگزیب کے بہترین جرنیلوں کی بھی کوئی پیش نہ چلی پس اورنگزیب بنفسِ نفیس خود حسن ابدال پہنچا۔ وہاں اُس کو یہ بتلایا گیا کہ تیغ بہادر پنجاب کے جاٹوں کو سلطنت کے خلاف اُبھار رہا ہے۔ وہ پہلے ہی سرحدی قبائل کے ہاتھوں جلا بُھنا بیٹھا تھا اور اُن کو اور پنجاب کے دیگر شورش پسندوں کو سبق سکھانے پر تُلا تھا۔ جب اُس کو معلوم ہوا کہ تیغ بہادر نے بعض مسلمانوں کو بھی سکھ بنا لیا ہے تو اُس کے غضب کی انتہا نہ رہی۔ تیغ بہادر کشمیر میں تھا۔ اُس نے کشمیر کے صوبہ کو اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور استحکام شعارِ اسلامی کے احکام لکھ بھیجے۔ فرمانِ شاہی کو سُن کر کشمیر کے ہندو تیغ بہادر کے پاس آئے جس نے سب کو اپنے دھرم پر ثابت قدم رہنے کو کہا اور علی الاعلان اورنگزیب کی اسلام نوازی پر ناراضگی کا اظہار کیا۔ چنانچہ لکھا ہے :-

"گورو تیغ بہادر بولیا دھڑ دیجئے، دھرم نہ چھوڑیئے"

اورنگزیب نے تیغ بہادر کو دہلی طلب کیا۔ جب وہ گیا تو بقول جرمن ڈاکٹر ٹرمپ بادشاہ نے خود اُس سے مذہبی بحث کی۔ لیکن وہ کوئی زبردست عالم نہ تھا اور بادشاہ کے اعتراضات کا جواب نہ دے سکا۔ اورنگزیب نے اُس کو دعوتِ اسلام دی جس کو اُس نے رد کر دیا۔ وہ زندان میں بھیجا گیا جہاں پانچ دن تک اُس کو سخت عذاب دیئے گئے۔ پھر جب وہ بادشاہ کے سامنے حاضر کیا گیا تو اورنگزیب نے اُس کو کہا کہ اگر تم فی الحقیقت سچ پر ہی ہو اور "سچے بادشاہ" ہو تو کسی معجزہ سے اپنے دعویٰ کو ثابت کرو۔ اُس نے جواب دیا، کہ انسان کا فرض یہ ہے کہ وہ خلوصِ قلب سے خدائے واحد کی عبادت کرے اور خدا کی آزمائش کرنے کی بجائے اُس کے احکام کو بجا لائے۔ اورنگزیب اصرار کرتا گیا کہ تم معجزہ دکھاؤ ورنہ تم جھوٹے ہو اور کاذب نبی گردن زنی ہوتا ہے۔ اس پر تیغ بہادر نے ایک پرزہ لیا اور اُس پر کچھ لکھا اور گردن میں لٹکا کر کہا کہ اب آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ آپ کی تلوار کی دھار بے اثر ہے۔ جب اُس کی گردن کاٹی گئی تو پرزہ کھول کر پڑھا گیا۔ اُس میں لکھا تھا "سر دادم لیکن سِترِ خُدا نہ دادم"[1]۔ اُس کو ۱۱ نومبر ۱۶۷۵ء کے روز چاندنی چوک میں ایک بڑ کے درخت کے

1. Khazan Singh, History and Philosophy of Sikh Religion. p. 161.

Marfat.com

نیچے قتل کیا گیا جہاں اب گوردوارہ سیس گنج واقع ہے۔ اس کے چیلے بھائی متی داس کو جو اُس کے ہمراہ دہلی گیا تھا، دو ستونوں کے درمیان باندھ دیا گیا اور اُس کے دھڑ کو آرہ سے چیر دیا گیا۔

اورنگزیب سے پہلے کسی مغلیہ بادشاہ نے سکھوں اور اُن کے گوروؤں کو اُن کے مذہب کی بنا پر قتل نہیں کیا تھا۔ جہانگیر کے عہد میں گورو ارجن کو سزائے موت دی گئی تھی لیکن اُس کی وجہ مذہبی نہیں تھی بلکہ سیاسی تھی[1]۔

گورو گوبند سنگھ

گورو تیغ بہادر کے قتل سے تمام مغلیہ سلطنت کے سکھوں میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی اور وُہ سلطنت کے علانیہ دشمن ہو گئے۔ اُس کا اکلوتا بیٹا گورو گوبند سنگھ ۱۶۷۶ء میں گدی نشین ہُوا جب اُس کی عمر فقط دس سال کی تھی۔ وُہ ۲۶ دسمبر کے روز ۱۶۶۶ء میں پٹنہ میں پیدا ہُوا تھا۔ اُس کو پنجابی۔ ہندی، فارسی اور سنسکرت کی تعلیم ملی تھی۔ وُہ ایک اچھا ادیب تھا اور ساتھ ہی زین سواری۔ تیراکی، تیر اندازی، نیزہ بازی تلوار اور دیگر اسلاح کا استعمال جانتا تھا۔ قدرت نے اُس کو ایک زبردست دماغ عطا کیا تھا جس سے وُہ تلوار اور قلم کا دھنی ہو گیا تھا۔

گورو گوبند سنگھ کا دربار انند پور میں تھا۔ باپ کے قتل نے اُس کو اسلام سے اور مسلمانوں سے متنفر کر دیا اور اُس نے عہد کر لیا کہ وُہ باپ کے خون کا بدلہ لے کر رہے گا۔ اُس کے اقوال و افعال اور نمونہ نے سکھوں میں شجاعت کی رُوح پھونک دی۔ ہر سکھ سر بکف ہو کر مرنے مارنے کو تیار ہو گیا۔ اُس نے اورنگزیب کی بے انصافی اور ظلم و ستم کے خلاف اعلان جنگ کر دیا، اور "خالصہ" یعنی خالص) کی تنظیم کر دی۔ چنانچہ ۱۶۹۹ء کے موسم بہار میں اُس نے "پانچ پیاروں" کی بنا ڈالی۔ پہلے "پانچ پیاروں" کے نام یہ تھے، (۱) دیارام جو لاہور کا کھتری تھا۔ (۲) دھرم داس جو دہلی کا جاٹ تھا۔ (۳) محکم چند جو دوارکا کا دھوبی تھا (۴) ہمت جو برہمن رسوئیا تھا۔(۵) صاحب چند جو حجام تھا۔ یعنی ایک پیارا ذات کا برہمن تھا ایک کھتری تھا اور تین نیچ ذات کے تھے۔ یہ پانچوں پیارے ایک نئی برادری میں شامل کئے گئے، اور اُن کے نام بدل کر اُن کے ناموں کے آخر لفظ "سنگھ" (یعنی شیر) بڑھا دیا گیا۔

1. Jadu Nath Sarkar, History of Aurangzeb. Vol. 3.

Marfat.com

اُن سب کو ایک ہی پیالہ سے "امرت" پلا کر گوبند سنگھ نے اپنے سنگھوں میں اصُولِ اخوّت و مساوات قائم کر دیا۔ اُس نے ہر "سنگھ" پر لازم کر دیا کہ وُہ کیس۔ کنگھا اور کرپان رکھے اور کڑا اور کچھ پہنا کرے تاکہ سنگھوں میں اور ہندوؤں مسلمانوں میں ہر جگہ اور ہر وقت تمیز ہو سکے۔ اُس نے جنیئو پہننے کا استعمال بند کر دیا۔ ذات پات کی تمیز اُڑا دی۔ تمباکو اور دیگر نشہ آور اشیا کا استعمال منع کر دیا۔ زناکاری کو اور بالخصوص مسلمان عورتوں سے صُحبت کرنا اور نوزائیدہ بچّوں کو ہلاک کر دینا منع کر دیا۔ اُس نے رام رائے ۔ دھیرمل اور پرتھوی چند کے پیروؤں سے میل جول رکھنے کی قطعی ممانعت کر دی۔ مسندوں سے مُلاقاتیں بند کر دیں۔ جانوروں کو ذبح کرنے کی بجائے کرپان کے ایک ہی وار جھٹکے سے "جھٹکا" کرنے کا حکم دیدیا۔ بُت و بُت پرستی کی ممانعت کر دی، اور حکم دیا کہ گورو بانی معینہ اوقات پر پڑھی جائے۔

دو صدیاں پہلے سکھ جماعت خالص مذہبی جماعت تھی لیکن گورو ارجن کے قتل اور شاہجہان اور اورنگزیب کی اسلام پروری نے اس کو رفتہ رفتہ ایک باقاعدہ جنگجو اور منظّم فوجی اور عسکری "سنگھوں" کی فوج بنا دیا۔ جن کی اپنی نئی مُقدّس زبان پنجابی تھی جو گورمکھی حروف میں لکھی جاتی تھی۔ ان کی اپنی مُقدّس کتاب گرنتھ صاحب تھی۔ ان کی عبادت خاص تھی جس کے علیحدہ مرکز تھے۔ ان کے اپنے استھان تھے جہاں وُہ یاترا کے لئے جا سکتے تھے۔ اُن کے لئے پانچ خصُوصی نشان تھے جو امتیازی تھے۔ ان کے اپنے رسُوم و دستورات تھے۔ بالفاظِ دیگر ایک نیا مذہب سکھ مت وجُود میں آگیا جو ہندو مذہب سے جُدا ہوگیا اور سکھ ہندو نہ رہے، بلکہ "سنگھ" ہوگئے۔

گورو گوبند سنگھ کی زندگی جنگجوں اور معرکہ آرائیوں میں ہی کٹ گئی۔ اورنگزیب کی افواج نے اُس کی طاقت کو توڑ دیا اور شکست پر شکست کھا کر وُہ جنوبی پنجاب چلا گیا جہاں اُس نے آدگرنتھ کو آخری تشکیل دی۔ وہاں سے وُہ جنوبی ہند کو چلا گیا جہاں دو پٹھانوں نے اُس کا کام تمام کر دیا۔ یہ ۷۔ اکتوبر ۱۷۰۸ء کے روز کا واقعہ ہے۔

وفات سے پہلے گورو گوبند سنگھ نے گورو گدی کے سلسلہ کا خاتمہ کر دیا۔ اُس نے گرنتھ صاحب کو "گورو گرنتھ صاحب" قرار دے دیا اور یہ فیصلہ دیا کہ اگر کوئی "متا" (قرارداد یا تجویز) سکھ جماعت کے چُنے ہُوئے لوگ اتفاق رائے سے قبُول کر لیں تو وُہ "متا" حقیقی طور پر "گورمتا" یعنی گورو کا حُکم تسلیم کر لیا جائے خواہ وُہ پہلے گوروؤں کے طرزِ عمل کے خلاف ہی ہو، کیونکہ "جہاں ایک سکھ موجود ہو وہاں صرف ایک ہی سکھ کا وجود ہوتا ہے۔ لیکن جہاں دو سکھ موجود ہیں وہاں مُقدّسوں کی جماعت کا وجود ہوتا ہے، اور جہاں پانچ سکھ موجود ہیں وہاں خدا موجود ہوتا ہے۔"[1]

---

1. Khushwant Singh, The Sikhs, p. 41.

Marfat.com

گورو گوبند سنگھ کے چار بیٹے تھے جن میں سے دو بڑے بیٹے مغلیہ افواج سے جنگ کرتے میدان میں مارے گئے ۔ باقی دو نابالغ بیٹے زورآور سنگھ اور فتح سنگھ سرہند کے صوبہ کے ہاتھوں میں پڑ گئے ۔ اورنگزیب نے حکم بھیجا کہ اُن کو اسلام کی دعوت دو ۔ اگر وہ قبول کریں تو اُن کو مسلمان بنالو اور اگر قبول نہ کریں تو اُن کو قتل کر دو ۔ جب دونوں صغیر سن بچوں نے دعوتِ اسلام کو رَدّ کر دیا تو صوبہ نے اُن کو دیوار میں زندہ چنوا دینے کا حکم دیا ۔ چنانچہ جنم ساکھی گورو گوبند سنگھ (اُردو) میں مرقوم ہے کہ دونوں بچوں کو دیوار میں چنا گیا "جب دیوار ذرا اُونچی ہوئی تو صاحبزادہ فتح سنگھ نے کسی قدر ملال ظاہر کیا ۔ بڑے بھائی (زورآور سنگھ) نے للکار کر پکارا کہ کہو "سری واہگورو جی کا خالصہ ۔ سری واہگورو جی کی فتح" خبردار تم کو والدِ بزرگوار اور ماتا جی کے دُودھ کی قسم ۔ استقلال اور ثابت قدمی کو ہاتھ سے نہ دو ۔ پس وہ سنبھل گیا" (ماخوذ از سکھ مسلم تاریخ ۔ مصنفہ ابوالامان امرتسری ص۱۹۱) دونوں بچے زندہ دیوار میں چُن دیئے گئے اور وہ جان بحق ہو گئے ۔ اُن کی یادگاری میں اس جگہ بندہ بیراگی کے زمانہ میں ایک گوردوارہ ۱۷۱۰ء میں بنایا گیا اور اُس کا نام گوردوارہ فتح سنگھ رکھا گیا ۔

گورو گوبند سنگھ کے دونوں بچوں کے ساتھ گورو صاحب کی ماں ماتا گوجری کو بھی گرفتار کر لیا گیا تھا ، اور دونوں بچوں کے ساتھ سرہند کے قلعہ کے ایک برج میں قید کیا گیا تھا ۔ بچاری ضعیفہ اپنے پوتوں کی موت کے صدمہ کی تاب نہ لا سکی ۔ چنانچہ مذکورہ بالا جنم ساکھی میں لکھا ہے کہ "ماتا جی نے کثرتِ غم والم سے چنڈال برج کے ساتھ ٹکر ماری ۔ سر پھٹ گیا ۔ دوبارہ بے ہوش ہو کر گر پڑی اور پھر نہ اُٹھی" (ص۱۴۷ ۔ ماخوذ از سکھ مسلم تاریخ ص۲۳۹)

فصل پنجم

اورنگزیب کی سلطنت کا زوال

اورنگزیب کے آخری ایام گورو گوبند سنگھ نے ایک خط "ظفرنامہ" لکھ کر ۱۷۰۶ء میں اورنگزیب کو بھیجا جس میں اُس نے لکھا :-

چہ شد گر کشتہ بچگانِ چہار
کہ باقی بماندست پیچیدہ مار

Marfat.com

اورنگزیب کی اسلام نوازی اور دین پروری کا نتیجہ یہ ہُوا کہ اُس کی حینِ حیات ہیں تمام سلطنت کے طول و عرض میں نہ صرف سکھوں اور ہندوؤں میں بلکہ ہر طرف بے چینی پھیل گئی جو کسی کے روکنے سے نہ رُک سکتی تھی اور نہ رُکی۔ چنانچہ منوچی لکھتا ہے کہ اُس کے بیٹے اکبر نے ایران سے اپنے باپ کو لکھا کہ آپ کے عہد میں دکن جیسا زرخیز ملک (جو کسی زمانہ میں فردوس کا نمونہ تھا) اب ویران اور برباد ہو چکا ہے۔ بیجا پور کی بادشاہی ہندوستان کا ہیرا تھی لیکن وُہ اب تباہ ہو چکی ہے۔ آپ نے اورنگ آباد کا شہر بسایا تھا اور اس کو اپنا نام دیا تھا لیکن دشمن نے اس کو کھنڈرات کا ڈھیر بنا دیا ہے۔ آپ نے ہندوؤں پر جزیہ لگا کر اُن کی دشمنی خرید لی ہے۔ اب وُہ تمام لوگ جو خاندانِ مغلیہ کے جان نثار دوست تھے سلطنت کے جانی دشمن بن گئے ہیں[1]

اس ابتری کو اورنگزیب ہی اپنی سیاسی اور مذہبی پالیسی بدل کر روک سکتا تھا۔ لیکن اُس کی ضمیر نے اُس کو یہ اجازت نہ دی کہ وُہ اکبر کی سی رواداری اختیار کرے یا جہانگیر اور شاہجہان کی طرح سلطنت کی بقا کی خاطر دیگر مذاہب کی ہستی کو نظرانداز کر دے یا عیش و آرام کی زندگی بسر کرے۔ مغلیہ خاندان میں وُہ پہلا اور آخری بادشاہ تھا جس نے اپنے نفس کو ویسا ہی کچل دیا تھا جیسا وُہ غیر مسلموں کو مسل ڈالتا تھا۔ وُہ اپنے تاج و تخت اور سلطنت کو اسلام پر قربان کرنے کو ہر دم تیار تھا۔ اُس کو یہ علم تھا کہ اکبر کی سی رواداری اُس کی سلطنت کے مختلف صوبوں اور مذہب والوں کے لئے سلطنت کی بقا اور دوام کا موجب ہوگی، لیکن اُس نے دیدہ و دانستہ اس رواداری کو اسلام پر قربان کر دیا۔ جب وُہ تخت نشین ہُوا تو وُہ کوئی نوخیز جوشیلا جنونی نہ تھا بلکہ چالیس سالہ تجربہ کار گرم و سردِ زمانہ چشیدہ انسان تھا۔ وُہ اپنی مُسلم اور غیر مُسلم رعایا کے جذبات سے بخوبی واقف تھا اور اپنی سیاسی اور مذہبی پالیسی کے نشیب و فراز اور نتائج کو بھی جانتا تھا۔ اُس کو علم تھا کہ اُس کی شیعہ رعایا ہراساں اور غیر مُسلم عوام سب اُس سے بیزار ہیں۔ اُس کے اُمرا اُس سے خائف ہیں۔ اُس کے بیٹے اُس سے رزاں و ترساں ہیں۔ اُس نے اُن میں سے کسی کو کبھی اپنا راز داں نہ بنایا اور نہ کسی پر اعتماد کیا۔ اُس کے جاسوس سلطنت کے کونہ کونہ میں تھے اور ہر قسم کی خبریں اُس کے کانوں تک پہنچ جاتی تھیں۔ ان خبروں سے وُہ جانتا تھا کہ سلطنت کے ایک کونے سے دُوسرے کونے تک بے چینی پھیلی ہوئی

1. Manucci, Vol. 4, p. 175.

Marfat.com

ہے، اور عمائدین سلطنت عیش پسند ہیں لیکن باوجود اس علم کے وہ پچاس سال تک اپنی پالیسی پہ کاربند رہا اور اس میں سرِ مو فرق آنے نہ دیا۔

اب اورنگزیب کی سلطنت کے ہر چہار طرف غیر مسلموں میں بغاوت اور بغاوت کے آثار دکھائی دیتے تھے لیکن وہ ٹھنڈے دل سے اپنے خصوصی طرز پر سلطنت کے امور کو چلاتا گیا۔ سیواجی اُس کی آنکھوں میں ہمیشہ کھٹکتا رہا۔ ۱۶۸۹ء میں سیواجی کا بیٹا گرفتار ہو کر پیش ہوا تو اُس کو دعوتِ اسلام دی گئی جس کو اُس نے ٹھکرا دیا۔ اُس کی آنکھوں میں گرم لوہے کی سلائیاں ڈال کر اندھا کر دیا گیا۔ جس زبان سے اُس نے رسولِ عربی کے حق میں نازیبا الفاظ کہے تھے، وہ جڑ سے اکھاڑ دی گئی۔ اُس کو قتل کر دیا گیا اور اُس کی کھوپری میں بھوسہ ڈال کر جنوبی ہند کے شہروں میں لٹکایا گیا۔ بالآخر سیواجی ۱۰۹۰ھ (۱۶۷۹ء) میں فوت ہو گیا۔ کسی نے تاریخ وفات کہی "کافر بجہنم رفت"۔ مرہٹوں نے مغلیہ مقبوضات اور لشکر کو خستہ حال اور تباہ کر دیا، اور کرتے رہے۔

متھرا کے جاٹوں نے بغاوت کر دی جب بغاوت فرو ہوئی تو فوجداروں نے اُن کی تمام خوبرو عورتوں کو اپنے حرم میں داخل کر لیا۔ آگرہ اور اودھ کے علاقوں سے بصد مشکل جزیہ اور محصول وصول کیا جاتا تھا۔ جاٹ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ خونریز معرکے ہوئے۔ طرفین کے ہزاروں آدمی مارے گئے۔ جاٹ سرغنوں کے اعضا ایک ایک کرکے کاٹے گئے۔ اُن کے خاندانوں کو جبریہ مسلمان کر لیا گیا[1]۔ بندیلوں نے سر اُٹھایا۔ ست نامیوں نے فساد کئے۔ سکھوں نے جنگیں کیں۔ راجپوت جو مغلیہ سلطنت کے جانثار و وفادار تھے مخالف ہو گئے۔ مرہٹوں نے اُس کا ناک میں دم کر دیا۔ غرضیکہ سلطنت کے ہر کونے سے جنگ و جدل کے تاریک گھنے بادل اُمڈ کر چلے آئے اور ہر طرف قتل و خون کے نالے چل پڑے۔

اب اورنگزیب کے بڑھاپے کا زمانہ تھا۔ سلطنت کی مالی حالت دکن کی متواتر اور مسلسل جنگوں کی وجہ سے سال بسال بدتر ہوتی چلی گئی تھی۔ دکن میں جدھر سے اُس کے لشکر گذرتے تھے وہاں نہ فصلیں رہتیں اور نہ درخت رہتے۔ زر کی کمی کی وجہ سے سرکاری عمارتوں کنڈمل۔ سڑکوں وغیرہ کی مرمت نہ ہوتی تھی۔ عوام بیگار میں پکڑے جاتے تھے اور بھوکوں مرتے تھے۔ وباؤں سے اموات کی تعداد روزانہ بڑھتی گئی اور فوج کے گھوڑے ہاتھی وغیرہ بھی

1. Jadu Nath Sarkar, History of Aurangzeb. Vol 3 pp. 290-301.

Marfat.com

مرنے لگے ۔ کال ۔ سیلاب ۔ خشک سالی ۔ فصلوں کی کمی اور بھوک نے بہت سی جانیں لے لیں ۔ اندریں حالات گاؤں کی صنعتوں (بالخصوص پارچہ بافی) کو ایسا نقصان پہنچا کر وہ ختم ہوگئیں ۔ اُدھر لشکریوں کو تین تین سالوں تک تنخواہ نہیں ملتی تھی ۔ پیادہ دستے تنخواہ کے لئے چلاتے رہتے تھے ۔ لاچار ہوکر اورنگزیب نے حکم دیا کہ باپ دادا کے خزانے کھول ہی دیئے جائیں ۔ اکبر جہانگیر اور شاہجہان کے خزانے آگرہ اور دہلی کے قلعوں سے برآمد کئے گئے اور دکن بھیجے گئے ۔ اس آخری سہارے نے سلطنت کا دیوالہ نکال دیا ۔ اورنگزیب کی افواج کمزور ہوتی چلی گئیں ۔ دکن کو مرہٹوں نے ویران کر رکھا تھا ۔ اِدھر وہ فوج کو لوٹ لیتے تھے، اُدھر فوج ہر دم بغاوت پر آمادہ رہتی تھی ۔ ہر طرف بدنظمی اور طوائف الملوکی کا دَور دَورہ تھا ۔

شمالی ہند اور وسط ہند میں جدھر دیکھو اُدھر لاقانونی نظر آتی تھی ۔ بڈھا بادشاہ جنوبی ہند میں تھا جہاں سے وہ شمال، مشرق اور مغرب کے ممالک محروسہ کو قابو میں نہ رکھ سکتا تھا ۔ بدنظمی کی یہ حالت ہوگئی تھی کہ اُس کے وزیرِ اعظم کا پوتا مرزا تفخر دارالسلطنت میں جب اپنے محل سے نکل کر کہیں جاتا تو جس خوبصورت غیر مسلم عورت کو شارع عام پر یا دریا کے کنارے دیکھ پاتا، اُس کو جبراً حرم سرا میں لے جاتا اور بادشاہ کو لاچار اپنی آنکھیں بند کرنی پڑتیں ۔ آخر کار جب اُس نے ایک ہندو توپچی کی عورت پر ہاتھ ڈالا تو سب توپچیوں نے بغاوت کی دھمکی دی تب اورنگزیب نے اُس کو بڑی سے بڑی سزا یہ دی کہ وہ اپنے محل سے باہر نہ نکلے ۔ سلطنت کے اُمرا نہ صرف عیش و عشرت کے دلدادہ غلام تھے بلکہ مَیخواری زِنا اور اغلام وغیرہ کا دیدہ دلیر ہوکر ارتکاب کرتے تھے ۔

اَورنگزیب کے عہد میں اَور خصوصاً آخری ایام میں روشن خیالی اَور علوم و فنون کا فقدان ہوگیا اَور سلطنت کے چاروں طرف ذہنی انحطاط کے آثار نظر آتے تھے ۔ چنانچہ مرزا بیدل جیسا شخص دہلی کے حالات اَور آئے دن کے فسادات سے تنگ آکر متھرا (اسلام آباد) چلا گیا ۔ لیکن جب جاٹوں نے سر اُٹھایا تو ۱۰۸۵ھ میں وہ دہلی بھاگ آیا ۔ اُس کی وفات ۱۱۳۳ھ میں ہوئی ۔ اورنگزیب کی وفات سے چار سال پہلے شاہ ولی اللہ ۱۱۱۴ھ میں پیدا ہوا ۔

اورنگزیب کے عہد کی نسل نہایت معمولی دماغ کی مالک تھی ۔ اُن میں کوئی شخص

Marfat.com

غور و فکر کرنے والا۔ آزادہ رَو۔ روشن خیال اَور روشن ضمیر نہ تھا۔ اِس طبقہ کی ترقّی کا واحد زینہ خوشامد تھا۔ شُرفا اَور اُمراء کا طبقہ غیر زبانوں سے واقف نہ تھا۔ اورنگزیب نے اکبر کی طرح کسی کو غیر ملکی زبانیں سیکھنے کا حکم نہ دیا حالانکہ اُس کے اپنے عہد میں (جیسا ہم آئندہ کسی جلد میں مفصل ذکر کریں گے) مغربی ممالک کی تجارتی کمپنیاں ہندوستان کی دولت سے بے اندازہ فائدہ اُٹھا رہی تھیں۔ اورنگزیب اُن کی زبانوں کا مطالعہ ضروری نہیں سمجھتا تھا اَور نہ اُس کے دربار کے اراکین اُن کا مطالعہ کرنے کی زحمت اُٹھاتے تھے۔ غیر ملکی خطوط کے ترجمے ارمنی مسیحی کیا کرتے تھے یسلطنت بھر میں صرف ایک مسلمان معتمد خان انگریزی زبان سے کچھ شُد بُد رکھتا تھا۔ ارکانِ سلطنت اَور حکام، وزراء اَور اُمراء وغیرہ کو بس ایک ہی دُھن تھی کہ چاندی اَور سونے کی فصلیں کاٹیں۔ مملکت کے ہر صوبے اَور ہر شعبے میں خرابیاں پیدا ہوگئی تھیں۔ ہر سرکاری دفتر اَور عدالت میں رشوت ستانی کا بازار گرم تھا۔ سماج کے اُوپر کے طبقے نچلے طبقوں سے رشوت لیتے تھے اَور تمام بوجھ بچاری غریب دبیکس رعایا اَور کاشتکاروں کے کندھوں پر پڑتا تھا۔ اورنگزیب کے واقعہ نگار اَور جاسُوس اُس کو ایک ایک خبر پہنچاتے تھے لیکن اب وُہ بے بس ہوگیا تھا۔ اُس کو یہ احساس ہوتا گیا کہ اُس کی نصف صدی کی حکومت کا زمانہ ناکامی اَور نامرادی کا زمانہ تھا اَور وُہ آخری ایام میں کہا کرتا تھا"

"از ماست ہمہ فساد باقی"

اورنگزیب کی وفات

اورنگزیب نے تمام سلطنت کا بوجھ اکیلے اپنے کندھوں پر اُٹھائے رکھا۔ آخر وُہ انسان تھا اَور نوّے سال کی عُمر کا ہوگیا تھا۔ لیکن پھر بھی اِس پیرانہ سالی کے باوجُود اُس کے حواسِ خمسہ میں فرق نہ آیا تھا۔ وُہ اکثر شب بیداری کرتا تھا اَور راتیں عبادتِ الٰہی میں گذار دیتا تھا۔ بالآخر ۱۱۱۶ھ (۱۷۰۵ء) میں وُہ بیمار ہوگیا لیکن مرض کے دَوران میں بھی وُہ دیوانِ عام میں جاتا تھا تاکہ لوگ اُس کو دیکھ سکیں۔ پہ مرض بڑھتا گیا اَور اُس کی غشی کی حالت طاری ہونے لگی یسلطنت میں قسم قسم کی افواہیں پھیلنے لگیں۔ دس بارہ روز بڑی پریشانی کے گذرے۔ پھر کچھ افاقہ ہُوا اَور وُہ دربارِ عام میں جانے لگا۔ اُس کو یہ احساس تھا کہ اُس کی فوج دشمن کے ملک (دکن) میں ہے۔ اگر وُہ مرگیا

1. Jadu Nath Sarkar, History of Aurangzeb. Vol. 5 pp. 439-467. Also Jadu Nath Sarkar, Studies in Moghul India.p. 56

Marfat.com

تو کافروں کے دشوار گذار ملک بن سے ایک شخص بھی سلامت نہ بچے گا۔ طبیب نے اُس کو چوب چینی دی، جس کو وُہ ہفتہ میں تین چار دفعہ استعمال کرتا تھا اور بُہت خیرات دیتا تھا تاکہ خُدا اُس کو صحت عطا کرے۔ جب اُس کی طبیعت قدرے سنبھلی تو اُس نے طبیب کو انعام واکرام دیئے اور خُدا کا شُکر ادا کیا۔ ماہِ رجب کے نصف میں اُس نے بہادر گڑھ (بیرگاؤں) کی جانب لشکر کشی کی اور شعبان کے آخر میں وہاں پہنچکر حکم دیا کہ ماہِ رمضان میں فوج آرام کرے۔ رمضان کے بعد وُہ احمد نگر پہنچا۔

شاہزادہ محمد اعظم احمد آباد کا صُوبہ دار تھا۔ جب اُس نے باپ کی بیماری کی خبر سُنی تو اُس نے شہنشاہ کو لکھا کہ احمد آباد کی آب وہوا میرے موافق نہیں آتی، اور باریاب ہونے کی اجازت مانگی۔ اورنگزیب کو یہ بات ناگوار گذری اور اُس نے جواب لکھ بھیجا کہ مَیں نے بھی اپنے باپ شاہجہان کو اسی قسم کا ایک خط لکھا تھا اور یہی عذر پیش کیا تھا جس کے جواب میں اعلیحضرت نے لکھا تھا کہ انسان کو ہر ہوا موافق آتی ہے سوا ہوائے نفس کے۔[1] لیکن شاہزادہ اعظم جُرأت کرکے اصرار کرتا گیا یہانتک کہ باپ نے اجازت دے دی۔

۱۱۱۸ھ یعنی (۱۷۰۶ء) میں اورنگزیب کی طبیعت پھر خراب ہوگئی لیکن بخار کی تیز حرارت اور جسم کی کمزوری کے باوجُود وُہ باقاعدہ پنجگانہ نماز ادا کرتا رہا۔ اب کی دفعہ حالت خراب ہوتی چلی گئی۔ حمیدالدین خان نے عرض کی کہ جوتشی کہتے ہیں کہ بادشاہ ایک ہاتھی اور قیمتی ہیرے اور جواہرات خیرات کرے، اورنگزیب نے جواب دیا کہ ہاتھی خیرات کرنا ہندُو جوتشیوں کی رسم ہے اور قاضی القضاۃ کو چار ہزار روپیہ بھیجے اور حکم دیا کہ غربا اور مساکین

---

[1] منوچی لکھتا ہے کہ جب اورنگزیب ملتان میں وائسرائے تھا تو اُس نے شاہجہان کو یہ خط لکھا تھا۔ شاہجہان کا جواب پاکر اورنگزیب نے داراشکوہ کو سفارش کے لئے لکھا۔ دارا نے اورنگزیب کے خط کے جواب میں اُس کو ایک محبت آمیز خط لکھا اور کہہ سُن کر باپ کو رضامند کرلیا اور دکن بھجوا دیا جہاں اورنگزیب جانا چاہتا تھا.... اُس کی یہ چال کامیاب ہوگئی کیونکہ وُہ دکن میں مغلیہ افواج کے ذریعہ اپنے قدم جمانا چاہتا تھا۔ دکن ایک زرخیز خطہ تھا جہاں ہر قسم کی خوردو نوش کی اشیاء، ہر قسم کا کپڑا اور مختلف اقسام کی معدنیات تھیں۔ وہاں سونا بھی افراط سے تھا (جلد اوّل ۱۸۸)

Marfat.com

میں یہ روپے تقسیم کر دو۔

مرض الموت کے وقت تمام ہندوستان اورنگزیب کے قبضہ میں آ چکا تھا صرف ترچناپلی اور جنوب کے پرتگیزی علاقے اور یورپین اقوام کے مقبوضات اُس کی مملکت کی حدود میں نہ تھے۔ جب اُس نے دیکھا کہ میرا آخری وقت قریب آگیا ہے اور میرے بیٹے حصولِ تخت و تاج کی خاطر خون کے دریا بہا دیں گے تو اُس نے ایک وصیّت نامہ لکھ کر تمام ہندوستان کے ممالکِ محروسہ کو شاہزادہ معظم۔ اعظم اور کام بخش میں تقسیم کر دیا۔ اور لکھا کہ اِس مُشتِ خاک کو نزدیک کے کسی قبرستان میں دفن کر دینا۔ یہ وصیّت نامہ اُس نے حمید الدین خان کے سپرد کر دیا۔

۲۸۔ ذیقعدہ جمعہ کے روز اورنگزیب نے اپنی حکومت کے اکیاون سال (۱۱۱۸ھ) میں صبح کی نماز پڑھی، اور کلمۂ شہادت پڑھا اور پہلے پہر میں اُس نے اپنی جان کو جان آفرین کے سپرد کر دیا۔ وفات کے وقت قمری حساب سے اُس کی عمر نوّے سال اور چند ماہ تھی۔ اُس نے پچاس سال اور ۲ ماہ حکومت کی، اور دولت آباد میں شیخ برہان الدین کے مزار اور شاہ زری زر بخش کے مزار کے پاس دفن کیا گیا۔ اُس کے کفن دفن کے اخراجات اُس رقم میں سے ادا کئے گئے جو قرآن کو نقل کرنے سے ملی تھی۔

مغلیہ سلطنت کا درہم برہم ہونا

اورنگزیب نے پیش بندی کر کے سلطنت کو اپنے بیٹوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ لیکن ہر شہزادہ تمام سلطنت پر قابض ہونا چاہتا تھا۔ پس کسی نے باپ کی وصیّت کی پرواہ نہ کی اور کہا کہ تلوار ہی اُس کی جانشینی کا صحیح فیصلہ کرے گی۔ معظم نے دونوں بھائیوں کو شکست فاش دی اور وہ ۱۷۰۷ء میں مارے گئے۔ معظم نے اپنا نام بہادر شاہ شاہِ عالم رکھا اور چار سال حکومت کر کے ۱۷۱۲ء میں فوت ہو گیا۔ اب اُس کے بیٹوں میں بھی حصولِ تاج کی خاطر جنگ چھڑ گئی اور جہاندار شاہ نے جنگ میں اپنے تینوں بھائیوں کو قتل کیا اور تخت نشین ہو گیا۔ لیکن تاجپوشی کے ایک سال بعد فرخ سیر نے اُس کو مروا ڈالا اور خود بادشاہ ہو گیا۔ سیّد برادران نے فرخ سیر کو اندھا کر کے قید کر دیا اور پھر اُس کو قتل کر کے اُنہوں نے پہلے رفیع الدرجات کو تخت پر بٹھایا اور پھر اُس کو قتل کر کے شاہجہان ثانی کو تخت پر بٹھایا۔ اُس کو بھی قتل کر کے اُنہوں نے رفیع الدولہ کو تخت پر بٹھایا۔ اُس کو بھی قتل کرنے کے بعد اُنہوں نے محمد شاہ کو تخت پر بٹھایا جس نے دکن کے

Marfat.com

نظام الملک کو ۱۷۲۲ء میں وزیر اعظم کا عہدہ دیا لیکن وُہ دکن پر قبضہ کر کے خُود بادشاہ بن بیٹھا۔
محمد شاہ کے عہد میں مغلیہ سلطنت کے صُوبے ایک ایک کر کے اُس کے قبضے سے نکل گئے۔
مرہٹوں نے دکن میں اپنی طاقت کو مستحکم کر لیا۔ بنگال پہلے ہی خُود مختار ہو چکا تھا۔ اب جاٹ بھی خُود مختار ہو گئے۔ روہیلوں نے روہیلکنڈ کی ریاست قائم کر لی۔ اِدھر سکھ مغلوں کے خُون کے پیاسے تھے۔ اُنھوں نے گورو بندہ سنگھ کے قتل کے بعد یہ عہد کر لیا تھا کہ وُہ اپنے گورو اور اُس کے چاروں بچوں کے قتل کا بدلہ لے کر چین لیں گے۔ سلطنت کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ انھوں نے اِس موقعہ کو غنیمت جانا اور بیراگی بندہ بہادر کی زیر سرکردگی مشرقی پنجاب پہ حملے کر کے مسلمان مردوں، عورتوں اور بچّوں کو قتل کرتے چلے گئے۔ اُنھوں نے مسجدوں کو تباہ و ویران کر دیا اور پنجاب میں غلبہ حاصل کر لیا۔[1]

۱۷۳۹ء میں نادر شاہ کے حملہ نے اور اس کے بعد احمد شاہ ابدالی کے حملوں (۱۷۴۷ء و ۱۷۵۷ء) نے سلطنت مغلیہ کے رہے سہے اقبال کا خاتمہ کر دیا۔

اورنگزیب کی موت کے بعد تیس سالوں کے اندر مُلکِ ہندوستان چھوٹی چھوٹی سلطنتوں بادشاہیوں اور ریاستوں میں تقسیم ہو گیا۔ حتیٰ کہ احمد شاہ کے زمانہ میں مغلیہ سلطنت دہلی کے ضلع تک ہی محدود رہ گئی۔ احمد شاہ ۱۷۵۴ء میں اندھا کر دیا گیا اور اُس کی جگہ عالمگیر ثانی تخت نشین ہُوا، جو جلدی قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد شاہجہان سوم بادشاہ ہُوا جو اُسی سال معزول کر دیا گیا، اور اُس کی جگہ عالمگیر ثانی کا بیٹا شاہ عالم ثانی بادشاہ ہُوا لیکن وُہ اپنے وزیر اعظم کے ہاتھوں جا بجا بھاگتا پھرا تا آنکہ وُہ انگریزوں کا وظیفہ خوار ہو گیا۔ جب وُہ ۱۸۰۶ء میں مر گیا تو اُس کا بیٹا اکبر ثانی ۱۸۳۷ء تک بادشاہ رہا۔ اس کے بعد مغلیہ سلطنت کا آخری تاجدار بہادر شاہ ثانی المتخلص بہ ظفر تخت پہ بیٹھا جس کا حکم صرف لال قلعہ کی چار دیواری میں ہی چلتا تھا۔ ۱۸۵۷ء کے فسادات کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی نے اُس کو جلاوطن کر کے کلکتہ بھیجدیا جہاں وُہ ۱۸۶۲ء میں مر گیا۔ یُوں اورنگزیب کی موت کے ڈیڑھ سو سال بعد مغلیہ سلطنت ختم ہو گئی۔

اورنگزیب کے تیرہ جانشین محض کٹھ پتلیوں کی سی حیثیت رکھتے تھے اور دُوسروں کے اشاروں پر چلتے تھے۔ مغل بادشاہوں کو نسلوں کی عیش و عشرت کی زندگی نے کسی کام کا نہ رہنے دیا۔ اُن میں بابر کی سی شجاعت اور ہمت کا نشان بھی نہ رہا تھا۔ نہ وُہ اکبر اور اورنگزیب

1. See Dr. Ganda Singh's Art. "The Sikhs-an Historical Background in Missionary. (Annual No. 1964. pp. 50 following)

Marfat.com

کی طرح مستقل مزاج سخت جان اور مشقت کے عادی تھے۔ اب وہ خوش پوش، بنے سنورے عیش کے دلدادہ اور آرام کے غلام تھے جو صرف جشنوں اور جلوسوں۔ میلوں ٹھیلوں وغیرہ مصرف کے رہ گئے تھے۔ اِن بادشاہوں کے اُمرا اور درباری ایسی عیش وعشرت کی زندگی بسر کرتے تھے جو شاہانِ ایران کو بھی نصیب نہ تھی۔ معمولی درباری کی آمدنی بادشاہِ بلخ سے بھی زیادہ ہوتی تھی۔ اعیانِ سلطنت اور ارکینِ دربار کے بچّوں کی تعلیم حرموں کے اندر ہوتی تھی، جہاں خواجہ سرا اور کنیزیں اُن کی تربیت کی ذمّہ دار تھیں اور غلام اُن کی ہر جائز و ناجائز خواہش کو پھُرتی سے بجا لاتے تھے۔ افسرانِ لشکر سب کے سب آرام طلب تھے اور ملکی افسر ملک کے حق میں ٹڈی دل تھے۔ اِن بادشاہوں اور اِن کے وزیروں، مشیروں، امیروں اور افسروں کے حق میں اقبالؔ مرحوم کا شعر صادق آتا ہے کہ ؎

میراث میں آئی ہے اُنہیں مسندِ ارشاد
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کا نشیمن

Marfat.com

باب دہم

عہد اورنگ زیب اور مسیحیت

فصل اوّل

عہدِ اورنگ زیب کی مسیحی کلیسیائیں

اورنگزیب اور انجمنِ عیسوی کے مُبلّغین

جب اورنگزیب ۱۶۵۸ء میں تخت نشین ہُوا تو مبلّغینِ انجمنِ عیسوی کا رہا سہا اثر بھی ختم ہونے لگا لیکن پچاس سالوں سے زیادہ کا اثر فوراً نہیں مٹ جاتا۔ چنانچہ منوچی ہم کو بتلاتا ہے کہ جب اورنگزیب تخت نشینی کے بعد کشمیر گیا تو اُس نے پادری بوسی کو اپنے ہمراہ جانے کا حکم دیا۔ اُن کی رُوحانی زندگی کی وجہ سے اُمرائے دربار مبلّغین کی بڑی قدر اور عزت کرتے تھے۔ منوچی لکھتا ہے کہ لاہور کا گورنر (صُوبہ دار) امانت خان مسیحیت کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتا تھا اور مسیحیوں کا خیرخواہ تھا۔ آصف خان کا بیٹا شائستہ خان اُن کا بڑا ہی خیرخواہ تھا۔ آصف خان کا داماد جعفر خان جو کہ اورنگزیب کا وزیر تھا، مبلّغین کا بڑا اور حقیقی خیرخواہ تھا۔ جب پادری بوسی ۲۰ جون ۱۶۶۰ء کے روز وفات پا گیا تو منوچی لکھتا ہے کہ مُغل اُمراء (اور بالخصُوص جعفر خان) کو بڑا رنج ہُوا۔ حالانکہ وُہ عموماً اِس بات کی پرواہ نہیں کرتے کہ عیسائی جیتے ہیں یا مرتے ہیں اور ہم سے لفظ "کافر" استعمال کئے بغیر بات نہیں کرتے۔ پادری مرحُوم ملکِ فلانڈرس کا باشندہ تھا اور اُمرائے دربار میں اپنے علم و فضل کی وجہ سے بڑا ہر دلعزیز تھا۔ چُونکہ وُہ دارا شکوہ کا مصاحب رہ چکا تھا اس لئے قدم پھونک پھونک کر رکھتا تھا۔ وُہ اپنے الفاظ کو تول کر بولتا اور اپنی چال کو نگاہ میں رکھتا تھا۔ وُہ دراز قد توانا انسان تھا جس کے چہرے سے رُعب ٹپکتا تھا۔ وُہ بڑا

Marfat.com

صاحب الرائے شخص تھا اور اوّل درجہ کا ریاضی دان تھا۔ چند لمحوں میں مشکل سے مشکل مسئلہ اور پیچیدہ سے پیچیدہ علمی قضیہ کو حل کر دیتا تھا جس کی وجہ سے وہ اورنگزیب کی نگاہوں میں بھی پسندیدہ شخص تھا۔ اورنگزیب اُس کو اپنے قریب رکھتا تھا اور اُس کی معاملہ فہمی، خداداد عقلِ رسا اور سلیقہ شعاری کی تعریف کیا کرتا تھا۔ اواخر عمر میں اُس کے دو مسیحی (جن کا اُس نے نکاح پڑھا تھا) مسیحیت کو ترک کر کے اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ اُن کے ارتداد پر بوسی پر اس قدر اثر ہوا کہ وہ اس صدمہ سے بیمار ہو گیا۔ اُس کو سرسام ہو گیا اور بالآخر اسی صدمہ اور رنج سے فوت ہو گیا۔ جب جعفر خان نے اُس کی وفات کی خبر سُنی تو اُس نے اورنگزیب کو کہا کہ آج علم و فضل کی اقلیم کا بادشاہ فوت ہو گیا ہے اور یہ اقلیم لاوارث ہو گئی ہے......
(جلد ۴ ص ۵۶)۔

" جب پادری بوسی فوت ہو گیا تو اُس کے ملازم (جو مرتد ہو کر مسلمان ہو گئے تھے) یہ کوشش کرنے لگے کہ مبلغین کا مال و اسباب اُن کو دیا جائے۔ اُنہوں نے قاضی کے پاس درخواست کی کہ چونکہ فرنگی پادری لاوارث مر گیا ہے پس اُس کا مکان اور مال و اسباب اُن کو عنایت کیا جائے۔ قاضی نے ایسا کرنے کا حکم صادر کر دیا۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر مبلغین جعفر خان کے حضور حاضر ہوئے اور اُس سے فریادی ہوئے۔ چونکہ جعفر خان متوفی مبلغ سے محبت رکھتا تھا اُس نے تمام حالات اورنگزیب کے گوش گذار کئے اور کہا کہ چونکہ متوفی نہ شادی شدہ تھا اور نہ تاجر تھا اور صرف ایک دینی ادارہ سے تعلق رکھتا تھا یہ جائداد اُس کی ذاتی جائداد نہ تھی اور اُس کے وارث دیگر مبلغین ہیں پس اورنگزیب نے حکم دیا کہ مکان وغیرہ انجمنِ مبلغین کے ہیں اور اُن کو دیئے جائیں"۔

پادری بوسی کی وفات کے بعد انجمنِ عیسوی کی پہلی سی وقعت نہ رہی کیونکہ باقی مبلغین بوسی کی سی عقل و فہم اور معاملہ شناسی کے اور اُس کے سے علم و فضل کے مالک نہ تھے۔ چنانچہ منوچی اِس واقعہ کا بیان کر کے آخر میں لکھتا ہے[1] " مبلغین کو نہایت حزم و احتیاط سے قدم پھونک پھونک کر چلنا پڑتا ہے تاکہ کسی معمولی لغزش سے بھی بنا بنایا کھیل بگڑ نہ جائے"۔

جزیہ اور مبلغین ہم بتلا چکے ہیں کہ اورنگزیب نے تمام غیر مسلموں پر قرآنی احکام کے مطابق ۱۶۷۹ء میں جزیہ لگا دیا تھا۔ یہ ٹیکس مبلغین پر بھی لگایا گیا۔ غربا سے ساڑھے تین روپیہ اور آسودہ حال لوگوں سے چودہ روپیہ سالانہ بطور جزیہ لیا جاتا

1. MANUCCI, VOL.2 PP 154-156.

Marfat.com

تھا غریب مُبلغین کو آسُودہ حال شمار کیا گیا۔ اُن کی کلیسیاؤں کے مسیحی پہلے ہی افلاس کا شکار تھے، اُن پر بھی جزیہ لگا دیا گیا۔ اب اکبر کا زمانہ تو تھا نہیں کہ مُبلغین سیدھے بادشاہ کے پاس عرض گذارتے۔ لاچار قہرِ درویش برجانِ درویش، جزیہ ادا کرنے لگے۔ لیکن وُہ مقامی حکام سے کہتے سُنتے رہے اور اُن کو رشوتیں بھی دیتے رہے لیکن سب بے سُود۔ تنگ آکر اُنہوں نے اورنگزیب کے پاس عرضداشت بھیجی اور گوا کے وائسرے کی بھی منت سماجت کی کہ وُہ اس معاملہ میں مداخلت کرے۔ لیکن گوا وائسرائے نے اورنگزیب کے دربار میں اس غرض کے لئے آدمی بھیجے لیکن اُن کی بھی شنوائی نہ دی۔

خُدا کا کرنا ایسا ہُوا کہ اِن دِنوں میں اورنگزیب کے محلوں میں ایک مسیحی خاتُون ڈونا جوُلیانا ڈیز ڈا کوسٹا Donna Juliana Diaz da Costa رہتی تھی۔ اُس کے والدین ۱۶۳۳ء میں ہگلی سے قید ہوکر آگرہ لائے گئے تھے۔ جوُلیانہ آگرہ میں ۱۶۵۷ء کے قریب پیدا ہُوئی جہاں اُس کی ماں کسی بیگم کی کنیز تھی۔ بیگم نے فوت ہونے سے پہلے ماں کو آزاد کر دیا۔ بڑی ہوکر جوُلیانہ شہزادہ معظم (بہادر شاہ) کی ماں راجپوت شہزادی نواب بائی کی خادمہ ہوگئی۔ وہاں اورنگزیب کے حرم میں اُودھے پوری بھی تھی جو مُلک جارجیا کی مسیحی خاتُون تھی۔ ان دونوں کی سفارش سے اورنگزیب نے مبلغین اور اُن کے ملازموں کو ۱۶۸۶ء میں جزیہ سے آزاد کر دیا۔ یہ فرمان اَب کھو گیا ہے اور اس میں دیگر کاغذات میں تصریحاً لکھا تھا کہ جوُلیانا خاتُون کی سفارش سے یہ فرمان جاری کیا گیا تھا۔ جب امینِ جزیہ جس کے نام یہ فرمان تھا مر گیا تو مُبلغین کے وکیل نے ۱۶۹۳ء میں درخواست کی کہ ایک اَور پروانہ دیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ ایک اور پروانہ دیا گیا جس کی نقل حسب ذیل ہے۔ اصل فرمان (۱۶۸۶ء) کے مُطابق آگرہ کے مُبلغین اور ملازم مفلس و درویش ہونے کی بنا پر مستثنےٰ کیے گئے تھے، لیکن اِس پروانہ کی رُو سے صرف مُبلغین کو ہی مستثنےٰ کیا گیا۔

لہ

(مہر) اسدخان بندہ بادشاہ عالمگیر غازی سن ۱۱۰۳ھ

متصدیانِ حال و استقبال جزیہ ذمیان سکنہ بلدہ مستقر الخلافہ اکبرآباد بدانند کہ قبل ازیں بموجب سیاہہ رُوح اللہ خان مرحوم در بابِ موقُوفی جزیہ پنج نفر پادری معہ وابستگان پروانہ بنام شیخ محمد سعید مغفور امین سابق جزیہ آنجا نوشتہ شدہ بود۔ دریں ولا وکیل آنہا التماس نمودہ کہ

لہ آمد و خرچ کا روزنامچہ کے متعلقین۔

ایں حال سند بنام خود میخواہد۔ اُمیدوار است کہ پروانہ بنام متصدیانِ حال و استقبال جزیہ آں محال[1] مرحمت شود۔ لہٰذا قلمی میگردد کہ درباب اخذ جزیہ رتور وغیرہ پادری کہ اسم آنہا در ضمن[1] مرقوم شدہ بموجب حکم سابق مزاحم نشوند۔ دریں باب تاکید بلیغ دانند۔

فی التاریخ نہم شہر جمادی الثانی سن ۳۷ از جلوس میمنت مانوس تحریر یافت۔

اِس پروانہ کی پُشت پر یہ لکھا ہے:۔ (۱) پروانہ ضمن باسم رتور وغیرہ پادری کہ حسب الحکم والا جزیہ آنہا موقوف است ۔ (۲) پنج نفر معہ وابستہا پادری رتور[2]۔ پادری میکل۔ پادری جان امانول۔ پادری عناس۔ پادری دیوک ۔ (۳) بتاریخ ۱۲ شہر رجب سن ۳۷ نقل در سررشتہ صوبہ رسیدہ ۔ (۴) بتاریخ ۱۱ شہر جمادی الثانی سن ۳۷ داخل سیاہہ حضور نمودہ شد (۵) موافق احکام است (۶) موافقِ دفتر است ۔ (۷) ملاحظہ شد ۔

جب اَورنگزیب کا بیٹا بہادر شاہ تخت نشین ہُوا تو اُس نے ۱۷۰۸ء میں مبلّغین اَور اُن کے دس ملازموں کو جزیہ سے آزاد کر دیا۔ فرخ سیر نے بھی ۱۷۱۵ء میں اَور محمد شاہ نے ۱۷۲۶ء میں مُبلّغین کو اِس بنا پر جزیہ سے مُستثنیٰ کر دیا کہ وُہ "فقرائے قومِ عیسائی" ہیں۔

اَورنگزیب کے عہد میں مبلّغینِ انجمنِ عیسوئی کو ایک اَور مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ اُن کی اقتصادی اَور مالی حالت پہلے ہی خراب تھی، اَب وُہ ابتر ہوگئی کیونکہ گوآ کی حکومت نے اُن کو روپیہ بھیجنا بند کر دیا تھا۔ اِدھر پرتگیزوں کو انگریزوں اَور ولندیزوں کے ہاتھوں شکست پر شکست مل رہی تھی۔ اِس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ اورنگزیب گوآ کی حکومت کی پروا نہیں کرتا تھا اَور چونکہ وُہ مُبلّغین کو پرتگیزی حکومت کے مانند بے تصوّر کرتا تھا وُہ مبلّغین کو بھی خاطر میں نہ لاتا تھا۔ اُس کے عہد میں مبلّغین کا مذہبی وقار بھی کم ہوگیا تھا کیونکہ اُن کے پاس علم وفضل نہ تھا۔ سیاسی اقتدار اُن کو حاصل نہ تھا۔ اُن کی مالی حالت خوشحال طبقہ کی نہ تھی۔ اب اُن کی کلیساؤں میں مرزا سکندر اَور مرزا ذوالقرنین جیسے بھی نہ رہے تھے جو خیرات میں اُن کو اپنی جائداد چھوڑ جاتے۔ اب وُہ (جیسا برنئے لکھتا ہے) صرف تبلیغ کا کام ہی کر سکتے تھے اَور وُہ بھی صرف ہندوؤں میں، کیونکہ جیسا ہم آگے چل کر ذکر کریں گے، اہلِ اسلام میں اشاعت انجیل کا کام ممنوع تھا۔ پس اُن کی مساعی جمیلہ صرف عیسائیوں کی دیکھ بھال اَور اُن کے ایمان کو مُستحکم کرنے اَور عبادتوں تک ہی محدود رہ گئی تھیں۔ اَوّلین مُبلّغین اکبر اَور جہانگیر اَور اُمرا و رؤسا کو مسیح کے قدموں میں لانے کے خواب دیکھا کرتے

---

[1] جگہ [1] حاشیہ [2]: Diak, Anas, John Emmanuel Michael. Rator
(برکت اللہ)

Marfat.com

تھے گو وُہ خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہُوئے لیکن اورنگزیب کے زمانہ میں مُبلغین کو اس قسم کے خواب دیکھنے کا کبھی وہم وگمان بھی نہ ہُوا۔

اورنگزیب کی موت کے پچاس سال بعد انجمنِ عیسوی کی حالت مغرب کے ممالک میں بھی بد سے بدتر ہوتی گئی۔ اس کا ردِعمل مغلیہ سلطنت میں انجمن کی شاخوں پر پڑا۔ ۱۷۵۹ء میں شاہِ پرتگال نے اس انجمن کے تمام شرکا کو پرتگیزی مقبوضات سے خارج کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ گوآ کا مرکزِ انجمن ختم کر دیا گیا اور اس کے خاتمہ نے مغلیہ سلطنت میں جو انجمن کی شاخیں تھیں، اُن کو بند کر دیا۔ یُوں ایک مسیحی تبلیغی انجمن جو ایک مسلمان بادشاہ (اکبر) نے اصرار کر کے آگرہ میں قائم کی تھی، اُس کو پرتگال کے مسیحی بادشاہ نے بند کر دیا۔ ۱۷۶۴ء میں لُوئی پانزدہم شاہِ فرانس نے انجمن کا فرانسیسی مقبوضات میں خاتمہ کر دیا۔ ۱۷۷۳ء میں پوپ کلیمنٹ چہاردہم نے انجمنِ عیسوی کو ممنُوع قرار دے کر توڑ دیا جب سلطنتِ مغلیہ دم توڑ رہی تھی۔ انجمن کی مُختلف شاخیں جو ہندوستان کے مختلف شہروں میں تھیں فرانسسکی، کارملی وغیرہ انجمنوں نے سنبھال لیں۔

اورنگزیب اور مسیحیت

اورنگزیب کٹر سُنّی مسلمان تھا اور اشاعتِ اسلام کا دل سے خواہاں تھا۔ وُہ نہ صرف مسیحیت کی تبلیغ و اشاعت کو روکنا چاہتا تھا بلکہ بعض اوقات خود مسیحیوں سے بحث کر کے اُن کو حلقۂ اسلام میں لانا چاہتا تھا۔ چنانچہ ایک انگریز سیاح جان کیمبل (John Campbell) لکھتا ہے کہ اورنگزیب نے اس سے اعتراضات کے جواب مانگے تو اس نے بادشاہ کے حضور بنی نوعِ انسان کا گُنہگار ہونا، نجات دہندہ کی ضرُورت وغیرہ مسیحی مسائل کا ذکر اذکار کیا۔ آخر میں اُس نے اورنگزیب کو کتابِ مُقدّس کی ایک جلد دکھائی جس میں سے وُہ مقامات نکال کر بادشاہ کے اعتراضات کا جواب دیتا تھا۔ بادشاہ نے بڑی عزّت وتکریم سے کتابِ مُقدّس کی جلد کو لیا اور اُس کو بوسہ دیا۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ اُس نے انجمنِ عیسوی کے مُبلغین کو طلب کر کے کہا کہ ہم کو انجیل کا وُہ نُسخہ دو جو ہمارے آباؤ اجداد کے زمانہ میں مبلغین نے فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔ ہم اس کو پڑھنا چاہتے ہیں۔ جب علمائے اسلام کو اس بات کی خبر ہُوئی تو وُہ اورنگزیب کی خدمت میں حاضر ہُوئے اور اُنہوں نے کہا جہاں پناہ، فرنگیوں نے اصل انجیل کو محرّف کر دیا ہے اور اب جو انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہُوئی تھی، وُہ صفحۂ ہستی سے نابُود ہو گئی ہے۔ عالم پناہ اس نقلی انجیل کو پڑھ کر اپنا قیمتی وقت ضائع کریں گے۔ مُلّاں کی بات سُن کر اورنگزیب نے اس خیال کو ترک کر دیا۔

Marfat.com

مسیحی عبادتیں :- ہم اُوپر ذکر کر آئے ہیں کہ شاہجہان نے آگرہ کے عالیشان گرجا گھر کو منہدم کر دیا تھا، لیکن چند سالوں کے بعد یہ اجازت دی کہ ایک معمولی مکان میں مسیحی پوشیدگی میں عبادت کر لیا کریں۔ اورنگزیب کے عہد میں حکامِ آگرہ کو مسیحیوں کا عبادت کے لئے جمع ہونا بھی ناگوارِ خاطر معلوم ہوتا تھا اور وُہ پوشیدگی میں عشائے ربانی کی نماز ادا کیا کرتے تھے ایسا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی تھی۔ لیکن حکام کی پھر بھی خاطر جمعی نہ ہُوئی اور وُہ مسیحی عبادتوں کو بند کر دینا چاہتے تھے۔ لیکن مُبلغین اس پر اڑے رہے اور اُنہوں نے کہا کہ اگر ہم کو چھپ کر بھی نماز ادا کرنے نہ دو گے تو ہم علانیہ گلی کوچوں میں ہر جگہ عبادت کیا کریں گے۔ اس پر حکام نے عبادتوں کو بند نہ کیا، اور دھمکیاں دے کر چلے گئے۔ مُبلغین نے خوف کے مارے دن کے وقت عبادت کرنا بند کر دیا اور رات کے وقت عبادتیں کرنے لگے۔

ہم لکھ چکے ہیں کہ اورنگزیب کو تصویروں سے نفرت تھی کیونکہ شریعتِ اسلام ان کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ پس اُس نے حکم دیا کہ عبادت گاہوں میں تصاویر کا رکھنا ممنوع ہے۔ اُس نے حکم دیا کہ مورتیں تباہ کی جائیں خواہ وُہ کہیں ہوں۔ منوچی ہم کو بتلاتا ہے کہ پادری بُوسی کی وفات کے بعد ایک مبلغ کی ذراسی چوک سے تمام مُبلغین کی شامت آگئی، اور اُن میں سے بعض ملک بدر کر دیئے گئے۔ ایک مُخبر نے خبر دی کہ قبلۂ عالم۔ اب ہندو مندر نظر نہیں آتے لیکن یہ مُبلغین حضُور کے حُکم کی خلاف ورزی کر کے مورتی پُوجا کرتے ہیں۔ اورنگزیب نے حُکم دیا کہ اُن کے گھروں کی تلاشی لی جائے اور اگر کوئی مورتی برآمد ہوں تو اُن کے ادارہ کو تباہ کر دیا جائے۔ لیکن مُبلغین کو اس حُکم کی بروقت خبر ہو گئی اور اُنہوں نے صلیب کے سوا تمام تصویروں اور مورتیوں کو گرجا اور مکانوں سے باہر بھیجدیا۔ کوتوال نے بہتیرا ڈھونڈا لیکن کسی قسم کا کوئی بُت برآمد نہ ہُوا اور یُوں آئی بلا ٹل گئی۔ (جلد ۲ صفحہ ۲۲۵)

حکامِ آگرہ نے اُس مکان کے آگے جہاں مسیحی عبادت کرتے تھے ایک مسجد تعمیر کر دی تاکہ مُبلغین اور مسیحیوں کے وجُود کا اثر زائل ہو جائے۔ مُبلغین نے اپنے میں یہ جرأت نہ پائی، کہ صدائے احتجاج بلند کریں اور مسیحی بھی ڈر کے مارے خاموش رہے۔ لیکن شہرِ آگرہ میں مسجدیں اس کثرت سے تھیں کہ بہت کم لوگ اِس مسجد میں آکر نماز پڑھا کرتے تھے اور چند سالوں کے اندر یہ مسجد ویران ہو گئی۔

مسیحی اور جزیہ :- سطورِ بالا میں ہم ذکر کر آئے ہیں کہ اورنگزیب کے وقت سے جزیہ غیر مسلموں

پر لگایا گیا۔ ہندوستانی مسیحی غریب طبقہ کے لوگ تھے لیکن ان کو بھی جزیہ ادا کرنا پڑتا تھا۔ بالعموم ساڑھے تین روپیہ سالانہ جزیہ کے طور پر حکومت کو دینا پڑتا تھا۔ اگر کوئی مسیحی افلاس کے ہاتھوں لاچار ہو کر جزیہ ادا نہ کرتا تو اُس کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جاتی تھی۔ عام طور پر یہ مسیحی اپنے پیٹ پر پتھر باندھ کر جزیہ کی رقم ادا کر دیا کرتے تھے، کیونکہ جب وُہ اپنی مفلسی کا عذر کرتے تھے تو اُن کو بُری طرح زدوکوب کیا جاتا تھا اَور بعض تو اپنا گھر بار چھوڑ کر مفرور ہو جاتے یا چھپ جاتے تھے۔ ایسوں کا مال اسباب قرق کر کے جزیہ وصُول کر لیا جاتا تھا۔ اَورنگزیب اَور اُس کے جانشین بادشاہوں نے مُبلغین کو (جیسا ہم سطُورِ بالا میں لکھ چکے ہیں) جزیہ سے مفلس درویش ہونے کی بناء پر آزاد کر دیا لیکن آگرہ اَور سلطنت کے دیگر حصّوں کے افلاس زدہ مسیحیوں کو مُستثنےٰ نہ کیا گیا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ آگرہ کے ایک مسیحی نے بھی جزیہ سے آزاد ہونے کی خاطر اپنے ایمان کو نہ چھوڑا اَور باوجُود مرغبات کے اُن میں سے کسی نے اسلام اختیار نہ کیا۔

اشاعتِ مسیحیت پر قیود۔ اکبر اَور جہانگیر کے عہد میں مبلغین اکثر اوقات جمُعہ کے روز مسجدوں میں چلے جایا کرتے تھے اَور بے دھڑک ہو کر مُسلمانوں کو مُنجیٔ عالمین کی نجات کا پیغام دیا کرتے تھے اَور مسلمان بڑے امن وسکون کے ساتھ سنتے تھے۔ یہانتک کہ جب وُہ دریدہ دہنی سے قرآن اَور نبیٔ اسلام کے خلاف بولتے تھے تب بھی وُہ اُن سے علانیہ تعرض نہ کرتے بلکہ یہ کہہ کر چلے جاتے کہ ایسی باتوں کا سُننا بھی کُفر ہے اَور مباحثہ کرنے سے انکار کر دیتے تھے لیکن اَورنگزیب جیسے مسلمان بادشاہ سے یہ اُمید رکھنی عبث تھی کہ وُہ انجیل اَور مسیحیت کی تبلیغ واشاعت کو گوارا کرے گا۔ مُبلغین اِس حقیقت سے بخُوبی واقف تھے۔ اگرچہ اُن کے پاس اکبر اَور جہانگیر کے شاہی فرمان تھے جن کی رُو سے اُن کو مسیحیت کی اشاعت وتبلیغ کا حق حاصل تھا لیکن اَورنگزیب نے ان فرمانوں کی تجدید نہیں کی تھی۔ مُبلغین کو یہ خوف تھا کہ یہ کاغذی حق بھی اُن سے چھینا جائے گا۔ اُن کو اس بات کا بھی علم تھا کہ شاہجہان نے حکم دیا تھا کہ اہلِ اسلام میں انجیل کی اشاعت ہونے نہ پائے اَور کہ مسلمانوں کو یہ آزادی حاصل نہیں (جو اکبر اَور جہانگیر نے دے رکھی تھی) کہ وُہ اپنا مذہب ترک کر کے مسیحیت کو اختیار کر سکتے ہیں۔ گو مُبلغین اس حکم کو بے معنی اَور بے ضرورت سمجھتے تھے کیونکہ کوئی مسلمان شریعت ارتداد کے خوف سے اسلام کو ترک نہ کرتا تھا لیکن شاہجہان کا یہ حکم شرع کے مُطابق تھا۔ اورنگزیب کے عہد میں بھی اُس پر عملدرآمد ہوتا تھا۔ پس مُبلغین نہ تو اہلِ اسلام میں تبلیغِ انجیل کر سکتے تھے اَور نہ اہلِ اسلام علانیہ منجیٔ جہان پر ایمان لا سکتے تھے۔ ہاں خُفیہ طور پر چند مسلمان ضرور

Marfat.com

مسیحیت کے حلقہ بگوش ہو گئے تھے لیکن کلیسیا کے لئے ان کو ہونا نہ ہونے کے برابر تھا کیونکہ وہ اپنے ایمان کو خفیہ رکھتے تھے اور کسی پر ظاہر ہونے نہ دیتے تھے اور کسی دوسرے مسلمان کو مسیحی ہونے کی دعوت نہ دیتے تھے اور نہ دے سکتے تھے۔ چنانچہ ان ایام میں شاذونادر ہی کوئی مسلمان اپنی جان کو ہتھیلی پہ رکھ کر اسلام کو ترک کر کے مسیحیت کا حلقہ بگوش ہوتا تھا۔ یہ حکم نہ صرف آگرہ اور دہلی وغیرہ بڑے شہروں میں نافذ تھا بلکہ اورنگزیب کی تمام سلطنت یعنی تمام ملک ہندوستان کے طول و عرض پر حاوی تھا۔ یہاں تک کہ ریاست جے پور میں (جو ہندوؤں کی ریاست تھی اور جس کا باجگذار راجہ نہایت طاقتور شخص تھا) راجہ جے سنگھ سوائی ثانی نے حکم دے رکھا تھا کہ اس کی ریاست کا کوئی مسلمان اپنا مذہب ترک کر کے مسیحیت اختیار نہیں کر سکتا۔ چنانچہ منوچی ہم کو بتلاتا ہے کہ اڑتالیس (۴۸) سالوں کے طویل عرصہ میں اس نے ایک مسلمان کو بھی مسیحیت اختیار کرتے نہیں دیکھا! (جلد ۲ صفحہ ۴۵۲)

جب مبلغین نے دیکھا کہ اہلِ اسلام میں تبلیغ انجیل بیکار ثابت ہو رہی ہے تو انہوں نے اپنی توجہ ہندو اکثریت کی طرف مبذول کی چنانچہ پیرارڈ ڈے لاوال Pyrard De Laval لکھتا ہے کہ مبلغین کہتے تھے کہ "پچاس چھوڑ سو ہندوؤں کو مسیحی کر لینا آسان ہے لیکن ایک مسلمان کو مسیحی کرنا از حد مشکل ہے"۔ (جلد ۲۔ حصہ اوّل صفحہ ۲۵۲)

یہ ایک کھلی حقیقت تھی کہ اکبر اور جہانگیر کے بعد نو مریدوں کی زیادہ تعداد اہلِ ہنود سے مشرف بہ مسیحیت ہو رہی تھی اور خال خال مسلمان مسیحیت کو قبول کرتے تھے۔ مبلغین نے قرآن و حدیث کا مطالعہ کرنے کی بجائے سنسکرت زبان اور ہندو دھرم پستکوں کا مطالعہ کرنا شروع کیا۔ پادری روتھ نے ایک برہمن کی مدد سے (جو مسیحیت کی جانب مائل تھا) چھ سالوں کے اندر سنسکرت کا علم اچھی طرح حاصل کر لیا اور یورپ کے مستشرقین کو بھی اس زبان سے شناسا کیا۔ اس نے دعائے ربانی اور دیگر فقروں کو جو عام طور پر عبادت میں استعمال ہوتے تھے سنسکرت میں منتقل کیا اور اس زبان کی صرف و نحو بھی تیار کی۔

جب اورنگزیب نے دیکھا کہ ہندو مسیحیت کو اختیار کرنے لگ گئے ہیں تو اس نے ۱۶۸۵ء میں یہ فرمان جاری کیا کہ اہل ہنود اپنے مذہب کو ترک کر کے اسلام کے سوا کوئی دوسرا مذہب اختیار نہیں کر سکتے۔ پس ہندو بھی مسیحی ہوتے ہچکچاتے تھے اور خفیہ طور پر بپتسمہ پاتے تھے، لیکن اورنگزیب کے حکم سے ہندوؤں کے زمرے سے لوگ اسلام کے حلقہ بگوش نہ ہوتے تھے

Marfat.com

اور زمین ساوں کے بعد اُس کا یہ حکم محض کاغذی حکم رہ گیا اور ہندو بحسبِ سابق مسیحیت کو اختیار کرنے لگ گئے۔ لیکن یہ سب کچھ پوشیدگی ہی میں ہوتا تھا۔ ہندوستانی مسیحی اور مبلغین سب کے سب خوف کے مارے نہ کچھ علانیہ کہتے تھے اور نہ کچھ کہتے تھے۔ اُن کو ہمیشہ یہ اندیشہ دامنگیر رہتا تھا کہ مبادا اُن کی زبان سے کوئی ایسا لفظ نکل جائے جس کو قرآن و محمد کی شان کے خلاف گستاخی تصور کر لیا جائے اور اُن کو قاضی کی عدالت میں گھسیٹا جائے۔ پس کلیسیا کے تمام شرکا اس بات کا خاص خیال رکھتے تھے کہ وُہ قرآن اور اسلام کی نسبت اپنی زبان پر کوئی کلمہ نہ لائیں اور اگر اُن کو مجبوری طور پر ایسا کرنا پڑے تو وُہ چپے تُلے الفاظ ہی اپنی زبان سے نکالیں۔ محکمۂ احتساب کے مُخبر ہردم اُن کے اقوال و افعال اور نشست و برخاست کی کڑی نگرانی کرتے تھے۔ اگر اُن سے کوئی چُوک ہو جاتی تو وُہ قاضی کے رُو برُو گھسیٹے جاتے تھے اور اسلام قبول کرنے پر مجبور کئے جاتے تھے۔ اگر وُہ دعوتِ اسلام کو منظور نہ کرتے تو وُہ بیدریغ قتل کر دیئے جاتے تھے۔ اگر کوئی مسلمان خُفیہ طور پر بھی کسی مبلغ کے گھر جاتا تو محتسب کے عملہ کے ملازم اُس مسلمان کی نقل و حرکت کو بھی نگاہ میں رکھتے تھے۔ چنانچہ منوچی لکھتا ہے کہ "شاہجہان کا ایک غلام تھا جس کا نام سعادت خان تھا۔ جو عورتیں ہگلی کے فتنہ کے بعد قید ہو کر آگرہ آئی تھیں، اُن میں سے ایک پُرتگیز عورت کو شاہجہان نے اِس غلام کو دیدیا تھا۔ یہ عورت عیسائی تھی اگرچہ وُہ ایک مسلمان کے گھر میں رہتی تھی اور مسلمانوں کی سی طرزِ رہائش رکھتی تھی۔ ۱۶۷۰ء کا ذکر ہے جب مَیں آگرہ میں تھا تو وہاں کا قاضی میرا ایک دوست تھا۔ اُس نے مجھے بُلوا بھیجا۔ جب مَیں گیا تو اُس نے مجھے کہا کہ "یہ پُرتگیز عورت اَب بھی مبلغین کے گھر آتی جاتی ہے۔ اس کو سمجھاؤ کہ وُہ ایسا نہ کیا کرے ورنہ مجھے اُس کے خلاف کارروائی کرنی پڑے گی۔ اگر مَیں نے اس کو آنے جانے دیا اور بادشاہ کو اس بات کا پتہ چل گیا تو میری بھی شامت آجائے گی۔" (جلد اوّل ص ۲۰۲)

غرضیکہ سلطنتِ مغلیہ کے ہر چھوٹے بڑے شہر اور قصبہ میں مسیحی ہر وقت خوفزدہ ہو کر رہتے تھے اور ترساں و لرزاں اپنی زندگی کے دن پُورے کرتے تھے لیکن وُہ اِس مشکل اور مصیبت کے زمانہ میں بھی اپنے ایمان کو تھامے رہے۔ محکمۂ احتساب کا عملہ کسی مسیحی کو نہ چھوڑتا تھا خواہ وُہ چھوٹا ہوتا یا بڑا۔

ہم گذشتہ ابواب میں مرزا ذوالقرنین کا ذکر کر چکے ہیں۔ اُس کی وفات کے بعد اُس کا خاندان تباہ ہو گیا۔ اُس کی بیوہ بیچاری ٹکڑوں کی محتاج ہو گئی اور اب اُس کو مبلغین وظیفہ دینے

Marfat.com

تھے۔ اُس کے دو بیٹے باپ کی حینِ حیات میں جاں بحق ہو گئے تھے۔ تیسرا بیٹا مرزا وانیال ایسا تباہ حال ہو گیا کہ اُس نے مجبور ہو کر اسلام اختیار کر لیا۔ لیکن اُس کی ضمیر اُس کو از حد ملامت کرتی رہی ایسا کہ اُس نے اپنے کئے پر پچھتا کر ایک بڑی صلیب بنوائی جس کو اُس نے اپنے کندھوں پر رکھا، اور ایک رسّہ گردن میں باندھ کر دہلی شہر کے گلی کوچوں میں پھرنے لگا۔ وہ بُلند آواز سے اپنے ارتداد کے گناہ کا اقرار کیا کرتا تھا اور خُدا سے مُعافی کا خواستگار ہوتا تھا۔

مسیحیوں کی ایذا رسانی اور قتل

اورنگزیب کے عہد میں مُبلغین اور کلیسیا کے مسیحی شر کا پھونک پھونک کر چلتے تھے کیونکہ اُن کی ہر ایک بات کی گرفت ہوتی تھی۔ اُن کو اس بات کا خاص خیال رکھنا پڑتا تھا کہ مبادا کوئی اُن کے قول و فعل کا غلط مطلب پیش کر کے اُن کو پھنسا دے۔ نام نہاد پرتگیز مسیحی اس موقعہ سے فائدہ اُٹھا کر اُن کو ہر وقت دھمکیاں دے کر روپیہ اینٹھ لیا کرتے تھے۔ اور جب اِن نادار مسیحیوں یا مفلس مبلغوں سے روپیہ نہ ملتا تو اُن کے خلاف قاضی اور محتسب کے ملازموں کو جھوٹی رپورٹیں کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ اُنہوں نے ایک دفعہ آگرہ کے قاضی کے حضور شکایت کی کہ مُبلغین قرآن اکٹھے کر کے یورپ بھیجتے ہیں جہاں رسُول عربی کی مُورتیں بنا کر اُن کو اور قرآن کی نقلوں کو ہر سال جلا دیا جاتا ہے۔ اس قسم کی بے بنیاد اور لغو شکایات کی بناء پر بعض مُبلغین کو مُلک بدر کر دیا گیا۔

جو شخص اسلام کو ترک کر کے مسیحیت قبول کر لیتے تھے اُن کو شریعتِ ارتداد کے مُطابق قتل کر دیا جاتا تھا۔ چنانچہ ایک سیّاح کیمبل (J. Campbell) ہم کو بتلاتا ہے کہ ایک مُسلمان جعفر نے ۱۶۶۸ء میں خُفیہ طور پر بپتسمہ حاصل کر لیا۔ اُس کے کسی دشمن نے مُخبری کر دی۔ ان ایام میں اورنگزیب دہلی میں تھا۔ اُس نے مُبلغین کو بُلوا بھیجا۔ اُنہوں نے زبان نہ کھولی۔ ہندوستانی مسیحیوں سے پُوچھا گیا۔ اُنہوں نے بھی خاموشی اختیار کر لی۔ اُن کو زد و کوب کیا گیا۔ بید لگائے گئے لیکن وہ حرفِ مطلب زبان پر نہ لائے۔ بادشاہ نے جعفر کو خود سمجھایا لیکن وہ نہ سمجھا۔ اس پر اورنگزیب نے غضب میں آکر کہا "بہ جہنم برو" اور وہ قتل کر دیا گیا۔

جب کوئی پردیسی مسیحی جاہ یا زر یا عزت کے لالچ سے مسیحیت کو ترک کر کے اسلام اختیار کر لیتا تھا تو مُبلغین ہر ممکن کوشش کر کے اُس کو واپس مسیح کے قدموں میں لانے کی کوشش کرتے تھے۔ مثلاً منوچی ہم کو بتلاتا ہے کہ ۱۶۶۶ء میں ایک فرانسیسی جراح (سرجن) میں اور اُس کی

Marfat.com

بیوی کی خاطر میں نزاع ہو گئی۔ یہ خالہ علی مردان خان گورنر قندھار کی زوجہ تھی۔ وُہ چاہتی تھی کہ فرانسیسی ڈاکٹر اور اُس کا خاندان بھی مسلمان ہو جائیں لیکن ڈاکٹر مسیحیّت سے رُوگردانی کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس پر اُس کو گرفتار کیا گیا اور اسلام کی دعوت دی گئی جس کو اُس نے قبول نہ کیا پس اُس کو قتل کر دیا گیا۔ مُبلّغوں نے اُس کے ایک بیٹے کو ہنگری بھجوا دیا اور یوں اُس کو اسلام کا حلقہ بگوش ہونے سے بچا لیا۔ (جلد چہارم ص۲۔ ملاحظہ ہو اَروِن (Irvine) کا نوٹ جو اس واقعہ کے متعلق لکھا ہے)

منوچی لکھتا ہے کہ اورنگزیب کے دربار کا ایک امیر تھا جس کا نام قاضی میر تھا۔ وُہ شاہزادہ شاہ عالم بہادر شاہ (جو اورنگزیب کے بعد تخت نشین ہُوا) کا مشیر اور صلاحکار تھا لیکن شاہزادہ اُس کے مشوروں پر عمل نہیں کرتا تھا پس وُہ اُس کو چھوڑ کر مکہ چلا گیا۔ جب وُہ واپس آیا تو اُس نے ایک کتاب لکھی جس میں عہدِ عتیق اور اناجیل کے حصص کا اقتباس تھا[۱]۔ اورنگزیب نے چار سَو علما کو طلب کیا اور حکم دیا کہ کتاب کے مطالعہ کے بعد فتویٰ صادر کریں۔ قاضی میر کو قید کر لیا گیا۔ دو سال کے بعد اُس کو زندان سے نکال کر کہا گیا کہ جو کتاب تُم نے لکھی ہے اُس سے توبہ کرو۔ قاضی نے جواب دیا کہ جو مَیں نے اِس کتاب میں لکھا ہے صحیح لکھا ہے۔ رہی توبہ۔ سو وُہ آپ کو کرنی چاہیئے کیونکہ آپ نے دینِ حق کی پرواہ نہیں کی اور احکامِ خُدا کے برخلاف آپ نے اپنے والد ماجد کو قید کر رکھا ہے بھائیوں کو قتل کر دیا ہے اور شہزادوں اور اُمرائے سلطنت سے سختی کا برتاؤ کیا ہے۔ اورنگزیب نے غضب میں آکر کہا کہ قرآن مجید میں کفار کو تباہ کرنے اور قتل کرنے کا حکم ہے۔ قاضی میر نے جواب دیا کہ مَیں احکامِ الٰہی کی بات کرتا ہُوں قرآنی احکام کی بات نہیں کرتا۔ اس پر اورنگزیب کے حُکم سے وُہ شہید کر دیا گیا۔ (جلد چہارم ص۱۱۷۔۱۱۹)۔

ہم جلدِ سوم میں بتلا چکے ہیں کہ ہر اسلامی مُلک کے فرمانرواؤں کی یہ انتہائی کوشش تھی کہ مسیحیوں کو اسلام کا حلقہ بگوش کریں۔ چنانچہ منوچی لکھتا ہے کہ "اِنہی ایام میں اصفہان میں ایک فرانسیسی مُبلّغ ریفائیل ڈُمان Raphael du Mans تھا جس کی شاہِ ایران اور اُمرائے سلطنت بڑی عزت کرتے تھے۔ ایک روز ایک مسلمان عالم نے اُس کو بر سرِ دربار پُوچھا کہ آپ جیسا عاقل شخص کیونکر مان سکتا ہے کہ حضرت مسیح جو بشر تھے نعوذ باللہ خُدا ہیں؟" مُبلّغ نے کہا کہ مَیں اس سوال کا جواب کل دُوں گا۔ اگلے روز دربارِ عام میں عُلما و فضلا کا ایک بڑا مجمع اکٹھا ہو گیا تاکہ مُبلّغ کا جواب سُنیں۔ مبلّغ نے آکر قاضی سے خطاب کر کے کہا "مَیں کل کے سوال کا جواب پیچھے دُونگا آپ پہلے میرے ایک مقدمہ کا فیصلہ کریں۔ یہاں میرے پاس ایک دستاویز ہے جس کی رُو سے فلاں

[۱] غالباً اس کتاب میں اسلام اور مسیحیّت کا موازنہ کیا گیا تھا۔

Marfat.com

نے (جو یہاں حاضر ہے) میرا قرض دینا ہے"۔ وہ شخص غصہ سے بولا، یہ پادری جھوٹ بولتا ہے۔ مَیں نے نہ تو اِس پادری کا کوئی قرض دینا ہے اَور نہ مَیں نے اِس مضمون کی کوئی دستاویز لکھ کر دی ہے۔ پادری نے وُہ دستاویز قاضی کے حضور پیش کر دی جو پادری نے خُود لکھی تھی اَور اس پر پادری کے ہی دستخط تھے اَور پادری ہی گواہ تھا۔ علما نے کہا کہ یہ دستاویز کسی کام کی نہیں ہے۔ کوئی عدالت اِس قسم کی دستاویز کو تسلیم نہیں کرے گی جس کو خُود آپ نے لکھا ہے۔ آپ ہی کے دستخط ہیں اَور خُود آپ ہی گواہ ہیں اَور آپ کے سوا کسی دُوسرے شخص کی گواہی اِس پر ثبت نہیں ہے۔ مبلغ نے جواب دیا کہ مَیں آپ کے فیصلہ کو بسروچشم قبول کرتا ہُوں لیکن اگر یہ دستاویز نکمی ہے تو آپ کا قرآن کسی طرح کسی کام کا ہو سکتا ہے کیونکہ قرآن کی نسبت قرآن کے سوا کوئی دُوسری کتاب گواہی نہیں دیتی۔ خُداوند مسیح کی پیش خبریاں انبیائے سابقین نے دی ہیں جو پُوری بھی ہُوئیں۔ خُداوند کی زندگی اَور صلیبی موت پر آپ کے معاصر یہود گواہ ہیں اَور آپ کے رسُول اَور دیگر مومنین کی جماعت بھی گواہ ہے۔ اگر میری یہ دستاویز ناقابلِ اعتبار ہے تو قرآن کس طرح اعتبار کے قابل ٹھہر سکتا ہے اَور اگر قرآن قابلِ اعتبار ہے تو میری دستاویز کو کیوں ردی سمجھا جاتا ہے؟ یہ دلیل سُن کر علما لاجواب ہو کر مبلغ کو گالیاں دینے لگ گئے اَور کہنے لگے کہ "تُم تو عقل سے بالکل عاری ہو" (جلد ۴۔ صفحہ ۱۲۱-۱۲۲)

پھر یہی مصنف لکھتا ہے کہ جب شاہزادہ شاہ عالم اورنگ آباد آیا تو وہاں ایک پادری رہتا تھا۔ وُہ ایک مسلمان عورت کے عشق میں مبتلا تھا جس سے اُس نے مسلمان ہو کر بیاہ کر لیا لیکن چُونکہ اُس کا چال چلن اچھا نہ تھا، مسلمان اُس سے نہ ملتے جُلتے تھے اَور نہ بات تک کرنے کے روادار تھے۔ اِس سلوک کو دیکھ کر اُس کا دل اُس کو ملامت کیا کرتا تھا لیکن وُہ ظاہرا طور پر مسلمان ہی رہا۔ بالآخر اپنی ضمیر کے ہاتھوں تنگ آ کر اُس نے اسلام کو ترک کر کے مسیحیت کو پھر اختیار کرنے کا ارادہ کر لیا۔ وُہ قاضی کے پاس گیا اَور کہنے لگا کہ میرا ایمان ہے کہ اسلام باطل ہے اَور صرف مسیحیت ہی برحق ہے کیونکہ خُداوند مسیح کے نام کے بغیر نجات ممکن نہیں۔ مَیں آپ کو یہ بتلانا چاہتا ہُوں کہ اب مَیں خُدا کے فضل سے مسیحی ہُوں اَور آپ کو بھی اسلام کو ترک کرنے اَور نجات دہندہ مسیح پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہُوں۔ قاضی نے برافروختہ ہو کر اُس کو قید کر دیا۔ چند دنوں کے بعد جب وُہ قاضی کے رُوبرُو لایا گیا تو اُس نے پھر دلیری سے اپنے ایمان کا اقرار کیا۔ قاضی نے اَور دیگر علما نے اُس کو بہتیرا سمجھایا لیکن وُہ نہ سمجھا۔ اس پر اُس کو تازیانے لگائے گئے اَور زندان میں پھینک دیا گیا اَور حکم ہُوا کہ اُس کو چند دن بھُوکا رکھا جائے تاکہ اُس کو ہوش آ جائے۔

Marfat.com

پھر قاضی نے تیسری بار اُس کو بُلوایا لیکن وُہ اپنی ضد پر قائم رہا۔ وُہ شہزادہ کے رُوبرُو پیش کیا گیا لیکن اُس نے شہزادہ کی بات بھی نہ مانی۔ اس پر اُس سے ظالمانہ اور شدید ایذا کا سلُوک کیا گیا۔ لیکن جب پانچ چھ دفعہ کے کہنے سُننے سے کوئی اثر نہ ہُوا تو اس معاملہ کی اورنگزیب کو اطلاع دی گئی جس نے حکم دیا کہ حتی الممکن کوشش کر کے اُس کو ارتداد سے باز رکھو۔ اُس کو عورتیں دو تاکہ وُہ عیش کرے۔ ساز و سامان کے ساتھ گھوڑے دو اور اُس کی تالیفِ قلب کے لئے جس قدر سیم و زر مانگے اُس کو دیدو لیکن اگر وُہ اپنی ضد پر اڑا رہے تو وُہ سرِ عام قتل کر دیا جائے۔ پس شاہ عالم نے ہر طور سے کوشش کی کہ وُہ اسلام کو ترک نہ کرے۔ لیکن اُس نے عورتوں کو آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ ہر قسم کے وعدوں کی طرف پیٹھ موڑ کر دولت پر لات مار دی۔ وُہ فارسی زبان میں علانیہ ہر مسلمان کو کہتا تھا کہ اگر تُم نجاتِ اُخروی کے طالب ہو تو مسیح پر ایمان لاؤ اور رسُول عربی کو چھوڑ دو۔ یہ باتیں دیکھ کر قاضی نے ایک پُرتگیز مُرتد انٹونیو فرنینڈیز کو طلب کیا اور کہا کہ "اِس کمبخت کو پرتگیزی زبان میں سمجھاؤ کہ اگر اس نے اسلام کو ترک کر دیا تو اس کی جان کی خیر نہیں۔" جب مُرتد پرتگیز اس کو سمجھانے لگا تو اُس نے اُسے مُنجی کے انکار کرنے اور اسلام اختیار کرنے پر لعن طعن کرنی شروع کر دی اور کہا کہ تو بھی میری طرح راہ، حق اور زندگی پر پھر ایمان لے آ۔ جو خُداوند مسیح کے پاس توبہ کر کے آتا ہے وُہ اُس کو کبھی رد نہیں کرتا۔ جب قاضی کو ان دونوں کی گفتگو کا پتہ لگا تو اُس نے حکم دیا کہ اُس کا سر تن سے جُدا کر دیا جائے۔ جب اُس کو شارع عام پر لے گئے تو اُس نے کہا کہ مَیں اپنے گناہ کا سب کے سامنے اقرار کرتا ہُوں اور اپنے کئے پر پچھتاتا ہُوں۔ مَیں اپنے مُنجی کی خاطر خوشی سے اپنی جان دیتا ہُوں، اور وُہ شہید کر دیا گیا۔ (جلد دوم۔ ص ۱۵۹-۱۶۱)

شاہزادہ شاہ عالم بہادر شاہ بھی اپنے باپ اورنگزیب کی طرح اِشاعتِ اسلام میں کوشاں رہتا تھا۔ وُہ بہت چاہتا تھا کہ منوچی مسیحیت کو ترک کر کے اسلام قبُول کر لے۔ چنانچہ وُہ لکھتا ہے کہ شاہ عالم نے ایک نہایت خُوبصورت عورت کو کہا کہ تُم بیماری کا بہانہ کر کے منوچی کے پاس جاؤ اور کہو کہ آپ طبیب ہیں میرا علاج کریں۔ لیکن مَیں بات چیت کے دَوران میں بھانپ گیا کہ اُس کا اصل مقصد میرے ساتھ ناجائز تعلقات پیدا کر کے مُجھے پھنسانا ہے تاکہ مَیں اسلام قبُول کر لُوں لیکن مَیں اُس کے دام میں نہ پھنسا جس طرح دیگر مسیحی مسلمان عورتوں کے عشق میں اپنے مُنجی کو چھوڑ کر اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے ہیں۔ ابھی چند سالوں کا ذکر ہے کہ اصفہان میں دو

Marfat.com

فرانسسکی مبلغ اس جال میں پھنس کر اپنی روحیں گنوا بیٹھے ہیں۔ خدا اُن کو جو اس قسم کے مبلغ بھیجتے ہیں، معاف فرمائے۔ شاہزادہ میری تبدیلی مذہب کے لئے بہت ہاتھ پاؤں مارتا رہا۔ اُس نے مجھ سے تین دفعہ کہا کہ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو میں تمہارا جاہ و مرتبہ بڑھا دوں گا اور تم دنیا اور آخرت دونوں میں سرفراز ہو جاؤ گے۔ میں نے اُس کو ہمیشہ یہی جواب دیا کہ میں نے قرآن کا مطالعہ کیا ہے اور اس میں جو کچھ لکھا ہے اُس سے بخوبی واقف ہوں۔ میں نے انجیل بھی پڑھی ہے۔ میں اُس کو قرآن سے بدرجہا بہتر سمجھ کر اُس کے احکام پر ہمیشہ چلوں گا۔ اس میں لکھا ہے کہ نجات صرف یسوع مسیح خداوند کے نام سے ہے اور میں اپنی روح کی نجات کی خاطر اپنی زندگی قربان کرنے کو تیار ہوں۔ (جلد ۲ ص ۴۰۱ تا ۴۰۴)

منوچی شاہزادہ اعظم کی نسبت ایک واقعہ بیان کر کے لکھتا ہے کہ جب شہزادہ اعظم احمد آباد کا صوبیدار تھا تو ۱۷۰۲ء میں ایک مسلمان فاضل کا بیٹا حق کی تلاش میں سرگرداں تھا۔ وہ سیالکوٹ کا رہنے والا تھا۔ وہ اپنے باپ کا گھر چھوڑ، دولت پر لات مار کر فقیر ہو گیا اور جگہ بجگہ پھرنے لگا۔ اُس کو دنیا اور دولت دونوں سے نفرت تھی اور صرف نجاتِ اُخروی کا جویاں تھا۔ وہ کسی سے خیرات بھی نہیں لیتا تھا۔ اُس نے انجیل کا نہایت غور و تعمق سے مطالعہ کیا تھا اور علمائے اسلام سے اپنے سوالات اور اعتراضات کے جواب طلب کرتا تھا۔ وہ جہاں جاتا تھا فضلاء سے ملتا اور اُن سے بحث و مباحثہ کرتا تھا۔ دورانِ مباحثہ قرآن کی نسبت ایسے الفاظ استعمال کرتا تھا کہ گویا وہ اپنی جان سے بیزار ہے! اور دوسری دنیا کو کوچ کرنے کا خواہشمند ہے! اُس کی یہ خواہش جلدی پوری بھی ہو گئی۔ چنانچہ ایک روز وہ قاضی کے پاس بر سر اجلاس گیا، اور اُس کو علانیہ مخاطب کر کے کہنے لگا کہ میں ہر شخص کو یہی کہتے سنتا ہوں کہ اس صوبہ میں آپ سے زیادہ کوئی شخص اسلام اور قرآن سے واقف نہیں۔ پس میں آپ کے پاس آیا ہوں۔ اُس نے انجیل و قرآن کی تعلیم پر ایک نہایت عالمانہ پُر مغز تقریر کی جس میں اُس نے انجیل کی برتری اور فوقیت ثابت کر دی۔ تقریر کو سن کر قاضی غضب میں آگیا۔ اُس نے حکم دیا کہ اس کو خوب زد و کوب کیا جائے تاکہ اس کے ہوش بے قرار ہو جائیں۔ اُس نے ہزار جتن کئے کہ وہ انجیل اور مسیحیت کا انکار کرے لیکن اُس کی تمام کوششیں بے سود ثابت ہوئیں۔ پس اُس کو زندان میں پھینک دیا گیا، جہاں اُس کو ہر قسم کی عقوبت دی گئی۔ جب ایذائیں بھی اُس کو اپنے عزم سے نہ ہلا سکیں اور انعام و اکرام کے وعدے، جاہ و عزت کے لالچ وغیرہ سے بھی مقصد بر آری

Marfat.com

نہ ہُوئی تو اُس کو پھر سے چالیس روز تک لگاتار شکنجے میں کھینچا گیا۔ جلّاد نت نئے طریقوں سے اُس کو ایذا دیتے رہے۔ شاہزادہ اعظم کو خبر دی گئی کہ اِس شخص پر کسی بات کا اثر نہیں ہوتا۔ وُہ اُس کے حضور لایا گیا۔ شاہزادہ نے بھی انتہائی کوشش کی کہ وُہ اپنے ایمان کا انکار کر کے اسلام کو پھر سے قبول کر لے لیکن اُس کا بھی کوئی منتر نہ چلا اَور وُہ نہ مانا۔ بالآخر جلّاد اُس کو شارعِ عام پر لے گئے اَور اُس کا سر کاٹ کر دھڑ کو شہر کے باہر پھینک دیا تاکہ کُتّے اَور بھیڑیئے کھا جائیں۔

(جلد چہارم صفحہ ۱۲۰)

کلیسیاؤں کی اَبتر حالت

گذشتہ فصلوں کے مطالعہ سے ناظرین خود قیاس کر سکتے ہیں کہ خوف و ہراس اَور دہشت کی فضا میں مسیحی کلیسیائیں ترقّی تو ایک طرف رہی، اپنے تحفّظ اَور بقا کے لئے بھی کوئی مؤثر اقدامات اُٹھا نہیں سکتی تھیں اورنگزیب کے عہد میں سلطنت کے ہر شعبہ اَور گوشہ میں حکومتِ الٰہی کا تصوّر چھایا ہُوا تھا۔ قرآنی احکام اَور شریعتِ اسلام کے قوانین ہر جگہ نافذ تھے۔ ایسے زمانہ میں کلیسیاؤں کے لئے اپنے وجُود کو بھی قائم و اُستوار رکھنا از حد مُشکل ہو گیا تھا کسی مسلمان کو مسیحی مذہب اختیار کرنے کی اجازت نہ تھی اَور اگر کوئی اس قسم کا خیال بھی دل میں لاتا تو اُس کو اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھنا پڑتا تھا۔ بادشاہ سے لے کر چھوٹے حکام تک تالیفِ قلوب کی خاطر مسیحیوں کو طرح طرح کے انعام و اکرام اَور روزینہ کا لالچ دیتے، اُن کی شادیاں مسلمان لڑکیوں سے کر دیتے، سرکاری ملازمتیں دلوا دیتے، اَور باعزت زندگی گذارنے کے وسائل مہیا کر دیتے تھے۔ اندریں حالات بہُت کم اشخاص بپتسمہ پانے کے خواہشمند ہوتے تھے، لیکن جو لوگ خواہش مند ہوتے تھے وُہ خلوصِ قلب سے مُنجیٔ جہان پر ایمان رکھتے تھے۔ حیرت تو یہ ہے کہ ایسی سخت ایذاؤں اَور دُنیاوی آزمائشوں کے باوجُود ہندستانی مسیحیوں کی ایک بڑی اکثریت اپنے ایمان پر قائم رہی اَور کلیسیا کے مُنکر ہو کر اما القتل اما الاسلام کی دو صُورتوں میں قتل ہونے کو ہی ترجیح دیتے رہے۔ جس طرح اسلامی ممالک میں اسلام کے غلبہ کے وقت کلیسیا کی ترقّی کے تمام راستے مسدُود ہو گئے تھے[1]۔ اسی طرح ہندوستان

---

[1] ہم نے اسلامی ممالک کی کلیسیاؤں کے مفصل حالات کا ذکر تاریخ کلیسیائے ہند کی جلد سوم میں کیا ہے۔ یہ کتاب پنجاب ریلیجس بُک سوسائٹی۔ انار کلی لاہور سے اَور ایس۔ پی۔ سی۔ کے۔ سینٹ جیمس چرچ کشمیری دروازہ دہلی سے مل سکتی ہے۔ (برکت اللہ)

Marfat.com

کے طول وعرض میں اورنگزیب کے عہد میں کلیسیائے ہند کی ترقی کے تمام راستے بند ہوگئے اور سلطنتِ مغلیہ کے تمام صوبوں کی کلیسیاؤں کا حال بد سے بدتر ہوتا چلا گیا۔

آگرہ کی کلیسیا ہم گذشتہ ابواب میں بتلا چکے ہیں کہ جہانگیر کے عہد میں ایک عالیشان گرجا آگرہ میں تعمیر ہوا تھا جس کا مینارہ آسمان سے باتیں کرتا تھا اور گھنٹہ کی آواز تمام آگرہ شہر اور مضافات میں سنائی دیتی تھی۔ ہگلی کے ہولناک واقعہ کے بعد شاہجہان نے اس گرجا کو ۱۶۳۵ء میں تباہ و ویران کر دیا۔ اورنگزیب کے زمانہ میں آگرہ کے مسیحی خفیہ طور پر رات کے وقت مبلغین کے رہائشی مکان کے ایک کمرہ میں عبادت کرتے اور عشائے ربانی کی رسم بجالاتے تھے۔ پہلے گرجا میں تین عالی شان قربانگاہیں تھیں جن میں بادشاہ اور امرائے سلطنت عبادت دیکھنے آتے تھے۔ اب صرف ایک معمولی قربان گاہ رہ گئی جو حکام کو نہ بھاتی تھی اور وہ اس کو بھی بند کرنے کی فکر میں تھے۔ اب گرجا کی دیوار کچی اور ٹوٹی پھوٹی ہوئی تھی۔

شاہ عالم ثانی کے زمانہ میں یہ گرجا کھنڈرات کا ڈھیر ہو گیا تھا۔ ایسا کہ قریب تھا کہ اس کا نشان بھی مٹ جاتا، لیکن اٹھارہویں صدی کے دو غیر ملکی پردیسی مسیحی فوجی افسروں کی فیاض دلی سے اس گرجا کا نام باقی رہ گیا۔ ایک افسر پرشیا (PRUSSIA) واقع جرمنی کا رہنے والا تھا جس کا نام ہم کو معلوم نہیں ہو سکا۔ دوسرا فوجی افسر سمرو تھا جس کا مفصل ذکر ہم انشاء اللہ کسی اگلی جلد میں کریں گے۔ ۱۷۷۲ء میں کھنڈرات کی جگہ پر ایک خوبصورت گرجا تعمیر کیا گیا اور پرانے زمانے کی یہ یادگار مٹنے سے بچ گئی۔

اورنگزیب کے عہد میں مسیحی جماعت بھی مختصر سی رہ گئی اور پادری روتھ کے مطابق قریباً ایک ہزار جانوں پر مشتمل تھی۔ اس کے چند سال بعد برنیئے لکھتا ہے کہ "آگرہ کی کلیسیا میں صرف پچیس تیس خاندان رہ گئے ہیں جن کے بچوں کو مسیحی تعلیم باقاعدہ دی جاتی ہے" لیکن جوں جوں زمانہ گزرتا گیا یہ تعداد بھی کم ہوتی گئی چنانچہ اورنگزیب کی وفات کے وقت کُل تین سو مسیحی آگرہ میں تھے اور اس تعداد میں آرمینی مسیحی بھی شامل تھے۔ چنانچہ "پرانے قبرستان" کے کتبوں سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۶۱۴ء اور ۱۶۷۵ء کے درمیان جہانگیر، شاہجہان اور اورنگزیب کے عہد میں وہاں ارمنی کلیسیا کے سات قسیس دفن ہوئے تھے۔ جب انجمنِ عیسوی کو ختم کر دیا گیا اور ۱۷۸۴ء میں کارملی مبلغین نے آگرہ کے تبلیغی مرکز کو لے لیا تو شہر اور مضافات میں تین سو کے

Marfat.com

قریب مسیحی خاندان بستے تھے۔

اورنگزیب کے زمانہ میں آگرہ کے مسیحیوں کی اقتصادی حالت ابتر ہوتی چلی گئی جب دہلی دارالسلطنت بنا تو جو مسیحی مقابلتہً زردار تھے وہ دہلی چلے گئے لیکن کنگال مسیحی آگرہ اور مضافات میں ہی رہے۔ ان بیچاروں کا مبلغین کے سوا کوئی اور سہارا نہ تھا۔ جزیہ بھی ان سے طلب کیا جاتا تھا جس کو ادا کرنے میں بعض اوقات مبلغ (جو آپ خود نادار ہو گئے تھے) مدد کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ مخیر پردیسی مسیحیوں کی امداد سے ان افلاس زدہ مسیحیوں کو قریباً آٹھ سو سے ایک ہزار روپیہ سالانہ دیا جاتا تھا جو ان کی بیماری وغیرہ کے وقت کام آتا تھا۔ آگرہ کے قریب تمام بالغ مسیحی فوج میں بھرتی ہو کر وہاں سے چلے گئے تھے اور کلیسیا زیادہ تر ان کی بیواؤں اور بیوی بچوں پر مشتمل تھی جو سوت کات کر اور کپڑے بن کر اپنا اور بچوں کا پیٹ پالتی تھیں۔ پھر بھی ان اقتصادی اور غیر موافق سیاسی حالات میں بھی ہر ماہ اکّے دکّے بپتسمہ ہو جاتے تھے چنانچہ ۱۶۷۵ء میں آگرہ میں ۲۵ بپتسمے دیئے گئے اور اس سے پہلے کے سالوں میں اسی (۸۰) ہندو اور مسلمان بپتسمہ پا کر کلیسیا میں شامل ہو گئے تھے لیکن ان بپتسموں میں زیادہ تعداد نابالغوں کی تھی۔ مثلاً ۱۶۸۶ء سے ۱۶۹۳ء کے درمیانی چھ سالوں میں ۲۲۰ بپتسمے عمل میں آئے جن میں سے ۱۱۵ بچوں کے تھے اور باقی ۱۰۵ بپتسمے بالغوں کے تھے اور اس تعداد میں ۱۵ ایسے تھے جنہوں نے موت کے بستر پر بپتسمہ پایا تھا۔

دہلی کی کلیسیا

دارالسلطنت دہلی کے مبلغوں کی حالت آگرہ کے مبلغین سے بھی بدتر تھی، کیونکہ وہ ہر وقت بادشاہ کے محتسب کے عملہ اور علمائے اسلام کی نظروں میں کھٹکتے تھے۔ ہم بتلا چکے ہیں کہ انجمن عیسوی کے مبلغین نے ۱۶۴۸ء میں یہاں ایک مرکز قائم کر دیا تھا اور ۱۶۵۰ء اور اس کے بعد کے سالوں میں ایام روزہ کے موقعہ پر ایک مبلغ ہر سال آگرہ سے دہلی کی کلیسیا کی روحانی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے بھیجا جاتا تھا۔ اس عرصہ کے بعد یہاں ایک مبلغ مستقل طور پر تعینات ہو گیا اور ایک گرجا بھی تعمیر ہو گیا۔ منوچی ہم کو بتلاتا ہے کہ اورنگزیب کے حکم سے طبیبوں اور ڈاکٹروں کے سوائے تمام مسیحی شہر سے تین میل پرے اس مقام میں بستے تھے جہاں توپخانہ تھا (جلد ۲ صہ ۶) بعد کے زمانہ میں دہلی میں دو مبلغ رہنے لگ گئے اور دو گرجے بھی بن گئے۔ لیکن کلیسیا کی حالت ایسی ابتر تھی کہ محمد شاہ کے زمانہ میں ۱۷۲۲ء میں فقط ایک گرجا استعمال ہوتا تھا جو اس علاقہ میں واقع تھا

Marfat.com

جہاں مسیحیوں کی زیادہ تعداد رہائش گزیں تھی۔ مسیحی شہر دہلی کے مختلف حصّوں میں گرجا سے فاصلہ پر رہتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ وُہ گرجا میں کبھی کبھار ہی تہواروں کے موقع پر آتے تھے کیونکہ جو گرجا شہر میں اُن کے لئے بنایا گیا تھا وُہ اب ویران ہو کر کھنڈر بن گیا تھا۔ پس ۱۷۲۳ء میں اس کی پھر مرمت کی گئی لیکن اس کے سولہ سال بعد ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ کی فوج نے مسیحیوں کو قتل اَور گرجا کو برباد اَور کلیسیا کو غارت کر دیا۔ دُوسرا گرجا بھی منہدم کر دیا گیا اَور دہلی کے قتلِ عام میں متعدد مسیحی شہید ہُوئے۔ ۱۷۴۶ء میں محمد شاہ کے عہد میں یہ گرجا ازسرِ نو تعمیر کیا گیا۔ اس پر تین ہزار روپیہ خرچ ہُوا جو مقامی مسیحیوں نے چندہ کر کے اکٹھا کیا۔ اس میں عورتیں ایک طرف بیٹھتی تھیں جہاں نامحرم آدمیوں کی نظر نہ پڑ سکتی تھی۔ کرسمس کے روز اس میں پہلی دفعہ عبادت کی گئی۔

جہاں تک مسیحیت کی تبلیغ و اشاعت کا تعلق تھا وُہ صفر سے بھی کم تھی۔ چنانچہ عالمگیر ثانی کے عہد میں ۱۷۴۷ء میں پادری سٹروبل (Strobl) لکھتا ہے کہ دہلی میں نہ تو کوئی شخص مسیحی ہوتا ہے اَور نہ ہم کسی کو مسیحی بنانے کی کوشش ہی کرتے ہیں۔ بالفاظِ دیگر اَورنگزیب کے عہد سے لے کر انجمنِ عیسوی کے ۱۸۰۳ء میں بند ہونے کے وقت تک مغلیہ سلطنت میں مسیحی نومریدوں کی تعداد صفر رہی۔

نادر شاہ کے حملہ سے پہلے دہلی میں نہ صرف انجمنِ عیسوی کے مبلغین اَور اُن کے مسیحی رہتے تھے بلکہ ارمنی مسیحی بھی دارالسلطنت میں تجارت کی خاطر آبسے تھے جن کی رسُوم و عبادت کے ادا کرنے کے لئے ایک ارمنی کلیسیا کا قسیس بھی وہاں مقیم تھا۔ نادر شاہ کے حملہ کے وقت اُن کا ارمنی گرجا بھی شہید کر دیا گیا اَور قبرستان توڑ پھوڑ دیا گیا اَور ارمنی قسیس اَور مسیحی بھی قتل کر دیئے گئے۔

اَورنگزیب کے جانشین بہادر شاہ کے زمانہ میں قریباً چار سَو مسیحی دہلی میں بستے تھے، لیکن نادر شاہ کے حملہ کے بعد فرخ سیر کے زمانہ میں (یعنی دہلی کے پایۂ تخت ہونے کے قریباً ایک صدی بعد) یہ تعداد صرف "مٹھی بھر" ہی رہ گئی۔ یہ مسیحی فصیل کے باہر رہائش رکھتے تھے۔ ارمنی مسیحی جو تجارت کا پیشہ کرتے تھے، وُہ بھی یہیں رہتے تھے۔ اِس کا ایک فائدہ یہ ہُوا کہ جب احمد شاہ ابدالی نے ۱۷۵۷ء میں دہلی پر حملہ کر کے قتل و غارت کر دیا تو اُس کے لشکریوں میں سے بعض نے جو آرمینیا اَور جارجیا کے مسیحی مُلکوں کے رہنے والے تھے، اُس کے حضور آ کر درخواست کی کہ دہلی کے اُس حِصّہ کو قتل و غارت سے بچا لیا جائے۔ اُن کی درخواست منظور ہُوئی اَور کلیسیا متعلقہ محفُوظ رہی۔ لیکن جو مسیحی اُس علاقہ سے بھی پرے بالکل باہر رہتے تھے، نہ وُہ بچے اَور

Marfat.com

اور نہ اُن کا گرجا بچا۔ وُہ سب تباہ و برباد کر دیئے گئے۔ افغانوں نے گرجا اور گھر سب لُوٹ لئے اور قتل و غارت بپا کر دیا۔ اس سانحہ کے دو سال بعد جب وُہ ۱۷۵۹ء میں پھر دُوسری بار دہلی آئے تو کلیسیا کے بچے کھچے لوگ اور مال و اسباب سب تباہ کر دیئے گئے، ایسا کہ ۱۷۸۱ء میں وہاں نہ تو کوئی گرجا تھا اور نہ مبلّغ تھا اور نہ گرجا بنانے کے لئے روپیہ تھا۔

لیڈی جُولیانہ خاتُون

جس طرح جہانگیر اور شاہجہان کے عہد میں آگرہ کی کلیسیا میں میرزا ذوالقرنین کی ممتاز ہستی کلیسیا کے استحکام کا باعث تھی کیونکہ وُہ شاہی محلات میں پلا پوسا تھا اسی طرح اورنگزیب اور اُس کے جانشین بہادر شاہ۔ جہاندار شاہ اور فرخ سیر کے عہد میں جُولیانا خاتُون شاہی محل میں رہتی تھی اور کلیسیائے دہلی کی زبُوں حالی کے زمانہ میں اُس کی دُرِّ درخشاں تھی۔ ہم گذشتہ باب میں بتلا چکے ہیں کہ وُہ بہادر شاہ کی ماں کی خادمہ تھی اور اُس کی وساطت سے مُبلغین کا جزیہ اورنگزیب نے مُعاف کر دیا تھا۔ جب ۱۶۸۷ء میں شہزادہ معظم (بہادر شاہ) پر عتابِ شاہی نازل ہُوا تب وُہ بڑی مذہبی اور محبت سے قید میں بارہ سال تک اُس کی خدمت کرتی رہی۔ معظم قید سے رہا ہو کر کابل کا گورنر بنا دیا گیا جہاں وُہ باپ کی موت تک رہا۔ جُولیانا کابل میں بھی اُس کی خدمت کرتی رہی اور جب تاج و تخت کے حصُول کی خاطر معظم کی اپنے بھائیوں سے جنگ ہُوئی تو وُہ میدانِ جنگ میں بھی اُس کے ساتھ تھی اور اُس کی ہمت بڑھاتی تھی اور اُس کے لئے دُعا کیا کرتی تھی۔ جب معظم کو فتح ہُوئی اور وُہ "شاہ عالم بہادر شاہ" کے نام سے بادشاہ ہُوا تو اُس نے جُولیانا کو الطافِ شاہانہ سے نوازا اور اُس کو "خانم"۔ "بی بی" اور "فدوی دُعاگو جُولیانا" کے خطابات ملے۔ وُہ نہ صرف اورنگزیب کے عہد میں بیگمات کی لیڈی ڈاکٹر تھی بلکہ بہادر شاہ، جہاندار شاہ اور فرخ سیر کے عہد میں بھی اسی حیثیت میں شاہی محلات میں دہلی اور لاہور میں رہتی تھی۔ اُس کا خاوند بھی چند سالوں تک اورنگزیب کا جراح (سرجن) رہا تھا۔ بہادر شاہ نے جُولیانا کو چار ہزاری کا منصب عطا کیا اور ایک ہزار روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر کیا۔ جُولیانا نے دہلی کے انجمنِ عیسوی کے مُبلغین کو ایک لاکھ روپیہ دیا تاکہ کلیسیا کی مدد کریں اور گرجا بل پر خرچ کریں۔ دہلی میں یہ خاتُون اُس محل میں رہتی تھی جو دارا شکوہ کا تھا اور مضافات کے چار گاؤں کی آمدنی بھی اُس کو ملتی تھی۔ اُس کے پانچ چھ ہزار سوار تھے جن کے پرچم پر صلیب کا نشان لہراتا تھا۔ لیکن اس دولت و شوکت کے باوجود وُہ نہایت سادہ زندگی بسر کرتی تھی۔ وُہ کسی سے رشوت کا ایک ٹکہ بھی لینے کی روادار نہ تھی اور ہر کس و ناکس کی اور بالخصوص مسیحیوں کی

Marfat.com

مدد کرنے کو ہر وقت تیار رہتی تھی۔ جب انگریزوں نے چارلس دوم شاہِ انگلستان کی شادی کے جہیز میں پرپل (دمبئی کا حصّہ) پر قبضہ کر لیا تو جوُلیانا نے مُبلّغین کو پچاس ہزار اشرفیاں عطا کیں تاکہ وُہ گرجا کے لئے اوقاف خرید سکیں۔ پرتگیزی حکومت نے موقعہ پاکر اُس کے رسُوخ سے فائدہ اُٹھا کر ایک سفارت مُغلیہ دربار میں بھیجی تاکہ پرتگیزی مفاد کو کسی طرح کا گزند نہ پہنچے۔ اُس نے نہ صرف رُومی کلیسیا اور پرتگیزی حکُومت کی مدد کی بلکہ جب ۱۷۱۱ء میں اہلِ ہالینڈ کی سفارت جوہن جوسُوا کے تیلار John Josua Keteloar کی زیرِ سرکردگی بہادر شاہ کے دربار میں آئی، تو جوُلیانا نے لاہور کے مضافات میں خانخاناں کی سرائے کے مقام پر اُن کو پھلوں کے تحفے بھیجے۔ جب وُہ ایک آرمینی بشپ اور انجمنِ عیسوی کے مبلّغین کے ساتھ لاہور میں داخل ہوئے تو جوُلیانا بادشاہ کی چار بیویوں کے ساتھ سفارت کا خیر مقدم کرنے گئی اور گفت و شنید کی ہر منزل پر ہر ممکن طور سے اُن کی مدد کرتی رہی۔ اِس اثنا میں بہادر شاہ فوت ہو گیا۔ ۱۷۱۲ء میں جب جہاندار شاہ تخت نشین ہُوا تو سفارت کا لیڈر اُس کو مُبارکباد دینے کے لئے گیا۔

خاتون جوُلیانا نے جہاندار سے عرض کی کہ اب وُہ مُعمّر ہو گئی ہے، اُس کو اجازت دی جائے کہ گوآ میں جاکر کسی خانقاہ میں باقیماندہ عُمر خُدا کی یاد میں بسر کرے لیکن جہاندار نہ مانا اور وُہ شاہی محلات میں ہی رہی۔ فرخ سیر بھی اُس کا بڑا مدّاح تھا اور جب وُہ ۱۷۱۵ء میں بیمار ہُوا تو اُس نے جوُلیانا کو علاج اور تیمارداری کے لئے کہا۔ جوُلیانا نے مغربی ممالک کے طبیبوں اور بالخصوص انگریز ڈاکٹر ولیم ہیملٹن کی مدد سے اُس کا علاج کیا۔ ہیملٹن اُسی سال ایک انگریزی سفارت کے ہمراہ فرخ سیر کے دربار میں آیا تھا تاکہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے لئے چند حقُوق حاصل کرے۔ جب بادشاہ کو شفا ہو گئی تو اُس نے سب کچھ جو انگریزی سفارت نے مانگا تھا اُن کو عنایت کر دیا۔

بہادر شاہ نے جوُلیانہ کے کہنے سُننے سے مُبلّغین کے جزیہ کے مُعافی نامہ کی تجدید کرکے ذیل کا پروانہ جاری کیا:۔

لہ

(مہر۔۱) آصف الدولہ بندہ شاہ عالم بادشاہِ غازی۔ سن احد

(مہر۔۲) ظفر جنگ خانخاناں بہادر فدوی شاہ عالم بادشاہ غازی۔ سن احد

اخذانِ جزیہ حال و استقبال صوبہ مستقر الملک و دار الخلافہ بدانند۔ دریں ولا بعرضِ اقدس اعلیٰ رسید کہ موافق شرع شریف تکلیفِ اخذِ جزیہ بفقرا نیست۔ پنجکس پادری و دہ کس

Marfat.com

از وابستہائے آنہا کہ در آنجا قیام دارند امیدوارِ سندِ مُعافی جزیہ اند منظور حکم شد۔ لہٰذا حسبِ آں حکم الاعلیٰ قلمی میگرد کہ برائے اخذِ جزیہ نام بُردہا برطبق معلیٰ مزاحم نشوند۔ دریں باب تاکید دانند۔ چہاردہم ۱۴ شہر رمضان المبارک سن احد جلوس مُعلی قلمی شد۔

اِس پروانہ کی پشت پر یہ لکھا ہے :۔

(۱) بتاریخ ہفت دہم شوال نقل بدفترِ وکالت رسید (۲) موافقِ دفتر است۔

(۳) ملاحظہ شد۔

جب فرخ سیر تخت نشین ہُوا تو جُو لیانا نے اس سے بھی مُبلّغین کے جزیہ کے معافی نامہ کی نسبت عرض کی۔ چنانچہ اُس نے بھی ذیل کی سند کو صادر کیا :۔

ھُو

خلد مکان

خلد منزل

والا

(مُہر) اسد خان سالارِ جنگ قطب الملک یمین الدولہ سپہ سالار یارِ باوفا فدوی محمد فرخ سیر بادشاہ غازی ۔

اخذانِ جزیہ حال و استقبال صوبہ مستقر الملک اکبرآباد و دارالخلافہ بدانند۔ دریں ولا بموجبِ فرد گذرانیدۂ جلیاؔ بعرضِ اقدس اعلیٰ رسید کہ پادریان نفرائی قوم عیسائی کہ در اکبرآباد و دارالخلافہ باوابستہائے خود اقامت دارند در عہد بادشاہ مغفرت پناہ صاعد مصعد قرب یزداں اسکنہ اللہ اعلیٰ درجات جناں حضرت ..... بموجبِ سند بمہر اسد خان و در عہدِ حضرت .... مطابق پروانہ بمہر آصف الدولہ و خانخاناں وجۂ جزیہ مع وابستہا آنہا مُعاف بُود۔ امیدوار است کہ در عہدِ مُبارک نیز مُعاف شود۔ چوں در عہدِ حضرت .... چہار نجکس پادریاں مع وابستہا ساکن صوبہ اکبرآباد مُعاف بودند حکم صادر شد۔ کہ بدستورِ عہدِ حضرت .... سندِ دیوانی بدہند۔ لہٰذا حسب الحکم الاعلیٰ قلمی میگردد کہ جزیۂ چہار نجکس پادریاں مع وابستہا سکنۂ صوبۂ مذکور مُعاف اعتبار نمودہ مزاحم نشوند۔ دریں باب تاکید دانند۔

بتاریخ دہم شہر ذیقعد سن ۶ جلوسِ مُعلّیٰ صواب تحریر یافت۔

Marfat.com

اس سند کی پُشت پر یہ لکھا ہے :۔

(۱) بتاریخ ۲۱ ذوالقعدہ سن ۶ نقل در سررشتۂ صوبہ رسید۔ ج

(۲) بتاریخ ۲۰ ذیقعدہ سن ۶ داخلِ سیاہہ حضور نمودہ شد۔ ج

(۳) موافقِ دفتر است۔

(۴) ملاحظہ شد۔

جب ۱۷۱۹ء میں فرخ سیر اندھا کر کے قتل کر دیا گیا اور اس کے جانشین رفیع الدرجات رفیع الدولہ اور شاہجہان ثانی، سب کے سب ایک ہی سال (۱۷۱۹ء) میں یکے بعد دیگرے قتل کر دیئے گئے تو محمد شاہ مغلیہ سلطنت کے تخت پر ۱۷۱۹ء میں بیٹھا۔ لیڈی جُولیانا نے محمد شاہ سے عرض کی کہ مبلّغین کا جزیہ معاف کیا جائے کیونکہ وہ فقیر اور درویش ہیں اور تمام مغلیہ بادشاہان کا جزیہ مُعاف کرتے رہے ہیں۔ محمد شاہ نے ذیل کا پروانہ عطا کیا :۔

لِلّٰہ

الٰہی

خُلد منزل[1]

خُلد مکان[3]

(مُہر) اخلاص خان[4] سن ۷ غلامِ بادشاہِ غازی محمد شاہ ۱۱۳۷ھ

اخذانِ جزیہ حال و استقبال صوبہ مستقر الملک اکبرآباد و دار الخلافت بدانند۔ دریں ولا بموجبِ فرد گذرانیدہ جلیناؔ بعرضِ اقدس اعلیٰ رسید کہ پادریان فقرائی قوم عیسائی کہ در اکبرآباد و دار الخلافت با وابستہائے خود اقامت دارند۔ در عہدِ بادشاہ مغفرت پناہ صاعد[5] مصاعد قرب یزداں اسکنہ اعلیٰ درجات جنان حضرت ..... بموجب سند بمہرِ اسد خان و در عہدِ حضرت... مُطابق پروانہ بمہرِ آصف الدولہ و خانخاناں و در عہدِ شہید مرحوم بر طبقِ سند بمہرِ عبداللہ خاں وجہِ جزیہ مع وابستہا آنہا معاف بود۔ اُمیدوار است در عہدِ مُبارک نیز معاف شود۔ چوں در

---

[1] اُس کے واسطے [2] معظم شاہ عالم بہادر شاہ [3] اورنگزیب [4] اخلاص خان لاہور کا کھتری ہندو تھا۔ اورنگزیب نے اس کو خطاب عطا کیا تھا۔ فرخ سیر کے زمانہ میں ۱۷۱۵ء میں اس کو ہفت ہزاری کا عُہدہ عطا ہُوا۔ اُس نے فرخ سیر کی تاریخ "بادشاہ نامہ" لکھی ہے [5] اُوپر کو چڑھنے والا۔

Marfat.com

عہدِ حضرت ... چہار پنجکس پادریاں مع وابستہ ہا ساکن صوبہ اکبرآباد معاف بودند حکمِ معلیٰ صادر شد کہ بدستور عہد حضرت ... سند دیوانی بدہند۔ لہٰذا حسب الحکم الاُرفع الاعلیٰ قلمی میگردد کہ جزیہ چہار پنجکس پادریاں مع وابستہائے سکنہ صوبجات مذکور معاف اعتبار نمودہ مزاحم نشوند دریں باب تاکید دانند۔

بتاریخ بست و یکم شہر شوال سن ۷ جلوسِ والا قلمی گشت

اس دستاویز کی پشت پر یہ لکھا ہے:۔

(۱) بتاریخ ۲۱ شہر شوال سن ، جلوس والا نقل در سررشتہ دار صوبہ رسید۔ الف

(۲) بتاریخ ۲۱ شہر شوال سن ۷ بواجل سیاہہ حضور نمودہ شد۔ ج

(۳) موافق سیاہہ احکام است۔ ج

(۴) ملاحظہ شد۔

جولیانا فرخ سیر کے قتل ہونے کے بعد محمد شاہ بادشاہ کی ماں کی خدمت حاضر باشی پر مامور تھی۔ محمد شاہ نے جولیانا کو موروثی حقوق عطا کر دیئے۔ بالآخر وُہ اِسی بادشاہ کے عہد میں ۱۷۳۴ء میں شہر دہلی میں فوت ہوگئی۔

اس کی وفات کے پانچ سال بعد ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ کے حملہ میں دہلی غارت اَور قتل کا نشانہ بن گئی۔ دارا شکوہ کے گھر کو جس میں جولیانا رہتی تھی بہت نقصان پہنچا۔ اُس کے آٹھ سال بعد احمد شاہ ابدالی نے دہلی کو زیر و زبر کر دیا۔ اِس اندوہ ناک واقعہ کے ایک سال بعد احمد شاہ تخت دہلی پر بیٹھا۔ چھ سال کی حکومت کے بعد ۱۷۵۴ء میں وُہ معزُول کر دیا گیا۔ احمد شاہ کے عہد میں یہ مکان نواب صفدر جنگ نے خرید لیا۔ باقی گاؤں اَور اوکھ (نزد دہلی) کا گاؤں ڈارماؤ (D'Eremao) کے خاندان نے حاصل کر لیا۔ گذشتہ صدی کے اواخر میں یہ سب گاؤں آگرہ کے فرانسسکی پادریوں کو مل گئے جنہوں نے وہاں ایک گرجا تعمیر کیا اَور رُومی کلیسیا کے مسیحیوں کی بستی جولیانا کے مکان کے کھنڈرات کے نزدیک بسا دی۔

احمد شاہ کے بعد ۱۷۵۴ء میں عالمگیر ثانی تخت پر بیٹھا۔ وُہ پانچ سال کے بعد قتل کیا گیا۔ اِس کے عہد میں ۱۷۵۷ء میں احمد شاہ ابدالی نے دُوسری بار حملہ کیا اَور بدنصیب مغلیہ سلطنت کو پھر تہ و بالا کر دیا۔ اِس حملہ کے دو سال بعد عالمگیر ثانی قتل ہوگیا اَور اُس سال (۱۷۵۹ء) شاہ جہان سوم تخت نشین ہُوا لیکن وُہ چند ماہ کے بعد معزُول کر دیا گیا اَور اُس کی جگہ شاہ عالم ثانی

Marfat.com

۱۷۶۰ء میں تختِ دہلی پر متمکن ہُوا۔

ناظرین خود قیاس کر سکتے ہیں کہ اس تباہی، بربادی، بدنظمی اور بدامنی کے دنوں میں دہلی کی کلیسیا اور اُس کے مبلغین کا کیا تباہ اور خستہ حال ہُوا ہوگا۔ کلیسیا روز بروز خوار و ذلیل ہوتی گئی اور ان کس مپرسی کے ایام میں اُس کی ہستی معرضِ خطر میں ہی رہی۔ اس زبوں حالی کے دنوں میں کس کو اشاعتِ انجیل سوجھ سکتی تھی۔ افراتفری کے زمانہ میں جس کا منہ جدھر ہُوا وہ اُدھر کو نکل گیا۔ کلیسیا کی تعداد روز بروز کم ہوتی گئی اور اس کا وجود صفر کے برابر ہو گیا۔

عالمگیر ثانی کے عہد کے آخری سال (۱۷۵۹ء) میں انجمنِ عیسوی کو شاہِ پرتگال نے حکماً بند کر کے توڑ دیا۔ اس کے ممبروں کو قید کر لیا اور اس کی تمام جائداد کو ضبط کر لیا۔ فرانس نے بھی ۱۷۶۴ء میں ایسا ہی کیا۔ پوپ کلیمنٹ چہاردہم نے ۱۷۷۳ء میں انجمن کا خاتمہ کر دیا۔ پس ۱۷۸۰ء میں ہندوستان کے مختلف مرکزوں کو جو انجمنِ عیسوی کے مبلغین نے قائم کئے تھے، بمبئی کے کارملی برہنہ پا قسیسوں کے سپرد کر دیا گیا۔ ان پادریوں نے اورمز واقع خلیج فارس میں ۱۶۰۲ء میں ایک تبلیغی مرکز کھول لیا تھا اور اس کے بارہ سال بعد ۱۶۱۵ء میں ٹھٹہ میں ایک مرکز قائم کر لیا تھا۔ پس کارملی انجمن کا ایک قسیس گریگورس (Gregoris) ۱۷۸۰ء کے ماہِ جون میں آگرہ آیا اور اُس کے سپرد اُن تمام مرکزوں کے کام کئے گئے جو انجمنِ عیسوی نے مغلیہ سلطنت کے مختلف شہروں میں قائم کئے تھے۔ وہ دہلی میں ۲۹ ستمبر ۱۸۰۸ء کے روز فوت ہو گیا اور وہاں رومی کلیسیا کے پرانے قبرستان میں جو روہتک کی سڑک پر واقع ہے دفن کیا گیا۔ اُس کی قبر پر یہ کتبہ لکھا ہے:۔

"رفت پادری گریگور۔ بست و پنجم ماہِ رجب ۱۲۲۲ھ"

شاہِ عالم کے فرمان

مغلیہ بادشاہ شاہ عالم ثانی نے تخت نشینی کے پہلے سال (۱۷۶۰ء) میں پادری گریگورس کو یہ فرمان عطا کیا جس کی رُو سے مستقل طور پر عماد پور کا موضع اُس کو انعام میں دیا گیا تاکہ بیواؤں اور غریبوں کی پرورش اور گرجا کے اخراجات کے کام آئے۔

باسمہ سبحانہ و تعالیٰ شانہ

(مُہر) ہو الغالب ابو المظفر جلال الدین شاہِ عالم بادشاہ غازی سن احد ۱۱۷۳ھ، ابنِ عالمگیر بادشاہ ابنِ جہاندار شاہ ابنِ شاہ عالم بادشاہ ابن عالمگیر بادشاہ ابن شاہجہان بادشاہ

Marfat.com

ابنِ جہانگیر بادشاہ ابنِ اکبر بادشاہ ابنِ ہمایوں بادشاہ ابنِ بابر بادشاہ ابنِ عمر شیخ شاہ ابنِ سلطان ابوسعید شاہ ابنِ سلطان محمد شاہ ابنِ میراں شاہ ابنِ امیر تیمور صاحبقران۔

(طغرا) فرمانِ ابوالمظفر جلال الدین محمد شاہ عالم بادشاہ غازی۔ دریں وقت میمنت اقتران فرمانِ والاشان واجب الاطاعت و الاذعان صادر شد کہ موضع عمادپور عملۂ پرگنہ حویلی پالم وصوبہ دارالخلافہ شاہجہان آباد در وجہ انعام التمغائی پادری گریگور درویش با فرزندان بمعافی تصدیق دیاد داشت و توفیر حسب الضمن مقرر باشد۔ باید کہ فرزندانِ نامدار کامگار عالی نسب والاتبار و وزرائی ذوالاقتدار و اُمرائے عالی مقدار و حکام کرام و عمالِ کفایت فرجام و متصدیانِ مہماتِ دیوانی و متکفلانِ معاملاتِ سلطانی و جاگیرداران و کروریانِ حال و استقبال موضعِ مذکور را نسلاً بعد نسلٍ و بطناً بعد بطنٍ خالداً و مخلداً بتصرفِ درویشِ مذکور با فرزندان وا گذارند۔ و از صوارم تغیر و تبدیل مصئون و محروس دانستہ بعلت پیش کش صوبہ داری و فوجداری و مالوجہات و سائر اخراجات مثل تنلفہ و محصلانہ و داروغگانہ و ضابطانہ وشبکار و بیگار و دہ نیمی مقدمی و صد دوئی قانونگوئی مزاحم و متعرض نشوند۔ و از کل تکالیفِ دیوانی و مطالباتِ خاقانی معاف و مرفوع القلم شمارند۔ دریں باب تاکید اکید و قدغن مزید دانستہ ہر سال سند مجدد نطلبند و از بریتغ کرامت تبلیغ والا تخلف و انحراف نورزند۔

بتاریخ غرۂ شہر رجب المرجب سال فرخندہ فال چہل و چہارم از جلوسِ میمنت مانوس مقدس معلی زینتِ تحریر و زیبِ تسطیر پذیرفت۔

اس فرمان کی پُشت پر یہ عبارت لکھی ہے:۔

(۱) بتاریخ غرۂ شہر رمضان سن ۴۴ مُبارک نقل بدفترِ خالصہ شریفہ رسید۔

(۲) ثبت شد۔

(۳) (مہر) ہوالغالب۔ قرۃ باصرہ خلافت۔ درۃ التاجِ سلطنت۔ مہین پورِ شہنشاہِ دین پناہ۔ میرزا محمد اکبر شاہ بہادر ولی عہدِ شاہ عالم بادشاہ غازی۔ سن ۱۲۲۴ھ۔

(۴) ثمرۂ سالۂ فرزند بجان پیوند سعادتمند۔ برخوردار کامگار مؤید منصور کجتبار والانسب عالی تبار۔ گلدستۂ بہارستانِ برستانِ سلطنت۔ بانی مبانی معدلت۔ ثمرۂ دودۂ عظمت۔ قرۂ باصرۂ سعادت۔ غرۂ ناصیۂ حشمت۔ رافع لوائے نُصرت۔ ہزبر بیشۂ دلاوری و دلیری۔ شہسوارِ جولان گاہِ شیر مردی و شیری۔ درۃ التاجِ خلافت۔ اخترِ برجِ سعادت۔ حامی دینِ متین مروج

۱؎ مستقل طور پر ۲؎ جانشین ۳؎ شاہی فرمان ۴؎ پہل۔

Marfat.com

احکام سید المرسلین ۔ مصباحِ ابد فروغ جہانبانی ۔ مؤسسِ اساسِ گورگانی ۔ چراغ دُودمانِ صاحبقرانی بادشاہزادۂ عالم و عالمیان ۔ نورِ حدقۂ جہان و جہانیان ۔ نورِ چشم ۔ راحت القلوب ۔ رفیع القدر بلند مکان المختص بلباس مُلکِ منان ۔ مہبطِ انوارِ عنایتِ ایزد سبحان ۔ عالی جاہے میرزا محمد اکبر شاہ ولی عہد بہادر ۔

(۵) (مُہر) ۔ راجہ مہتاب رائے فدوی بادشاہ غازی شاہ عالم سن ۱۲۰۲ھ

(۶) ۔ فی التاریخ ہیزدہم ۱۸ شہر شعبان المعظم سن ۴۴ جلوس والا ثبت شد ۔ م

(۷) (مُہر) رائے کنورسین فدوی خانہ زاد بادشاہ غازی شاہ عالم سن ۱۲۳۲ھ

(۸) مطلع شد بست یکم شہر شعبان المعظم سن ۴۴ جلوس والا ۔

(۹) بتاریخِ بست و یکم شعبان المعظم سن ۴۴ جلوس مبارک نقل بدفترِ استیفاء الوابِ المالِ ممالکِ محروسہ رسید معہ وکیل مشارٌالیہ ۔

(۱۰) داخلِ سیاہہ نمودہ شد ۔

(۱۱) بتاریخ ہیزدہم ۱۸ شہرِ شعبان المعظم سن ۴۴ جلوسِ معلّی موافق سن ۱۲۱۶ ہجری مطابق ۴ و ۷ ماہ نقل بدفترِ صاحب توجیہ رسید مع ۳ سجانند وکیل ۔

(۱۲) بتاریخ ہیزدہم ۱۸ شہر شعبان المعظم سن ۴۴ جلوسِ والا نقل بدفترِ مستوفی[1] ائمہ عظام رسید ۔

(۱۳) مقرر الضمن بموجب سیاہہ دفترِ خالصہ شریفہ آنکہ عرضی گذرانیدہ پادری گرگور درویش مزین بدستخطِ انور بدفتر رسیدہ باآنکہ موضع عما دپور عملۂ پرگنہ حویلی و پالم صوبہ دار الخلافہ شاہجہان آباد کہ از مدتِ سالہا ویران و بے تردد و بسیار کم جمع است شاہ نظام الدین بدرویش برائے اخراجاتِ نمازگاہ دبیوہ ہا مقرر کردہ دادہ ۔ اُمیدوار از فضل و کرم خسروانہ است کہ موضع مسطور در وجہ التمغائی فقیر مقرر شود ۔ و بنام متصدیانِ خالصہ شریفہ دستخطِ خاص مزین شود کہ سیاہہ بجہت تیاری فرمانِ والا شان بمعافی تصدیق و یادداشت برائے دفتر دار الانشا کردہ دہند ۔

(۱۴) شرحِ دستخطِ مرشد زادۂ آفاق ولی عہد بہادر آنکہ مطابق دستخطِ خاص بعمل آرند ۔

(۱۵) نقلِ خطِ انور متصدیانِ خالصہ شریفہ سیاہہ فرمانِ والا شان تیار کردہ دہند ۔

---

[1] محاسب دفتر[2] کم محاصل ۔

Marfat.com

(۱۶) بموجب سیاہہ دفترِ خالصہ شریفہ فرمانِ والا شان قلمی شد۔

(۱۷) داخلِ روزنامچہ واقعۂ غرّۂ رجب سن ۴۴ بتاریخ ہفتادہم شہرِ شعبان سن ایضاً داخلِ ایجاب شد مع سجانندہ وکیل دفتر شقی۔

(۱۸) بتاریخ غرّۂ رمضان سن ۴۴ جلوس والا نقل بدفترِ جمعدامی ممالکِ محروسہ رسید۔ ج

(۱۹) حقیقتِ دفتر این است کہ موضع عمادپور عملۂ پرگنہ پالم سرکار صوبہ دار الخلافہ شاہجہان آباد در خالصہ شریفہ تعلقِ عاملِ پرگنہ حویلی و پالم است۔ کیفیتِ دامے و رقبۂ موضع مذکور بموجبِ نوشتۂ قانونگویاں مفصلہ ذیل جہتِ دادنِ سیاہہ موضع مذکور در وجہ انعام التمغای پادری گریگور درویش برائے دفترِ دار الانشا۔ پرچہ حکم۔

۱۳۶۰ بیگھہ۔ ۵۳۷ بیگھہ شور وغیرہ منہا۔ ۱۸۹۷ بیگھہ مفت۔ ۱۷۰۰۰ دام۔
جمع سالِ تمام سن ۱۲۰۸ فصلی روپیہ ۵۰۔ موضع سوائے سائر و اراضی املاک و باغات موافقِ معمولِ قدیم۔

(۲۰)۔ ثبت نمایند۔

پادری وینڈل کے نام سندیں

بادشاہ شاہ عالم ثانی نے ۱۷۷۴ء اور ۱۷۷۵ء میں انجمنِ عیسوی کے آخری مبلغ پادری فرانسس زیویر وینڈل کو دو سندیں عطا کیں۔ ۱۷۷۴ء کی سند حسب ذیل ہے:۔

لہٗ

(مُہر) مرزا نجف خان بہادر غالب جنگ ذوالفقار الدولہ بخشی الملک فدوی بادشاہ غازی شاہ عالم سن ۱۱۸۷ھ

متصدیانِ مہماتِ حال و استقبال صوبۂ اکبرآباد بدانند کہ دیہات بعوض مبلغ دو ہزار و چہار صد روپیہ برائے مصارفِ فرنگِ گرامی باسم پادری ونڈل صاحب بابت سال تمام خرچ فصل ربیع سن ۱۱۸۱ مقرر نمودہ شد۔ باید کہ دیہاتِ حسب الضمن بجمع مرقوم بتصرف گماشتہ ہائے سالانہ واگذارند و نوعے در گذاشتنِ آں توقف و تغافل نمایند۔ و ہمیشہ ممد و معاونِ کل باشند و ہر سال سند مجدد نہ طلبند۔ دریں باب تقید دانستہ حسب المسطور بعمل آرند۔ قدغن دانند۔
مرقوم نہم شہر ذی حجہ سن ۵ جلوسِ والا۔

اِس سند کی پشت پر یہ لکھا ہے:۔

Marfat.com

(۱) بتاریخ دہم ۱۰ ذی حجہ سن ۱۵ جلوسِ والا نقل بدفترِ دیوان رسید
(۲) بتاریخ دہم ۱۰ شہر ذی حجہ سن ۱۵ جلوسِ والا داخل میاہہ حضور نمودہ شد ۔ ج
(۳) بتاریخ پانزدہم ۱۵ شہر ذی حجہ سن ۱۵ جلوسِ والا نقل بدفترِ امانت رسید ۔
(۴) بتاریخ چہاردہم ۱۴ ذی حجہ سن ۱۵ جلوسِ والا نقل بدفترِ داروغہ رسید ۔
(۵) بتاریخ چہاردہم ۱۴ ذی حجہ سن ۱۵ جلوسِ والا نقل بدفترِ وقائع رسید ۔
(۶) ہوگئے پورہ یک موضع ۔
(۷) بتاریخ چہارم دہم ۱۴ شہر ذی حجہ سن ۱۵ جلوسِ والا نقل بدفترِ استیفا رسید ۔
(۸) ضمنی نویسند ۔

دُوسری سند ۱۷۷۵ء کی ہے ۔ اس کا تعلق لشکر پور (واقع آگرہ) کے قبرستان کے قبضہ سے ہے ۔ سند حسب ذیل ہے :۔

لہٗ

(مہر) سن ۱۵ بخشی الملک ذوالفقار الدولہ میرزا نجف خان بہادر غالب جنگ فدوی بادشاہ غازی شاہ عالم ۔ سن ۱۱۸۸ ۔

متصدیانِ مہماتِ حال و استقبال موضع لشکر پور تعلقہ مندوی آہن مضاف صوبہ مستقر الخلافہ اکبرآباد بدانند کہ دو قطعہ باغ قبرستان اہلِ فرنگ باسم پادری وندل از قدیم مقرر است ۔ وہموارہ قابض و متصرف ماند ۔ دریں ولا از سرکار ہم واگذار نمودہ شد ۔ باید کہ باغاتِ مذکور راحسب الضمن بتصرفِ مشارٌ الیہ واگذارند و بوجہے مزاحم و متعرض نشدہ دربارہ امور مرقومہ مشارٌ الیہ مراتب امداد و اعانت بعمل آوردہ باشند ۔ دریں باب تاکید اکید و قدغن مزید انگاشتہ حسب المسطور بعمل آرند ۔

مرقوم بتاریخ یازدہم ۱۱ شہر ربیع الاوّل سن ۱۶ جلوسِ والا ۔

اِس کی پشت پر یہ لکھا ہے :۔

(۱) مقرر الضمن بموجبِ عرض پادری وندل مزین بدستخطِ خاص آنکہ موازی دو قطعہ باغ قبرستانِ اہلِ فرنگ کہ آں واقع است ۔ در موضع لشکر پور مضافِ صوبہ مستقر الخلافہ اکبرآباد تعلقہ مندوئی آہن ۔ بشرح دستخط خاص آنکہ پروانہ معافی بنویسند ۔ باغیچہ قبرستان معہ چہار دیواری پختہ و زمین درون و بیرون قطعہ دو نیم بیگھہ ۔ باغِ قبرستان چہاردیواری وچاہ و زمین درون و

Marfat.com

بیرون قطعہ ہشت بیگھہ۔

(۲) بتاریخ دوازدہم ۱۲ شہر جمادی الاوّل سن ۱۶ جلوسِ والا نقل بدفترِ دیوان رسید۔

(۳) بتاریخ ۱۳، ربیع الاوّل سن ۱۶ جلوسِ والا داخلِ سیاہہ حضور نمودہ شد۔ ح۔

(۴) بتاریخ سیزدہم ۱۳ شہر جمادی الاوّل سن ۱۶ جلوسِ والا نقل بدفترِ امانت رسید۔

(۵) بتاریخ سیزدہم ۱۳۔ جمادی الاوّل سن ۱۶ جلوسِ والا نقل بدفترِ داروغہ رسید۔

(۶) بتاریخ چہاردہم ۱۴ جمادی الاوّل سن ۱۶ جلوسِ والا داخل سیاہہ خاص شد۔

(۷) بتاریخ سیزدہم ۱۳۔ جمادی الاوّل سن ۱۶ جلوسِ والا نقل بدفترِ استیفا رسید۔

(۸) بتاریخ ہشت دہم ۱۸ شہر جمادی الاوّل سن ۱۶ جلوسِ والا نقل بدفترِ وقائع رسید۔

شاہ عالم ثانی کے عہد میں ۱۸۰۱ء میں خاص دارالخلافہ دہلی کی کلیسیا کا یہ حال تھا کہ وہاں نہ تو کوئی مُبلّغ تھا اور نہ کوئی گرجا تھا اور نہ گرجا بنانے کے لئے کوئی زر تھا۔

لاہور کی کلیسیا ہم گذشتہ باب میں بتلا آئے ہیں کہ لاہور میں جو گرجا اکبر کے عہد میں ۱۵۹۷ء میں تعمیر ہُوا تھا اُس کو شاہجہان نے ہُگلی کے واقعہ کے بعد شہید کروا دیا تھا۔ اورنگزیب کی تخت نشینی کے زمانہ میں مسیحی اپنی عبادتیں مُبلّغین کے رہائشی مکان کی نچلی منزل میں کیا کرتے تھے۔ مُبلّغین نے بڑی دوڑ دھوپ کر کے لاہور میں مزنگ کی زمین کے ۱۶۲۶ء کے جہانگیری فرمان کی اورنگزیب سے ۱۶۷۰ء میں تجدید کروائی۔ تجدید کی نقل حسب ذیل ہے:۔

هُو

(مُہر) فدا خان غلام عالمگیر بادشاہ سن ۱۰۸۱ھ

متصدیانِ حال و استقبال مہماتِ بہری پھلواری مُتعلقہ صُوبہ دارالسلطنت لاہور

بدانند کہ چوں موازی دوازدہ بیگھہ زمین زرعی بایک چاہ پختہ وچند درخت از موضع جماعہ مزنگ بہری مذکور خرید پادری یوسف وغیرہ پادریانِ فرنگی واقع است۔ و برجب فرمان وہ انعام آنہا برائے مقابرہ وغیرہ مقرر شد۔ قدغن می رود کہ اراضی مذکور را بدستورِ پیشینِ برطبقِ فرمان مستم دانستہ احدے مزاحم و متعرض نگردد و تغیر و تبدیل بآں راہ ندہد۔ دریں باب بریں موجب معین دانستہ تخلف و انحراف جائز ندارند۔ تحریراً فی التاریخ ششم شہر ذی حجہ سن ۱۴۔

Marfat.com

لاہور کے مسیحیوں کی زیادہ تعداد ارمنی مسیحیوں کی تھی جو تاجر پیشہ تھے۔ لیکن ان میں سے بعض فوج میں ملازم تھے اور توپ انداز بھی تھے۔ چنانچہ پادری ٹیفن ٹالر (Heffentaller) لکھتا ہے کہ جب احمد شاہ ابدالی نے پنجاب پر دوبارہ حملہ کیا تو وہ اپنے ساتھ ان تمام مسیحی توپ اندازوں کو کابل لے گیا جو لاہور کے گورنر میر منّو کے ملازم تھے۔ ۱۷۵۷ء میں جب احمد شاہ ابدالی نے تیسرا حملہ کیا تو اس زمانہ میں بھی ارمنی مسیحیوں کی بستی لاہور میں موجود تھی۔ احمد شاہ کی فوج میں آرمینیا اور جارجیا کے مسیحی ملازم تھے۔ پادری مذکور لکھتا ہے کہ ان کی طفیل لاہور کے ارمنی مسیحیوں کی بستی افغان لشکر کی لوٹ مار اور قتل و غارت سے محفوظ رہ گئی۔

جوں جوں زمانہ گذرتا گیا لاہور کی کلیسیا کی حالت ابتر ہوتی گئی۔ ہگلی کے واقعہ کے دو سو سال بعد جب اکبر ثانی کے عہد میں ۱۸۳۲ء میں آگرہ کا بشپ لاہور آیا تو وہ لکھتا ہے "گرجا کھنڈرات کا ڈھیر ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہگلی کے واقعہ نے اور گرجا کے شہید ہونے نے مبلغین کی کمر ہمت توڑ دی تھی۔ جب شاہجہان نے آصف خان کے کہنے سننے سے حکم دیا کہ لاہور میں مبلغین کے مکانات واپس کر دیئے جائیں تو وہ ان کو فروخت کر دینے کی فکر میں ہوئے۔ اب وہ لاہور کا مرکز توڑ دینا چاہتے تھے۔ چنانچہ پادری ڈی کاسترو ۱۶۴۱ء میں کم از کم ایک مکان کو فروخت کر دینے کے درپے تھا، لیکن بالآخر وہ فروخت نہ کیا گیا۔ سیاسی حالات اور ملک کی بدامنی کے باعث لاہور کی مسیحی کلیسیا کا وجود عدم و وجود کے برابر ہو گیا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مسیحی عام طور پر فوج میں بھرتی ہو جاتے تھے اور فوج کے ساتھ ہی وہ بھی نقل و حرکت کرتے رہتے تھے۔ کلیسیا کا کوئی حصہ مستقل طور پر لاہور شہر میں نہیں رہتا تھا۔ چنانچہ عالمگیر ثانی کے عہد میں جب پادری ڈیزی ڈیری (Desideri) ۱۷۱۴ء میں لاہور آیا تو وہاں کُل پانچ چھ مسیحی تھے۔

مشرقی بنگال کی کلیسیائیں

جب انجمن عیسوی کے مبلغین نے دیکھا کہ دارالسلطنت میں دن بدن حالات ناساز گار ہو رہے ہیں تو انہوں نے اپنی توجہ اقصائے سلطنت کے صوبوں کی جانب مرکوز کی۔ اس غرض کے لئے وہ پٹنہ آئے۔ اگرچہ اب پٹنہ انجمن عیسوی کا تبلیغی مرکز نہ رہا تھا لیکن وہ اس مقام سے مشرقی بنگال، ناگپور اور نیپال میں تبلیغی مرکز شروع کرنا چاہتے تھے۔

مبلغین نے بنگال کے صوبہ کے صدر مقام ڈھاکہ کے مغرب کی جانب کے علاقہ کی طرف اپنی

Marfat.com

منظرِ عام پر اٹھائیں۔ سن ۱۶۷۰ء کا واقعہ ہے کہ پرتگیزی سمندری لٹیروں نے ایک زمیندار کے لڑکے کو اغوا کرکے اُس کو مسیحی تعلیم دی اور بپتسمہ دے دیا۔ اُس کا نام ڈان انٹونیو دے روزاریو (Don Antonio de Rozario) رکھا۔ یہ جوان نہایت جوشیلا مسیحی ثابت ہُوا۔ وُہ بڑا زبردست مقرر تھا جس کی تقریر میں جادُو بھرا ہوتا تھا۔ مسیحی ہوکر وُہ واپس اپنے وطن کو آیا تاکہ وُہ اپنے ہموطنوں کو منجیٔ جہان کے قدموں میں لاتے۔ وُہ جابجا تقریریں کرتا گیا اور لوگ جوق در جوق اُس کو سُننے کے لئے دُور دُور سے آنے لگے۔ خُداوند کی رُوح نے اُس کو بتوں کی رُوحوں کو بچانے کا وسیلہ بنایا اور تقریباً تیس ہزار مرد و زن مسیحی ہوگئے۔ اس کی شُہرت دُور دراز مقامات تک پھیل گئی۔ اُن ایام میں اورنگزیب کا ماموں شائستہ خان جو آصف خان کا بیٹا تھا بنگال کا وائسرائے تھا۔ اُس نے روزاریو کو گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ جب وُہ اُس کے رُوبرُو پیش ہُوا تو وُہ بھی اُس کی تقریر سے مسحُور ہوگیا۔ اُس نے حکم دیا کہ اس کو رہا کر دیا جائے لیکن اُس پر یہ پابندی لگادی کہ وُہ اہلِ اسلام میں مسیحیت کی تبلیغ و اشاعت نہ کرے۔

اِن ہزاروں نومُریدوں کی تعلیم و تربیت کا ذمہ رُومی کلیسیا کی اگسطینی انجمنِ مُبلغین کے کندھوں پر پڑا۔ لیکن سن ۱۶۸۰ء میں گوآ کے پروونشل نے یہ فیصلہ کیا کہ انجمنِ عیسوی کے دو مُبلغین اِن نومُریدوں کے گاؤں میں جاکر اُن کو تعلیم دیا کریں۔ اِس فیصلہ سے اگسطینی مُبلغین بگڑ بیٹھے کیونکہ وُہ اِس کو مداخلتِ بیجا خیال کرتے تھے۔ یہ نومُرید اَن پڑھ نچلی ذات کے لوگ تھے جو دُور و دراز کے مختلف مقامات میں گاؤں میں بستے تھے۔ وُہ بُت و بُت پرستی اور ہندو رسُوم و دستُورات میں ڈوبے ہُوئے تھے۔ اُن کی شادی اور موت وغیرہ کی تقریبوں میں برہمن ہی سب کُچھ کرتے تھے۔ مُبلغین اُن کو بہتیرا سمجھاتے تھے لیکن وُہ کسی کی نہ سُنتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اِس قسم کے تیس ہزار مرد و زن اور بچّوں کو جو دُور و دراز مقامات میں رہتے تھے، دو مُبلغین مسیحی تعلیم و تربیت نہیں دے سکتے تھے۔ اِن دو مُبلغین کے لئے گاؤں بہ گاؤں مارے مارے پھرنا دوبھر ہوگیا تھا۔ موسمِ برسات میں اُن کے گاؤں اور گھروں کے اردگرد پانی جمع ہوجاتا تھا۔ رسل و رسائل کے ذرائع مفقُود تھے۔ مُبلغین کو اشیائے خورد و نوش بھی آسانی سے مہیا نہیں ہوتی تھیں۔ مچھروں اور مکھیوں نے اُن کا دم ناک میں کر دیا۔ وُہ بخار، ہیضہ، گٹھیا وغیرہ امراض میں گرفتار ہونے لگے۔ اُن کے نومُرید مسیحی تعلیم حاصل نہیں کرتے تھے اور ہندو رسُوم و دستُورات اور بُتوں کی پُوجا پر مُصر تھے۔ اُدھر اگسطینی مُبلغ ان کی بیجا مداخلت کی وجہ سے ان سے الگ ناراض

Marfat.com

تھے۔ اندریں حالات انجمنِ عیسوی نے اِن لوگوں میں کام کرنے کا خیال ترک کر دیا اور پانچسال کی مُدّت کے بعد اُس کے مبلّغین علاقہ کو خالی کر گئے۔

ناگپور کی کلیسیا اورنگزیب کے عہد میں گونڈ قوم کا دیوگڑھ کا راجہ ناگپور میں رہتا تھا جو مُغلیہ سلطنت کا باجگزار تھا۔ ۱۶۷۹ء میں ایک مبلّغ Phillippe da Faria فلیپ ڈا فاریا پٹنہ سے ناگپور بھیجا گیا۔ وُہ انجمنِ عیسوی کا مبلّغ تھا۔ راجہ نے بڑے تپاک سے اُس کا خیر مقدم کیا کیونکہ وُہ پرتگیزی طاقت کے وسیلہ مُغلیہ سلطنت سے آزاد ہونا چاہتا تھا۔ راجہ نے مُبلّغ سے کہا کہ مَیں ہندو عقائد کو نہیں مانتا۔ آپ میرے دربار کے برہمنوں سے مناظرہ کریں۔ چنانچہ ایک مناظرہ برسرِ عام منعقد ہُوا جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ متعدد حق کے متلاشی مبلّغ کے پاس آنے لگ گئے اور پچپن[55] کے قریب مسیحی بھی ہو گئے۔ پادری فاریا سنیاسی کے لباس میں ملبُوس، راجہ کے علاقہ میں تبلیغ کا کام محنت سے کرتا رہا، لیکن یہاں بھی اُس کو وہی دِقّت پیش آئی۔ اُس کے نومریدذات پات اور ہندو عقائد و دستُورات کو چھوڑنے کا نام بھی نہیں لیتے تھے۔ اِدھر حکّام مُغلیہ اُس پر کڑی نظر رکھتے تھے، کیونکہ بیرون کی کانیں وہاں سے نزدیک تھیں اور پرتگیزی حکومت اعتماد کے قابل ثابت نہ ہُوئی تھی۔ علاقہ بھی الگ تھلگ تھا جہاں رسل و رسائل کے ذرائع نہ تھے۔ ان مُشکلات کے باوجود ایک اور پادری جواؤ لیتم (Joao Leytam) آگرہ سے پٹنہ گیا تاکہ وہاں سے جاکر فاریا کی مدد کرے۔ لیکن اُنہی ایّام میں پٹنہ کے جنوب میں ہندوؤں نے مُغلیہ سلطنت کے خلاف بغاوت کر دی اور وُہ تین ماہ تک آگے نہ بڑھ سکا۔ پٹنہ کے گورنر نے اُس کو اجازت نامہ دے دیا اور وُہ سنیاسی لباس میں سفر کر رہا تھا جب وُہ گرفتار کر لیا گیا تو اُس پر جاسُوسی کا الزام لگایا گیا۔ گورنر نے پروانۂ راہداری کو منسوخ کر دیا اور اُس کو تین سو روپیہ جرمانہ اور قید کی سزا دے دی۔ اُدھر گوآ کے پروونشل نے یہ حالات دیکھ کر حکم بھیجدیا کہ ناگپور کا تبلیغی مرکز بھی بند کر دیا جائے۔ ناگپور کا راجہ اورنگزیب کے پاس جاکر مسلمان ہو گیا اور اُس کا نام بخت بلند رکھا گیا۔

مُنگی کا گرجا منوچی لکھتا ہے کہ اِنہی ایّام میں وُہ ایک دفعہ مُنگی گیا۔ وہاں ایک چھوٹا سا گرجا تھا جس کی دیواریں مٹی کی تھیں۔ مُبلّغین بہت چاہتے تھے کہ وہاں ایک بڑا اور فراخ گرجا بنائیں جو عبادت کے لائق ہو مگر حکّام ان کی پیش چلنے نہیں دیتے تھے۔ وُہ گورنر کے پاس گئے اور اُس کو اُنہوں نے پانچہزار روپیہ کی رشوت بھی دی لیکن پھر بھی وُہ نہ مانا، بلکہ اُس نے اُلٹا حکم دے دیا کہ جو شخص گرجا تعمیر کرنے کا کام کرے گا اُس کے ہاتھ کاٹ ڈالے جائیں گے۔ مُبلّغین

Marfat.com

نے منوچی سے کہا کہ اگر تم گورنر سے ملو اور اُس سے اجازت مانگو تو وہ انکار نہیں کرے گا۔ اس پر منوچی گورنر کے پاس گیا اور سمجھا بجھا کر اُس کو رضا مند کروالیا۔ اُس نے ایک بڑا اور خوبصورت گرجا بنانے کی اجازت دے دی۔ (جلد ۲ ص ۹۰)

نرور۔ وسط ہند

جب نادر شاہ نے ۱۷۳۷ء میں دہلی کو غارت کیا تو ان ایام میں وسط ہند کی ایک ریاست نرور کے ہندو راجہ کے دربار میں ایک اعلیٰ خاندان کا یورپین افسر تھا جو مشہور ہندوستانی بوربن (Bourbon) خاندان کا مورثِ اعلیٰ تھا۔ اُس کو نرور کے قریب شیر گڑھ میں جاگیر ملی تھی اور اُس نے وہاں اپنی رہائش اختیار کرلی۔ اُس کے رسوخ سے راجہ نے اپنی راجدھانی میں ۱۷۴۳ء میں ایک گرجا بنوا دیا اور مقامی غریب اور یتیم مسیحیوں اور پادری کے لئے روپیہ بھی عطا کیا۔ انجمنِ عیسوی کا ایک مبلغ یہاں ۱۷۴۲ء سے رہنے لگا، لیکن تبلیغ و اشاعتِ مسیحیت ممنوع تھی پس وہاں کوئی شخص منجی جہان کے قدموں میں نہ آیا۔ مبلغ کا کام صرف مسیحی عبادتوں اور رسموں کو ادا کرنا ہی رہ گیا تھا۔ کلیسیا کے افراد بوربن کے ملازموں تک ہی محدود تھے۔ یہ کلیسیا اگرچہ غریب تھی لیکن آگرہ کے مفلس اور نادار مسیحیوں کی دامے درمے مدد کیا کرتی تھی۔ امتدادِ زمانہ کے ساتھ اس چھوٹی کلیسیا کی تعداد کم ہوتی گئی کیونکہ کوئی نو مرید مسیحی ہوکر کلیسیا کی تعداد میں اضافہ نہ کرتا تھا۔ ۱۷۶۵ء میں جو راجہ گدی نشین تھا اُس نے ریاست کی طرف سے امداد بھی بند کردی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انجمنِ عیسوی نے اس مرکز کو بھی بند کردیا۔ گرجا قلعہ کے اندر تا حال موجود ہے۔

۱۷۷۸ء میں جو ہندو راجہ گدی پر تھا، اُس نے شیر گڑھ پر حملہ کرکے بوربن خاندان کے بیشتر افراد کا قتل عام کردیا۔ بعض افراد بھاگ کر گوالیار چلے گئے۔ ان میں سے ایک سیلوا دور بوربن بھوپال ریاست کو چلا گیا جہاں اُس کی اولاد تا حال موجود ہے۔ بوربن پشت در پشت نواب بھوپال کے مشیر اور صلاحکار رہے۔ اُن کی خدمات کے صلہ میں اُن کو اچاور کی تحصیل کا ایک بڑا حصہ جاگیر میں دیا گیا۔ سیلوا دور بوربن کے بیٹے بلتشفر شاہزاد مسیح نے ایلزبتھ بوربن سے شادی کی جو "دلہن بیگم" کے نام سے مشہور تھی۔ وہ نواب بھوپال کی بیگمات کی مدت تک ملازم رہی۔ اُس کی وفات (۱۸۸۲ء) کے بعد بوربن خاندان کا اقتدار کم ہوگیا۔ اس خاندان کے افراد کے مسلمانی نام تھے اور اُن کی طرزِ رہائش بھی مسلمانوں کی سی تھی۔ اُن کی عورتیں پردہ کرتی رہیں۔ اور بھوپال اُن کا گھر ہوگیا۔

Marfat.com

جے پُور کی کلیسیا

شہر جے پُور کا بانی اَور ریاست کا راجپوت راجہ جے سنگھ علم النجوم کا ماہر تھا۔ وُہ ۱۶۹۹ء سے ۱۷۴۳ء تک نہایت دانشمندی سے ریاست پر حکمرانی کرتا رہا۔ لیکن علم النجوم اُس کے دل ودماغ پر مسلط تھا۔ اُس نے اجرامِ فلکی کی حرکات معلوم کرنے کے لئے جے پُور۔ دہلی۔ متھرا۔ اُجین اَور بنارس میں رصدگاہیں بنوائیں اَور مغربی ممالک کے ہیئت دانوں کی کتابیں فراہم کیں۔ سورت سے نقشے اَور کُرّے منگواتے۔ انجمنِ عیسوی کے مُبلّغین منگوائے جن کو اس علم میں دسترس تھی۔ پرتگال سے اُس نے ایک مشہور مُنجّم کو بُلوا بھیجا جس کا نام پیڈرو ڈے سِلوا (Pedro de Silva) تھا جس کو "عقلمند خاں" کا خطاب مِلا۔ یہ شخص بڑا زبردست طبیب بھی تھا۔

جب انجمنِ عیسوی کے مبلّغین نے دیکھا کہ وُہ اَورنگزیب کی سلطنت میں بیدست وپا ہو گئے ہیں تو اُنہوں نے راجہ جے سنگھ کی دعوت کو غنیمت سمجھا اَور وُہ ۱۷۳۴ء میں اُس کے دربار میں آگئے۔ راجہ نے اُن کے لئے ایک گرجا بنوایا جو نہایت خُوبصورت تھا جہاں وُہ خُود بھی کبھی کبھی جاکر عبادت میں شریک ہوتا تھا اَور نذریں چڑھایا کرتا تھا۔ وُہ مُبلّغین اَور اُن کے مسیحیوں کا جو راجہ کے ملازم تھے بہت خیال رکھتا تھا۔ جب وُہ فوت ہوگیا تو اُس کے ساتھ ہی علم النجوم کا مطالعہ بھی ختم ہوگیا۔ راجہ کی وفات کے ساٹھ سال کے اندر اندر اجرامِ فلکی کے نقشے اَور علم ہیئت کی کتابیں اَور ستارہ شناسی کے قیمتی کاغذات اَور دستاویزیں وغیرہ سب ردی میں بِک گئیں اَور ستارہ شناسی اَور ہیئت کے علم کے تمام آلات جو تانبے کے تھے تباہ وبرباد کر دیئے گئے۔ مبلّغین چند سالوں تک وہاں مقیم رہے لیکن اس کے بعد وُہ دہلی چلے گئے۔ ۱۷۳۵ء میں راجہ جے سنگھ کے پاس چھ سو مسیحی ملازم تھے لیکن اُس کی وفات کے بعد کل چالیس مسیحی وہاں تھے۔ یہ محمد شاہ کا زمانہ تھا۔

منوچی لکھتا ہے کہ جب راجہ جے سنگھ ریاست جے پور کا فرمانروا تھا ایک دفعہ چاوَل کے ہندوؤں نے اُس کے حضور شکایت کی کہ پرتگیز اُن کے بچّوں کو اغوا کرکے اُن کو مسیحی بنا لیتے ہیں۔ یہ سُنکر راجہ غضب میں آگیا۔ جب مَیں نے یہ سُنا تو مَیں نے بسین کے گورنر کو اس واقعہ کی اطلاع دی اَور کہا کہ ایک سفیر کو تحائف کے ساتھ اُس کے دربار میں فوراً روانہ کرو اَور مَیں خُود اس معاملہ کو سُلجھاؤں گا۔ اُس نے پادری ڈامیو ویرا (Damio Vieira) کو ایک مسلمان جوان کے ہمراہ وہاں بھیجا۔ مَیں راجہ کے دربار میں گیا اَور کہا کہ پرتگیز یہ کارستانیاں دو سو سال سے کرتے آرہے ہیں۔ حال میں اُنہوں نے کوئی خاص نئی بات نہیں کی جس پر آپ کو غُصّہ آیا ہے۔ پرتگیز صرف

Marfat.com

لاوارث اور یتیم بچوں کو مسیحی بنا کر اُن کی پرورش اور دیکھ بھال کرتے ہیں۔ اس پر راجہ کا غصّہ ٹھنڈا ہُوا، اور اُس نے اپنی ریاست میں مسیحیت کی تبلیغ و اشاعت کی اجازت دیدی، لیکن راجہ کی آنکھ بند ہونے کی دیر تھی کہ کلیسیا کا جے پور میں خاتمہ ہو گیا۔

اٹھارہویں صدی کے درمیان میں انجمنِ عیسوی کے صرف چار مرکز باقی رہ گئے تھے جو آگرہ۔ دہلی۔ جے پور اور نروَر میں تھے۔ انجمن کے اوقاف مُبلّغین کے پاس نہ رہے۔ گوآ کی حکومت سے اُن کو امداد کی توقع نہ رہی تھی۔ اُن کا تبلیغ و اشاعت کا کام خلافِ قانونِ مُلک قرار دیدیا گیا تھا۔ اُدھر یُورپ میں انجمن کو تقریباً ہر مُلک میں توڑا جا رہا تھا۔ ۱۷۷۳ء میں جیسا ہم ذکر کر آئے ہیں پوپ کلیمنٹ چہاردہم نے انجمن کو قطعی طور پر بند کر دیا۔ اس زمانہ میں شاہ عالم ثانی سنگھ تختِ دہلی کا برائے نام بادشاہ تھا۔ اور سلطنت میں کلیسیاؤں کا وجود بھی ہر جگہ برائے نام ہی رہ گیا تھا۔

فصلِ دوم

مُغلیہ سلطنت کی کلیسیاؤں کے زوال کے اسباب

اسلام کا نظامِ حکومت

ہم جلدِ سوم کے حصّہ اوّل کے باب ہشتم میں مختصر طور پر ممالکِ ایشیا کی کلیسیاؤں کے زوال کے اسباب کا ذکر کر چکے ہیں۔ ان اسباب کا زیادہ تر تعلق حکومتِ الٰہی کے قوانین اور اسلامی شریعت کے نفاذ کے ساتھ تھا۔ سلطنتِ دہلی کے ایام میں شمالی ہندوستان کی کلیسیاؤں کے زوال کا تعلق بھی انہی قوانین و احکام کے ساتھ تھا۔ مُغلیہ سلطنت کے زمانہ میں بھی جب کبھی بادشاہِ وقت نے مذہبی آزادی کا اعلان جاری کر دیا یا اسلامی شریعت کے شعار کی طرف سے لاپرواہ رہا تو ہندو اور مسلم عوام مسیحی کلیسیا میں شامل ہونے سے جھجکتے نہ تھے لیکن جب اورنگزیب کی طرح بادشاہِ وقت کٹر اور متعصب مسلمان ہوتا اور اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور اسلامی شریعت کے نفاذ کو اپنا اوّلین فرض سمجھتا تو مسلمان شریعتِ ارتداد اور جان کے خوف کے مارے علانیہ خداوند مسیح پر ایمان نہیں لاتے تھے۔ ہندو عوام کے اُونچی ذات کے لوگ فرنگیوں کی کرتوتیں دیکھ کر اُن کے مذہب کو اختیار نہیں کرتے تھے۔ ہاں نیچ ذاتوں میں سے بعض خُداوند کے قدموں میں آنے کی سعادت حاصل کر لیتے تھے لیکن اُن کا نہ تو کوئی اقتدار ہوتا اور نہ اثر و رسُوخ

Marfat.com

جب کبھی مُسلِم مُحکّام اُن کے تالیفِ قلوب کے لئے اُن کو آسانیاں مہیّا کر دیتے تو بعض اسلام کے حلقہ بگوش بھی ہو جاتے اَور مسیحیت کو ترک کر دیتے تھے۔ پس مغلیہ سلطنت کی کلیسیاؤں کے زوال کے تاریخی اسباب میں پہلا درجہ قرآنی احکام، اسلامی شریعت اَور اسلام کے نظامِ حکومت کو حاصل ہے۔

اقوامِ مغرب کی باہمی کشمکش

بابر کے زمانہ سے لے کر اکبر کے عہد تک پرتگیز ایشیا کے تمام سمندروں کے واحد ٹھیکہ دار تھے۔ پرتگال اَور ہسپانیہ ہندوستان کی تجارت کے طفیل تمام یُورپ کے سر برآوردہ مُلک ہو گئے تھے۔ اُن کی دولت وحشمت کو دیکھ کر یورپ کے دیگر ممالک ہالینڈ۔ ڈنمارک۔ برطانیہ۔ فرانس وغیرہ کے دندان آز تیز ہُوئے اَور اُنہوں نے پرتگال وہسپانیہ کو بحری جنگوں میں شکست دیکر اُن کی طاقت کو توڑ دیا سب مغلیہ بادشاہ تمام مغربی ممالک کے ہاتھوں نالاں تھے۔ جب اُن کو معلُوم ہو گیا کہ وُہ ایک دُوسرے کے جانی دُشمن ہیں تو اُنہوں نے شطرنج کی سی چالیں چل کر ایک کی مدد کر کے دُوسرے کی طاقت کو اَور دُوسرے کی مدد کر کے پہلے کی طاقت کو توڑ دیا۔ اَورنگزیب کی وفات کے وقت صرف چند ایک بحری مقامات ہی مغربی طاقتوں کے ہاتھ میں رہ گئے تھے۔ باقی کل ہندوستان اورنگزیب کے ممالکِ محروسہ میں شامل تھا۔ اکبر کے وقت سے ہی جُوں جُوں زمانہ گذرتا گیا، شاہانِ مغلیہ پر اِن مغربی ممالک کی طاقت کا کھوکھلا پن ظاہر ہوتا گیا اَور وُہ اُن کو حقیر شمار کرنے لگ گئے۔ بدقسمتی سے یورپ کی اقوام کی سیاسیات کے ساتھ اُن کے مذہبی عقائد بھی وابستہ تھے جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ اُن ممالک کے مُبلّغین بھی اپنے اپنے مُلک و قوم کی سیاسیات کو مذہب کا حِصہ سمجھتے تھے اَور خیال کرتے تھے کہ اُن کے مُلک کا غلبہ اَور اُن کے مذہب کا غلبہ دونو مترادف باتیں ہیں۔ پس سلطنتِ مُغلیہ کے اقتدار و رسُوخ میں فرق آ گیا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ اورنگزیب کے زمانہ میں اُن کو کوئی پُوچھتا تک نہ تھا اَور وُہ دربدر مارے مارے پھرتے تھے۔ اورنگزیب کے بعد اُن کے تبلیغی ادارے اَور مرکز ایک ایک کر کے بند ہو گئے اَور وُہ اپنے اپنے مُلکوں کو واپس چلے گئے۔ غریب و نادار ہندوستانی مسیحی بے یار و مددگار رہ گئے اَور لاچاری کے ہاتھوں مجبُور ہو کر وُہ یا تو دائرہ اسلام میں چلے گئے اَور یا گمنامی کے گوشوں میں سسک سسک کر زندگی کے دن بسر کرنے لگ گئے اَور یُوں کلیسیائیں ختم ہوتی چلی گئیں۔

Marfat.com

پردیسی مسیحیوں کی بداخلاق زندگیاں

مُغلیہ سلطنت کے قریباً ہر بڑے شہر میں کابل سے لے کر بمبئی اور دکن تک مغربی ممالک کے مسیحی موجود تھے جو قریباً سب کے سب ننگِ مسیحیت تھے ہگلی کے واقعہ کے بعد کئی ہزار مرد و زن قیدی شاہجہان کے حکم سے مسیحیت سے منحرف ہو کر اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے تھے۔ اُن میں سے بہت سے قیدی ایسے بھی تھے جن کو اسلام سے بچانے کی خاطر مُبلغین نے اور دیگر مسیحیوں نے زرِ فدیہ دے کر چھڑوا لیا تھا۔ یہ پرتگیز قیدی نام کے مسیحی تھے اور ان کی بدافعالیاں مسیحیت کے لئے عار کا باعث تھیں۔ جب شاہجہان اور اورنگزیب کے عہد میں اُن کو مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑا تو اُن میں سے بہتیروں نے اسلام قبول کر لیا۔ ان کے علاوہ دیگر مغربی ممالک کے یورپینوں نے بھی تن آسانی کی خاطر اسلام قبول کر لیا۔ سلطنت کی تالیفِ قلوب کی پالیسی کی وجہ سے بعض عیار پردیسی مسیحیوں نے دھوکا دینا اور مذہب کو تبدیل کرنا اپنا پیشہ بنا لیا۔ منوچی ایک پرتگیز سپاہی کی نسبت جو اورنگزیب کے عہد میں آیا تھا، لکھتا ہے کہ اُس نے جنوبی ہند میں اپنے آپ کو گوآ کا وائسرائے ظاہر کر کے بڑی عزت حاصل کر لی۔ جب وُہ دہلی آیا، تو اُس نے اپنا نام ڈان مانٹی نگرو ظاہر کیا اور ایک پرتگیز خاتون سے شادی کر لی جس کی ماں مدیہ ٹوسکانا نے کسی زمانہ میں اسلام اختیار کر لیا تھا لیکن پچھتا کر بعد میں پھر کلیسیا میں شامل ہوگئی تھی۔ دہلی آکر اِس پرتگیز نے اسلام قبول کر لیا اور اپنا نام دین محمد رکھ لیا۔ اسلام لانے کے بعد اُس نے قاضی کی عدالت میں اپنی ساس کے خلاف اِرتداد کا الزام لگایا اور اُس کے ساتھ اپنی بیوی اور سالے کو بھی دھر لیا۔ ساس کے خلاف یہ الزام لگایا کہ گو وُہ پیدائش ہی سے مُسلمان تھی وُہ مُرتد ہو کر عیسائی ہوگئی ہے۔ لیکن یہ الزام ثابت نہ ہو سکا اور قاضی نے مقدمہ خارج کر دیا۔ بعد کے زمانہ میں دین محمد اسلام سے رُوگردان ہو کر پھر مسیحی ہو گیا۔

متعدد پرتگیز مسیحی جزیہ سے بچنے کی خاطر مسلمان ہو گئے۔ گو مُبلغین اِس وقت خود مفلس اور نادار تھے اُنہوں نے کوشش کر کے بہت پرتگیزوں کی رقم جزیہ ادا کر کے اُن کو مُسلمان ہونے سے بچا لیا لیکن جن کا جزیہ ادا نہ ہوتا وُہ آئے دن مبلغین کو اسلام قبول کر لینے کی دھمکیاں دیتے رہتے تھے اور اسلام قبول بھی کر لیتے تھے۔

اورنگزیب کی فوج کے توپچی یورپین ممالک کے باشندے تھے۔ مقتول دارا شکوہ کے یورپین توپچی بھی اُس کے ملازم ہو گئے تھے۔ اُن کے اخلاق کی بابت منوچی لکھتا ہے کہ "یہ توپچی

Marfat.com

نام کے عیسائی تھے۔ ان کی بدافعالیاں ہندو اور مسلمانوں کی بداعمالیوں کو بھی مات کرتی تھیں۔ ان میں سے اکثر دس دس بارہ بارہ عورتوں کو اپنے گھروں میں رکھتے تھے۔ وہ اس قدر شراب پیتے تھے کہ دن رات نشہ کی حالت میں رہتے تھے۔ جب دیکھو وہ جوئے بازی میں مشغول ہوتے تھے۔ جو شخص اُن کے ہتھے چڑھ جاتا اُس کو وہ کبھی نہ چھوڑتے تھے۔ وہ دغابازی اور فریب دہی میں طاق تھے۔ وہ خدا کا خوف چھوڑ، اُس کا نام بھی نہیں لیتے تھے۔ بہتیرے مسیحی توپچی ایسے بھی تھے جو تھوڑی سی تنخواہ کی خاطر اپنا ایمان قربان کر کے مسلمان ہو جاتے تھے۔ اُن کو اپنی رُوحوں کی نجات کی رتّی بھر پرواہ نہ تھی۔" (جلد ۲ صفحہ ۶-۷)

یہ بد مذہب اور بد اخلاق نام نہاد مسیحی ایسے لوگوں میں بُود و باش کرتے تھے جن کی بابت تیوَرنیئے (Tavernier) لکھتا ہے کہ "مذہب اور اخلاق کے معاملہ میں ہندوستانی ایسے ہیں کہ اُن کو دیکھ کر یورپ کے مسیحی شرما جائیں ... قتل، خُون اور زناکاری کی سخت سے سخت سزائیں دی جاتی ہیں۔ ان سزاؤں سے شاہزادے اور شاہزادیاں تک مستثنےٰ نہیں ہوتیں"۔ ... اگرچہ یہ بُت پرست خدائے واحد برحق کے حقیقی علم سے ناواقف ہیں تاہم قدرت نے ان کو نیکی کے علم سے محروم نہیں رکھا۔ زناکاری شاذ و نادر ہی ہوتی ہے۔ شادی شدہ اپنی بیویوں سے بیوفائی نہیں کرتے۔ لواطت کا وہ نام بھی نہیں جانتے۔ چونکہ ان کی شادیاں اوائل عمر میں ہو جاتی ہیں وہ اِن بدیوں میں نہیں پڑتے۔"[1]

فرنگیوں کی عورتوں کی حالت منوچی بایں الفاظ بیان کرتا ہے "میں نے بارہا دیکھا ہے کہ اُن کی عورتیں اپنے بیمار بیٹے بیٹیوں کو مسلمانوں کے مزاروں اور قبروں پر بھیجتی ہیں تاکہ پیروں کی کرامات سے وہ تندرست ہو جائیں ... بیچارے مبلّغین اُن کو ہزار سمجھاتے ہیں لیکن وہ نہیں سُنتیں، اور نہ وہ انجیل کے احکام اور کلیسیائی قوانین کی پرواہ کرتی ہیں" (ایضاً صفحہ ۱۶)۔ یہ پردیسی مسیحی انجمنِ عیسوی کے مبلّغین تک کو نہیں چھوڑتے تھے اور اُن کے خلاف طرح طرح کے الزام تراشتے رہتے تھے۔ اُن کے ہاتھوں سے خود منوچی ایسا نالاں تھا کہ وہ لکھتا ہے کہ "مسلمان تو جو مجھ کو تنگ کرتے تھے، سو کرتے ہی تھے، لیکن ان سے زیادہ عیسائیوں نے میرا دم ناک میں کر رکھا تھا۔ اگر

1. Travels in India, by Jean Baptista. Taverinier, Eng. Trans. by John Phillips London 1677. (Published by Bangabasi Office, Calcutta, 1905) p. 437. Also see Introduction.

Marfat.com

مَیں بھی اِن عیسائیوں کی طرح ہوتا تو اِن کی مانند مَیں بھی لاکھوں کما لیتا۔ لیکن مَیں نے ہمیشہ ایمانداری کو نگاہ میں رکھا..... اِن مغربی مسیحیوں کی بداعمالیوں کی طفیل اب مغل فرنگیوں کی پہلی سی عزّت نہیں کرتے اَور لفظ فرنگی حقارت کا لفظ ہو گیا ہے (ایضاً ص۲۱۵)۔ انگریز سفیر ٹامس رو کا پادری ٹیری Terry بھی لکھتا ہے کہ "میرا بڑا جی کرتا ہے کہ اہلِ اسلام میں انجیل جلیل کی بشارت دُوں لیکن کیا کروں۔ ہمارے مسیحیوں کی زندگیاں ہی ایسی ہیں کہ سب کیا کرایا خاک میں مل جاتا ہے۔ پھر اِن مسلمانوں میں تعددِ ازدواج کی رسم ہے جو کچھ پیش چلنے نہیں دیتی"۔

مُبلّغین کے باہمی تنازعے

سلطنتِ مُغلیہ میں انجمنِ عیسوی کی دیکھا دیکھی ممالک یورپ کی دیگر تبلیغی انجمنوں کے مبلّغین نے بھی مختلف مقامات میں اپنے اِدارے اَور مرکز کھول لئے، اَور اگر وُہ کہیں کامیاب ہو جاتے تو شکست خوردہ انجمنِ عیسوی کے مُبلّغ سٹپٹا اُٹھتے تھے۔ چنانچہ جب اَینٹونیو روزاریو نے مشرقی بنگال میں بیس ہزار کے قریب ہندوؤں کو مسیحی بنا لیا تو یہ مبلّغین (جو نہ مُغلیہ بادشاہوں میں سے کسی کو اَور نہ اُن کے وُزرا میں سے کسی کو خُداوند مسیح کے قدموں میں لانے میں کامیاب ہُوئے تھے) سیخ پا ہو گئے اَور کہنے لگے کہ اگسطینی انجمن کو مُغلیہ سلطنت کے کسی کونہ میں بھی مسیحیت کی اشاعت کا حق حاصل نہیں کیونکہ اکبر بادشاہ نے صرف انجمنِ عیسوی کو ہی اپنی سلطنت میں تبلیغِ مسیحیت کا حق ادا کیا ہُوا ہے۔ اگسطینی انجمن کو یہ حق حاصل نہیں کہ وُہ بنگل (ڈھاکہ) میں تبلیغ واشاعتِ انجیل کریں: حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ اگسطینی پادری حقِ تبلیغ ادا بھی نہیں کرتے تھے بلکہ صرف پردیسی مسیحیوں کی ہی دیکھ بھال کیا کرتے تھے اَور یہ بیس ہزار لوگ صرف ایک ہندوستانی مسیحی روزاریُو کی واحد کوشش سے کلیسیا میں شامل ہُوئے تھے لیکن زیوئیر کے یہ نالائق جانشین جن کی اپنی ہمّت جواب دے بیٹھی تھی، یہ دیکھ کر کہ دیگر مقامات میں ایک ہندوستانی مسیحی کامیاب ہو گیا ہے حسد کے مارے اپنا سر پیٹ لیتے تھے۔ اس قسم کے مُبلّغین نے نہ صرف ہندوستان میں بلکہ ممالکِ مغرب میں بھی ایسا اُودھم مچایا کہ پوپ کو مجبور ہو کر ایسی انجمن کو بند کرنا پڑا۔

ہندوستانی مسیحی رہنماؤں کا فقدان

ہم باب ششم کی فصلِ سوم میں بتلا چکے ہیں کہ انجمنِ عیسوی کے مبلّغین نے کسی ہندوستانی مسیحی کا کلیسیا کے گلّہ کی دیکھ بھال کے لئے اہلِ اسلام یا اہلِ ہنود میں تبلیغ واشاعتِ انجیل کی خدمات پر مامور نہ کیا۔ جہانگیر کے عہد تک تو وُہ شاہانِ مُغلیہ کو مسیحی کے قدموں میں لانے کے خواب دیکھتے رہے اَور اِس خام خیالی میں مُبتلا رہے کہ بادشاہِ وقت کے ساتھ اُس کی تمام رعایا بھی مسیحی ہو جائیگی۔

Marfat.com

لیکن گو یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہُوا، اُنھوں نے عوام کو انجیل کا پیغام نہ سنایا۔ جب وُہ اس خوابِ گراں سے جاگے تو شاہجہان اور اورنگزیب کا زمانہ آگیا تھا جب وُہ نہ تو خود تبلیغ کرنے کے اہل تھے اور نہ اُنھوں نے کسی ہندوستانی کو قسیس کے عہدہ پر مامور کر کے تبلیغ و اشاعتِ انجیل کا ذمہ دار بنایا۔ جو مسیحی کلیسیا میں شامل ہُوئے تھے اُن میں یا تو سرے سے رہنمائی کا مادہ ہی نہ تھا اور یا اُن میں پیشقدمی اور رہنمائی کی اہلیت مفقود ہو چکی تھی۔ پس جب کلیسیا کو بُرے دنوں کا سامنا کرنا پڑا تو وُہ "اُن بھیڑوں کی طرح تھے جن کا کوئی چرواہا نہ ہو"۔ چنانچہ بشپ میتھوس نے انجمن کے مبلغین اور اربابِ بست و کشاد کو ہزار سمجھایا لیکن وُہ نہ سمجھے اور اُلٹا اُس کے پیچھے پڑ گئے۔ اُنھوں نے اپنی روش کو نہ بدلا جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ مُغلیہ سلطنت میں مسیحیت پھلنے پھولنے کی بجائے تباہ و ویران ہوتی چلی گئی۔ جُوں جُوں مُلک کی سیاسی حالت ابتر ہوتی گئی، اِس بے دست و پا جماعت کا کوئی سنبھالنے والا نہ رہا تھا۔ کلیسیا کا کوئی اپنا ہندوستانی قائد اور پیشوا نہ تھا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ کلیسیائیں جو سلطنت کے طُول و عرض میں مختلف شہروں اور قصبوں میں پھیلی ہُوئی تھیں، اپنے پاؤں پر ثابت قدمی سے کھڑی نہ رہ سکیں، اور ہر جگہ رفتہ رفتہ یہ قلیل جماعتیں اکثریتوں میں شامل ہوتی چلی گئیں۔ نہ اُن کی کوئی تنظیم تھی اور نہ کوئی تنظیم کرنے والا سالار ہی تھا۔ اُن کے حقُوق کا کوئی نگران تک نہ تھا۔ کلیسیا ہر مقام میں ایک ذلیل اور حقیر اقلیت تھی جس کو کوئی پُوچھنے والا نہ تھا۔ حکومت کی نظر میں وُہ کسی گنتی میں نہ تھی اور سیاسی پہلُو سے اس کی ہستی عدم وجُود کے برابر تھی۔ اِس میں کچھ شک نہیں کہ تعداد و شمار میں یہ کلیسیائیں بعض دیگر جماعتوں (مثلاً سکھوں اور پارسیوں وغیرہ) سے کہیں زیادہ تھیں لیکن وُہ غیر منظم افراد پر مشتمل تھیں جن کے کوئی دیسی سالار یا لیڈر نہ تھے۔ پردیسی مُبلغین نے چند مُٹھی بھر ہندوستانی کارندوں کو ملازم کر رکھا تھا جن کی حیثیت معمُولی مزدُوروں کی سی تھی۔ وُہ کسی شمار و قطار میں نہ تھے اور کلیسیا کے افراد کی تعداد کے مقابلہ میں نہ صرف ناکافی تھے بلکہ کوئی قابلیت اور لیاقت اور رسُوخ نہیں رکھتے تھے۔ کلیسیائیں ہر جگہ بے ربط گُونگی جماعتیں بن گئیں اور تیز رفتاری سے ذہنی اور رُوحانی زوال کی جانب بڑھتی چلی گئیں کیونکہ ان پردیسی تبلیغی انجمنوں کے مُبلغ سَو فیصدی پردیسی تھے اور ہندوستانی ایک بھی نہ تھا۔ جب بادشاہِ وقت پرتگیزی یا کسی دُوسری غیر مُلکی سلطنت سے برسرِ پرخاش ہو جاتا یا پردیسی مبلغین سے ناراض ہو کر اُن کو مُلک بدر کر دیتا یا وُہ خود ناامید ہو کر اپنے مشن کے مرکزوں کو بند کر کے اپنے وطن کو واپس چلے جاتے تھے تو کلیسیائیں بھی دم توڑ دیتی تھیں۔

Marfat.com

فرنگی ہونا

مغربی ممالک کے پردیسی مُبلغ ہندوستان کو اپنا مُلک اور اپنا گھر نہیں سمجھتے تھے۔ اُن کی نظریں ہمیشہ اُن کے اپنے ہی مُلک پر لگی رہتی تھی۔ اُن کی دیکھا دیکھی اُن کے نو مُرید بھی ان مغربی مسیحی طاقتوں کو اپنا لیتے تھے اور وُہ اپنے ہی دیس میں پردیسی ہو گئے۔ پس ہندوستان کے غیر مسیحیوں پر اُن کا اثر خاک بھی نہ پڑتا تھا اور ہندو مسلمان سب نو مُریدوں کو پردیسی سمجھتے تھے۔ جب کبھی مغلیہ حکومت کسی مغربی مُلک کی سلطنت سے اُلجھ جاتی تو ہندوستانی کلیسیاؤں کی ممالکِ محروسہ میں شامت آ جاتی تھی۔ لفظ "فرنگی" حقارت کا لفظ تھا اور سب ہندوستانی مسیحی "فرنگی" شمار کئے جاتے تھے۔ حکومت اور رعایا دونوں اُن کے ساتھ فرنگیوں کا سلوک کرتے تھے اور مُصیبت کے ایام میں اُن کا قتلِ عام ہو جاتا۔ اُن کے گرجے شہید کر دیئے جاتے۔ اُن کے گھر لُوٹ لئے جاتے، اور وُہ تباہ حال ہو جاتے تھے۔

کلیسیاؤں کی اقتصادی غُلامی

اکبر کے عہد کے بعد مُبلغینِ انجمنِ عیسوی نیچ ذات کے ہندوؤں کو مسیحی کلیسیا میں شامل کرتے چلے گئے جو غریب اور مفلس طبقہ کے ہوتے تھے۔ وُہ اِن نو مُریدوں کی حاجتوں کو رفع کرنے کے لئے اُن کی مالی امداد کرتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ نو مُرید ہمیشہ اِن پردیسی مُبلغین کے محتاج اور دست نگر رہے۔ اُن کی کلیسیائیں ہمیشہ اُن کے سامنے مدد کے لئے ہاتھ پھیلاتی رہیں اور ہندوستانی کلیسیا اقتصادی طور پر اِن غیر مُلکی پردیسیوں کی غلام ہو گئی۔ اور اُس کو اِس اقتصادی غلامی سے کبھی نجات نہ ملی۔ اِس غلامی نے نو مُریدوں کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے نہ دیا۔ وُہ خُود احساسِ کمتری کا شکار ہو گئے اور ہر خاص و عام کی نظروں میں گر گئے۔ اُن میں حضرت مُوسیٰ کا سا کوئی قائد برپا نہ ہُوا جو اُن کو اِس غلامی سے چھُڑاتا۔ نو مُرید مُبلغین کے ہاتھوں اور ہاتھوں کی شکنوں کی طرف ہی دیکھتے رہے اور مُبلغین اُن کو مربیانہ نظروں سے ہی دیکھتے رہے اور اُن سے تحکمانہ انداز سے پیش آتے رہے اور وُہ بھی محکوموں کی طرح اُن کے احکام کی بجا آوری کرتے رہے۔ اکبر اور جہانگیر کے عہد میں مُبلغین کی اکثر رعونت، تحکم اور خُود پسندی کی شان کی کوئی انتہا ہی نہ تھی اور نو مُرید ان کی غلامی پر فخر کرتے تھے۔

جب شاہجہان اور اورنگزیب کے عہد میں سیاسی حالات دگرگوں ہو گئے اور کلیسیا اُن کی غلامی سے رہا ہو کر اپنے پاؤں پر کھڑی ہو سکتی تھی وُہ باوجود حالات کے بدلنے کے اپنے پاؤں پر کھڑی نہ ہُوئی اور غلامی کے جُوئے کو اُتار پھینکنے کی بجائے اس کو ہر کا لگا رہتا اور بنی اسرائیل کی طرح اُن ایام کو یاد کر کے سدا کرتی جب پردیسی مُبلغین کی طفیل اُس کو زر اور حکومت کی امداد

Marfat.com

مل جایا کرتی تھی اور وہ مقابلتہً آرام کی زندگی بسر کرتی تھی۔ کلیسیا کے شرکا نے حالاتِ زمانہ کے بدلنے سے اپنی روش نہ بدلی۔ وہ اپنی مفلسی کی حالت میں ہی مست رہے اور بھول گئے کہ "گر زمانہ باتو نسازد تو با زمانہ بساز"۔ حالاتِ زمانہ کے مطابق بدلنا اور گرد و پیش کے حالات کے مطابق سنبھل جانا زندگی کا قانون ہے۔ کلیسیا کے شرکا نے فطرت کے اس قانون کو نظرانداز کر دیا اور وہ مفلس ہی رہے انہوں نے ہاتھ پاؤں مار کر اپنی حالت کو سدھارنے کی کوشش نہ کی اور دیسی لیڈروں کے فقدان نے (جو اُن کو سمجھا بجھا کر سدھار سکتے) کلیسیاؤں کو کہیں کا نہ رہنے دیا۔

کلیسیاؤں کا روحانی انحطاط

پردیسی مبلغین نے اعلیٰ پیمانہ کے کوئی الہٰیات کے مدرسے نہ کھولے جن میں ہندوستانی نو مرید مسیحی دینیات کی تعلیم حاصل کر سکتے اور کلیسیاؤں کے ایمان کو مضبوط اور مستحکم کر سکتے۔ ان مبلغین نے ہندوستانی کلیسیاؤں کی (جو سلطنت کے مختلف کونوں میں پھیلی ہوئی تھیں) مذہبی رسوم و دستورات کو قائم رکھنے اور دوامی طور پر چلانے کا بھی کوئی انتظام نہ کیا۔ وہ کبھی کبھار خال خال نو مریدوں کو دینیات کی سطحی اور ابتدائی قسم کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے گوآ کے کالج میں بھیج دیتے تھے جہاں کے اُستاد خود ہندومت اور اسلام کے اصولوں سے بے بہرہ تھے اور ہندو اور اسلامی رسوم و دستورات سے نابلد تھے۔ وہاں ان نو مریدوں کو پرتگیزی اور لاطینی زبانیں سکھلائی جاتی تھیں جو نیم الہامی سمجھی جاتی تھیں۔ اُستاد ان بیچاروں کو "فرنگیوں" کی طریقِ رہائش اور لباس و خوراک سکھلاتے تھے۔ یہ تعلیم اُن کو اپنے دیس میں پردیسی بنا دیتی تھی۔ ان کے ذریعہ ایسے خیالات اور رسومات ہندوستان میں درآمد کئے جاتے جن سے نہ وہ اور نہ ملک کے لوگ مانوس تھے۔ مبلغین خود ہندوستان کے ہندو اور مسلمان باشندوں کی رسوم و دستورات سے ناواقف ہوتے تھے اور اپنے مذہبی اور ملکی تعصب کی وجہ سے بھی وہ اُن کو سمجھنے کے قابل نہ تھے اور نہ اُن کو سمجھنے کے لائق خیال کرتے تھے۔ وہ مسلمانوں اور ہندوؤں کی عبادتوں کو "کافرانہ" تصور کرتے تھے کیونکہ یہ عبادتیں اور دستور و رسوم اُن کے مذاہب سے وابستہ تھیں اور چونکہ وہ سوائے مسیحیت کے تمام دیگر مذاہب کو اور سوائے رُومی کلیسیا کی عبادات و دستورات کے باقی تمام دستوروں اور رسموں کو باطل تصور کرتے تھے اور تمام دیگر کلیسیاؤں کو گمراہ خیال کرتے تھے انہوں نے یہی مناسب سمجھا کہ ہندوستانی مسیحیوں اور نو مریدوں کو اُن سے الگ تھلگ رکھیں اور یہ نو مرید اپنے سابقہ ہم مذہبوں سے تمام تعلقات کو قطع کر لیں۔ اس کا بُرا نتیجہ یہ ہوا کہ مسیحیت نے ہندوستان کے باشندوں کے دلوں اور دماغوں میں جڑ نہ پکڑی۔

Marfat.com

نَو مُریدوں کو نہ صرف مُلک کے رسُوم و رواج اَور دستُورات سے الگ تھلگ رکھا جاتا تھا بلکہ غضب یہ کیا کہ اُن کی عبادتیں بھی پرتگیزی اَور لاطینی زبان میں ادا کی جاتی تھیں جن کو وُہ مُطلق نہیں سمجھتے تھے۔ نَو مُرید پرتگیزی زبان کو بائیبل ہی الہامی زبان تصوّر کرتے تھے جس طرح وُہ سنسکرت اَور عربی کو پہلے الہامی تصوّر کرتے تھے۔ اُن کو دینی "سوال و جواب" پرتگیزی میں سکھلائے جاتے تھے جن کو وُہ بے سوچے سمجھے طوطے کی طرح رٹ کر غیر مسیحیوں کو فخر سے سنایا کرتے تھے۔ گرجاؤں کی ان تمام رسموں کو وُہ نہیں سمجھتے تھے اَور تسبیسوں کے رکوع و سجود کے مطلب سے ناواقف تھے۔ گرجا کے اندر وُہ ایسی زبان سُنتے تھے اَور ایسی رسُوم کو دیکھتے تھے جو اُن کے لئے اجنبی تھیں۔ جہاں تک رُوحانیت کا تعلق تھا وُہ مسیحی اصُول اَور حقیقی عبادت سے کورے تھے اَور اُن کی زندگیوں پر اَور رُوحانی حالت پر کوئی گہرا مُستقل دائمی اثر نہیں ہوتا تھا۔

چُونکہ کلیسیائیں ممالکِ محروسہ کے مختلف اَور دُور دراز شہروں میں تھیں اَور مُبلغین کی تعداد نہایت قلیل تھی اُن کے لئے اِن دُور دراز مقامات میں عبادتیں کرانا ایک ناممکن امر تھا۔ اکثر اَوقات اِن شہروں میں پانچ یا چھ سالوں میں ایک دفعہ عبادت ہوتی تھی بلکہ بسا اوقات بیس پچیس سالوں کے بعد بعض مقامات میں ایک عبادت ہوتی تھی، اَور عبادت بھی ایسی جو کسی کی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ اِن افسوسناک حالات میں یہ اُمید نہیں کی جا سکتی کہ کلیسیاؤں کی رُوحانی زندگی پھلے پھُولے یا کسی قسم کی ترقی کرے۔ ہم کو تعجب نہیں ہوتا کہ کلیسیاؤں کی رُوحانی حالت دن بدن گرتی چلی گئی اَور اُن کے شُرکا اپنے گردو پیش کے حالات اَور ہندُو اَور اِسلامی دستُورات و رسُوم و عقائد سے متاثر ہو کر کلیسیا کو چھوڑتے چلے گئے۔

مُغلیہ سلطنت میں گرجاؤں کا تعمیر کرنا شرعی قوانین کی وجہ سے ایک نہایت دشوار اَمر تھا۔ اندرونی بدامنی اَور بیرونی حملوں کی وجہ سے جو گرجے تعمیر کئے بھی جاتے تھے وُہ مسمار ہو جایا کرتے تھے اَور مسمار گرجاؤں کی مرمت بھی شرعی قوانین کی پابند تھی پس عام طور پر مسیحی کلیسیاؤں کے شُرکا کے لئے کوئی جائے عبادت نہ تھی، جہاں وُہ جمع ہو کر خُدا کی حمد و تعریف اَور دُعا کر سکتے۔ جماعتی دُعا اَور عبادت صرف تسبیس ہی کرا سکتے تھے جن کی تعداد نہایت قلیل ہوتی تھی نماز با جماعت کا اثر جماعت کی رُوحانی زندگی پر بے اندازہ ہوتا ہے اَور جہاں سالہا سال تک عبادت ہی نہ ہوتی ہو وہاں کی جماعت کی رُوحانی حالت کو ہم قیاس میں لا سکتے ہیں رُومی کلیسیا کے اس رویّہ سے کلیسیاؤں کی رُوحانی زندگی تباہ ہوتی چلی گئی اَور کلیسیائیں مُردہ ہوتی چلی گئیں۔

Marfat.com

رُوحانی زندگی کی آب وتاب صرف خُدا کے کلام کی روشنی ہی سے ہوتی ہے۔ مُبلغین نے اکبر اَور جہانگیر کی خاطر اناجیل کا فارسی میں ترجمہ کر دیا۔ مسیحی عقائد کو فارسی زبان میں کتابیں لکھ کر واضح کر دیا لیکن عوام النّاس کی خاطر اُنہوں نے اناجیل کا عوام کی زبان یعنی ہندی میں ترجمہ نہ کیا۔ پس عام مسیحی خُدا کی کتاب کے علم و تلاوت سے محرُوم رہ گئے۔ وُہ اپنی مادری زبان میں خُدا کی لازوال محبت اَور منجئی عالمین کی نجات کی خوشخبری پڑھ سُن نہیں سکتے تھے۔ اُن کی جماعتوں کے لیڈر تک ان صداقتوں کے علم سے محرُوم تھے۔ کلیسیاؤں کی رُوحانی بھُوک اَور پیاس کو مٹانے کے کوئی سامان نہ تھے۔ زندگی کی روٹی اَور زندگی کے سرچشموں سے دُور، کلیسیائیں کس طرح زندہ رہ سکتی تھیں؟ اُنہوں نے بھُوک اَور پیاس کی شدّت سے تڑپ تڑپ کر دم دیدیا، اَور اُن کے ممبر اسلام اَور ہندو مذہب میں جذب ہوتے چلے گئے۔

تبلیغِ انجیل سے غفلت

انجمن عیسوی کے جو مبلغ اکبر اَور جہانگیر کے عہد میں آئے وُہ نہ صرف صاحبِ علم و فضل تھے بلکہ مسیحی نجات کے پھیلانے کے دلدادہ تھے اَور تبلیغ و اشاعتِ انجیل میں اپنا تمام وقت صرف کر دیتے تھے۔ وُہ فرض شناس تھے اَور بشارتِ انجیل میں اس قدر جوشیلے تھے کہ اکثر اوقات وُہ جوش کے مارے آپے سے باہر ہو کر اسلام اَور نبیِّ اسلام پر دریدہ دہنی سے حملے کرتے تھے۔ اکبر کو اُنہیں سمجھانا پڑتا تھا کہ وُہ دریدہ دہنی کے بغیر بھی صاف گوئی سے کام لے سکتے ہیں، اَور کہ وُہ جچے تلے الفاظ استعمال کیا کریں تا اُس کے علماء اَور مُصاحب مشتعل نہ ہوں۔ اکبر اَور جہانگیر کے بعد شاہجہان نے اُن کو مُنہ نہ لگایا اَور اشاعتِ مسیحیت پر اُس نے شرعی پابندیاں لگا دیں، جن کو اُس کے باپ اَور دادا نے ہٹا دیا تھا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ جیسا ہم بتلا چکے ہیں اکبر اَور جہانگیر کے عہد میں متعدد مسلمان اَور ہندو شرفا اسلام اَور بت پرستی چھوڑ کر منجئی جہان پر ایمان لے آئے تھے، اَور اُن کی تعداد میں ہر سال اضافہ ہوتا گیا تھا لیکن شاہجہان کے رویّہ اَور تیور دیکھ کر صرف وُہی دلیر اشخاص خداوند پر ایمان لاتے تھے جو سر بکف ہو کر یہ قدم اُٹھاتے تھے اَور اپنے ایمان کی خاطر جان کو قربان کر دینا سعادتِ دارین سمجھتے تھے۔ لیکن ایسے انسان خال خال ہی تھے۔ یہ صُورتِ حال دیکھ کر مُبلغین کے حوصلے (جو اکبر اَور جہانگیر کے عہد میں بلند ہوتے تھے) جھاگ کی طرح بیٹھ گئے۔ اب اکواویوا اَور زیویئر جیسے مُبلغ بھی نہ رہے تھے۔ اُن کی جگہ ایسے مُبلغ آئے جو نہ اُن کے پایہ کا علم و فضل رکھتے تھے اَور نہ تبلیغی جوش سے بھرے تھے۔ اورنگزیب کے اسلامی جوش نے اِن مُبلغین کے رہے سہے جوش کو سرد کر دیا۔

Marfat.com

وُہ زمانہ ساز ہوگئے اَور اُنہوں نے اہلِ اسلام میں تبلیغ واشاعتِ انجیل کا کام بندکر دیا اَور صرف نیچ ذات کے ہندوؤں میں مسیحیت کی اشاعت کرنے لگے ۔ وُہ رفتہ رفتہ ایسے پست ہمّت ہو گئے کہ رفتارِ زمانہ کو دیکھ کر اُنہوں نے سلطنتِ مُغلیہ کے مُختلف مقامات کے تبلیغی مرکزوں کو یکے بعد دیگرے بندکر دیا اَور صرف کلیسیاؤں کی پاسبانی پر قناعت کرتے رہے ۔لیکن جیسا ہم ابھی بتلا چکے ہیں وُہ کلیسیاؤں کو مُستحکم کرنے کے کام بھی ناکام رہے ۔ اَورنگزیب کے جانشینوں کے عہد میں انجمنِ عیسوی کے مُبلّغین آنے بند ہوگئے اَور مُبلّغین اپنی کلیسیاؤں کو چھوڑ کر اپنے وطن کو سُدھار گئے ۔ اُن کی جگہ ایسے مُبلّغین نے لی جو ناکارہ تھے ۔ وُہ نہ تو علم وفضل کے مالک تھے اَور نہ اُنہوں نے بدامنی اَور بیرونی حملوں کے زمانہ میں سر بکف ہوکر تبلیغ واشاعتِ انجیل کا کام کیا۔اُن کی آنکھوں کے سامنے کلیسیائیں روز بروز کمزور اَور نحیف ہوکر مٹتی چلی جارہی تھیں لیکن اُنہوں نے مخالف حالات کا مقابلہ کرنے اَور دلیری سے خُدا کی لازوال محبّت اَور مسیحی نجات کا پیغام سُنانے اَور کلیسیاؤں کے ایمان کو قائم کرنے اَور اُن کو سنبھالنے کے لئے کوئی عملی قدم نہ اُٹھائے ۔وُہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہے اَور بدامنی اَور جنگوں کے زمانہ میں (عین جب مسیحی کلیسیاؤں کو اُن کی ضرورت تھی) وُہ اپنی بھیڑوں کو چھوڑ کر چلے گئے اَور کلیسیاؤں کو ہندومت اَور اسلام نے نے نگل لیا ۔کلمتہ اللہ نے سچ فرمایا تھا "اچھا چرواہا بھیڑوں کے لئے اپنی جان دیتا ہے ۔مزدُور جو نہ چرواہا ہے ، نہ بھیڑوں کا مالک ، بھیڑیئے کو آتے دیکھ کر بھیڑوں کو چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے کہ مزدُور ہے اَور اُس کو بھیڑوں کی فکر نہیں ۔ بھیڑیا بھیڑوں کو پکڑتا اَور پراگندہ کرتا ہے۔" (یُوحنا ۱۰: ۱۱-۱۴) ۔غیر مُلکی پردیسی مُبلّغین خوف وہراس اَور دہشت کے مارے اپنے مسیحی فرائض اَور تبلیغ واشاعتِ انجیل کا فرض ادا کرنے سے گریز کرتے رہے ۔اُن میں شہیدوں کی رُوح نہ تھی جو سربکف ہوکر مخالفانہ فضا میں اپنے فرض کی ادائیگی کرتے ۔پردیسی مُبلّغین کی دیکھا دیکھی ہندوستانی نَو مُریدوں نے بھی فرض شناسی نہ سیکھی اَور اُنہوں نے بھی دلیر ہوکر اشاعتِ انجیل کی جُرأت نہ کی ۔

انجمنِ عیسوی کے پردیسی مبلّغین نے سلطنتِ مُغلیہ میں ایک صدی کے قریب کام کیا تھا ۔ اِس عرصۂ دراز میں ہندوستانی کلیسیا کو بلُوغت کے ایام تک پہنچ جانا چاہیے تھا اَور فرض شناس ہوکر خُداوندِ مسیح کی نجات کی خوشخبری کو جاں نثارانہ اپنے ہموطنوں میں پھیلانا چاہیے تھا تاکہ جس طرح وُہ خود منجیٔ جہان کے قدموں میں آئے تھے، وُہ دُوسروں کو بھی خُداوند کی نجات کا مُبارک پیغام

سُنا کر اُن کو نجات دہندہ کا حلقہ بگوش کر لیتے لیکن سیاسی حالات کے بدلنے سے نہ تو مُبلّغین غیر مسیحیوں کو مسیحی تعلیم سُنانے کی جُرأت کرتے تھے اور نہ نومُرید اُن کو نجات کی خوشخبری سُناتے تھے۔ دریں حالات جائے تعجب نہیں کہ کلیسیا روز افزوں ترقی کرنے کی بجائے روز بروز تعرِ مذلت میں گرتی گئی۔

تبلیغ واشاعتِ انجیل کی ضرورت

گذشتہ دو ہزار سالوں میں کرۂ ارض کے تمام براعظموں کے ایک ایک ملک میں کلیسیائے جامع کے عَلَم برداروں نے خُداوند مسیح کی نجات کا پیغام کُل نوعِ انسانی کی تمام قوموں اور نسلوں اور مختلف زبانیں بولنے والوں کو پہنچا دیا ہے۔ اِن ممالک واقوام کی تاریخ اِس حقیقت کو روشن اور واضح کر دیتی ہے کہ تبلیغ واشاعتِ انجیل ہر کلیسیا کی رُوحِ رواں ہے۔ جس کلیسیا نے (خواہ وُہ کسی قوم اور مُلک کی ہو) اِس فرض کی طرف سے بے اعتنائی کی اور اپنے ہموطنوں کو نجات کا پیغام نہ سُنایا وُہ کلیسیا کمزور ہو کر حرفِ غلط کی طرح مٹ گئی لیکن جن ممالک کی کلیسیائیں فرض شناس ہو کر ہر قسم کے مخالف حالات کا مُقابلہ کر کے ایذاؤں کے تُند جھونکوں اور مصیبتوں کی آندھیوں اور قتل وغارت کے طُوفانوں کی طرف سے بے نیاز ہو کر انجیل کی اشاعت کا فرض دلیرانہ سرکف ہو کر ادا کرتی چلی گئیں اُنہی کلیسیاؤں کو بقا نصیب ہُوئی اور وُہی زندہ رہیں۔ بسا اوقات ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اِس زندگی اور مَوت کی طویل کشمکش میں ایسی کلیسیائیں بظاہر ختم ہو کر مر گئیں۔ ان کی سُوکھی ہڈیوں سے ہر وادی پُر نظر آتی تھی لیکن شہیدوں کا خُون کلیسیا کا بیج ثابت ہو کر رہا۔ خُدا خُود ایسی کلیسیاؤں میں اپنا مسیحائی دم پھُونکتا ہے۔ دفعتہً محشر کا سا شور برپا ہو جاتا ہے۔ یہ سُوکھی ہڈیاں آپس میں مل جاتی ہیں۔ اُن پر گوشت اور نسیں چڑھ آتی ہیں اور چمڑے کی پوشش ہو جاتی ہے۔ اُن میں مسیحائی دم داخل ہو جاتا ہے اور وُہ زندہ ہو کر اپنے پاؤں پر کھڑی ہو جاتی ہیں۔ ابنُ اللہ کی قُم کی آواز سُن کر تمام مُردہ دِل قبر دل سے نکل آتے ہیں۔ ایماندار "عقابوں کی مانند از سرِ نو جوان" ہو جاتے ہیں اور بیش از پیش طاقت حاصل کر کے خُداوند مسیح کی انجیل اور نجات کی خوشخبری کا پیغام ہر کہ ومہ کو پہنچا دیتے ہیں۔ "ان کے ہاتھوں میں دو عصا ہوتے ہیں ایک کا نام فضل اور دُوسرے کا اتحاد ہے"۔ وُہ خُدا سے توفیق حاصل کر کے مُستعد ہو کر دُنیا اور شیطان کی طاقتوں سے دلیرانہ مُقابلہ کر کے فتح پر فتح حاصل کرتے چلے جاتے ہیں۔ وُہ "مَوت تک وفادار رہتے ہیں اور اپنے مُنجی سے زندگی کا تاج" حاصل کرتے ہیں۔

ہندوستان کی مسیحی کلیسیا کو خُدا نے "مسیحی اُمید" کی نعمت عنایت فرمائی ہے۔ اِس اُمید کی

Marfat.com

کی روشنی میں ہم انسانی زندگی اور تاریخ کو ایسے زاویۂ نگاہ سے دیکھتے ہیں جو تاریخی واقعات کی صحیح تعبیر وتفسیر کرنے میں ہماری راہنمائی کرتا ہے۔ اِس زاویۂ نگاہ کا ماخذ خُدا کا وُہ تصوّر ہے، جس کا مکاشفہ کلمتہ اللہ کے ذریعہ بنی آدم پر کیا گیا ہے۔ اِس تصوّر سے ہم پر یہ حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے کہ خُدا حوادثِ زمانہ کی مایُوس کُن ابتری اور درہم برہم بلکہ عدم نظام کی حالت سے (جو انسان کے گُناہ کا نتیجہ ہے) ایک نیا نظام پیدا کرنے پر قادر ہے۔ کوہِ کلوری کی تاریکی میں سے بنی آدم کی نجات کی روشنی کی شعاعیں نکل کر دُنیا کو منوّر کر دیتی ہیں۔ خواہ کلیسیا کی حالت کیسی ہی اَبتر کیوں نہ ہو خُدا ایسی تاریک اور مایُوس کُن حالت سے بھی اپنی قُدرتِ کاملہ سے حیران کُن طَور پر ایسے حالات پیدا کر دیتا ہے جو کلیسیا کی بہتری کا باعث ہو جاتے ہیں۔ ؎

خُدا شرّے برانگیزد کہ در و خیرِ ما باشد

خُدا کے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ابتدا میں " زمین ویران و سنسان تھی اور گہراؤ کے اُوپر اندھیرا تھا " لیکن خُدا نے " سب چیزیں اپنے کلام کے وسیلے خلق کیں " اور فرمایا " روشنی ہو جا اور روشنی ہو گئی اور خُدا نے سب پر جو اُس نے بنایا تھا نظر کی اور دیکھا کہ بہت اچھا ہے " کوہِ کلوری پر بدکار نیکی، اَور بدی کی طاقتوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر ابنُ اللہ کو مصلُوب کر دیا لیکن خُدا نے ان طاقتوں کو توڑ دیا اور بدکار داخلِ فردوس ہوگیا اور تب سے رُوئے زمین کے گنہگار جنّت میں داخل ہو رہے ہیں۔

دَورِ حاضرہ میں خُدا یسعیاہ نبی کی معرفت اپنی کلیسیا کے شُرکا کو فرماتا ہے " پچھلی باتوں کو یاد نہ کرو اور قدیم باتوں پر ہی سوچتے نہ رہو۔ دیکھو پُرانی باتیں ختم ہوگئیں۔ اب ایک نیا کام ظہور میں آئے گا۔ مَیں تُم میں اپنا جلال ظاہر کروں گا۔ مَیں تُم کو قَوموں کے لئے نُور بناؤں گا تاکہ تُمہارے وسیلے میری نجات زمین کے کناروں تک پہنچے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی ماں اپنے شیر خوار بچے کو بھُول جائے ؟ ہاں وُہ شاید بھُول جائے پر مَیں تُم کو ہرگز نہ بھُولوں گا، اور ہر فرد بشر جانے گا کہ مَیں خُداوند تُمہارا نجات دینے والا اور تُمہارا فدیہ دینے والا ہُوں " (۴۳ و ۴۹ باب)

خُدا کرے کہ کلیسیا کا ہر مسیحی خُدا کے کلام کو سُن کر اپنے ہموطنوں کو نجات کا پیغام پہنچائے۔ آمین ثُم آمین۔ ؎

اِیں دُعا از من و جُملہ جہاں آمین باد

Marfat.com

باب یازدہم

مسیحیت اور سلطنتِ مغلیہ کے مذاہب

فصلِ اوّل

بدھ مت اور ہندو دھرم کے عقائد

جن اصحاب نے اس سلسلہ کی گذشتہ جلدوں کا مطالعہ کیا ہے اُن پر یہ روشن حقیقت عیاں ہوگئی ہوگی کہ جب پہلی صدی مسیحی کے نصف میں ہمارے دیش میں انجیلِ جلیل کی تعلیم کی اشاعت ہوئی، تو اُس وقت سے لے کر دَورِ حاضرہ تک اُس نے گذشتہ دو ہزار سالوں میں ملک کے مختلف مذاہب کو مختلف صدیوں میں اِس قدر متاثر کیا کہ اُن کے پیرو انجیل کی روشنی میں اپنے اپنے مذاہب کی تجدید کرتے رہے تاکہ وُہ مسیحیت کے مقابل قائم رہ سکیں۔

بدھ مت اور مسیحیت

جب سنہ ۴۶ء میں مقدس تُوما رسُول ٹیکسلا آئے تو وہاں بدھ مت کا بول بالا تھا۔ اگر انجیل کا نُور اُس زمانہ میں نہ آتا تو بدھ مت محض ہیومانزم[1] ہی ہوتا اور اس منزل سے آگے ترقی نہ کرتا۔ گوتم بُدھ کا مسلک انسانیت کا وُہ فلسفہ تھا جس کی رُو سے انسان کی ذات کائنات کا مرکز تھی۔ اُس کی تعلیم کا ماحصل یہ تھا کہ عالمِ آخرت یا عالمِ طبعی کی جگہ ہم کو مجموعی انسانی زندگی کا مطالعہ کرنا چاہیئے اور انسان کی ترقی کی کوشش کرنی چاہیئے۔ بُدھ کسی مافوق الادراک ہستی کا قائل نہ تھا بلکہ انسانی فلاح اور بہبُودی کو ہی نجات کا ذریعہ تصوّر کرتا تھا۔ اُس کی خواہش کسی مذہب کی بنا ڈالنے کی نہ تھی کیونکہ لفظ "مذہب" کے مفہوم میں "انسان" اور "مافوق الانسان" کے تصوّرات شامل ہیں۔ وُہ

1. Humanism,

Marfat.com

فلسفیانہ اُلجھنوں میں نہیں پڑتا تھا کیونکہ اُس کا مطمحِ نظر کسی مافوق الفطرت خُدا کا جلال نہ تھا بلکہ انسانیت کی فلاح اَور بہبُودی تھی۔

جب ہمارے مُلک میں مسیحیت آئی تو بُدھ مت کی تجریدِ محض اَور فلاح کے مجرد تصوّر کی جگہ " بودِھستو " کے ٹھوس تصوّرات نے لے لی۔ انسانی فلاح اَور بہبُود محض انفعالی مجہُول اَور بے حرکت تصوّر نہ رہا بلکہ ایک مُستقد اعمال اَور مؤثر اصُولِ زندگی ہوگیا۔ یہ لازم ہوگیا کہ بدھ مت کے پیرو جنگلوں میں اکیلے رہ کر اَور دُوسروں کی جانب سے بے نیاز اَور غافل ہو کر صرف اپنی ہی نجات کو حاصل کرنے اَور قائم بالذّات میں فنا ہونے کے دھیان میں نہ لگے رہیں بلکہ دُوسروں کے دُکھ تکالیف، مصائب و آلام اَور رنج و محن پر نظر کریں اَور اُن کو دُور کرنا فرضِ اوّلین خیال کریں۔ گو ابھی اُن کے لئے یہ ضروری خیال نہیں کیا گیا تھا کہ وُہ بیماروں کو شفا دیں یا دینے کے اسباب مہیا کرنے کی کوشش کریں لیکن یہ ضروری سمجھا گیا تھا کہ وُہ بیماروں کو بتلائیں کہ وُہ کس طرح دُکھوں کی برداشت کر کے اُن سے رہائی حاصل کرسکتے ہیں۔

انجیلِ جلیل کی روشنی میں یہ تصوّر بھی ناکافی سمجھا جانے لگا۔ پس گوتم بُدھ کی طرف ایک شبد منسُوب کیا گیا کہ " جو میری خدمت کرنا چاہتا ہے اُس پر واجب ہے کہ جب دُوسرے بھکشو بیمار ہوں تو اُن کی خدمت کیا کرے "۔ پھر بھی جہاں بُدھ مت غالب مذہب تھا وہاں نہ تو شفا خانے تھے، نہ کوڑھیوں کی نگہداشت کی جاتی تھی۔ افلاس، امراض، غذا کی کمی وغیرہ کو دُور کرنے کے لئے کوئی عملی قدم اَور بندوبست نہ کیا جاتا تھا۔ بُدھ مت کی پراچین تعلیم کے ماننے والے اب بھی ایسے اُمُور کو قابلِ توجہ نہیں سمجھتے۔ وُہ نہ تو رُوح کے اَور نہ رُوح کی نجات کے اَور نہ قیامت و حشر یا جنّت و دوزخ کے قائل ہیں لیکن یہ سب عقائد مہایانہ مت میں پائے جاتے ہیں اَور انجیلی تاثرات کا نتیجہ ہیں۔ جاپانی عالم انیسکی اَور امریکی فاضل ایڈمنڈس[1] نے اَور ڈاکٹر کونزے Conze نے بُدھ مت کے سُتروں اَور انجیلی آیات کو بالمقابل پیش کر کے یہ ثابت کر دیا کہ متعدد سُتر انجیل سے اخذ کئے گئے ہیں اَور بعض مقامات انجیل کی کتب کی صدائے بازگشت ہیں۔ بلکہ مؤخّر الذکر صاحب کا تو یہ دعویٰ ہے کہ مہایانہ مت والے بائبل مُقدّس سے بخوبی واقف تھے۔ ہم نے جلد دوم میں بتلایا ہے کہ نسطوری کلیسیا کے مُبلّغین دُوسری صدی مسیحی سے ہمارے مُلک میں آگئے۔ سکندریہ کے کلیمنٹ کی تصانیف سے ظاہر ہے کہ یہ مسیحی عالم بُدھ مذہب سے واقف تھا۔ یہ امر بھی نہایت اغلب ہے کہ یہودیوں کا اسینی فرقہ بُدھ مت

1. Aneski and Edmunds. See A. A. Bouquet, "Christian Influences in Early Budhism (Modern Churchman, January, 1963.)

Marfat.com

کے سنگھ کے تصورات سے متاثر ہوا تھا۔

ڈاکٹر سوتھ ہل[1] اپنی عالمانہ کتاب میں لکھتا ہے کہ بدھ مت میں "کنول" کے سوتر کا مطالعہ ثابت کر دیتا ہے کہ اس کا تعلق مہایانہ خیالات سے ہے جس میں پرانے عہد نامے کے دو مقامات کے حوالے موجود ہیں اور مقدس لوقا کی انجیل کا ایک حوالہ پایا جاتا ہے۔ اوّل الذکر مقام میں ایک بودھستو حکم دیتا ہے کہ سورج آسمان میں ٹھہرا رہے اور غروب نہ ہو (دیکھو یشوع ۱۰/۱۲)۔ دوسرے مقام میں ایک بودھستو نے اپنی چادر کو لیا اور اس کو لپیٹ کر دریا کے پانی پر مارا۔ دریا کا پانی دو حصّے ہو کر اِدھر اُدھر ہو گیا اور وہ سوکھی زمین پر چل کر پار ہو گیا (دیکھو ۲۔سلاطین ۲: ۸)۔ تیسرے مقام پر لوقا کی انجیل میں مسرف بیٹے کی سی ایک طویل تمثیل ہے جس میں آسمانی باپ کی جگہ ازلی بدھ لے لیتا ہے (۱۵: ۱۱-۳۲)۔

جنوبی ہند سے ایک اور قدیم مہایانہ نسخہ دستیاب ہوا ہے جس میں لکھا ہے کہ ایک بدھستو کو ایک طومار ملا جس پر سات مہریں لگی تھیں۔ ایک فرشتہ نے اُس کو کہا کہ وہ ان مہروں کو توڑنے کے لائق نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ وہ کسی شخص کی بے غرضانہ خدمت نہ کرے۔ اس شرط کو سُن کر وہ زار زار رویا کیونکہ اُس نے دُنیا کو تیاگ دیا تھا۔ لیکن طوعاً وکرہاً اُس کو یہ شرط پوری کرنی پڑی۔ بے غرضانہ خدمت کے بعد فرشتے نے اُس کو کہا کہ اب تو اِس لائق ہے کہ طومار کو کھولے اور ساتوں مہروں کو توڑے (دیکھو مکاشفات ۵ باب)۔ سوتروں میں اِس بات کا بھی ذکر آتا ہے کہ بدھ دریا کے پانی پر چلا (دیکھو متی ۱۴: ۲۲-۳۲) اور اُس نے خوراک میں اضافہ کیا (دیکھو مرقس ۶: ۳۲-۴۴ و ۸: ۱-۱۰ وغیرہ)۔ مذکورہ بالا اور دیگر سوتروں سے ظاہر ہے کہ اُن کے لکھنے والوں نے انجیل کے مطالعہ کے بعد انجیلی بیانات کو گوتم بدھ پر چسپاں کیا تاکہ بدھ کی خصلت اور خداوند مسیح کی دلآویز سیرت میں مماثلت اور مشابہت پیدا کی جائے۔ اِسی مقصد کو مدِنظر رکھ کر اُنہوں نے بدھ کی مافوق الفطرت پیدائش کے قصّہ کو وضع کیا۔ اِس سلسلہ میں یہ امر بھی معنی خیز ہے کہ بھرہُت کی سنگتراشی اور نقاشی میں (جو جنگلوں پر مبنی ہیں اور مسیح سے ایک صدی قبل کے ہیں) بائبل کے مشابہ اور مماثل واقعات کا وجود تک نہیں ملتا۔ لیکن گندھارا کی نقاشی میں (جس کا ذکر جلد اوّل میں کیا گیا ہے) انجیل کے سے واقعات کے اشارے اور بیان پائے جاتے ہیں۔ اِس قسم کی نقاشی پہلی صدی مسیحی کے اواخر سے لے کر چھٹی صدی مسیحی تک رائج تھی جس سے ہمارے نظریہ کی تائید

1. Dr. W. E. Soothill.

ہوتی ہے۔

تمام حالات کا جائزہ لے کر ایک بے لاگ منصف مزاج شخص اِس نتیجہ پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اگر گوتم بدھ کی سیرت اور بیاناتِ زندگی کو خداوند مسیح کی سیرت اور سوانح حیات کے مطابق نہ کر دیا جاتا تو بدھ کی خشک زاہدانہ زندگی میں وہ دلآویزی اور کشش نہ پائی جاتی جو اب اُس میں ہے اور جس کی وجہ سے مشرق کا ایک بڑا حصہ اُس کا گرویدہ ہو رہا ہے۔ اگر انجیل جلیل کے انوار کی روشنی میں بدھ کی قدیم تعلیم کی تجدید نہ کی جاتی تو اس کو تاریخ میں وہ پایہ حاصل نہ ہوتا جو اب اُس کو حاصل ہے۔ تاریخ اُس کو یونانی فلاسفر سقراط یا کسی ستوئیقی فلاسفر کا درجہ دیتی۔ لیکن اُس کی تعلیم کی تجدید کے وقت محبت کا اصول اُس کی تعلیم میں داخل کر دیا گیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اب مسیحیت کے علاوہ بدھ مت میں بھی اصولِ محبت پر زور دیا گیا ہے۔ اگر بدھ مت میں سے اُن عناصر کو خارج کر دیا جائے جو مسیحیت کی طفیل اُس کا جزو ہو گئے ہیں تو قدیم پراچین بدھ مت میں دھم پد[1] (Dhammapad) کی سی تعلیم ہی ہوتی جس میں لکھا ہے کہ "کسی انسان کو محبت نہیں کرنی چاہیئے۔ محبوب کا نہ ملنا بڑی خرابی اور برائی ہے۔ مبارک ہیں وہ جو نہ تو کسی سے محبت کرتے ہیں اور نہ کسی سے نفرت کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ ہر قسم کی قیود سے آزاد ہیں"۔ پس ناظرین پر ظاہر ہو گیا ہوگا کہ انجیلی عناصر کے بغیر بدھ مت صرف ستوئیقی فلسفہ کے سے اصول کا ہی حامل ہوتا اور اُس میں وہ کشش اور دلآویزی ہرگز نہ پائی جاتی جو اب اس میں موجود ہے[2]۔ ان دلآویزیوں کی وجہ سے بدھ مت ۳۵۰ء تک ہندوستان میں مقبولِ خلائق رہا اور مختلف وجوہ کے باعث چوتھی صدی کے بعد بدھ مت میں زوال آگیا۔

مسیحیت اور ہندو فلسفہ

ہم نے جلدِ دوم کے بابِ نہم میں ہندو دھرم کی کتب، عقائد اور فلسفہ و رسوم پر مفصل بحث کر کے بتلایا ہے کہ گیتا میں کرم مارگ گیان مارگ اور بھگتی مارگ کے تصورات پہلو بہ پہلو پائے جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس مختصر سی کتاب میں تین قسم کے متضاد فلسفیانہ خیالات موجود ہیں یعنی ویدانت کا ہمہ اوستی فلسفہ، سنکھیا کی دہریت ثنویت اور بھگتی کی تعلیم۔ حق تو یہ ہے کہ انجیل جلیل نے ہندو مت پر گہرا اور مستقل اثر ڈالا ہے۔ یہ اثر مہابھارت کے بعض مقامات میں اور گیتا کے اکثر مقامات میں نمایاں ہے کیونکہ گیتا کی سات سو آیات میں سے ۱۰۷ آیات دوسری صدی مسیحی کے زمانہ کی ہیں جب انجیل کا

1. See Dr. Radha Krishna, The Dhammapada (Oxford University Press)
2. A. A. Bouquet, "Christian Influences in Early Budhism." (The Modern Churchman, January-March, 1963)

Marfat.com

نُور ہمارے دیش میں چمک رہا تھا۔ ہم نے گیتا اور انجیل کی چند آیات کو بالمقابل لکھ کر واضح کر دیا ہے کہ گیتا پر انجیل کا اثر موجود ہے۔ ہم نے کرشن کی پیدائش کی رسُوم کا اور اُن معجزات کا جو اُس سے منسُوب کئے جاتے ہیں، انجیلی بیانات سے مقابلہ اور موازنہ کر کے بتلایا ہے کہ مسیحی بیانات اور رسُومات نے اُن پر اثر ڈالا ہے۔

راماُنج (از ۱۰۲۷ء تا ۱۱۳۷ء) مائلا پور کا رہنے والا تھا جو مسیحیت کا مرکز تھا اور جہاں مُقدس تُوما کا مزار تھا۔ اُس نے مسیحی تعلیم کی روشنی میں ادوائت فلسفہ کی (جس کو شنکر اچاریہ نے نویں صدی میں رائج کیا تھا) تنقید و تنقیح کی۔ اُس نے رام کو محبت کا خُدا قرار دے کر یہ تعلیم دی کہ رام دُنیا کو اس طرح پیار کرتا ہے جس طرح باپ اپنے بیٹوں سے محبت کرتا ہے۔ اور یُوں ہندوستان نے از سرِ نو ایمان اور محبت کا پیغام سیکھا۔ اُس نے خُداوند مسیح کی بجائے لکشمی (وشنو کی بیوی) کو درمیانی کا درجہ دے کر اس عقیدہ کو ہندو لباس سے پیراستہ کیا، اور عشائے ربانی کی مُقدس رسم کی بجائے ”مہا پرشاد کی رسم“ مقرر کی اور قدیم ترین کلیسیا کی طرح ”پریتی بھوجن“ کی ابتدا کی۔ بھگتی مارگ کے بُنیادی اصُولوں پر ایسا زبردست اثر پڑا کہ نجات بالاعمال کے عقیدہ کی بجائے خُدا کے فضل سے نجات حاصل کرنے کے عقیدہ نے ہر خاص و عام کے دل کو موہ لیا۔

رامانند (از ۱۴۰۰ء تا ۱۴۷۰ء) کا سمپردائے رامانج کے سمپردائے کی ایک شاخ ہے لیکن اُس کی شہرت زیادہ ہے۔ اُس نے عام فہم ہندی میں رامانج کے فلسفہ کا پرچار کر کے اُس کو شمالی ہند میں مقبولِ خلائق کر دیا۔ اُس نے رامانج کی اخلاقیات کے اُن اصُولوں پر بہت زور دیا جو انجیلی اصُول کی صدائے بازگشت ہیں۔

مادھواچاریہ (پیدائش ۱۱۱۹ء) کی تعلیم غالباً سب سے زیادہ انجیلی اصُول کی مرہُونِ منت ہے۔ اُس نے مسیحی معتقدات کے زیر اثر بھگتی مارگ کو ایک نئی شکل دے دی لیکن مسیح خُداوند کی بجائے وشنو کے بیٹے وایو کو نجات کا واحد وسیلہ قرار دے دیا۔

ہندو تثلیث برہما، وشنو اور شو پر مشتمل ہے گو ہندوؤں کی اکثریت یا وشنو کو مانتی ہے اور یا شو کو مانتی ہے۔

کبیر رامانند کے چیلوں میں سب سے زیادہ مشہور ہے۔ اُس کی زندگی کے بعض قصے انجیلی بیانات کی صدائے بازگشت ہیں۔ اُس نے انجیل یُوحنا کی تعلیم ”کلام“ کو اپنا لیا۔ اُس کی تعلیم کے الفاظ و فقرات اکثر ہم کو انجیلی آیات کی یاد دلاتی ہے۔ اُس کا ”جوت پرشاد“ ”بھوجن عشائے ربانی

کی مقدس رسم پر ڈھالا گیا ہے۔ کبیر ہندوؤں اور مسلمانوں کے اُن عقائد و رسوم کا سخت مخالف تھا جن کی مذمت انجیل جلیل میں کی گئی ہے۔ مثلاً وہ حج، نماز اور روزہ کی بابت ایسے الفاظ استعمال کرتا ہے کہ ہمارے ذہن خود بخود انجیلی آیات کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں (دیکھو متی ۶: ۱۰، ۱۔یوحنا ۴: ۱۹۔۲۵ وغیرہ)۔

مسیحیت نے بھگتی کی اصطلاحات "پاپ"، "مکتی" وغیرہ کو انجیلی مفہوم سے مزین کر کے دلکش بنا دیا، اور انسانی روح کی انفرادی حالت اور عظمت پر زور دیکر خدا اور انسانی روح میں سیدھا تعلق پیدا کر دیا۔

مابعد کے زمانہ میں ہمارے دیش کے بھگتوں نے فضل کے مسئلہ پر موشگافیاں کیں جن کا ذکر ہم جلدِ دوم کے ص۲۳۵ اور ص۲۳۶ پر کر آتے ہیں۔ جو اصحاب مغربی کلیسیا کی تاریخ عقائد سے واقف ہیں، وہ فوراً بھانپ لیں گے کہ ولندیزی اصلاح یافتہ علما کے خیالات آرمی نین ازم[1] اور مشہور مصلح کیلون کے معتقدات اِنہی موشگافیوں کے سے ہیں۔

وَلّبَ کا زمانہ پندرھویں صدی کے آغاز کا زمانہ ہے۔ اُس کے فلسفیانہ خیالات، توحیدِ الٰہی، التجسّم، مظہرِ خدا، وحدت فی الکثرت، اور نجات وغیرہ کے تصورات کے مفہوم پر مسیحیت کا اثر ظاہر ہے۔

تُلسی داس کے خیالات جو وہ خالق و مخلوق، التجسّم، نجات وغیرہ کی نسبت رکھتا ہے، اُن پر نسطوری مسیحی مبلّغین کا اثر ظاہر ہے اور مزید بیان کا محتاج نہیں۔ اُس کی تعلیم کا لُبِ لباب یہ ہے کہ خدا دُنیا کو ہلاک نہیں کرتا بلکہ گنہگار دُنیا کو نجات بخشتا ہے (دیکھو یوحنا ۳: ۱۶ وغیرہ) اُس کی تعلیم درحقیقت مسیحی تعلیم ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اُس نے رام کو وہ درجہ اور جگہ دی ہے جو انجیل میں مسیح خداوند کو حاصل ہے۔

مذکورہ بالا مختصر بیان سے ناظرین پر واضح ہو گیا ہوگا کہ گذشتہ دو ہزار سال میں کوئی ایسا زمانہ نہیں گذرا جس میں خدا نے کسی نہ کسی مردِ خدا کو برپا نہیں کیا جس نے انوارِ انجیل کی روشنی میں ہندومت کے مروجہ عقائد، فلسفہ اور رسوم وغیرہ کی اصلاح نہ کی ہو اور مسیحیت نے ہمارے ملک کے باشندوں پر زبردست اثر نہ ڈالا ہو۔

اسلام اور مسیحیت

جلدِ سوم کے مطالعہ نے ناظرین پر آشکارا کر دیا ہوگا کہ اسلام کی گذشتہ تیرہ صدیوں کے دوران میں مسیحیت نے اسلامی معتقدات کو بھی مختلف

Marfat.com

طریقوں سے بڑے پیمانہ پر متاثر کر دیا۔ چنانچہ ہم نے اس جلد کے حصۂ اول کے باب پنجم میں اور حصۂ دوم کے باب چہارم کی فصل دوم میں اس موضوع پر مفصل بحث کی ہے۔ مؤخر الذکر فصل میں ہم نے گروہ صوفیہ کے معتقدات و رسمیات، درویشانہ زندگی کے طریقے، اعتکاف و اوراد وغیرہ کا مفصل ذکر کر کے انجیلِ جیبن کے مقامات کا بھی ذکر کیا ہے تاکہ ناظرین پر ظاہر ہو جائے کہ دونوں میں کس قدر لفظی اور معنوی مماثلت ہے۔ ہندوستان کے صوفیہ نے مسلمانانِ ہند کو محبت، اخوتِ انسانی، اور مساوات کا سبق سکھلایا جو قرآن و اسلام میں نہ تھا اور جس کو گروہِ صوفیہ نے مسیحی راہبوں، تارک الدنیا درویشوں اور انجیل کے صفحوں سے سیکھا تھا۔ محبت، اخوت و مساواتِ انسانی کے وعظوں نے اور ان کی عملی زندگی نے تمام ہندوستان کے ہندوؤں اور مسلمانوں کو ان کا گرویدہ بنا رکھا تھا۔ ایسا کہ ان کی خانقاہوں میں مختلف مذاہب کے پیروؤں کا ہر وقت جمگھٹا لگا رہتا تھا۔ صوفیہ مسیحی راہبوں کا نمونہ اختیار کر کے ان سے فرداً فرداً ملنے کی کوشش کرتے، ان کے دکھڑے سنتے اور ان سے تسلی آمیز باتیں کرتے رہتے تھے۔

گروہِ صوفیہ کے ذریعہ لاکھوں ہندو حلقۂ اسلام میں آ گئے اور جو نہ آتے، ان کے خیالات کٹر قسم کے نہ رہے۔ وہ پہلے کی طرح مسلمانوں کو ناپاک اور ملیچھ نہ سمجھتے تھے۔ بھگتی مت کے مختلف مصلحین کی طفیل بھی ہندوؤں کے خیالات نے پلٹا کھایا۔ ادھر صوفیہ کی لگاتار کوششوں سے مسلمانوں کی عصبیت میں بھی فرق آ گیا۔ سلطنتِ دہلی کے ایام میں رفتہ رفتہ دونوں مذاہب کے پیرو ایک دوسرے کو روا داری اور مصالحت کی نگاہ سے دیکھنے لگ گئے اور حالاتِ زمانہ نے دونوں میں زیادہ یکرنگی پیدا کر دی۔ حالت یہ ہو گئی کہ کبیر اور بابا فرید جیسے خدا رسیدہ لوگوں کے زیرِ اثر ہندو اور مسلم عوام کہنے لگ گئے کہ تمام مذاہب ایک ہی بات کہتے ہیں اور ہندو اور مسلمان درحقیقت ایک ہی خدا کو مانتے ہیں، اور ان میں صرف نام کا ہی اختلاف ہے۔ یوں وحدتِ ادیان کا نظریہ ہمارے ملک کے مختلف گوشوں میں پھیل گیا۔ عوام شاعر کے ہمنوا ہو کر کہتے تھے:

در حیرتم کہ دشمنیِ کفر و دیں ز چیست
از یک چراغ کعبہ و بت خانہ روشن است

فصل دوم

سکھ مت اور مسیحیت

گورونانک کی تعلیم جب گورونانک (از ۱۴۶۹ء تا ۱۵۳۸ء) پیدا ہوئے تو ملک کی مذہبی فضا وہ تھی جس کا ذکر ہم مختصر طور پر سطورِ بالا میں کر آئے ہیں۔ آپ کے مذہبی خیالات نے اسی فضا میں پرورش پائی۔ ہم اسی جلد کے باب اوّل کی فصل چہارم میں گورونانک کی زندگی کے حالات اور اُن کی تعلیم کا مختصر ذکر کر چکے ہیں۔ اِس فصل میں ہم گورونانک کے جانشین گوروؤں کے مذہبی خیالات اور تعلیم کا ذکر کرنے پر اکتفا کریں گے جو گرنتھ صاحب میں موجود ہے۔

گرنتھ صاحب کی جمع و ترتیب جب پانچویں گورو ارجن (از ۱۵۶۳ء تا ۱۶۰۶ء) نے ۱۶۰۴ء میں گرنتھ صاحب کو پہلے پہل جمع کرنے کا خیال کیا تو وہ امرتسر کے قریب ایک باغ میں چند ہمراہیوں اور گوئیوں کے ساتھ چلا گیا۔ وہاں گورو صاحب کے آگے متعدد ہندو بھگتوں اور مسلمان صوفیہ کے اقوال پیش کئے گئے تاکہ وہ گرنتھ میں جمع کئے جائیں۔ گورو ارجن نے چیدہ چیدہ اور موزوں گیتوں کو اکٹھا کیا جو سنسکرت، فارسی، عربی، ہندی، مرہٹی، ملتانی اور قدیم پنجابی وغیرہ زبانوں میں تھے اور اُن کو بھائی گورداس نے گورمکھی لپی میں لکھا۔ چونکہ گرنتھ صاحب کے گیت نصف درجن سے زیادہ زبانوں میں ہیں اُن کا صحیح مفہوم جاننے کے لئے کتاب کے مترجموں اور مفسروں کے لئے ضروری ہے کہ اُن سب زبانوں سے کماحقہٗ واقف ہوں۔ گیتوں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) گورونانک کے ۹۷۴ گیت اِس مجموعہ میں شامل کئے گئے۔ (۲) گورو انگد کے ۶۲ گیت۔ (۳) گورو امرداس کے ۹۰۷ گیت (۴) گورو رام داس کے ۶۷۹ گیت۔ (۵) گورو ارجن نے اپنے ۲۲۱۸ گیت شامل کئے۔ بعد میں (۶) گورو تیغ بہادر کے ۱۱۵ گیت آدگرنتھ میں ایزاد کئے گئے۔ (۷) گورو گوبند سنگھ نے آدگرنتھ کو ۱۷۰۵ء میں آخری تشکیل دی لیکن اُن کی تصنیفات آدگرنتھ میں شامل نہیں ہیں۔

گورو گوبند سنگھ نے اپنی وفات سے پہلے کہا کہ آئندہ میرے بعد سکھوں کا کوئی

Marfat.com

نہیں ہوگا اور صرف گرنتھ صاحب کی کتاب ہی اُن کی ہمیشہ کے لئے گُورو ہوگی کیونکہ اُس میں گُربانی ہے (دیکھو متی ۱۸ : ۱۸ - ۲۱) گُورو گوبند سنگھ کے چیلے مان سنگھ نے اپنے گُورو کی موت کے تیس سال بعد اُن کے گیتوں کو جمع کیا اور اس مجموعہ کا نام " دسم گرنتھ " رکھا جس میں دو ہزار سے زیادہ گیت ہیں۔ یہ مجموعہ ظاہر کردیتا ہے کہ گُورو ارجن اُن اصُولِ مساوات و اخوت پر قائم تھے جن پر گُورو نانک چلتے تھے، کیونکہ گرنتھ صاحب میں ہر ذات کے لوگوں کے گیت پائے جاتے ہیں - چنانچہ ملاحظہ ہو :-

۱- مردانہ (از ۱۴۶۰ء تا ۱۵۳۰ء) جو گُورو نانک کا ساتھی تھا، رباب بجا کر اپنا گزارہ کرتا تھا - اُس نے گُورو صاحب کے ساتھ مغربی ایشیا کے ممالک کی سیاحت بھی کی تھی اور گُورو نانک کے گیت رباب پر بجایا کرتا تھا - وُہ عراق میں ہی وفات پا گیا - اُس کے تین گیت آدگرنتھ میں موجود ہیں - وُہ واحد شخص ہے جس کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس نے سکھ گُوروؤں کی طرح اپنے گیتوں کو گُورو نانک کی طرف منسُوب کیا ہے -

(۲) شیخ فرید (از ۱۱۷۳ء تا ۱۲۶۵ء) کا مفصّل ذکر ہم جلد سوم میں کر چکے ہیں - اس زبردست صُوفی کے گیت گُورو نانک نے اُس کے بارہویں جانشین شیخ ابراہیم سے حاصل کئے تھے جن کی تعداد ۱۴۴ ہے - وُہ اب آدگرنتھ میں محفُوظ ہیں -

(۳) نام دیو (از ۱۲۶۹ء تا ۱۳۴۴ء) مہاراشٹر کا رہنے والا ذات کا درزی تھا جس کا پیشہ رہزنی تھا - سلطان محمد بن تغلق نے اس کو اسلام کی دعوت دی - جب وُہ نہ مانا تو اُس کو قید کر دیا گیا، لیکن بعد میں رہا کر دیا گیا - وُہ دس سال پنجاب میں رہا - آدگرنتھ میں اُس کے ساٹھ گیت ہیں جن کی زیادہ تعداد اُس کی زندگی کے حالات پر مشتمل ہے -

(۴) جے دیو بارہویں صدی میں بردوان کا رہنے والا برہمن تھا جو راجہ لکشمن سین کا درباری شاعر تھا - اس کے صرف دو گیت آدگرنتھ میں شامل ہیں جن کی زبان پرکرت اور اپابرنس زبانوں کی مرکب ہے -

(۵) تِرلوچن (از ۱۲۶۷ء تا ۱۳۳۵ء) نام دیو کا ہمعصر اور دوست تھا گو وُہ ذات کا ویش تھا، اس نے نام دیو کا تعارف صوفیہ سے کرایا - اُس کے چار گیت گرنتھ میں ہیں -

(۶) سدھنا - تیرھویں صدی کے اواخر میں سندھ کا ایک قصاب تھا - کہتے ہیں کہ کسی مسلمان سلطان نے اس کو دعوتِ اسلام قبُول نہ کرنے کی وجہ سے دیوار میں چنوا دیا - اس کی قبر سرہند میں

Marfat.com

ہے۔ اس کا ایک گیت آدگرنتھ میں شامل ہے۔

(۷) بینی۔ چودھویں صدی میں نام دیو کا ہمعصر تھا۔ وُہ ایک اچھا شاعر اَور عالم شخص تھا جس کا ایک گیت آدگرنتھ میں ہے۔

(۸) رامانند (از ۱۳۴۰ء تا ۱۴۳۰ء) ایک برہمن تھا جس کے مفصل حالات کا ہم جلد دوم میں اَور سطوُر بالا میں ذکر کر آئے ہیں۔ اُس نے ہندوؤں کے وشنو تصوّرات کی اسلامی صوفی خیالات سے تطبیق کرنے کی کوشش کی جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ بہُت مسُلمان اُس کے چیلے بن گئے۔ آدگرنتھ میں اس کا ایک گیت شامل ہے۔

(۹) سائیں (از ۱۳۹۰ء تا ۱۴۴۰ء) ریوا کے راجہ کا حجام تھا جس کی رُوحانی زندگی سے راجہ اس قدر متاثر ہوگیا کہ وُہ اِس کا چیلہ بن گیا۔

(۱۰) روی داس۔ پندرھویں صدی میں رامانند کا چیلہ تھا۔ وُہ چمار تھا اَور جُوتیاں گانٹھا کرتا تھا۔ تس پر بھی اُونچی ذاتوں کے لوگ اُس کے چیلے تھے۔ چتوڑ کی شاہزادی بھی اُس کی چیلی تھی۔ آدگرنتھ میں اُس کے اِکتالیس گیت ہیں جو اُتر پردیش کی ہندی بولی میں لکھے ہُوئے ہیں۔

(۱۱) پرمانند۔ پندرھویں صدی کا ایک برہمن رامانند کا چیلہ تھا جو ایک بڑا شاعر تھا۔ اُس کا ایک گیت گرنتھ میں ہے۔

(۱۲) کبیر (از ۱۳۸۰ء تا ۱۴۶۰ء) ایک مسُلمان جولاہا تھا جس کا مفصل ذکر ہم جلد دوم میں کر آئے ہیں۔ اس کے ۵۴۱ گیت آدگرنتھ میں ہیں۔

(۱۳) پیپا (از ۱۴۰۵ء تا ۱۴۶۵ء) ایک راجہ تھا جو کبیر اور روی داس کا چیلہ تھا۔ اس کا ایک گیت آدگرنتھ میں شامل ہے۔

(۱۴) شیخ بھیکن (از ۱۴۸۰ء تا ۱۵۷۳ء) ایک عالم صُوفی تھا جو شیخ فرید کے خیالات سے بہُت متاثر تھا۔ اُس کے دو گیت آدگرنتھ میں شامل ہیں۔

(۱۵) دھنّا۔ پندرھویں صدی میں دیوَلی کے قریب پیدا ہُوا۔ وُہ ذات کا جاٹ تھا۔ اُس کے چار گیت آدگرنتھ میں شامل ہیں جو بُت وبُت پرستی کے خلاف ہیں۔

(۱۶) سُندر۔ (از ۱۵۶۰ء تا ۱۶۱۰ء) گورو امرداس کا پڑپوتا تھا جس کی وفات کے وقت وُہ صرف ۱۴ سال کا تھا۔ اس نو عُمری کے باوجوُد گورو امرداس کے آخری الفاظ نے

Marfat.com

اس پر مستقل اثر کیا۔ مابعد کے زمانہ میں اُس نے ایک "سد" مرثیہ کے طور پر لکھی جس میں وُہ کہتا ہے کہ منوّر رُوح کے لئے موت کا وقت بھی خوشی کا وقت ہوتا ہے کیونکہ وُہ اپنے محبوب کو ملنے کے لئے بے تابانہ تڑپتی ہے۔ یہ "سد" آدگرنتھ میں موجود ہے۔

(۱۷) سورداس۔ سولہویں صدی کا ایک عالم برہمن تھا جو صُوفیانہ خیال کا انسان تھا اور اچھا شاعر تھا۔ اکبر بادشاہ کے زمانہ میں وُہ گورنر کے عہدے پر چندے ممتاز رہا۔ اُس کے دو گیت آدگرنتھ میں پائے جاتے ہیں۔

(۱۸) کلشار۔ سولہویں صدی کا ایک زبردست شاعر اور گویا تھا جو گورو انگد اور اُن کے جانشینوں کو شخصی طور پر جانتا تھا۔ وُہ اور اُس کے ساتھی شاعر سنسکرت، پراکرت اور اپابرنس زبانوں کے ماہر تھے۔ اُس کے اور اُس کے ساتھی شاعر جالپ۔ بھیکھا۔ سلہہ۔ بھل۔ نلہہ گیند۔ بل۔ متھرا۔ کیرت اور ہربنس کے ۱۲۲ گیت آدگرنتھ میں شامل ہیں جن میں سکھ گوروؤں کی تعریف و توصیف کی گئی ہے۔

(۱۹) ستہ اور بلونڈ۔ گورو ارجن کے زمانہ میں مسلمان گویئے تھے۔ ان کے آٹھ گیت آدگرنتھ میں شامل ہیں جن میں وُہ اُن وجوہ کا ذکر کرتے ہیں جن کے باعث گورو نانک نے اپنی وفات سے چھ ماہ پہلے اپنے بیٹوں کو گدی دینے کے عوض گورو انگد کو گدی نشین کیا تھا۔

ہم نے سطور بالا میں تفصیل سے کام لیا ہے تاکہ ناظرین پر یہ حقیقت روشن ہوجائے کہ گورو ارجن نے جن بھگتوں کے گیت جمع کئے ہیں اُن میں مسلمان صوفی درویش، جولاہے، دیش قصاب، حجام، چمار سے لے کر برہمن اور راجہ سب شامل ہیں اور ان میں کوئی تفریق و تمیز نہیں کی گئی۔ یہ مسلمان اور ہندو بارھویں صدی مسیحی سے لیکر سترہویں صدی مسیحی تک ہندوستان کے مختلف گوشوں میں مختلف زبانیں بولنے اور لکھنے والے تھے۔ گو اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ گرنتھ صاحب کا صحیح ترجمہ کرنے میں سخت دشواریاں پیش آتی ہیں کیونکہ ایسا عالم بصد مشکل ملتا ہے جس کو ان لوگوں کے زمانہ کی نصف درجن سے زیادہ زبانوں پر بیک وقت عبور ہو۔

سکھ گورو اور مسیحیت

ہم جلد دوم اور سوم میں بتلا چکے ہیں کہ سکھ گوروؤں کے زمانہ میں ہندوستان کے اکثر مقامات میں مسیحی کلیسیائیں موجود تھیں، اور مغربی ایشیا کے اُن ممالک میں مسیحی کلیسیاؤں کے مختلف فرقے موجود تھے جہاں گورو نانک سیاحت کے لئے گئے تھے۔ ان مسیحی فرقوں کے بشپ اور علما اپنے علم و فضل کے لئے چاردانگ عالم میں مشہور تھے۔ ہم اس جلد کے باب اوّل میں بتلا چکے ہیں کہ بغداد کا کتبہ ثابت

Marfat.com

کرتا ہے کہ ۱۵۲۱ء میں "گورو بابا نانک فقیر اولیا" بغداد گئے تھے جہاں نسطوری، یعقوبی، ملکی وغیرہ کلیسیاؤں کے لاکھوں شرکا، شماس، قسیس، اسقف اور بطریارک رہتے تھے۔ یہ امر بعید از قیاس ہے کہ بابا نانک جیسی طبیعت رکھنے والے اور جستجوئے حق میں گھر بار اور دولت و ملازمت پر لات مارنے والے شخص کو نہ تو ہندوستان کے طول و عرض میں اور نہ مغربی ایشیا کے ممالک کے کسی ایک شہر میں بھی کسی مسیحی شخص، قسیس یا بشپ سے ملاقات کرنے کا اتفاق بھی ہوا ہو۔

اس امکان کی تہ تک پہنچنے کے لئے راقم الحروف نے چند ایک سکھ فضلاء سے خط و کتابت کی۔ ایک مستند سکھ عالم نے جواب میں لکھا کہ "آپ نے جو کلیسیائے ہند کی تاریخ کی جلدیں مجھے بھیجی ہیں، اُن میں مسیحی کلیسیاؤں کا ذکر میرے لئے ایک اچنبھا ہے جو نیا انکشاف ہے۔ میں نے ان جلدوں کو اپنے چند احباب کو بھی دکھلایا، لیکن ان کے لئے بھی یہ امر موجبِ حیرت و استعجاب ہی ثابت ہوا۔ وہ سب یہی کہتے ہیں کہ یہ بات نئی اور انہونی معلوم دیتی ہے۔" ایک اور عالم نے لکھا "میں نے گورو نانک کی تعلیم اور حالاتِ زندگی میں مسیحیت کی جانب کوئی اشارہ نہیں پایا۔ کسی سکھ گورو کی تعلیم میں لفظ "مسیحی" نہیں ملتا۔[1]" ایک اور صاحب نے لکھا "سکھوں کی کسی کتاب میں کہیں یہ ذکر نہیں ملتا کہ کسی سکھ گورو نے کسی مسیحی مبلغ سے کبھی ملاقات کی ہو۔" ہم نے اول الذکر صاحب کو لکھا کہ پچاس سال ہوئے جب ہم نے پہلی دفعہ ایک مستند مسیحی مصنف کی ایک کتاب میں پڑھا کہ شمالی ہند میں ہزاروں مسیحی بستے تھے تو ہم کو بھی حیرت ہوئی اور ہمارے دل میں سوال پیدا ہوا کہ شمالی ہند اور پنجاب کے یہ ہزاروں مسیحی کہاں غائب ہو گئے؟ لیکن ۱۹۴۷ء میں جب ہمارے ملک کا بٹوارہ ہوا تو یہ سوال حل طلب نہ رہا۔ ابھی کل کی بات ہے کہ لاکھوں ہندو اور سکھ مغربی پنجاب کے کونہ کونہ میں بستے تھے جو صدیوں سے نسل در نسل وہاں رہتے چلے آتے تھے لیکن اب وہاں گنتی کے ہندو رہتے ہیں اور ایک سکھ بھی ڈھونڈے سے نہیں ملتا۔ علیٰ ہذا القیاس محمد بن قاسم کے ایام سے پہلے مسیحی کلیسیائیں بکثرت شمالی ہند اور

---

[1] لیکن ڈاکٹر تروچن سنگھ اور دیگر فضلاء کی انگریزی کتاب "انتخابات از کتب سکھ" کے صفحہ ۱۹۴ پر زیرِ عنوان "کوئی بولے رام رام۔ کوئی خدا" یہ لکھا ہے "بعض لوگ وید پڑھتے ہیں اور مسیحی، یہودی اور مسلمان سامی کتب (مقدسہ) پڑھتے ہیں۔" (برکت اللہ)

1. Selections from the Sacred Writings of the Sikhs. p. 194.

Marfat.com

پنجاب میں موجود تھیں جو محمود غزنوی، محمد غوری اور سلاطین دہلی، مونگل حملہ آوروں اور تیمور کے حملوں کے وقت صدیوں کے دوران میں نابود ہوتی چلی گئیں حتیٰ کہ بابر کے حملہ کے وقت بہت کم مسیحی کلیسیائیں زندہ رہ گئیں۔ لیکن اُن ایام میں بھی مغربی اور جنوبی ہند کی کلیسیائیں سلامت رہ کر پھلتی پھولتی اور ترقی کر رہی تھیں اور بابا نانک ہندوستان کے اُن اطراف میں گئے تھے۔ اُن کا کسی مسیحی سے یا کسی مسیحی مبلغ، راہب یا بشپ سے ملاقات نہ کرنا اور انجیل کی تعلیم سے ناواقف رہنا بعید از فہم امر ہے۔

بفرضِ محال اگر گورونانک کے زمانہ میں کوئی مسیحی کلیسیا شمالی ہند میں نہیں تھی تو اُس کے جانشینوں کے زمانہ میں کم از کم اکبر کے بعد کے زمانہ سے لے کر گوروگوبند سنگھ کے زمانہ تک آگرہ، دہلی، لاہور، کشمیر، گجرات وغیرہ مقامات میں مسیحی مبلغین موجود تھے جو شاہ و گدا سب سے ملتے تھے اور ہر خاص وعام کو انجیل کا جانفزا پیغام دیتے پھرتے تھے۔ یہ حیرت کی بات ہوگی کہ ان مبلغین نے سکھ گوروؤں جیسی عظیم روحانی ہستیوں کو نظر انداز کر دیا ہو۔

جس زمانہ میں گروارجن نے گرنتھ کو جمع کیا تھا اُن ایام میں مسیحی نجات کا پیغام سلطنتِ مغلیہ کے مختلف حصوں میں دیا جاتا تھا۔ اِس تواریخی حقیقت سے کسی کو مجالِ انکار نہیں۔ پس یہ امر بعید از عقل ہے کہ گرنتھ صاحب کے جامعین نے اِس پیغامِ نجات کو نہ سُنا ہو اور اس کو سُن کر متاثر نہ ہوئے ہوں۔ اگر ہم یہ بھی مان لیں کہ سکھ گوروؤں کی حالات زندگی میں کسی مسیحی مبلغ سے ملاقات کا ذکر نہیں ملتا تو اس سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اُن کی ملاقات کسی مسیحی سے نہیں ہوئی تھی یا اُنہوں نے کبھی انجیل کا پیغام بھی نہ سُنا تھا کیونکہ سکھ مت کی کوئی کتاب کسی گورو کے تمام اور کامل حالات اور ادنیٰ تفصیلاتِ زندگی بیان کرنے کا دعویٰ نہیں کرتی۔ گرنتھ صاحب بھی ایسی جامع اور مانع کتاب نہیں کہ اُس میں سب گوروؤں کی باتیں درج ہوں جو اُنہوں نے فرمائی تھیں۔ علم منطق کے مطابق دلیل الخاموشی[1] نہایت کمزور دلیل ہوتی ہے جس کو بڑے حزم و احتیاط کے ساتھ ہی استعمال کر سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر مشہور مسلمان سیاح اور مورخ البیرونی کی تصنیف میں بدھ مت کے پیروؤں کا ذکر تک نہیں پایا جاتا، کیونکہ اُس کی آمد کے وقت بودھ ہندوستان سے ناپید ہو چکے تھے، اور البیرونی کو نہ تو کوئی بھکشو ملا اور نہ کوئی بدھ مت کی کتاب ملی جس سے اُس کو بدھ مت کا پتہ چلتا[2]۔ لیکن ہم البیرونی کی خاموشی سے یہ استدلال نہیں کر سکتے کہ ہندوستان میں کبھی بودھ رہتے

1. Argument from Silence.
2. Ishwari Parshad, History of Mediaeval India (Preface)

Marfat.com

ہی نہ تھے۔ ہم خود گرنتھ صاحب سے ایک مثال دے کر اس نکتہ کو واضح کر دیتے ہیں کسی شخص کو اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اسلام نے گورو نانک کے خیالات کو متاثر کیا ہے لیکن گرنتھ صاحب جیسی ضخیم کتاب میں رسولِ عربی کے نام کا بالواسطہ یا بلا واسطہ کہیں ذکر چھوڑ، اشارہ تک نہیں پایا جاتا[1] علیٰ ہذا القیاس اگر گورو نانک یا کسی اور گورو کے گیتوں یا حالاتِ زندگی میں مسیحیت یا انجیل کا ذکر نہیں پایا جاتا تو ہم اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کر سکتے کہ انہوں نے کسی مسیحی سے ملاقات نہ کی تھی اور نہ کبھی انجیل کا پیغام سنا تھا۔ ان کی زندگیوں کے وقائع نویسوں کا یہ مقصد ہی نہ تھا کہ وہ ہر واقعہ کا ذکر کریں۔ انہوں نے فقط ان واقعات کے لکھنے پر قناعت کی جو ان کے مطلب کے تھے جو ہر وقائع نگار کا طرز ہوتا ہے۔

سکھ مت کی دینیات

ہم باب اول کی فصل چہارم میں بتلا چکے ہیں کہ گورو نانک وحدتِ ادیان کے نظریہ کے قائل تھے جو ان کے ایام میں غالب نظریہ تھا، جس نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے دلوں کو موہ لیا تھا۔ چنانچہ گرنتھ صاحب میں ہے در کبیر چلا کر کہتا ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کا خدا ایک ہی ہے۔" "ویدوں اور دیگر مقدس کتابوں میں ایک ہی خدا ہے، جو ان سے بلند و برتر بھی ہے۔" "تیرے نام بے شمار ہیں۔ میں ہر نام میں تجھ کو ہی سجدہ کرتا ہوں۔" گورو نانک سے لے کر گورو گوبند سنگھ تک، سب کے سب گورو وحدتِ ادیان کے نظریہ کے قائل تھے۔ چنانچہ ایک گورو فرماتے ہیں "مندر اور مسجد ایک ہی ہیں۔ پران میں اور قرآن میں ایک ہی خدا کا ذکر ہے۔ اللہ اور الیکھ ایک ہی خدا کے دو نام ہیں۔ جس طرح تمام انسان ایک ہی قسم کی صورت اور ایک ہی ڈھانچہ رکھتے ہیں گو بظاہر ان کی شکلیں مختلف ہوتی ہیں۔ پوجا اور نماز ایک ہی بات ہے۔"[1] اور سب بت (بت پرستی کے دشمن اور ہندو دھرم اور اسلام کی بیرونی پابندیوں، رسمی کارروائیوں اور ظاہرداریوں کے مخالف تھے۔ چنانچہ گرنتھ میں ہے کہ "جو گنگا کنارے رہتے ہیں اور گنگا جل پیتے ہیں لیکن خدا کی یاد نہیں کرتے اور اس کی طرف سے غافل رہتے ہیں، وہ مکتی حاصل نہیں کر سکتے۔" "اگر تیرا دل ٹیڑھا ہے تو نماز پڑھنا اور حج کرنا بے فائدہ ہے۔" "اصلی جنیو کا سوت رحم ہے۔ اس کا دھاگا قناعت

1. The Missionary (January.March. 1963) p. 18

1. Bhai Jodh Singh. "What Guru Nanak taught" (The Missionary, January-March, 1963)

Marfat.com

ہے جس کی سات گانٹھیں ہیں جو سات نیکیاں ہیں۔ یہ جنیؤ دِل کا جنیؤ ہے۔ تُو اس کو پہن ۔ وُہ نہ ٹُوٹ سکتا ہے، نہ جل سکتا ہے نہ مَیلا ہوتا ہے اَور نہ کبھی برباد ہوگا۔ اَے نانک جو شخص اِس قسم کا جنیؤ پہنتا ہے اُسی کا شمار پاک لوگوں میں ہوگا۔"

گرنتھ صاحب کا سطحی مطالعہ بھی ظاہر کر دیتا ہے کہ اس میں خُدائے واحد کی تعلیم دی گئی ہے۔ یہ واحد خُدا اِنسان سے محبّت کرنے والا خُدا ہے جو محض اپنے فضل وکرم سے بنی نوعِ انسان کو نجات بخشتا ہے۔ ایسے خُدا سے دل وجان سے محبّت کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ لیکن اس تصوّرِ خُدا کے ساتھ ساتھ خُدا کا اسلامی تصوّر بھی موجود ہے جس کے مُطابق خُدا محبّت نہیں ہے بلکہ ایک مطلق العنان بادشاہ ہے جو قرونِ وُسطیٰ کے بادشاہوں کی طرح جو اُس کے جی میں آتا ہے سو وُہ کرتا ہے جس کو چاہتا ہے وُہ بخشتا ہے اَور جس کو چاہے نہیں بخشتا پس اُس میں تلقین کی گئی ہے کہ ہم کو اپنی قسمت پر صبر کرکے راضی برضائے الٰہی ہونا چاہیئے۔ خُدا نے جو ہماری تقدیر میں لکھ دیا ہے وُہی ہوکر رہے گا پس اُس کا شُکر کرکے اُس کے لکھے پر قناعت کرنی چاہیئے۔

گرنتھ صاحب میں خُدا کے برتر و بالا ہونے کی تعلیم دی گئی ہے لیکن اس کے دوش بدوش اُس میں ہمہ اوستی اَور ویدانتی تصوّرات بھی پائے جاتے ہیں لیکن یہ سب تصوّرات ایک شفاف غلاف کی مانند ہیں جو گرنتھ کی مرکزی اَور خصُوصی تعلیم پر پردے کی مانند پڑے ہیں لیکن اُس کو چھپا نہیں سکتے۔

گرنتھ کا غائر مطالعہ یہ بھی صاف ظاہر کر دیتا ہے کہ اُس میں کہیں توحیدی تعلیم ہے۔ کہیں ہمہ اوستی تعلیم ہے۔ کہیں ایک واحد شخصی خُدا کی تعلیم ہے۔ بعض مقامات میں غیر مُشخّص خُدا کی تعلیم بھی ہے۔ بعض مقامات میں خُدا کے فضل سے بنی نوعِ اِنسان کی نجات کا ذکر ہے۔ بعض مقامات میں نروان کی تعلیم پائی جاتی ہے۔ پس اس میں مُختلف اَور متضاد خیالات و تصوّرات پائے جاتے ہیں جن میں تطبیق دینے کی کوشش بھی نہیں کی گئی۔ پس اس کی کیا وجہ ہے؟

اس کی وجہ یہ نظر آتی ہے کہ جیسا ہم سطُورِ بالا میں "گرنتھ صاحب کی جمع و ترتیب" کے عنوان کے تحت بتلا چکے ہیں اِس کتاب میں بارھویں صدی مسیحی سے اٹھارہویں صدی مسیحی تک کے طویل زمانہ کے مُختلف طبائع اَور مُختلف خیالات رکھنے والے انسانوں کے گیت جمع کئے گئے ہیں جو مُلک کے مُختلف گوشوں، طبقوں اَور مُختلف ذاتوں اَور پیشوں کے تھے۔

Marfat.com

وہ خدارسیدہ بزرگ تھے جو فلسفہ اور منطق کے راستے خدا کے پاس نہیں پہنچے تھے۔ گورو نانک اور گورو ارجن نے بھی عقل و ادراک کے ذریعہ خدا کے گیان اور علم کو حاصل نہیں کیا تھا۔ جامعین گرنتھ کی ذاتِ الٰہی تک رسائی استدلال کے ذریعہ نہیں ہوئی تھی۔ وہ صاحب وجدان تھے جنہوں نے وجدانیت کے وسیلہ خدا کو حاصل کیا تھا اور مکاشفہ کے ذریعہ الٰہی رازوں کو جانا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جیسا ہم اوپر کہہ چکے ہیں اُن کے خیالات کا اختلاف سکھ ست کی اصلی، مرکزی اور خصوصی تعلیم کو چھپانے نہیں پاتا اور نہ چھپا سکتا ہے۔

آدگرنتھ کے علاوہ گورو گوبند سنگھ کا دسم گرنتھ بھی سکھوں میں واجب التعظیم کتاب خیال کی جاتی ہے۔ یہ دسم گرنتھ گورو ارجن کے مجموعہ آدگرنتھ کے قریباً سوا سو سال بعد اور گورو گوبند سنگھ کی وفات کے قریباً ربع صدی بعد جمع کیا گیا تھا۔ اس گرنتھ نے سکھوں کی تاریخ، اُن کی عادات اور رسوم و دستورات پر بڑا زبردست اثر ڈالا ہے۔ اس میں گورو گوبند سنگھ کی تصنیف "ظفرنامہ" بھی شامل ہے جو درحقیقت ایک چٹھی تھی جو گورو صاحب نے اورنگزیب بادشاہ کو لکھی تھی۔ اس کتاب کی جمع و ترتیب کا اصلی منشا یہ تھا کہ جس طرح قرآن مسلمانوں کو جہاد پہ آمادہ کرتا ہے یہ کتاب سکھوں کو مذہبی جنگ لڑنے پر آمادہ کرے۔ (۲۴۹۱)۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا ایک اچھا خاصہ حصہ جنگ کی دیوی درگا کی تعریف پر اور دیوتاؤں کا ارواحِ خبیثہ کے ساتھ جنگ کرنے پر اور جنگی ہتھیاروں کی بُجھارتوں پر مشتمل ہے۔ ظفرنامہ میں ہے کہ جب تمام وسائل و ذرائع ناکام ثابت ہوں تو تلوار کا استعمال حق اور جائز ہے (ص ۲۴)۔ چنانچہ تلوار کی تعریف و توصیف کے ایک گیت میں لکھا ہے "اے تلوار تُو جو دشمنوں کا ناش کرتی ہے میں تیری پناہ لیتا ہوں۔ تُو ہی خالق ہے۔ تُو ہی نجات دینے والی ہے۔ تُو ہی دستگیر ہے۔ اے اقتدارِ اعلیٰ رکھنے والی، مجھ کو پرنام ہے"[1] گو یہ گرنتھ آدگرنتھ کی طرح مستند نہیں ہے لیکن وہ واجب الاحترام تسلیم کی جاتی ہے جس کو پرایا غنڈا کے لئے اکثر استعمال کیا جاتا ہے اس کتاب نے سکھوں کو جنگی طبقہ بنانے میں بڑا کام دیا ہے۔

سکھ مذہب انتخابی مذہب ہے سکھ مذہب ایک انتخابی مذہب ہے جس نے ہندو دھرم اسلام اور مسیحیت کے چند اصولوں اور عقیدوں کو قبول کر کے اپنا لیا ہے اور ان کے بعض اصول، عقائد و دستورات کو رد کر دیا ہے۔

ہندو دھرم اور سکھ مت سکھ گوروؤں نے ہندو دھرم کی ذیل کی تعلیمات قبول

1. Selections from the Sacred Writings of the Sikhs. p. 270

Marfat.com

کرلیں[1]:۔ (۱) ہمہ اوستی خیالات۔ (۲) کرم کا عقیدہ (۳) تناسخ کا عقیدہ (۴) نام کا جپنا۔ (۵) گرو کی ہستی کا لازمی ہونا (۶) مایا کا عقیدہ (۷) بھگتی مارگ کا اصُولِ فضل (۸) بھگوت گیتا کی یہ تعلیم کہ جو شخص میدانِ جنگ میں کام آتا ہے وُہ مُکتی پراپت کر لیتا ہے۔ اِس تعلیم کو گوُرو گوبند سنگھ نے دسم گرنتھ میں اپنالیا۔

ہندُو دھرم کے ذیل کے عقائد ناقابلِ قبُول خیال کئے گئے[1]:۔ (۱) وید اَور ہندُو دھرم کے شاستر اَور پُستکیں۔ (۲) برہمنوں کی پروہتائی (۳) ذات پات کی تمیز (۴) بُت اَور بُت پرستی (۵) استھانوں کی یاترا۔ (۶) آہمسہ کی تعلیم اَور گوشت خوری سے پرہیز (۷) حیوانوں اَور جانوروں کی قُربانیاں (۸) جنئو کا استعمال (۹) جادُو منتر اَور جھاڑ پھُونک (۱۰) دُنیا سے کنارہ کشی اَور عزلت کی زندگی۔

اِسلام اَور سکھ مذہب

ہم بابِ اوّل میں بتلا چکے ہیں کہ بابا نانک ملتان کے ضلع کی حدُود کے قریب پیدا ہُوئے تھے اَور وہیں پرورش بھی پائی تھی۔ ہم جلد سوم کے حصّہ دوم باب چہارم میں یہ بھی بتلا آئے ہیں کہ مُلتان میں سہرآوردی صُوفیہ کی آمد ۱۲۶۶ء میں ہُوئی تھی۔ تارک الدُنیا ہوئے کے بعد بابا نانک ملتان گئے جہاں وُہ مسلمان درویشوں اَور فقرا کی صحبت میں رہے اَور اُن کے خیالات سے مستفیض ہُوئے۔ وُہ پاکپٹن میں چشتی سلسلہ کے صُوفی بابا فرید کے جانشین شیخ ابراہیم سے تین بار ملے۔ بابا فرید کے ایک سَو سے زائد اشعار گرنتھ صاحب میں درج ہیں۔ گوُرو نانک کے گیتوں میں صُوفی اصطلاحات (مثلاً "جپ" بمعنی "ذکر") اَور خیالات پائے جاتے ہیں۔ قادریہ سلسلہ سندھ میں ۱۴۸۲ء میں آیا۔ اِس سلسلہ کا مشہور صُوفی میاں میر گوُرو ارجن کے زمانہ میں لاہور میں مقیم تھا۔ دونوں خُدا رسیدہ بزرگوں کے باہمی تعلقات ایسے گہرے تھے کہ کہا جاتا ہے کہ جب گوُرو صاحب نے امرتسر کے دربار صاحب کو تعمیر کیا تو اُس کا سنگِ بُنیاد حضرت میاں میر سے رکھوایا تھا۔ جپ جی صاحب اَور سکھ منی سے ظاہر ہے کہ یہ گوُرو صُوفیانہ خیالات و معتقدات سے بہت متاثر تھے۔ چنانچہ قُرآن کی ایک آیت (۱۰۹:۱۷) کے الفاظ گرنتھ صاحب میں موجُود ہیں۔ اِس میں مثنوی مولانا رُوم کے بعض خیالات بھی پائے جاتے ہیں۔ مثلاً حقیقی نفس کُشی اَور عبادت

1. C. H. Loehlin. The Sikhs and their Scriptures p. 86.

Marfat.com

کا مفہوم ملاحظہ ہو ؎

تُو ضبط کی بھٹی قائم کر — تسلیم و رضا کو بنا زرگر
ادراک کو اہرن اُس کا بنا — اَور علمِ ہُدیٰ کا ہتھوڑا لا
اَب دھونکنی خوف خُدا کی لا — اَور اُس سے تپ کی آگ جلا
پھر اُلفتِ حق کی کٹھالی لا — اَور حق کے نام کو اُس میں گلا
سچی ٹکسال جو ایسی ہے — وُہ نام کا نقش بناتی ہے
جس پر بھی لُطفِ یزداں ہے — بس وُہ اُس راہ پر پویاں ہے
نانک گر رحم کرے مولا، — اِک پل میں شاداں ہو بندہ
وُہ راحت رہتی دائم ہے — ہر حال میں رہتی قائم ہے

(جپ جی)

اسلام سے سکھ مذہب نے ذیل کی تعلیمات قبُول کیں :-

(۱) وحدتِ خُدا (۲) خُدا کا مُطلق العنان بادشاہ ہونے کا تصوّر (۳) خُدا کے نام کا ذکر (۴) تقدیر کا عقیدہ (۵) بُت و بُت پرستی کی تردید (۶) ایک مرکزی مُقدس مقام (گورودوارہ)۔ (۷) مُعیّنہ اوقات پر دُعا (۸) دسم گرنتھ میں حوُروں کا اَور مادی بہشت کا ذکر اَور تعلیم۔ (۹) دسم گرنتھ میں مذہبی جنگ لڑنے کی تعلیم۔ (۱۰) حضرت محمدؐ اَور حضرت مسیح کی نبوّت۔

ذیل کے اسلامی عقائد و دستُورات کو ناقابلِ قبُول سمجھا گیا :-

(۱) روزہ رکھنا (۲) حج کرنا (۳) حیوانات کی اَور جانداروں کی قُربانیاں۔ (۴) طبقۂ اناث کا عباداتِ عمیم میں شامل نہ ہونا (۶) اخوّتِ انسانی کو کسی خاص طبقہ تک محدود کرنا۔ (۷) ختنہ کی رسم (۸) کسی خاص زبان کو مُقدس زبان خیال کرنا۔

گرنتھ صاحب اَور انجیل جلیل کے اصُول

ہم سطورِ بالا میں زیرِ عنوان "سکھ گوُرو اَور مسیحیت" یہ نظریہ پیش کر آئے ہیں کہ بابا نانک اَور اُن کے جانشین سکھ گوُروؤں کی مسیحی مُبلغین سے ضرور مُلاقات ہُوئی تھی جن کے ذریعہ وُہ انجیل کے اصُولوں سے واقف ہو گئے تھے۔ گوُرو گرنتھ صاحب کا مطالعہ یہ ظاہر کر دیتا ہے کہ اُس میں متعدد ایسے اصُول موجُود ہیں جو خالص اَور خصُوصی

Marfat.com

طور پر انجیلی اصول ہیں اور جو نہ تو ہندو مت سے اخذ کئے جاسکتے ہیں اور نہ قرآن و اسلام میں پائے جاتے ہیں۔ چونکہ سکھ فضلاء کا یہ خیال رہا ہے کہ گورو نانک اور اُن کے جانشین صرف قرآن و اسلام کی تعلیم سے متاثر ہوتے تھے لہٰذا انہوں نے اُن تمام سکھ اصولوں کو جو ہندو مت سے اخذ نہیں کئے گئے تھے، اسلام و قرآن کی جانب منسوب کر دیا، کیونکہ اِن فضلا کی ایک کثیر تعداد قرآن و حدیث اور اسلامی شرع سے کماحقہٗ واقف نہ تھی۔ اُن کے گمان میں یہ بات کبھی آئی نہ تھی کہ گورو صاحبان کی تعلیم پر انجیلی اثر ہوا ہوگا پس انہوں نے کبھی اُس کا موازنہ انجیل کے ساتھ نہ کیا۔ جب ہم نے ایک سکھ فاضل کی (جو انجیل سے واقف تھا) توجہ اِس نقطۂ نظر کی طرف دلائی، تو انہوں نے راقم الحروف کو کہا کہ "گو گرنتھ صاحب میں متعدد مقامات ایسے ہیں جن کو پڑھ کر انسان کا ذہن فوراً انجیل کی طرف منتقل ہو جاتا ہے لیکن پھر بھی میرا یہی خیال ہے کہ اُن پر انجیل کے اثرات نہیں ہیں۔ پر سچی بات یہ ہے کہ مَیں نے گورو گرنتھ صاحب کا مطالعہ اِس نقطۂ نظر سے نہیں کیا"۔ مشہور سکھ فاضل سردار جودھ سنگھ نے ہمیں لکھا کہ "گرنتھ صاحب میں ایسے مقام موجود ہوں گے جن میں انجیل کی سی تعلیم موجود ہو لیکن مشابہت اور مماثلت تو مختلف مذاہب میں پائی جاتی ہے اور اس کی بناء پر ہم کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتے۔ ہماری مذہبی کتابوں میں لفظ "کتیب" ضرور آیا ہے جس سے مُراد مسلمانوں کی چار کتابیں یعنی توریت۔ زبور۔ انجیل اور قرآن ہے"۔ یہ سکھ فاضل بھول گئے کہ پہلی تین کتابیں بائبل کے مجموعہ میں ہیں! اور مسلمان اُن پر فقط برائے نام ایمان رکھتے ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ جب ہم گرنتھ صاحب کے بعض مقامات میں ایسی تعلیم پاتے ہیں جو صرف انجیل جلیل سے ہی مخصوص ہے تو ہم اِس نتیجہ پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتے کہ انجیل کے تاثرات گرنتھ پر موجود ہیں۔ ہم تمام سکھ فضلاء اور مسیحی علما کی توجہ اِس اہم موضوع کی جانب مبذول کرتے ہیں، اور اُن سے اپیل کرتے ہیں کہ وُہ از سرِ نو گرنتھ صاحب کا اِس زاویۂ نگاہ سے غائر مطالعہ کریں تاکہ یقینی طور پر معلوم ہو سکے کہ اُس پر انجیل کا اثر ہوا ہے یا کہ نہیں اور اگر ہوا ہے تو کس طرح اور کس حد تک ہوا ہے، اور اگر نہیں ہوا تو کیوں نہیں ہوا۔

ہم یہاں نہایت مختصر طور پر سکھ گوروؤں کے اقوال کے چند اقتباسات درج کرتے ہیں جن میں انجیل کی خصوصی تعلیم پائی جاتی ہے۔ یہ اقتباسات سید حبیب کے منظوم اُردو ترجمہ شری جپ جی صاحب (سفید عام پریس۔ لاہور ۱۹۲۵ء) مصنفہ گورو نانک سے اور سُکھ منی مصنفہ گورو ارجن منظومہ خواجہ دِل محمد (دُوسری ایڈیشن ۱۹۲۶ء) سے اور چند دیگر مستند انگریزی

Marfat.com

تراجم سے لئے گئے ہیں۔

خُدا کی ذات خُدا کے متعلق انجیل جلیل کی یہ تعلیم ہے کہ خُدا کی ذات محبت ہے اَور وُہ بنی نوعِ انسان کا باپ ہے۔ (۱۔یوحنا ۴: ۷ تا آخر ۳: ۱، ۲۔کرنتھیوں ۱۳: ۱۱، یُوحنا ۱۷: ۲۶۔۳: ۱۶ و ۴: ۲۱، ۱۔کرنتھیوں ۸: ۶، ملاکی ۲: ۱۰، متی ۱۱: ۲۵۔ ۲۷، مرقس ۱۴: ۳۶، لُوقا ۲۳: ۳۴ و ۴۶ وغیرہ) یہ تعلیم قرآن واسلام میں موجُود نہیں۔ قرآن کے مطابق خُدا کی ذات محبت نہیں ہے، اَور نہ قرآن خُدا کو بنی نوعِ انسان کا باپ مانتا ہے۔ خُدا کے ننانوے ناموں میں خُدا کے لئے "باپ" کا نام موجُود نہیں۔ وُہ ربّ العرش ہے جو گنہگاروں سے محبّت نہیں رکھتا بلکہ اُن کو اَور سب سرکشوں کو ایسا عذاب دیتا ہے جو ائل ہے۔ وُہ گنہگاروں اَور فاسقوں کی ہدایت نہیں کرتا پس سب چاروناچار اُس کو سجدہ کرتے ہیں (سورہ توبہ آیت ۱۱۰ و ۱۲۰۔ نحل ۲۵۔ احقاف ۱۹۔ طور ع ۱۔ وغیرہ)۔ خُدا اَور انسان کا تعلق باپ اَور بیٹے کا اَور محب ومحبُوب کا نہیں جو انجیل کی تعلیم ہے بلکہ یہ تعلق ایک زبردست ہستی اَور دُوسری زیردست ہستی کا ہے۔ ایک مالک ہے تو دُوسری غلام ہے۔ ایک غالب ہے۔ دُوسری مغلوب۔ ایک قہار ہے، دُوسری مقہور ومغضُوب ہے۔ لیکن گرنتھ صاحب میں انجیلی تعلیم کی جھلک ہے۔ قرآنی تصوّرِ خُدا کے برعکس گُورونانک کہتے ہیں "اَے خُداوند تمام مخلُوقات تیری طرف دیکھتی ہے اَور سب کے سب تیرے ہی ہیں تُو کس کے ساتھ ناراض ہوسکتا ہے" (شری راگ) "خُدا ہمیشہ اَور اَبد تک رحم کرنے والا رحیم خُدا ہے۔ وُہ جو بھگتوں کا محبُوب ہے وُہ ہمیشہ مہربان ہے۔" (سُکھ منی)۔ "خُدا دُنیا کے چاروں کناروں میں محبّت کی صُورت میں حاضر وناظر ہے"[2] "خُدا اَور انسان کا باہمی رشتہ باپ اَور بیٹے کا ہے" (سورٹھ گُورو ارجن)۔ "صرف خُدا ہی اکیلا سب کا باپ ہے اَور ہم سب اُس کے فرزند ہیں"[3] جپ جی صاحب کے مُول منتر اَور گرنتھ میں ہے۔ مثلاً۔

وُہ اِک اونکار ہے، مَولا ہے	ست نام ہے خالق سب کا ہے
برتر ہے خوف وعداوت سے	ہے دائم قائم قدرت سے
عالی ہے خوف وعداوت سے	یہ دُور ہے شانِ محبت سے

1. Selections from the Sacred Writings of the Sikhs. (London, 1960)
2. Harbans Singh, Something about Sikhism. (Amritsar, 1929)
3. The Missionary, Quarterly Journal of the Sikh Missionary Society (July-September, 1962)

Marfat.com

"تُو مات پِتا ہم بالک تیرے تُمری کرپا میں سُکھ گھنیرے
تُو میرا پِتا تُو میری ماتا تُو میرا بندھپ (بھائی بند) تُو میرا بھراتا"
(گورُو ارجن)

"ہم سب ایک ہی باپ کے بیٹے ہیں اَور تُو میرا خُدا سے بزرگ ہے"۔ (گورُو ارجن)
"اَے مالک ہم تیرے فرزند ہیں اور تُو ہمارا حافظ ہے اَور نانک تیرا فرزند ہے"۔
"تُو میرا باپ ہے اَور تُو ہی میری ماں ہے۔ میں تیرے نام کا دُودھ پیتا ہُوں"۔
(گورُو ارجن)

یہ ظاہر ہے کہ گرنتھ صاحب کا یہ تصوّرِ خُدا قرآن سے نہیں لیا گیا۔ بابا نانک کو اَور دیگر گورُوؤں کو قرآن کے خُدا کا مجرّد (Abstract) تصوّر نہیں بُھا سکتا تھا۔ قرآنی تصوّر ایک بے نیاز (سورۂ اخلاص) خُدا کا تصوّر ہے جو نانک اَور سکھ گورُوؤں جیسی پُر محبت اَور دلآویز شخصیتوں کے لئے رُوحانی مسرّت و اطمینان اَور راحتِ دل کا باعث نہیں ہو سکتا تھا۔

خُدا کی پروردگاری عام ہے

یہ تعلیم بھی انجیل کی خصُوصی تعلیم ہے (دیکھو متی ۵: ۴۳-۴۸ اعمال ۱۴: ۱۷ وغیرہ)۔ بابا نانک کس خوبی سے خُداوند مسیح کے اقوال ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں:

بے حد انعام خُدا کے ہیں، بے انت اکرام خُدا کے ہیں
بے مثل سخی ہے دیتا وُہ پر بدلہ کُچھ نہیں لیتا وُہ
کئی بدی بُرائی والے ہیں وُہ عصیاں کے متوالے ہیں
یاں کافرِ نعمت ہیں اکثر انعام تو پائیں روز مگر
منعم سے یہ انکاری ہیں یہ زیورِ شُکر سے عاری ہیں
کیا بخشش ہے کیا داتا ہے بِن مانگے دیتا جاتا ہے
تھک جاتا ہے جو پاتا ہے
پر داتا دیتا جاتا ہے (جپ جی صاحب)

خلقت کلام کے وسیلے پیدا ہُوئی

یہ تعلیم بھی انجیلی ہے (دیکھو یُوحنّا ۱: ۱ و ۱۰، ۱-کرنتھیوں ۸: ۶، کلسیوں ۱: ۱۶، عبرانیوں ۱: ۲ وغیرہ)

Marfat.com

کلام سے شکلیں زندہ ہیں — مخلوق ہوئیں پائندہ ہیں
سب حق کے نام سے پیدا ہیں — کلام ہی سے اُس کے ہویدا ہیں
اِک لفظ سے تیرے اے پیارے — پیدا ہوئے ارض و سما سارے
نانک جو قُدرتِ یزداں ہے — خُود یزداں دیکھ کے شاداں ہے

(پیدائش ۱:۳۱)

اخُوّت و مساواتِ انسانی انجیل کے مُطابق چُونکہ خُدا بنی نوعِ انسان کا نہ صرف خالق و پروردگار بلکہ باپ ہے پس نسلِ انسانی ایک ہے اور سب آپس میں برابر اور بھائی بھائی ہیں، جن پر لازم ہے کہ ایک دُوسرے سے محبت کریں (دیکھو لُوقا ۶:۳۱ و ۱۰:۲۵، ۱-یُوحنا ۴:۷-۸ و ۱۱، ۲۰-۲۱، یُوحنا ۱۳:۳۴، رومیوں ۱۲:۱۰، کلسیوں ۳:۱۴، ۱-تھسلنیکیوں ۴:۹، ۱-پطرس ۱:۲۲ وغیرہ)۔ قرآن میں اخُوّتِ انسانی اور مساوات کا اصُول نہیں ہے۔ صرف اخُوّتِ اسلامی کا اصُول ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ "مُسلمان آپس میں بھائی ہیں" (حجرات آیت ۱۰) غیر مُسلموں سے محبت کرنے کا اصُول قُرآن میں نہیں ہے، بلکہ ہر مسلمان پر قتال فرض ہے۔ اس کے برعکس گرنتھ صاحب میں ہے "دین ومذہب کا خُدا ہم کو جبر اور تشدد کی تعلیم نہیں دیتا"۔ گُورُو کہتا ہے، کہ "تمام انسان ایک ہی مٹی سے بنائے گئے ہیں۔ اُس بڑے صناع نے اُن کو مختلف شکلیں دی ہیں"۔ (گورو اَمرداس) "نسل اور ذات کی تمیز بے معنی ہے۔ دُنیا کے کُل انسان ایک ہی خُدا کی حفاظت میں ہیں"۔ تمام سکھ گورُو ذات پات کے دشمن تھے۔ ملاحظہ ہو، "احمق۔ تُو اپنی ذات پر فخر نہ کر"۔ "تُو کسی سے اُس کی ذات نہ پُوچھ بلکہ اُس کے گیان کی طرف دیکھ۔ اگلی دُنیا میں ذات کو کوئی نہ پُوچھے گا۔ وہاں وُہی لوگ ہوں گے جنھوں نے نیا جنم اور نئی پیدائش حاصل کی ہے"۔ "نانک۔ نہ کوئی اُونچ ہے اور نہ کوئی نیچ ہے"۔ دسم گرنتھ میں ہے "ایک شخص اپنا سر مُونڈ کر خیال کرتا ہے کہ میں نیک فقیر ہُوں۔ دُوسرا تپسیا کر کے سمجھتا ہے کہ میں یوگی ہُوں۔ کوئی اپنے آپ کو ہندو کہتا ہے اور کوئی مسلمان۔ اور کوئی شیعہ یا سُنی کہتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ دُنیا بھر کے انسان ایک ہی نسل سے ہیں اور خُدا سب کا خالق اور پروردگار ہے۔ تمام انسانوں کی ایک ہی صُورت ہے اور ایک ہی قسم کی رُوح ہر ذی رُوح میں موجُود ہے۔۔۔ ہندُو اور مسلمان سب یکساں طور پر انسان ہیں اور سب مٹی۔ ہوا۔ آگ اور پانی سے بنے ہیں"۔ "اگر گھی مٹی کے برتن میں ہو تو وُہ گھی ہی رہتا ہے۔ وُہ مٹی نہیں بن جاتا"۔ (آدگرنتھ)

مسئلۂ تجسّم

گورو نانک تجسّم اور اوتاروں کے مسئلہ کو نہیں مانتے تھے۔ چنانچہ گرنتھ میں ہے۔ "در برہمن جنم اشٹمی کو پرمیشور کا جنم دن سمجھ کر مناتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ خُدا نہ تو جنم لیتا ہے اور نہ مرتا ہے۔ جل جائے وہ زبان جو یہ کہتی ہے کہ خُدا جنم لیتا ہے۔ وہ اِس جسم کو اختیار نہیں کرتا۔ وہ نہ مرتا ہے اور نہ پیدا ہوتا ہے۔ نانک خُدا ہر جگہ حاضر وناظر ہے۔ ہر شے میں اُسی کی جھلک ہے۔" لیکن دسم گرنتھ میں نشکلنک اوتار کی یعنی ایک کامل اوتار کی تعلیم موجود ہے۔ اور یہی تعلیم انجیل کی ہے (دیکھو یُوحنّا ۱: ۱۴، رُومیوں ۱: ۳، ۸: ۳، گلتیوں ۴: ۴، فلپیوں ۲: ۷-۸، کُلسّیوں ۱: ۲۱، ا-تیمتھیُس ۳: ۱۶، عبرانیوں ۱: ۳ وغیرہ)۔ عام سکھ عقیدہ کے مُطابق ایک گورو دُوسرے میں حلُول کرتا ہے ایسا کہ "انگد میں نانک تھا اور امرداس میں انگد۔ پھر امر داس رام داس ہو گیا۔ بے عقل اُن میں تمیز کرتے رہے لیکن دانشمندوں کی نظروں میں وہ ایک ہی تھے۔ جس طرح ایک دِیا دُوسرے چراغ سے جلایا جاتا ہے"[1]۔ اِس بنا پر گورو کے گیت بابا نانک کی طرف منسوب کئے گئے ہیں۔ اور اسی بنا پر گورو بانی کو "پرگٹ گُراں کی دِہ" یعنی گوروؤں کا ظاہری جسم کہا جاتا ہے۔ پروفیسر جے سنگھ لکھتا ہے کہ "واجب الوجود ہستی اس دُنیا میں شبد (کلام) کی صُورت اختیار کر کے آتی ہے۔ ہمارے مذہب کی کتابوں میں ہے کہ واجب الوجُود کی فاعلیت (عامل قوتیں) کلام کی صُورت اختیار کر لیتی ہے۔ شبد خود ذاتِ مُطلق ہے جو شعور و احساس کا موضوع ہے اور داخلی حیثیت رکھتا ہے۔ معروضی فاعلیت داخلی رنگ میں شکل پکڑتی ہے اور شبد (کلام) کی صُورت میں ایک ماورائے ادراک گورو کی زبان پر اُس کا ظہور ہوتا ہے اور یُوں متلاشیانِ حق ذاتِ مُطلق کو حاصل کر لیتے ہیں"[2]۔ جاننے والے معلُوم کر گئے ہوں گے کہ پروفیسر موصُوف نے مسیحی عقیدۂ تجسّم اور کلمۃ اللہ کی شان اور ذات کو بڑی خوبی سے فلسفیانہ اصطلاحات میں ادا کیا ہے۔

انجیل میں دس گوروؤں کی بجائے صرف ایک کامل گورو کو مانا گیا ہے۔ گرنتھ صاحب سے ظاہر ہے کہ گورو نانک ایک ایسے ست گورو کے قائل تھے جو گورو دیو ہو۔ کامل طور پر نیک ہو اور گناہ کی آلائش سے پاک ہو۔ انجیل میں خُداوند مسیح کی ذات کو اپنی صفات سے متصف کیا گیا ہے۔ (دیکھو عبرانیوں ۴: ۱۵، ۸: ۲۶، یُوحنّا ۸: ۴۶، ا-پطرس ۲: ۲۱-۲۲ وغیرہ)

1. Vichatar Natak, See Loehlin. Sikhs and their Scriptures. p. 71
2. The Missionary, (Spring 1963 Number) pp. 20-28 etc.

Marfat.com

گورو کا درجہ

اس مقام پر ایک اور نکتہ قابلِ غور ہے۔ سکھ مت میں گورو کا وجود لازمی قرار دیا گیا ہے تاکہ اُس کے وسیلے سے اس دُکھ اور گناہ بھری دُنیا میں دُکھ اُٹھانے والے اور گنہگار انسان خُدا کی قربت حاصل کر سکیں۔

جب ہم گورو نانک کے خیالات کی جانچ پڑتال کرتے ہیں[1] تو ہم پر ظاہر ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے زمانہ کی مروجہ اصطلاح کو استعمال کر کے ایک ایسی ہستی کی تلاش کرتا ہے جس کا ذکر انجیل میں ہے اور جس کو انجیلی اصطلاح میں "درمیانی" کا نام دیا گیا ہے۔ "گورو" کا لفظ انجیلی لفظ "درمیانی" کا عین مترادف ہے اور اس کا صحیح مفہوم ادا کرتا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے۔ "گورو کے حکم پر گردن خم کر دے تب تو مکتی کا پھل پائے گا۔ جو اُس کے چیلے ہیں وہ سب بخشے جاتے ہیں"۔ پھر لکھا ہے "گورو کے بغیر جہالت کی تاریکی نہیں مٹ سکتی خواہ تم ہزار جتن کر کے نیک اعمال کرنے کی کوشش کرو"۔ (دیکھو انجیل یوحنا ۱: ۴-۹، ۸: ۱۲، ۹: ۵، ۱۲: ۴۶، ۱-یوحنا ۱: ۵ وغیرہ) گرنتھ میں وہی سوال کیا گیا ہے جو مقدس فلپس نے خداوند مسیح سے کیا تھا "اے خداوند ہم راہ کس طرح جانیں؟" اور خداوند نے جواب میں فرمایا تھا کہ "راہ۔ حق۔ اور زندگی میں ہوں۔ کوئی میرے وسیلے کے بغیر باپ (خدا) کے پاس نہیں آتا" (یوحنا ۱۴: ۵-۶)۔ گرنتھ میں ہے "گورو کے بغیر کوئی شخص کس طرح راہ کو جان سکتا ہے؟ ہم اس راہ کو کس طرح جان سکتے ہیں اور اس پر کس طرح چل سکتے ہیں؟" "اے نانک سچا گورو ہی تمام انسانوں کو خدا کے ساتھ ملاتا ہے" (دیکھو افسیوں ۲: ۱۴-۲۲ وغیرہ) "سچا گورو وراء الورائے موجود بالذات ہستی کا ہر وقت احساس کر کے اپنے اندر واقعیت کا رنگ پیدا کر لیتا ہے" (دیکھو انجیل یوحنا ۱۰: ۳۰، ۱۷: ۲۳ وغیرہ) "گورو کے کلام کے بغیر ہم آزاد نہیں ہو سکتے۔ اس حقیقت کو تو خود آزما کر دیکھ لے" (یوحنا ۸: ۳۲-۳۶ آیت وغیرہ)۔ "ہستی کے خطرناک سمندر میں مجھ پر دہشت طاری ہو جاتی ہے۔ اگر حقیقی گورو مل جائے جو انسان سے سچی محبت رکھتا ہو تو وہ مجھ کو اپنے نام کے ذریعہ پار کر سکتا ہے۔ اے نانک یہ سمندر صرف نام کے وسیلے سے ہی پار ہو سکتا ہے"۔ "خدا کا محل خوبصورت ہے جو سونے، موتیوں، ہیروں اور جواہرات سے آراستہ ہے، لیکن اس گڑھ پر بغیر سیڑھی کے

1. The Missionary, (Spring 1963 Number) pp. 20-28 etc.

Marfat.com

بغیر کس طرح چڑھ سکتا ہوں؟ گورو ہی وہ سیڑھی ہے"۔ "آیندہ جہان میں اُس شخص سے جس کا ساتھی گورو ہے کوئی سوال نہ پوچھا جائے گا۔ اِس سمندر کو عبور کرنے کے لئے صرف ایک کشتی درکار ہے۔ اس کے سوا کوئی اَور شے کام نہیں آتی۔ صرف گورو ہی وہ کشتی ہے جس کے وسیلے ہم پار ہو سکتے ہیں"۔

اناجیل میں خُداوند مسیح بار بار اپنے نام پر زور دیتے ہیں اَور آپ کے رسُول بھی بار بار خُداوند کے نام کا ذکر کرتے ہیں (دیکھو متّی ۱۰: ۲۲، ۱۸: ۵ و ۲۰، ۱۹: ۲۹، مرقس ۱۶: ۱۷، یُوحنّا ۱۴: ۱۳، ۱۵: ۱۶، ۱۷: ۱۱ و ۲۶، اعمال ۴: ۱۰ و ۳: ۱۶، ۱۔یُوحنّا ۲: ۱۲، لُوقا ۲۴: ۴۷، یُوحنّا ۱: ۱۲ و ۲: ۲۳، ۲۰: ۳۱، رُومیوں ۱: ۵، عبرانیوں ۱۳: ۱۵، ۱۔کرنتھیوں ۵: ۴، اِفسیوں ۱: ۲۱، فلپیوں ۲: ۹ وغیرہ وغیرہ)۔ گورو نانک بھی کہتے ہیں "ہم گورو سے نام حاصل کرتے ہیں جس سے ہم کو بصیرت ملتی ہے اَور دُنیا کی پیاس بُجھ جاتی ہے"۔ "سچّے گورو کے بغیر نام نہیں ملتا۔ مَیں نے سب طریق اَور راہ آزما کر دیکھ لئے ہیں"۔ "نام کے بغیر زندگی بے مزہ ہے"۔ "سچّے گورو کی کرپا کے بغیر حقیقی علم حاصل نہیں ہو سکتا" (دیکھو انجیل یُوحنّا ۷: ۱۷ وغیرہ)۔ "گورو ہی کلام ہے اَور کلام ہی گورو ہے"۔ "ست گورو نے خُدا کو اپنے اندر پالیا ہے۔ اگر ہم اُس کے فرمودہ پر عمل کریں تو نجات حاصل کریں گے" (دیکھو انجیل یُوحنّا اَور پولُوس کے خطوط)۔ "ست گورو اپنے چیلوں کو اپنے برابر محبّت کرتا ہے"۔ (انجیل یُوحنّا باب ۱۰) "بہت اِنسان زبان پر بار بار اُس کا نام لاتے ہیں لیکن دِل میں اُس کو جگہ نہیں دیتے۔ لیکن نجات اُسی کو ملے گی جو اُس کے نام کو اپنے دل میں جگہ دے گا"۔ (دیکھو متّی ۷: ۲۱)۔ "اگر مَیں نام میں قائم رہوں تو خُدا میرے دِل میں سکونت کرنے کو خود آتا ہے۔ گورو کے بغیر تاریکی ہی تاریکی ہے۔ شبد (کلام) کے بغیر کوئی عقل ہے اَور نہ سمجھ۔ جہاں گورو کا لامحدود کلام موجود ہوتا ہے وہاں تاریکی نزدیک نہیں پھٹکتی"۔ "نانک کہتا ہے کہ صرف گورو ہی کے فضل سے خُدا سے محبّت کا رشتہ وجود میں آسکتا ہے"۔ (دیکھو یُوحنّا ۱: ۱۵-۱۶، ۱۔تیمتھیس ۲: ۵، اعمال ۱۷: ۳۰، ۱۔کرنتھیوں ۶: ۱۱، عبرانیوں ۸: ۶، ۹: ۱۵، ۱۲: ۲۴، یُوحنّا ۱۴: ۶ و ۱۳، ۳: ۱۸، اِفسیوں ۱: ۲۱، فلپیوں ۲: ۹-۱۰، مکاشفہ ۲: ۱۷، یُوحنّا ۸: ۱۲ وغیرہ وغیرہ)۔ انجیل کی یہ تعلیم ہے، کہ خُداوند مسیح مظہرِ خُدا ایسا کامل انسان ہے جو خُدا اَور انسان کے بیچ میں درمیانی کا کام دے کر خُدا کی محبّت کو کامل طور پر گنہگاروں پر ظاہر کر کے اُن کو نجات بخشتا ہے۔

Marfat.com

جپ جی صاحب میں کیا خوب لکھا ہے :-

وہ خود بھی حق ہے نام بھی حق — ہے ذات بھی حق اور کلام بھی حق

بے انت محبت پاتے ہیں — جب نام زبان پر لاتے ہیں

کیا حمد لبوں پر لائیں ہم — جو اُس کی اُلفت پائیں ہم

یوں مکتی کو ہم پائیں گے — تقصیر معاف کرائیں گے

فضل وسیلۂ نجات

ہندو مت کی یہ تعلیم ہے کہ گناہ مایا ہے اور سراب کی طرح بے حقیقت ہے۔ چنانچہ سوامی ویویکانند کہتا ہے کہ "گناہ کوئی شئے نہیں کسی شخص کو گنہگار رکھنا ہی سب سے بڑا پاپ ہے" اسلام کی یہ تعلیم ہے کہ اگر ہم نیک اعمال کریں گے تو ہم نجات پالیں گے اور بد اعمال کریں گے تو جہنم واصل ہوں گے۔ قرآن کے موجب لازم ہے کہ ہر شخص ایک دفعہ جہنم میں داخل ہو جہاں اُوپر اور نیچے ایسی آگ کے سائبان ہوں گے جو کبھی نہ بجھے گی اور انسان کے کپڑے آگ اور گندھک کے ہونگے اور کھانا گلا اٹکو ہوگا۔ پینے کو کھولتا پانی اور پیپ ہوگی، جو انتڑیوں کو کاٹ ڈالے گا۔ وہاں انسان منہ بند آگ میں دم بخت ہوں گے اور ایسے دردناک عذاب میں مبتلا ہوں گے کہ وہ موت مانگیں گے لیکن وہاں نہ موت ہوگی اور نہ عذاب میں کمی ہوگی (زمر آیت ۱۸۔ مومنون ۱۰۶، ابراہیم ۵۱، مزمل ۱۳، حج ۲۱، نباء ۲۶، محمد ۱۷، بلد ۲۰، زخرف ۷۷۔ فاطر ۳۳ وغیرہ) لیکن خدا ایک مطلق العنان بادشاہ کی طرح جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے (مائدہ ۴۴)۔

پس اگر خدا کسی مطلق العنان بادشاہ کی طرح کرم کرے تو وہ جس کو چاہے بخش دے اور جس کو چاہے دوزخ میں رکھے۔ انجیل جلیل کی خصوصی تعلیم یہ ہے کہ گناہ ایک گھنونی حقیقت ہے جس نے بنی نوع انسان کو اپنا غلام بنا رکھا ہے۔ چونکہ خدا کی ذات محبت ہے اور وہ باپ ہے لہٰذا وہ یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ اُس کا کوئی فرزند بھی ہلاک ہو۔ اس لازوال محبت کی وجہ سے اُس کی خواہش یہی ہے کہ ہر انسان گناہوں کی مغفرت حاصل کر کے تباہ و برباد ہونے سے بچ جائے اور ابدی زندگی پائے (یوحنا ۳: ۱۶)۔ خدا یہ سب کچھ محض اپنے فضل سے ہی کرتا ہے۔ انسان کی نجات صرف خدا کے فضل پر منحصر ہے اُس کے اعمال حسنہ پر نہیں۔ بلکہ اُس کے اعمال حسنہ بھی خدا کے فضل ہی سے ہو پاتے ہیں۔ اِس تعلیم کی جھلک بار بار گرنتھ صاحب میں ملتی ہے۔

گرنتھ صاحب میں گناہ کی حقیقت پر زور دیا گیا ہے۔ اُس کا شاید کوئی صفحہ ایسا

Marfat.com

ہوگا جس میں خُدا کے فضل کا ذکر نہ ہو جس سے وُہ پاپی انسان کو نجات بخشتا ہے۔ انجیلِ جلیل میں اِس موضوع پر اِس کثرت سے آیات موجُود ہیں کہ ان کا ذکر کرنا طوالت کا مُوجب ہوگا ناظرین سے استدعا ہے کہ وُہ خُود انجیلِ جلیل کا مطالعہ کریں اور اُن آیات کو بھی ملاحظہ کریں جن کا اس باب میں ذکر کیا گیا ہے تو یہ حقیقت اُن پر خُود بخُود منکشف ہو جائے گی۔ گرنتھ صاحب کا شروع اور آخر لفظ ”پرشاد“ اور ”کرپا“ وغیرہ سے ہوتا ہے۔ انجیل کا بھی اوّل و آخر لفظ ”فضل“ ہے (یُوحنّا ۱: ۱۶، متّی ۱: ۲۱، مکاشفہ ۲۲: ۲۱)۔ گرنتھ صاحب کی تعلیم انجیلی تعلیم کی طرح گُناہ کو ایک تلخ حقیقت قرار دیتی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے ”خُون کرنا۔ دُنیا کی محبّت۔ لالچ اور غُصّہ آگ کے چار دریا ہیں جن میں تمام انسان ڈُوب کر غرق ہو جاتے ہیں۔ صرف خُدا کے فضل (پرشاد) ہی سے کوئی بچ سکتا ہے۔“ ”انسان گُناہ میں پیدا ہوتا ہے اور گُناہ میں ہی اپنی تمام زندگی گذارتا ہے۔“ گرنتھ بھی انجیل کی طرح یہ تعلیم دیتا ہے کہ اعمال کے ذریعہ نجات نہیں مل سکتی۔ چنانچہ لکھا ہے ”خواہ تُم سَو دفعہ گُناہوں کو دھونے کی کوشش کرو پھر بھی یہ سعی لاحاصل ہوگی۔ تُم اپنی کوشش سے ایک گُناہ کو بھی مٹا نہ سکو گے۔“ ”انسان کا دِل مست ہاتھی کا سا ہے۔ وُہ جو عمل بھی کرتا ہے وُہ گُناہ ہی ہوتا ہے۔“ ”اے خُداوند۔ مَیں گُناہگار ہُوں۔ اپنا فضل کر تاکہ نانک پار ہو جائے۔ مَیں جُھوٹا۔ جاہل۔ بے وقُوف اور ناپاک شخص ہُوں ... نانک کہتا ہے مَیں نے بُرے عمل ہی کیے ہیں۔ مُجھ گُنہگار کو بچا لے۔ نانک کی یہی دُعا ہے۔“ ”لالچی شخص کُتّا ہے۔ جھُوٹا انسان خاکروب سے بدتر ہے۔ دغا باز مُردار کھانے والا شخص ہے۔ جو کسی کو بدنام کرتا ہے وُہ میلے کو چُھوتا ہے چُغل خوری آگ ہے۔ غُصّہ بُری رُوح ہے۔ اے خُدا صرف تُو ہی پاک اور قدُوس ہے مَیں تو ناپاک ہُوں۔ جس طرح سمُندر پانی سے بھرا ہے مَیں گُناہوں سے بھرا ہُوا ہُوں۔ مُجھ پر رحم فرما اور اپنے فضل سے اِس ڈُوبتے اِنسان کو پار کر۔ مَیں گُنہگار ہُوں لیکن تُو بخشنہار ہے۔ تُو ہی حق ہے اور صِرف تُو ہی گُناہ مُعاف کرنے پر قادر ہے۔“ ”اے نانک صرف خُدا ہی حق ہے اور حق ہی قائم و دائم ہے۔ اس کی لامحدُود محبّت کو زبان بیان کرنے سے قاصر ہے۔ اے میرے پتا۔ مَیں تیری ذات کو بیان کرنے کے لئے الفاظ کہاں سے لاؤں؟“ ”کھلی (کوبُو کا کپڑا) سَو بار دھونے سے بھی سفید نہیں ہو سکتا۔ انسان کے دِل کی مَیل سَو نیکیاں کرنے سے بھی پاک نہیں ہو سکتی۔ ہماری تمام کمائی گُناہوں ہی کی ہے، اور اُن کی کوئی انتہا نہیں۔ اے خُدا تُو ہی اپنے فضل سے ہم گُنہگاروں کو بچا لے۔“

Marfat.com

گرنتھ صاحب میں بار بار اس انجیلی تعلیم پر زور دیا گیا ہے کہ خُدا محض اپنے فضل سے گناہوں کی مُعافی مُفت عطا فرماتا ہے۔ مثلاً ؎

جس پر بھی کرپا ہو رب کی — مل جاتی اُس کو ہے مُکتی
نانک ربّ صاحب ہے ایسا — ہے سب کو نیک بنا سکتا

(جپ جی صاحب)

واں رستہ ایک ہی جاتا ہے — وُہ رحمت تیری داتا ہے
جو رستے اَور بتاتے ہیں — بڑ بولے جھُوٹ سُناتے ہیں
نہیں از خُود رستہ پا سکتے — دُنیا سے دِل کو بچا سکتے
وُہ سب یہ قُدرت رکھتا ہے — وُہ قادر اَور توانا ہے

(جپ جی)

گورُو ارجن کہتے ہیں :؎

"جپ بھی کرلے تپ بھی کرلے گیان اَور دھیان کمائے جا
سمرتیوں، چھ شاستروں کی بانی کھول سُنائے جا
یوگ کرم اَور کرپا کرلے، دھرم بھی پُورا تیرا ہو
تیاگ دے سب کچھ دُنیا کا، جنگل میں تیرا پھیرا ہو
رنگا رنگ ڈھنگ کئے جا، کرتا جا دن رات جَتن
کام بھی کر پُن دان ہون کے، دیتا جا خیرات رتن
برت کئے جا، نیم کئے جا، بھرنے سارے بھرتا جا
اوّل خُدا کے نام نہ ہوگا، پھر بھی تیرا کار کبھی
گرو کے مُنہ سے سُن کر نانک، جپ لے نام اِک بار کبھی

(سکھ منی ۱۰۳)

تیرتھ میں بھی جان جو نکلے، من کی خواہش دُور نہ ہو
تیرے مان گمان نہ چھُوٹیں، من سے دُور غرُور نہ ہو
کرکے تُو دن رات صفائی نیکی لاکھ کمائے جا
لاکھ جَتن کر تن سے تیرے من کا میل نہ جائے گا

Marfat.com

اپنے تن کو کشٹ دیتے جا، لاکھوں سادھن کرتا جا
گندے جذبے دُور نہ ہوں گے، مَن کے بھرلے بھرتا جا
فانی تن کو مَل کر دھولے، پاک مگر یہ خاک نہ ہو
دھونے سے دیوار یہ کچّی، اُجلی صاف پاک نہ ہو
اُونچا نام خُدا کا ہے، دل جس کی تھا گاتے ہیں
نام خُدا کا لے کر نانک پاپی مُکتی پاتے ہیں (سُکھ منی ۲:۳)

بندہ کوشش لاکھ کرے وُہ ہمت سَو سَو بار کرے
کرتب اُس کے جائیں اکارت بگار وُہ سب بیکار کرے
(سُکھ منی ۱۷:۵)

گُن تو پاس نہیں کچھ میرے، نیچ ہُوں میں انجان ہُوں مَیں
تیرے سائے، تیری سرن میں آیا اب بھگوان ہُوں مَیں
(سُکھ منی ۲۰:۷)

گرنتھ صاحب کے ایک اَور مقام میں ہے کہ "جب کپڑے میلے ہوجاتے ہیں تو اُن کو صابن سے رگڑ کر صاف کیا جاتا ہے۔ جب رُوح گُناہ کی مَیل سے ناپاک ہوجاتی ہے تو خُدا کے نام کی محبّت سے ہی وُہ صاف ہوسکتی ہے۔" خُدا کے فضل کے سِوا نجات حاصل کرنی ناممکن ہے۔ شاستر، وید اَور قرآن سُننے کے باوجود انسان نرک میں پہنچ جاتا ہے۔ پوتھی، سمرت، وید، پُران تب ہی کچھ کام آسکتے ہیں جب خُدا کا فضل انسان کے شامِل حال ہو۔" انجیل جلیل میں بالخصوص مُقدّس پولُوس کے خطُوط میں بار بار اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ "جہاں گُناہ زیادہ ہُوا وہاں فضل اس سے بھی نہایت زیادہ ہُوا۔" "گُناہ کی مزدُوری موت ہے، مگر خُدا کی بخشش ہمارے خُداوند یسُوع مسیح میں ہمیشہ کی زندگی ہے۔" "ہائے مَیں کیسا کم بخت آدمی ہُوں۔ اِس مَوت کے بدن سے مُجھے کون چُھڑائے گا؟ مَیں اپنے خُداوند یسُوع مسیح کے وسیلہ سے خُدا کا شُکر کرتا ہُوں کیونکہ زندگی کی رُوح نے مسیح یسُوع میں مُجھے گُناہ اَور موت سے آزاد کر دیا۔" (رومیوں کا خط وغیرہ)۔ مُقدّس پولُوس کے اس خیال کو گُورو ارجن کے الفاظ کس خُوبی سے سُکھ منی (۴:۶) میں ادا کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:-

اندھا ہو تو کیونکہ وُہ سُن سُن کر رستہ پائے گا؛ ہاتھ پکڑ کر لے جا اُس کو، جب منزل کو جائے گا

Marfat.com

بہرا ہو جو کانوں سے، کس طور وہ پہیلی بوجھے گا؟ — رات کی اُس سے بات کہو، تو دن ہی اس کو سُوجھے گا
گونگا ہو تو کب وہ مُنہ سے راگ ترانے گائے گا؟ — کوشش بھی وہ لاکھ کرے، بے سُر کا شور مچائے گا
لُنجے میں توفیق نہیں پربت پر سیر منانے کی — ہمت اس میں آئے کہاں سے ٹیلوں پر چڑھ جانے کی

رحمت والے مالک، یہ عاجز اک عرض سُناتا ہے
نانک پر ہو کرپا تیری پار جبھی یہ جاتا ہے

. . . .

جس کو ناز عمل پر ہے، وہ کرمی خود کو کہتا ہے — مرتا ہے پھر جیتا ہے، وہ جُون بدلتا رہتا ہے

(سُکھمنی ۱۳ : ۱)

جب جی صاحب میں مُقدس پولوس رسُول کے خیالات کو ملاحظہ کریں۔ گورو نانک خُدا کو مخاطب کر کے کہتے ہیں:-

گر ہے مُکتی تو تُجھ سے ہے — پیدائش ثانی تُجھ سے ہے
اَے مولا ہے مجال کسے — جو تیرے حُکم کو ٹال سکے

پروفیسر جے سنگھ لکھتے ہیں کہ سکھ مذہب کے مُطابق "پیدائش دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک جسمانی اَور دُوسری رُوحانی۔ پہلی پیدائش انسانی تخم سے وقُوع میں آتی ہے، لیکن رُوحانی پیدائش گورو کے کلمۂ ندا سے ظہُور میں آتی ہے، یہ پیدائش ثانی گورو اپنے کلام سے عطا کرتا ہے۔ کوئی شخص عقل کے ذریعہ خُدا تک نہیں پہنچ سکتا۔" (دیکھو انجیل یُوحنّا ۳ : ۱-۱۷)

گرنتھ صاحب میں خُدا کی محبت کا انجیلی مفہُوم ملاحظہ ہو:- "حقیقی محبت کے بغیر انسان دراصل مُردہ ہوتا ہے۔" "جس انسان کے من میں خُدا کے دیدار کا عشق ہے اُس کو نہ تو مُکتی کی خواہش ہوتی ہے اَور نہ جنّت کی حرص ہوتی ہے۔" "اَے تمام نیکیوں کے خزانے، اَے میرے سچّے گورو۔ تو ہی میرے دِل میں سکُونت کر۔ میرے دِل کو منوّر کر تاکہ میں صرف تُجھ ہی سے محبت رکھوں۔" انجیل اَور گرنتھ دونوں میں بھگتی اُس فرطِ محبت اَور جوشِ خلُوصِ عقیدت کا نام ہے جو انسان خالصتاً اللہ کے ساتھ رکھتا ہے۔ وہ جیتا ہے تو اللہ کے لئے اَور مرتا ہے تو اللہ کے لئے (رُومیوں ۱۴ : ۸، گلتیوں ۲ : ۲۰ وغیرہ)۔

گرنتھ میں لفظ "پرشاد" خُدا کے پُر محبت رحم وکرم اَور مُفت فضل بخشنے کا مترادف ہے۔ انجیل اَور گرنتھ دونوں میں لفظ فضل یا پرشاد کو مرکزی جگہ حاصل ہے۔ چنانچہ الفاظ

Marfat.com

"پرشاد"۔"کرپا"۔ "ندر" گرنتھ میں مترادف الفاظ ہیں اور اس کتاب میں ایک ہزار سے زیادہ مقامات میں وارد ہوئے ہیں۔ انجیل جلیل میں لفظ "فضل" بنیادی حیثیت رکھتا ہے جس کا ذکر بلاواسطہ یا بالواسطہ انجیل کے ہر صفحہ پر پایا جاتا ہے۔ دونوں کتابوں میں "کرپا۔ پرشاد اور فضل" کا ظہور خدا کی محبت کی وجہ سے ہے جو وہ انسان سے کرتا ہے اور اعمالِ حسنہ کی مزدوری نہیں ہے، بلکہ خدا کی مفت بخشش اور اس کا انعام ہے۔ سکھ مت کے مطابق خدا کا فضل گورو کے ذریعہ (گرو پرشاد) ظہور میں آتا ہے۔ انجیل کی تعلیم کے مطابق خدا کا فضل ایک واحد حقیقی گورو ربنا المسیح کے ذریعہ ظہور پذیر ہوتا ہے (یوحنا ۱: ۱۴ تا ۱۸، لوقا ۴: ۱۸-۲۲، ۲-کرنتھیوں ۸: ۹ وغیرہ)۔ گورو ارجن "فضل" کی حقیقت پر اس قدر زور دیتا ہے کہ ایک مقام میں ایک ہی صفحہ پر وہ لفظ "پرشاد" کو ۳۸ دفعہ استعمال کرتا ہے اور جیسا ہم سطورِ بالا میں دیکھ چکے ہیں وہ سکھ منی میں صاف کہتا ہے کہ خدا کا فضل انسان کے اعمال پر منحصر نہیں بلکہ اس کا انعام و بخشش ہے۔

ہم یہاں اس حقیقت کو بھی واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ اگرچہ انجیل جلیل اور گرنتھ صاحب دونوں میں لفظ "فضل" استعمال ہوا ہے لیکن دونوں کے مفہوم میں ایسا فرق بھی موجود ہے جو سطحی نہیں بلکہ اہم قسم کا ہے۔ چونکہ جیسا ہم سطورِ بالا میں بتلا چکے ہیں گرنتھ صاحب میں مختلف الخیال لوگوں کے گیت موجود ہیں جو مختلف صدیوں میں رہتے تھے اور ان کے خیالات کی تطبیق دینے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی لہٰذا گرنتھ کے بعض مقامات میں فضل کی تعلیم کی ترمیم اعمال کی تعلیم سے اس طور پر موجود ہے کہ اس لفظ کا تصور اور مفہوم ہی محدود ہو گیا ہے۔ ان مقامات کو پڑھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے لکھنے والوں کے خیال کے مطابق خدا کا "فضل" اپنا کام بدرجۂ احسن پورا نہیں کر سکتا تاوقتیکہ انسان کے "کرم" کسی نامعلوم طریقہ سے جونوں کے ذریعہ جزا اور سزا نہ پالیں۔ لیکن، گورو ارجن سکھ منی میں لکھتا ہے کہ انسان "ست نام" کو جپنے سے ہی کرم کے چکر سے رہائی حاصل کر سکتے ہیں، اور "پرشاد" کے وسیلے سب مکتی پا سکتے ہیں۔ یہ بہت اغلب ہے کہ گورو ارجن نے اس تعلیم کو کسی مسیحی مبلغ سے حاصل کیا تھا۔ گرنتھ کے ان مقامات کے برعکس انجیل میں نہ تو کرم کی تعلیم ہے اور نہ تناسخ کے چکروں کا ذکر ہے۔ اس کی یہ تعلیم ہے کہ فضلِ خداوندی بکثرت مفت حاصل ہوتا ہے (یوحنا ۱: ۱۶-۱۷ وغیرہ) نجات صرف نیک اعمال کرنے سے حاصل نہیں ہوتی اور

Marfat.com

نہ ہو سکتی ہے (افسیوں ۲: ۱-۱۰، اعمال ۱۵: ۱۱، رومیوں ۵: ۱۵ وغیرہ)۔

دشم گرنتھ میں نہ صرف پاپی انسان کے خداوندی فضل و کرم سے نجات پانے کا ذکر ہے بلکہ منجئی عالمین خداوند یسوع مسیح کا ذکر بھی بدیں الفاظ آیا ہے۔

پُن راکھش کا کاٹا سیسا	سری اسکیت جگت کے عیسیٰ
بوہ پُن برشٹ گگن تے بھئی	سب ہن آن ودھائی دیئی
دھن دھن لوگن کے راجا	دشٹن داہ غریب نوازا
اکھل بھون کے سرجن ہارے	داس جان موہے لیو او بارے

(ترجمہ) "اے ساری دُنیا کے عیسیٰ۔ تُو ہی نے پورے شیطان کا سر کاٹا ہے۔ آسمان سے بہت سی آوازیں بُلند ہوئیں۔ سب نے آکر مُبارکباد دی۔ دھن دھن دُنیا کے راجا، ظالموں کو مارنے والا۔ غریبوں کو پالنے والا۔ اے تمام کائنات کے پیدا کرنے والے۔ مجھ کو اپنا بندہ جان کر بچا لے"۔

ظاہر ہے کہ گورو گوبند سنگھ نے کسی مسیحی مُبلّغ سے مسیحی نجات کی تعلیم سُنی ہو گی یا خود فارسی زبان میں انجیل کو پڑھا ہو گا کیونکہ اُن کے زمانہ میں مسیحی مُبلّغ ہندوستان کے طول و عرض میں مُلک کے مختلف حصوں میں رہتے تھے اور اناجیل فارسی میں ترجمہ ہو چکی تھیں۔ اکیلے گورو گوبند سنگھ تک ہی یہ محدود نہیں بلکہ جیسا ہم بتلا چکے ہیں گورو نانک بھی اسلام و قرآن سے واقف تھے۔

قرآن کے متعدد مقامات میں حضرت عیسیٰ مسیح کی زندگی کے واقعات، تعلیم اور سوانح حیات کا ذکر آیا ہے، اور لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ مسیح خُدا کے رسُول تھے۔ خُدا کا کلام تھے اور رُوح اللہ تھے۔ وُہ گُناہ کی آلائش سے پاک، پیدائش ہی سے معصوم۔ حضرۃ بی بی مریم کنواری سے پیدا ہوئے تھے۔ ایامِ طفولیت ہی میں وُہ پرندوں کو مٹی سے خلق کرتے تھے۔ جوانی میں اُن سے حیران کُن معجزات صادر ہوئے۔ وُہ آسمان پر اُٹھا لئے گئے جہاں وُہ زندہ ہیں۔ وُہ قیامت کی نشانی ہیں اور پھر دوبارہ نزول فرمائیں گے۔ وُہ بنی اسرائیل کے لئے نمونہ تھے۔ خُدا نے اُن پر انجیل نازل کی جو رحمت و برکت ہے۔ اُن کی رُوح القدس سے تائید کی گئی۔ قرآن میں بار بار آپ کی والدہ مکرمہ کا اور آپ کے حواریوں اور رسُولوں کا ذکر آیا ہے۔ عیسائیوں کے لئے جا بجا تعریفی کلمات آئے ہیں کہ اُن کے دِلوں میں رحم و محبت ہے۔ اُن کے قسیسوں کی نسبت لکھا ہے کہ وُہ تکبّر نہیں کرتے۔ قرآن میں بعض مسیحی اولیا اور شہدا کا

Marfat.com

بھی ذکر ہے جنہوں نے بالفاظِ گورو تیغ بہادر "اپنا سر دیا لیکن ایمان ہاتھ سے نہ دیا"۔ پس جیسا ہم سطورِ بالا میں کہہ چکے ہیں یہ امر بعید از قیاس ہے کہ سکھ گورو انجیل کی تعلیم سے نابلد تھے اور مسیح کے نام سے بھی ناواقف تھے۔ بفرضِ محال اگر وہ انجیل سے آشنا نہ تھے تو کم از کم بقول شما، قرآن اور اسلام سے تو واقف تھے اور اہلِ اسلام کے درمیان رہتے تھے اور گروہ صوفیہ سے ملاقات رکھتے تھے۔ اُن سے بھی انہوں نے مسیح اور انجیل کی بات سُنا ہوگا، اور خداوند مسیح کی زندگی کے قرآنی بیان کی آوازہ اُن کے کانوں تک پہنچ گئی ہوگی۔ ہمیں اُمید ہے کہ سکھ اور مسیحی علما اس نکتہ کو زیرِ نظر رکھ کر گرنتھ صاحب اور سکھوں کی مُقدس کُتب کا مطالعہ کر کے ریسرچ کریں گے۔

رُوح القدس کا ایمانداروں میں بسنا اور مُقدسوں کی رفاقت

یہ دونوں عقائد انجیل کے خصوصی عقائد ہیں۔ سکھ منی میں ان کی جھلک مُلاحظہ کریں اور اس کا مقابلہ انجیل سے کریں۔ (متی ۱۸: ۱۵-۲۰، یوحنا ۱۳: ۱۶، ۱۶: ۲۷-۱۲: ۳-۱۵، ۱-کرنتھیوں ۱۴: ۳۳۔ کُلسیوں ۱: ۲۲، ۲-کرنتھیوں ۶: ۱۶، ۱۲: ۱۴، رومیوں ۱: ۷، ۱۶: ۲ وغیرہ)۔

ہَر بِن دُوجا نہیں کوئی، وُہ یکتا ہے، لاثانی ہے
رُوح وُہی ہے سب کے اندر، سب جانوں کا جانی ہے
شکلیں اُس کی، رنگ رُوپ اُس کے، اُس کا تانا بانا ہے
سادھوؤں کی سنگت میں رہ کر نُور اُس کا پہچانا ہے
رچنا خُوب رچائی اُس نے، قُدرت اُس کی نیاری ہے
سَو سَو بار خُدا اپنے پر، نانک خُود بلہاری ہے

(سُکھ منی ۱۸: ۸)

بندہ برہم میں برہم بندے میں، ذات سے باہر ذات نہیں
گو واحد ہے ذات خُدا کی، اِس میں شک کی بات نہیں

(سُکھ منی ۱۸: ۳)

اُس کے درشن پائے گا، وُہ جس کو آپ دکھائے گا
جس کو خُود سمجھائے نانک سوجھ وُہی کچھ پائے گا

(سُکھ منی ۲۳: ۱)

Marfat.com

انجیلی تعلیم ہے کہ خدا رُوح ہے اور ضرور ہے کہ اُس کے پرستار رُوح اور سچائی سے پرستش کریں۔" اُس کی پرستش کے لئے نہ کسی ہیکل کی اور نہ کسی پہاڑ اور مندر کی ضرورت ہے (یُوحنا ۴: ۲۱-۲۵، رُومیوں ۸: ۱۵، افسیوں ۲: ۱۸، ۶: ۱۱-۱۸ وغیرہ) یہی تعلیم گرنتھ صاحب میں موجُود ہے "ہندُو اپنے مندروں میں اور مُسلمان اپنی مسجدوں میں پرستش کرتے ہیں لیکن تمام اُس کے حضور سجدہ کرتا ہے۔ جس کا نہ تو کوئی مندر ہے اور نہ کوئی مسجد ہے۔" "مَیں جس حبیب کی تلاش میں ہُوں وُہ ہر جگہ میرے ساتھ ہی رہتا ہے۔" "انسان کا دِل خدا کا اصلی مندر ہے۔" (دیکھو ۱-کرنتھیوں ۳: ۱۶ وغیرہ) جپ جی صاحب میں آیا ہے۔

جو عاشقِ اللہ حکمِ خدا سُنتا ہو پُورا ہو کرتا
وُہ دِل میں تیرتھ رکھتا ہے وال خود کو پاک کرتا ہے
گر راضی مُجھ سے مولا ہے، ہر جگہ تیرتھ یاترا ہے
گر راضی مولا پاک نہیں، جگ تیرتھ یاترا خاک نہیں

اخلاقیات

ایثار نفسی اور خدمتِ خلق:- انجیل میں خُود فراموشی، ایثار نفسی اور خدمتِ خلق اعلیٰ ترین نیکیاں شمار کی گئی ہیں اور ان کو مسیحی اخلاقیات میں مرکزی جگہ حاصل ہے۔ چنانچہ خُداوند مسیح نے فرمایا ہے "اگر کوئی میرے پیچھے آنا چاہے تو اپنی خُودی کا انکار کرے اور اپنی صلیب اُٹھائے اور میرے پیچھے ہو لے۔ جو کوئی اپنی جان بچانا چاہتا ہے وُہ اُسے کھوئے گا اور جو کوئی میری خاطر اُس کو کھوئے گا وُہ اُسے پائے گا۔ اگر آدمی ساری دُنیا حاصل کرلے اور اپنی جان کا نقصان کرے تو اُسے کیا فائدہ ہوگا۔ آدمی اپنی جان کے بدلے کیا دے گا؟" (متی ۱۶: ۲۴-۲۶) "جو کوئی اپنی صلیب نہ اُٹھائے اور میرے پیچھے نہ چلے وُہ میرے لائق نہیں" (متی ۱۰: ۳۸) "جب تک گیہوں کا دانہ زمین میں گر کر مر نہیں جاتا، اکیلا رہتا ہے۔ لیکن جب مر جاتا ہے تو بہت سا پھل لاتا ہے۔ جو اپنی جان کو عزیز رکھتا ہے، وُہ اُسے کھو دیتا ہے اور جو دُنیا میں اپنی جان سے عداوت رکھتا ہے وُہ اُسے ہمیشہ کی زندگی کے لئے محفُوظ رکھے گا" (یُوحنا ۱۲: ۲۵) "جو تُم میں بڑا ہونا چاہے وُہ تُمہارا خادم بنے اور جو تُم میں اوّل ہونا چاہے وُہ سب کا غلام بنے، کیونکہ ابنِ آدم (مسیح) بھی اس لئے نہیں آیا کہ خدمت لے بلکہ خدمت کرے اور اپنی جان بہتیروں کے لئے فدیہ میں دے۔" (مرقس ۱۰: ۴۳-۴۵) مُقدس پولُوس یُوحنا ۱۳: ۴-۱۷ کے مقام کو زیرِ نظر

Marfat.com

رکھ کر لکھتا ہے۔ "بے جا فخر کے باعث کچھ نہ کرو بلکہ فروتنی سے ہر شخص دوسرے کو اپنے سے بہتر سمجھے۔ ہر ایک اپنے ہی احوال پر نہیں بلکہ ہر ایک دوسروں کے احوال پر نظر رکھے۔ ویسا ہی مزاج رکھو جیسا مسیح یسوع کا تھا"۔ پھر مقدس رسول لکھتا ہے "محبت کی راہ سے ایک دوسرے کی خدمت کرو کیونکہ ساری شریعت پر ایک ہی بات سے پورا عمل ہو جاتا ہے کہ تو اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھ" (گلتیوں ۵: ۱۳) ۔ "محبت شریعت کی تکمیل ہے"۔ (نیز دیکھو لوقا ۱۶: ۱۹-۳۱، ۱۰: ۲۵-۳۷، متی ۲۵: ۳۱-۴۶، ۱-پطرس ۳: ۵-۱۰ وغیرہ)

گرنتھ میں بھی خود فراموشی اور خدمت کو افضل نیکیوں میں شمار کیا گیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے۔ "تو پہلے موت قبول کر اور سب کے پاؤں کی خاک بن جا۔ پھر تو میرے پاس آ"۔ "ہر شخص اپنے ہی فائدہ کے دھیان میں پھنسا ہوا ہے اور دوسروں کی خاطر قربان ہونے کو تیار نہیں۔ اے نانک تو ایسوں کی صحبت میں نہ بیٹھ جو اپنے ہی فائدہ کو دیکھتے ہیں"۔

"نانک جو حق کو پاتا ہے وہ "میں" سے رہا ہو جاتا ہے
"میں" چھوڑ کر "تو" ہی کہتا ہے "تو" ہی "تو" جپتا رہتا ہے
نانک اس بھید کو پالو تم پھر خودی سے آنکھ ہٹا لو تم

(جپ جی صاحب)

جو بندہ ہر اک سے خود کو نیچا گننے والا ہے
اس کو سب سے اونچا سمجھو اعلیٰ ہے وہ بالا ہے

(سکھ منی ۳: ۶)

اوروں کو جو نیچ سمجھ لے، وہ بندہ پنداری ہے۔
دھرمی راجا آئے گا تو اس کے حصے خواری ہے

(سکھ منی ۱۲: ۲، دیکھو متی ۲۵: ۴۱-۴۶)

جس پر ہو گوردیو کا سایہ مان خودی سب کھوتا ہے

(سکھ منی ۱۹: ۴)

ایک اور مقام میں گورو نانک کہتے ہیں "اے نانک تو حقیروں میں سے بھی سب سے حقیر اور نیچ ذات کے سب سے غریب انسانوں کی دوستی ڈھونڈ۔ بڑے آدمیوں کی

Marfat.com

دوستی بے فائدہ ہے۔ انجیل کی یہی تعلیم ہے مُلاحظہ ہو (لوقا ۱۴: ۱۲-۱۴، متی ۹: ۱۰-۱۳، ۱۱: ۱۹ و ۳۸، ۵: ۳-۱۰، یعقوب ۲: ۱-۸ وغیرہ وغیرہ)

گرہست و سنیاس ۔ انجیل کی تعلیم ہے کہ "دُنیا میں رہو لیکن دُنیا کے ہو کر نہ رہو" ۱۔ کرنتھیوں ۷: ۳۱۔ گرنتھ میں بھی یہی تعلیم دی گئی ہے جو نہ تو ہندومت سے لی گئی ہے اور نہ صُوفیہ کے گروہ سے اخذ کی گئی ہے جو عُزلت اور گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ چنانچہ گرنتھ میں آیا ہے کہ جس طرح کنول کا پھُول پانی میں کھڑا رہتا ہے لیکن وُہ بھیگتا نہیں اور جس طرح مرغابی ندی کے پانی میں بھیگنے نہیں پاتی اسی طرح چاہیئے کہ انسان دُنیا میں رہے لیکن دُنیا کا نہ ہو جائے اور خُدا کا نام جپتا رہے" "راج میں جوگ کماؤ" "اپنے رشتہ داروں کے ساتھ کھاتے پیتے، رہتے سہتے آسمان کی جانب دیکھتے رہو جس طرح کنول کے پھُول کی جڑ کیچڑ میں ہوتی ہے" "گرہستی جو گُناہ نہیں کرتا اور نیک کام کرتا ہے اور خیرات دیتا ہے، وُہ گنگا جل سے بھی زیادہ پاک ہوتا ہے" "اگر سادھو اور گرہستی دونو خُدا کا نام لیں تو دونو برابر ہیں" سُکھ منی میں ہے (اور یہی انجیلی تعلیم بھی ہے۔ ۱۔ یوحنا ۲: ۱۵، رومیوں ۱۲: ۱-۲، ۱۔ کرنتھیوں ۷: ۲۰ و ۳۱ و ۳۸ وغیرہ):-

جو بندہ اُس ایک خُدا کی حمد و ثنا دن رات کرے
اپنے ہی گھر بار میں رہ کر حاصل آپ نجات کرے

(سُکھ منی ۱۴: ۱)

ریاکاری کی مذمت ۔ انجیل میں بار بار ریاکاروں کی مذمت کی گئی ہے (متی ۶: ۱-۱۸ اور ۲۳ باب وغیرہ وغیرہ)۔ گرنتھ میں ہے کہ "جوگی اُس بگلے کی مانند ہے جو آنکھیں بند کر کے پانی میں ایسا کھڑا رہتا ہے کہ گویا وُہ دھیان میں مشغول ہے حالانکہ اُس کا دھیان مینڈکوں کی جانب ہی ہوتا ہے" جپ جی میں ہے۔

"تو انگ بھبھوت لگا نہ ذرا — کر دل میں ہر دم یادِ خُدا
اِک دن ہوگا جسم فنا — اِس دھیان کو خرقہ فقر بنا
خُود داری کا کشکول بنا — آویزہ گوشِ حیا و غنا
ایمان کو سمجھو اپنا عصا — تو اس کو اصُولِ حیات بنا"

"جو نیکی پہ ناز کرے جو نیک بڑا کہلاتا ہے — نیکی اُس کے پاس نہ آئے جیسا ہو وُہ جاتا ہے
خُود کو سب کے قدموں کی جو خاک سمجھتا رہتا ہے — اصل بڑائی اُس کی ہے، یہ نانک سب سے کہتا ہے"

(سُکھ منی ۱۲: ۳)

Marfat.com

"پربھ کی کرپا جب بھی ہوگی، سارے بندھن ٹوٹیں گے
نانک گورو کی کرپا ہو تو مان تکبر چھوٹیں گے"

(سُکھ منی ۲، ۴ : ۴)

روزِ عدالت ۔ ہندومت روزِ عدالت کا قائل نہیں۔ گو اسلام و قرآن روزِ عدالت کو مانتے ہیں لیکن قرآن میں بار بار نعمائے بہشت کا تصور آیا ہے (سورہ محمد ۱۲-۱۷، روم ۱۴- کہف ۳۰- دہر ۱۳- طور ۲۴- غاشیہ ۱۵- واقعہ ۲۲، ۳۵- صٰفّٰت ۳۹-۴۷- نبا ۳۳- رحمٰن ۴۶ تا ۷۲، دخان ۵۱ تا ۵۵ وغیرہ) اور عذابِ دوزخ کے بیانات بار بار وارد ہوئے ہیں (سورہ حجر ۴۴- مزمل ۱۲-۱۳- زمر ۱۸- مومنون ۱۰۶- حج ۲۱-۲۲، ابراہیم ۵۱- نبا ۲۶- کہف ۲۸- محمد ۱۷- بلد ۲۰- زخرف ۷۷ وغیرہ) یہ سب باتیں گرنتھ صاحب میں نہیں پائی جاتیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ روزِ عدالت کا تصور نہ تو ہندومت سے اور نہ اسلام سے ماخوذ ہے۔ جن الفاظ میں روزِ عدالت کا ذکر کیا گیا ہے وہ انجیلی الفاظ کی صدائے بازگشت ہیں۔ ملاحظہ ہو:-

بے شل عدالت والا ربّ بیٹھے گا بہر عدالت جب
جو غیب و ثواب کمائیں گے وہاں سارے کھولے جائیں گے
اچھوں کو قربِ خدا ہوگا بدکار خدا سے جدا ہوگا
دربار سے راندا جائے گا صرف نیک ہی عزّت پائے گا

نورانی چہرے پائیں گے
وہ نورانی بن جائیں گے

(جپ جی صاحب۔ دیکھو متی ۲۵: ۳۱-۴۶)

بد بدی کا بدلہ پائے گا نیک اچھا درجہ پائے گا
واں پہنچیں گے ہم نانک جب تب دیکھیں گے یہ قدرت سب

(جپ جی۔ دیکھو متی ۲۲: ۲۹-۳۳)

دشمنوں سے محبت کا اصول خالص انجیلی اصول ہے۔ (متی ۵: ۴۳-۴۸، رومیوں ۱۲: ۱۸-۲۱ وغیرہ)۔ یہ نہ گیتا کی تعلیم ہے اور نہ قرآن کی تعلیم ہے۔ جیسا ہم جلد سوم کے دوسرے حصہ میں بتلا چکے ہیں بابا فرید اور دیگر صوفیہ نے اس اصول کو انجیل سے اخذ کیا ہے (باب ۴ فصل دوم) گرنتھ میں ہے "اے فرید جو تیرے منہ پر طمانچہ مارے اس کو طمانچہ نہ مار بلکہ اس کے پاؤں

Marfat.com

کو چوم اور نجات حاصل کر۔" "اے فرید جو تیرے ساتھ دغا بازی کرتے ہیں تو اُن سے نیکی کر۔ اپنے دل میں غصہ کو نہ آنے دے۔" بابا فرید کے مشہور قول زیرِ عنوان" فرید برے دا بھلا کر،" میں ہے " فرید۔ بدی کے عوض نیکی کر۔ سورج کے ڈوبنے تک تمہاری خفگی نہ رہے"[1]

یہ الفاظ رومیوں ۱۲: ۱۷ و ۲۱ میں اور لفظ بلفظ افسیوں ۴: ۲۶ میں موجود ہیں۔

دوسروں کو معاف کرنے کا اصول۔ انجیلِ جلیل میں یہ اصول خدا کی ذات سے وابستہ ہے اور خدا کی محبت کا نتیجہ ہے۔ پس یہ تعلیم بھی اِس خاص شکل میں انجیل ہی سے مخصوص ہے (متی ۶: ۱۴-۱۵، ۱۸: ۲۱-۳۵، مرقس ۱۱: ۲۵، ۱-یوحنا ۱: ۹ وغیرہ وغیرہ)۔ قرآن میں اور اسلامی شریعت میں قصاص کی تعلیم دی گئی ہے جو موسوی تعلیم سے ماخوذ ہے۔ (خروج ۲۱: ۲۴، احبار ۲۴: ۲۰، استثنا ۱۹: ۲۱، متی ۵: ۳۸ و ۵: ۴۳ وغیرہ)۔ اور جہاں قرآن میں عفو کا ذکر ہے۔ اس کو خدا کی ذات اور اُس کی محبت سے وابستہ نہیں کیا گیا، کیونکہ قرآن میں خدا کی ذات محبت قرار نہیں دی گئی۔ گرنتھ صاحب میں اس اصول کو خدا سے متعلق کیا گیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ "جہاں معافی ہے وہاں خدا خود موجود ہوتا ہے"۔

حقیقی پاکیزگی انجیل جلیل کی تعلیم ہے کہ حقیقی پاکیزگی دل اور باطن کی پاکیزگی ہے۔ چنانچہ خداوند مسیح نے فرمایا "میں تم سے کہتا ہوں کہ جس کسی نے بری خواہش سے کسی عورت پر نگاہ کی ہے وہ اپنے دل میں اُس کے ساتھ زنا کر چکا" (متی ۵: ۲۷ تا ۳۱)۔ شریعتِ اسلام ظاہری، رسمی اور مجلسی پاکیزگی پر زور دیتی ہے اور بیرونی افعال کو نگاہ میں رکھتی ہے، لیکن انجیل باطنی پاکیزگی اور اندرونی خیالات و جذبات کی صفائی کی تعلیم دیتی ہے (۱-کرنتھیوں ۳: ۱۶-۱۷، ۲-کرنتھیوں ۷: ۱، ۱-پطرس ۲: ۱۱، ۱-یوحنا ۳: ۱-۱۰، یوحنا ۸: ۱-۱۱ وغیرہ)۔ گورو ارجن بھی باطن کی پاکیزگی پر زور دیتا ہے اور کہتا ہے "تو کسی دوسرے کی بیوی کی خوبصورتی پر بری آنکھ سے نظر نہ کر"۔ (سکھمنی) اور بھائی گورو داس کہتا ہے کہ اگر تو کسی دوسرے کی خوبصورت عورت کو دیکھے تو اس کو ماں، بیٹی اور بہن سمجھ"۔

اوقاتِ دعا۔ گرنتھ صاحب میں دعا مانگنے کے ٹھیک اوقات مقرر نہیں ہیں۔ یہ بھی خالص انجیلی اصول ہے (دیکھو لوقا ۱۸: ۱، ۲۱: ۳۶، افسیوں ۶: ۱۷ وغیرہ) عیسائیوں کی نماز

1. Selections from Sikh Sacred Scriptures. p. 22

Marfat.com

کی طرح سکھوں کی نماز بھی کبھی قضا نہیں ہوتی۔ اُن کے عبادت خانوں کا رُخ کسی خاص طرف نہیں ہوتا جس طرح گرجاؤں کا بھی نہیں ہوتا لیکن مسلمانوں کے لئے قرآنی حکم ہے کہ وہ قبلہ رُو ہو کر نماز ادا کریں اور مخصوص اوقات پر دُعا کریں۔ گرنتھ صاحب میں دُعا کرنے کے لئے وقت کی قید مقرر نہیں ہے بلکہ وقتِ مُعیّن پر ہی دُعا کرنے کی مذمت کی گئی ہے۔ چنانچہ گورو ارجن کہتا ہے۔ "تمہاری دُعا کے اوقات مُعیّن نہ ہوں۔ تم ہر دم دُعا میں لگے رہو۔ تمہارے دلوں میں خُدا کی یاد لگاتار رہے"۔

ختنہ کی رسم۔ اہلِ یہود کی طرح مُسلمان بھی ختنہ کرتے ہیں۔ اسلامی شریعت کے مُطابق ہر مرد کا ختنہ لازم ہے۔ لیکن گرنتھ میں انجیل کی طرح ختنہ ممنُوع ہے۔ پولُوس رسُول کہتا ہے "ختنہ وُہ نہیں جو ظاہری اور جسمانی ہے بلکہ ختنہ وُہی ہے جو دل کا ہو۔ وہ رُوحانی ہوتا ہے نہ کہ لفظی"۔ (رُومیوں ۲: ۲۹) "نہ ختنہ کوئی چیز ہے، نہ نامختونی بلکہ نئے سرے سے مخلوق ہونا" گلتیوں ۶: ۱۵، ۵: ۶، ۱۔کرنتھیوں ۷: ۱۹ وغیرہ)۔ گورو ارجن بھی کہتا ہے "ختنہ کی بجائے اپنی نفسانی خواہشات کو پاک دامنی اور پاکیزگی سے روکو"۔

جب ہم سکھ مت کے عقائد و دستُورات پر طائرانہ نظر ڈالتے ہیں تو ہم پر ظاہر ہو جاتا ہے کہ مسیحیت سے سکھ مت نے ذیل کی باتیں اخذ کر کے اپنالی ہیں:-

(۱) گناہ کی حقیقی ہستی اور گناہوں کی مغفرت کی ضرورت (۲) دُنیا کا حقیقی وجُود۔ (۳) خُدا کا یہ تصوّر کہ وُہ محبت ہے اور بنی نوعِ انسان کا باپ اور پروردگار ہے۔ (۴) خلقت کلام اللہ کے وسیلے پیدا ہوئی (۵) اخوتِ انسانی کا تصوّر (۶) مساواتِ انسانی کا تصوّر (۷) عورتوں کا مردوں کے ساتھ برابری کا درجہ (۸) بچوں اور عورتوں کا مردوں کے ساتھ عبادتِ عمیم میں شامل ہونا (۹) عورتوں اور بچوں کا احترام (۱۰) دسم گرنتھ میں تشکلک اوتار کی تعلیم (۱۱) درمیانی کی ضرورت (۱۲) خُدا کے فضل سے نجات کا حصُول (۱۳) ست سنگت کا تصوّر (۱۴) خدمتِ خلق میں ایثار اور قربانی کی ضرورت (۱۵) گرہستی ہو کر خُدا کو پانا (۱۶) روزِ عدالت کا صحیح تصوّر (۱۷) دشمنوں سے محبت کرنے اور مُعاف کرنے کے اصُول (۱۸) ختنہ نہ کرنا (۱۹) صرف معیّنہ اوقات پر ہی دُعا نہ کرنا۔ (۲۰) عبادتِ عمیم کے وقت گھُٹنوں کا ٹکنا (۲۱) غیر پروہتی حلقہ کے گرہستیوں کا امامت کا مذہبی فریضہ اور منصب ادا کرنا (۲۲) بپتسمہ کی رسم (پاہل) (۲۳) عشائے ربّانی کی رسم (امرت چکھنا)

Marfat.com

(۲۴) جماعتی برادری کھانا (۲۵) اپنی آمدنی کا دسواں حصّہ دینا۔(۲۶) جماعت کی علاقہ وارانہ تنظیم۔

مسیحیت کے ذیل کے عقائد و دستورات کو قبول نہ کیا گیا:۔

(۱) ایک کامل اور اکمل گورو کی بجائے دس گورو مانے گئے۔ گو ایک ہی گورو (نانک) کا غیر متعین طریقہ سے دوسرے گوروؤں میں ہونا مانا گیا۔ (۲) عقیدہ تثلیث نفی التوحید (۳) خداوند مسیح کی الوہیت (۴) تجسم کا عقیدہ (۵) خاص مکاشفوں کا اور خاص الہام کا عقیدہ۔ (۶) ہر روز کے لئے عبادتِ عمیم میں خاص مقرری دعاؤں کا استعمال۔ (۷) کسی خاص دن (اتوار) کو عبادتِ عمیم کے لئے مقرر کرنا (۸) بچوں کا بپتسمہ (۹) بیرونی مادی نشانات اور ظاہری رسموں اور پابندیوں کو غیر ضروری ٹھہرانے کی بجائے کیس، کنگھا، کڑا، کچھ اور کرپان کے ظاہری نشانوں کو لازمی قرار دے دینا۔

نتیجہ مذکورہ بالا بیانات میں ہم نے صرف اُن عقائد اور اصول و رسوم کا ذکر کیا ہے جو انجیل کے خصوصی عقائد اور تعلیم و دستورات ہیں اور جن کا ذکر ہندوستان کے دیگر مذاہب کی کتبِ مقدسہ میں نہیں پایا جاتا۔ سطورِ بالا کے سطحی مطالعہ نے ناظرین پر یہ حقیقت روشن کر دی ہوگی کہ گرنتھ صاحب کی تعلیم پر انجیل جلیل کا بالواسطہ اور بلاواسطہ اثر ضرور پڑا ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ سکھ اور مسیحی محقق اور فضلائے گرنتھ کی تعلیم کے مختلف پہلوؤں کا بالتفصیل گہرا مطالعہ کرکے اس موضوع پر مزید روشنی ڈالیں گے۔[1]



[1] See Dr. Ganda Singh's articles in "The Missionary" (Annual Numb[er] 1964) pages 28 ffing.

Marfat.com

پنجاب آرٹ پریس لاہور میں باہتمام میجر ای ۔ پی عطار دسیکرٹری
پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی انارکلی لاہور چھپ کر شائع ہوئی۔

Marfat.com

پادری برکت اللہ ایم۔اے کی دیگر تصانیف

نمبر شمار	نام کتاب	قیمت
۱	مسیحیت اور سائنس	-/۱۳
۲	نور الہدیٰ بجواب ینابیع المسیحیت مصنفہ خواجہ کمال الدین قادیانی	-/۸۷
۳	صحت کتب مقدسہ (دوسری ایڈیشن)	۶/۰۰
۴	قدامت و اصلیت اناجیل اربعہ حصہ اول ودوم (دوسری ایڈیشن) فی حصہ	۱/۵۰
۵	اناجیل اربعہ کی اصل زبان	-/۷۵
۶	محمد عربی (تیسری ایڈیشن)	۲/۲۵
۷	تورات موسوی اور محمد عربی (دوسری ایڈیشن)	-/۵۰
۸	دین فطرت، اسلام یا مسیحیت؟ (دوسری ایڈیشن)	-/۵۰
۹	دشت کربلا یا کوہ کلوری؟	-/۷
۱۰	توضیح البیان فی اصول القرآن (دوسری ایڈیشن)	-/۴۰
۱۱	اسرائیل کا نبی یا جہان کا منجی؟	-/۳۰
۱۲	کلمۃ اللہ کی تعلیم	-/۷۵
۱۳	معجزہ قانائے گلیل (بجواب مولوی ثناء اللہ امرتسری) دوسری ایڈیشن	-/۴۰
۱۴	ایلی۔ایلی لما شبقتنی (" " ") " "	-/۴۰
۱۵	ابوت الٰہی کا مفہوم (" " ")	-/۲۰
۱۶	مسیحیت کی عالمگیری (ختم)	ـ
۱۷	اشتراکیت اور مسیحیت	-/۷
۱۸	توضیح العقائد	-/۴۰
۱۹	کیا تمام مذاہب یکساں ہیں؟ (ختم)	ـ
۲۰	تاریخ کلیسیائے ہند جلد اول۔ مقدس توما رسول ہند	۱/۷۵
۲۱	" " جلد دوم۔ صلیب کے ہراول	۲/۰۰

Marfat.com

قیمت	نام کتاب	نمبر شمار
۳/۵۰	تاریخ کلیسیائے ہند۔ جلد سوم۔ قرونِ وسطیٰ کی ایشیائی اور ہندوستانی کلیسیائیں	۲۲
	" " " جلد چہارم۔ مغلیہ سلطنت اور مسیحیت	۲۳
۱/۰۰	صلیب کے علمبردار (دوسری ایڈیشن)	۲۴
۱/۰۰	کلیسیائے پنجاب کا دانا معمار۔ آرچڈیکن احسان اللہ	۲۵
	اُردُو تراجم	
-/۵۰	ضابطۂ کلیسیائے ہند	۱
-/۲۵	اِستحکام کی تیاری	۲
-/۶۲	کلیسیائے ہند اور مسیحی خادم	۳
-/۲۵	نماز کی کتاب کے بعض حِصص	۴
-/۷	مُلکِ صحت کی عدالت	۵
	پنجابی	
۱/۰۰	نماز دی کتاب	۱
-/۲۵	نماز دی کتاب دے بعض حِصّے	۲
۱/۰۰	دُعائے عام دی کتاب (۱۹۵۰ء) بحروف فارسی وگورمکھی	۳
-/۷	فجر تے شام دی عبادت	۴
-/۱۳	پوُران گمڑو (بحروف گورمکھی)	۵
-/۴۰	نانِ بقا، گیتوں کا مجموعہ (پانچویں ایڈیشن)	۶
-/۲۰	گیت مالا (بحروف فارسی وگورمکھی)	۷
	انگریزی	

1. Hints on the study of Deductive and Inductive Logic.
2. Principles of Deductive Logic.
3. From Karbala to Calvary.

ملنے کا پتہ:-

۱- پنجاب ریلجس بک سوسائٹی۔ انارکلی۔ لاہور

۲- ایس۔ پی۔ سی۔ کے۔ سینٹ جیمس چرچ۔ کشمیری دروازہ۔ دہلی (بھارت)

Marfat.com

DAILIES, PERIODICALS AND MAGAZINES

1. Journal of Asiatic Society of Bengal for 1896 & 1912.
2. Allnutt, E. J., Christianity at the Court of Akbar and Jahangir. (I. H. Q. 1936 (i) 294-307)
3. Bouquet A. A., Christian Influences in Early Buddhism. (Modern Churchman. January-March 1963)
4. Billimoria, N. M., Religious Opinions of Emperor Akbar. (J. S. H. S. 1942 (ii) 155-161)
5. East and West (July 1957) (Rome).
6. Goetz, Hermann, The Early Muraqqas of the Moghul Emperor Jahangir. (East and West, July 1957 pp. 157.185).
7. Gray, Basil, Indian Pictures in a Persian Museum. (Burlington Magazine, April 1935)
8. Gracia, Cardinal, Illustrated Weekly of India, February 18, 1962.
9. Hosten, English Translation and Notes on Monserrate's Relacam. (Journal & Proceedings of A. S. B. for 1912.)
10. Hosten, Articles in the Journal of the Punjab Historical Society. (1916)
11. Hosten, Three Letters of Fr. Joseph de Castro, S. J. and the Last Years of Jahangir. (P. A, S. B. 1926 (xii) 141-166)
12. Heras, The Story of Akbar's Christian Wife. (J. I. H. I924, 218-235)
13. Krishnamurti R., The Inaugural Meeting of the Divine Faith of Akbar. (J. I. H. 1945. (70, 71) 17-21)
14. The Missionary, Quarterly Journal of the Sikh Missionary Society. (January-March 1962; Spring 1963 ; April-June 1962 ; July-Sept. 1962, January-March 1963).
15. The Nineteenth Century, June 1893.
16. The Punjab Historical Society, Volumes 1, 2, 5, 7 & 8.
17. Reader's Digest December, 1961.
18. Rehalsek, E., Letter of Akbar asking Christian Scriptures. (I. A. 1887. 135-139)
19. Rehalsek E., Missionaries at the Moghul Court from Southern and Portugese India during the Reign of Akbar and after. (C. R. 1886 CLXIII).
20. The Indian Social Reformer, November 13th, 1926.
21. Sharma S. R., Akbar's Religious Policy. (I. H. Q. (ii) 302-322)
22. Sharma S. R., Jahangir's Religious Policy. (I.C. 1938 (iii) 305-323)
23. Sharma S.R., Religious Policy of Shahjahan (I.H.Q. 1936 (i) 21-43
24. Smith V. A., Akbar's House of Worship. (J.R.A.S. 1917. 715-722)
25. Sinha H.N., The Genesis of Din Ilahi. (J.I.H. 1930 (27) 306-329)
26. The Times of India, May 10th, 1963.
27. Verghese B.G., The Time of India, January 5th, 1962.

Marfat.com

63. Sher Singh, Philosophy of Sikhism. (1944)
64. Sharma R., Moghul Government and Administration. (1951)
65. Sabitini R., The Life of Cesare Borgia.
66. Tinling J. F. B., Early Roman Catholic Missions. (1871)
67. T-rry, Voyage to East India.
68. Teja Singh, Sikhism, Its Ideals and Institutions. (1938)
69. Teja Singh, Jap Viyakhaya.
70. Teja Singh and Ganda Singh, A Short History of the Sikhs. (1950)
71. Trilochan Singh and Others, Selections from the Sacred Writings of the Sikhs. (1960)
72. Tavernier, Jean Baptiste, Travels in India. 2 Volumes. (Trans. John Phillips, London 1677 and Published by Bangabasi Office, Calcutta, 1905)
73. Toynbee A. J., A Study of History. Abridgement of volumes 7-10 by H. G. Somervelle.
74. Wells H. G., The Outline of History. (Revised Edition 1920)
75. Yazdani, Mandu, City of Joy. (Oxford 1929)



Marfat.com

30 Ishwari Parshad, History of Mediaeval India:
31. India at the Death of Akbar.
32. Jaffar S. M., Some Cultural Aspects of the Muslim Rule in India.
33 Kay J. W., Christianity in India.
34. Kincaid, British Social Life in India. (1608-1937)
35. Khushwant Singh, The Sikhs. (1953)
36. Khazan Singh, History and Philosophy of Sikh Religion.
37. Latourette K. S., Expansion of Christianity.
38. Letters of Lord Acton.
39. Loehlin C. H., The Sikhs and their Scriptures.
40. Levonian L., Muslim Mentality. (1928)
41. Majumdar, Roy Choudhari and Datta, An Advanced History of India. (Macmillan & Co., London 1958)
42. Manucci, Storia do Mogor. 5 Volumes (Edited by W. Irvine)
43. Macgregor, The Sikhs.
44. Martin F. R., Miniature Painting and Painters of Persia, India and Turkey. (London 1912)
45. Maurice D., Indian Miniature Painting (Milan)
46. Maclagan E., The Jesuits and the Great Moghul.
47. Mirzaian A., A Short Record of Armenian Churches in India and Far East. (1958)
48. Mass E., The Dream of Philip II. (1946)
49. Noer Von, Kaiser Akbar.
50. New Testament Pictures as drawn for Akbar. (Lahore Museum)
51. Oriental Biographical Dictionary. (Ed. 1894)
52. Priolkar, The Goa Inquisition. (Bombay University Press)
53. Richter J., History of Christian Missions.
54. Remy, Goa, Rome of the Orient. (Trans. Sheppard 1957)
55. Roger T., History of Prices.
56. Speeches of Maulana Azad : 1947-1955.
57. Seth-Smith E. K., The Firebrand of the East. (S.P.C.K.)
58. Stephens M., Albuquerque. (Rulers of India Series)
59. Sarkar J. N., History of Aurangzeb. 5 Volumes.
60. Sarkar J. N., Studies in Moghul India. (1919)
61. Smith, Akbar, the Great Moghul. (1897)
62. Seth M. J., Armenians in India. (Calcutta 1937)

Marfat.com

LIST OF BOOKS CONSULTED

The following books in English have been consulted in the preparation of this volume. The names of books in Oriental languages are given in the text.

1. Arnold T. W., The Preaching of Islam. (1896)
2. Adeney W. F., The Greek and Eastern Churches. (1908)
3. Archæological Department Exhibition, Delhi Coronation Durbar 1911.
4. The Memoirs of Babar. (Trans. Mrs. Beveridge)
5. Blockman and Jarrot, English Translation of Ain-i-Akbari. 3 Vols.
6. Beni Parshad, History of Jahangir.
7. Bliss F. J., The Religions of Modern Syria and Palestine. (T & T Clark 1912)
8. Bernier, Francois, Travels in the Moghul Empire (1656-1668) Translation revised by Vincent Smith. 2nd Edition 1914 (O.U.P.)
9. Chandler J. S., The Jesuit Mission in Madura.
10. Catrou, General History of Moghul Dynasty in India. (London 1826)
11. Cunningham, A History of the Sikhs. (1st. Edition)
12. Du Jarric P., Akbar and the Jesuits. (Trans. C. H. Payne).
13. De Laet, Joannes. The Empire of the Great Moghul. (Trans. J. S. Hoyland. Taraporevala. Bombay 1928)
14. Elliot and Dowson, History of India as told by its own Historians.
15. Edwards S. M., The Rise of Bombay. (1902)
16. Foster, Early Travels in India.
17. The Embassy of Sir Thomas Roe to India. (London 1926)
18. Farquhar, J. N., Modern Religious Movements in India.
19. Guerreiro, Jahangir and the Jesuits. (Trans. C. H Payne)
20. Goldie, The First Christian Missions to the Great Moghul (1897)
21. Guilford E., Sikhism. (1915)
22. Henriques, Ursula, Religious Toleration in England.
23. Houpert R. C., Christianity in India.
24. Hunter W., Brief History of Indian Peoples.
25. Hough, James, History of Christianity in India (1839)
26. Hoyland J. S., The Journal of Father Monservate.
27. Holden E., Moghul Emperors of Hindustan. (1895)
28. Harbans Singh, Something about Sikhism. (1929)
29. History of Moghul Dynasty in India.

Marfat.com

Marfat.com

ہماری تازہ مطبوعات

فتح :۔ ڈاکٹر ڈبلیو ۔ سی ۔ کرسٹی صاحب ۔ ڈاکٹر صاحب نے عام فہم و سطح پر اچھوتے انداز میں مکاشفہ کی کتاب کا تشریحی اور معلوماتی مطالعہ پیش کیا ہے ——— صفحات ۲۷۶ ۔ رنگین جلد ۔
قیمت ۲-۰۰

راستبازی :۔ ڈاکٹر ڈبلیو ۔ سی ۔ کرسٹی صاحب ۔ ڈاکٹر صاحب کی دوسری علمی پیشکش جس میں رومیوں کے خط کا تفسیری اور تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے ۔ صفحات ۲۶۴ ۔ مضبوط جلد
قیمت [illegible]

کلسیوں کے خط کی تفسیر :۔ پادری جلال الدین صاحب ۔بی۔اے تفسیر کا انداز نہایت ہی دل پسند اور دل آویز ہے ۔
صفحات ۷۶ ۔ قیمت ۶۲-۰۰

گلتیوں کے خط کی تفسیر :۔ پادری آر ۔ ایم روبنسن صاحب بی۔اے ، بی۔ڈی ۔ معیار تفسیر بلند پایہ اور شگفتہ ہے ۔
صفحات ۹۸ ۔ قیمت ۶۲-

شان صلیب :۔ ڈاکٹر ایس۔ایم زویمر صاحب کی مایۂ ناز پیش کش۔ مسئلہ صلیب کے مختلف پہلوؤں پر تحقیقی جائزہ لیتے ہوئے ثابت کیا ہے ، کہ نجات آخروی کے لئے صلیب حق پرست کے واسطے لازم و لابدی امر ہے ۔ صفحات ۱۶۴ ۔ پختہ جلد ۔ قیمت

پنجاب رلیجس بک سوسائٹی ۔ انارکلی ۔ لاہور

Marfat.com